جمالین

فی شرح

جلالین

جلدِ چہارم

لِلشیخ عبد الرحمٰن بن أبی بکر جلال الدین السیوطی م ۹۱۱ھ

شارح

حضرت مولانا محمد جمال بلند شہری

اُستاذ دار العلوم دیوبند

جلد چہارم

للشیخ عبد الرحمن بن أبی بکر جلال الدین السیوطی م ۹۱۱ھ

شارح

حضرت مولانا محمد جمال بلند شہری

استاذ دار العلوم دیوبند

ناشر

زمزم پبلشرز

نزد مقدس مسجد اردو بازار کراچی

از

حضرت مولانا محمد جمال بلند شہری

کتاب کا نام ـــــــ جمالین شرح جلالین جلد چہارم

تاریخ اشاعت ـــــــ اکتوبر ۲۰۱۱ء

باہتمام ـــــــ احباب زمزم پبلشرز

ناشر ـــــــ زمزم پبلشرز کراچی

صفحات ـــــــ ۶۵۶

شاہ زیب سینٹر نز د مقدس مسجد، اُردو بازار کراچی

فون: 021-32729089

فیکس: 021-32725673

ای میل: zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ: www.zamzampublishers.com

ملنے کے دیگر پتے

- مکتبہ بیت العلم، اردو بازار کراچی۔ فون: 32726509
- مکتبہ دار الھدیٰ، اردو بازار کراچی۔ فون: 32711814
- دار الاشاعت، اُردو بازار کراچی
- قدیمی کتب خانہ بالمقابل آرام باغ کراچی
- مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار لاہور

Madrasah Arabia Islamia
1 Azaad Avenue P.O Box 9786,
Azaadville 1750 South Africa
Tel : 00(27)114132786

Azhar Academy Ltd.
54-68 Little Ilford Lane
Manor Park London E12 5QA
Phone: 020-8911-9797

Islamic Book Centre
119-121 Halliwell Road, Bolton Bl1 3NE
U.K
Tel/Fax : 01204-389080

Al Farooq International
68, Asfordby Street Leicester LE5-3QG
Tel : 0044-116-2537640

MAULANA MOHD. JAMAL QASMI
(PROF.)

DARUL ULOOM DEOBAND
DISTT. SAHARANPUR (U.P) INDIA
PIN 247554 PHONE. 01338-224147
Mob. 9412848280

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جمالین شرح اردو جلالین کے حقوق اشاعت وطباعت باہمی ایک معاہدہ کے تحت پاکستان میں مولانا محمد رفیق بن عبد المجید مالک زمزم پبلشر کراچی کو دیدیے گئے ہیں، لہذا پاکستان میں کوئی شخص یا ادارہ جمالین کے کل یا جزو کی اشاعت وطباعت کا مجاز نہ ہوگا بصورت دیگر ادارہ زمزم کو قانونی چارہ جوئی کا اختیار رہے گا۔

محمد جمال غفرلہ
استاذ دارالعلوم دیوبند الہند
۱۸ دسمبر سنہ ۲۰۰۴ء ۶ / ۱۱ / سنہ ۱۴۲۵ھ

عرضِ ناشر

الحمد اللّٰہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفٰی...

امابعد! اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو پیدا فرما کر اس کی تمام ضروریات کی کفالت فرمائی اور بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے انسانیت کے نام اپنا پیغام مختلف انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ بھیجا تاکہ انسان اس کی رہنمائی میں چل کر دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود کو حاصل کر سکے۔ تاریخ شاہد ہے کہ امتِ محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ والسلام سے پہلی امتوں سے کتاب ہدایت کی حفاظت نہ ہوسکی جس کے نتیجہ میں وہ نسخۂ اصلی سے محروم ہوگئے اور سیدھی راہ بتانے والا ہدایت نامہ جب نہ رہا تو اندھیروں میں بھٹکتے ہی چلے گئے۔ لیکن رسول اکرم ﷺ کی امت کو دی جانے والی کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری خود خالق السمٰوٰت والارض نے اٹھائی اور کھلے عام اعلان کردیا ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ اس کتابِ زندہ کی حفاظت اللہ پاک نے ہر طرح اور ہر طبقہ کے ذریعہ کرائی، قرآن مجید کی جملہ تفاسیر اسی سلسلہ کی کڑی ہیں۔

زیرِنظر "تفسیر جمالین اردو" جلالین شریف عربی کی اردو شرح ہے، یوں تو تفسیر جلالین کی بہت سی شروحات عربی اور اردو میں لکھی گئی ہیں، لیکن "ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است" حضرت مولانا محمد جمال سیفی صاحب دامت برکاتہم العالیہ استاذ دارالعلوم دیوبند نے نہایت عمدہ اور آسان سلیس زبان میں ہر ہر مقام پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اللہ پاک امت مسلمہ کی طرف سے حضرت مصنف صاحب کو جزائے خیر عطاء فرمائے۔ آمین ثم آمین

زمزم پبلشرز نے پوری تفسیر کو نئی آب و تاب کے ساتھ زیورِ طباعت سے آراستہ کیا جو کہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، زمزم پبلشرز نے اس تفسیر میں مندرجہ ذیل قابل قدر کام کیے:

1. ملک کے معروف خطاط "حافظ عبدالرؤف صاحب" زید مجدہ سے قرآن کریم کتابت کروایا۔
2. پروف ریڈنگ پر زرِ کثیر اور محنت شاقہ خرچ کی۔
3. عمدہ کاغذ پر ۶ جلدوں میں چھاپا۔
4. قرآن کریم کی آیات اور جلالین کی عبارت کو ممتاز کیا تاکہ پڑھنے میں سہولت ہو۔

فہرست مضامین جلد چہارم

فہرست مضامین جلد چہارم

سُوْرَةُ الْكَهْفِ

فہرست مضامین جلد چہارم

فہرست مضامین جلد چہارم

سُوْرَةُ الْاَنْبِيَاءِ

سُوْرَةُ الْحَجِّ

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ

فہرست مضامین جلد چہارم

سُوْرَةُ النُّوْرِ

فہرست مضامین جلد چہارم

فہرست مضامین جلد چہارم

فہرست مضامین جلد چہارم

فہرست نقشہ جات

کلمات بابرکت

حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری مدظلہٗ استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للّٰہ رب العٰلمینَ والصَّلٰوۃ وَالسَّلام عَلٰی رَسوله مُحمّد وعلٰی اٰلِهٖ وصحبهٖ اجمعین ، امابعد!!.

قرآن کریم دنیا کی وہ واحد آسمانی کتاب ہے جو زمانہ نزول سے آج تک اپنی اصلی شکل وصورت میں انسان کے پاس محفوظ ہے اور قرآن کے اعلان **وانا لہٗ لحافظون** کے مطابق ان شاءاللہ مستقبل میں بھی ہر طرح کے تغییر وتحریف سے محفوظ رہے گی۔

اس کتاب مبین کے صفحات میں خداوند ذوالجلال نے انسانوں کو خود مخاطب بنایا ہے اور اس نے صاف طور پر بیان کیا ہے کہ زندگی کے سفر میں اس کے اپنے بندوں سے کیا مطالبات ہیں جن کو پورا کرکے انسان آخرت میں فوز وفلاح سے ہمکنار ہوسکتا ہے۔

اس کتاب میں خدا نے انسان کو عربی زبان میں مخاطب کیا ہے اور قرآن ہی میں خدا نے رسول پاک ﷺ کو اس کی شرح وبیان کا ذمہ دار بنایا ہے، ارشاد ہے:

وانزلنا الیك الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتفکرون. (سورۃ النحل آیت ٤٤)

اور ہم نے آپ پر یہ قرآن نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے ان باتوں کو کھول کر بیان کردیں جو ان کے لئے نازل کی گئی ہیں اور وہ بھی اس پر غور وفکر کریں۔

معلوم ہوا کہ قرآن کریم کے مضامین کو کھول کر بیان کردینا رسول پاک ﷺ کا فرض منصبی ہے، اور اہل علم کو بھی اس پر غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے، ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا:

کتاب انزلناہ الیك مبارك لیدبّروا ایاته ولیتذکر اولوا الالباب. (سورۃ ص آیت (٢٩)

قرآن وہ کتاب ہے جسے ہم نے آپ پر اتارا ہے، برکت والی ہے تاکہ انسان اس کی آیات پر غور وفکر کریں اور تاکہ اہل عقل نصیحت حاصل کریں۔

چنانچہ اہل بصیرت ارباب علم نے قرآن کریم کی آیات پر غور وتدبر کا حق ادا کیا، الفاظ کی تصحیح وتجوید کے طریقے مدوّن کئے، معانی کی تنقیح اور مسائل کی تخریج واستنباط کے قواعد وقوانین مقرر کئے، اس سلسلے میں جو باتیں حضور ﷺ سے منقول تھیں ان کی حفاظت کی، پھر عربی زبان کے قواعد اور مسلمات شرعیہ کو رہنما بنا کر الفاظ ومعانی کی وہ بیش قیمت خدمات انجام دیں جن کی نظیر پیش کرنے سے دنیا کے علمی خزانے عاجز ہیں۔

اور اس طرح قرن اول سے آج تک قرآن کریم کی بے شمار مختصر اور مفصل تفاسیر وجود میں آگئیں، انہی معتبر تفاسیر میں تفسیر جلالین ہے جو اوساط علمیہ میں قبول عام کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ ہے کہ عہد تصنیف سے آج تک تسلسل کے ساتھ نصاب تعلیم کا جز ہے۔

اس تفسیر کے دونوں مفسرین علامہ جلال الدین محلی اور علامہ جلال الدین سیوطی رحمہما اللہ نے نہایت مختصر الفاظ میں دقیق اشارات سے کام لیا ہے، اردو زبان میں ان دقیق اشارات کی شرح کی ضرورت تھی، نہایت مسرت کی بات ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے قدیم اور باذوق مدرس برادر محترم حضرت مولانا محمد جمال صاحب زید مجدہم نے ادھر توجہ کی اور اب ان کا اشہب قلم اس ضرورت کی تکمیل میں مصروف ہے، موصوف دس سال سے جلالین کا درس دے رہے ہیں، انہوں نے اپنے تدریسی تجربات اور قرآن فہمی کے معتبر ذوق کی مدد سے یہ خدمت اس طرح انجام دی کہ:

(الف) عام طور پر مشکل مفردات کی لغوی اور صرفی تحقیق کا اہتمام کیا، یعنی صیغہ بھی بتایا اور معانی بھی بیان کئے۔

(ب) مشکل جملوں کی ترکیب نحوی پر زور دیا اور اختلاف کے موقع پر راجح صورت کو مقدم کیا۔

(ج) اور سب سے زیادہ اہم بات یہ کہ جلالین کے مختصر الفاظ میں جو فوائد ملحوظ ہو سکتے ہیں ان کی طرف پوری توجہ مبذول کی کہ مفسر کے پیش نظر کہاں لغوی ترجمہ ہے، کہاں ابہام کی وضاحت ہے، کہاں اجمال کی تفصیل ہے، کہاں معنی مرادی کی تعیین ہے، کہاں اختلاف کی طرف اشارہ ہے، کہاں ترکیب نحوی کا بیان ہے، کہاں اختلاف میں ترجیح کی جانب اشارہ ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

موصوف نے جلالین کی ترتیبِ تصنیف کے مطابق جلد دوم سے اپنی خدمت کا آغاز کیا ہے، دعا ہے کہ پروردگار عالم کے فضل وکرم سے ان کی خدمت طلبہ اور اہل علم کے درمیان قبول عام کی دولت سے سرفراز ہو اور بارگاہ خداوندی میں شرف قبول حاصل کرے، آمین۔

والحمدللہ اولاً وآخراً

ریاست علی بجنوری غفرلہٗ
خادم تدریس دارالعلوم دیوبند
۲۲/ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ

کچھ کتاب کے بارے میں

تفسیر جلالین جس کے تفسیری کلمات تقریباً قرآنی کلمات کے برابر ہیں، اگر اس تفسیر کو قرآن کا عربی ترجمہ کہا جائے تو شاید غلط نہ ہو تقریباً دس سال سے جلالین نصف ثانی کا درس احقر سے متعلق ہے، اس دس سالہ تدریسی تجربہ سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ مفسر جلالین نصف ثانی علامہ محلی اور ان ہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے علامہ سیوطی کے مختصر مگر جامع تفسیری الفاظ میں جو فوائد پیش نظر ہیں ان کی تشریح وتوضیح ہی جلالین کی اصل روح ہے، جلالین کے سوالات کے پرچوں میں بھی اکثر دیکھا گیا ہے کہ دیگر باتوں کے علاوہ تفسیری کلمات کے فوائد کی وضاحت بھی مطلوب ہوتی ہے، اس کے پیش نظر اساتذۂ دارالعلوم دیوبند کا یہ طریقہ رہا ہے کہ تفسیری کلمات کی وضاحت فرماتے ہیں، تفسیری کلمات کے فوائد اگرچہ جلالین کی شروح وحواشی میں جا بجا ضمنی اور منتشر طور پر ملتے ہیں، مگر اس کو عنوان اور موضوع بنا کر جس توجہ کی ضرورت تھی اس کی ضرورت اور اہمیت کے مطابق توجہ نہیں دی جاسکی۔

تفسیری کلمات اور ان کے فوائد

شارح کے فرائض میں جہاں متکلم کے کلام کی گرہ کشائی اور وضاحت ہوتی ہے وہاں مندرجہ ذیل امور بھی توجہ طلب ہوتے ہیں چنانچہ علامہ سیوطی اور علامہ محلی نے ان باتوں کی طرف اکثر اجمال واشارات سے کام لیا ہے ان ہی اشاروں کی توضیح اور اجمال کی تفصیل جلالین کو درس میں داخل کرنے کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد ہے۔

شارح کا مقصد کہیں تو معنی لغوی کی وضاحت ہوتی ہے، اور کہیں مقصد تعیین معنی ہوتا ہے، اور کہیں متضمن معنی بیان کر کے صلہ کی تصحیح مقصد ہوتی ہے اور کہیں اضافہ کا مقصد کسی شبہ کا ازالہ اور اعتراض کا دفعیہ ہوتا ہے، اور کہیں بیان مذہب کی طرف اشارہ ہوتا ہے، اور کہیں ترکیب نحوی کو حل کرنا پیش نظر ہوتا ہے، اور کہیں صیغہ کی تعیین وتعلیل پیش نظر ہوتی ہے، کہیں کسی واقعہ کی طرف اشارہ کرنا مقصد ہوتا ہے، اور کہیں اختلاف قراءت کو بیان کرنا مدنظر ہوتا ہے، اور کہیں شان نزول کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے۔

پیش نظر شرح میں کوشش کی گئی ہے کہ مذکورہ امور پیش نظر رہیں تاکہ اب تک کی اردو شروحات میں جو کمی محسوس ہوتی رہی ہے اس کا کسی حد تک تدارک ہوسکے۔

چونکہ جلالین کی تصنیف کا آغاز نصف ثانی سورۂ کہف سے ہوا تھا شرح میں اسی ترتیب کو احقر نے بھی ملحوظ رکھا ہے یہ جلد جو آپ کے ہاتھوں میں ہے چوتھی جلد ہے، احقر کی کوشش کس حد تک کامیاب ہے یہ فیصلہ تو ناظرین ہی کر سکتے ہیں، آخر میں

ناظرین سے درخواست ہے کہ اگر کوئی کمی یا غلطی محسوس فرمائیں تو احقر کو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کرلی جائے، ممنون ہوں گا، نیز ساتھ ہی یہ بھی گذارش ہے کہ اس ناکارہ کو دعوات صالحہ میں فراموش نہ فرمائیں، اور دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ احقر کی اس حقیری کوشش کو ذخیرۂ آخرت فرمائے، آمین۔

محمد جمال بلند شہری، متوطن میرٹھ
استاذ دارالعلوم دیوبند ۲۲/۱۲/۱۴۲۲ھ

آغاز کلام

ایک کے مافی الضمیر کی تشریح دوسرے کی زبان سے کتنا مشکل کام ہے!! جب انسانی قول کی تشریح میں اتنا اشکال ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام کی تشریح اس کے بندوں کی زبان وقلم سے جتنا مشکل ہے، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے، کسی نے خوب کہا ہے کہ قرآن پاک کی کوئی تفسیر کبھی مکمل نہیں ہوسکتی، کیونکہ شارح کے لئے ضروری ہے کہ وہ ماتن سے زیادہ علم رکھتا ہو، ورنہ کم از کم اس کے برابر تو ہو، اور اس کا تصور بھی کسی بندہ میں قرآن اور صاحب قرآن کی نسبت سے نہیں کیا جاسکتا۔

شارح اور مفسر کا کام یہ ہے کہ ماتن کے اختصار کی تفصیل اور اجمال کی توضیح کرے اور اس کے کلام بے دلیل کو بادلیل کرے، اس کی بات پر کوئی شبہ یا اعتراض ہو تو اس کو دفع کرے، اس کے لفظوں کی گرہ کھولے، ترکیبوں کی پیچیدگی صاف اور مطلب کی دشواریوں کو حل کرے، اور اگر کہیں تضاد نظر آئے تو اس کو تطبیق دے، اور اس کے ایک قول سے دوسرے قول کو سمجھنے کی کوشش کرے۔

یہ اور اسی قسم کے اور طریقے ہیں کہ جن سے انسان، انسانوں کے کلام کو سمجھتے اور ان کی دشواریوں کو حل کرتے ہیں، لیکن قرآن پاک کی تفسیر میں ان طریقوں کے علاوہ کچھ طریقے اور بھی ہیں، جو قرآن ہی کے ساتھ مخصوص ہیں۔

قرآن خدا کا کلام ہے جو ۲۳ برس کی مدت میں تھوڑا تھوڑا کر کے عرب میں فصیح وبلیغ زبان میں خدا کے ایک برگزیدہ بندہ پر نازل ہوا، اس میں نظریئے بھی ہیں اور عملی تعلیمات بھی، اس نے ان نظریوں کو خدا کے بندوں کو سمجھایا، اور ان عملی تعلیمات پر عمل کر کے اپنے آس پاس والوں کو دکھایا اور بتایا اور اس لئے کہ وہ کلام کا پہلا مخاطب تھا، اور اسی کے ذریعہ اس کلام کا مطلب دوسروں کو سمجھانا تھا، اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ وہی اس کلام کے مطالب کو سب سے بہتر سمجھ سکتا تھا، اور اسی لئے وہ اس کلام کا جو مطلب سمجھا اور اپنی تعلیم وعمل سے دوسروں کو سمجھایا وہی اس کا صحیح اور بے خطا مطلب اور مفہوم ہے، اس لئے قرآن کو سمجھنے کے لئے حامل قرآن محمد رسول اللہ ﷺ کی قولی، عملی تفسیر سے بہتر قرآن کی تفسیر کا کوئی ذریعہ نہیں ہوسکتا، رسول کی قولی وعملی تفسیر سنت ہے، اور قرآن کتاب اللہ ہے، کتاب وسنت اسلام کے وہ بنیادی پتھر ہیں جن پر اسلام کی پوری عمارت کھڑی ہے۔

حامل قرآن علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد قرآن کی فہم میں ان سے تربیت اور فیض پائے ہوئے اشخاص کا مرتبہ ہے جنہوں نے رسول

اللہ ﷺ کی زبان وحی ترجمان سے ان آیتوں کو سنا، آیتوں کے ماحول کو جانا اور جو اس فضا سے آشنا تھے، اور جو آیتوں کے نزول کے وقت موطن وحی میں جلوہ گر تھے، اس کے بعد تابعین کا گروہ ہے جنہوں نے صحابہ کرام سے اس فیض کو حاصل کیا اور خاص طور سے قرآن کی تعلیم کو اپنی زندگی کا مقصد ٹھہرایا، دن رات وہ اس کے ایک ایک لفظ کی تحقیق اور اس کی صرفی ونحوی ترکیبوں کا حل اور کلام عرب سے ہر قرآنی محاورہ کی تطبیق کرتے تھے۔

کچھ عرصہ سے بعض عقلیت پسندوں کا میلان ادھر ہے کہ وہ اس طریقۂ تفسیر کو روایتی سمجھ کر اس کی تحقیر کریں، حالانکہ دوسری حیثیتوں کو چھوڑ کر اگر صرف زبان کا ماہر اور واقف کار ہی کی حیثیت سے ان مفسرین بالروایت کو دیکھا جائے تو بھی ان کا مرتبہ ہم سے آپ سے، بمراتب اونچا ہوگا، یہ کوئی قدامت پرستی کی بات نہیں بلکہ واقعہ کا حقیقی پہلو ہے۔

قرآن پاک کی تفسیر کا پہلا دور اسی طریقہ سے شروع ہوا، لیکن افسوس کہ غیر ضروری تشریح وتوضیح کے لئے مسلمانوں نے ان مضامین میں جو قرآن پاک اور پہلے آسمانی صحیفوں میں اشتراک رکھتے تھے، نومسلم اہل کتاب کی طرف رجوع کیا اور ان سے سن سن کر اسرائیلی روایات کا بہت بڑا حصہ قرآن پاک کی تفسیروں میں بھر دیا، محدثین نے ان اسرائیلیات سے بے اعتنائی کا ہمیشہ اظہار کیا ہے، اور اسی لئے وہ حصہ ہماری تفسیروں کا نہ صرف یہ کہ مفید نہیں بلکہ بہت حد تک مضر اور قرآن کے صحیح مطلب سمجھنے میں عائق ہے۔

کسی کتاب کا صحیح مطلب سمجھنے کے لئے سب سے اہم چیز اس کتاب کی زبان اور اس زبان کے قواعد کی پیروی ہے یہ کسی طرح درست نہ ہوگا کہ ہم عقلیت کے جوش میں اس کتاب کے کسی فقرہ کی تشریح میں اس زبان کی لغت اور قواعد میں ایسا تصرف کریں، جو ہر حیثیت سے ناجائز ہو، اور ہمارے اس تصرف کا اصل منشا صرف اتنا ہو کہ ہم اپنے استبعاد عقلی کی تسکین کرسکیں، حالانکہ استبعاد عقلی کوئی یکساں چیز نہیں اور نہ وہ خلاف عقل کے معنی میں ہے، استبعادات عقلی کی فہرست ہر زمانہ میں گھٹتی اور بڑھتی رہی ہے، اس لئے قرآن پاک کی تفسیر کا یہ معیار نہیں بنایا جاسکتا، تاہم اس میں شک نہیں کہ ہر زمانہ کا ماحول دوسرے زمانہ سے الگ ہوتا ہے عقلی مسلمات اور زمانہ کے غیر محسوس عقائد ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں، اس لئے ہر کتاب کے مفہوم ومعنی کے سمجھنے میں اس زمانہ کے مؤثرات سے قطع نظر کرنا کسی طرح ممکن ہی نہیں، ہر زمانہ کے لوگ اپنے ہی زمانہ کے مؤثرات کے مطابق کسی کلام کو سمجھنا چاہتے ہیں، فانی انسان کے فانی کلام اور جزئی علم رکھنے والوں کے جزئی علم، اگر ایک زمانہ میں صحیح اور دوسرے زمانہ میں غلط ہو جائیں تو ایسا ہونا بہت حد تک قرین قیاس ہے، مگر خدائے پاک کے کلام میں جس کا علم ازل سے ابد تک محیط ہے اس قسم کا تصور بھی ذہن میں نہیں لایا جاسکتا، اس لئے کہ اگر مخلص اہل علم اور نیک نیت علماء اس کلام کی مزید تشریح اپنے زمانہ کے مؤثرات کے مطابق اس طرح کرسکیں کہ وہ متکلم کے اصول متواترہ مخاطب اول ﷺ کی تفہیم اور زبان کے لغت وقواعد کے خلاف نہ ہو تو یہ سعی مشکور ہوگی۔

الفوز الکبیر، مطبوعہ مکتبہ حجاز دیوبند کے صفحہ ۴۱ پر مندرجہ ذیل عبارت موجود ہے جس سے مذکورہ نظریہ کی تائید ہوتی ہے۔

والتفسير بالرأي: هو التفسير بالهوىٰ والتفسير من عند نفسه، بحيث يوجبُ تغييرًا لمسئلة

اجماعية قطعية او تبديلًا في عقيدة السلف المجمع عليها وأما التفسير بالدليل والقرينة فهو تفسير صحيح معتبرٌ في الشرع ومن يطالع كتب التفسير يجدها مشحونة بمثل هٰذه التفاسير فلا ضير فيها.

اسی بناء پر اس زمانہ سے جب سے مسلمانوں میں عقلیات کا رواج ہوا، اس نظریہ سے بھی قرآن پاک کی تفسیریں لکھی گئیں، معتزلہ میں ابومسلم اصفہانی کی تفسیر اور قاضی عبدالجبار معتزلی کی تنزیہہ القرآن اور اہل سنت میں ابومنصور ماتریدی کی تاویلات اور امام ابن فورک کی مشکلات القرآن اور امام محمد غزالی کی جواہر القرآن اور سب سے آخر میں امام فخرالدین رازی کی تفسیر کبیر اپنے اپنے زمانہ کے مؤثرات کی بہترین ترجمان ہیں، سرسید احمد خان نے ہندوستان میں اور مفتی محمد عبدہ نے مصر میں ادھر توجہ کی اور قرآن مجید کی آیات کی اپنے زمانہ کے خیالات کے مطابق تفسیر کی کوشش کی، اگر بالفرض سرسید کی نیت خیر بھی ہو، مگر افسوس کہ ان کے حسن نیت کے مطابق ان کے علم کا پایہ نہ تھا، اور نہ ان کو عربی زبان کے لغت وادب پر عبور تھا، اس لئے ان کی غلطیاں ان کی صحت سے زیادہ ہوئیں، اور خصوصاً فطرت اور قوانین فطرت کا جو تخیل ان کے زمانہ میں چھایا تھا ان کی غلط پیروی نے ان کو جادۂ حق سے ہٹا دیا۔

اس کے بعد مصر میں سید رشید رضا اور ہندوستان میں مولانا عبدالحمید فراہی کا دور شروع ہوا، یہ دونوں گو اصول میں مختلف تھے مگر نتیجہ میں بہت حد تک متفق تھے، رشید مرحوم آیات وروایات کی چھان بین کر کے آیات کو روح عصری کے مطابق کرتے تھے، اور فراہی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی خود قرآن پاک کے نظم ونسق اور قرآن پاک کی دوسری آیتوں کی تطبیق اور کلام عرب کی تصدیق سے مطالب کو حل کرتے تھے۔

اسی زمانہ میں مصر میں دو اور تفسیروں کی تالیف شروع ہوئی، ایک نئے تعلیم یافتہ فاضل فرید وجدی کے قلم سے، دوسرے ایک ایسے فاضل کے قلم سے جو یورپ کے علوم وفنون اور ترقیات سے پوری طرح واقف اور اپنے گھر کی قدیم دولت سے بھی آشنا تھے یعنی حضرت شیخ طنطاوی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی جوہری جو جامعہ مصریہ اور مدرسہ دارالعلوم میں ایک زمانہ تک علوم وفنون کے مدرس رہ چکے تھے، شیخ طنطاوی جوہری کی تفسیر کی اصل غایت مسلمانوں کو نئے علوم وفنون کی طرف متوجہ کرانا اور مسلمانوں کو یہ باور کرانا ہے کہ ان کا یہ تنزل اس وقت تک دور نہ ہوگا جب تک وہ جدید سائنس اور دوسرے نئے علوم اور یورپ کے جدید آلات اور علمی ومادی قوتوں سے مسلح نہ ہوں گے۔

سید صاحب کے بعد اسی خیال نے تذکرہ کی صورت اختیار کر لی تھی مگر افسوس کہ جو غلطی سرسید سے ان کے زمانہ میں ہوئی وہی صاحب تذکرہ سے اپنے زمانہ میں ہوئی، مسلمانوں کو یورپ کے علوم وفنون اور مادی قوتوں کی تحصیل کی طرف متوجہ کرنا بالکل صحیح ہے مگر اس کے لئے یہ بالکل ضروری نہیں کہ ہم اپنے چودہ سو برس کے سرمایہ کو نذرِ آتش یا دریا برد کر دیں اور پہلے کے سارے مفسرین، اہل لغت، اہل قواعد اور اہل علم کو ایک سرے سے جاہل، دشمن اسلام اور احمق کہنا شروع کر دیں ورنہ آئندہ جب زمانہ ورق پلٹے گا، مؤثرات اور ماحول میں تغیر ہوگا تو ان خوش فہموں کی تفسیریں اور تاویلیں بھی ایسی ہی غلط اور دور از کار نظر آئیں گی، جیسی آج ان کی نظر میں امام ماتریدی اور امام غزالی، اور امام رازی کی تفسیریں معلوم ہوتی ہیں۔

خدا کا کلام بحر نا پیدا کنار ہے بھلا اس کی موجوں کی گنتی کون کرسکتا ہے؟ بس جس کو جو کچھ نظر آتا ہے وہ ایمانداری اور دیانتداری کے ساتھ اس کی تشریح کرے لیکن جو کچھ اگلوں کو نظر آیا اس کو نادانی اور جہالت نہ کہے اور جو آئندہ نظر آئے گا اس کا انکار نہ کریں اور صرف اپنی ہی نظر کی وسعت کو جو زمان و مکان کی قیود و حدود میں گھری ہے تحقیق کی انتہا اور صحت کا معیار قرار نہ دے لیں۔

امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اس پر اجماع ہے، کہ حدیث قرآن کریم کے بعد دین کا دوسرا اہم ماخذ ہے، لیکن بیسویں صدی کے آغاز میں جب مسلمانوں پر مغربی اقوام کا سیاسی نظریاتی تسلط بڑھا تو کم علم مسلمانوں کا ایسا طبقہ وجود میں آیا جو مغربی افکار سے بیحد مرعوب تھا، وہ یہ سمجھتا تھا کہ دنیا میں ترقی، تقلید مغرب کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی لیکن اسلام کے بہت سے احکام اس کے راستہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے اس لئے انہوں نے مغربی افکار سے ہم آہنگ کرنے کے لئے اسلامی احکام میں تحریف کا سلسلہ شروع کیا اس طبقہ کو اہل تجدد کہا جاتا ہے، ہندوستان میں سرسید احمد خاں، مصر میں طٰہٰ حسین اور ترکی میں ضیا گوگ الپ اس طبقہ کے رہنما ہیں، ان حضرات نے مغربی افکار سے متاثر بلکہ مرعوب ہوکر حجیت حدیث کا انکار کیا اور تفسیر کے متفق علیہ اصولوں کو خیر باد کہہ کر اپنے خیالات کے مطابق تفسیریں بھی کیں۔

قرآن کریم کی تفسیر کے بارے میں ایک غلط فہمی کا ازالہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم کی تفسیر ایک انتہائی نازک اور مشکل کام ہے جس کے لئے صرف عربی زبان جان لینا کافی نہیں بلکہ تمام متعلقہ علوم میں مہارت ضروری ہے، افسوس ہے کہ کچھ عرصہ سے مسلمانوں میں یہ خطرناک وبا چل پڑی ہے کہ بہت سے لوگوں نے صرف عربی زبان پڑھ لینے کو تفسیر قرآن کے لئے کافی سمجھ رکھا ہے، چنانچہ جو شخص بھی معمولی عربی پڑھ لیتا ہے یا از خود مطالعہ کر لیتا ہے وہ قرآن کریم میں رائے زنی شروع کر دیتا ہے، بلکہ بعض اوقات ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ عربی زبان کی نہایت معمولی شدبُد رکھنے والے لوگ نہ صرف من مانے طریقہ پر قرآن کریم کی تفسیر شروع کر دیتے ہیں، بلکہ پرانے مفسرین کی غلطیاں نکالنے کے درپے ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ بعض ستم ظریف صرف ترجمہ کا مطالعہ کر کے اپنے آپ کو قرآن کا عالم سمجھنے لگتے ہیں، اور بڑے بڑے مفسرین پر تنقید کرنے سے نہیں چوکتے۔

خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ یہ انتہائی خطرناک طرز عمل ہے جو دین کے معاملہ میں نہایت مہلک گمراہی کی طرف لے جاتا ہے، دنیوی علوم وفنون کے بارے میں ہر شخص اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص محض انگریزی زبان سیکھ کر میڈیکل سائنس کی کتابوں کا مطالعہ کر لے تو دنیا کا کوئی صاحب عقل اسے ڈاکٹر تسلیم نہیں کرسکتا اور نہ اپنی جان اس کے حوالہ کرسکتا ہے جب تک کہ اس نے کسی میڈیکل کالج میں باقاعدہ تعلیم وتربیت حاصل نہ کی، اس لئے کہ ڈاکٹر بننے کے لئے صرف انگریزی سیکھ لینا کافی نہیں، اسی طرح انجینئرنگ کی کتابوں کے مطالعہ سے انجینئر نہیں بن سکتا، جب ڈاکٹر اور انجینئر بننے کے لئے یہ کڑی شرائط ضروری ہیں تو آخر قرآن وحدیث کے معاملہ میں صرف عربی سیکھ لینا کیسے کافی ہوسکتا ہے؟ آخر قرآن وسنت ہی اتنے لاوارث

کیسے ہوسکتے ہیں کہ ان کی تشریح وتفسیر کے لئے کسی علم وفن کو حاصل کرنے کی ضرورت نہ ہو؟ اور اس کے معاملہ میں جو شخص چاہے رائے زنی شروع کرے۔

وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّکْرِ کا صحیح مطلب

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کریم نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ وہ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا القرآنَ لِلذِّکْرِ اور بلاشبہ ہم نے قرآن نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کردیا ہے، اور جب قرآن کریم آسان کتاب ہے تو اس کی تشریح کے لئے کسی لمبے چوڑے علم وفن کی ضرورت نہیں، لیکن یہ استدلال ایک شدید مغالطہ ہے جو خود کم فہمی اور سطحیت پر مبنی ہے، واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیات دو قسم کی ہیں، ایک وہ جن میں عام نصیحت کی باتیں اور سبق آموز واقعات اور عبرت وموعظت کے مضامین بیان کئے گئے ہیں، اس قسم کی آیات بلاشبہ آسان ہیں، اور جو شخص بھی عربی سے واقف ہو وہ انہیں سمجھ کر نصیحت حاصل کرسکتا ہے، مذکورہ بالا آیت میں اسی قسم کی تعلیمات کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کو ہم نے آسان کردیا ہے، چنانچہ خود اس آیت میں لفظ لِلذِّکْرِ اسی پر دلالت کرتا ہے۔

اس کے برخلاف دوسری قسم کی آیات وہ ہیں جو احکام وقوانین عقائد اور علمی مضامین پر مشتمل ہیں، اس قسم کی آیات کا کماحقہٗ سمجھنا اور ان سے احکام مستنبط کرنا ہر شخص کا کام نہیں، جب تک کہ اسلامی علوم میں بصیرت اور پختگی حاصل نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام کی مادری زبان اگرچہ عربی تھی، لیکن وہ آنحضرت ﷺ سے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے میں طویل مدتیں صرف کرتے تھے، علامہ سیوطی نے امام ابوعبدالرحمٰن سلمی سے نقل کیا ہے کہ جن حضرات صحابہ نے آنحضرت ﷺ سے قرآن کریم کی تعلیم باقاعدہ حاصل کی ہے، مثلاً حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ، انہوں نے ہمیں بتایا کہ جب وہ آنحضرت ﷺ سے دس آیتیں سیکھتے تو اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے تھے جب تک ان آیتوں کے متعلق تمام علمی اور عملی باتوں کا احاطہ نہ کرلیں، وہ فرماتے ہیں کہ تَعَلَّمْنَا القُرْآنَ وَالعِلْمَ وَالعَمَلَ جَمِیْعًا ہم نے قرآن اور علم وعمل ساتھ ساتھ سیکھا ہے۔ (اتقان ۲/۱۷۶) چنانچہ مؤطا امام مالک میں روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے صرف سورۂ بقرہ یاد کرنے میں پورے آٹھ سال صرف کئے، اور مسند احمد میں حضرت انس فرماتے ہیں کہ ہم میں سے جو شخص سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھ لیتا تو ہماری نظر میں اس کا مرتبہ بہت بلند ہوجاتا۔ (ایضاً)

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ حضرات صحابہ جن کی مادری زبان عربی تھی جو عربی کے شعروادب میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور جن کو لمبے لمبے قصیدے معمولی توجہ سے ازبر ہوجاتے تھے، انہیں قرآن کریم کو یاد کرنے اور اس کے معانی سمجھنے کے لئے اتنی طویل مدت کی کیا ضرورت تھی، اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ قرآن کریم اور اس کے علوم سیکھنے کے لئے صرف عربی زبان کی مہارت کافی نہیں تھی بلکہ اس کے لئے آنحضرت ﷺ کی صحبت اور تعلیم سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا، اب ظاہر ہے کہ صحابہ کرام کو عربی

زبان کی مہارت اور نزول وحی کا براہ راست مشاہدہ کرنے کے باوجود (عالم قرآن) بننے کے لئے باقاعدہ حضور سے تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت تھی، تو نزول قرآن کے سینکڑوں ہزاروں سال بعد عربی کی معمولی شدبد پیدا کر کے یا صرف ترجمہ دیکھ کر مفسر قرآن بننے کا دعویٰ کتنی بڑی جسارت اور علم دین کے ساتھ کیسا افسوس ناک مذاق ہے؟ ایسے لوگوں کو جو اس جسارت کا ارتکاب کرتے ہیں سرکار دو عالم ﷺ کا یہ ارشاد اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے۔

مَنْ تَكَلَّمَ فی القرآن بِرَأيِهٖ فَاَصَابَ فَقَدْ اَخْطَأَ جو شخص قرآن کے معاملہ میں (محض) اپنی رائے سے گفتگو کرے اور اس میں وہ کوئی صحیح بات بھی کہہ دے تب بھی اس نے غلطی کی۔ (ابوداؤد، نسائی، از اتقان ۲/۱۷۹)

محمد جمال بلند شہری،
متوطن شہر میرٹھ
استاذ دار العلوم دیوبند
۱۴۲۲/۱۲/۲۲ھ

مُقدّمۃ

وحی کی ضرورت

آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ جس ذات نے چاند سورج، آسمان زمین، ستاروں اور سیاروں کا ایسا محیر العقول نظام پیدا کیا وہ اپنے بندوں تک پیغام رسانی کا کوئی ایسا انتظام بھی نہ کر سکے کہ جس کے ذریعہ انسانوں کو ان کے مقصد زندگی سے متعلق ہدایات دی جا سکیں، اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ پر ایمان ہے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس نے اپنے بندوں کو اندھیرے میں نہیں چھوڑا ہے، بلکہ ان کی رہنمائی کے لئے کوئی باقاعدہ نظام ضرور بنایا ہے، پس رہنمائی کے اسی باقاعدہ نظام کا نام وحی رسالت ہے، اس سے صاف واضح ہے کہ وحی ایک دینی عقیدہ ہی نہیں ایک عقلی ضرورت بھی ہے، جس کا انکار درحقیقت اللہ کی حکمت بالغہ کا انکار ہے۔

ہر مسلمان اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ انسان کو اس دنیا میں امتحان و آزمائش کے لئے بھیجا گیا ہے، اور اس کے ذمہ کچھ فرائض عائد کر کے پوری کائنات کو اس کی خدمت میں بالواسطہ یا بلا واسطہ لگا دیا ہے۔

لہٰذا انسان کے دنیا میں آنے کے بعد دو کام ناگزیر ہیں، ایک یہ کہ وہ اس کائنات سے جو اس کے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے ٹھیک کام لے، اور دوسرے یہ کہ اس کائنات کو استعمال کرتے وقت احکام خداوندی کو مدنظر رکھے اور کوئی ایسی حرکت نہ کرے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو۔

ان دونوں کاموں کے لئے انسان کو علم کی ضرورت ہے، اس لئے کہ علم کے بغیر کائنات سے صحیح طور پر فائدہ اٹھانا ممکن نہیں، نیز جب تک اس کو یہ معلوم نہ ہو کہ خدا کی مرضی کیا ہے، اور کن کاموں کو وہ پسند اور کن کو ناپسند کرتا ہے، اس وقت تک اس کے لئے اللہ کی مرضی پر کاربند ہونا ممکن نہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ تین چیزیں ایسی پیدا کی ہیں جن کے ذریعہ اسے مذکورہ چیزوں کا علم ہوتا ہے، ایک انسان کے حواس خمسہ ظاہرہ سے جو کہ آنکھ، کان، ناک، زبان اور پورے جسم میں قدرت نے ودیعت فرما دیئے ہیں، قوت باصرہ آنکھ میں، قوت سامعہ کان میں، قوت شامہ ناک میں، قوت ذائقہ زبان میں، اور قوت لامسہ پورے جسم میں، یہ قوت پورے جسم کے اعتبار سے ہاتھوں میں اور ہاتھوں میں بھی انگلیوں میں اور انگلیوں میں سے بھی انگشت شہادت میں سب سے زیادہ ہے، دوسری چیز عقل ہے اور تیسری وحی، چنانچہ انسان کو بہت سی چیزوں کا علم حواس خمسہ ظاہرہ سے حاصل ہوتا ہے اور بہت سی چیزوں کا علم عقل سے حاصل ہوتا ہے، اور جو باتیں ان دونوں کے ذریعہ معلوم نہیں ہو سکتیں ان کا علم وحی کے ذریعہ عطا کیا جاتا ہے۔

علم کے ان مذکورہ تینوں ذرائع میں ترتیب کچھ ایسی ہے کہ ہر ایک کی ایک خاص حد اور مخصوص دائرۂ کار ہے، جس سے آگے وہ

کام نہیں دیتا، چنانچہ جو چیزیں انسان کو اپنے حواس خمسہ ظاہرہ سے معلوم ہوتی ہیں، ان کا علم محض عقل سے نہیں ہوسکتا، مثلاً آپ کے سامنے ایک شخص بیٹھا ہوا ہے، آپ کو اپنی آنکھ کے ذریعہ یہ معلوم ہوگیا کہ یہ انسان ہے اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس کا رنگ گورا یا کالا ہے، لیکن اگر یہی باتیں آپ اپنے حواس کو معطل کر کے محض عقل سے معلوم کرنا چاہیں، تو یہ ناممکن ہے، اسی طرح جن چیزوں کا علم عقل کے ذریعہ ہوتا ہے وہ محض حواس ظاہرہ سے معلوم نہیں ہوسکتیں، مثلاً اسی شخص کے بارے میں آپ کو یہ معلوم ہے کہ اس کی کوئی نہ کوئی ماں ضرور ہے، نیز آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ اس کو کسی نے پیدا کیا ہے اگرچہ آپ کے سامنے اس کی ماں موجود نہیں ہے، اور نہ آپ اس کے پیدا کرنے والے کو دیکھ سکتے ہیں، مگر آپ کی عقل یہ بتا رہی ہے کہ یہ شخص خود بخود پیدا نہیں ہوسکتا، اب اگر آپ اس علم کو اپنی عقل کے بجائے اپنی آنکھ سے یا کان سے یا ناک سے حاصل کرنا چاہیں تو یہ ممکن نہیں ہے۔

غرض یہ کہ جہاں تک حواس خمسہ کا تعلق ہے وہاں تک عقل کوئی رہنمائی نہیں کرسکتی، اور جہاں حواس خمسہ جواب دیدیتے ہیں وہیں سے عقل کا کام شروع ہوتا ہے، لیکن عقل کی رہنمائی بھی غیر محدود نہیں ہے یہ بھی ایک حد پر جا کر رک جاتی ہے، اور بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ ان کا علم نہ حواس سے حاصل ہوسکتا ہے اور نہ عقل سے مثلاً عقل نے یہ تو بتا دیا کہ اسے ضرور کسی نے پیدا کیا ہے، لیکن اس شخص کو کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ اس کے ذمہ پیدا کرنے والے کے کیا فرائض ہیں؟ اور اس کا کونسا کام اللہ کو پسند اور کونسا ناپسند ہے؟ یہ سوالات ایسے ہیں کہ ان کا جواب عقل و حواس دونوں مل کر بھی نہیں دے سکتے، ان سوالات کا جواب دینے کے لئے اللہ نے جو ذریعہ متعین کیا ہے اسی کا نام وحی ہے۔ (علوم القرآن)

اس سے واضح ہوگیا کہ وحی انسان کے لئے وہ اعلیٰ ترین ذریعۂ علم ہے جو اسے اس کی زندگی سے متعلق ان سوالات کا جواب مہیا کرتا ہے جو عقل و حواس کے ذریعہ حل نہیں ہوتے، حالانکہ ان سوالوں کا جواب حاصل کرنا اس کے لئے ضروری ہے، اور مذکورہ تشریح سے یہ بات واضح ہوگئی کہ صرف عقل اور مشاہدہ انسان کی رہنمائی کے لئے کافی نہیں، بلکہ اس کی ہدایت کے لئے وحی الٰہی ایک ناگزیر ضرورت ہے، اور چونکہ بنیادی طور پر وحی کی ضرورت پیش ہی اس جگہ آتی ہے جہاں عقل کام نہیں دیتی، اس لئے یہ ضروری نہیں کہ وحی کی ہر بات کا ادراک عقل سے ہو ہی جائے، جس طرح کسی چیز کا رنگ معلوم کرنا عقل کا کام نہیں بلکہ حواس کا کام ہے، اسی طرح بہت سے دینی معتقدات کا علم دینا عقل کے بجائے وحی کا منصب ہے اور ان کے ادراک کے لئے محض عقل پر بھروسہ کرنا درست نہیں، نہ صرف یہ کہ محض حواس ظاہرہ اور عقل پر بھروسہ کرنا درست نہیں، بلکہ یہ دونوں ذریعۂ علم بعض اوقات نہ صرف یہ کہ رہنمائی نہیں کرتے بلکہ غلط رہنمائی بھی کرتے ہیں، مثلاً اس شخص کو جس کے جسم میں خلط صفراء غالب ہوگئی ہر چیز پیلی نظر آتی ہے، حالانکہ واقعہ ایسا نہیں ہوتا، یا ایک کے دو نظر آتے ہیں، اسی طرح بعض اوقات میٹھی چیز کڑوی اور کڑوی میٹھی معلوم ہوتی ہے، اور اگر قوت سامعہ میں خلل واقع ہوجائے تو مختلف قسم کی آوازیں آنے لگتی ہیں حالانکہ خارج میں ان کا وجود نہیں ہوتا۔

عقل اگرچہ معلومات کا اہم ذریعہ ہے مگر یہ کوئی ضروری نہیں کہ عقل ہمیشہ درست نتیجے ہی پر پہنچے، اگر عقل ہمیشہ درست نتیجے پر پہنچا کرتی تو عقلاء کے درمیان کسی مسئلہ میں اختلاف نہ ہوتا حالانکہ ایک ہی مسئلہ ہے کہ ایک عاقل اس کو درست کہتا ہے اور دوسرا اس کی ضد کو درست کہتا ہے، اس سے بھی بڑھ کر تعجب کی بات یہ ہے کہ ایک ہی شخص ایک وقت میں ایک

بات کو درست کہتا ہے اور دوسرے وقت میں اس کی ضد کو درست کہتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عقل کوئی آخری معیار نہیں، بلکہ عقل کا ایک محدود دائرۂ کار ہے۔

آخری معیار وحی ہے

حواس خمسہ ظاہرہ و باطنہ کی پرواز کی ایک حد ہے، ہر ایک کا ایک دائرۂ عمل ہے، ان میں سے کوئی بھی اپنی حد سے آگے کام نہیں کرسکتا، مثلاً آنکھ سے دیکھ کر، آپ یہ تو بتا سکتے ہیں کہ دارالعلوم کی مسجد رشید سفید پتھر کی بنی ہوئی نہایت خوبصورت ہے، اس کے فلک بوس دو منارے ہیں، مگر یہی کام آپ کان سے لینا چاہیں یا آنکھ کے بجائے کان سے آپ مسجد رشید کی خوبصورتی اور رنگ معلوم کرنا چاہیں تو آپ کو مایوسی ہوگی، اسی طرح آپ آنکھ یا کان یا ناک سے یہ معلوم کرنا چاہیں کہ یہ مسجد رشید خود بخود وجود میں آگئی ہے، یا اس کا کوئی بنانے والا ہے؟ تو ظاہر ہے کہ کان یا آنکھ یا ناک اس کا جواب نہیں دے سکتے، اس لئے کہ یہ بات ان کے دائرۂ کار سے باہر کی چیز ہے، یہ کام عقل کا ہے، عقل بتا سکتی ہے کہ یہ مسجد رشید خود بخود وجود میں نہیں آئی بلکہ اس کا بنانے والا نہایت ہوشیار اور اپنے فن کا ماہر شخص ہے، اسی طرح عقل کا بھی اپنا ایک دائرۂ کار ہے جہاں حواس خمسہ ظاہرہ کی حد ختم ہوجاتی ہے، وہاں سے عقل کی پرواز شروع ہوتی ہی، مگر اس کی پرواز بھی ایک حد پر پہنچ کر رک جاتی ہے، مذکورہ ذرائع معلومات کے علاوہ ایک ذریعہ اور بھی ہے جس کو وحی کہا جاتا ہے، اس کی ضرورت وہاں پڑتی ہے جہاں عقل کی پرواز ختم ہوجاتی ہے، وحی کی اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، اس لئے کہ وحی الٰہی رہنمائی ہی وہاں کرتی ہے جہاں عقل ہتھیار ڈال دیتی ہے، جو لوگ وحی الٰہی کو تسلیم نہیں کرتے وہ غلط اور صحیح کا تمام تر دارو مدار عقل ہی پر رکھتے ہیں، حالانکہ نہ تو عقل آخری معیار ہے اور نہ اس کا لگا بندھا کوئی ضابطہ ہے نیز اس کی پرواز بھی محدود ہے، اگر آپ عقل سے اس کے دائرۂ کار سے باہر کی بات معلوم کریں گے تو نہ صرف یہ کہ وہ صحیح جواب نہیں دے گی بلکہ وہ خود بھی شکست و ریخت کا شکار ہوجائے گی، جس طرح کہ اگر کوئی شخص سونا تولنے کے کانٹے سے گیہوں کا بھرا ہوا بورا تولنے لگے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ بورا تلنے کے بجائے وہ کانٹا خود ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہوجائے گا، اور لوگ تولنے والے کو بھی بے وقوف اور احمق بتائیں گے۔

تاریخ انسانی میں عقل نے بے شمار مرتبہ دھوکے کھائے ہیں، اگر عقل کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو انسان کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتا ہے، تاریخ میں آپ کو ہزاروں مثالیں ایسی مل جائیں گی کہ عقل کے نزدیک وہ بالکل درست ہیں، ان میں کوئی قباحت نہیں ہے، بلکہ اگر اس کے خلاف ہوتا تو خلاف عقل ہوتا۔

کیا حقیقی بہن سے نکاح کرنا عقل کے عین مطابق ہے؟

آج سے تقریباً آٹھ سو سال پہلے مسلمانوں میں ایک فرقہ پیدا ہوا تھا جو باطنی فرقہ کے نام سے مشہور تھا، اور اس کو قرامطہ بھی کہتے تھے، اس فرقہ کا ایک مشہور پیشوا گذرا ہے جس کا نام عبید اللہ بن حسن قیروانی ہے، اس نے اپنے پیرو کاروں کے نام ایک خط

لکھا جس میں اس نے اپنے پیروکاروں کو زندگی گذارنے کے لئے ہدایات دی ہیں، اس میں وہ لکھتا ہے:

''میری سمجھ میں یہ بے عقلی کی بات نہیں آتی کہ لوگوں کے پاس اپنے گھر میں بڑی خوبصورت سلیقہ شعار لڑکی، بہن کی شکل میں موجود ہے، اور بھائی کے مزاج کو بھی سمجھتی ہے، اس کی نفسیات سے بھی بخوبی واقف ہے لیکن یہ بے عقل انسان اس بہن کا ہاتھ ایک اجنبی شخص کو پکڑا دیتا ہے، جس کے بارے میں یہ بھی نہیں معلوم کہ اس کے ساتھ اس کا نباہ ہو سکے گا یا نہیں؟ وہ مزاج سے واقف ہے یا نہیں؟ اور خود اپنے لئے بعض اوقات ایسی لڑکی لے آتا ہے کہ جو حسن و جمال کے اعتبار سے بھی اور سلیقہ شعاری کے اعتبار سے بھی اور مزاج شناسی کے اعتبار سے اس کے ہم پلہ نہیں ہوتی۔

میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اس بے عقلی کا کیا جواز ہے کہ اپنے گھر کی دولت تو دوسرے کے ہاتھ میں دیدے اور اپنے لئے ایک ایسی چیز لے آئے کہ جو اس کو پوری راحت بھی نہ دے سکے، یہ تو عقل کے بالکل خلاف ہے، لہٰذا میں اپنے پیروں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس بے عقلی سے اجتناب کریں، اور اپنے گھر کی دولت کو گھر میں ہی رکھیں''۔ (الفرق بین الفرق للبغدادی: ص ۸۱)

عقلی جواب ناممکن

آپ اخلاقی طور پر اس کے نظریہ پر جتنی بھی چاہیں لعنت بھیجیں، لیکن کیا خالص عقل کی بنیاد پر جو وحی الٰہی کی رہنمائی سے آزاد ہو، جس کو وحی الٰہی کی روشنی میسر نہ ہو اس کے استدلال کا جواب خالص عقل کی بنیاد پر قیامت تک دیا جا سکتا ہے؟

عقل کو وحی الٰہی کی روشنی کے بغیر آخری معیار سمجھنے کا بھیانک نتیجہ

گیارہویں صدی عیسوی کے کلیسا سے جب وہ دینی امور کا ذمہ دار تھا، ایک بھیانک غلطی ہوئی کہ اس نے اپنی مقدس کتابوں میں ان تاریخی، جغرافیائی اور طبقاتی نظریات اور مشہورات کو داخل کر دیا جو اس زمانہ کی تحقیقات اور مسلمات سمجھے جاتے تھے، انسانی علم و عقل کی رسائی اس زمانہ میں اسی حد تک ہوئی تھی، لیکن وہ درحقیقت انسانی علوم و عقل کی آخری حد نہ تھی، مگر اس کو آخری سمجھ لیا گیا تھا، انسانی عقل کا سفر چونکہ بتدریج جاری ہے اس لئے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آنے والا نظریہ گذشتہ نظریہ کی تردید کر دیتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عقل کی ہر منزل عارضی ہوتی ہے، اس پر کوئی پائدار عمارت قائم نہیں کی جا سکتی، ورنہ توریت کی دیوار کی طرح کھسک کر منہدم ہو جائے گی۔

ارباب کلیسا نے غالباً نیک نیتی سے ایسا کیا تھا، ان کا مقصد غالباً یہ تھا کہ اس سے ان آسمانی کتابوں کی عظمتِ شان اور مقبولیت میں اضافہ ہوگا، لیکن آگے چل کی یہی چیز ان کے لئے وبال جان اور مذہب و عقلیت کے اس نامبارک معرکہ کا سبب بن گئی جس میں مذہب نے شکست فاش کھائی، چونکہ کلیسا نے مذہب میں عقلی علوم کی آمیزش کر لی تھی اس لئے اس شکست کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ میں اہل مذہب کا ایسا زوال ہوا کہ جس کے بعد اس کا عروج نہ ہو سکا، اس سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہوئی کہ یورپ لادینی ہو گیا۔

عقلیت پسندوں پر کلیسا کے مظالم

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ یورپ میں عقلیت پسندی کا کوہ آتش فشاں پھٹ چکا تھا، علماء طبعیات اور محققین تقلید کی زنجیریں توڑ چکے تھے، انہوں نے ان بے اصل نظریات کی تردید کی جن کو کلیسا اور اہل مذہب نے اپنی مقدس کتابوں میں داخل کر لیا تھا اور ان پر سخت تنقید کرتے ہوئے ان پر بے سمجھے ایمان لانے سے انکار کر دیا تھا جس کی وجہ سے مذہبی حلقوں میں قیامت برپا ہو گئی تھی، ارباب کلیسا نے کہ جن کے ہاتھوں میں اس وقت زمام اقتدار تھی ان محققین اور ماہرین طبعیات علماء کی تکفیر کی، اور ملاحدہ اور مرتدین کی صفوں میں شامل کر کے دین مسیحی کی حفاظت کے لئے ان کا خون بہانے کی اجازت دیدی، ایمرجنسی اور فوری عدالتیں قائم کی گئیں، ان عدالتوں میں ایک اندازہ کے مطابق تین لاکھ لوگوں کو سزائے موت دی گئی جن میں تیس ہزار افراد کو زندہ جلایا گیا، انہیں زندہ جلائے جانے والوں میں ہیئت اور طبعیات کے مشہور عالم برونو (Brunoe) بھی شامل ہے، جس کا سب سے بڑا جرم کلیسا کے نزدیک یہ تھا کہ وہ اس کرۂ ارض کے علاوہ اور دوسری دنیاؤں اور آبادیوں کا بھی قائل تھا، اسی طرح مشہور ماہر طبعیات وفلکیات گلیلیو (Galilio) کو اس بناء پر موت کی سزا دی گئی کہ وہ آفتاب کے گرد زمین کی گردش کا قائل تھا، موجودہ تمام حقائق کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ عقل انسانی وحی الٰہی کی روشنی کے بغیر آخری معیار نہیں ہے، جن لوگوں نے عقل کو ہر معاملہ میں آخری معیار سمجھا ہے انہوں نے قدم قدم پر ٹھوکریں کھائی ہیں۔

تاریخ حفاظت قرآن

قرآن کریم چونکہ ایک ہی دفعہ پورا کا پورا نازل نہیں ہوا اس لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ شروع ہی سے اسے کتابی شکل دیکر محفوظ کر لیا جائے، چنانچہ ابتداء اسلام میں قرآن کی حفاظت کے لئے سب سے زیادہ زور حافظہ پر دیا گیا، مگر چونکہ محض حفظ کی صورت میں نسیان کا امکان رہتا ہے اس لئے حفظ کے ساتھ ساتھ کتابت کا بھی اہتمام کیا گیا۔

جمع و ترتیب کا کام بھی آپ ﷺ کی ہدایت اور نگرانی میں ہو رہا تھا، ایسا نہیں تھا کہ صحابہ کرام کیف ما اتفق جہاں چاہا لکھ دیا، مثلاً جب **غیر اولی الضرر** کے الفاظ نازل ہوئے تو آپ نے نہ صرف یہ کہ فوراً قلمبند کرنے کا حکم فرمایا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ فلاں آیت کے بعد لکھو، چنانچہ آنحضرت کے وصال کے بعد سلسلہ وحی بند ہوا، تو اس وقت صحابہ کے پاس مکمل قرآن مرتب شکل میں لکھا ہوا موجود تھا مگر آپ ﷺ کی موجودگی میں سلسلہ وحی جاری رہنے کی وجہ سے درمیانی اضافوں کی گنجائش تھی اس لئے کتابی شکل میں نہ تھا۔

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں **وقد كان القرآن مكتوبًا في عهده صلى الله عليه وسلم لكن غير مجموعة في موضع واحد** یعنی قرآن آپ ﷺ کے عہد میں مکمل طور پر لکھا جا چکا تھا البتہ یکجا تمام سورتوں کی شیرازہ بندی نہیں تھی۔

حضرت ابو بکر صدیق کے عہد میں تاریخ حفاظت قرآن

حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے عہد خلافت میں یمامہ کے مقام پر مدعی نبوت مسیلمۃ الکذاب سے ایک خوں ریز جنگ ہوئی جس میں تقریباً بارہ سو مسلمان شہید ہوئے ان میں سات سو حفاظ اور قراء بھی شہید ہوئے، حفاظ قرآن کی اس کثیر تعداد کے شہید ہو جانے سے سیدنا حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو شدید اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آئندہ جنگوں میں باقی حفاظ بھی شہید ہو جائیں، اور اس دولت سے امت محروم ہو جائے، چنانچہ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے حضرت ابوبکر صدیق کو اس طرف توجہ دلائی، ابتداءً تو ابوبکر صدیق تیار نہ ہوئے مگر حضرت عمر فاروق کے مسلسل اصرار اور خود غور وفکر کرکے نتیجہ کی وجہ سے آخر کار حضرت ابوبکر صدیق کو بھی اس مسئلہ میں شرح صدر ہو گیا اور آپ تیار ہو گئے، چنانچہ آپ نے حضرت زید بن ثابت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو بلایا اور فرمایا آپ ایک صالح نوجوان ہیں اور آپ ﷺ کے زمانہ میں بھی یہ خدمت دیتے رہے ہیں نیز ہمیں آپ کے اوپر پورا اعتماد ہے آپ اس کام کو انجام دیں، چنانچہ حضرت زید لکھنے اور حضرت ابی بن کعب لکھانے پر مامور ہوئے، غرضیکہ ان حضرات نے یہ کام بحسن وخوبی انجام دیا، اور کتابی شکل میں ایک مکمل نسخہ تیار ہو گیا، جو حضرت ابوبکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے پاس ان کی وفات تک رہا، آپ کے بعد حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے پاس تاحیات رہا، حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بعد آپ کی صاحبزادی حضرت حفصہ کے پاس رہا، اور اس کی تصدیق شدہ نقلیں ملک کے اطراف وجوانب میں بھیج دی گئیں۔

حفاظت قرآن وعہد عثمانی

جب اسلامی فتوحات کا سلسلہ دراز ہوا اور جب بکثرت اہل عجم حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے جن کی مادری زبان عربی نہ ہونے کی وجہ سے عربی حروف کا صحیح تلفظ اور ادائیگی عموماً نہیں پائی جاتی تھی، اس کے علاوہ عرب کے مختلف قبائل میں لب ولہجہ کا اختلاف بکثرت موجود تھا، ابن قتیبہ ان اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قبیلہ بنی ہذیل (حتی حین) کو عتّی عین پڑھتے ہیں، اور بنو اسد تعلمون کسرۂ تا کے ساتھ تِعلمون پڑھتے ہیں اور تمیمی اَن کے بجائے عَن اور سین کی جگہ تا پڑھتے ہیں، چنانچہ سورۂ ناس کی تلاوت اس طرح کرتے ہیں، رب النات ملك النات اله النات چنانچہ عہد عثمانی میں آرمینیہ اور آذربائیجان کی فتح کے وقت شام وعراق کی فوجیں ایک جگہ جمع ہوئیں تو ان کی قراءت میں تشویشناک حد تک اختلاف پایا گیا ہر ایک اپنی قراءت کو دوسرے سے اصح قرار دیتا تھا، حضرت حذیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جب یہ منظر دیکھا تو حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو اس صورت حال سے آگاہ کیا اور اس کی طرف توجہ مبذول فرمانے کے لئے کہا، حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے حضرت حذیفہ کی رائے کو پسند فرمایا، اور حضرت حفصہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے پاس سے قرآن مجید منگوا کر، حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن زبیر حضرت سعید بن العاص اور حضرت عبدالرحمٰن بن الحارث رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو اس کام پر مقرر فرمایا۔

اس کام کی تکمیل کے بعد مشہور قول کے مطابق اس کے پانچ نسخے لکھے گئے یہ نسخے مکہ، مدینہ، شام، بصرہ اور کوفہ روانہ کئے

گئے، ایک نسخہ خود حضرت عثمان رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے اپنے پاس رکھا اس نسخہ کو مصحف امام کہا جاتا ہے، اس طرح نسخوں کی تعداد چھ ہوجاتی ہے بعض حضرات نے نسخوں کی تعداد آٹھ بتائی ہے، ساتواں بحرین اور آٹھواں یمن روانہ کیا گیا، مذکورہ نسخوں کے علاوہ تمام دیگر نسخے معدوم کردیئے گئے۔

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

عام طور پر یہ مشہور ہے کہ موجودہ قرآن حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کا جمع کردہ ہے، حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی خدمت بجائے خود ایک عظیم خدمت ہے، مگر جمع قرآن کی نہیں تھی بلکہ اس کی نوعیت اور صورت یہ تھی کہ آپ نے لوگوں کو کتابت کی حد تک ایک رسم الخط پر جمع کردیا تھا اصل جامع اور مرتب حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ ہیں اور حضرت عثمان رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے مختلف قراءتوں کو ایک رسم الخط پر جمع کیا اور اس کے متعدد نسخے مختلف شہروں میں پھیلا دیئے۔ (علوم القرآن، ملخصًا)

وحی کی اقسام

❶ وحی قلبی

اس قسم میں باری تعالیٰ براہ راست نبی کے قلب کو مسخر فرما کر اس میں کوئی بات ڈالدیتا ہے، اس قسم میں نہ فرشتہ کا واسطہ ہوتا ہے اور نہ نبی کی قوت سامعہ کا اور نہ دیگر حواس کا، لہٰذا اس میں کوئی آواز نبی کو نہیں سنائی دیتی، بلکہ کوئی بات قلب میں جاگزیں ہوجاتی ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ بات اللہ کی طرف سے آئی ہے، یہ کیفیت بیداری میں بھی ہوسکتی ہے اور خواب میں بھی، چنانچہ انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَامُ کا خواب بھی وحی ہوتا ہے، حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو اپنے بیٹے اسماعیل عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو ذبح کرنے کا حکم اسی طرح دیا گیا تھا۔

❷ کلام باری

اس دوسری قسم میں باری تعالیٰ براہ راست رسول کو اپنی ہمکلامی کا شرف عطا فرماتا ہے اس میں بھی کسی فرشتہ کا واسطہ نہیں ہوتا مگر اس میں نبی کو آواز سنائی دیتی ہے، یہ آواز مخلوقات کی آواز سے بالکل مختلف ایک عجیب و غریب کیفیت کی حامل ہوتی ہے، جس کا ادراک عقل کے ذریعہ ممکن نہیں، جو انبیاء اس کو سنتے ہیں وہی اس کی کیفیت اور اس کے سرور کو پہچان سکتے ہیں، یہ قسم وحی کی تمام قسموں میں سب سے اعلیٰ اور افضل ہے، اسی لئے حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے قرآن کریم کا ارشاد ہے وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا (النساء) اور اللہ نے موسیٰ سے خوب باتیں کیں۔

③ وحی ملکی

اس تیسری قسم میں اللہ تعالیٰ اپنا پیغام کسی فرشتے کے ذریعہ نبی تک پہنچادیتا ہے، بعض اوقات یہ فرشتہ نظر نہیں آتا، صرف اس کی آواز سنائی دیتی ہے، اور بعض مرتبہ کسی انسانی شکل میں سامنے آکر پیغام پہنچادیتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ فرشتہ نبی کو اپنی اصل صورت میں نظر آجائے مگر ایسا شاذ ونادر ہی ہوتا ہے، قرآن کریم نے وحی کی انہی تین قسموں کی طرف آیت ذیل میں اشارہ فرمایا ہے مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِهٖ مَا یشاءُ (الشوریٰ) ''کسی بشر کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اللہ اس سے (روبرو) بات کرے مگر دل میں بات ڈال کر پردے کے پیچھے سے یا کسی پیغامبر (فرشتے) کو بھیج کر جو اللہ کی اجازت سے جو اللہ چاہتا ہے وحی نازل کرتا ہے''۔

اس آیت میں وحیًا (دل میں بات ڈالنے) سے پہلی قسم یعنی وحی قلبی مراد ہے، اور پردے کے پیچھے سے مراد دوسری قسم یعنی کلام الٰہی اور پیغامبر بھیجنے سے مراد تیسری قسم یعنی وحی ملکی ہے۔

وحی اور ایحاء میں فرق

وحی اور ایحاء، لغت میں ان کے معنی ہیں جلدی سے کوئی اشارہ کردینا خواہ وہ اشارہ کسی بھی طریقہ سے ہو، چنانچہ اسی معنی میں حضرت زکریا کا واقعہ بیان کرتے ہوئے قرآن کریم میں ارشاد ہے فخرج علی قومهٖ من المحراب فاوحی الیهم ان سبحوا بکرة وعشیًا ظاہر ہے کہ اشارہ کا مقصد مخاطب کے دل میں کسی بات کا ڈالنا ہوتا ہے، اس لئے وحی اور ایحاء دل میں کوئی بات ڈالنے کے معنی میں بھی استعمال ہونے لگا ہے، چنانچہ قرآن کریم کی متعدد آیات میں یہی معنی مراد ہیں، مثلاً وَاَوْحٰی رَبُّكَ الی النحل، وإن الشیاطین لیوحون الٰی اولیاء هم لیجادلوکم، واَوْحَیْنَا الٰی ام موسٰی أن ارضعیهِ مذکورہ تمام آیات میں ''ایحاء'' لغوی معنی میں مستعمل ہے۔

وحی کے اصطلاحی معنی

وحی کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کلام اللّٰه المنزل علی نبی من انبیائهٖ، یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ وحی اپنے اصطلاحی معنی میں اتنا مشہور ہوچکا ہے کہ اس کا استعمال پیغمبر کے سوا کسی اور کیلئے درست نہیں، حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ وحی اور ایحاء دونوں الگ الگ لفظ ہیں اور دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے، ایحاء کا مفہوم عام ہے، انبیاء پر وحی نازل کرنے کے علاوہ کسی کو اشارہ کرنا اور کسی غیر نبی کے دل میں کوئی بات ڈالنا بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے، لہٰذا یہ لفظ نبی اور غیر نبی دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس کے برخلاف وحی صرف اس الہام کو کہتے ہیں جو انبیاء پر نازل ہو یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ایحاء کا استعمال انبیاء اور غیر انبیاء دونوں کے لئے کیا ہے لیکن لفظ وحی سوائے

انبیاء کے کسی اور کے لئے استعمال نہیں فرمایا۔ (علوم القرآن)

مکی اور مدنی آیات

آپ نے قرآن کریم کی سورتوں کے عنوان میں دیکھا ہوگا کہ کسی سورت کے ساتھ مکی اور کسی کے ساتھ مدنی لکھا ہوتا ہے، اکثر مفسرین کی اصطلاح میں مکی آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو آپ کے بغرض ہجرت مدینہ طیبہ پہنچنے سے پہلے پہلے نازل ہوئی بعض لوگ مکی و مدنی کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ جو مکہ میں نازل ہوئی وہ مکی اور جو مدینہ میں نازل ہوئی وہ مدنی، مگر مفسرین کی اصطلاح کے مطابق، یہ مطلب درست نہیں ہے، اس لئے کہ کئی آیتیں ایسی ہیں جو شہر مکہ میں نازل نہیں ہوئیں، لیکن چونکہ ہجرت سے پہلے نازل ہو چکی تھیں اس لئے انہیں مکی کہا جاتا ہے چنانچہ منیٰ و عرفات وغیرہ اور سفر معراج کے دوران نازل ہونے والی آیات ایسی ہی ہیں، حتی کہ سفر ہجرت کے دوران مدینہ پہنچنے سے پہلے راستہ میں جو آیات نازل ہوئیں وہ بھی مکی کہلاتی ہیں، اسی طرح بہت سی وہ آیات جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہیں، اگرچہ مکہ یا مکہ کے اطراف میں نازل ہوئی ہیں مگر ان کو مدنی ہی کہا جاتا ہے۔

مکی مدنی آیتوں کی خصوصیات

علماء تفسیر نے مکی اور مدنی سورتوں کا استقراء کر کے ان کی بعض ایسی خصوصیات بیان فرمائی ہیں جن سے بادی النظر میں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ سورت مکی ہے یا مدنی، اس سلسلہ میں بعض قواعد کلی ہیں اور بعض اکثری، قواعد کلیہ یہ ہیں:

❶ ہر وہ سورت جس میں کَلّا آیا ہے وہ مکی ہے، یہ لفظ پندرہ سورتوں میں ۳۳ مرتبہ استعمال ہوا ہے اور یہ ساری آیتیں قرآن کریم کے نصف آخر میں ہیں۔

❷ ہر وہ سورت کہ جس میں کوئی سجدہ کی آیت آئی ہے مکی ہے (یہ اصول حنفیہ کے مسلک پر ہے) کیونکہ ان کے نزدیک سورۂ حج میں سجدہ نہیں ہے، شوافع کے نزدیک سورۂ حج میں سجدہ ہے اور وہ مدنی ہے، لہٰذا وہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہو گئی۔

❸ سورۂ بقرہ کے سوا ہر وہ سورت کہ جس میں آدم و ابلیس کا واقعہ آیا ہے مکی ہے۔

❹ ہر وہ سورت کہ جس میں جہاد کی اجازت یا اس کے احکام مذکور ہیں مدنی ہے۔

❺ ہر وہ سورت کہ جس میں منافقین کا ذکر ہے مدنی ہے، بعض حضرات نے اس قاعدہ سے سورۂ عنکبوت کو مستثنیٰ کیا ہے، لیکن تحقیق یہ ہے کہ سورۂ عنکبوت بحیثیت مجموعی تو مکی ہے، مگر جن آیات میں منافقین کا ذکر ہے وہ مدنی ہیں۔

مندرجہ ذیل خصوصیات اکثری ہیں کلی نہیں

❶ مکی سورتوں میں عموماً یٰاَیُّھَا النَّاس کے الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے اور مدنی سورتوں میں یا ایُّھا الذین آمنوا کے الفاظ سے۔

❷ مکی آیات عموماً چھوٹی چھوٹی اور مختصر ہیں۔

❸ مکی آیات زیادہ تر توحید، رسالت، آخرت کے اثبات اور حشر ونشر کی منظر کشی، آنحضرت کو صبر وتسلی کی تلقین پچھلی امتوں کے واقعات پر مشتمل ہیں، اور ان میں احکام کم بیان ہوئے ہیں بخلاف مدنی سورتوں کے۔

❹ مکی سورتوں میں زیادہ تر مقابلہ بت پرستوں سے ہے اور مدنی سورتوں میں اہل کتاب اور منافقین سے۔

❺ مکی سورتوں کا اسلوب زیادہ پرشکوہ ہے۔

قرآن کریم کے متعلق مفید اعداد وشمار

سورتیں	۱۱۴	زبر	۵۳۲۴۲
رکوعات	۵۴۰	زیر	۳۹۵۸۲
آیات مدنی	۶۲۱۴	پیش	۸۸۰۴
آیات مکی	۶۲۲۱	مدات	۱۷۷۱
آیات بصری	۶۲۲۵	تشدیدات	۱۲۵۲
آیات شامی	۶۲۲۶	نقطے	۱۵۶۸۴
کلمات	۷۷۴۳۹	حروف	۳۶۴۲۱۹

تاریخ نزول قرآن

قرآن کریم کلام الٰہی ہے جو کہ ازل ہی سے لوح محفوظ میں موجود ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے بَلْ هُوَ قُرآنٌ مَّجِيدٌ فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٍ بلکہ یہ قرآن مجید ہے لوح محفوظ میں موجود ہے، قرآن مجید کا نزول لوح محفوظ سے دو مرتبہ ہوا ہے، ایک مرتبہ یہ پورے کا پورا آسمان دنیا کے بیت العزت میں نازل کردیا گیا تھا، (بیت العزت کو بیت المعمور بھی کہتے ہیں) جو کہ کعبۃ اللہ کے محاذات میں آسمان پر فرشتوں کی عبادت گاہ ہے، یہ نزول لیلۃ القدر میں ہوا تھا، پھر دوسری مرتبہ آنحضرت ﷺ پر تھوڑا تھوڑا کرکے حسب ضرورت نازل کیا جاتا رہا، یہاں تک کہ ۲۳ سال میں اس کی تکمیل ہوئی، اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ قرآن کریم کا دوسرا تدریجی نزول اس وقت شروع ہوا جب کہ آنحضرت ﷺ کی عمر شریف چالیس سال تھی، اس نزول کا آغاز بھی صحیح قول کے

مطابق لیلۃ القدر ہی میں ہوا ہے، لیکن اس رات میں رمضان المبارک کی کونسی تاریخ تھی اس کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی، بعض روایات سے رمضان کی سترہ اور بعض سے انیس اور بعض سے ستائیس شب معلوم ہوتی ہے۔

سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت

صحیح قول یہ ہے کہ قرآن کریم کی سب سے پہلی جو آیتیں آپ ﷺ پر نازل ہوئیں، وہ سورۂ علق کی ابتدائی آیتیں تھیں جو غار حراء میں نازل ہوئیں، حضرت عائشہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالَىٰعَنْهَا فرماتی ہیں کہ آپ پر نزول وحی کی ابتداء تو سچے خوابوں سے ہوئی تھی، اس کے بعد آپ کو خلوت میں عبادت کا شوق پیدا ہوا، اور اس دوران آپ غار حراء میں کئی کئی راتیں گذارتے اور عبادت میں مشغول رہتے تھے، یہاں تک کہ ایک روز اسی غار میں آپ کے پاس اللہ کی جانب سے فرشتہ آیا اور اس نے پہلی بات یہ کہی اِقْــرأ یعنی پڑھو، حضور نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس کے بعد فرشتے نے آپ کو اس زور سے دبایا کہ مشقت کی انتہاء ہوگئی، غرضیکہ اسی طرح آپ کے ساتھ تین مرتبہ فرشتے نے عمل کیا، تیسری مرتبہ کے بعد سورۂ علق کی ابتدائی آیتیں نازل فرمائیں، آپ اس واقعہ سے بہت خوف زدہ ہوگئے تھے اور خوف کی وجہ سے آپ کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا، جب آپ گھر پہنچے تو حضرت خدیجہ سے فرمایا زَمِّلُـوْنِیْ ، زَمِّلُوْنِیْ مجھے کمبل اڑھاؤ، مجھے کمبل اڑھاؤ، آپ پر نازل ہونے والی یہ سب سے پہلی آیتیں تھیں، اس کے بعد تین سال تک وحی کا سلسلہ منقطع رہا، اس زمانہ کو فترت وحی کا زمانہ کہتے ہیں، تین سال کے بعد پھر وہی فرشتہ جو غار حراء میں آیا تھا آپ کو آسمان وزمین کے درمیان نظر آیا، اور اس نے سورۂ مدثر کی آیات آپ کو سنائیں۔

التفسير لغةً واصطلاحًا

تـفسير لغةً ، الكشف والإبانة ، تفسير اصطلاحًا، علمٌ يُبْحثُ فيه عن احوال القرآن المجيد من حيث دلالتهٖ علٰى مراد الله تعالى بحسب الطاقة البشرية پہلی قید سے علم قراءت خارج ہوگیا اس لئے کہ علم القراءت میں ضبط الفاظ اور کیفیت اداء سے بحث ہوتی ہے، اور بقدر طاقۃ البشریہ کی قید کا اضافہ اس بات کو بیان کرنے کے لئے ہے کہ متشابہات اور اللہ تعالیٰ کی واقعی اور نفس الامری مراد کے عدم علم سے علم تفسیر میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوتی۔

تفسیر وتاویل میں فرق

تفسیر کا علم وادراک صرف نقل ہی سے ہوسکتا ہے، جیسا کہ اسباب نزول، اور تاویل کا علم وادراک قواعد عربیہ سے بھی ہوسکتا ہے، لہٰذا علم تاویل، ان علوم میں سے ہے جس کا تعلق درایت سے ہے، نیز تاویل چند محتملات میں سے کسی ایک احتمال کو، احتمال خطاء کے

ساتھ ترجیح دینا ہے، اور تفسیر حتمی اور قطعی طور پر یہ بیان کرنا ہے کہ اس لفظ سے اللہ تعالیٰ کی یہی مراد ہے۔ (حمل، ملخصًا)

موضوع: القرآن من حیثُ دلالتہٖ علی مراد اللّٰہ تعالیٰ.

غرض: اَلإهتِداء بِهدایة اللّٰہ تعالیٰ، والتَّمسُّك بالعروةِ الوثقیٰ والوصول الی السعادة الاَبدیة.

ترجمة الإمامَیْن الهمامین الجلیلین

الشیخ محمد بن احمد جلال الدین المحلی، والشیخ عبدالرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین السیوطی۔

بلاشبہ ان دونوں حضرات کی ذات گرامی اپنے زمانہ میں یگانہ روزگار تھی، ایسی عبقری شخصیتیں بہت کم پیدا ہوتی ہیں:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے ۔۔۔ بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

سالہا در کعبہ وبت خانہ می نالد حیات ۔۔۔ تاز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

یوں تو اس عالم ہست وبود وجہانِ رنگ وبو میں بے شمار قابل فخر سپوت جنم لیتے ہیں، لیکن ان میں سے چند ہی ایسے ہوتے ہیں کہ جو سینۂ گیتی پر نقش دوام چھوڑ کر جاتے ہیں، ان ہی خوش نصیب اور قابل مبارک باد افراد میں سے دونوں صاحب جلالین بھی ہیں۔

اگرچہ ان حضرات کے تذکرہ وتعارف کی چنداں ضرورت نہیں اسلئے کہ عیاں را چہ بیاں، بلکہ یہ تو سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے مگر چونکہ ترجمہ نویسی کا طریقہ اسلاف واکابر سے چلا آرہا ہے، اسی کے پیش نظر احقر بھی انگلی کٹا کر شہیدوں میں شامل ہونا چاہتا ہے۔

ابتداء صاحب جلالین نصف ثانی سے کرتا ہوں اس لئے کہ موصوف کو تقدم زمانی حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب نصف اول علامہ سیوطی کے استاذ ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔

صاحب جلالین نصف ثانی

نام ونسب

آپ کا نام محمد اور والد محترم کا نام احمد ہے اور جلال الدین لقب ہے، سلسلہ نسب اس طرح ہے محمد بن احمد بن محمد بن ابراہیم بن احمد بن ہاشم بن شہاب بن کمال الانصاری محلی، مصر کے ایک شہر محلۃ الکبریٰ کی طرف منسوب ہیں۔

سن پیدائش ووفات

آپ ماہ شوال ۷۹۱ھ میں مصر کے دارالسلطنت قاہرہ میں پیدا ہوئے اور ۸۶۴ھ میں ۱۵ر رمضان المبارک بروز شنبہ بوقت صبح رحلت فرمائی، آپ نے ۷۳ سال عمر پائی، باب النصر میں اپنے آباء واجداد کے قریب مدفون ہوئے۔

تحصیل علوم

قرآن کریم کے حفظ سے فراغت کے بعد آپ نے چند ابتدائی کتابیں مقامی اساتذہ سے پڑھیں اور فقہ علامہ بیجوری، جلال بلقینی، ولی عراقی سے پڑھی، اور نحو شہاب عجیمی اور شمس شطعونی سے اور فرائض وحساب ناصر الدین بن انس مصری حنفی سے اور منطق، جدل، معانی، بیان، عروض، بدر محمود اقصرائی سے اور اصول دین وتفسیر علامہ شمس بساطی وغیرہ سے حاصل کئے، ان حضرات کے علاوہ دیگر اساطین علم کے حلقہ درس میں حاضر ہوکر استفادہ کیا، اولاً آپ نے کپڑے کی تجارت اختیار کی، ایک مدت تک کپڑے کی تجارت کرتے رہے، اس کے بعد ایک شخص کو قائم مقام بنا کر خود درس وتدریس میں مشغول ہوگئے اور ایک خلق کثیر نے آپ سے تحصیل علم کیا، آپ پر عہدۂ قضاء بھی پیش کیا گیا مگر آپ نے انکار فرمادیا۔

آپ کی تصانیف

آپ کی متعدد تصانیف ہیں جن میں جمع الجوامع، جلالین نصف ثانی بڑی اہمیت کی حامل ہیں، آپ نے تفسیر کی ابتداء سورۃ کہف سے فرمائی نصف ثانی مکمل کرنے کے بعد نصف اول سے صرف سورۂ فاتحہ ہی کی تفسیر کر پائے تھے کہ عمر نے وفا نہ کی اور اس دارفانی سے دار جاودانی کی طرف رحلت فرماگئے (انا للّٰہ وانا الیہ راجعون) بقیہ نصف اول کی تکمیل آپ کے شاگرد رشید علامہ سیوطی عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے کی۔

تفسیر جلالین

فن تفسیر کی ایک مختصر مگر جامع تفسیر ہے اگر اس کو قرآن پاک کا عربی ترجمہ کہا جائے تو نامناسب نہ ہوگا، قرآنی اور تفسیری الفاظ سورۂ مدثر تک تقریباً برابر ہیں اس کے بعد قرآنی کلمات سے تفسیری کلمات زیادہ ہیں، جس کی وجہ سے علماء نے فرمایا ہے کہ تفسیر جلالین کو بے وضو چھونا جائز ہے، یہ تفسیر چونکہ دو بزرگوں کی ہے اور ان دونوں ہی کا لقب جلال الدین ہے اس لئے اس کتاب کا

نام جلالین رکھا گیا، بعض اوقات نصف اول وثانی کے مفسر کی تعیین میں اشتباہ ہو جاتا ہے، اس کے یاد رکھنے کی آسان شکل یہ ہے کہ سیوطی کے شروع میں سین ہے اور محلی کے شروع میں میم ہے اور سین حروف تہجی کی ترتیب کے اعتبار سے مقدم ہے اور میم مؤخر، لہٰذا جس کے شروع میں سین ہے اس کا حصہ مقدم ہے اور جس میں میم ہے اس کا مؤخر۔

جلالین کے مآخذ

شیخ موفق الدین احمد بن حسن بن رافع کواشی نے دو تفسیریں لکھی ہیں، ایک کبیر جس کو تبصرہ کہتے ہیں اور دوسری صغیر جس کو تلخیص کہتے ہیں، شیخ جلال الدین محلی کا اعتماد اسی تفسیر صغیر پر ہے، علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی اسی پر اعتماد کیا ہے، مگر اس کے ساتھ تفسیر وجیز اور تفسیر بیضاوی اور ابن کثیر بھی پیش نظر رہی ہیں۔

جلالین کے شروح وحواشی

① جمالین، ملا نور الدین علی بن سلطان محمد الہروی المشہور بملا علی قاری المتوفی ۱۰۱۴ھ کا بہت عمدہ حاشیہ ہے ② قبس النیرین یہ ۹۵۲ھ کی تالیف ہے ③ مجمع البحرین ومطلع البدرین، جلال الدین محمد بن محمد کرخی کی کئی جلدوں میں ہے ④ کمالین شیخ سلام اللہ بن شیخ الاسلام بن عبد الصمد المتوفی ۱۲۲۹ھ کی ہے یہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے احفاد میں سے ہیں، ان کے علاوہ اور بھی حواشی وشروح ہیں چونکہ استیعاب مقصود نہیں اس لئے ان ہی چند کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے۔

صاحب جلالین نصف اول

نام ونسب

نام، عبد الرحمٰن بن ابی بکر محمد کمال الدین، لقب جلال الدین، کنیت ابو الفضل ہے، پورا نسب اس طرح ہے، عبد الرحمٰن بن ابی بکر محمد کمال الدین، بن سابق الدین، بن عثمان فخر الدین بن ناظر الدین الاسیوطی، سیوط کی طرف منسوب ہیں، جس کو اسیوط بھی کہتے ہیں، سیوط دریائے نیل کے مغربی جانب ایک شہر ہے، یہی محلہ خضریہ ہے جو سوق خضر کے نام سے مشہور ہے، یکم رجب ۸۴۹ھ بعد مغرب تولد ہوئے، اپنے عہد کے نہایت باکمال ائمہ فن میں سے تھے۔

تحصیل علوم

آپ صغرسنی یعنی پانچ سال سات ماہ کی عمر میں ہی سایۂ پدری سے محروم ہو گئے تھے، حسب وصیت والد ماجد، چند بزرگوں کی سرپرستی میں رہے، جن میں شیخ کمال ابن الہمام حنفی بھی تھے، موصوف نے آپ کی طرف پوری توجہ فرمائی، چنانچہ آٹھ سال سے کم عمر میں قرآن کریم کے حفظ سے فراغت حاصل کر لی، اس کے بعد آپ نے منہاج الاصول، الفیہ ابن مالک وغیرہ کتابیں حفظ کیں، شیخ شمس سراجی اور شیخ شمس مرزبانی حنفی سے بہت سے درسی اور غیر درسی کتابیں پڑھیں، ان کے علاوہ بھی بہت سے اساتذہ علم وفن کے حلقہ درس میں شرکت فرمائی۔

ایک غلطی کا ازالہ

بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ علامہ سیوطی حافظ ابن حجر عسقلانی کے شاگرد ہیں، مگر یہ تاریخ کی رو سے درست نہیں ہے اس لیے کہ اصحاب تاریخ کی یہ صراحت موجود ہے کہ حافظ ابن حجر کی وفات ۸۵۲ھ میں ہوئی ہے، اور علامہ سیوطی کی پیدائش ۸۴۹ھ میں ہے، اس حساب سے حافظ ابن حجر کی وفات کے وقت علامہ سیوطی کی عمر صرف تین سال ہے، ظاہر ہے کہ اس عمر میں تلمذ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

درس وتدریس اور افتاء

تحصیل علوم وتکمیل فنون کے بعد ۸۷۰ھ میں افتاء کا کام شروع کیا اور ۸۷۲ھ سے املاء میں مشغول ہو گئے، آپ نے حسن المحاضرہ میں لکھا ہے کہ حق تعالیٰ نے مجھے سات علوم تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، معانی، بیان، بدیع میں تبحر عطا فرمایا ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے حج کے موقع پر آب زمزم پیا اور یہ دعا کی کہ فقہ میں شیخ سراج الدین بلقینی کے رتبہ کو اور حدیث میں حافظ ابن حجر کے مرتبہ کو پہنچ جاؤں۔

آپ اپنے زمانہ میں حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے، آپ نے خود فرمایا کہ مجھے دو لاکھ حدیثیں یاد ہیں، اور اگر مجھے اس سے بھی زیادہ ملتیں تو ان کو بھی یاد کرتا، چالیس سال کی عمر میں قضاء وافتاء وغیرہ سے سبکدوش ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لی، اور ریاضت وعبادت، رشد وہدایت میں مشغول ہو گئے، آپ کے زہد وقناعت کا یہ عالم تھا کہ امراء اور اغنیاء آپ کی خدمت میں آتے اور قیمتی قیمتی ہدایا وتحائف پیش کرتے، مگر آپ قبول نہ فرماتے، سلطان غوری نے ایک خصی غلام اور ایک ہزار اشرفیاں آپ کی خدمت میں بھیجیں، آپ نے اشرفیاں واپس کر دیں، اور غلام آزاد کر کے آپ ﷺ کے حجرۂ مبارکہ کا خادم بنا دیا۔

آپ صاحب کشف وکرامات بزرگوں میں سے تھے، طی الارض کی کرامت آپ کی بہت مشہور ہے، بقول آپ کے آپ نے نبی کریم ﷺ کی ستر مرتبہ خواب میں زیارت فرمائی۔

علمی خدمات

بقول داؤد مالکی آپ کی تصانیف کی تعداد پانصد سے بھی متجاوز ہے، آپ کی تصانیف میں سب سے پہلی تصنیف شرح استعاذہ وبسملہ ہے، علوم القرآن پر آپ کی تالیف ''الاتقان فی علوم القرآن'' نہایت اہم اور مشہور کتاب ہے۔

وفات

آپ نے ہاتھ کے ورم میں مبتلا ہو کر جمعہ کی آخری شب ۱۹/ جمادی الاول ۹۱۱ھ کو وفات پائی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

محمد جمال بلند شہری متوطن میرٹھ

استاذ دارالعلوم دیوبند

۱۲/ ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ مطابق

۲۵/ فروری ۲۰۰۲ء

سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَعَشْرُ آيَاتٍ وَاثْنَا عَشَرَ رُكُوْعًا

سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ اِلَّا وَاصْبِرْ نَفْسَكَ الْآيَةَ مِائَةٌ وَّعَشَرَ آيَاتٍ اَوْ خَمْسَ عَشَرَةَ آيَةً.

سورۂ کہف مکی ہے، سوائے واصبر نفسك (الآية) کے

ایک سو دس یا ایک سو پندرہ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اَلْحَمْدُ هو الوصفُ بالجَميلِ ثابتٌ لِلّٰهِ وهَلِ المرادُ الاعلامُ بذلك لِلْايمانِ به اَوْ الثناءُ به اَوْهما احتمالاتٌ اَفْيَدُهَا الثالثُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ محمدٍ الْكِتٰبَ القرآنَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ اى فيه عِوَجًا ۝ اختلافًا وتَناقضًا والجملةُ حالٌ من الكتاب.

ترجمہ: میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے، حمد، صفات کمالیہ بیان کرنے کو کہتے ہیں، ہر قسم کی حمد اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے، آیا جملہ خبریہ کے استعمال سے ثبوت حمد پر ایمان کی خبر دینا مقصود ہے یا (انشاء) ثنا مقصود ہے یا دونوں مقصود ہیں یہ کل تین احتمالات ہیں، ان میں تیسرا احتمال زیادہ مفید ہے جس نے اپنے بندے محمد ﷺ پر کتاب قرآن نازل فرمائی اور اس میں کسی قسم کی کجی یعنی لفظی اختلاف اور معنوی تناقض نہیں رکھا، اور جملہ لَمْ يَجْعَلْ لَهٗ کتابٌ سے حال ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

عِوَجٌ بالکسر فساد فی المعانی اور بالفتح فساد فی الاجسام یعنی عَوَج ایسی کجی جو جوارح سے محسوس ہو، اور عِوَج ایسی کجی جو عقل سے محسوس ہو، مگر یہ قاعدہ اکثری ہے کلیہ نہیں۔

وهل المراد الاعلام بذلك اس سوالیہ جملہ سے شارح علام کا مقصد یہ بتانا ہے کہ جملہ خبریہ کے ذریعہ جو ثبوتِ حمد کی خبر

دی گئی ہے اس سے تین مرادیں ہو سکتی ہیں ① یا تو اس بات کی خبر دینا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف کمالیہ ازلی وابدی ہیں، اس صورت میں جملہ لفظا اور معنا خبریہ ہوگا، اور خبر دینے کے لئے ثابت محذوف نکال کر جملہ اسمیہ اختیار کرنے سے مقصد اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندوں کے لئے ضروری ہے کہ خداوند قدوس کے لئے کمالات کے ازلی وابدی ہونے کا اعتقاد رکھیں ② یا مقصد انشاء حمد ہے اسی کو مفسر علام نے او الثناء به سے تعبیر کیا ہے، اس صورت میں جملہ لفظا خبریہ اور معنا انشائیہ ہوگا، گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَحْمَدُ و اُنْشِئُ حمدًا لِنَفْسِیْ لعجزِ خلقِی من کنه حمدی ③ یا دونوں مقصود ہیں اس کی طرف اپنے قول او هما سے اشارہ فرمایا ہے، یعنی اِخبار حمد اور اِنشاء حمد دونوں مقصود ہوں گے، اس صورت میں جملہ کا استعمال خبر اور انشاء دونوں میں ہوگا، اور یہ حقیقت ومجاز کے اجتماع کے طور پر ہوگا، مگر خبر میں حقیقت اور انشاء میں مجاز ہوگا، اور مقصد ثبوت حمد پر ایمان کی خبر دینا اور انشاء حمد کرنا ہوگا۔

قَوْلَہٗ: افیدها الثالث شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں کہ مذکورہ تینوں صورتوں میں تیسری صورت زیادہ مفید اور بہتر ہے، اس لئے کہ اس صورت میں اِخبار اور انشاء دونوں مقصود بالذات ہو جاتے ہیں، بخلاف پہلی دونوں صورتوں کے کہ ان میں ایک مقصود بالذات اور دوسرا مقصود بالتبع ہوتا ہے، اگر تو اعتراض کرے کہ انشاءِ ثناء اِخبار بالثناء کو مستلزم ہے، بایں طور کہ انشاء حمد کرنے والا بھی حمد کرنے والا ہوتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ مقصود بالذات اور مقصود بالتبع میں فرق ہوتا ہے، مثلاً اگر جملہ کو فقط خبریہ قرار دیا جائے تو اس صورت میں اخبار بالحمد قصداً ہوگی مگر انشاء ثناتبعا ہوگی اور اگر جملہ کو فقط انشائیہ قرار دیا جائے تو اس صورت میں انشاء حمد تو قصداً ہوگی مگر اخبار بالحمد ضمنا اور تبعاً ہوگی، اور اگر دونوں یعنی جملہ خبریہ اور انشائیہ قرار دیا جائے تو اخبار اور انشاء دونوں قصداً ہوں گے۔

قَوْلَہٗ: الذی انزل (الآیه) ثبوت حمد کے لئے علت کے قائم مقام ہے اس لئے کہ موصول صلہ سے مل کر جب صفت واقع ہو اور صلہ مشتق ہو تو ایسی صفت موصوف کے لئے ثبوت حکم کی علت ہوا کرتی ہے، اسی قاعدہ کے مطابق الذی انزَلَ، الحمد ثابت لله کے لئے علت ہوگی، یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے حمد اس لئے ہے کہ اس نے قرآن نازل فرمایا۔

قَوْلَہٗ: الحمد کے بعد هو الوصف بالجمیل کے اضافہ کا مقصد حمد کے معنی کو بیان کرنا ہے اور ثابت مقدر مان کر یہ بتانا ہے کہ الحمد مبتداء ہے اور للہ ثابت مقدر کے متعلق ہو کر مبتدا کی خبر ہے۔

سُوَال: ثَبتَ کے بجائے ثابت اسم فاعل کا صیغہ محذوف ماننے میں کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: ثابتٌ اسم فاعل استمرار اور دوام پر دلالت کرتا ہے اس سے اشارہ کر دیا کہ باری تعالیٰ کے لئے ثبوت حمد دائمی اور ازلی ہے، بخلاف ثَبتَ کے کہ یہ تجدد اور حدوث پر دلالت کرتا ہے۔

قَوْلَہٗ: تنا قضا حذف مضاف کے ساتھ اختلافًا کی صفت ہے تقدیری عبارت یہ ہے اِخْتلافًا ذَاتنا قُضٍ، له کی تفسیر فیہ سے کر کے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لام بمعنی فی ہے۔

تفسیر وتشریح

سورۂ کہف کے فضائل:

اس سورت کے پڑھنے سے گھر میں سکینت و برکت نازل ہوتی ہے، ایک مرتبہ ایک صحابی نے سورۂ کہف پڑھی گھر میں ایک جانور بھی تھا وہ بدکنا شروع ہو گیا اور کودنے لگا، تو انہوں نے غور سے دیکھا کہ کیا بات ہے؟ تو انہیں ایک بادل نظر آیا جس نے انہیں ڈھانپ رکھا تھا، صحابی مذکور نے اس واقعہ کا ذکر آپ ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا اسے پڑھا کرو، اس کے پڑھتے وقت سکینت نازل ہوتی ہے۔ (صحيح بخاری، فضل سورة الكهف)

تمام تعریفیں اسی اللہ کے لئے سزاوار ہیں جس نے اپنے بندے پر یہ قرآن نازل کیا اور اس میں کسی قسم کی کمی باقی نہ چھوڑی۔

قَيِّمًا مُسْتَقِيمًا حالٌ ثانِيَةٌ مؤكِّدة **لِّيُنْذِرَ** يُخَوِّفَ بالكتاب الكافرين **بَأْسًا** عَذَابًا **شَدِيدًا مِّن لَّدُنْهُ** من قِبَلِ اللّٰهِ **وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصّٰلِحٰتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا ﴿٢﴾ مّٰكِثِينَ فِيهِ أَبَدًا ﴿٣﴾** هو الجنةُ **وَيُنْذِرَ** من جُملةِ الكافرين **الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ﴿٤﴾ مَا لَهُم بِهِ** هذا القول **مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِآبَائِهِمْ** مَنْ قَبلَهُمُ القائلين له **كَبُرَتْ** عَظُمَتْ **كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ** كلمةً تمييزٌ مُفَسِّرَةٌ للضمير المُبْهَم والمخصوص بالذَّمِّ محذوف اى مقالتهم المَذكورة **إِن** ما **يَقُولُونَ** فى ذلك **إِلَّا** مقولاً **كَذِبًا ﴿٥﴾**

ترجمہ: اور حال یہ ہے کہ وہ بالکل سیدھی مستقیم ہے قیما کتاب سے حال ثانیہ ہے اور جملہ حالیہ کی تاکید ہے، تاکہ ڈرائے (اللہ) کتاب کے ذریعہ کافروں کو اپنے سخت عذاب سے، جو کہ اس کی طرف سے ہے اور تاکہ ان مومنین کو خوشخبری دے جو نیک عمل کرتے ہیں یہ کہ ان کے لئے اجر حسن ہے حال یہ ہے کہ وہ اس اجر حسن میں کہ وہ جنت ہے ہمیشہ رہیں گے، اور منجملہ کافروں سے ان کافروں کو ڈرائے جو کہتے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے اس قول کی نہ ان کے پاس کوئی سند ہے اور نہ ان کے آباء کے پاس جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں اور وہ بھی اسی بات کے قائل تھے اور یہ بات جو ان کے منہ سے نکل رہی ہے بڑی بھاری ہے، کلمةً تمیز ہے جو کہ کبرت کی ھی ضمیر مبہم کی تفسیر کر رہی ہے اور مخصوص بالذم محذوف ہے اور وہ ان کا قول مذکور (اتخذ اللّٰہ ولدا ہے) اور وہ اس بارے میں جھوٹ کے سوا کچھ نہیں بکتے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: قیما صیغہ صفت ہے، اس کے دو معنی ہیں ① درست، مستقیم، جیسے ذلك دين القيمة یہی طریقہ درست ہے ② درست کرنے والا یعنی ایسی کتاب جو انسانوں کے دنیوی اور اخروی تمام معاملات کو درست کرنے والی ہے، اس صورت

میں قیمامقوم کے معنی میں ہوگا قیما یہ الکتاب سے حال ثانی ہے اس صورت میں حال مترادفہ ہوگا، پہلا حال جملہ ولم یجعل له عوجا ہے، یا له کی ضمیر سے حال ہوگا اس صورت میں حال متداخلہ ہوگا، اور یہ حال مؤکدہ کہلائے گا اس لئے کہ دوسرا حال پہلے حال کے مفہوم کی تاکید کرتا ہے، فعل محذوف کا مفعول ثانی بھی ہوسکتا ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی جعله قیما.

قولہ: لینذر میں لام تعلیل یا عاقبت کا ہے اور انزل سے متعلق ہے اور لینذر کا مفعول اول یعنی الکافرین محذوف ہے اور بأسا شدیدا مفعول ثانی ہے، اور من لدنه کائنا محذوف کے متعلق ہوکر جملہ ہوکر بأسا کی صفت ثانی ہے، ای بأسا شدیدا کائنا منه یبشر کا عطف ینذر پر ہے اور لام کے تحت ہے، المؤمنین، یبشر کا مفعول ہے، اور الذین یعملون الخ المؤمنین کی صفت ہے أن لهم کے پہلے ب حرف جار محذوف ہے۔

قولہ: ما کثین، لهم کی ضمیر سے حال ہے اور فیه کی ضمیر کا مرجع اجر ہے دوسرے ینذر کا عطف لینذر پر ہے یہ عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے اور اس کا مفعول ثانی محذوف ہے، ای بأسا شدیدا۔ مالهم جملہ مستانفہ ہے اور لهم خبر مقدم ہے من علم مبتداء مؤخر ہے اور من زائدہ ہے اور لا لا بائهم کا خبر پر عطف ہے اور به کی ضمیر کا مرجع قول ہے کبرت فعل ماضی انشاء ذم کیلئے ہے اس میں ضمیر ھی فاعل ہے جو کہ مقالتهم کی طرف راجع ہے کلمة تمیز ہے تخرج جملہ ہوکر کلمة کی صفت ہے اور مقالتهم المذکورة مخصوص بالذم ہے۔

تفسیری فوائد

قیما کے بعد مستقیما کا اضافہ تعیین معنی کیلئے ہے اس لئے کہ قیما دو معنی کیلئے استعمال ہوتا ہے ایک مستقیم سیدھا اور دوسرے مقوم سیدھا کرنے والا، بعض نسخوں میں بالکتاب کے بجائے یخوف الکتاب ہے اس صورت میں ینذر کا فاعل کتاب ہوگی، پیش نظر نسخہ میں بالکتاب ہے لہٰذا ینذر کا فاعل اللہ ہوگا یا پھر محمد ﷺ ہوں گے، من قبل اللّٰہ کے اضافہ کا مقصد من کے ابتدائیہ ہونے کی طرف اشارہ ہے اور ھو الجنة کے اضافہ کا مقصد فیه کی ضمیر کا مصداق متعین کرنا ہے، اس لئے کہ ضمیر اجر کی طرف راجع ہے، من قبلهم یہ لآبائهم کا بیان ہے اور مراد وہ آباء ہیں جو خدا کیلئے اولاد کے قائل تھے، الا کے بعد مقولا کا اضافہ کرکے بتادیا کہ کذبا کا موصوف مقولا محذوف ہے۔

تفسیر و تشریح

اس سورت کی ابتدائی آیتوں میں چار باتیں بیان کی گئی ہیں ① حمد باری اور قرآن کریم کی عظمت ② نزول قرآن کے تین مقاصد ③ حامل قرآن کی ذمہ داری کس قدر ہے؟ ④ اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات کس مقصد کے لئے پیدا فرمائی، اور اس کائنات کا انجام کیا ہوگا؟

اجمال کی تفصیل:

تمام تعریفیں اس ذات پاک کے لئے ہیں جس نے اپنے خاص بندے محمد ﷺ پر یہ کتاب نازل فرمائی، یعنی وہ ذات جس نے کتاب نازل فرمائی تمام خوبیوں کی مالک ہے، اور تمام تعریفوں کے لائق اور بہتر سے بہتر شکر کی مستحق ہے، اور تمام عیوب ونقائص اور کمزوریوں سے منزہ ہے اور وہ وحدہ لاشریک ہے، اور اس کتاب میں ذرا بھی کجی نہیں باقی رکھی، نہ لفظی، کہ فصاحت وبلاغت کے خلاف ہو اور نہ معنوی، کہ اس کا کوئی حکم حکمت کے خلاف ہو، اور نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ کافروں کو اپنے سخت عذاب سے ڈرائے، اور اہل ایمان کو جو اعمال صالح بھی کرتے ہیں آخرت میں اچھے انجام یعنی اجر حسن کی خوشخبری سنائے، اور کافروں میں سے بالخصوص اُن لوگوں کو ڈرائے جو اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد کا عقیدہ رکھتے ہیں، اولاد کا عقیدہ رکھنے والے کافروں کا عام کافروں سے الگ ذکر اس لئے کیا ہے کہ اس باطل عقیدہ میں عرب کے عام لوگ اور یہود ونصاریٰ سب مبتلا نہ تھے، نہ اس کی کوئی دلیل ان کے پاس ہے اور نہ ان کے آباء واجداد کے پاس تھی عقیدۂ اولاد کے بارے میں جو بات ان کی زبان سے نکلتی ہے یہ بہت بھاری بات ہے ادنیٰ عقل رکھنے والا شخص بھی اس کا قائل نہیں ہوسکتا۔

لم یجعل له عوجا سے جس مفہوم کو منفی انداز میں بیان کیا گیا ہے اسی مضمون کو قیما کے ذریعہ مثبت انداز میں بیان کیا گیا ہے، اس لئے کہ مستقیم وہی شئ ہوتی ہے جس میں کجی نہیں ہوتی۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ مُهْلِكٌ **نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ** بَعْدَهُمْ اى بعد تَوَلِّيهِمْ عنك **اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ** القرآن **اَسَفًا**۝ غَيْظًا وحُزْنًا مِنْك لِحِرْصِكَ عَلى اِيمانهم ونَصْبُه على المفعول له **اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ** من الحيوان والنباتِ والشجرِ والانهار وغير ذٰلِكَ **زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ** لِنَخْتَبِرَ النَّاسَ ناظرين الى ذٰلك **اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا**۝ فيه اى أزْهدُ لهٗ **وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا** فتاتا **جُرُزًا**۝ يَابِسًا لا يُنْبِتُ.

ترجمہ: شاید آپ ان کے پیچھے اگر یہ لوگ قرآن پر ایمان نہ لائے تو خود کو افسوس کی وجہ سے غم وغصہ میں ہلاک کرلیں گے یعنی ان کے آپ سے اعراض کرنے کے بعد آپ کے ان کے ایمان پر حریص ہونے کی وجہ سے، اور **اسفا** مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے بے شک ہم نے زمین پر جو کچھ ہے حیوانات اور نباتات اور اشجار وانہار وغیرہ کو زمین کے لئے زینت بنایا ہے تاکہ ہم ان لوگوں کو آزمائیں یعنی ان لوگوں کو آزمائیں جو اس کی طرف مائل ہیں، کہ ان میں سے کون **مـا علـى الارض** کے بارے میں عمل کے اعتبار سے زیادہ اچھا ہے، یعنی ان میں سے کون دنیا سے زیادہ بے رخی کرنے والا ہے اور ہم زمین کی تمام چیزوں کو چٹیل میدان کردیں گے یعنی خشک سپاٹ میدان بنادیں گے جو زراعت کے لائق نہ ہو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

مُهلك کا اضافہ بیان معنی کے لئے ہے۔

قِوْلَہُ: بعدھم یہ آثار کی تفسیر ہے اور بعد تولیھم تفسیر کی تفسیر ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ ان کافروں کے ایمان نہ لانے پر اتنا غم نہ کیجئے کہ خود کو ہلاک کر ڈالیں لعل ترجی اور اشفاق کے لئے آتا ہے، مگر یہاں نہی کے لئے استعمال ہوا ہے یعنی آپ کو اس قدر زیادہ غم کرنے سے منع کرنے کے لئے آثار اثر کی جمع ہے، ان کے پیچھے یعنی ان کی فکر میں آپ خود کو ہلاک نہ کریں۔

قِوْلَہُ: ان لم یؤمنوا اس کی دو ترکیبیں ہوسکتی ہیں ① ان لم یؤمنوا شرط ہے اور ماقبل پر اعتماد کرتے ہوئے جزاء محذوف ہے یعنی فلا تهلك نفسك ② ان لم یؤمنوا شرط مؤخر اور فلعلك باخع جزاء مقدم۔

قِوْلَہُ: اسفا، باخع کا مفعول لہ ہے یا باخع کی ضمیر سے حال ہے۔

قِوْلَہُ: لحرصك یہ علة العلة ہے یعنی آپ کو اتنا زیادہ غم کیوں ہے اس لئے کہ آپ ان کے ایمان پر حریص ہیں۔

قِوْلَہُ: انا جعلنا یہ جملہ مستانفہ ہے اگر جعل صیر کے معنی میں ہو تو زینة اس کا مفعول ثانی ہوگا، لها کا لام زینة سے متعلق ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کائنةً سے متعلق ہوکر زینةً کی صفت ہو، ما علی الارض مفعول اول ہے اور اگر جعل بمعنی خلق ہو تو زینةً یا تو حال ہوگا یا پھر مفعول لہ۔

قِوْلَہُ: ناظرین الی ذلك یہ من الناس سے حال ہے۔

قِوْلَہُ: جرزا صعیدًا کی صفت ہے اس میں اسناد مجازی ہے اسلئے کہ جرز کے اصل معنی ایسی زمین کے ہیں جس کی گھاس کاٹ دی گئی ہو یہ ماعلی الارض کا وصف قرار دیا ہے حالانکہ یہ ارض کا وصف ہے لہٰذا علاقہ مجاورت کی وجہ سے اسناد مجازی ہوگی۔

قِوْلَہُ: ایھم بترکیب اضافی مبتدا ہے اور احسن اس کی خبر اور عملاً تمیز ہے جملہ ہوکر نبلوا کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے فیه کی ضمیر کا مرجع ما علی الارض ہے مراد دنیا وما فیها ہے۔

قِوْلَہُ: ازھد له یہ احسن عملا کی تفسیر ہے۔

قِوْلَہُ: اسفا کی تفسیر غیظا وحزنا سے کرنے کا مقصد تعیین معنی ہے اس لئے کہ اسفا متعدد معنی کے لئے آتا ہے۔

قِوْلَہُ: من الحیوان والنبات یہ ما علی الارض کا بیان ہے۔

قِوْلَہُ: ناظرین الی ذلك سے اشارہ ہے کہ ھم ذوالحال ہے اور ناظرین اس سے حال ہے۔

تفسیر وتشریح

کافروں کے ایمان نہ لانے پر آپ اس قدر غم نہ کریں کہ خود کو ہلاک ہی کر ڈالیں، اس آیت میں نفس حزن سے منع نہیں کیا گیا اس لئے کہ کفر پر نفس حزن تو ایمان کی علامت ہے، آپ کو حد سے زیادہ غم کرنے سے اس لئے منع فرمایا گیا ہے کہ دنیا عالم امتحان ہے اس میں کفر وایمان، خیر وشر دونوں ہی رہیں گے اسی امتحان کے لئے ہم نے زمین کی چیزوں کو زمین کے لئے رونق بنایا ہے، تاکہ ہم اس کے ذریعہ لوگوں کی آزمائش کریں کہ ان میں سے زیادہ اچھا عمل کون کرتا ہے یعنی کون دنیا سے اعراض کرتا ہے اور کون اس دنیا کی زینت اور رونق پر مفتون ہوکر آخرت سے غافل ہوجاتا ہے، غرضیکہ یہ عالم ابتلاء ہے تکوینی طور پر کوئی مومن رہے گا اور کوئی کافر پھر حد سے زیادہ غم کرنا بیکار ہے، آپ تبلیغ ورسالت کا اپنا کام کرتے رہئے اور باقی معاملہ ہمارے اوپر چھوڑ دیجئے، چنانچہ ایک دن ایسا آئے گا کہ ہم زمین کو چٹیل میدان کردیں گے۔

اَمْ حَسِبْتَ ای اَظَنَنْتَ **اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ** الغارِ فی الجبل **وَالرَّقِيْمِ** اللَّوح المکتوب فیه اَسْمَائُهُمْ وانْسَابُهُمْ وقد سُئِلَ صلی اللّٰه علیه وسلم عن قِصَّتِهِمْ **كَانُوْا** فی قِصَّتِهِمْ **مِنْ** جُمْلَةِ **اٰيٰتِنَا عَجَبًا**⑨ خبرُ کان وما قَبْلَه حالٌ ای کانوا عَجَبًا دون باقی الآیاتِ اَوْ اَعْجَبَها لیس الامرُ کذلك اُذْکُرْ **اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ** جمع فَتًی وهو الشابُّ الکاملُ خائفین علی اِیمانهم مِنْ قومِهم الکُفّار **فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ** مِنْ قِبَلِكَ **رَحْمَةً وَّهَيِّئْ** اَصْلِحْ **لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا**⑩ هِدَايَةً **فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ** ای انَمْنَاهُمْ **فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا**⑪ مَعْدُوْدَةً **ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ** ای اَیْقَظْنَاهُمْ **لِنَعْلَمَ** عِلْمَ مُشَاهَدَةٍ **اَيُّ الْحِزْبَيْنِ** الفریقین المُخْتَلِفَیْنِ فی مُدةِ لُبثِهِمْ **اَحْصٰى** فعلٌ بمعنی ضَبَطَ **لِمَا لَبِثُوْٓا** لِلُبْثِهِمْ مُتعلِقٌ بما بعده **اَمَدًا**⑫ غایَةً.

ترجمہ: کیا آپ خیال کرتے ہیں یعنی گمان کرتے ہیں کہ غار والے اور رقیم والے ''کہف'' پہاڑ کے غار کو کہتے ہیں اور ''رقیم'' وہ تختی تھی جس میں اصحاب کہف کے نام اور ان کے اسماء کندہ تھے، اور رسول اللہ ﷺ سے ان کا قصہ معلوم کیا گیا تھا، کہ وہ اپنے قصہ کے اعتبار سے ہماری آیات (قدرت) میں کچھ زیادہ عجیب تھے عجبا، کان کی خبر ہے اور اس کا ماقبل (یعنی من آیاتنا) کانوا کی ضمیر سے حال ہے یعنی وہ آیات قدرت میں عجیب تھے نہ کہ باقی آیات، یا عجائبات میں زیادہ عجیب تھے۔ حقیقت حال ایسی نہیں ہے، اس وقت کو یاد کیجئے کہ جب چند نوجوانوں نے ایک غار میں پناہ لی تھی فتیة فتی کی جمع ہے یعنی کامل نوجوان جب کہ وہ اپنے ایمان کے بارے میں اندیشہ کرتے ہوئے اپنی کافر قوم کے پاس سے نکلے تھے تو اس وقت انہوں نے یہ دعا کی اے ہمارے پروردگار تو ہم کو اپنے پاس سے یعنی اپنی خصوصی عنایت سے رحمت عطا فرما اور ہمارے معاملہ کو

درست فرما تو ہم نے اس غار میں ان کے کانوں پر سالہا سال کے لئے پردہ ڈالدیا یعنی ان کو گہری نیند سلا دیا پھر ہم نے ان کو اٹھایا یعنی بیدار کیا تا کہ ہم علم مشاہدہ کے طور پر معلوم کرلیں کہ ان کی مدت قیام میں اختلاف کرنے والے دو فریقوں میں سے کس نے ان کے قیام کی مدت کو یاد رکھا؟ احصی فعل ماضی ہے ضبط کے معنی میں لما لبثوا اپنے ، بعد سے متعلق ہے اور امدا بمعنی غایت ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: ام حسبت میں ام منقطعہ بمعنی استفہام انکاری ہے، یعنی اے محمد ﷺ آپ کو یہ خیال نہ کرنا چاہئے۔

قولہ: أن اصحاب الکھف جملہ ہوکر حسبت کا مفعول بہ ہے، اور کانو امن آیاتنا عجبا جملہ ہوکر أن کی خبر ہے اور عجبا (آیة) محذوف کی صفت ہوکر أن کی خبر ہے، اور اصحاب الکھف أن کا اسم ہے کھف مفرد ہے جمع کھوف وا کھف ہے بمعنی غار، کہف اور غار میں فرق یہ ہے کہ غار تنگ اور چھوٹی ہوتی ہے اور کہف کشادہ اور بڑی ہوتی ہے رقیم بمعنی مرقوم، لکھا ہوا، نوشتہ، رقیم کے بارے میں مفسرین کے چھ قول ہیں ① اس بستی کا نام جہاں سے اصحاب کہف نکلے تھے ② اس پہاڑ کا نام ہے جس میں وہ غار ہے ③ اصحاب کہف کے کتے کا نام ہے ④ اس میدان کا نام ہے جو اس غار کے دامن میں واقع ہے ⑤ وہ تختی جس میں اصحاب کہف کے نام ونسب وحالات لکھے ہوئے ہیں اور غار کے دہانے پر نصب تھی ⑥ سیسہ کی وہ لوح جس پر اصحاب کہف کے نام کندہ کر کے شاہی خزانہ میں محفوظ کردی گئی تھی، امام بخاری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اس قول کو اپنی صحیح میں تعلیقاً ذکر کیا ہے، حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو بخاری کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے ھییٔ۔ ھییٔ تھیئة سے فعل امر، اصلاح کرنا، درست کرنا، مہیا کرنا احصی باب افعال کا فعل ماضی ہے نہ کہ اسم تفضیل اس لئے کہ ثلاثی مزید سے اسم تفضیل افعل کے وزن پر نہیں آتا ای الحزبین بترکیب اضافی مبتداء احصی جملہ ہوکر خبر، احصی کی ضمیر کا مرجع کل واحد من الحزبین ہے، لما لبثوا بواسطہ حرف جر احصی کا مفعول بہ ہے اور امدا تمیز ہے۔

قولہ: ضربنا علی آذانھم۔ ضربنا کا مفعول حجابا محذوف ہے، کلام میں مجاز ہے اسلئے کہ القاء نوم کو ضرب حجاب سے تشبیہ دی ہے اور ضربنا بمعنی انمنا ہے۔

قولہ: عددا بمعنی معدودا سنین کی صفت ہے۔

تفسیر و تشریح

مذکورہ آیات میں اصحاب کہف کے واقعہ کو اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے تا کہ اجمال کے بعد تفصیل جاننے کا شوق پیدا ہو، کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ غار والے اور رقیم والے ہماری قدرت کی نشانیوں میں سے کچھ زیادہ عجیب چیز تھے یا ہمارے عجائبات قدرت میں سب سے زیادہ عجیب چیز تھے، یعنی عجائبات قدرت اور حیرت انگیز نشانیاں تو ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں یہ بے

ستونوں والا آسمان اور یہ عظیم کرۂ ارض اور یہ فلک بوس پہاڑ اور ٹھاٹھیں مارتے ہوئے دریا اور سمندر کیا کچھ کم عجائبات قدرت ہیں جو تم غار والوں اور رقیم والوں کی داستان پوچھتے ہو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے نزدیک اس واقعہ سے زیادہ کوئی حیرت زدہ بات نہیں ہے، حالانکہ یہ واقعہ تو واقعات قدرت میں سے ایک معمولی واقعہ ہے۔

فائدہ: اصحاب کہف کے بعد، الرقیم اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اصحاب کہف متعدد ہیں ① ضحاک فرماتے ہیں کہ روم کے ایک شہر میں ایک غار ہے جس میں اکیس آدمی لیٹے ہوئے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سو رہے ہیں ② ابن عطیہ نے ملک شام میں ایک غار کا ذکر کیا ہے جس میں کچھ مردہ لاشیں ہیں اور اس غار کے پاس ایک مسجد بھی ہے ③ ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ ساحل عقبہ کے پاس فلسطین سے نیچے ایلہ کے قریب ایک غار ہے ④ ایک واقعہ افسوس شہر کا بیان کیا گیا ہے جس کا اسلامی نام طرطوس ہے، یہ شہر ایشیائے کوچک کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔

غرض کہ اپنے دین وایمان کو بچانے کے لئے غار میں پناہ لینے کے متعدد واقعات ہوئے ہیں، قرآن کریم نے ان واقعات میں سے اصحاب کہف کا ایک واقعہ بیان کیا ہے جن کے نام اور حالات سیسے کی لوح پر کندہ کرکے شاہی خزانہ میں رکھ لئے گئے تھے، چونکہ یہ نوجوان اونچے خاندان کے چشم وچراغ تھے ان کی اچانک گمشدگی ان کے اہل خاندان اور خود حکومت کے لئے تشویش کا باعث تھی، یہ چند نوجوان زمانہ کی چیرہ دستیوں سے تنگ آکر اور کافر حکمرانوں کے ظلم وستم سے بھاگ کر دین کی حفاظت کے لئے شہر سے نکل گئے تھے اور جنگل میں ایک غار میں پناہ لی تھی، وہاں انہوں نے بارگاہ ایزدی میں گڑگڑا کر دعاء کی، خدایا تو اپنی خاص مہربانی سے ہم کو نواز دے اور ہمارے دین کی حفاظت فرما اس لئے کہ ہم آپ کی مدد کے بغیر راہ راست پر قائم نہیں رہ سکتے، مخالفت کی آندھیوں کے جھکڑ چل رہے ہیں دشمن ہاتھ دھو کر ہمارے قتل کے پیچھے پڑا ہوا ہے، اپنی جان کی تو ہمیں فکر نہیں کہیں دین کی رسی ہمارے ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے، اللہ تعالیٰ نے ان شکستہ دل بندوں کی دعاء کو شرف قبولیت بخشا اور ان کی حفاظت کا بہترین انتظام فرما دیا۔

نَحْنُ نَقُصُّ نقرأ **عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ** بالصدق **اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ﴿۱۳﴾ وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ** قَوَّيْنَاهَا عَلَى قول الحق **اِذْ قَامُوْا** بَيْنَ يَدَيْ مَلِكِهِم وقد اَمَرَهُم بالسُّجُوْدِ لِلْاَصْنَامِ **فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖۤ** اي غيرِهِ **اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾** اي قولاً ذا شَطَطٍ اي اِفْرَاطٍ فِي الكُفْرِ اِنْ دَعَوْنَا اِلٰهًا غيرَ اللّٰهِ تعالى فَرْضًا **هٰۤؤُلَآءِ** مُبتدأٌ **قَوْمُنَا** عَطْفُ بَيَانٍ **اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا** هَلَّا **يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ** عَلَى عِبَادَتِهِم **بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ** بِحُجَّةٍ ظَاهِرَةٍ **فَمَنْ اَظْلَمُ** اي لا اَحَدَ اَظْلَمُ **مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۱۵﴾** اي بِنِسْبَةِ الشَّرِيْكِ اِلَيْهِ تعالى قال بعضُ الفِتْيَةِ لِبَعْضٍ **وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾** بِكَسْرِ الميم وفتح الفاء وبالعكس ما تَرْتَفِقُوْنَ به مِن غَدَاءٍ وعَشَاءٍ **وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ** بالتشديد

والتخفيف تَمِيْلُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ نَاحِيَتَهُ وَإِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ تَتْرُكُهُمْ وتَتَجَاوَزُ عَنْهم فلا تُصِيْبُهُمْ اَلْبَتَّةَ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ مُتَّسَع مِنَ الكهفِ يَنَالُهُمْ بَرْدُ الرِّيْحِ ونَسِيْمُهَا ذٰلِكَ المذكور مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ دَلَائِل قُدْرَتِهِ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿١٧﴾ ع ۱۴

ترجمہ: ہم آپ کو ان کا صحیح قصہ سناتے ہیں وہ چند نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کی ہدایت میں ترقی دی تھی اور ہم نے ان کے دل قوی کر دیئے تھے یعنی حق بات کہنے کے لئے قوی کر دیئے تھے جب وہ اپنے بادشاہ کے سامنے کھڑے ہوئے اور اس بادشاہ نے ان کو بتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا، تو انہوں نے کہہ دیا کہ ہمارا پروردگار تو وہی ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا پروردگار ہے ہم اس کو چھوڑ کر کسی غیر کی ہرگز بندگی نہ کریں گے اگر ہم نے ایسا کیا تو ہم نے نہایت ہی غلط بات کی یعنی حد سے گذری ہوئی حرکت کی یعنی بالفرض اگر ہم نے اللہ کے علاوہ کسی غیر کی بندگی کی تو ہم کفر میں حد سے تجاوز کرنے والے ہوں گے یہ ہماری قوم ہے جس نے معبود حقیقی کو چھوڑ کر دوسرے معبود ٹھہرائے ہیں ھٰؤلاء مبتداء ہے قومنا عطف بیان ہے وہ ان پر یعنی ان کے معبود ہونے پر کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتے؟ یعنی کوئی کھلی دلیل، اس سے بڑا ظالم کون ہوگا یعنی اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں، جو اس کی طرف شریک کی نسبت کر کے اللہ پر بہتان باندھے، نوجوانوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا جب تم نے ان عابدین کو اور اللہ کے علاوہ ان کے معبودوں کو چھوڑ دیا ہے تو اب کسی غار میں پناہ لو، تمہارا رب تم پر اپنی رحمت پھیلا دے گا اور تمہارے لئے تمہارے کام میں سہولت مہیا کر دے گا، مرفقا میم کے کسرہ اور فاء کے فتحہ کے ساتھ ہے اور اس کا عکس بھی، وہ صبح شام کا کھانا ہے کہ جس سے تم فائدہ اٹھاؤ گے اور جب سورج طلوع ہوتا ہے تو (اے مخاطب) تو دیکھے گا کہ وہ ان کی غار کی دائیں جانب کتراتا ہوا نکل جاتا ہے تــزاور تشدید اور بلا تشدید دونوں طرح (درست ہے) اور جب ڈھلتا ہے تو ان سے بائیں جانب بچ کر نکل جاتا ہے یعنی ان کو چھوڑ کر کترا کر نکل جاتا ہے، جس کی وجہ سے یقیناً ان پر دھوپ نہیں پڑتی، حال یہ ہے کہ وہ غار کے کشادہ مقام میں ہیں کہ جہاں ان کو ٹھنڈی ہوا اور بادِ نسیم پہنچتی رہتی ہے یہ یعنی مذکورہ حالات اس کی نشانیاں یعنی اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں، وہ جس کی چاہے رہبری فرمائے وہ راہِ راست پر ہے اور وہ جسے گمراہ کر دے ناممکن ہے کہ آپ اس کا کوئی کارساز اور رہنما پاسکیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلُهُ: فتية، فتى کی جمع ہے جیسا کہ صبية صبى کی جمع۔ نوجوان۔

قِوْلُهُ: بالحق۔ متلبسا کے متعلق ہو کر یاتو نقص کے فاعل سے حال ہے یا نبأ مفعول سے حال ہے انهم فتية جملہ مستانفہ ہے یعنی ما هو الخبر الصادق کا جواب ہے آمنوا بربهم جملہ ہو کر فتية کی صفت ہے۔

قِوْلَهُ: ربطنا (ن) ربطا باندھنا، قوی کرنا لن ندعوا فعل مضارع منصوب بلن جمع متکلم آخر میں واؤ جمع کا نہیں ہے بلکہ لام کلمہ ہے واؤ جمع کے مشابہ ہونے کی وجہ سے رسم قرآنی کے مطابق اس کے آخر میں الف لکھا جاتا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا اور نہ پڑھنے کی علامت کے طور پر اس کے اوپر ایک چھوٹا سا گول دائرہ بنا دیا جاتا ہے (یعنی) ہرگز نہیں پکاریں گے۔

قِوْلَهُ: شططا (ن،ض) شططا حد سے تجاوز کرنا حق سے بعید ہونا اذقاموا، ربطنا کا ظرف ہے فأووا میں فا جزائیہ ہے اور اذا عتزلتموهم الخ شرط ہے واؤ اشباع کا ہے۔

قِوْلَهُ: قولا ذا شطط کا اضافہ اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کیا ہے کہ شططا حذف مضاف کے ساتھ مصدریت کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کا موصوف قولا محذوف ہے اور اگر ذا محذوف نہ مانیں تو مصدر کا حمل مبالغۃً ہوگا جیسا کہ زید عدل میں ہے۔

قِوْلَهُ: فرضا، فرضا کا اضافہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ غیر اللہ کی بندگی کرنے کا کسی قسم کا امکان نہیں ہے نہ عقلی نہ شرعی اور نہ اخلاقی اگر بفرض المحال ایسا ہو بھی جائے تو یہ بڑی بے جا بات ہوگی۔

قِوْلَهُ: هؤلاء مبتداء ہے اور اتخذوا من دون الله اس کی خبر ہے لولا کی تفسیر هلا سے کر کے اشارہ کر دیا کہ لولا تحضیضیہ ہے قومنا، هؤلاء سے عطف بیان ہے نیز بدل بھی ہو سکتا ہے۔

قِوْلَهُ: تـزاور اصل میں تتـزاور تھا ایک تا حذف کر دی گئی (فعل مضارع واحد مؤنث غائب) قوم کا آپس میں ایک دوسرے کی زیارت کرنا اور اگر اس کا صلہ عن ہو تو انحراف کرنا اور اگر اصل تزاور ہو تو ایک تا کو زا کیا اور زا کو زا میں ادغام کر دیا تقرضهم مضارع واحد مؤنث غائب، قرضا کاٹنا، کترانا، بچ کر نکل جانا ذات ذو کا مؤنث ہے، آیت میں ذات کا لفظ زائدہ ہے زینت کلام کے لئے ہے۔

قِوْلَهُ: ذات اليمين و ذات الشمال۔ تزاور کا ظرف مکان ہے۔

قِوْلَهُ: ناحيته اس کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ ذات اليمين اور ذات الشمال ظرف مکان ہیں، ای جهت اليمين و جهت الشمال وهم فى فجوة جملہ حالیہ ہے۔

قِوْلَهُ: من يهد الله فهو المهتد یہ جملہ درمیان قصہ میں معترضہ ہے، مقصد آپ ﷺ کو تسلی دینا ہے۔

تَفسِیر وَتشریح

اولاً اصحاب کہف کا قصہ اجمالاً بیان فرمایا اب نحن نقص سے تفصیلاً بیان فرماتے ہیں، ارشاد فرمایا ہم آپ سے اصحاب کہف کا قصہ صحیح صحیح بیان کرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ قرآنی بیان میں کوئی بات خلاف واقعہ نہیں ہے، اور ہو بھی کیسے سکتی ہے قرآن تو خالق کائنات کا کلام ہے جو کائنات کے ہر ذرہ سے واقف ہے البتہ لوگوں میں اصحاب کہف کا واقعہ مختلف طریقوں سے مشہور ہے ان میں صحیح وہ ہے جو ہم بیان کر رہے ہیں، وہ چند نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کی ہدایت

میں ترقی بخشی تھی، یہ چند نوجوان ایک ظالم بادشاہ دقیانوس کے زمانہ میں تھے، بادشاہ غالی متعصب اور بت پرست تھا، اور جبر واکراہ کے ذریعہ بت پرستی کی اشاعت کرتا تھا ان نوجوانوں نے سچا دین قبول کرلیا تھا، ان نوجوانوں کا تعلق اونچے گھرانوں اور عمائدین سلطنت سے تھا، حق تعالیٰ نے ان کو ایمان کی دولت سے نوازا تھا، یہ نوجوان کس مذہب پر تھے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ دین مسیحی پر تھے، لیکن علامہ ابن کثیر نے مختلف قرائن سے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ اصحاب کہف کا قصہ مسیح علیہ الصلاۃ والسلام سے پہلے کا ہے مگر صحیح اور راجح بات یہ ہے کہ یہ واقعہ پہلی صدی عیسوی کا ہے۔ (مزید تحقیق کے لئے قصص القرآن کی طرف رجوع کریں)۔

غرض کہ ان نوجوانوں کو شاہی دربار میں طلب کیا گیا ان نوجوانوں نے بے جھجک بغیر کسی خوف وہراس کے ظالم بادشاہ کے روبرو اپنے ایمان کا اعلان کردیا، اور اپنی ایمانی جرأت سے لوگوں کو حیرت زدہ کردیا، ارشاد ربانی ہے ''اور ہم نے ان کے دل اس وقت مضبوط کردیئے جب وہ دربار میں بادشاہ کے روبرو جواب دہی یا دعوت دین دینے کے لئے کھڑے ہوئے تھے، تو انہوں نے اپنے پروردگار سے یوں دعاء کی، اے ہمارے پروردگار تو ہی ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا پروردگار ہے ہم تجھ کو چھوڑ کر کسی غیر کی بندگی نہ کریں گے، اور اگر ہم ایسا کریں تو یقیناً بہت بے جا بات کرنے والے ہوں گے''۔

یہ ہماری قوم جو معبود حقیقی کو چھوڑ کر دوسرے فرضی معبودوں کو اختیار کئے ہوئے ہے یہ ان کے معبود حقیقی ہونے پر کوئی واضح دلیل کیوں پیش نہیں کرتی؟ لہٰذا اس سے بڑا ظالم کوئی ہو ہی نہیں سکتا جو اللہ پر بہتان باندھے نوجوانوں کی یہ بات سن کر بادشاہ کو ان کی نوجوانی پر کچھ رحم آیا اور کچھ دیگر مشاغل مانع ہوئے اور سب سے اہم بات یہ کہ وہ عمائدین سلطنت اور بڑے گھرانوں کے چشم وچراغ تھے اس لئے یک لخت ان پر ہاتھ ڈالنا مصلحت کے خلاف تھا اس لئے ان کو چند روز کی مہلت دیدی، تاکہ وہ اپنے معاملہ میں غور کرلیں۔

ادھر یہ نوجوان دربار سے نکل کر مشورہ کے لئے بیٹھ گئے، اور یہ طے کیا کہ اب اس شہر میں قیام خطرہ سے خالی نہیں، مناسب یہ ہے کہ کسی قریبی غار میں روپوش ہوجائیں، اور واپسی کے لئے کسی مناسب وقت کا انتظار کریں۔

وَتَحْسَبُهُمْ لَوْ رَأَيْتَهُمْ **أَيْقَاظًا** اى مُنْتَبِهِيْنَ لِاَنَّ اَعْيُنَهُمْ مُفَتَّحَةٌ جمع يَقِظٍ بكسر القاف **وَّهُمْ رُقُودٌ** نِيَامٌ جمع رَاقِدٍ **وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ** لِئَلَّا تَأْكُلَ الاَرْضُ لُحُوْمَهُمْ **وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ** يَدَيْهِ **بِالْوَصِيْدِ** بِفِنَاءِ الكهف وكَانُوْا اِذَا انْقَلَبُوْا اِنْقَلَبَ وَهُوَ مِثْلُهُمْ فِي النومِ واليَقْظَةِ **لَوِاطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ** بالتخفيف والتشديد **مِنْهُمْ رُعْبًا** ﴿۱۸﴾ بسُكون العين وضمها مَنَعَهُمُ اللّٰهُ بالرُّعبِ مِنْ دُخولِ اَحَدٍ عليهم **وَكَذٰلِكَ** كما فعلنا بهم ما ذكرنا **بَعَثْنٰهُمْ** اَيْقَظْنَاهُمْ **لِيَتَسَاءَلُوْا بَيْنَهُمْ** عَنْ حَالِهِمْ ومُدَّةِ لُبْثِهِمْ **قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ** لِاَنَّهُمْ دخلُوْا الكهفَ عندَ طلوعِ الشمسِ وبُعِثُوْا عند غُرُوبِها فظَنُّوْا اَنَّهُ غروبُ يومِ الدُّخولِ ثم **قَالُوْا**

مُتَوَقِّفِيْنَ فِي ذٰلِكَ **رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ** بسكون الراء و كسرها بِفِضَّتِكُمْ **هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ** يقال اِنَّهَا المُسَمَّاةُ الانَ طَرَسُوسَ بفتح الراء **فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا** اَىُّ اَطْعِمَةِ المدينة اَحَلُّ **فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ⑲ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا** يَطَّلِعُوا **عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ** يَقْتُلُوْكُمْ بِالرَّجْمِ **اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا** اى اِنْ عُدْتُمْ فى مِلَّتِهِمْ **اَبَدًا ⑳**

ترجمہ: اور اگر آپ ان کو دیکھیں تو بیدار محسوس کریں یعنی بیدار سمجھیں گے اس لئے کہ آنکھیں ان کی کھلی ہوئی ہیں (**ایقاظ**) **یقظ** بکسر قاف کی جمع ہے حالانکہ وہ سو رہے ہیں **رقود** **راقد** جمع ہے اور ہم ان کو دائیں بائیں کروٹ بدلتے رہتے ہیں تا کہ زمین ان کے گوشت کو نہ کھا جائے اور ان کا کتا غار کے دہانے پر ہاتھ پھیلائے ہوئے بیٹھا ہے یعنی غار کے صحن میں اور جب اصحاب کہف کروٹ لیتے ہیں تو وہ بھی کروٹ لیتا ہے، یعنی نیند اور بیداری میں وہ کتا انہیں کے مانند ہے اور اگر آپ ان کو جھانک کر دیکھیں تو وہاں سے الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوں اور آپ کے اوپر دہشت غالب آجائے (**لملئت**) لام کی تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے (**رعبا**) عین کے سکون اور ضمہ کے ساتھ ہے اللہ تعالیٰ نے رعب کے ذریعہ ان کی حفاظت فرمائی ہے تا کہ ان کے پاس کوئی داخل نہ ہو سکے اور اسی طرح یعنی جس طرح ہم نے ان کے ساتھ مذکورہ معاملات کئے اسی طرح ہم نے ان کو بیدار کر دیا تا کہ وہ اپنے احوال کے بارے میں اور غار میں قیام کی مدت کے بارے میں آپس میں پوچھ تاچھ کریں ان میں سے ایک سوال کرنے والے نے سوال کیا کہ تم (غار میں) کتنی مدت ٹھہرے ہو گے، تو وہ کہنے لگے کہ ہم ایک دن یا اس سے بھی کم ٹھہرے ہوں گے اس لئے کہ وہ غار میں طلوع شمس کے وقت داخل ہوئے تھے، اور غروب کے وقت بیدار ہوئے تو وہ سمجھے کہ یہ دخول ہی کے دن کا غروب ہے، پھر کچھ غور کرنے کے بعد بولے تمہارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے، اب کسی کو یہ چاندی کا روپیہ (سکہ) دیکر شہر بھیجو (**بورقکم**) میں راء کا سکون اور کسرہ دونوں درست ہیں، کہا جاتا ہے کہ اب اس شہر کو طرسوس فتحہ راء کے ساتھ کہتے ہیں اور وہ اس بات کا خیال رکھے کہ کونسا کھانا ستھرا ہے یعنی شہر کا کونسا کھانا حلال ہے پھر اس میں وہ تمہارے لئے کچھ کھانا لے آئے اور اس کو چاہئے کہ بیدار مغزی سے کام لے اور ہرگز کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے اگر وہ تمہاری خبر پالیں گے تو یقیناً وہ تم کو یا تو سنگسار کر دیں گے یا اپنے دھرم میں واپس لے جائیں گے اور اس صورت میں تم ہرگز کامیاب نہ ہو گے، یعنی اگر تم ان کے دھرم میں واپس چلے گئے تو تم کبھی کامیاب نہ ہو گے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: **الوصید** دہلیز، آستانہ، چوکھٹ، شارح نے کشادہ جگہ یا صحن کے معنی مراد لئے ہیں، **باسط ذراعیه**، حکایت حال ماضیہ ہے اس لئے کہ اسم فاعل اگر ماضی کے معنی میں ہو تو عمل نہیں کرتا، **باسط** **بالوصید** سے متعلق ہے اور **ذراعیه**۔

باسط کا مفعول بہ ہے فرارا۔ ولیت کا مفعول بغیر لفظہ ہے نیز ولیت سے حال اور مفعول لہ بھی ہوسکتا ہے رعبا ای خوفا تمیز کی وجہ سے منصوب ہے یا پھر ولیت کا مفعول ثانی ہے کما فعلنا کے اضافہ کا مقصد کذلك کے مرجع کو ظاہر کرنا ہے۔

قِوْلَہٗ: بعثنا کی تفسیر ایقظنا سے تعیین معنی کے لئے ہے اس لئے کہ بعثنا مختلف معنی میں مستعمل ہے یہاں بیدار ہونے کے معنی مراد ہیں لیتسـاءلـوا میں لام عاقبۃ یا سببیۃ کا ہے کـم ظرفیت کی وجہ سے محلا منصوب ہے اس کا ممیز محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے کم مدۃ لبثتم۔ قال قائل منهم، لیتساء لوا کا بیان ہے۔

قِوْلَہٗ: ایهـا ازکی، ایها مرکب اضافی مبتداء ہے ازکی اس کی خبر ہے طعـامـا تمیز ہے مضاف الیہ سے منقول ہے ای ازکی الطعام پھر جملہ ہوکر یـنظر کا مفعول بہ ہے اور ایها کی ضمیر کا مرجع الاطعمہ ہے جو کہ باہمی گفتگو کے وقت معہود فی الذہن ہے (دوسری ترکیب) ایها میں ہا ضمیر کا مرجع مدینہ کو قرار دیا جائے اس صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی ای یـنظر ای اهلها اطیب طعاما شہر کے باشندوں میں سے کھانے کے معاملہ میں کون پاکیزہ لوگ ہیں۔ (فتح القدیر شوکانی)

قِوْلَہٗ: اذا کے بعد ان عدتم نکال کر اشارہ کر دیا کہ اذا متضمن بمعنی شرط ہے اور لن تفلحوا اس کا جواب ہے۔

تفسیر وتشریح

اور اگر آپ ﷺ یا کوئی بھی شخص ان کو دیکھتا تو بیدار محسوس کرتا حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے، کیونکہ اللہ نے اپنی قدرت سے ان کو نیند کے آثار وعلامات سے محفوظ رکھا تھا، اور وہ اس نیند کی مدت میں ہر چھ ماہ میں کروٹ لیتے تھے، اسی طرح ان کا کتا جو کہ ان کے ساتھ آ گیا تھا ہر چھ ماہ میں کروٹ بدلتا تھا، اور وہ دہلیز یا فناء غار میں ہاتھ پھیلائے بیٹھا تھا، اصحاب کہف کے خداداد رعب وجلال کی یہ حالت تھی کہ اگر کوئی ان کو جھانک کر دیکھتا تو مارے خوف کے ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑا ہوتا اور اس کے اندر دہشت سما جاتی، اور یہ تمام سامان حق تعالیٰ نے ان کی حفاظت کے لئے جمع کر دیئے تھے۔

فَائِدَہ: حدیث کی رو سے بلا ضرورت کتا پالنا ممنوع ہے، البتہ ضرورت مثلاً شکار کے لئے یا گھر اور جانوروں کی حفاظت کے لئے کتا پالا جا سکتا ہے ورنہ اس کے ثواب میں دو قیراط یومیہ کمی ہو جائے گی، اصحاب کہف کا کتا از خود ساتھ ہو گیا تھا، یا ہوسکتا ہے اصحاب کہف کی شریعت میں مطلقاً کتا پالنا جائز ہو۔

وَكَذٰلِكَ كَمَا بَعَثْنَاهُمْ **اَعْثَرْنَا** اَطْلَعْنَا **عَلَيْهِمْ** قَوْمَهُمْ وَالْمُؤْمِنِيْنَ **لِيَعْلَمُوْٓا** اَىْ قَوْمُهُمْ **اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ** بِالْبَعْثِ **حَقٌّ** بِطَرِيْقِ اَنَّ الْقَادِرَ عَلٰى اِنَامَتِهِمُ الْمُدَّةَ الطَّوِيْلَةَ وَاِبْقَائِهِمْ عَلٰى حَالِهِمْ بِلَا غِذَاءٍ قَادِرٌ عَلٰى اِحْيَاءِ الْمَوْتٰى **وَاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ** شَكَّ **فِيْهَا اِذْ** مَعْمُولٌ لِاَعْثَرْنَا **يَتَنَازَعُوْنَ** اَىِ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْكُفَّارُ **بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ** اَمْرَ الْفِتْيَةِ فِى الْبِنَاءِ حَوْلَهُمْ **فَقَالُوا** اَىِ الْكُفَّارُ **ابْنُوْا عَلَيْهِمْ** اَىْ حَوْلَهُمْ **بُنْيَانًا** يَسْتُرُهُمْ **رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ** اَمْرِ الْفِتْيَةِ وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ **لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ** حَوْلَهُمْ

مَّسْجِدًا﴿۲۱﴾ يُصَلّٰى فيه وفُعِلَ ذٰلك على باب الكهف سَيَقُوْلُوْنَ اى المتنازعون فِي عَدَدِ الفِتيَةِ فِى زَمَن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم اى يقول بعضهم، هم ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ اى بعضهم خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ والقولان لِنصارىٰ نَجران رَجْمًا بِالْغَيْبِ اى ظنًّا فى الغيبة عنهم وهو راجعُ الى القَولَينِ مَعًا ونصبهُ على المفعول له اى لِظَنِّهِمْ ذٰلك وَيَقُوْلُوْنَ اى المؤمنون سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ الجُملَةُ مِنْ مُبْتَدأ وَخبر صِفةُ سَبْعَةٍ بزِيَادَةِ الوَاو وقيل تاكيدٌ اَوْ دلالةٌ على لُصُوق الصفة بالموصوف ووصفُ الاوّلَينَ بالرجم دون الثالث يدلُّ على أنه مَرضيٌّ وصحيح قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ قال ابن عباس رضى اللّٰه عنه اَنَا مِنَ القليلِ وذَكَرَ، هُمْ سبعة فَلَا تُمَارِ تجادِلْ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا بما أنزل عليك وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ تَطْلُبِ الفتيَا مِّنْهُمْ مِن اهل الكتاب اليهودِ اَحَدًا﴿۲۲﴾ وسأله اهلُ مكةَ عن خبر اهل الكهفِ فقال أُخبرُكم به غدًا ولم يَقل ان شاء اللّٰه فنزَلَ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اى لِاَجلِ شَيْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا﴿۲۳﴾ اى فيما يَستَقبِل من الزمان اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ اى اِلَّا مُتَلَبِّسًا بِمَشِيَّةِ اللّٰهِ بِاَنْ تقولَ ان شاء اللّٰه وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اى مَشِيَّتَهُ مُعَلَّقًا بها اِذَا نَسِيْتَ التعليقَ بها ويكون ذِكرُها بعدَ النِّسيان كَذِكرِهَا مع القول قال الحسَنُ وغيرُه ما دام فى المجلس وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا مِنْ خبرِ اَهلِ الكهفِ فى الدَّلالةِ على نبوَّتِي رَشَدًا﴿۲۴﴾ هدايةً وقد فعل اللّٰهُ تعالى ذٰلك وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ بالتّنوينِ سِنِيْنَ عَطفُ بيان لِثلاث مِائةٍ وهذه السِّنون الثلاثُ مائةٍ عند اهل الكتاب شمسيةٌ وتَزِيد القمريةُ عليها عندالعرب تِسعَ سنين وقد ذُكرتْ فى قوله وَازْدَادُوْا تِسْعًا﴿۲۵﴾ اى تِسعَ سنين فالثلاثُ مائة الشَّمْسِيَّةُ ثلاثُ مائةٍ وتسعُ قمريةً قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا مِمَّنْ اختلفوا فيه وهو ماتقدَّم ذكرهُ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اى عِلمُه اَبْصِرْ بِهٖ اى باللّٰهِ هى صِيغةُ تعجُّب وَاَسْمِعْ به كذالك بمعنى ما ابصرهُ ومَا اَسْمَعَهُ وهما على جهةِ المَجَاز والمراد انه تعالى لا يَغيبُ عن بَصرِه وسمعِهِ شىءٌ مَا لَهُمْ لِاَهلِ السَّمٰواتِ والاَرضِ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ناصرٍ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا﴿۲۶﴾ لانه غنِيٌّ عن الشريك.

ترجمہ: اور ہم نے اسی طرح جس طرح کہ ان کو بیدار کیا، ان کے حالات پر ان کی قوم کو اور مومنین کو مطلع کر دیا تا کہ ان کی قوم کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کا بعث بعد الموت کا وعدہ حق ہے، اس طریقہ پر کہ جو ذات اصحاب کہف کو ایک طویل زمانہ تک سلانے اور ان کو بغیر غذا کے اپنے حال پر باقی رکھنے پر قادر ہے وہ مردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے اور یہ کہ قیامت میں کوئی شک نہیں ہے اذ، اعثرنا کا معمول ہے اور جبکہ مومنین اور کفار آپس میں ان نوجوانوں کے لئے (یادگار کے طور پر)

عمارت کے بنانے میں اختلاف کر رہے تھے، چنانچہ کفار نے کہا ان کے اردگرد کوئی یادگاری عمارت بنادو کہ جوان کو مستور کردے ان کا رب ان کے احوال سے خوب واقف ہے (آخر کار) ان لوگوں نے جوان نوجوانوں کے معاملہ میں غالب رہے اور وہ مومنین تھے کہا ہم تو ان کے قریب ایک مسجد تعمیر کرائیں گے تاکہ اس میں نماز پڑھی جائے، چنانچہ غار کے دہانے پر مسجد بنوادی گئی، نوجوانوں کی تعداد کے بارے میں اختلاف کرنے والوں کا قصہ جب آپ کے زمانہ میں (لوگوں) کو سنایا جائے گا تو ان میں سے بعض لوگ کہیں گے کہ وہ تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا اور بعض کہیں گے پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا اور یہ دونوں قول نجران کے نصاریٰ کے ہیں اور یہ لوگ بلا تحقیق اٹکل سے ہانک رہے ہیں (یعنی) ان کے بارے میں اندازے سے کہہ رہے ہیں اور رجما بالغیب کا تعلق مذکورہ دونوں قولوں سے ہے، اور رجما کا نصب مفعول لہ ہونے کی وجہ سے ای لظنھم ذالك اور مومن کہیں گے سات تھے آٹھواں ان کا کتا تھا جملہ مبتداء اور خبر سے مل کر واؤ کی زیادتی کے ساتھ سبعة کی (بلالحاظ تاکید) صفت ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ واؤ زائد ہے تاکیدی معنی کے ساتھ، صفت کے موصوف کے ساتھ لاحق ہونے پر دلالت کرتا ہے اور اول دونوں قولوں کا رجم بالغیب کے ساتھ متصف ہونا نہ کہ تیسرے کا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تیسرا قول ہی پسندیدہ اور صحیح ہے (تاکید او دلالة میں او بمعنی مع ہے) آپ فرما دیجئے کہ میرا رب ان کی تعداد کو بخوبی جانتا ہے اور ان کی صحیح تعداد بہت کم لوگ جانتے ہیں، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا میں ان لوگوں میں سے ہوں اور فرمایا کہ وہ سات ہیں لہٰذا آپ اس معاملہ میں بجز سرسری بحث کے زیادہ بحث نہ کیجئے جو آپ پر نازل کی گئی ہے اور آپ اصحاب کہف کے معاملہ میں ان میں سے کسی سے یعنی اہل کتاب سے کچھ معلوم نہ کیجئے اور اہل مکہ نے اصحاب کہف کے بارے میں آپ ﷺ سے سوال کیا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا اس کے بارے میں کل جواب دوں گا مگر آپ ﷺ نے انشاء اللہ نہیں کہا تھا تو اس بارے میں آئندہ آیات نازل ہوئیں اور آپ کسی کام کی نسبت ہرگز یوں نہ کہا کیجئے کہ میں اس کو کل کردوں گا یعنی زمانہ آئندہ میں کسی بھی کام کے بارے میں (نہ کہا کریں کہ کل کردوں گا) مگر یہ کہ آپ انشاء اللہ کہہ لیا کریں یعنی انشاء اللہ کہتے ہوئے اللہ کی مشیت کو شامل فرمالیا کریں اور اگر آپ انشاء اللہ کہنا بھول جائیں تو آپ اپنے رب کو یعنی اس کی مشیت کو یاد کرلیا کریں اس طریقہ پر کہ وعدہ کو مشیت سے معلق کردیا کریں اور نسیان کے بعد یہ انشاء اللہ کہہ لینا اس کے بروقت (انشاء اللہ) کہنے کے مانند ہوگا، حضرت حسن وغیرہ نے فرمایا کہ یہ اس وقت صحیح ہوگا کہ (قائل) اسی مجلس میں موجود ہو (یعنی مجلس نہ بدلی ہو) اور آپ کہہ دیں کہ مجھ کو امید ہے کہ میرا پروردگار اس سے بھی زیادہ (نبوت پر دلالت کرنے والی) دلیل کی طرف میری رہنمائی فرمائے گا، یعنی اصحاب کہف کی خبر سے بھی زیادہ میری نبوت پر دلالت کرنے والی اور اللہ تعالیٰ نے ایسا کر (بھی) دیا اور وہ لوگ اپنے غار میں تین سو برس ٹھہرے، مائة تنوین کے ساتھ ہے سنین، ثلاث مائة کا بیان ہے اور یہ تین سو سال اہل کتاب کے نزدیک شمسی حساب سے ہیں اور قمری حساب سے عرب کے نزدیک تین سو پر نو سال اور مزید ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قول وازدادوا تسعا میں ذکر کئے گئے

ہیں لہٰذا تین سو سال شمسی حساب سے ہیں اور تین سو نو سال قمری حساب سے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے قیام کی مدت کو خوب جانتا ہے یعنی ان لوگوں سے جو ان کی تعداد میں اختلاف کر رہے ہیں، اس کا ذکر سابق میں ہو چکا ہے اسی کو آسمانوں اور زمین کے پوشیدہ راز معلوم ہیں وہ ان مغیبات کے علم کو کیسا کچھ دیکھنے والا اور کیسا کچھ جاننے والا ہے ابصر به ای باللّٰه (بہ میں با فاعل پر داخل ہے) یہ صیغہ تعجب ہے اور اسمع به بھی صیغہ تعجب ہے اور معنی میں ما ابصره اور ما اسمعه کے ہے اور ان دونوں صیغوں کا استعمال باری تعالیٰ کے لئے بطور مجاز ہے اور مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سمع و بصر (یعنی علم ازلی) سے کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے اور لوگوں کے لئے یعنی اهل الارض والسماء کے لئے اس کے سوا کوئی مددگار نہیں ہے اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے اس لئے وہ شریک سے مستغنی ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: اعثرنا، اعثارا (افعال) واقف کرنا، مطلع کرنا۔

قَوْلُهُ: قومهم والمؤمنون یہ اعثرنا کا مفعول بہ محذوف ہے۔

قَوْلُهُ: لیعلموا اعثرنا کے متعلق ہے وان الساعة کا عطف، ان وعداللّٰه پر ہے۔

قَوْلُهُ: یسترهم جملہ ہو کر بنیانا کی صفت ہے ثلثة هم مبتداء محذوف کی خبر ہے، کما اشار الیه الشارح.

قَوْلُهُ: رابعهم کلبهم مبتداء خبر سے مل کر ثلثة کی صفت ہے ایسی ہی ترکیب بعد میں آنے والے دونوں جملوں میں ہوگی۔

قَوْلُهُ: رجما بالغیب، یرمون کا مفعول مطلق ہے ای یرمون رمیا حال بھی ہو سکتا ہے ای راجمین بالغیب.

قَوْلُهُ: رابعهم کلبهم حال ہونے کی وجہ سے محلا منصوب ہے ای حال کون کلبهم جاعلهم اربعة بانضمامه الیهم وثامنهم واؤ زائدہ ہے تاکیدی معنی کا لحاظ کئے بغیر، یا تاکیدی معنی کا لحاظ کرتے ہوئے، یعنی اتصاف موصوف بالصفت کی تاکید کے لئے یعنی دلالت کے لئے ہے، اس لئے کہ موصوف جب صفت کے ساتھ متصف ہوگا تو موصوف کا وجود لازمی ہوگا کیونکہ صفت موصوف کے بغیر موجود نہیں ہو سکتی، مطلب یہ ہوا کہ اصحاب کہف کتے کے ساتھ مل کر آٹھ ہو گئے یعنی وہ سات تھے کتا آٹھواں ہوا۔

قَوْلُهُ: اودلالة میں او عاطفہ تفسیریہ (بمعنی) ای ہے، یعنی تاکید بمعنی دلالة ہے تاکید یعنی دلالة علی لصوق الصفة بالموصوف پر دلالت کرنے کے لئے (لہٰذا یہ دو قول ہوئے)۔

قَوْلُهُ: ربی اعلم یہ درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔

قَوْلُهُ: فی الدلالة، اقرب سے متعلق ہے رشدا، لیهدین کا مفعول مطلق بغیر لفظہ ہے اور اقرب سے تمیز واقع ہونا بھی

صحیح ہے ای لاقرب هداية من هذا مائة، ثلث کی تمیز ہے اور سنین مائة کا عطف بیان یا بدل ہے اس لئے کہ مائة کی تمیز عام طور پر مفرد مجرور ہوتی ہے ایک قراءت میں مائة سنین اضافت کے ساتھ ہے اس صورت میں سنین، مائة کی تمیز ہوگی اور جمع محل میں مفرد کے ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول بالأخسرین اعمالا میں ہے۔

تفسیر وتشریح

ان آیات پر اصحاب کہف کا قصہ ختم ہو رہا ہے ان آیات میں پانچ باتیں بتائی گئی ہیں جو اختصار کے ساتھ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

❶ عرصۂ دراز کے بعد اصحاب کہف کے بیدار ہونے میں اور لوگوں کو ان کا حال معلوم ہونے میں کیا حکمت تھی؟

❷ لوگوں میں اصحاب کہف کے بارے میں بعض باتوں میں اختلاف رونما ہوا ایک فریق غار پر ایک یادگاری عمارت بنانا چاہتا تھا اور دوسرا مسجد، دوسرا فریق غالب آیا اور مسجد تعمیر کر دی گئی۔

❸ اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں اختلاف رونما ہوا، اس سلسلہ میں مختلف اقوال ذکر کر کے صحیح تعداد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

❹ آخر میں یہ ہدایت بھی دی گئی ہے کہ اصحاب کہف کا جس قدر واقعہ قرآن کریم نے بیان کیا ہے اسی پر اکتفا کیا جائے، مزید بحث نہ کی جائے، نیز اس سلسلہ میں دوسروں سے قطعاً معلومات حاصل نہ کی جائیں اور اگر ان کی کوئی بات آئندہ بتانے کا وعدہ کیا جائے تو انشاء اللہ کہہ لیا جائے۔

❺ اصحاب کہف کتنی مدت تک سوتے رہے؟

وكذلك اعثرنا عليهم یعنی جس طرح ہم نے اپنی قدرت کاملہ سے اصحاب کہف کو سالہا سال سلایا اور بیدار کیا اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان کے حالات سے مطلع بھی کر دیا۔

اصحاب کہف کو سالہا سال تک سلانے اور پھر بیدار کرنے میں حکمت کیا تھی؟

اصحاب کہف کا راز اہل شہر پر اس لئے منکشف کیا گیا تھا کہ ان کا عقیدۂ آخرت مضبوط ہو اور یقین آ جائے کہ مرنے کے بعد قیامت کے روز سب کو دوبارہ زندہ ہونا ہے۔

اصحاب کہف کا بیدار ہونا:

تفسیر قرطبی میں اس کا مختصر قصہ اس طرح لکھا ہے: جس بادشاہ کے عہد میں اصحاب کہف شہر سے نکلے تھے اس کا نام دقیانوس تھا اور ظالم اور مشرک تھا وہ مر چکا تھا اور اس پر صدیاں گذر گئی تھیں اور جس زمانہ میں اصحاب کہف بیدار ہوئے تھے شہر پر اہل حق کا

قبضہ تھا اور ان کا بادشاہ ایک نیک صالح آدمی تھا جس کا نام بیدوسیس تھا (مظہری) قیامت کے بارے میں اور مردوں کو زندہ ہونے کے بارے میں شدید اختلاف چل رہا تھا ایک فرقہ اس بات کا قطعاً منکر تھا کہ جسم کے گلنے سڑنے اور ریزہ ریزہ ہوجانے کے بعد پھر دوبارہ زندہ ہوجائے گا، بادشاہ ان گمراہ لوگوں کے بارے میں بہت فکر مند تھا کہ کس طرح ان کے شکوک وشبہات دور کئے جائیں جب کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی تو اس نے ٹاٹ کے کپڑے پہن کر اور راکھ کے ڈھیر پر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے عاجزی کے ساتھ التجاء کی کہ خدایا آپ ہی کوئی ایسی صورت پیدا فرمادیں کہ ان لوگوں کا عقیدہ درست ہوجائے اور یہ راہ راست پر آجائیں۔

اللہ تعالیٰ نے بادشاہ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ اصحاب کہف بیدار ہوئے، بیدار ہونے کے بعد ان میں یہ بحث چھڑ گئی کہ ہم کتنی مدت سوئے ہیں؟ کوئی کہتا تھا کہ ایک دن سوئے ہوں گے دوسرا کہتا ایک دن سے بھی کم سوئے ہوں گے، بحث نے جب طول پکڑا تو ان میں سے ایک شخص نے کہا اس فضول بحث کو چھوڑو اور کام کی بات کرو بھوک لگ رہی ہے لہٰذا کچھ کھانے پینے کی بات کرو، چنانچہ انہوں نے اپنے ایک شخص کو جس کا نام تملیخا بتایا جاتا ہے بازار میں کھانا لانے کے لئے بھیج دیا، اور یہ تاکید کردی کہ ہوشیاری اور بیدار مغزی سے کام لے، اور کسی کو ہماری خبر نہ ہونے دے اور اس بات کا بھی خیال رکھے کہ کھانا حلال اور پاکیزہ ہو اس لئے کہ اہل شہر کی اکثریت بت پرستوں کی ہے ایسا نہ ہو کہ غیر شرعی طور پر ذبح کیا ہو، چنانچہ تملیخا نے ایک دوکان سے کھانا خرید کر تین سو سال پہلے کا سکہ نکال کر دکاندار کو دیا تو دکاندار حیران رہ گیا کہ یہ سکہ تمہارے پاس کہاں سے آیا؟ بازار کے دیگر دکانداروں کو بھی دکھلایا سب نے یہ کہا کہ اس شخص کو کہیں سے پرانا خزانہ ہاتھ لگ گیا ہے، اس شخص نے انکار کردیا کہ مجھے کوئی خزانہ نہیں ملا بلکہ یہ روپیہ میرا ہے، بات بڑھ گئی بازار والوں نے اس کو بادشاہ کے سامنے پیش کردیا، یہ بادشاہ جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ نیک صالح اور اللہ والا تھا اور اس نے سلطنت کے خزانہ میں وہ تختی بھی دیکھی تھی کہ جس میں اصحاب کہف کے نام اور ان کے فرار ہونے کا واقعہ لکھا ہوا تھا بادشاہ نے اس تختی کی روشنی میں حالات کی تحقیق کی تو اس کو اطمینان ہوگیا کہ یہ انہی لوگوں میں سے ہے، بادشاہ نے کہا میں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا تھا کہ مجھے ان لوگوں سے ملادے جو دقیانوس کے زمانہ میں اپنا ایمان بچا کر بھاگ گئے تھے، بادشاہ اس سے بہت خوش ہوا اور کہا شاید اللہ تعالیٰ نے میری دعاء قبول فرمائی ہے، اور اس شخص سے کہا کہ ہم کو اس غار پر لے چلو جہاں سے تم آئے ہو، بادشاہ ایک بڑے مجمع کے ساتھ غار پر پہنچا اور جب غار قریب آیا تو تملیخا نے کہا کہ آپ ذرا ٹھہریں میں جا کر اپنے ساتھیوں کو حقیقت حال سے باخبر کردوں تاکہ وہ گھبرا نہ جائیں، اس کے بعد روایات میں اختلاف ہے، ایک روایت میں یہ ہے کہ تملیخا نے غار میں جا کر ساتھیوں کو تمام حالات سنائے کہ اب بادشاہ مسلمان ہے اور قوم بھی مسلمان ہے وہ سب ملاقات کے لئے آئے ہیں، اصحاب کہف اس خبر سے بہت خوش ہوئے اور بادشاہ کا استقبال کیا پھر وہ اپنے غار میں واپس چلے گئے، اکثر روایات میں ہے کہ جس وقت اس ساتھی نے غار میں پہنچ کر باقی حضرات کو یہ پورا واقعہ سنایا اسی وقت سب کی وفات ہوگئی بادشاہ سے ملاقات نہ ہوسکی، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ملاقات کے بعد اصحاب کہف نے بادشاہ اور اہل شہر سے کہا اب ہم آپ سے رخصت چاہتے ہیں اور غار کے اندر چلے گئے اسی وقت اللہ نے ان کو وفات دے دی۔ (واللہ اعلم بالصواب)۔ (قرطبی بحوالہ معارف القرآن ملخصا)

بہر حال جب اہل شہر کے سامنے قدرت الٰہی کا یہ عجیب واقعہ ظاہر ہو گیا تو سب کو یقین ہو گیا کہ جس ذات کی قدرت میں یہ داخل ہے کہ تین سو سال تک انسانوں کو بغیر غذا اور دیگر سامان زندگی کے زندہ رکھ سکتا ہے اور طویل عرصہ تک سلانے کے بعد پھر صحیح سالم قوی اور تندرست اٹھا سکتا ہے تو اس کے لئے کیا مشکل ہے کہ مرنے کے بعد بھی ان کو مع اجسام کے زندہ کر دے، اس واقعہ سے ان کے انکار کا سبب دور ہو گیا کہ حشر اجساد کو مستبعد اور خارج از قدرت سمجھتے تھے اب معلوم ہوا کہ مالک الملکوت کی قدرت کو انسانی قدرت پر قیاس کرنا خود جہالت ہے، اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ فرمایا لیعلموا أن وعد اللّٰه حق وأن الساعة لاریب فیه.

اس واقعہ کے بعد تمام شہر والے اصحاب کہف کی بزرگی اور تقدس کے قائل ہو گئے تھے، اب ان میں اس بات میں اختلاف ہوا کہ ان کی یادگار کے طور پر غار پر کیا بنایا جائے؟ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ غار کے پاس کوئی یادگاری عمارت تعمیر کر دی جائے کہ جو لوگوں کے لئے تفریح گاہ بھی ہو اور ان بزرگوں کے لئے یادگار بھی، اور کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ ایک مسجد تعمیر کر دی جائے تا کہ زائرین کے لئے سہولت ہو اور ان اہل اللہ کو اجر بھی پہنچے۔

مَسْئَلَہ: اگر کسی نیک آدمی کی قبر پر زائرین بکثرت آتے ہوں تو ان کے قیام اور نماز نیز دیگر سہولتوں کے لئے قریب میں مسجد بنانا جائز ہے بشرطیکہ وقف قبرستان میں نہ بنائی جائے اور جن احادیث میں انبیاء کی قبروں پر مسجد بنانے پر لعنت آئی ہے ان سے مراد خود قبروں کو سجدہ گاہ بنانا ہے جو بالاتفاق شرک اور حرام ہے۔

مَسْئَلَہ: کسی مسجد کے پاس یا کسی مکان میں کسی کی تدفین جائز نہیں مردوں کی تدفین قبرستانوں ہی میں ہونی چاہئے، حدیث شریف میں ہے صلوا في بیوتکم ولا تتخذوها قبورا (ترمذی شریف، ج ا،ص ۶۰) یعنی اپنے گھروں میں نماز پڑھو، ان کو قبریں نہ بناؤ، آپ ﷺ کی تدفین جو مکان میں ہوئی یہ آپ کی خصوصیات میں سے ہے۔

اصحاب کہف کی تعداد کیا تھی؟

سیقولون ثلثة رابعهم کلبهم اصحاب کہف کی تعداد میں اختلاف کرنے والوں میں دو احتمال ہیں، اول یہ کہ یہ وہی لوگ ہوں جن کا اختلاف اصحاب کہف کے زمانہ میں ان کے نام و نسب کے بارے میں ہوا تھا جس کا ذکر اس سے پہلی آیت میں آیا ہے (کمافی البحر) اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ سیقولون کی ضمیر نصاریٰ نجران کی طرف راجع ہو جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں مناظرہ کیا تھا ان کے تین فرقے تھے ایک فرقہ ملکانیہ کے نام سے موسوم تھا اس نے تعداد کے متعلق پہلا قول کیا یعنی تین کا عدد بتایا، اور دوسرا فرقہ یعقوبیہ تھا اس نے دوسرا قول یعنی پانچ ہونا بتایا، تیسرا فرقہ نسطوریہ تھا اس نے تیسرا قول یعنی سات ہونا اختیار کیا، بعض حضرات جن میں مفسر علام بھی شامل ہیں اس بات کے قائل ہیں کہ تیسرا قول مسلمانوں کا تھا اور پہلے دونوں نصاریٰ نجران کے، رسول اللہ ﷺ کی حدیث اور قرآن کریم کے اشارہ سے تیسرے قول کا صحیح ہونا معلوم ہوتا ہے۔ (بحر محیط)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میں ان لوگوں میں سے ہوں کہ جن کو اصحاب کہف کی صحیح تعداد معلوم ہے، اصحاب کہف سات تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے دونوں قول رجما بالغیب فرما کر رد کر دیئے ہیں اور تیسرے قول کی تردید نہیں فرمائی۔

وثامنهم کلبهم قرآن کریم نے اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں تین قول نقل کئے ہیں، تین، پانچ، سات، اور ہر ایک کے بعد کتے کو شمار کیا گیا ہے لیکن پہلے دو قول میں ان کی تعداد اور کتے کے شمار میں واؤ عاطفہ نہیں لایا گیا، **ثلثة رابعهم کلبهم، خمسة سادسهم کلبهم** یہ دونوں قول بلا واؤ عاطفہ کے آئے ہیں اور تیسرا قول **سبعة وثامنهم کلبهم** واؤ کے ساتھ لایا گیا ہے، اس کی وجہ حضرات مفسرین نے یہ لکھی ہے کہ عرب کے لوگوں میں عدد کی پہلی گرہ سات ہی ہوتی تھی، سات کے بعد جو عدد آئے وہ الگ شمار ہوتا تھا، قرآن کریم میں بھی اس کا استعمال متعدد جگہ ہوا ہے، **کما فی قوله تعالی وفتحت ابوابها وقوله تعالیٰ ثیبات وابکارا**، جیسا کہ آج کل نو کا عدد اسکے قائم مقام ہے کہ نو تک اکائی ہے اور دس سے دہائی شروع ہوتی ہے تو گویا کہ یہ دونوں الگ الگ عدد ہیں اس لئے تین سے سات تک واؤ عاطفہ کے ساتھ الگ کر کے بتلاتے تھے اور اسی لئے اس واؤ کو واؤ ثمان کا لقب دیا تھا یہ واؤ محض زائدہ بھی ہوسکتا ہے اور زائدہ مع التاکید بھی ہوسکتا ہے اس لئے کہ یہ واؤ الصاق موصوف بالصفت اور تاکید پر دلالت کرتا ہے بایں طور کہ جب کسی موصوف کو یقین کے ساتھ متصف بالصفت کیا جائے تو موصوف کا وجود یقینی ہوگا اس لئے کہ صفت موصوف کے بغیر موجود نہیں ہوسکتی **ثامنهم** یہ **سبعة** کی صفت ہے یعنی وہ سات کہ جن کو آٹھ کرنے والا کتا ہے یعنی اصحاب کہف سات ہیں اور ان کو آٹھ کرنے والا کتا ہے، **ثامنهم کلبهم** واؤ کے ساتھ مستقل جملہ کی صورت میں ذکر کرنا یہ عزم اور پختگی کو ظاہر کرتا ہے یعنی آٹھواں کتا ہونا یقینی ہے تو اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ اصحاب کہف سات تھے، مفسر کے قول **وقیل تاکید او دلالة علی لصوق الصفة بالموصوف** میں **او** عاطفہ تفسیر یہ ہے یعنی معطوف علیہ اور معطوف کا مفہوم ایک ہی ہے۔

اصحاب کہف کے اسماء:

کسی صحیح حدیث سے اصحاب کہف کے نام صحیح صحیح ثابت نہیں ہیں تفسیری اور تاریخی روایات میں نام مختلف بیان کئے گئے ہیں ان میں اقرب وہ روایت ہے جس کو طبرانی نے معجم اوسط میں بسند صحیح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے ان کے نام یہ ہیں:

① مکسلمینا ② تملیخا ③ مرطونس ④ سنونس ⑤ سارینوتس ⑥ ذونواس ⑦ کعسططیونس.

اسماء اصحاب کہف بعض حضرات نے یہ بتائے ہیں، جیسا کہ صاوی وحاشیہ علی الجلالین میں مذکور ہیں:

① مکسلمینا ② تملیخا ③ مرطونس ④ سنونس ⑤ سارینوتس ⑥ ذونواس ⑦

کعسططیونس یہ آخری شخص چرواہا تھا جو کہ راستہ سے ساتھ ہو گیا تھا اس کے ساتھ ایک کتا بھی تھا جس کا نام قطمیر بتایا گیا ہے، نیشاپوری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالہ سے حاشیہ جلالین پر اصحاب کہف کے نو فوائد درج کئے ہیں نیز حاشیہ صاوی پر بھی درج ہیں ① طلب وہرب (بھاگنے) کے لئے ② آگ بجھانے کے لئے، اگر کسی کاغذ وغیرہ پر لکھ کر آگ میں ڈالدیا جائے تو اللہ کے حکم سے وہ آگ بجھ جائے گی، ③ بچوں کے رونے کے لئے اور ④ تیسرے دن کے بخار کے لئے اور ⑤ دردسر کے لئے دائیں بازو پر باندھیں، اور ⑥ ام صبیان اور ⑦ دریائی یا خشکی کے سفر اور مال و پھلوں کی حفاظت کے لئے اور ⑧ ترقی ذہن کے لئے اور ⑨ قتل سے نجات کے لئے۔ حاشیہ جلالین پر استعمال کی مندرجہ ذیل ترکیب لکھی ہے، بچہ کے رونے کے لئے تکیہ کے نیچے رکھا جائے اور کھیتی کی حفاظت کے لئے کسی کاغذ وغیرہ پر لکھ کر کھیت کے درمیان کسی اونچی لکڑی پر آویزاں کر دیا جائے، شدید درد، تیسرے دن کے بخار سر کے درد اور حاکم یا سلاطین کے پاس جانے کے وقت دائیں ران پر باندھا جائے اور عسر ولادت کے لئے بائیں ران پر باندھا جائے۔

فلا تمار فیھم الا مراء ظاھرا الخ آپ ﷺ کو اور امت کو ان دونوں جملوں سے یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جب کسی مسئلہ میں اختلاف پیش آئے تو جس قدر ضروری بات ہے اس کو واضح کر کے بیان کر دیا جائے اس کے بعد بھی لوگ غیر ضروری بحث میں الجھیں تو ان کے ساتھ سرسری گفتگو کر کے بات ختم کر دی جائے اپنے دعویٰ کے اثبات اور ان کی بات کی تردید میں بہت زور لگانے سے گریز کیا جائے اور وقت کو ضائع نہ کیا جائے، اس لئے کہ اس کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہوگا، اس سے باہم تلخی پیدا ہونے کا بھی خطرہ ہے، دوسرے جملہ میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وحی الٰہی کے ذریعہ قصہ اصحاب کہف کی جتنی معلومات آپ کو دیدی گئی ہیں ان پر قناعت فرمائیں کہ وہ بالکل کافی ہیں زائد کی تحقیق اور لوگوں سے سوال وغیرہ کے چکر میں نہ پڑیں۔

قوله تعالیٰ ولا تقولن لشایٔ الخ ای لاجل شیٔ تعزم علیه فیما یستقبل من الزمان، فعبر بالغد، لاجل شیٔ کے اضافہ کا مقصد یہ ہے کہ کہیں مخاطب **غدا** سے محض غد ہی نہ سمجھ لے جس سے یہ غلط فہمی پیدا ہو جائے کہ **بعد الغد** کے لئے بغیر انشاء اللہ کے کہہ سکتا ہے، **لاجل شیٔ** کا مطلب ہے **لمدت شیٔ فی المستقبل.**

اگر لوگ آپ سے کوئی بات قابل جواب دریافت کریں اور آپ جواب کا وعدہ فرمائیں تو اس کے ساتھ انشاء اللہ یا اس کے ہم معنی کوئی لفظ ضرور ملا لیا کریں اور وعدہ کی بھی کوئی تخصیص نہیں بلکہ ہر کام میں اس کا لحاظ رکھئے، تاکہ آئندہ ایسا نہ ہو جیسا اس واقعہ میں پیش آیا کہ آپ سے لوگوں نے روح اور اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے بغیر انشاء اللہ کے ان سے کل جواب دینے کا وعدہ کر لیا پھر پندرہ روز تک وحی نازل نہیں ہوئی اور آپ کو بڑا غم ہوا، اس ہدایت اور تنبیہ کے ساتھ لوگوں کے سوالوں کا جواب بھی نازل ہوا۔ (کذافی اللباب عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

اور اگر آپ اتفاقاً انشاء اللہ کہنا بھول جائیں پھر کبھی یاد آئے تو اسی وقت انشاء اللہ کہہ کر اپنے رب کو یاد کر لیا کیجئے، اور ان لوگوں سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ مجھے امید ہے کہ میرا رب مجھ کو نبوت کی دلیل بننے کے اعتبار سے اس واقعہ سے بھی نزدیک (واضح تر) بات بتلادے، مطلب یہ ہے کہ تم نے میری نبوت کا امتحان لینے کے لئے اصحاب کہف وغیرہ کے قصے دریافت کئے جو اللہ

تعالیٰ نے بذریعہ وحی مجھے بتلا کر تمہارا اطمینان کر دیا مگر اصل بات یہ ہے کہ ان قصوں کے سوال وجواب اثبات نبوت کے لئے کوئی بہت بڑی دلیل نہیں ہوسکتی یہ کام تو غیر نبی بھی جو تاریخ عالم سے بخوبی واقف ہو کر سکتا ہے، مگر مجھے تو اللہ تعالیٰ نے میری نبوت کے اثبات کے لئے اس سے بڑے اور قطعی دلائل اور معجزات عطا فرمائے ہیں جن میں سب سے بڑی دلیل خود قرآن ہے جس کی ایک آیت کی بھی ساری دنیا مل کر نقل نہ لا سکی، اس کے علاوہ حضرت آدم سے لیکر قیامت تک کے وہ واقعات بذریعہ وحی مجھے بتلا دئے گئے جو زمانہ کے اعتبار سے بھی بہ نسبت واقعۂ اصحاب کہف اور واقعۂ ذوالقرنین سے زیادہ بعید ہیں اور ان کا علم بھی کسی کو بجز وحی کے ممکن نہیں، خلاصہ یہ کہ تم نے تو اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے واقعات کو سب سے زیادہ عجیب سمجھ کر اسی کو امتحان نبوت کے طور پر پیش کیا مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے بھی زیادہ عجیب عجیب چیزوں کے علوم عطا فرمائے ہیں، اور جیسا اختلاف اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں ہے ایسا ہی اختلاف ان کے سونے کی مدت میں بھی ہے ہم اس میں صحیح بات بتلاتے ہیں:

اصحاب کہف کے غار میں سونے کی مدت:

ولبثوا فی کہفہم ثلث مائۃ سنین وازدادوا تسعا اصحاب کہف غار میں تین سو سال مزید براں نو سال رہے، قرآن کے ظاہر نسق سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب کہف کے تین سو سال سونے کی مدت کا بیان حق تعالیٰ کی طرف سے ہے، ابن کثیر نے اسی کو جمہور سلف وخلف کا قول قرار دیا ہے، مگر حضرت ابوقتادہ وغیرہ سے اس میں ایک دوسرا قول یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ یہ تین سو نو سال کا قول بھی انہیں اختلاف کرنے والوں میں سے بعض کا قول ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول صرف وہ ہے جو بعد میں فرمایا یعنی (**اللہ اعلم بما لبثوا**) مگر جمہور مفسرین نے فرمایا کہ یہ دونوں جملے حق تعالیٰ کا کلام ہیں پہلے میں حقیقت واقعہ کا بیان ہے اور دوسرے میں اس سے اختلاف کرنے والوں کو تنبیہ ہے کہ جب اللہ کی طرف سے مدت کا بیان آگیا تو اب اس کو تسلیم کرنا لازم ہے وہی جاننے والا ہے محض تخمینوں اور اندازوں سے اس کی حفاظت بے عقلی ہے۔

ایک سوال:

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے بیان مدت میں پہلے تین سو سال بیان کئے اس کے بعد فرمایا ان تین سو پر نو اور زیادہ ہو گئے عام دستور کے مطابق پہلے ہی سے تین سو نو نہیں فرمایا، اس کا جواب حضرات مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ یہود ونصاریٰ میں چونکہ شمسی سال کا رواج تھا اس حساب سے تین سو سال ہی ہوئے ہیں اور اسلام میں قمری سال کا دستور ہے اور قمری حساب سے ایک سال میں دس دن اور ہر تین سال میں ایک ماہ اور ہر چھتیس سال میں ایک سال کا اضافہ ہو جاتا ہے، اس حساب سے ہر سو سال میں تقریباً تین سال کا اضافہ ہو جاتا ہے، اس حساب سے تین سو سال شمسی کے تقریباً ۳۰۹ سال قمری ہوں گے، یہ حساب تقریبی ہے یعنی کسر کو ترک کر دیا گیا ہے اس لئے کہ بڑی گنتی میں عام طور پر کسر کو چھوڑ دیتے

ہیں، شمسی اور قمری حسابوں میں امتیاز بتانے کے لئے تعبیر کا مذکورہ عنوان اختیار کیا گیا ہے، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے بیان القرآن میں تفسیر حقانی کے حوالہ سے اصحاب کہف کا مقام اور مقام کی تاریخی تحقیق یہ نقل کی ہے کہ یہ ظالم بادشاہ کہ جس کے خوف سے بھاگ کر اصحاب کہف نے غار میں پناہ لی تھی اس کا زمانہ ۲۵۰ء تھا پھر تین سو سال تک یہ لوگ سوتے رہے تو مجموعہ ۵۵۰ ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ کی ولادت مبارک ۵۷۰ء میں ہوئی اس لئے حضور ﷺ کی ولادت سے بیس سال پہلے ان کے بیدار ہونے کا یہ واقعہ پیش آیا اور تفسیر حقانی میں بھی انکا شہر افسوس یا طرسوس کو قرار دیا ہے جو ایشیائے کوچک میں واقع ہے اب بھی اس کے کھنڈرات موجود ہیں۔

وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ کِتَابِ رَبِّکَ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِهٖ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾ ای ملجأ وَاصْبِرْ نَفْسَکَ احبسها مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ بعبادتهم وَجْهَهٗ تعالى لا شيئا من أغراض الدنيا وهم الفقراء وَلَا تَعْدُ تنصرف عَیْنٰکَ عَنْهُمْ عُبّر بهما عن صاحبها تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِکْرِنَا اى القرآن وهو عُيَيْنَةُ بن حِصن واصحابه وَاتَّبَعَ هَوٰهُ فى الشرك وَکَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ إسرافا وَقُلِ له ولا صحابه هذا القرآن الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ تهديد لهم اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ اى الكافرين نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ما احاط بها وَاِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ کَالْمُهْلِ كعكر الزّيت یَشْوِی الْوُجُوْهَ من حرّه إذا قُرّب اليها بِئْسَ الشَّرَابُ هو وَسَآءَتْ اى النار مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾ تمييز منقول من الفاعل اى قبح مرتفقها وهو مقابل لقوله الآتى فى الجنة وحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا وإلّا فأيُّ إرتفاق فى النار اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾ الجملة خبرُ إنّ الذين وفيها إقامة الظاهر مقامَ المضمر والمعنى أجرَهُم أن يُثيبهم بما تضمّنه اُولٰٓئِکَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ إقامةٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ قيل من زائدة وقيل للتبعيض وهى جمع أسورةٍ كأحمرة جمع سِوَار مِنْ ذَهَبٍ وَّیَلْبَسُوْنَ ثِیَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ ما رقّ من الديباج وَّاِسْتَبْرَقٍ ما غلظ منه وفى آية الرحمن بَطَائِنُهَا من إستبرق مُّتَّکِـِٕیْنَ فِیْهَا عَلَی الْاَرَآئِکِ جمع أريكةٍ وهى السرير فى الحَجَلة وهى بَيْتٌ يُزَيَّنُ بالثياب والسُتور للعَرُوسِ نِعْمَ الثَّوَابُ الجزاءُ الجنة وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾

ترجمہ: اور آپ کے پاس جو آپ کے رب کی کتاب وحی کے ذریعہ آئی ہے آپ اس کو تلاوت کیا کیجئے، اس کی باتوں کو کوئی نہیں بدل سکتا، اور آپ خدا کے سوا کہیں جائے پناہ نہ پائیں گے، اور آپ خود کو ان لوگوں کے ساتھ پابند مقید رکھا کیجئے جو صبح و شام (ہمہ وقت) اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں اور ان کی عبادت کا مقصد محض اپنے رب کی خوشنودی ہے ان کی

دنیوی کوئی غرض نہیں ہے، اور وہ فقراء ہیں، اور دنیوی زندگی کی رونق کے خیال سے آپ کی آنکھیں (توجہ) ان سے ہٹنے نہ پائیں عین بول کر صاحب عین مراد ہے اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانیے جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے یعنی قرآن سے، اور وہ عیینہ بن حصن اور اس کے ساتھی ہیں اور وہ شرک میں اپنی نفسانی خواہشات پر چلتا ہے اور اس کا یہ حال حد سے گذر گیا ہے یعنی حد سے تجاوز کر گیا ہے اور آپ اس سے اور اس کے ساتھیوں سے (صاف صاف) کہہ دیجئے کہ یہ قرآن تمہارے رب کی جانب سے حق ہے سو جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کافر رہے، بلاشبہ ہم نے ظالموں کافروں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے کہ اس آگ کی قناتیں اس کو گھیرے ہوئے ہوں گی، وہ قناتیں کہ جن کے ذریعہ احاطہ کیا جائے گا اور اگر وہ (پیاس کی شدت) سے فریاد کریں گے تو ایسے پانی سے ان کی فریاد رسی کی جائے گی کہ جو تیل کی تلچھٹ کے مانند ہوگا وہ پانی جب ان کے چہروں کے قریب کیا جائے گا تو اپنی حرارت کی وجہ سے چہروں کو بھون ڈالے گا اور کیا ہی برا پانی ہے وہ اور وہ آگ بھی کیا ہی بری آرام کی جگہ ہوگی مرتفقا تمیز ہے جو فاعل سے منقول ہوئی ہے، ای قبح مرتفقھا یعنی اس کا آرام نہایت ہی برا ہے اور یہ قول جنت کے بارے میں آنے والے قول حسنت مرتفقا کے بالمقابل لایا گیا ہے ورنہ تو آگ میں کونسا آرام ہے؟ بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے تو ایسے نیک عمل کرنے والوں کا ہم اجر ضائع نہ کریں گے جملہ یعنی (انا لانضیع الخ) ان الذین آمنوا کی خبر ہے اور جملہ خبریہ میں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لایا گیا ہے اور اصل عبارت اجرھم ہے یعنی ہم ان کو اجر عطا فرمائیں گے ایسا اجر کہ وہ مذکورہ آراموں کو شامل ہوگا ایسے لوگوں کے لئے ہمیشہ رہنے قیام کرنے کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان کو وہاں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے کہا گیا ہے کہ من زائدہ ہے اور بعض مفسرین نے من کو تبعیضیہ کہا ہے، اساور، اسورة کی جمع ہے اور اسورة سوار کی جمع ہے، یعنی اساور سوار کی جمع الجمع ہے، اور ریشم کا باریک سبز رنگ کا لباس اور موٹے ریشم کا لباس پہنیں گے، اور سورۂ رحمٰن کی آیت میں بطائنها من استبرق ہے (یعنی ان کا استر موٹے ریشم کا ہوگا) اور وہاں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے ارائك اريكة کی جمع ہے سریر کو اريكة اس وقت کہتے ہیں جب وہ حجلہ میں ہو اور حجلہ اس مکان کو کہتے ہیں جس کو دلہن کے لئے کپڑوں اور پردوں وغیرہ سے آراستہ کیا جاتا ہے جنت کیا ہی اچھا صلہ ہے اور کیا آرام دہ جگہ ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہُ: واتل تو تلاوت کر (ن) تلاوة تلاوت کرنا، اور یہ بھی احتمال ہے کہ تلو سے مشتق ہو اس کے معنی اتباع کرنا پیچھے پیچھے چلنا من الکتاب من بیانیہ ہے ماموصولہ کا بیان ہے ملتحدا (اسم ظرف، مصدر میمی ہے) (افتعال) پناہ گاہ یا پناہ لینا۔

قِوْلَہُ: من کتاب ربك، ما اوحی الیك کا بیان ہے۔

قِوْلَہُ: لاتعد واحد مؤنث غائب حرف نہی کی وجہ سے آخر سے حرف علت واؤ ساقط ہوگیا (ن) عدوا کسی چیز سے

تجاوز کرنا، دوڑنا، عیناك، لا تعد کا فاعل ہے اور جملہ ترید الخ عیناك کے کاف مضاف الیہ سے حال ہے اگر مضاف الیہ مضاف کا جز ہو تو مضاف الیہ سے حال واقع ہونا درست ہے، یا اس لئے کہ عین سے صاحب عین مراد ہے، لہٰذا فعل کی اسناد اگرچہ بظاہر مضاف الیہ کی طرف ہے مگر حقیقت میں مضاف ہی کی طرف ہے فرطا (ن) حد سے تجاوز کرنا فرط فی الامر کوتاہی کرنا۔

قِوْلُہٗ: الحق یہ مبتداء محذوف هذا القرآن کی خبر ہے جیسا کہ مفسر علام نے ظاہر کر دیا ہے اور الحق فعل محذوف کا فاعل بھی ہوسکتا ہے ای جاء الحق، من ربکم یا تو الحق سے حال ہے ای کائنا من ربکم یا هذا القرآن مبتداء محذوف کی خبر ثانی ہے ای کائن من ربکم انا اعتدنا یہ لف ونشر غیر مرتب ہے یعنی انا اعتدنا کا تعلق ومن شاء فلیکفر سے ہے اور ان الذین آمنوا کا تعلق فمن شاء فلیؤمن سے ہے احاط بهم سرادقها، نارا کی صفت ہے، سرادق کی جمع سرادقات ہے سرادق ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہو، خواہ چہار دیواری ہو یا شامیانہ اور قناتیں۔

قِوْلُہٗ: یستغیثوا مصدرا غاثة مدد طلب کرنا یستغیثوا اصل میں یستغوثوا تھا، واؤ کا کسرہ ماقبل کو دیدیا گیا، اور واؤ کو ی سے بدل دیا یستغیثوا ہو گیا۔

قِوْلُہٗ: المهل (اسم) تلچھٹ، پیپ، کچلہو جملہ یشوی، ماءً کی صفت بھی ہوسکتا ہے اور المهل سے حال بھی، عکرگاد، تلچھٹ الشراب بئس کا فاعل ہے اور مخصوص بالذم محذوف ہے اور وہ هو ہے جس کا مرجع مستغاث بہ ہے، مرتفقا نسبت سے تمیز ہے جو کہ فاعل سے منقول ہے ای قبح مرتفقها المرتفق ظرف مکان، آرام کی جگہ، دوزخیوں کے لئے اس کا استعمال استہزاءً ہوا ہے یا مشاکلت کے طور پر بھی ہوسکتا ہے اس لئے کہ جنتیوں کے لئے حسنت مرتفقا فرمایا گیا ہے۔

قِوْلُہٗ: انا ان حرف مشبہ بالفعل اس کے اندر ضمیر وہ اس کا اسم لانضیع اجر من احسن عملا جملہ ہوکر ان کی خبر، ان اپنے اسم وخبر سے مل کر خبر ہوئی ان اول کی، ان اول اپنے اسم وخبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا اولئك لهم جنٰت عدن، لهم خبر مقدم ہے اور جنٰت عدن مبتداء مؤخر ہے پھر جملہ ہوکر اولئك مبتدا کی خبر ہے۔

قِوْلُہٗ: من اساور من ابتدائیہ ہے یا مفعول بہ پر زائدہ ہے اور من ذهب میں من بیانیہ ہے اور کائنة یا مصنوعة کے متعلق ہوکر اساور کی صفت ہے اساور سوار کی جمع ہے بمعنی کنگن متکئین فعل محذوف یجلسون کی ضمیر سے حال ہے فی الحجلة۔ کائنا کے متعلق ہوکر السریر سے حال ہے۔

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

اور آپ کا کام صرف اس قدر ہے کہ آپ کے پاس جو آپ کے رب کی کتاب وحی کے ذریعہ آتی ہے وہ لوگوں کو پڑھ کر سنا دیا کیجئے، آپ کا فرض منصبی صرف اتنا ہی ہے آپ اپنے فرض منصبی کے انجام دہی میں مشغول رہئے، آپ اس فکر میں نہ پڑئیے کہ دنیا کے بڑے لوگ اگر اسلام کی مخالفت کرتے رہے تو دین کو ترقی کس طرح ہوگی؟ کیونکہ اس کا اللہ تعالیٰ نے خود وعدہ فرمالیا ہے، اس

کے وعدوں کو بدلا نہیں جاسکتا یعنی اگر پوری دنیا بھی مل کر اللہ کو وعدہ پورا کرنے سے روکنا چاہے تو روک نہیں سکتی اور اگر آپ نے ان بڑے لوگوں کی دل جوئی اس طرح کی کہ جس سے احکام الٰہی ترک ہوجائیں تو پھر آپ خدا کے سوا کسی کو پناہ گاہ نہ پائیں گے اگرچہ آپ ﷺ سے احکام شرعیہ کا ترک بدلائل شرعیہ محال ہے مگر مبالغۃ اور تاکید اًبفرض محال یہ کہا گیا ہے۔

واصبر نفسک اس آیت میں آنحضرت ﷺ کو فقراء صحابہ کی رعایت رکھنے اور ان ہی کے ساتھ بود و باش رکھنے اور خود کو ان کے ساتھ پابند رکھنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

شانِ نزول:

اس آیت کے شان نزول میں مختلف واقعات مذکور ہیں ممکن ہے کہ سب ہی واقعات نزول کا سبب ہوئے ہوں، سورۂ انعام میں بھی آپ ﷺ کو فقراء مومنین کو اپنے پاس سے جدا کرنے کی ممانعت مذکور ہے کما قال اللہ تعالیٰ (**ولا تطرد الذین یدعون ربھم**).

پہلا واقعہ:

بغوی نے نقل کیا ہے کہ مکہ کا رئیس عیینہ بن حصن فزاری آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کے پاس فقراء صحابہ بیٹھے ہوئے تھے ان کا لباس خستہ اور ہیئت فقیرانہ تھی عیینہ نے کہا کہ ہمیں آپ کے پاس آنے اور آپ کی بات سننے سے یہی لوگ مانع ہیں ایسے خستہ حال لوگوں کے پاس ہم نہیں بیٹھ سکتے آپ ان کو اپنی مجلس سے ہٹا دیں یا کم از کم ہمارے لئے علیحدہ مجلس رکھیں۔

دوسرا واقعہ:

ابن مردویہ نے بروایت ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نقل کیا ہے کہ امیہ بن خلف جمحی نے رسول اللہ ﷺ کو یہ مشورہ دیا کہ غریب فقیر شکستہ حال مسلمانوں کو آپ اپنے پاس نہ رکھیں بلکہ قریش کے سرداروں کو ساتھ لگائیں اگر یہ لوگ آپ کا دین قبول کرلیں گے تو دین کو ترقی ہوگی اس طرح کے واقعات پر **واصبر نفسک** آیت نازل ہوئی، جس میں ان لوگوں کے مشورہ کو قبول کرنے سے سختی سے منع فرمایا گیا ہے اور صرف یہی نہیں کہ ان فقراء صحابہ کو اپنی مجلس سے ہٹانے سے منع فرمایا گیا ہے بلکہ یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ باندھ کر رکھیں، مطلب یہ ہے کہ خصوصی توجہات کے ذریعہ آپ ان فقراء کے ساتھ وابستہ رہئے، معاملات میں انہی سے مشورہ لیں اور انہی کی امداد و اعانت سے کام کریں، اور اس کی وجہ اور حکمت ان الفاظ سے بتلادی گئی ہے کہ یہ لوگ صبح و شام یعنی ہر حال میں اللہ کو پکارتے اور اسی کا ذکر کرتے ہیں ان کا جو عمل ہے وہ خالص اللہ کی رضا جوئی کے لئے ہے اور یہ سب حالات وہ ہیں کہ جو اللہ کی امداد اور نصرت کو کھینچ کر لاتے ہیں اور رؤساء قریش کا مشورہ قبول

نہ کیجئے اس لئے کہ ان کے دل اللہ کی یاد سے غافل ہیں اور ان کے سب کام نفسانی خواہشات کے تابع ہیں اور یہ حالات اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نصرت سے ان کو دور کرنے والے ہیں۔

ایک سوال:

یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ ان کا یہ مشورہ تو قابل عمل تھا کہ ان کے لئے ایک مجلس الگ کردی جاتی مگر اس طرح کی تقسیم میں سرکش مالداروں کا ایک خاص قسم کا اعزاز تھا جس سے غریب مسلمانوں کی دل شکنی ہوسکتی تھی اللہ تعالیٰ نے اس کو گوارہ نہ فرمایا اور اصول دعوت وتبلیغ یہی قرار دیا کہ اس میں کسی کا کوئی امتیاز نہ ہونا چاہئے۔

وقل الحق من ربکم فمن شاء الخ آنحضرت ﷺ کو حکم دیا جارہا ہے کہ آپ اعلان کردیں کہ حق آچکا ہے اور اللہ کی حجت تام ہوچکی ہے اب لوگوں کی مرضی ہے کہ مانیں یا نہ مانیں اللہ تعالیٰ کو کسی کے ماننے یا نہ ماننے کی کوئی پرواہ نہیں جو کچھ نفع و نقصان ہوگا لوگوں کا خود اپنا ہوگا، ارشاد فرمایا اب جسکا دل چاہے مان لے اور جس کا دل چاہے انکار کرے یہ تخییر نہیں ہے بلکہ تہدید ہے یعنی اب جو نہ مانے گا وہ سن لے ہم نے ظالموں کے لئے آتش دوزخ تیار کررکھی ہے اس کی ہولنا کی، خدا کی پناہ اور اگر لوگ فریادرسی چاہیں گے تو ان کی ایسے پانی سے فریادرسی کی جائے گی جو (صورۃً) تیل کی تلچھٹ کی طرح ہے، جو اُن کا منہ بھون ڈالے گا، یعنی جہنم میں جب گرمی کی شدت سے دوزخیوں کو پیاس لگے گی اور وہ فریاد کریں گے اور پانی پانی چلائیں گے تب تیل کی تلچھٹ یا پگھلی ہوئی دھات یا پیپ کی طرح کا پانی دیا جائے گا جو اس قدر گرم ہوگا کہ منہ کو بھون ڈالے گا، کیا برا مشروب ہے اور کیسی بری آرام گاہ ہے؟

ان الذین آمنوا بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے بے شک ہم ان لوگوں کا اجر ضائع نہ کریں گے جو عمل کے اعتبار سے اچھے ہیں یعنی ان کی ادنیٰ نیکی بھی ضائع نہ کی جائے گی بلکہ ہم ان کے ہر اس عمل کا ثواب عطا کریں گے جو ثواب کے لائق ہوگا ایسے ہی لوگوں کے لئے دائمی جنت ہے، قرآن کریم کا یہ اسلوب ہے کہ جب مشرکین وکافرین کے لئے عذاب کا ذکر کرتا ہے تو وہیں تقابل کے طور پر مومنین مخلصین کے اجر وثواب کا بھی ذکر کرتا ہے اسی لئے اس مقام پر فریقین کی جزاء وسزا کا ذکر کیا ہے۔ **یحلون فیھا** اس آیت میں جنتی مردوں کو بھی سونے کے کنگن پہنانے کا ذکر ہے اس پر سوال ہوسکتا ہے کہ مردوں کے لئے زیور پہننا نہ زیبا ہے اور نہ زینت۔

جواب: جمال وزینت عرف وعلاقہ کے تابع ہے، ایک علاقہ میں جو چیز جمال وزینت سمجھی جاتی ہے دوسرے علاقوں میں بسا اوقات قابل نفرت قرار دی جاتی ہے جنت میں مردوں کے لئے بھی زیور اور ریشمی کپڑے جمال وزینت قرار دیئے جائیں گے دنیا میں شریعت کا قانون یہ ہے کہ مردوں کے لئے سونے کا کوئی زیور یہاں تک کہ انگوٹھی اور گھڑی کی چین بھی جائز نہیں ہے، اسی طرح ریشمی کپڑے بھی جہاد کے علاوہ جائز نہیں ہیں، ہاں البتہ ساڑھے چار گرام تک چاندی کی انگوٹھی جائز ہے اللہ تعالیٰ نے

زیورات کے لئے یحلون مجہول صیغہ اور کپڑوں کے لئے یلبسون معروف کا صیغہ استعمال فرمایا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر عادت یہی ہے کہ زیور دوسرے پہناتے ہیں اور لباس آدمی خود پہنتا ہے وہ وہاں مسہریوں پر تکیے لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے یعنی نہایت عزت اور احترام کے ساتھ مسہریوں پر گاؤ تکیے لگائے بیٹھے آپس میں باتیں کرتے ہوں گے، کیسا اچھا صلہ ہے اور کیسی اچھی آرام گاہ ہے، اللہ تعالیٰ ہر مومن کو یہ نعمتیں نصیب فرمائے۔ (آمین)

وَاضْرِبْ اِجْعَلْ **لَهُمْ** لِلْكُفَّارِ مع المؤمنين **مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ** بَدلٌ وهُوَ وَما بعدَه تفسيرٌ لِلْمَثَلِ **جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا** الكافرِ **جَنَّتَيْنِ** بُستانَينِ **مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا** اَحدقْنَا هما **بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا**﴿٣٢﴾ يُقتاتُ به **كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ** كِلتا مفردٌ يدُل على التثنيةِ مُبتَدأٌ **اٰتَتْ** خبرُه **اُكُلَهَا** ثَمرَها **وَلَمْ تَظْلِمْ** تنقُص **مِّنْهُ شَيْئًا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا**﴿٣٣﴾ يجري بينهما **وَّكَانَ لَهٗ** مع الجَنَّتَينِ **ثَمَرٌ** بفتح الثاء والميم وضَمِّهما وبضَمِّ الاول وسكون الثاني وهو جمعُ ثَمرة كشجرة وشجر وخشبة وخُشُب وبَدنة وبُدن **فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ** المؤمن **وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ** يُفاخِره **اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا**﴿٣٤﴾ عَشيرةً **وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ** بصاحِبِه يَطُوف به فيها ويُريه اَثمارَها ولم يقل جَنَّتَيهِ اِرادةً للرَّوضة وقيل اِكتفى بالواحد **وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ** بالكفرِ **قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا**﴿٣٥﴾ **وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ** في الأخرة على زَعْمِك **لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا**﴿٣٦﴾ مَرجِعًا **قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ** يجاوبه **اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ** لانَّ آدمَ خُلق منه **ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ** مَنِيٍّ **ثُمَّ سَوّٰىكَ** عدلكَ وَصيَّرَك **رَجُلًا**﴿٣٧﴾ **لٰكِنَّا۠** اَصلُه لٰكِنْ اَنَا، نُقلت حركةُ الهمزةِ الى النون وحُذفت الهمزةُ ثم اُدغِمت النونُ في مِثلِها **هُوَ** ضمير الشان يُفَسِّره الجُمْلَةُ بَعْده والمعنى اَنا اَقُولُ **اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا**﴿٣٨﴾

ترجمہ: اور حال بیان کیجئے ان کافروں اور مومنوں کے لئے ان دو شخصوں کا رجلین، مثلا سے بدل ہے رجلین اور اس کا مابعد مثلا کی تفسیر ہے ان دو میں سے ایک کو جو کافر تھا انگور کے دو باغ دیئے تھے اور ہم نے دونوں باغوں کا کھجوروں کے درختوں کے ذریعہ احاطہ کر دیا تھا اور ان کے بیچ بیچ میں کھیتی بھی اگائی تھی جس کے ذریعہ غذا حاصل کی جاتی تھی دونوں باغ اپنا پورا پھل دیتے تھے اس میں بالکل کمی نہیں کرتے تھے کلتا لفظ کے اعتبار سے مفرد ہے (مگر معنی کے اعتبار سے) تثنیہ پر دلالت کرتا ہے اور کلتا مبتداء ہے اور آتت اس کی خبر ہے اور ہم نے ان دونوں باغوں کے درمیان نہریں جاری کر رکھی تھیں اور اس شخص کے لئے دو باغوں کے علاوہ اور بھی اموال تھے ثمر ثا اور میم دونوں کے فتح کے ساتھ اور دونوں کے ضمہ کے ساتھ ثُمُر اور اول کے ضمہ اور ثانی کے سکون کے ساتھ ثُمْر اور ثَمر ثمرة کی جمع ہے جیسے شجر شجرة کی جمع ہے اور خشب خشبة کی جمع ہے اور بدن بدنة کی جمع ہے (تینوں میں مفرد ایک ہی وزن پر ہے البتہ تینوں کی جمع مختلف ہے) (ایک روز) اس کافر نے اپنے

مومن ساتھی سے فخریہ انداز میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور افراد خاندان میں بھی اور اپنے ساتھی کو گھماتا اور باغ کے پھلوں کو دکھاتا ہوا ساتھ لیکر اپنے باغ میں داخل ہوا حال یہ ہے کہ وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والا تھا کفر کے ذریعہ، اور اس موقع پر جنتیه نہیں کہا یا تو اس لئے کہ جنت سے مراد روضہ ہے (جو کہ دونوں باغوں پر مشتمل ہے) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس نے ایک باغ ہی دکھانے پر اکتفاء کیا تھا اور کہنے لگا میں تو نہیں سمجھتا کہ یہ باغ کبھی برباد ہوگا اور نہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ قیامت آئے گی اور اگر تیرے خیال کے مطابق (قیامت آ بھی گئی) اور میں اپنے رب کے پاس پہنچا دیا گیا تو ضرور اس باغ سے بھی بہتر جگہ مجھے ملے گی اس کے (مومن) ساتھی نے اس کی (ان کفریہ) باتوں کے جواب میں کہا کہ کیا تو اس ذات کے ساتھ کفر کرتا ہے جس نے تجھ کو مٹی سے پیدا کیا؟ اسلئے کہ آدم علیہ الصلاۃ والسلام مٹی سے پیدا کئے گئے تھے پھر تجھ کو نطفہ منی سے پیدا کیا اور پھر تجھ کو صحیح سالم یعنی (تجھ کو معتدل الاعضاء) مرد بنایا لکنا اس کی اصل لکن انا تھی ہمزہ کی حرکت نون کو دیدی اور ہمزہ کو حذف کر دیا پھر نون کو نون میں ادغام کر دیا ھـــــو ضمیر شان ہے اس کے بعد کا جملہ اس کی تفسیر کر رہا ہے اور معنی یہ ہیں کہ میں کہتا ہوں (یعنی عقیدہ رکھتا ہوں) کہ میرا رب تو اللہ ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: ضرب کا استعمال جب مثل کے ساتھ ہوتا ہے تو اس کے دو مفعول ہوتے ہیں، یہاں ایک مفعول مثلا ہے اور دوسرا رجلین دونوں مفعول درحقیقت ایک ہی ہیں اور رجلین حذف مضاف کے ساتھ مثلا سے بدل بھی ہو سکتا ای مثلا مثل الرجلین۔

قولہ: من اعناب میں من بیانیہ ہے، مافی الجنتین مبین ہے من اعناب بیان ہے۔

قولہ: حففنا حف سے ماضی جمع متکلم (ن) حفا گھیرنا کِلتا چونکہ لفظ کے اعتبار سے مفرد ہے اسی کا اعتبار کرتے ہوئے آتت کو مفرد لائے ہیں اور خلالھما خبر ہے معنی کے اعتبار سے تثنیہ لائی گئی ہے کلتا الجنتین مرکب ہو کر مبتداء ہے اور جملہ آتت خبر ہے۔

قولہ: ثمر سے باغات کے علاوہ دیگر اموال مراد ہیں خواہ وہ نقود کی شکل میں ہوں یا مویشیوں کی شکل میں۔

قولہ: یحاور (مفاعلۃ) محاورۃ و حوارا گفتگو کرنا، جواب دینا، یحاور کی تفسیر یفاخر سے قرینۂ مقام کی وجہ سے ہے۔

قولہ: مالا ونفرا یہ نسبت سے تمیز ہیں۔

قولہ: اثمارھا بعض نسخوں میں اثمارھا کے بجائے آثارھا ہے بمعنی رونق وشادابی۔

قولہ: أن تبید بتاویل مصدر ہو کر اظن کا مفعول ہے۔

قَوْلُهُ: سواك تسوية برابر کرنا، متناسب الاعضاء بنانا، یہاں سوی جعل اور صیر کے معنی میں ہے، جعل کا ك مفعول اول اور رجلا مفعول ثانی ہے، لکنا اصل میں لکن انا تھا، انا کے ہمزہ کو خلاف قیاس حذف کر کے نون کا نون میں ادغام کر دیا گیا ہے۔

قَوْلُهُ: لکنا میں لکن غیر عامل ہے، اس کے اندر ضمیر مبتداء اول ہے اور هو مبتداء ثانی ہے اور الله مبتداء ثالث ہے ربی خبر ہے۔

تفسیر وتشریح

مذکورہ آیات میں جن دو شخصوں کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے مفسرین کا اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ دونوں شخص فرضی ہیں اور بطور تمثیل ان کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے یا حقیقی اور واقعی ہیں، جو حضرات واقعی ہونے کے قائل ہیں ان کے درمیان ان کی تعیین میں اختلاف ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے دو بھائی تھے اور بعض کا قول ہے کہ وہ دونوں مکہ کے مخزومی قبیلہ کے دو بھائی تھے ان میں سے ایک کا نام عبداللہ بن عبدالاسود تھا اور وہ مومن تھا اور دوسرا اسود ابن عبدالاسود تھا یہ کافر تھا اور بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ وہی دو شخص ہیں کہ جن کا ذکر سورۃ الصافات میں اللہ تعالیٰ کے قول قال قائل منهم انی کان لی قرین میں ہے، مذکورہ دونوں بھائیوں کے واقعہ کو ذکر کرنے کا مقصد دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی پائیداری کو بیان کرنا ہے، آپ ﷺ ان دو شخصوں کا جن کے درمیان دوستی یا قرابت کا تعلق تھا، بیان کیجئے۔ عطاء خراسانی کے بیان کے مطابق ان کا قصہ اس طرح تھا، دو شریک یا دو بھائی تھے ان میں سے ایک مومن اور دوسرا کافر تھا ان دونوں کے پاس آٹھ ہزار دینار مشترکہ تھے بعض حضرات نے کہا ہے کہ ان کے والد کے ترکہ سے آٹھ ہزار دینار ان کے حصہ میں آئے تھے، چار چار ہزار دونوں نے تقسیم کر لئے تھے ان میں سے کافر بھائی نے ایک ہزار دینار کی زمین خریدی جب مومن بھائی کو اس کا علم ہوا تو اس نے کہا یا اللہ میرے بھائی نے ہزار دینار کی زمین خریدی ہے اور میں تجھ سے ہزار دینار کے بدلے جنت میں زمین خریدتا ہوں اور یہ کہہ کر ایک ہزار دینار راہ خدا میں صرف کر دیئے، پھر کافر بھائی نے شادی کی اور اس پر اس نے ہزار دینار خرچ کئے جب اس مومن بھائی کو معلوم ہوا تو اس نے کہا یا اللہ میرے بھائی نے ہزار دینار صرف کر کے ایک عورت سے شادی کی ہے میں بھی ایک ہزار دینار کے عوض جنت کی حور سے شادی کرتا ہوں اور یہ کہہ کر اس نے ہزار دینار راہ خدا میں خرچ کر دیئے پھر اس کے کافر بھائی نے ایک ہزار دینار کے عوض کچھ غلام اور گھریلو سامان خریدا جب اس مومن بھائی کو معلوم ہوا تو اس نے کہا یا اللہ میں بھی ایک ہزار دینار کے عوض تجھ سے جنت میں خدام اور سامان راحت خریدتا ہوں یہ کہہ کر اس نے ایک ہزار دینار راہ خدا میں صدقہ کر دیئے اب اس کے پاس کچھ باقی نہ رہا اور شدید حاجت مند ہو گیا، اس نے سوچا اگر میں اپنے بھائی کے پاس جاؤں اور اس سے اپنی حاجت کا سوال کروں تو وہ ضرور میری مدد کرے گا، چنانچہ وہ ایک روز اس راستہ پر جا کر بیٹھ گیا جہاں سے اس کے بھائی کی آمد و رفت تھی جب اس کا بھائی بڑی شان و شوکت کے ساتھ وہاں سے گذرا تو اپنے اس غریب مومن بھائی کو دیکھ کر پہچان لیا اور کہا فلاں؟ اس نے کہا ہاں، اس نے

حالت دیکھ کر کہا تیرا یہ کیا حال ہے؟ تو مومن بھائی نے جواب دیا مجھے حاجت شدیدہ پیش آگئی ہے مدد کے لئے تیرے پاس آیا ہوں، کافر بھائی نے معلوم کیا تیرا وہ مال کیا ہوا جو تیرے حصہ میں آیا تھا؟ تو اس مومن بھائی نے پوری صورت حال بیان کی تو اس کے کافر بھائی نے کہا کہ میں کچھ نہ دوں گا تو بڑا سخی ہے پھر کافر بھائی نے مومن بھائی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے باغوں میں گھمایا تو ان کے بارے میں آیت واضرب لهم مثلا نازل ہوئی۔

وَلَوْلَآ هَلاَّ **إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ** عِندَ إعجَابِكَ بها هذا **مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ** في الحديث مَنْ أُعطى خيرًا مِن اهلٍ اومالٍ فيقول عند ذلك ماشآء الله لا قُوَّةَ الا باللهِ لَم يَرَفِيه مكروهًا **إِن تَرَنِ أَنَا** ضميرُ فصلٍ بَين المفعولين **أَقَلَّ مِنكَ مَالًا وَوَلَدًا ﴿٣٩﴾ فَعَسَىٰ رَبِّي أَن يُؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّن جَنَّتِكَ** جوابُ الشرط **وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا** جمع حُسبانةٍ اى صواعق **مِّنَ السَّمَاءِ فَتُصْبِحَ صَعِيدًا زَلَقًا ﴿٤٠﴾** ارضًا مَلْسَاء لا يثبُتُ عليها قدمٌ **أَوْ يُصْبِحَ مَاؤُهَا غَوْرًا** بمعنى غائرًا عطف على يُرسِلَ دُون تُصبح لِأنّ غَورَالماءِ لايَتَسَبَّبُ عن الصَّواعِق **فَلَن تَسْتَطِيعَ لَهُ طَلَبًا ﴿٤١﴾** حِيلَةً تُدرِكُهُ بها **وَأُحِيطَ بِثَمَرِهِ** باَوْجُه الضَّبْط السابقة مع جَنَّتِه بالهلاكِ فهَلَكَتْ **فَأَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ** نَدَمًا وتحسُّرًا **عَلَىٰ مَا أَنفَقَ فِيهَا** في عمارة جَنَّتِه **وَهِيَ خَاوِيَةٌ** ساقِطة **عَلَىٰ عُرُوشِهَا** دعائِمِها للكرم بأن سَقَطَت ثُمَّ سَقَطَ الكرمُ **وَيَقُولُ يَا** لِلتَّنبِيهِ **لَيْتَنِي لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّي أَحَدًا ﴿٤٢﴾ وَلَمْ تَكُن لَّهُ** بالتاء والياء **فِئَةٌ** جماعةٌ **يَنصُرُونَهُ مِن دُونِ اللّٰهِ** عِند هَلاكِهَا **وَمَا كَانَ مُنتَصِرًا ﴿٤٣﴾** عِند هلاكِها بنفسِه **هُنَالِكَ** اى يوم القيمةِ **الْوَلَايَةُ** بفتح الواو النُّصرَةُ وبكسرِها المُلكُ **لِلّٰهِ الْحَقِّ** بالرفع صِفةُ الولايةِ وبالجرِّ صفةُ الجَلالَةِ **هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا** مِن ثوابِ غيرِه لَوْ كانَ يُثِيبُ **وَخَيْرٌ عُقْبًا ﴿٤٤﴾** بضمّ القاف وسكونها عاقِبَةٌ للمؤمنين ونصبُهما على التمييز.

ع ١٧

ترجمہ: اور جب تو باغ میں داخل ہوا تھا تو تو نے اس باغ پر تعجب (پسندیدگی) کے وقت کیوں نہ کہا کہ یہ وہی ہے جو اللہ نے چاہا خدا کی مدد کے بغیر کوئی قوت نہیں اور حدیث شریف میں ہے کہ جس کو بہترین مال یا اولاد عطا کیا گیا ہو اور اس نے **ماشاء اللّٰه لاقوة الا باللّٰه** کہہ لیا تو اس مال میں اس کو ناپسندیدہ حالت پیش نہیں آئے گی اور اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ میں مال اور اولاد میں تجھ سے کم ہوں کچھ بعید نہیں کہ میرا رب مجھ کو تیرے باغ سے اچھا باغ دیدے (**أنــا**) دو مفعولوں کے درمیان ضمیر فصل ہے اور **فعسى** جواب شرط ہے اور اس (تیرے باغ) پر کوئی آسمانی آفت بھیج دے **حسبان، حسبانة** کی جمع ہے (یعنی) بجلیاں تو وہ باغ دفعتاً ایک صاف (چٹیل) میدان ہو کر رہ جائے، ایسی چکنی سپاٹ زمین کردے کہ اس پر قدم نہ ٹھہر سکے یا اس کا پانی بالکل اتر جائے **غورا** (مصدر) بمعنی غائر ہے **یرسل** پر عطف ہے نہ کہ **تصبح** پر اس لئے کہ پانی کے اترنے کا سبب صواعق (بجلیاں) نہیں ہوتیں پھر تو اس کو حاصل کرنے کی کوشش بھی نہ کر سکے یعنی کوئی ایسی تدبیر بھی تیرے بس میں نہ رہے کہ

جس کے ذریعہ تو (پانی) دوبارہ حاصل کر سکے اور اس شخص کے مال کو تو آفت نے آگھیرا مع اس کے باغ کے ہلاک ہو گیا ثمر میں سابق میں مذکور، تینوں قراءتیں ہیں، تو حسرت اور ندامت سے ہاتھ ملتا رہ گیا اس پر جو اس نے باغ پر (یعنی اس کی شجرکاری پر) خرچ کیا تھا اور وہ باغ اپنی ٹٹیوں پر گرا ہوا تھا یعنی انگوروں کے لئے (نصب کردہ) ٹٹیوں پر بایں طور کہ وہ ٹٹیاں گر گئیں (ان پر) انگور کی بیلیں گر پڑیں اور کہنے لگا کیا خوب ہوتا کہ میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا، یا تنبیہ کے لئے ہے اور لم یکن میں یا اور تا دونوں قراءتیں ہیں اور نہ ہوئی اس کے لئے کوئی جماعت کہ جو ہلاکت کے وقت اس کی مدد کرتی اللہ کے سوا اور وہ خود بھی ہلاکت کے وقت اپنی مدد نہ کر سکا، اور وہاں یعنی قیامت کے دن حکومت اللہ برحق کے لئے ہوگی و لایة واؤ کے فتحہ کے ساتھ بمعنی نصرت اور واؤ کے کسرہ کے ساتھ بمعنی حکومت الحق رفع کے ساتھ ہو تو و لایة کی صفت ہوگی اور اگر جر کے ساتھ ہو تو لفظ اللہ کی صفت ہوگی وہی ثواب دینے کے اعتبار سے بہتر ہے دوسروں کے اجر سے، بالفرض اگر دوسرے اجر دینے والے ہوں اور (مومنین کے لئے) انجام کے اعتبار سے بہتر ہے عقبا قاف کے ضمہ کے ساتھ اور سکون قاف دونوں درست ہیں اور اس کا نصب تمیز کی وجہ سے ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلُهُ: لو لا تحضیضیہ ہے آمادہ کرنے، ورغلانے کے لئے ہے اذ، دخلت کا ظرف مقدم ہے ماشاء اللّٰہ موصول صلہ سے ملکر، مبتداء محذوف کی خبر ہے تقدیر عبارت یہ ہے الأمر ماشاء اللّٰہ یا ماشاء اللّٰہ مبتداء ہے، اور اس کی خبر کائن محذوف ہے، اور یہ بھی جائز ہے کہ ما شرطیہ ہو اور جواب شرط محذوف ہو ای ای شیء ماشاء اللّٰہ کان، باللّٰہ محذوف سے متعلق ہو کر لائے نفی جنس کی خبر ہے۔

قِوْلُهُ: ان ترن ان حرف شرط ترن مضارع مجزوم واحد مذکر حاضر، نون سے پہلے ی لام کلمہ محذوف ہے نون وقایہ ی ضمیر متکلم مفعول اول محذوف ہے نون کا کسرہ اس کی علامت ہے اور رویت سے رویت قلبی مراد ہے انا دو مفعولوں کے درمیان ضمیر فصل برائے تاکید ہے اقل مفعول ثانی ہے مالا اور ولدا تمیز ہیں، فعسی جواب شرط ہے اور اگر ترن سے رویت بصری مراد ہو تو اقل حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا۔

قِوْلُهُ: یؤتین اس کے آخر میں ی ضمیر متکلم محذوف ہے آتی یؤتی ایتاء سے فعل مضارع واحد مذکر غائب بمعنی دینا۔

قِوْلُهُ: حسبان گرم ہوا کا بگولہ، عذاب حسبان (ن) سے بروزن غفران مصدر ہے بمعنی حساب ای مقدار قدرہ اللّٰہ تعالیٰ علیها اس کا واحد حسبانة ہے۔

قِوْلُهُ: تصبح فعل ناقص هی اس میں ضمیر اس کا اسم صعیدا زلقا موصوف صفت سے مل کر خبر۔

قِوْلُهُ: او یصبح کا عطف جملہ سابقہ یرسل پر ہے نہ کہ تصبح صعیدا زلقا پر، اگر حسبان کی تفسیر مطلق عذاب

سے کی جائے تو اس صورت میں یصبح کا عطف فتصبح پر بھی درست ہوگا، اس لئے کہ عذاب الٰہی باغ کو چٹیل میدان کرنے اور پانی کو گہرائی میں لے جانے کا سبب ہوسکتا ہے غورا بمعنی غائر ہے تا کہ حمل درست ہوسکے، ورنہ تو مبالغۃً زید عدل کے مانند حمل ہوگا۔

قَوْلُہٗ: علی ما، یقلب کے متعلق ہے۔

قَوْلُہٗ: باوجہ الضبط السابقۃ کا مطلب یہ ہے کہ ماسبق میں مذکور ثمر میں جو تین قراءتیں ہیں وہ یہاں بھی ہیں۔

قَوْلُہٗ: ندما وتحسرا کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ یقلب کا صلہ علیٰ اس لئے درست ہے کہ یقلب، ندما وتحسرا کے معنی میں ہے ورنہ تو یقلب کا صلہ علی مستعمل نہیں ہے، تحسرا یقلب کی ضمیر سے حال ہے خاویۃ اسم فاعل بمعنی اسم مفعول گری ہوئی چیز عروش عرش کی جمع ہے ٹٹی، شاخوں کی چھت، دعائم دعامۃ کی جمع ہے ٹیکی، ستون۔

قَوْلُہٗ: ینصرونہ جملہ ہوکر فئۃ کی صفت اول ہے اور من دون اللہ کائنۃ کے متعلق ہوکر صفت ثانی ہے۔

قَوْلُہٗ: ھنالک خبر مقدم الولایۃ مبتداء موخر، للہ خبر ثانی الحق، الولایۃ کی صفت ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور اگر الحق پر کسرہ پڑھا جائے تو اللہ کی صفت ہوگی، عقبا تمیز ہے عقب بمعنی بدلہ، ثواب۔

تفسیر وتشریح

اور جب تو باغ میں داخل ہوا تھا اور باغ کی سرسبزی اور شادابی نے تجھ کو تعجب میں ڈالدیا تو تو نے یہ کیوں نہ کہا کہ اللہ کو جو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے بغیر اللہ کی مدد کے کسی کو نہ کوئی طاقت اور نہ قوت؟ یعنی مال اللہ کی بڑی نعمت ہوتی ہے شکر گذاری سے اس کی پائیداری ہوتی ہے اور ناشکری سے آفت آتی ہے، حدیث شریف میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ جس شخص کو بہترین مال اور اولاد عطا کئے جائیں تو اگر وہ شخص ماشاء اللہ ولا قوۃ الا باللہ کہہ لے تو وہ مال اور اولاد میں آفت پہنچنے سے محفوظ رہتا ہے۔

اگر چہ تو مال اور اولاد میں مجھے اپنے سے کمتر پاتا ہے مگر کچھ بعید نہیں کہ میرا پروردگار مجھے تیرے باغ سے بہتر دنیا ہی میں دیدے آخرت میں تو انشاء اللہ عطا کرے ہی گا اور تیرے باغ پر کوئی ایسی آسمانی آفت بھیج دے جس سے وہ صاف چٹیل میدان ہوکر رہ جائے یا اس آفت سے اس کا پانی اتنا گہرا اتر جائے کہ پھر تو اسے کسی تدبیر سے نہ نکال سکے، یہاں یہ شبہ نہ ہو کہ مومن شخص نے باغ پر فخر کرنے کا جواب تو دیا مگر اولاد پر فخر کرنے کا جواب نہیں دیا حالانکہ کافر بھائی نے مال اور اولاد دونوں پر فخر کیا تھا، اس لئے کہ اولاد کی کثرت جب ہی اچھی معلوم ہوتی ہے جب مال ودولت خوب ہو ورنہ تو کثرت اولاد وبال جان معلوم ہوتی ہے۔

تو اس کا سارا سامان عیش مع اس کے باغ کے تباہ وبرباد ہوگیا اور باغ کی آبادکاری پر لگائی ہوئی لاگت کے ضائع ہونے پر کف افسوس ملتا رہ گیا اور جس طرح مکان کی چھت گر جاتی ہے اور پھر اس پر دیواریں بھی گر جاتی ہیں تو وہ مکان بالکل برباد ہوجاتا ہے اسی طرح اس کا باغ بھی گر کر تباہ وبرباد ہوگیا اور کہنے لگا کیا خوب ہوتا کہ میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ اس شخص کی یہ ندامت اور حسرت دنیوی نقصان پر تھی توبہ اور رجوع الی اللہ یا عقیدۂ کفریہ پر

ندامت کی وجہ سے نہیں تھی اس لئے اس کے اس قول کی وجہ سے اس کو مومن نہیں کہہ سکتے اور نہ یہ اس کی نجات کے لئے کافی ہے۔

اور اس کے پاس اس کے معاونین کی کوئی ایسی جماعت نہ ہوئی کہ جو خدا کے سوا اس کی مدد کرتی اور نہ وہ خود ہم سے بدلہ لے سکا ایسے موقع پر مدد کرنا خدائے برحق ہی کا کام ہے اور آخرت میں بھی اسی کا اجر سب سے بہتر ہے اور دنیا میں بھی اسی کا نتیجہ اچھا ہے۔

وَاضْرِبْ صَیِّرْ **لَهُم** لِقَوْمِكَ **مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** مفعولٌ اول **كَمَآءٍ** مفعول ثان **اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ** تَكَاثَفَ بِسَبَبِ نزول الماءِ **نَبَاتُ الْاَرْضِ** وامتزج الماءُ بالنَّباتِ فَرَوِيَ وحَسُنَ **فَاَصْبَحَ** فصار النباتُ **هَشِيْمًا** يابسًا مُتفرّقةً اَجزاؤه **تَذْرُوْهُ** تُنثِرُهُ وتُفرِّقُه **الرِّيٰحُ** فتذهب به المعنى شبّه الدنيا بِنَباتٍ حَسَنٍ فَيَبِسَ وَتَكَسَّرَ فَفَرَّقَتْهُ الرِّياحُ وفي قراءة الريح **وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا** قادرًا **اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** يُتجمَّل بهما فيها **وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ** هي سبحان الله والحمدلله ولا اله الا اللّٰهُ واللّٰهُ اكبر وزاد بعضُهم ولا حول ولا قوة الا باللّٰهِ **خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا** اى مَا يَأْمَلُهُ الانسانُ ويَرجوه عنداللّٰهِ تعالٰى.

ترجمہ: آپ اپنی قوم کے لئے دنیوی زندگی کی مثال بیان کیجئے، مثل (اضرب بمعنی صیر) کا مفعول اول ہے کمـاء مفعول ثانی ہے (دنیاوی زندگی کی مثال ایسی ہے) جیسے ہم نے بادلوں سے پانی برسایا اس (پانی) کی وجہ سے زمین کا سبزہ (آپس) میں اس پانی برسنے کی وجہ سے گتھ گیا اور سبزہ پانی کی وجہ سے رل مل گیا اور سرسبز وبارونق ہو گیا پھر وہ سبزہ سوکھ کر ایسا چورا چورا ہو گیا کہ اس کے ذرے متفرق ہو گئے جن کو ہوا اڑائے پھرتی ہے یعنی ریزہ ریزہ کر کے ہوا اس کو اڑائے پھرتی ہے حتی کہ اس کا نام ونشان مٹا دیا، مطلب یہ ہے کہ آپ دنیا کو ایسے خوشنما سبزے سے تشبیہ دیجئے جو آخر کار خشک ہو کر چورا ہو گیا ہو اور پھر ہوا نے اس کو منتشر کر دیا ہو اور ایک قراءت میں الریاح کے بجائے الـریح ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز پر قدرت رکھنے والے ہیں مال اور اولاد دنیوی زندگی کی رونق ہے دنیا میں ان دونوں سے زینت حاصل کی جاتی ہے اور باقی رہنے والے اعمال صالحہ ہیں وہ سبحان اللہ والحمدللہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ہیں اور بعض حضرات نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا اضافہ کیا ہے یہ اعمال تیرے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں اور امید کے اعتبار سے بھی یعنی جس چیز کی انسان آس اور امید رکھتا ہے، اللہ کے پاس ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: کماء میں کاف بمعنی مثل ہے اور اضرب کا مفعول ثانی ہے اور مثل الحیٰوۃ الدنیا مفعول اول ہے اور اضرب معنی میں صیر کے ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کماء ھی مبتداء محذوف کی خبر ہو، اور انزلناہ جملہ ہو کر ماء کی صفت ہو۔

قِوْلُہٗ: الھشیم (ض) ھشما ریزہ ریزہ کرناھشیم بمعنی مھشوم روی (س) روا تروتازہ ہونا، خوش منظر ہونا وتفرقہ میں عطف تفسیری ہے شبہ فعل امر ہے اس کا فاعل آپ ﷺ ہیں زینة مصدر بمعنی اسم مفعول ہے، جس میں واحد تثنیہ جمع سب برابر ہیں اسی وجہ سے زینة، المال اور البنون دونوں کی خبر واقع ہوئی ہے اضرب کی تفسیر صیر سے کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اضرب کا استعمال جب مثل کے ساتھ ہوتا ہے تو متعدی بدو مفعول ہوتا ہے اس مثال میں دنیوی زندگی کی ابتداء اور انتہاء کو بارش میں اگنے والی گھاس کے آغاز اور انجام سے تشبیہ دی گئی ہے۔

قِوْلُہٗ: المال والبنون ایسا قیاس ہے کہ جس کا کبریٰ اور نتیجہ محذوف ہے قیاس کی ترتیب یہ ہے: المال والبنون زینة الحیٰوۃ الدنیا، وکل ما ھو زینتھا فھو ھالك فالمال والبنون ھالکان پھر کہا جائے گا، کل ما ھو ھالك لایفتخربه، فالمال والبنون لایفتخر بھما.

قِوْلُہٗ: الباقیات صفت ہے اور اس کا موصوف محذوف ہے اور وہ الکلمات یا الاعمال ہے خیر اسم تفضیل ہے مگر اپنے حقیقی معنی میں مستعمل نہیں ہے شارح نے بسبب النزول کہہ کر اشارہ کر دیا کہ بہ میں باسببیہ ہے۔

قِوْلُہٗ: امتزج الماء سے اختلط کی دوسری تفسیر کی طرف اشارہ ہے اور امتزاج چونکہ جانبین سے ہوتا ہے لہٰذا امتزاج کی نسبت پانی کے بجائے نبات کی طرف کرنا درست ہے، اگرچہ عرف اور استعمال اس کا عکس ہے عرف اور لغت میں با کثیر غیر طاری پر داخل ہوتی ہے جیسا کہ امتزج الماء باللبن پانی دودھ میں مل گیا، نہ کہ دودھ پانی میں مل گیا، اور یہاں کثیر طاری پر با داخل ہے، یہ پانی کی کثرت میں مبالغہ کرنے کے لئے ہے اگر دودھ کم اور پانی زیادہ ہو تو کہیں گے امتزج اللبن بالماء دودھ پانی میں مل گیا، اسی طرح مذکورہ مثال میں یہ بتانا مقصود ہے کہ پانی اتنا زیادہ ہے کہ گویا وہ ہی اصل ہے۔

قِوْلُہٗ: اَمَلًا. املا کی تفسیر ما یامله سے کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ املا مصدر بمعنی اسم مفعول مال کے معنی میں ہے۔

تفسیر وتشریح

پہلی مثال میں دنیوی زندگی اور اس کے سامان کی ناپائیداری ایک شخصی اور جزوی مثال سے بیان فرمائی تھی اس میں بھی یہی مضمون، عام اور کلی مثال سے واضح فرمایا ہے، ارشاد ربانی ہے کہ آپ سرکشان قریش سے دنیوی زندگی کی حالت بیان فرمائیے کہ وہ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا ہو پھر اس پانی سے زمینی نباتات خوب گنجان ہوگئی ہوں، اور چند ہی دن کے بعد خشک ہو کر ریزہ ریزہ ہو جائے کہ اس کو ہوا اڑائے پھرتی ہو بس یہی حال دنیا کا ہے کہ آج بڑی شاداب اور خوشنما معلوم ہوتی ہے کل اس کا نام ونشان بھی نہ رہے گا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں کہ جب چاہیں ایجاد کریں اور جب چاہیں فنا کریں اور جب پوری دنیا کا یہ حال ہے تو مال اور اولاد بھی جو کہ دنیا کا ایک جز ہے دنیوی زندگی کی ایک رونق ہے ان دونوں کے ذریعہ دنیا میں زینت حاصل کی جاتی ہے اس لئے یہ بھی سریع الزوال ہے اور اعمال صالحہ باقی رہنے والے ہیں اور وہ اعمال

سبحان اللّٰہ و الحمدللّٰہ و لا الہ الا اللّٰہ و اللّٰہ اکبر ہیں،اور بعض حضرات نے لا حول و لا قوۃ الا باللّٰہ کا بھی اضافہ کیا ہے وہ باقی رہنے والے ہیں وہ آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی بہتر اور امید کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں یعنی اعمال صالحہ سے جو امیدیں وابستہ ہوئی ہیں وہ آخرت میں ضرور پوری ہوں گی اور اس کی امید سے بھی ثواب زیادہ ملے گا بخلاف متاع دنیا کے کہ اس سے دنیا میں بھی انسانی امیدیں پوری نہیں ہوتیں اور آخرت میں تو کوئی سوال ہی نہیں۔

فائدہ: اس آیت میں مال اور اولاد کو دنیوی زندگی کی زیب وزینت کہا گیا ہے یہ حکم فی نفسہٖ محض مال اور اولاد ہونے کے اعتبار سے ہے لیکن اگر انہی کو خدا پرستی اور دین طلبی کا ذریعہ بنالیا جائے اور ان سے طاعت الٰہی اور خدمت دین کا کام لیا جائے تو یہی مال و اولاد مقصود اور مطلوب بن جاتے ہیں اور ان کا شمار بھی باقیات الصالحات میں ہونے لگتا ہے حدیث شریف میں ہے کہ جب انسان کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ موقوف ہو جاتا ہے مگر تین عمل ایسے ہیں کہ ان کے ثواب کا سلسلہ جاری رہتا ہے: (۱) صدقۂ جاریہ (۲) وہ علم کہ جس سے فائدہ اٹھایا جارہا ہو (۳) نیک اولاد جو مرنے والے کیلئے دعا کرے (رواہ مسلم) تفسیر قرطبی میں عبید بن عمیر کا قول نقل کیا گیا ہے کہ باقیات صالحات نیک لڑکیاں ہیں وہ اپنے والدین کیلئے سب سے بڑا ذخیرہ ہیں اور دلیل میں حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی یہ روایت پیش کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنی امت کے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس کو جہنم میں لیجانے کا حکم دیدیا گیا تو اس کی نیک لڑکیاں اس کو چمٹ گئیں اور رونے چلانے لگیں اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنے لگیں کہ یا اللہ انہوں نے دنیا میں ہم پر بڑا احسان کیا ہے اور ہماری پرورش میں بڑی محنت اٹھائی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم فرما کر بخش دیا۔

وَ اذکر **يَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ** يَـذْهَـبُ بها عن وجه الارض فتصِيْرُ هبَاءً مُنْبَثًّا وفى قراء ة بالنون و كسرِ الياء ونَـصْـبِ الجبال **وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً** ظاهرة ليس عـليهـا شىءٌ مِنْ جبلٍ ولا غيرِه **وَّحَشَرْنٰهُمْ** الـمؤمنين والكافرين **فَلَمْ نُغَادِرْ** نَتْرُكْ **مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿٤٧﴾ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا** حالٌ اى مُصْطَفِّيْنَ كلُّ اُمَّةٍ صَفٌّ ويقالُ لهم **لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ** اى فُرادى حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا ويقال لِمُنْكرى البَعْثِ **بَلْ زَعَمْتُمْ اَ** مخفَّفَةٌ مِنَ الثقيلة اى اَنَّهُ **لَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿٤٨﴾** لِلْبَعْثِ **وَوُضِعَ الْكِتٰبُ** اى كتابُ كُلِّ امرأٍ فى يَمِيْنِه مِن المؤمنين وفى شِمالِه مِن الكافرين **فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ** الكافرين **مُشْفِقِيْنَ** خائفين **مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ** عند مُعايَنَتِهِمْ مافيه مِن السَّيِّئاتِ **يٰا** للتَّنْبيهِ **وَيْلَتَنَا** هَلَكَتَنا وهو مصدر لافعل له من لفظه **مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً** مِنْ ذنوبنا **اِلَّآ اَحْصٰهَا** عَدَّهَا واَثْبَتَها تعجَّبُوْا منه فى ذلك **وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا** مُثْبَتًا فى كتابهم **وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿٤٩﴾** لا يُعاقِبُهُ بغير جُرْمٍ ولا ينقص مِن ثوابِ مؤمنٍ۔

ع ۶/۵ ۱۸

ترجمہ: اور یاد کرو اس دن کو کہ وہ (اللہ) چلا دے گا پہاڑوں کو یعنی اللہ تعالیٰ پہاڑوں کو روئے زمین سے اکھاڑ دیں گے اور پہاڑ پراگندہ غبار ہو جائیں گے اور ایک قراءت میں نسیر نون اور ی کے کسرہ اور جبال کے نصب کے ساتھ ہے اور اے مخاطب تو زمین کو دیکھے گا کہ ایک کھلا میدان ہے کہ اس پر پہاڑ وغیرہ کچھ نہ رہیں گے اور ہم تمام انسانوں کو خواہ مومن ہوں یا کافر سب کو جمع کریں گے ان میں سے ایک کو بھی باقی نہ چھوڑیں گے اور سب کے سب تیرے رب کے روبرو صف بستہ حاضر کئے جائیں گے صفا حال ہے (اور معنی میں) مصطفین کے ہے ہر امت کی ایک صف ہوگی اور ان سے کہا جائے گا کہ دیکھو آخر کار تم ہمارے پاس آئے جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا یعنی تن تنہا یا برہنہ پا، ننگے دھڑ ننگے غیر مختون، اور منکرین بعث سے کہا جائے گا تم یہ سمجھتے رہے تھے کہ ہم تمہارے بعث کے لئے کوئی وقت موعود نہ لائیں گے ان مخففه عن المثقله ہے یعنی أنه اور نامۂ عمل سامنے رکھ دیا جائے گا یعنی ہر شخص کا نامۂ عمل، اگر مومن ہوگا تو دائیں ہاتھ میں اور اگر کافر ہوگا تو بائیں ہاتھ میں دیدیا جائے گا تو اے مخاطب تو دیکھے گا مجرموں کافروں کو کہ اس تحریر سے جو اس میں ہوگی خوف زدہ ہو رہے ہوں گے اور اس (نامۂ اعمال) میں لکھی ہوئی بداعمالیوں کو دیکھ کر کہیں گے ہائے، ہماری بدنصیبی یویلتنا، ھلکتنا کے معنی میں ہے اور ویل ایسا مصدر ہے کہ اس کا فعل (اس مادہ) سے مستعمل نہیں ہے یہ (نامۂ عمل) کیسی عجیب کتاب ہے کہ جس نے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا اور نہ بڑا جس کا احاطہ نہ کیا ہو؟ یعنی ہر گناہ کو شمار کر کے قلمبند کر لیا اور مجرمین نامۂ اعمال کی اس کیفیت سے تعجب کریں گے اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا موجود پائیں گے یعنی اپنے اعمال ناموں میں لکھا ہوا پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا یعنی ناکردہ گناہ کی سزا نہ دے گا اور نہ کسی مومن کا اجر کم کرے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: قوله تعالیٰ حشرنا و عرضوا و وضع مذکورہ تینوں افعال ماضی کے صیغہ ہیں مگر معنی میں استقبال کے ہیں، وقوع یقینی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ماضی لایا گیا ہے لم نغادر کا عطف حشرنا پر ہے اس لئے کہ لم نغادر لم کی وجہ سے ماضی منفی کے معنی میں ہے۔

قولہ: صفا، عرضوا کی ضمیر سے حال ہے مصدر ہونے کی وجہ سے معنی میں جمع کے ہے یسیر کی تفسیر یذھب بھا سے کرنے میں اشارہ ہے کہ یسیر متعدی بالباء ہے اور الجبال اس کا مفعول اول ہے۔

قولہ: نغادر کی تفسیر نترك سے کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نغادر باب مفاعلہ اگرچہ طرفین سے فعل کا تقاضہ کرتا ہے مگر یہاں طرفین سے فعل مراد نہیں ہے بلکہ غادر بمعنی غدر ہے، ای نترك اور عاقبت اللص کے قبیل سے ہے۔

قَوْلُہٗ: مصطفین سے اشارہ کردیا کہ صفا اگرچہ مفرد ہے مگر مصدر ہونے کی وجہ سے معنی میں جمع کے ہے۔

قَوْلُہٗ: کماء یا تو مفعول مطلق ہے یا ضمیر مرفوع سے حال ہے، پہلی صورت میں کماء مصدر محذوف کی صفت ہوگا ای فجئنا کائنا کماء الخ.

قَوْلُہٗ: أن لن یہ دو حرف ہیں اول ان مخففہ عن المثقلہ ہے اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے ای انہ اور جملہ لن نجعل اس کی خبر ہے دوسرا کلمہ لن حرف ناصب ہے ان کا نون لن کے لام میں مدغم کردیا گیا ہے اور قرآنی رسم الخط میں نون کو حذف کردیا گیا لکم نجعل کا مفعول ثانی ہے اور موعدا مفعول اول ہے۔

قَوْلُہٗ: کتاب کل امریٔ مفسر علام نے الکتاب کی تفسیر کتاب کل امریٔ سے کرکے اشارہ کردیا کہ الکتاب کا الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔

قَوْلُہٗ: مشفقین کی تفسیر خائفین سے کرنے کا مقصد تعیین معنی ہیں اس لئے کہ مشفقین مختلف معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے یہاں خوف کے معنی مراد ہیں، حسن اور ابن کثیر اور ابوعمرو نے تسیر الجبال مجہول پڑھا ہے اور الجبال کو نائب فاعل قرار دیا ہے اور ابن محیص رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے تسیر الجبال پڑھا ہے اور الجبال کو فاعل قرار دیا ہے، اور باقی حضرات نے نسیر الجبال پڑھا ہے اور جبال کو مفعول قرار دیا ہے، اور فاعل اللہ تعالیٰ کو قرار دیا ہے یاد رہے کہ نسیر، فعل محذوف اذکر کا ظرف ہے۔

قَوْلُہٗ: مال ھذا الکتاب میں ما استفہامیہ مبتدا ہے یہ استفہام توبیخی ہے لام جارہ ہے ھذا اسم اشارہ الکتاب مشار الیہ لھذا کا لام یہاں پر رسم الخط قرآنی کے مطابق ھذا سے الگ لکھا جاتا ہے مصحف عثمانی میں اسی طرح لکھا ہوا ہے۔

قَوْلُہٗ: صغیرۃ ولا کبیرۃ کا موصوف ھنۃ یا فعلۃ محذوف ہے معصیۃ بھی مقدر مان سکتے ہیں۔

تفسیر و تشریح

ویوم نسیر الجبال سے اللہ تعالیٰ قیامت کی ہولناکیوں کو بیان فرماتے ہیں اور یہ بتارہے ہیں کہ یہ باغ و بہار زندگی اور سرسبز و شاداب زمین کس طرح ویران ہوجائے گی اور آخرت کی گھڑی کافروں کے لئے کس قدر حسرت ناک ہوگی ارشاد فرمایا اس دن کو یاد کرو کہ جس دن ہم پہاڑوں کو چلتا کردیں گے اور یہ پہاڑ دھنی ہوئی روئی اور بادلوں کی طرح اڑتے پھریں گے سورۃ النمل آیت ۸۸ میں فرمایا کہ تم پہاڑوں کو دیکھتے ہو اور سمجھتے ہو کہ یہ بڑی مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں مگر وہ اس طرح چلیں گے جس طرح بادل چلتے ہیں اور آپ اے محمد یا ہر مخاطب زمین کو ایک کھلا میدان دیکھے گا اس دن پہاڑ، دریا اور ٹیلے، عمارتیں، درخت غرضیکہ ہر چیز ناپید ہوجائے گی اور کہیں کوئی نشیب و فراز نہ رہے گا سورۂ طٰہٰ میں ارشاد فرمایا لوگ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں معلوم کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ میرا پروردگار ان کو بالکل اڑا دیگا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمام انسانوں کو سفید بھوری زمین پر جمع کیا جائے گا جو میدے کی روٹی کی طرح ہوگی اس میں کسی بھی انسان کی کوئی علامت باقی نہیں رہے گی اور ہم

سب انسانوں کو جمع کریں گے اور ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے یعنی اولین وآخرین چھوٹے بڑے کافر مومن سب کو جمع کریں گے کوئی زمین کی تہہ میں یا کسی گوشے میں پڑا نہ رہ جائے گا اور نہ قبر سے نکل کر کہیں چھپ سکے گا صفا کے معنی کھڑے ہونے کی حالت میں بھی ہو سکتے ہیں یعنی بارگاہ خداوندی میں سب کی حاضری حالت قیام میں ہوگی کوئی بیٹھا ہوا نہ ہوگا اور صفا کے معنی صفوفا کے بھی ہیں یعنی قطار در قطار کے بھی ہو سکتے ہیں، حدیث شریف میں ہے کہ اہل محشر کی ۱۲۰ صفیں ہوں گی جن میں سے اسی صفیں اس امت کی ہوں گی۔ اور جو لوگ قیامت کا انکار کرتے تھے ان سے کہا جائے گا کہ لو دیکھ لو آ گئے نا تم ہمارے پاس اسی طرح کہ جیسا ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا یعنی جان ومال، آل واولاد اور اپنی ہر اس چیز سے خالی ہاتھ ہو کر جس پر تم دنیا میں ناز کیا کرتے تھے ننگ دھڑنگ ہماری بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ بخاری شریف اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! تم قیامت میں اپنے رب کے سامنے ننگے پاؤں ننگے بدن اور غیر مختون حالت میں جمع کئے جاؤ گے، پھر آپ ﷺ نے سورۂ انبیاء کی آیت ۱۰۴ تلاوت فرمائی اور قیامت میں سب سے اول جس کو لباس پہنایا جائے گا وہ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام ہوں گے (متفق علیہ عن ابن عباس) ایک دوسری روایت میں ہے کہ مذکورہ حدیث سن کر حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا یا رسول اللہ کیا سب مرد وزن ننگے ہوں گے اور ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے، آپ نے فرمایا اس وقت معاملہ اس سے زیادہ سنگین ہوگا کہ کوئی کسی کو دیکھے یعنی اس روز ہر ایک کو ایسی فکر دامن گیر ہوگی کہ کسی کو کسی طرف دیکھنے کا ہوش ہی نہ ہوگا سب کی نظریں اوپر کو اٹھی ہوئی ہوں گی اور منکرین قیامت سے یہ بھی کہا جائے گا بلکہ تم نے تو یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم نے تمہارے لئے کوئی وعدہ کا وقت مقرر نہیں کیا بتاؤ تم دوبارہ پیدا ہو گئے یا نہیں؟ اور نامۂ اعمال سامنے رکھ دیا جائے گا پھر آپ دیکھیں گے کہ مجرم لوگ اس کے مندرجات سے ڈر رہے ہوں گے اپنے گناہوں کی فہرست پڑھ کر خوف کھا رہے ہوں گے اور سوچ رہے ہوں گے کہ دیکھئے اب کیسی سزا ملتی ہے اور کہہ رہے ہوں گے کہ ہائے ہماری کمبختی یہ کیسی عجیب کتاب ہے کہ اس نے نہ ہماری چھوٹی بات چھوڑی اور نہ بڑی مگر اس نے سب کا احاطہ کر لیا ہے یعنی کوئی بات ایسی نہیں رہی کہ جو اس میں درج نہ ہو گئی ہو اور جو کچھ بھی انہوں نے دنیا میں کیا تھا وہ سب موجود پائیں گے اور آپ کا پروردگار کسی پر ظلم نہ کرے گا، اس کا مفہوم عام طور پر حضرات مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ اپنے کئے ہوئے اعمال کی جزاء کو موجود پائیں گے اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے تھے کہ اس تاویل کی ضرورت نہیں بے شمار روایات حدیث اس بات پر شاہد ہیں کہ یہی اعمال آخرت کی جزاء وسزا بن جائیں گے ان اعمال کی شکلیں وہاں بدل جائیں گی نیک اعمال جنت کی نعمتوں کی شکل اختیار کر لیں گے اور برے اعمال جہنم کی آگ اور سانپ اور بچھوؤں کی شکل اختیار کر لیں گے، اور زکوٰۃ نہ دینے والوں کا مال قبر میں ایک بڑے سانپ کی شکل میں آ کر اس کو ڈسے گا، اور کہے گا **انا مالك** (میں تیرا مال ہوں) اور نیک اعمال ایک حسین عورت کی شکل میں انسان کی قبر کی تنہائی میں وحشت دور کرنے کے لئے آئیں گے وغیرہ وغیرہ، ان تمام روایات کو عموماً مجاز پر محمول کیا جاتا ہے اور اگر مذکورہ تحقیق کو لیا جائے تو پھر مجاز کی ضرورت نہیں رہتی۔

قرآن کریم نے یتیم کے مال کو ناجائز طریقہ سے کھانے کو آگ فرمایا (**انما یاکلون فی بطونھم نارا**) مگر حقیقت یہ ہے

کہ وہ اس وقت بھی آگ ہے مگر اس کے آثار محسوس کرنے کے لئے اس دنیا سے گذرنا شرط ہے جیسے کہ کوئی ماچس کے بکس کو آگ کہے تو صحیح ہے مگر اس کے آگ ہونے کے لئے رگڑنا شرط ہے، خلاصہ یہ کہ انسان جو کچھ نیک یا بد عمل دنیا میں کرتا ہے یہ عمل ہی آخرت میں جزاء یا سزا کی شکل اختیار کرے گا، اس وقت اس کے آثار و علامات اس دنیا میں مختلف ہوں گے۔

وَاِذْ منصوبٌ بأذكُرْ **قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ** سجودَ انحِنَاءٍ لاوَضْعِ جَبْهَةٍ تَحِيَّةً لهُ **فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ** قيل هم نوعٌ مِن الملئكة فالاِ سْتِثْنَاءُ مُتَّصِل وقيل هو منقطع وابليس اَبُوالجِنّ وله ذرية ذُكِرَتْ مَعَهُ بَعْد والملئكة لاذُرِّيَّةَ لَهُمْ **فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ** اى خَرَجَ عَنْ طاعَتِهِ بتَرْكِ السُّجود **اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗ** الخطابُ لِاٰدَمَ وذرّيّتِه والهاءُ في الموضعين لِاِبْلِيْسَ **اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ** تُطِيْعُوْنَهُمْ **وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ** اى اَعْداء حال **بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا** اِبْلِيْسُ وذريته في اطاعتهم بَدَلَ اِطَاعَةِ اللّٰهِ تعالى **مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ** اى ابليسَ وذرّيّتَهٗ **خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ** اى لم اُحْضِر بعضَهم خَلْقَ بعْضٍ **وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ** الشياطين **عَضُدًا** اَعْوَانًا في الخلقِ فَكَيْفَ تُطِيْعُوْنَهُمْ **وَيَوْمَ** منصوب بأذْكُر **يَقُوْلُ** بالياء والنون **نَادُوْا شُرَكَآءِيَ** الاَوْثَانَ **الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ** لِيَشْفَعُوْا لَكُمْ بزَعْمِكُمْ **فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ** لَمْ يُجِيْبُوْهم **وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ** بَيْنَ الاَوْثَان وعَابِدِيْهَا **مَّوْبِقًا** وادِيًا مِنْ اَوْدِيَة جَهَنَّمَ يَهْلِكُوْنَ فيها جميعًا وهو مِنْ وَبَقَ بالفتح هَلَكَ **وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا** اى اَيْقَنُوْا **اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا** اى وَاقِعون فيها **وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا** مَعْدِلًا۔

ع ۷ ۱۹

ترجمہ: واذقلنا یہ اذکر فعل محذوف کی وجہ سے محلاً منصوب ہے اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم آدم کو سجدہ کرو یعنی آدم کی تعظیم کے لئے تم اس کے سامنے جھکو نہ یہ کہ زمین پر پیشانی رکھو چنانچہ ابلیس کے علاوہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا کیونکہ (ابلیس) جنات میں سے تھا، کہا گیا ہے کہ جنات ملائکہ کی اقسام میں سے ایک قسم ہیں، تو اس صورت میں مستثنیٰ متصل ہوگا اور (یہ بھی) کہا گیا ہے کہ الا ابلیس مستثنیٰ منقطع ہے اور ابلیس جنات کا جداعلیٰ ہے اس کی ذریت بھی ہے جس کا ذکر بعد والی آیت میں آرہا ہے، اور ملائکہ کی ذریت نہیں ہوتی اسی سبب (یعنی جنی ہونے کے سبب سے) اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی یعنی ترک سجدہ کرکے اپنے رب کی اطاعت سے خارج ہوگیا کیا تم پھر بھی اس کو اور اس کی ذریت کو (یہ) خطاب آدم اور ان کی ذریت کو ہے مجھے چھوڑ کر دوست بناتے ہو یعنی ان کی اطاعت کرتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں عدو بمعنی اعداء ہے اور حال یہ ہے کہ (یہ) ظالموں کے لئے بہت برا بدل ہے یعنی ابلیس اور اس کی ذریت کی اطاعت اللہ کی اطاعت کے بجائے نہایت برا بدل ہے، اور میں نے ان کو یعنی ابلیس اور اس کی ذریت کو آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے وقت اور خود ان کی تخلیق کے وقت حاضر نہیں رکھا یعنی خود ان میں سے بعض کی تخلیق کے وقت ان میں سے کسی کو حاضر نہیں رکھا اور میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا

مددگار بنانے والا نہیں یعنی تخلیق میں اپنا معاون بنانے والا نہیں تو پھر ان کی اطاعت کیوں کرتے ہو؟ اور یوم اذکر (محذوف) کی وجہ سے منصوب ہے یقول ی اور ن کے ساتھ ہے اور جس دن وہ کہے گا کہ تمہارے خیال میں جو میرے شریک تھے (یعنی بت) ان کو پکارو تا کہ تمہارے خیال کے مطابق وہ تمہاری شفاعت کریں چنانچہ یہ ان کو پکاریں گے لیکن ان میں سے کوئی بھی جواب نہ دے گا اور ان کے یعنی بتوں اور ان کے عابدین کے درمیان جہنم کی وادیوں میں سے ایک وادی متعین کردیں گے تو وہ سب اس میں ہلاک ہوجائیں گے موبقا، وبق بالفتح سے مشتق ہے بمعنی هلك اور مجرم جہنم کو دیکھ کر سمجھ لیں گے (یقین کرلیں گے) کہ وہ اس میں جھونکے جانے والے ہیں یعنی اس میں داخل ہوں گے اور اس سے بچنے کی جگہ نہ پائیں گے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: تحية له یہ اسجدوا کا معمول ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ کان بمعنی صار ہے ای صار من الجن، کان من الجن جملہ مستانفہ ہے اور لم یسجد کی علت ہے۔

قولہ: ففسق عن امر ربه فا تعلیلیہ اور سببیہ دونوں ہوسکتی ہے فسق بمعنی خرج ہے عرب بولتے ہیں فسقت الرطبة عن قشرها جبکہ کھجور اپنے چھلکے سے نکل جائے اسی طرح یہ بھی بولتے ہیں فسقت الفارة من جحرها چوہا اپنے بل سے نکل گیا (ض ن ک) اس کے اصطلاحی معنی ہیں حق وصلاح کے راستے سے ہٹ جانا، نافرمان ہوجانا، حدود شریعت سے نکل جانا۔

قولہ: هم نوع من الملائكة یہ مستثنیٰ متصل کی توجیہ ہے اور ابلیس ابوالجن یہ مستثنیٰ منقطع کی توجیہ ہے افتتخذونه میں ہمزہ انکار اور اظہار حیرت کے لئے ہے اور فا تعقیب کے لئے ہے ذریته کا عطف تتخذونهٗ کی ضمیر پر ہے مجاہد نے کہا ہے کہ ابلیس کی ذریت میں لاقس اور ولهان ہیں ان دونوں کا کام طہارت میں وسوسہ ڈالنا ہے۔

قولہ: ذرية یہ ابوالجن پر تفریع ہے فسق کی تفسیر خرج سے کرکے لغوی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے اور عن طاعته بترك السجود کا اضافہ کرکے اصطلاحی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قولہ: افتتخذونه ہمزہ محذوف پر داخل ہے فا عاطفہ ہے معطوف علیہ فعل محذوف ہے، استفہام توبیخی ہے تقدیر عبارت یہ ہے أبعدما حصل منه ماحصل من الاباء والفسق يليق منكم اتخاذه وذريته اولياء.

قولہ: من دونی محذوف سے متعلق ہو کر اولیاء کی صفت ہے من دونی کا تعلق تتخذوا سے بھی ہوسکتا ہے وهم لكم عدو مفعول ما فاعل سے حال ہے عدو مصدر ہونے کی وجہ سے معنی میں اعداء کے ہے للظالمين بدلا سے متعلق ہے اور بدلا بئس کے فاعل ضمیر مستتر ھو سے تمیز واقع ہے اور ابليس وذريته مخصوص بالذم محذوف کا بیان ہے تقدیر عبارت یہ ہے بئس البدل بدلا هو ابليس وذريته.

قولہ: شركائی شرکائی کے قرینہ سے زعمتمونی کے دونوں مفعول محذوف ہیں ای زعمتموهم شركائی.

قولہ: رءی کوفی رءی کے آخر یا لکھتے ہیں بصری نہیں لکھتے، رآی کی اصل رَأَیَ ہے یا متحرک ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ

سے الف سے بدل گئی تو رآ ہوا عربی زبان میں کوفیوں کا رسم الخط رائج ہے لہٰذا رآ کے آخر میں یالکھی گئی۔

قَوْلَهٗ: مواقعوا اسم فاعل جمع مذکر اصل میں مواقعون تھا، اضافت کی وجہ سے نون گر گیا، ایک دوسرے سے قریب ہونے والے، مصدر مواقعة ہے، مصرف ظرف مکان ہے لوٹنے کی جگہ۔

تفسیر وتشریح

اور (یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے سامنے سجدہ کرو یعنی اس کی تعظیم بجالاؤ تاکہ تمام مخلوق کا انقیاد ظاہر ہو جائے اور آدم خلافت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکیں تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا یعنی ابلیس کے علاوہ سب نے آدم کی بڑائی کا اعتراف کیا مگر ابلیس نے نہ کیا اور گھمنڈ میں آ کر کہنے لگا کہ میں آدم سے بہتر ہوں تو آدم کے سامنے کیوں جھکوں اس طرح وہ حکم خداوندی کا انکار کر کے کافروں میں شامل ہو گیا، اور وجہ اس کی یہ تھی کہ ابلیس جنات میں سے تھا فرشتہ نہ تھا ورنہ حکم عدولی نہ کرتا، اس صورت میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ جب وہ فرشتہ نہیں تھا تو پھر وہ اللہ کے حکم کا مخاطب ہی نہیں تھا اس لئے کہ حکم کے مخاطب تو فرشتے تھے انہیں کو سجدہ کا حکم دیا گیا تھا صاحب روح المعانی نے کہا ہے کہ وہ فرشتہ یقیناً نہیں تھا لیکن وہ فرشتوں کے ساتھ رہتا تھا اور ان ہی میں شمار ہوتا تھا اس لئے وہ حکم خداندی کا مخاطب تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (**ما منعك الا تسجد اذ امرتك**) **واخرج ابن جرير ابن الانبارى عنه قال ماكان من الملائكة طرفة عين واخرج ابن المنذر وابن ابى حاتم عن الحسن قال(قاتل الله اقواما زعموا ان ابليس كان من الملائكة والله يقول كان من الجن)**.

جنات، انسانوں ہی کی طرح بااختیار مخلوق ہیں، مگر جنات اور انسان فرشتوں کے مانند پیدائشی فرمانبردار مخلوق نہیں ہے بلکہ کفر و ایمان اطاعت و معصیت دونوں پر قدرت دی گئی ہے چنانچہ ابلیس خود اپنے اختیار سے فسق و عصیان کی راہ اختیار کر کے حکم خداوندی کا منکر ہو گیا، فرشتوں کا یہ سجدہ ایک رمزی سجدہ، انقیاد و اطاعت کی علامت کے طور پر تھا اور اس قسم کا سجدہ امم سابقہ میں جائز تحیۃ (سلامی کا سجدہ) تھا شریعت محمدیہ میں غیر اللہ کے لئے ہر قسم کا سجدہ حرام ہے، اور سجدہ کرنے کا حکم صرف جن و ملائکہ ہی کو نہیں تھا بلکہ تمام مخلوقات کو تھا اور روح المعانی میں ایک قول یہ لکھا ہے کہ صرف زمینی مخلوق کو تھا اور فرشتوں میں سے جو زمین پر رہتے تھے انہی کو تھا قرآن کریم میں یہ واقعہ متعدد جگہ آیا ہے مگر کسی جگہ کوئی لفظ ایسا نہیں ہے کہ جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ حکم صرف فرشتوں کے لئے تھا بلکہ یہاں صراحت ہے کہ ابلیس کو بھی تھا اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ سجدہ کا حکم ملائکہ کے علاوہ دیگر مخلوقات کو بھی دیا گیا تھا اور فرشتوں کا تذکرہ ہر جگہ اس لئے کیا گیا ہے کہ اس وقت کی مخلوق میں سب سے بہتر مخلوق تھے اس لئے جب ان کو حکم ہوا تو دیگر مخلوقات کو بدرجہ اولیٰ حکم ہوگا، ابلیس کے بارے میں جو یہ بات مشہور ہے کہ وہ فرشتہ بلکہ فرشتوں کا استاد تھا یہ خیال اسرائیلی روایات کی پیداوار ہے اور (**وکان من الجن**) سے مقصد ابلیس کی اصل بتانا نہیں ہے بلکہ اس بات کی علت بیان کرنا ہے کہ ابلیس نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ اور وجہ یہ بتائی گئی ہے

چونکہ وہ جنی تھا فرشتہ نہ تھا اس لئے اطاعت سے باہر ہو جانا اس کے لئے ممکن ہوا اگر فرشتہ ہوتا تو یہ بات ممکن نہ ہوتی اس لئے کہ فرشتے فطرۃً مطیع اور معصوم ہوتے ہیں۔ (دیکھئے سورۂ تحریم)

وذریتہ کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کے اولاد ہے توالد وتناسل کا سلسلہ جس طرح انسانوں میں ہے اسی طرح جنات میں بھی ہے البتہ فرشتوں میں یہ سلسلہ نہیں ہے اس لئے یہ بات تو طے ہے کہ ابلیس کی بھی اولاد ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ ان میں توالد وتناسل کی کیا صورت ہے، ایک صحیح حدیث جس کو حمیدی نے کتاب الجمع میں حضرت سلمان فارسی سے روایت کیا ہے اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو نصیحت فرمائی کہ تم ان لوگوں میں سے نہ بنو جو سب سے پہلے بازار میں داخل ہوتے ہیں یا سب سے آخر میں بازار سے نکلتے ہیں کیونکہ بازار ایسی جگہ ہے کہ جہاں شیطان نے انڈے بچے دے رکھے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کی ذریت انڈوں بچوں سے پھیلتی ہے اور بعض حضرات نے اس جگہ ذریت سے اس کے معاون ومددگار مراد لئے ہیں خواہ جن ہوں یا انس۔

ابلیس چونکہ جنات میں سے تھا اس لئے اس نے اپنے پروردگار کی حکم عدولی کی کیا پھر بھی تم مجھے چھوڑ کر اسکو اور اس کی ذریت کو اپنا کارساز بناتے ہو؟ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں یہ شیاطین کارساز تو کیا ہوتے میں نے آسمان اور زمین پیدا کرتے وقت ان کو دکھلایا بھی نہیں، کیونکہ زمین وآسمان کی پیدائش کے وقت یہ موجود ہی نہیں تھے اور نہ خود ان کی تخلیق ان کو دکھلائی گئی یعنی ان میں سے ایک کی تخلیق دوسرے کو نہیں دکھلائی گئی تھی اور میں ایسا نہیں کہ گمراہ کرنے والوں کو اپنا دوست بناؤں اور اس دن کو یاد کرو جب حق تعالیٰ فرمائیں گے پکارو ان کو جن کو تم میرا شریک مانتے تھے لہٰذا وہ پکاریں گے تو وہ ان کو جواب ہی نہ دیں گے یعنی وہ ان کی کچھ مدد نہ کر سکیں گے اور ہم ان (عابدین ومعبودین) کے درمیان ہلاکت کی جگہ حائل کر دیں گے یعنی دونوں کے درمیان آگ کی وسیع خلیج حائل کر دی جائے گی جس کی وجہ سے ایک دوسرے کے قریب بھی نہ آسکیں گے کام آنا تو درکنار اور مجرم لوگ دوزخ کو دیکھیں گے تو یقین کر لیں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ چالیس سالہ مسافت سے جہنم کو دیکھ لیں گے اور وہ یقین کر لیں گے کہ انہیں ضرور اس میں گرنا ہے یعنی ان کے لئے فرار کی کوئی راہ نہ ہوگی۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا بَيَّنَّا **فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ** صفةٌ لِمحذوفٍ اي مَثَلاً مِن جنسِ كُلِّ مثلٍ لِيَتَّعِظُوْا **وَكَانَ الْاِنْسَانُ** اي الكافرُ **اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا** خصومةً في الباطلِ وهو تمييزٌ منقولٌ من اسمِ كانَ، المعنى وكانَ جدلُ الانسان اَكْثَرَ شيْءٍ فيه **وَمَا مَنَعَ النَّاسَ** اي كُفَّارَ مكةَ **اَنْ يُّؤْمِنُوْا** مفعولٌ ثان **اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى** اي القرآنُ **وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ** فاعلٌ اي سُنَّتُنَا فيهم وهي الإهلاكُ المُقَدَّرُ عليهم **اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا** مُقابلةً وعياناً وهو القتلُ يوم بدر وفي قراءة بضمتين جمعُ قَبيل اي انْوَاعًا **وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ** لِلْمُؤْمِنِيْنَ **وَمُنْذِرِيْنَ** مخوفين

للکافرین وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ بقولهم اَبَعَثَ اللّٰهُ بشرًا رَّسُولاً ونحوه لِيُدْحِضُوْا بِهِ لِيُبْطِلُوْا بجدالهم الْحَقَّ القرآن وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ القرآن وَمَآ اُنْذِرُوْا به من النار هُزُوًا سُخْرِيَّةً وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ما عَمِلَ مِنَ الكُفر والمعاصی فلم يتفكَّرُ فی عاقبتها اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اغطية اَنْ يَّفْقَهُوْهُ مِن اَنْ يفقهوا القرآن ای فلا يفهمونه وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ثِقلاً فلا يسمعونه وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا ای بالجعل المذكور اَبَدًا ۝ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ فی الدنيا بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ فيها بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ وهو يومُ القيمة لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ۝ مَلجأ مِنَ العذاب وَتِلْكَ الْقُرٰٓى ای اَهلها كعادٍ وثمودَ وغيرهما اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا كفروا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ لِاِهلاكِهِمْ وفی قراءة بفتح الميم ای لِهَلاكِهِمْ مَّوْعِدًا ۝

ترجمہ: اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے اس قرآن میں ہر قسم کے عمدہ مضامین مختلف انداز سے بیان کئے ہیں **من کل مثل** موصوف محذوف مثلاً کی صفت ہے یعنی ہر قسم کی مثالیں تاکہ نصیحت حاصل کریں، اور کافر انسان بڑا ہی جھگڑالو ہے یعنی خصومت میں باطل طریقہ اختیار کرتا ہے **جدلا کان** کے اسم سے منقول ہو کر تمیز ہے، تقدیر عبارت یہ ہے **وکان جدل الانسان اکثر شیٔ فیه** اور لوگوں کو یعنی کفار مکہ کو ایمان لانے اور اپنے پروردگار سے معافی طلب کرنے سے ان کے پاس ہدایت قرآن پہنچنے کے بعد صرف اس انتظار نے روکا کہ ان کو بھی پہلی امتوں جیسا معاملہ پیش آجائے یا یہ کہ عذاب ان کے روبرو آکھڑا ہو، **سنة الاولین تاتیهم** کا فاعل ہے یعنی جو ہمارا قانون قدرت ان کے بارے میں ہے، اور وہ، وہ ہلاکت ہے جو ان کے حق میں مقدر ہو چکی ہے **ان یؤمنوا** (منع کا) مفعول ثانی ہے **قبلا** بمعنی روبرو نظروں کے سامنے اور وہ (عذاب) یوم بدر میں قتل کی شکل میں پیش آیا، اور ایک قراءت میں **قبلا** قاف اور باء کے ضمہ کے ساتھ ہے جو کہ قبیل کی جمع ہے، انواع کے معنی میں اور ہم نے رسولوں کو مومنین کو بشارت دینے والے اور کافروں کو ڈرانے والے بنا کر بھیجا، اور کافر ایسی باتیں کہہ کر کہ کیا اللہ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ ناحق جھگڑے کھڑے کرتے ہیں تاکہ وہ اس (باطل) طریقہ سے حق قرآن کو زیر کردیں اور انہوں نے میری آیتوں قرآن اور اس عذاب نار کا جس سے ان کو ڈرایا گیا تھا مذاق اڑایا اور اس سے بڑا ظالم کون ہے کہ جس کو اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی گئی پھر اس نے منہ پھیر لیا؟ اور وہ ان کرتوتوں کو بھول گیا جو اپنے ہاتھوں آگے بھیج چکا ہے یعنی وہ کفر و معصیت کے اعمال جن کو وہ کر چکا بلاشبہ ہم نے اس کے قلوب پر پردے ڈال دیئے ہیں، اس بات سے کہ وہ قرآن کو سمجھیں اس وجہ سے وہ قرآن کو نہیں سمجھ سکتے اور ان کے کانوں کو بہرا کر دیا ہے جس کی وجہ سے وہ قرآن کو سنتے نہیں ہیں اور اگر آپ ان کو ہدایت کی طرف بلائیں تو وہ اس وقت ہرگز راہ راست پر نہ آئیں گے یعنی جعل مذکور کی وجہ سے اور وہ قلوب پر پردے اور کانوں میں ثقل (بہرا پن) ہے اور آپ کے پروردگار بڑے ہی درگذر کرنے والے رحم کرنے والے ہیں اور اگر وہ دنیا میں ان

کے کرتوتوں کے سبب مؤاخذہ کرنے لگے تو فوراً ہی ان پر دنیا ہی میں عذاب بھیج دے بلکہ ان کے لئے ایک وعدہ ہے اور وہ قیامت کا دن ہے اور وہ اس کے علاوہ کوئی پناہ گاہ ٹھکانہ نہ پائیں گے اور ہم نے ان بستیوں یعنی ان کے باشندوں مثلاً عاد وثمود وغیرہ کو اس وقت ہلاک کر دیا جب انہوں نے ناانصافی کی (کفر کیا) اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لئے ایک وقت مقرر کر رکھا تھا یعنی ان کو ہلاک کرنے کے لئے اور ایک قراءت میں میم کے فتحہ کے ساتھ ہے یعنی ان کی ہلاکت کے لئے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: لقد صرفنا صرف تصریفا مختلف طریقوں سے بیان کرنا اور مختلف انداز سے سمجھانا، من کل مثل میں من زائدہ ہے، من کل مثل، مثلاً محذوف کی صفت ہو کر صرفنا کا مفعول بہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے صرفنا فی هذا القرآن مثلا کائنا من کل مثل.

قَوْلُہٗ: جدلا اکثر شیٔ کی نسبت سے تمیز ہے، کان کے اسم سے منقول ہے، ای کان جدال الانسان اکثر شیٔ فیه ای جداله اکثر من کل مجادل منع فعل ماضی (ف) الناس مفعول اول اور ان یؤمنوا جملہ بتاویل مصدر ہو کر مفعول ثانی ان سے پہلے من محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: اذجاء هم یؤمنوا کا ظرف ہے یستغفروا کا عطف یؤمنوا پر ہے۔

قَوْلُہٗ: ان تا تیهم بتاویل مصدر ہو کر منع کا فاعل ہے انتظار مضاف محذوف ہے اور أن تاتیهم مضاف الیہ ہے جو کہ مضاف کے قائم مقام ہے اور یاتیهم کا عطف تاتیهم پر ہے۔

قَوْلُہٗ: قبلا، العذاب سے حال ہے بمعنی سامنے، روبرو اور ایک قراءت میں قبلا ہے جو قبیل کی جمع ہے اس کے معنی انواع واقسام کے ہیں جیسے سبل سبیل کی جمع ہے بمعنی انواع۔

قَوْلُہٗ: مبشرین ومنذرین، مرسلین سے حال ہیں یجادل کا مفعول المرسلین محذوف ہے لیدحضوا یجادل سے متعلق ہے ادحاض (افعال) پھسلانا، ٹلانا۔

قَوْلُہٗ: ما انذروا میں ما موصولہ ہے اور انذروا جملہ ہو کر صلہ بہٖ عائد محذوف ہے یا ما مصدریہ ہے انذارهم کے معنی میں انذروا کا عطف آیاتی پر ہے هزوا، اتخذوا کا مفعول ثانی ہے اور آیاتی وما انذروا جملہ عاطفہ ہو کر اتخذوا کا مفعول اول ہے۔

قَوْلُہٗ: مــن لفظاً مفرد ہے اور معناً جمع ہے لہٰذا اس کی طرف واحد اور جمع دونوں قسم کی ضمیریں لوٹ سکتی ہیں جیسا کہ آئندہ پانچ ضمیریں مفرد اور پانچ جمع کی من کی طرف لوٹ رہی ہیں۔

قَوْلُہٗ: اکنة یہ کنان کی جمع ہے بمعنی پردہ یہ جملہ اعراض اور نسیان کی علت ہے۔

قَوْلُہٗ: بالجعل المذکور اس جملہ کا اضافہ اذا کے مفہوم کی تعیین کے لئے ہے۔

قِوْلَهُ: ربك مبتداء الغفور خبراول ذو الرحمة خبرثانی۔

قِوْلَهُ: موئل ظرف ہے بمعنی جائے پناہ (ض) وأل يئل وألا، وأل اليه، پناہ لی۔

قِوْلَهُ: تلك القرىٰ مبتداء اهلكناهم خبر تلك القرى فعل محذوف کی وجہ سے منصوب بھی ہوسکتا ہے اس صورت میں باب اشتغال سے ہوگا تقدیر عبارت یہ ہوگی اهلكنا تلك القرى اهلكناهم.

قِوْلَهُ: مهلك مصدر میمی ہے، ہلاک کرنا یا ظرف زمان ہے ہلاک ہونے کا وقت جمع مهالك، مهلك میں تین قراءتیں ہیں ① میم کا ضمہ اور لام کا فتحہ مُهْلَك ② میم اور لام دونوں کا فتحہ مهلك ③ میم کا فتحہ اور لام مکسور مَهْلِك.

تفسیر وتشریح

ولقد صرفنا فی هذا القرآن الخ اللہ تبارک وتعالیٰ نے گمراہ لوگوں کی ہدایت کے لئے قرآن پاک میں کیسے کیسے قیمتی مضامین بیان فرمائے اور مختلف قسم کی مثالوں اور عبرت آموز واقعات کے مضامین کو ذہن نشین کرانے کی کوشش فرمائی مگر جن لوگوں کی مت ہی ماری گئی ہو ان کا کیا علاج؟ وہ ہر خیر خواہی کو بدخواہی سمجھتے ہیں کفار کے رویہ سے ان کی ہٹ دھرمی اور ضد روز روشن کی طرح واضح ہوگئی ہے ورنہ جہاں تک دلیل کا تعلق ہے قرآن کریم نے حق واضح کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی مگر کفار ٹس سے مس نہ ہوئے، غالباً اب صرف انہیں عذاب الٰہی کا ہی انتظار ہے جیسا کہ عذاب الٰہی نے پہلی قوموں کو بالکل تباہ و برباد کر ڈالا، مذکورہ آیات میں تین باتوں کو خاص طور پر بیان کیا گیا ہے ① انسان بڑا ہی جھگڑالو ہے اور وہ جھوٹے جھگڑے کھڑے کرنے میں طاق ہے اللہ کی وعیدوں کا مذاق اڑاتا ہے مگر یاد رکھو حجت تام کردی گئی ہے، مؤثر انداز اور بہتر طریقہ سے بات پیش کی جاچکی ہے اب بس عذاب کا کوڑا برسنا باقی ہے، ② کفار کی حق بیزاری اور دین دشمنی کی وجہ سے ان سے حق بات سننے اور سمجھنے کی صلاحیت سلب کرلی گئی ہے لہٰذا اب ان کے ایمان لانے کی امید نہ رکھی جائے ③ اللہ تعالیٰ انسانوں کی حرکتوں پر فوراً گرفت نہیں کرتے ڈھیل پر ڈھیل دیتے ہیں تاکہ انسان راہ راست پر آجائے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے امہال کا قانون مقرر کر رکھا ہے مگر جب عذاب کا وقت موعود آئے گا تو اس وقت کوئی راہ فرار نہ ملے گی، ارشاد خداوندی ہے: اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کے عمدہ مضامین مختلف طریقوں سے بیان کئے ہیں قرآن کریم میں مختلف عنوانوں سے اور قسم قسم کے دلائل وشواہد سے سچی باتیں سمجھائی گئی ہیں، فہمائش کرنے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی مگر سرکش اور نافرمان انسان ماننے کے لئے تیار نہیں اور انسان بڑا جھگڑالو ہے کتنی ہی صاف اور سیدھی بات ہو وہ کٹ حجتی کے بغیر نہیں رہتا جب دلائل کا جواب نہیں بن پڑتا تو بیہودہ اور مہمل باتیں شروع کردیتا ہے، حدیث میں ایک جھگڑالو آدمی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے جھگڑا کرے گا، اسے بارگاہ خداوندی میں پیش کیا جائے گا اور پوچھا جائے گا کہ ہم نے جو رسول بھیجے تھے ان کے ساتھ تیرا کیا طرز عمل رہا؟ وہ کہے گا اے پروردگار میں آپ پر بھی ایمان لایا اور آپ کے رسول پر بھی اور عمل میں بھی اس کی اطاعت کی، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ تیرا اعمال نامہ ہے اس میں تو کچھ بھی نہیں ہے وہ کہے گا میں اس اعمال نامہ کو نہیں مانتا، اللہ

تعالیٰ فرمائیں گے ہمارے یہ فرشتے جو تیری نگرانی کرتے تھے تیرے خلاف گواہی دیتے ہیں وہ کہے گا میں ان کی شہادت بھی نہیں مانتا اور نہ ان کو پہچانتا ہوں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو یہ لوح محفوظ ہے اس میں بھی تیرا یہی حال لکھا ہے وہ کہے گا کہ اے پروردگار کیا آپ نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ بے شک تو ظلم سے ہماری پناہ میں ہے تب وہ کہے گا کہ اے میرے رب میں ایسی بن دیکھی شہادتوں کو کیسے مان لوں؟ میں ایسی شہادت کو مان سکتا ہوں جو میرے اندر سے ہو، اللہ تعالیٰ فرمائے گا اچھا اب ہم تیرے خلاف تیری ہی ذات میں سے گواہ کھڑا کرتے ہیں وہ سوچ میں پڑ جائے گا کہ اس کی ذات میں سے اس کے خلاف کون گواہی دے گا؟ پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی (اور اسکی قوت گویائی اس کے اعضاء کی طرف منتقل کر دی جائے گی) اس کے ہاتھ پیر اس کے کفر و شرک کی گواہی دیں گے پھر اس کی مہر توڑ دی جائے گی اور اس کو جہنم رسید کر دیا جائے گا اس کا بعض حصہ بعض پر لعنت کرے گا، وہ اپنے اعضاء سے کہے گا تمہارا بیڑا غرق ہو میں تو تمہارے ہی لئے جھگڑا کر رہا تھا اس کے اعضاء جواب دیں گے تجھ پر خدا کی مار ہو کیا تو سمجھتا تھا کہ خدا سے کوئی بات چھپائی جا سکتی ہے؟ یہ روایت قرطبی سے لی ہے اور اس کا آخری حصہ مسلم شریف میں بروایت حضرت انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ مروی ہے۔ (ماخوذ از ہدایت القرآن)

وما منع الناس ان یؤمنوا یعنی ہدایت پہنچ جانے کے بعد ایمان نہ لانے اور توبہ نہ کرنیکا کوئی معقول عذر انکے پاس نہیں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بس اب ان کو اس بات کا انتظار ہے کہ گذشتہ اقوام کیطرح عام تباہی ان پر ڈال دیجائے یا وہ زندہ رہیں اور مختلف قسم کے عذابوں میں مبتلا کر دیئے جائیں اور وہ ان عذابوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہیں۔

وما نرسل المرسلین یعنی رسولوں کی بعثت کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ لوگوں کو فرمانبرداری کے اچھے نتائج اور نافرمانی کے برے انجام سے خبردار کر دیں ان کے پاس کوئی کوڑا نہیں ہوتا کہ وہ زبردستی لوگوں سے منوالیں اور نہ عذاب لیکر آنا ان کے اختیار میں ہے کہ جب مانگو عذاب لا کھڑا کریں، اور یہ کفار جھوٹے جھگڑے کھڑے کرکے اور کٹ حجتی کرکے چاہتے ہیں کہ حق کی آواز کو زیر کر دیں اور جھوٹ کے زور سے سچائی کا قدم ڈگمگا دیں مگر ایسا کبھی نہ ہوگا، آیات الٰہی اور تنبیہات خداوندی کے ساتھ ان کا برتاؤ دیکھئے، اور انہوں نے میری آیتوں کا اور اس عذاب کا جس سے ان کو ڈرایا گیا تھا مذاق اڑایا یعنی **تذکیر بالعذاب** کا مقتضی تو یہ تھا کہ ان کے دل دہل جاتے اور بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا اور اپنی غلط روش ترک کر دیتے مگر اس کے برعکس سنگ دل منکروں نے الٹا اسی عذاب کا مذاق اڑایا اور تمسخر کے انداز میں کہنے لگے کہ خدایا اگر واقعی یہ قرآن آپ کی طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی دردناک عذاب ڈال دے (انفال آیت ۳۲) اور ان ظالموں سے ان کی بداعمالیوں کے سبب سے توفیق حق سلب کر لی گئی ہے اس لئے کہ ان کے ایمان سے اب مایوسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جس کو اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی گئی پھر اس نے اعراض کیا اور وہ اپنے ان کرتوتوں کو بھول گیا جن کو وہ اپنے ہاتھوں آگے بھیج چکا ہے یعنی سب سے بڑا ظالم اور ناانصاف وہ شخص ہے جس کو اللہ کا کلام سنایا گیا اور مختلف طریقوں سے اسے نصیحت کی گئی پھر بھی بات پر کان نہ دھرا اور اونٹ کی طرح سر اٹھا کر چلدیا اس کو اس بات کا خیال تک نہ آیا کہ وہ کیسی کیسی حرکتیں کر رہا ہے، آخرت میں اسے کیسی کچھ سزا بھگتنی ہوگی، اس لئے کہ بندہ جب اپنے اختیار سے عرصہ تک حق کی مخالفت کرتا رہتا ہے

اور خیر خواہانہ نصیحت کے مقابلہ پر جھگڑوں پر تل جاتا ہے اور حق کا مقابلہ مکروفریب سے کرنے لگتا ہے تو اس سے حق کو سمجھنے اور سننے کی توفیق سلب کر لی جاتی ہے دلوں پر پردے ڈال دیئے جاتے ہیں اور کانوں میں ڈاٹ ٹھوک دی جاتی ہے۔

اور اب چونکہ ان کے کان اور دل ان کی ضد کی وجہ سے قبول حق کی استعداد کھو چکے ہیں تو اب بدبختوں کے راہ راست پر آنے کی کبھی توقع نہیں اس لئے آپ ان کا زیادہ غم نہ کریں۔

اور آپ ان کی فوری گرفت نہ کرنے سے یہ نہ سمجھیں کہ یہ عذاب الٰہی سے بچ جائیں گے بلکہ بات یہ ہے کہ مجرموں کی فوری گرفت ہماری سنت نہیں ہے ہم مجرموں کو سنبھلنے کی کافی مہلت دیتے ہیں، ارشاد ہے: اور آپ کے پروردگار بڑے ہی درگذر کرنے والے ہیں رحم فرمانے والے ہیں اگر وہ ان کی حرکتوں پر فوری گرفت کرنے لگیں تو فوراً ہی (دنیا میں) عذاب بھیج دیں یعنی حرکتیں تو ان کی ایسی ہیں کہ عذاب بھیجنے میں لحہ بھر کی بھی تاخیر نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ جہاں کسی نے قصور کیا فوراً ہی سزا دیدی بلکہ وہ اپنی صفت غفاری اور ستاری اور شان رحیمی سے مجرموں کو سنبھلنے کا خوب موقع دیتا ہے اور ان کے لئے عذاب کا وقت موعود ہے اس سے کوئی ہرگز بچنے کی جگہ نہ پائے گا کہ اس میں چھپ چھپا کر خود کو محفوظ کرلے۔

اور ہم نے عاد و ثمود کی بستیوں کو اس وقت ہلاک کیا جب انہوں نے ناانصافی کی اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لئے ایک میعاد مقرر کر رکھی تھی اے کفار مکہ تمہیں اس سے سبق لینا چاہئے اگر تم بھی ان کے نقش قدم پر چلتے رہے تو وقت مقررہ پر تمہیں بھی عذاب الٰہی آگھیرے گا اور اس وقت تمہارے لئے بھی کوئی راہ فرار نہ ہوگی۔

وَ اذكر **اِذْ قَالَ مُوْسٰى** هو ابنُ عِمرانَ **لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ** يُوشَع بنَ نون وكان يَتَّبِعُهُ ويخدِمه ويَأخُذُ منه العلمَ لا ابرح لا أزال أسِيرُ **حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ** مُلتقٰى بَحرِ الرُّومِ وبَحرِ فَارِسَ مِمَّا يَلِي المشرقَ اي المكان الجامع لِذٰلك **اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا** دَهرًا طَوِيلاً في بُلُوغِه اِنْ بَعُدَ **فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا** بَيْنِ البَحرَيْنِ **نَسِيَا حُوْتَهُمَا** نَسِيَ يُوشَع حَمْلَه عِندَ الرَّحِيلِ ونَسِيَ مُوسٰى تَذْكِيرَهٗ **فَاتَّخَذَ** الحُوتُ **سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ** اي جَعَلَهٗ بِجَعْلِ اللّٰه **سَرَبًا** اي مِثْلَ السَّرَبِ وهو الشِّقُّ الطَّوِيلُ لَانَفاذَ به وذٰلك بأنَّ اللّٰه تعالٰى اَمْسَكَ عن الحوتِ جَرْيَ الماءِ فَانْجَابَ عنه فَبَقِيَ كَالكُوَّةِ لَمْ يَلْتَئِمْ وجَمَدَ مَا تَحتَهٗ منه **فَلَمَّا جَاوَزَا** ذٰلك المكان بالسَّيرِ الٰى وقتِ الغداءِ مِنْ ثَانِي يوم **قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا** هو مَا يُؤكَل اَوَّلَ النهار **لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا** تعبًا وحصولُه بعدَ المُجَاوَزَةِ **قَالَ اَرَءَيْتَ** اي تَنَبَّهْ **اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ** بذٰلك المكان **فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ** يُبْدَلُ مِنَ الهاءِ **اَنْ اَذْكُرَهٗ** بَدَلَ اِشتمالٍ اي اَنسانِيْ ذِكرَه **وَاتَّخَذَ** الحوتُ **سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا** مفعولٌ ثانٍ اي يَتَعَجَّبُ منه موسٰى وفتاه لِمَا تقدَّمَ في بيانِه **قَالَ** موسٰى **ذٰلِكَ** اي فَقْدُنَا الحُوتَ **مَا** الذي **كُنَّا نَبْغِ** نَطْلُبُه فاِنَّه علامةٌ لنا علٰى وجودِ مَن نَطلُبُه **فَارْتَدَّا** رَجَعَا **عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا** يَقُصَّانِهَا **قَصَصًا** فَاَتَيَا الصَّخْرَةَ **فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ** هو الخَضِرُ **اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا** نبوةً في قولٍ وَوِلَايَةً

فی آخر وعلیه اکثر العُلَماءِ وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا مِنْ قِبَلِنا عِلْمًا ﴿۶۵﴾ مفعولٌ ثانٍ ای معلوما مِنَ المَغِیْباتِ روی البخاری حدیثَ اَنَّ موسی قامَ خَطِیْباً فی بنی اسرائیل فَسُئِلَ اَیُّ الناسِ اَعْلَمُ فقال اَنَا فَعَتَبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ اِذْلَمْ یَرُدَّ العِلْمَ الیه فَاَوْحی اللّٰهُ اِلیه اَنَّ لِی عبدًا بِمَجمع البحرین هواَعلمُ مِنك قال موسی یا رَبِّ فَکیف لِیْ به قال تَاخُذُ حُوْتًا فتجعلُه فی مِکْتَلٍ فحیثما فقدت الحوتَ فهو ثَمَّ فَاَخَذَ حُوتا فجعله فی مِکْتَلٍ ثم انطَلَقَ وانطلق معه فَتَاهُ یُوْشَع بنُ نون حتی اَتَیَا الصخرةَ فوضعا رؤسهما فنامَا واضْطَرَبَ الحوتُ فی المِکتل فخرج منه فسَقَطَ فی البحر فاتَّخَذَ سبیلَه فی البحر سَرَبًا وَاَمْسَکَ اللّٰهُ عن الحوتِ جَرْیَةَ الماء فصَار علیه مثلُ الطاق فلَمَّا استیقظَ نَسِیَ صاحبُه ان یُخبِرَه بالحوت فانطلقا بَقِیَّةَ یَوْمِهِمَا ولَیْلَتَهُمَا حتی اذا کان من الغَدَاة قال موسیٰ لِفَتَاهُ آتِنَا غَدَاءَ نَا اِلیٰ قولِهٖ واتخذ سبیلَه فی البحرِ عجَبًا قال وکان للحوتُ سَرَبًا ولِمُوسیٰ ولِفتاهُ عَجَبًا.

ترجمہ: اور اس وقت کو یاد کرو جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کہ عمران کے بیٹے ہیں اپنے خادم یوشع بن نون سے جو کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ تھے اور موسیٰ کی خدمت کے ساتھ ساتھ موسیٰ سے تحصیل علم بھی کرتے تھے کہا کہ میں چلتا ہی رہوں گا سفر موقوف نہ کروں گا تا آنکہ میں دونوں دریاؤں کے سنگم پر نہ پہنچ جاؤں یعنی مشرقی جانب سے بحر روم اور بحر فارس کے ملنے کی جگہ اور اگر میں منزل مقصود کو نہ پاؤں تو ایک وقت یعنی زمانہ دراز تک چلتا رہوں گا چنانچہ جب یہ دونوں حضرات دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو یہ دونوں اپنی مچھلی بھول گئے یوشع روانگی کے وقت مچھلی اٹھانا بھول گئے اور موسیٰ یوشع کو یاد دلانا بھول گئے تو مچھلی نے دریا میں سرنگ نما راہ بنائی یعنی مچھلی نے قدرت خداوندی سے ایسا کیا اور سرنگ نما راستہ ایسا لمبا سوراخ تھا جو آر پار نہیں تھا اور یہ اس سبب سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے رہ گذر سے پانی کا بہاؤ روک دیا جس کی وجہ سے پانی مچھلی کی راہ سے منقطع ہو گیا اس طریقہ سے وہ سوراخ طاق نما ہو گیا اور وہ موسیٰ کی واپسی تک بند نہیں ہوا اور مچھلی جہاں سے گذرتی تھی پانی منجمد ہو جاتا تھا (جس کی وجہ سے رہ گذر سوراخ کی شکل اختیار کر لیتی تھی) چنانچہ جب یہ دونوں حضرات اس مقام موعود سے آگے بڑھ گئے اور دوسرے دن ناشتہ کے وقت تک سفر کرتے رہے تو موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا ہمارا ناشتہ لاؤ غدا اس کھانے کو کہتے ہیں جو بوقت صبح کھایا جاتا ہے آج کے سفر میں ہم تھک گئے نصب بمعنی تعب ہے اور تکان منزل مقصود سے آگے بڑھنے کے بعد محسوس ہوئی تو یوشع نے کہا دیکھئے سنئے (میں آپ کو اس مچھلی کا واقعہ سناتا ہوں) جب ہم نے اس چٹان کے پاس قیام کیا تھا تو میں اس مچھلی کو بھول گیا تھا اور اس کی یاد مجھے شیطان نے بھلا دی تھی (أن أذکره) انسانیه کی ضمیر مفعول ہ سے بدل اشتمال ہے یعنی مجھے اس کا یاد رکھنا بھلا دیا اور اس مچھلی نے دریا میں عجیب طریقہ سے اپنی راہ بنالی عجبا اتخذ کا مفعول ثانی ہے، اس واقعہ سے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے خادم تعجب میں پڑ گئے، جیسا کہ واقعہ سابق میں بیان ہو چکا ہے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مچھلی کے گم ہونے کا ہی وہ

موقع ہے جس کی ہم کو تلاش تھی اور ہمارے مطلوب کے وجود کی علامت ہے چنانچہ دونوں حضرات اپنے نقش قدم کو تلاش کرتے ہوئے واپس لوٹے حتی کہ اس چٹان کے پاس پہنچے پس ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے خضر کو پایا جس کو ہم نے اپنی خصوصی رحمت سے نوازا تھا یعنی ایک قول کے مطابق نبوت اور دوسرے قول کے مطابق ولایت سے اور اس دوسرے قول کے اکثر علماء قائل ہیں اور ہم نے اس کو ہماری جانب سے خاص علم دیا تھا علـمـا، **علمناه** کا مفعول ثانی ہے یعنی مغیبات کی معلومات کا علم دیا تھا، امام بخاری نے ایک حدیث روایت کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک روز موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل میں خطبہ دیا تو ان سے سوال کیا گیا کہ انسانوں میں سب سے زیادہ علم والا کون ہے؟ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا میں ہوں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جواب کی وجہ سے ان پر عتاب فرمایا اس لئے کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مسئلہ کو (واللہ اعلم) کہہ کر اللہ کے حوالہ نہیں کیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اطلاع دی کہ میرا ایک بندہ ہے جو مجمع البحرین کے پاس ہے وہ تم سے زیادہ علم رکھتا ہے، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا یا الٰہ العالمین اس بندہ تک رسائی کی میرے لئے کیا صورت ہو سکتی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے ساتھ ایک مچھلی لو اور اس کو تھیلے میں رکھ لو اور جہاں کہیں وہ مچھلی گم ہو جائے (تو سمجھ لو) کہ وہ بندہ وہیں ہے، چنانچہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مچھلی لی اور اس کو تھیلے میں رکھ لیا اور سفر پر روانہ ہو گئے اور ان کے ساتھ ان کے خادم یوشع بن نون بھی روانہ ہوئے حتی کہ یہ دونوں حضرات ایک چٹان کے پاس پہنچے اور وہاں لیٹنے کے بعد سو گئے اور مچھلی نے تھیلے میں حرکت کی اور تھیلے سے نکل کر دریا میں جا پڑی اور اس نے دریا میں سرنگ نما اپنا راستہ بنا لیا، اور اللہ تعالیٰ نے اس مچھلی کی رہ گزر سے پانی کا سیلان روک دیا چنانچہ وہ رہ گذر طاق کے مانند ہو گئی جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خادم یوشع بیدار ہوئے تو مچھلی کا واقعہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتانا بھول گئے اور بقیہ دن اور رات چلتے رہے یہاں تک کہ دوسرے دن جب ناشتہ کا وقت آیا تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے خادم سے کہا ہمارا ناشتہ لاؤ **الی قولہ واتخذ سبیلہ فی البحر عجبا** آنحضرت ﷺ نے (اس آیت کی تفسیر میں) فرمایا **کان للحوت سربا ولموسی ولفتاہ عجبا الخ** (یعنی مچھلی کا پانی میں اس طرح جانا مچھلی کے لئے تو سرنگ تھی اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور یوشع کے لئے تعجب خیز بات تھی)۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: **فتی** نوجوان، خادم، غلام (ج) **فتیة**، مفسرین نے یہاں عام طور پر خادم مراد لیا ہے **لا ابرح** فعل ناقص بمعنی **لا ازال** اس کا اسم **أنا** اس میں وجوباً مستتر ہے اس کی خبر **حتی ابلغ** کے قرینہ کی وجہ سے محذوف ہے **ای اسیر** اور اگر اس کو فعل تام مانا جائے تو اس کو خبر کی ضرورت نہیں مفسر علام نے موسی کی تفسیر ابن عمران سے کر کے بعض لوگوں کے اس قول کی تردید کر دی جو کہتے ہیں کہ موسیٰ سے مراد موسی ابن عمران نہیں ہیں بلکہ موسیٰ بن میشا بن یوسف بن یعقوب ہیں۔

قولہ: **لا ابرح** کی تفسیر **لا ازال اسیر** سے کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ **لا ابرح** فعل ناقص ہے اور اس کی خبر

اسیر محذوف ہے اور حذف پر قرینہ حتی ابلغ ہے ای لا ابرح سائرا حقبا حقب زمانہ دراز کو کہتے ہیں، ایک مقررہ مدت کو بھی کہتے ہیں، بعض حضرات نے ستر سال اور بعض نے اسی سال، اور ایک قول تیس ہزار سال کا بھی ہے یہاں مجازاً مدت دراز مراد ہے سرب سرنگ، نالی، سوراخ سربا اتخذ کا مفعول ثانی ہے اور سبیلہ مفعول اول ہے نصبا اسم ہے بمعنی تکان، کوفت، تکلیف، نصبا لقینا کا مفعول بہ ہے ارایت میں ہمزہ استفہامیہ تعجبیہ ہے یعنی موسیٰ کو یہ بتانا مقصود ہے کہ ایسا واقعہ جو کہ عجیب ہونے کی وجہ سے ناقابل فراموش تھا مگر میں اس کو بھول گیا، أرأیت کا مفعول محذوف ہے أی أرأیت ما نابنی فی ذلك الوقت محاورہ میں اخبرنی کے معنی میں مستعمل ہے جیسے اردو محاورے میں بولتے ہیں (بھلا بتلایئے) چونکہ یہاں کوئی دریافت طلب بات نہیں ہے اس لئے محض اظہار تعجب کے لئے ہے اوینا ماضی جمع متکلم اوی یاوی (ض) اویا واواء ٹھکانہ لینا، اترنا، اس لفظ کی پوری تحقیق سورۂ کہف کی آیت ۱۶ میں گذر چکی ہے انسانیه انساینسی انساء بھلا دینا نون وقایہ ی ضمیر واحد متکلم مفعول اول ہ ضمیر واحد مذکر غائب مفعول ثانی ہ میں اصل یہ ہے کہ وہ مضموم ہو مگر جب اس کے ماقبل ی ساکنہ یا کسرہ آتا ہے تو وہ کو بھی کسرہ دیتے ہیں جیسے علیه فیه به مگر دو جگہ امام حفص نے اصل کے مطابق پڑھا ہے ایک یہاں اور دوسرے سورۃ الفتح آیت ۱۰ میں علیهُ اللّٰه جس کو ملا علی قاری نے شاطبیہ کی شرح میں تفصیل سے لکھا ہے ص ۳۲۰، ان اذکرہ میں ان مصدریہ ہے جملہ اذکر بتاویل مصدر ہو کر انسانیه کے مفعول ثانی سے بدل اشتمال ہے ای ما انسانی ذکرہ الا الشیطان، ذکرہ دل میں یاد کرنا اور کسی کے سامنے ذکر کرنے کے لئے ذکر له استعمال ہوتا ہے عجبا اتخذ کا مفعول ثانی بھی ہو سکتا ہے اور مفعول مطلق بھی اس صورت میں موصوف محذوف ہوگا ای اتخاذا عجبا اور فی البحر بنا بر حال منصوب ہے ای کائنا فی البحر اور اتخذ سے متعلق بھی ہو سکتا تھا نبغ اصل میں نبغی تھا ی قرآنی رسم الخط میں یہاں حذف کردی گئی ہے اور سورۂ یوسف آیت ۶۵ میں لکھی گئی ہے، ی کا حذف اسماء میں تو شائع ذائع ہے جیسے قاضی میں، مگر افعال میں شاذ اور خلاف قیاس ہے قصصا یا تو مصدر ہے (ن) قصصا پیروی کرنا ای نقص قصصا یا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ای قاصین قصصا من عندنا محذوف سے متعلق ہو کر رحمة کا حال ہے اور من لدنا بھی محذوف سے متعلق ہو کر علما سے حال ہے، رعایت فواصل کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے۔

تفسیر و تشریح

سورۂ کہف میں موسیٰ اور خضر کے قصہ کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مشرکین مکہ نے یہود مدینہ کے سکھانے سے آنحضرت ﷺ سے تین سوال کئے تھے اور یہ کہہ دیا تھا کہ اگر ان سوالوں کا جواب دیدیں تو نبی ہیں اور اگر لاعلمی کا اظہار کریں تو سمجھنا کہ ان کا دعوائے نبوت جھوٹا ہے، گویا کہ بعض باتوں کے عدم علم کو عدم نبوۃ کی دلیل قرار دیا تھا، حضرت موسیٰ و خضر کے قصہ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ موسیٰ جن کو تم بھی نبی مانتے ہو ان کو بھی تمام چیزوں کا علم نہیں تھا بلکہ ان کو بعض چیزوں کا علم حاصل کرنے کے لئے غیر نبی (خضر) کے پاس جانا پڑا تھا، اگر محمد ﷺ بعض باتوں کا فوری جواب نہ دے سکیں تو یہ کوئی نقص کی بات نہیں ہے حتی کہ غیر نبی کو

نبی پر جزوی فضیلت حاصل بھی ہو تو اس سے کلی فضیلت کی نفی نہیں ہوتی جیسا کہ حضرت موسیٰ کو بھی بعض باتوں کا علم نہیں تھا جن کے حصول کے لئے خضر کے پاس جانا پڑا، موسیٰ وخضر کے دلچسپ واقعہ کو سنانے سے مذکورہ مقصد کے علاوہ اور بھی متعدد مقاصد پیش نظر ہیں جن کے حصول کے لیے یہ قصہ سنایا گیا ہے دراصل یہ قصہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تعلیمی سفرنامہ ہے جو کہ علوم ومعارف کا خزینہ ہے، جب یہ واقعہ پورا ہوا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کاش موسیٰ کچھ اور صبر فرما لیتے تو دونوں کی اور خبریں معلوم ہوتیں۔

واقعہ کا آغاز:

بخاری ومسلم کی روایت کے مطابق ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل کے سامنے وعظ کہا جس میں حاضرین کی آنکھیں نم ہوگئیں، اور دل نرم ہوگئے، لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا کہ اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ علم والا کون ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا میں ہوں، اللہ تعالیٰ کو یہ جواب ناپسند آیا، اس لئے کہ موسیٰ کو چاہئے تھا (واللہ اعلم) کہتے، یہ جواب واقع میں صحیح تھا ظاہر ہے کہ ان کے زمانہ میں اسرار شرعیہ کا علم ان سے زیادہ کس کو ہوسکتا تھا؟ لیکن حق تعالیٰ کو ان کے الفاظ پسند نہ آئے (اس جواب پر تنبیہ کرنے کے لیے وحی آئی) کہ ہمارا ایک بندہ مجمع البحرین میں رہتا ہے وہ آپ سے زیادہ علم رکھتا ہے موسیٰ نے عرض کیا خدایا مجھے اس کا پتہ، نشان بتا دیا جائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک مچھلی تل کر اپنے تھیلے میں رکھ لو اور مجمع البحرین کی طرف سفر کرو جس جگہ مچھلی گم ہو جائے سمجھ لینا کہ اسی جگہ ہمارا وہ بندہ ہے، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حسب ہدایت سفر شروع کیا اور اپنے خادم یوشع بن نون کو اپنے ہمراہ لے لیا اور مچھلی والا تھیلا دیکر فرمایا مچھلی کا خیال رکھنا اور فرمایا کہ مجمع البحرین پہنچنے تک برابر سفر کرتا رہوں گا اگرچہ منزل مقصود تک پہنچنے میں ایک طویل زمانہ ہی کیوں نہ گذر جائے، مطلب یہ کہ میں منزل مقصود پر پہنچ کر ہی دم لوں گا۔

فائدہ: طلب صادق اور حصول علم کی سچی لگن دیکھئے! موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس مختصر ارشاد میں طالب علموں کے لئے بڑا سبق ہے علم کبھی سچی طلب کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور طلب علم کے لئے ہر قسم کی صعوبتیں برداشت کرنا سنت انبیاء ہے۔

مجمع البحرین کی تعیین یقین کے ساتھ تو مشکل ہے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ سفر قیام مصر کے دوران پیش آیا تھا تو ملک سوڈان کے شہر خرطوم کے پاس جہاں دریائے نیل کی دو شاخیں ملتی ہیں وہ جگہ مراد ہوسکتی ہے، جمہور مفسرین کا خیال ہے کہ یہ واقعہ وادئ سینا میں اسارت کے زمانہ کا ہے اگر ایسا ہے تو بحر قلزم کے شمال میں دو شاخوں کے اتصال کی جگہ مراد ہے یعنی جہاں خلیج عقبہ اور خلیج سویز ملتی ہیں، صاحب فتح القدیر نے بحر فارس اور بحر روم مراد لیا ہے مگر یہ دونوں دریا ملتے نہیں ہیں، ملنے سے دونوں کا قرب مراد ہوسکتا ہے (فوائد عثمانی) اور بحر اردن اور بحر قلزم کا احتمال بھی پیش کیا ہے۔

جب دونوں حضرات دونوں دریاؤں کے سنگم پر پہنچے وہاں ایک بڑا بھاری پتھر تھا اور اس کے نیچے چشمۂ آب حیات جاری تھا، اس کے قریب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سو گئے تو حضرت یوشع نے دیکھا کہ مچھلی باذن اللہ زندہ ہو کر تھیلے سے نکل کر چلدی اور عجیب طریقہ سے دریا میں سرنگ بناتی چلی گئی، حضرت یوشع کو اس واقعہ اور مچھلی کے پانی میں سرنگ سی بنانے کی کیفیت سے بڑا

تعجب ہوا اور سوچا کہ جب موسیٰ بیدار ہوں گے تو پورا واقعہ سناؤں گا، جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بیدار ہوئے تو فوراً ہی چل کھڑے ہوئے اور یوشع واقعہ سنانا بھول گئے، روایات میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یوشع سے کہا تھا کہ مچھلی کا خیال رکھنا تو ان کی زبان سے نکلا تھا کہ یہ کوئی بڑا کام نہیں، لہٰذا مچھلی کی گمشدگی کے واقعہ کو بھلا کر اللہ تعالیٰ نے متنبہ کر دیا کہ چھوٹے سے چھوٹے کام کے بارے میں بھی اپنے اوپر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے، ہر چھوٹے بڑے کام میں اللہ ہی کی ذات پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

خلاصہ یہ کہ یہ دونوں حضرات آگے کے لئے سفر پر روانہ ہوگئے اور یوشع مچھلی والا تھیلا اٹھانا اور مچھلی کا واقعہ سنانا بھول گئے اور موسیٰ یاد دلانا بھول گئے اور باقی دن اور رات سفر کرتے رہے دوسرے روز موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خادم سے ناشتہ مانگا اور یہ بھی فرمایا آج ہم بہت تھک گئے ہیں، اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس سے پہلے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تھکان محسوس نہیں ہوئی مگر جب منزل مقصود سے آگے نکل گئے تو تھکان محسوس کی، یعنی بامقصد آدمی تھکتا نہیں بے مقصد سعی سے تھک جاتا ہے، اگرچہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم میں یہ بات نہیں تھی کہ اب وہ بے مقصد سفر کر رہے ہیں مگر نفس الامری واقعات کا قلب نبوت پر انعکاس ہوا اور طبیعت نے اس کا اثر قبول کیا جس کی وجہ سے حضرت موسیٰ کو تھکان محسوس ہوئی، آپ ﷺ کی زندگی میں ایسے بہت سے واقعات ہیں کہ نفس الامری واقعہ کا آپ کے قلب مبارک پر انعکاس ہوا ہے ایک مرتبہ کھانا کھایا جا رہا تھا آپ نے بھی ایک بوٹی لی مگر وہ چبی نہیں آپ نے پھینک دی اور فرمایا یہ گوشت مجھ سے کہہ رہا ہے کہ وہ مالک کی اجازت کے بغیر لیا گیا ہے، ایک مرتبہ آپ ﷺ نے جہری نماز کے بعد مقتدیوں سے دریافت فرمایا کہ کیا کسی نے میرے پیچھے قراءت کی؟ ایک صاحب نے عرض کیا جی ہاں، میں نے قراءت کی، تو آپ نے فرمایا میں سوچ رہا تھا کہ قرآن پڑھنے میں مجھ سے جھگڑا کیوں کیا جا رہا ہے؟ یعنی امر منکر کا قلب نبوت پر اثر پڑا اور آپ کے لئے قراءت دشوار ہوگئی۔

فائدہ: موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد سے کہ ''ہم آج تھک گئے''، معلوم ہوتا ہے کہ اپنی تکلیفوں کا اظہار جائز ہے یہ کمال کے منافی نہیں ہے البتہ بے صبری اور شکوہ و شکایت ممنوع ہے۔ (جصاص)

فائدہ: موسیٰ کے ناشتہ طلب کرنے سے معلوم ہوا کہ نبیوں کو بھی بھوک پیاس لگتی ہے، زادِ راہ بھی ساتھ رکھتے ہیں اور تھکن بھی محسوس کرتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی چیز نبوت و ولایت کے منافی نہیں ہے جو خوش عقیدہ مرید بزرگوں کی جانب بھوک پیاس اور دیگر بشری ضرورتوں کے انتساب کو بے ادبی سمجھتے ہیں ان کے لئے اس میں بڑا سبق ہے (تفسیر ماجدی) القصہ دونوں حضرات اگلی صبح تک چلتے رہے اور اس پورے سفر میں مچھلی والے تھیلے کا دونوں میں سے کسی کو بھی خیال تک نہ آیا یہاں تک کہ جب موسیٰ نے ناشتہ مانگا تو خادم کو احساس ہوا کہ وہ مچھلی والا تھیلا تو میں وہیں بھول آیا ہوں اس وقت خادم نے مچھلی کے عجیب طریقہ سے پانی میں چلے جانے کا واقعہ بھی سنایا، یہ یوشع کا حسن ادب تھا کہ بھولنے کی نسبت صرف اپنی طرف کی اگرچہ سامان کا ذمہ دار خادم ہی ہوتا ہے مگر مخدوم کی بھی کچھ ذمہ داری ہوتی ہے اسی لئے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ وہ دونوں اپنی مچھلی بھول گئے، اور ساتھ ہی خادم نے یہ بھی کہہ دیا کہ شیطان نے مجھے بھلا دیا، شریعت کی اصطلاح میں ہر بری بات کا انتساب شیطان اور نفس کی طرف کیا جاتا ہے کیونکہ شیطان ہی تمام برائیوں کا سرچشمہ ہے اور نفس ہی اس کے فریب میں آتا ہے، موسیٰ نے فرمایا اس

موقع کی تو ہم کو تلاش تھی سو دونوں اپنے نشان قدم کو دیکھتے ہوئے واپس پلٹے اور اس چٹان کے پاس پہنچے وہاں ہمارے ایک خاص بندے سے ملاقات ہوئی، یہ بندہ کون تھا؟ اس کا نام کیا تھا؟ یہ انسان تھے یا فرشتے اور اگر فرشتے تھے تو علوی یا سفلی اور اگر انسان تھے تو نبی تھے یا ولی؟ اس بارے میں یقین سے کچھ کہنا دشوار ہے، آراء مختلف ہیں علامہ عثمانی کی رائے یہ ہے کہ یہ نبی ہیں صحیح احادیث میں ان کو خضر کہا گیا ہے یہ ان کا وصفی نام ہے حدیث میں اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک بار حضرت خضر ایک سوکھی سفید زمین پر بیٹھے ہوئے تھے وہ یکا یک سبزہ زار ہوگئی اسی وجہ سے ان کا لقب خضر (سبزہ) ہوگیا (رواہ البخاری والترمذی) اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر کو خصوصی رحمت سے نوازا تھا اور اسرار کونیہ سے وافر مقدار میں حصہ عطا فرمایا تھا، جو حضرات انسان ہونے کے قائل ہیں ان میں سے بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ وہ نبی ہیں اور بعض کی رائے ہے کہ وہ ولی ہیں، اور جو حضرات ان کو ملائکہ میں شمار کرتے ہیں وہ ملائکہ سفلی میں شمار کرتے ہیں جن کو اصطلاح میں رجال الغیب کہا جاتا ہے، بعض محققین کی رائے یہ بھی ہے کہ خضر ایک عہدہ ہے جس پر یکے بعد دیگرے فائز ہونے والے کو خضر کہا جاتا ہے۔

قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿٦٦﴾ اي صَوابًا اَرْشُدُ بِهِ وفي قراءة بضم الراء وسكون الشين وسأله ذلك لِاَنَّ الزيادةَ في العلمِ مطلوبة **قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا** ﴿٦٧﴾ **وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا** ﴿٦٨﴾ في الحديث السابقِ عَقَبَ هذهِ الآيةِ يا موسى اِني على عِلْمٍ مِن عِلْمِ اللهِ عَلَّمَنِيهِ لا تَعْلَمُه وَاَنتَ على عِلْمٍ مِن عِلْمِ الله علَّمَكَ اللهُ لا اَعْلَمُهُ وقوله خُبْرًا مصدرٌ بمعنى لم تُحِطْ اي لَمْ تَخْبُرْ حقيقته **قَالَ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي** اي وغيرُ عاصٍ **لَكَ أَمْرًا** ﴿٦٩﴾ تامرُني به وقُيِّد بالمشيَّةِ لِاَنَّه لم يكن على ثقة من نفسه فيما التزم وهذه عادةُ الانبياء والاولياء ان لايَثِقُوا على اَنْفِسِهِم طَرفة عينٍ **قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي** وفي قراءة بفتح اللام وتشديد النون **عَنْ شَيْءٍ** تنكره مِني في علمِك واصبر **حَتَّىٰ أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا** ﴿٧٠﴾ اي اَذكره لك بعلته فقبل موسى شرطه رعايةً لِاَدَبِ المتعلِّم مع العالم **فَانْطَلَقَا** يَمْشِيَان على ساحلِ البحرِ **حَتَّىٰ إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ** التي مرَّت بهما **خَرَقَهَا** الخضرُ بِاَن اقْتَلَعَ لوحًا اولَوحَينِ منها مِن جِهَةِ البحر بفاسٍ لَمَّا بَلغت اللُجَّ **قَالَ** له موسى **أَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا** وفي قراءة بفتح التحتانيةِ والرَّاء ورفع اهلِها **لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا** ﴿٧١﴾ اي عظيما منكرًا رُوِي أنَّ الماءَ لَم يَدخُلها.

ترجمہ: موسیٰ نے خضر سے کہا کیا میں آپ کے ساتھ اس شرط پر رہ سکتا ہوں کہ آپ مجھے اس علم مفید سے سکھائیں جس علم کی آپ کو تعلیم دی گئی ہے؟ رشدا ای صوابا جس کے ذریعہ میں درستگی حاصل کروں، اور ایک قراءت میں راء کے ضمہ کے ساتھ ہے، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خضر سے (علم کا) اس لئے سوال کیا کہ علم میں زیادت مطلوب ہے اس بندے نے

جواب دیا آپ میرے ساتھ قطعاً صبر نہیں کرسکتے، اور ایسی باتوں پر آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں جن کی حقیقت سے آپ پوری طرح واقف نہیں؟ سابق میں مذکور حدیث میں اس آیت کے بعد یہ بھی ہے کہ اے موسیٰ اللہ نے مجھے ایک ایسا علم دیا ہے جس کو آپ نہیں جانتے اور اللہ نے آپ کو ایک ایسا علم عطا فرمایا ہے کہ جس سے میں ناواقف ہوں اور اللہ تعالیٰ کا قول خبرا مصدر ہے اور لم تحط، لم تخبر، حقیقته کے معنی میں ہے، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے، اور میں آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا یعنی آپ جو حکم فرمائیں گے میں اس کی نافرمانی نہیں کروں گا، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (اپنے وعدے) کو مشیت خداوندی کے ساتھ مقید کردیا، اس لئے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے اوپر لازم کردہ پابندی کے بارے میں اعتماد نہیں تھا، اور یہ انبیاء اور اولیاء کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے نفس پر پل بھر کے لئے بھی بھروسہ نہیں کرتے اس بندے خضر نے کہا اچھا اگر آپ میرے ساتھ چلنا ہی چاہتے ہیں تو آپ مجھ سے کسی بات کے بارے میں جس کو تم اپنے علم کے اعتبار سے منکر سمجھو سوال نہ کریں اور صبر کریں تا آنکہ میں خود ہی آپ کے سامنے بیان کردوں یعنی آپ کے سامنے اس کی علت میں خود ہی بیان نہ کردوں، ایک قراءت میں لام کے فتحہ اور نون کی تشدید کے ساتھ (تسالنی) ہے چنانچہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک متعلم کے مانند معلم کے ساتھ ادب کی رعایت کرتے ہوئے ان کی شرط قبول کرلی بعد ازاں یہ دونوں حضرات ساحل بحر پر چل پڑے یہاں تک جب دونوں حضرات کشتی میں سوار ہوئے جوان کے پاس سے گذری تو اس کشتی کو خضر نے پھاڑ دیا اس طریقہ پر کہ جب کشتی بیچ منجدھار میں پہنچی تو خضر نے دریا کی جانب سے کلہاڑے کے ذریعہ ایک یا دو تختے نکال دیئے تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا کیا آپ نے کشتی کو توڑ دیا تا کہ کشتی والوں کو غرق کردیں آپ نے یقیناً بڑی نامناسب حرکت کر ڈالی یعنی بڑی بھاری ناپسندیدہ حرکت کر ڈالی، روایت کیا گیا ہے کہ پانی اس کشتی میں داخل نہیں ہوا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: علی أن تعلمن الخ اتبعك کے کاف سے حال ہے ای حال کونك معلما لی، رشدا تعلمن کا مفعول ثانی ہے ای تعلمن علما ذا رشد، أن تعلمن میں أن مصدریہ اور آخر میں نون وقایہ ہے اور یا متکلم کی محذوف ہے نون کا کسرہ حذف یا کی علامت ہے، رَشَدا و رُشُدا (ن) ہدایت پانا۔

قَوْلُہٗ: لم تحط احاط به گھیرنا، احاط به علما پوری طرح جاننا خبرا یا تو فاعل سے منقول ہو کر نسبت سے تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، یا مفعول مطلق برائے تاکید ہے اس لئے کہ لم تحط بمعنی لم تخبر ہے اور خبر بمعنی علم ہے، ای لم تعلم علما.

قَوْلُہٗ: لا اعصی لك اس کا عطف صابرا پر ہے اور لا بمعنی غیر ہے۔

قَوْلُہٗ: وغیر عاص سے مفسر علام نے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ لا بمعنی غیر ہے اور اس کا عطف صابرا پر ہے۔

قولہ: تامرنی سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ امرا، تامر فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے امرا عجیب بات وہ بات جو خلاف شرع اور خلاف عقل سلیم ہو فأس کلہاڑا (ج) فؤوس.

قولہ: اصبر، اصبر محذوف مان کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ حتی احدث لك مغیا محذوف کی جزء ہے اور مغیا اصبر ہے۔

تفسیر و تشریح

قال له موسی هل اتبعك الخ موسی نے عرض کیا اگر اجازت ہو تو میں چند روز آپ کے ساتھ رہ کر اس مخصوص علم کا کچھ حصہ حاصل کروں جو اللہ نے آپ کو عطا فرمایا ہے، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام باوجودیکہ جلیل القدر پیغمبر ہیں اولو العزم سے درخواست کر رہے ہیں کہ اجازت ہو تو میں آپ کے ساتھ رہ کر آپ سے اس مخصوص علم میں سے کچھ حاصل کروں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے اس طلب اجازت میں کس قدر فروتنی اور حسن ادب ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ متعلم فضیلت وفوقیت کے باوجود معلم کے تابع ہوتا ہے اور جزوی فضیلت سے کلی فضیلت لازم نہیں آتی اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فاضل بھی مفضول سے وہ علم حاصل کر سکتا ہے جو اس کے پاس نہ ہو، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم شرعی احکام کا علم تھا اور خضر کو بعض مغیبات کا علم اور بواطن کی معرفت حاصل تھی۔

خضر نے کہا آپ قطعاً میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے، اس لئے کہ جب آپ میرے کاموں کو ظاہر شریعت کے خلاف پائیں گے تو ان پر آپ ضرور روک ٹوک کریں گے، حضرت خضر نے اندازہ کر لیا تھا کہ میرے ساتھ ان کا نباہ نہ ہو سکے گا اس لئے کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جن علوم شرعیہ کے حامل تھے ان کا تعلق ظاہری تشریعی قوانین سے تھا اور خضر مامور تھے کہ واقعات کونیہ کے علم کے مطابق عمل کریں اور وہ علم تکوینی کے مطابق عمل کریں گے تو بظاہر علم تشریعی کے خلاف ہوگا جس پر موسیٰ روک ٹوک کئے بغیر نہ رہ سکیں گے جو کہ نبی کا فرض منصبی ہے انہی وجوہات کے بنا پر حضرت خضر نے کہا اور ایسی باتوں پر آپ صبر کیسے کر سکتے ہیں جن کی حقیقت سے آپ پوری طرح واقف نہ ہوں، ایسے موقع پر خاموشی اختیار کرنا شان پیغمبری سے بعید اور فرض منصبی کے خلاف ہے۔

موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے غرضیکہ موسی نے شرائط کو قبول کرتے ہوئے صبر کرنے اور سکوت اختیار کرنے کا وعدہ کر لیا مگر وعدہ کرتے وقت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہ ہوگی کہ ایسے مقرب اور مقبول بندے سے کوئی ایسی حرکت دیکھنے میں آئے گی جو علانیہ ان کی شریعت بلکہ عام شرائع واخلاق کے بھی خلاف ہوگی اور وہ نکیر کرنے پر مجبور ہوں گے یہ تو غنیمت ہوا کہ موسیٰ نے ان شاء اللہ کہہ لیا تھا ورنہ قطعی وعدہ کی خلاف ورزی کرنا لازم آتا جو پیغمبر کی شایان شان نہ ہوتا۔

قال فان اتبعتنی فلا تسئلنی عن شیٔ یعنی اگر مجھ سے کوئی بات بظاہر نامناسب اور ناحق معلوم ہو تو مجھ سے فورا

باز پرس نہ کریں جب تک کہ میں کسی مناسب وقت پر اپنے کام کی حقیقت اور علت خود ہی بیان نہ کردوں اگر یہ بات منظور ہے تو اجازت ہے میرے ساتھ چلئے چنانچہ دونوں بزرگ چل دیئے۔ اس واقعہ پر قرآن کریم نے حضرت یوشع کا ذکر نہیں کیا یا تو اس لئے کہ عام طور پر ایسے موقع پر متبوع کا ذکر کیا جاتا ہے نہ کہ تابع کا، کشتی کی تلاش میں ساحل سمندر پر چلے جارہے تھے تو ایک کشتی نظر پڑی، کشتی والوں سے سوار ہونے کی درخواست کی اول تو کشتی والوں نے سوار کرنے سے انکار کردیا چونکہ ان کے پاس کوئی سامان سفر وغیرہ نہیں تھا اس لئے ان کو چور ڈاکو سمجھا مگر ملاحوں نے حضرت خضر کو پہچان لیا اور شکل وصورت سے بھی بھلے آدمی معلوم ہوئے تو بغیر کرایہ کے ان کو سوار کرلیا، جب یہ حضرات کشتی میں سوار ہوگئے تو خضر نے وہ کشتی نمایاں جگہ سے توڑ دی تاکہ عیب دار ہوجائے، حضرت موسیٰ سے یہ نازیبا حرکت دیکھ کر نہ رہا گیا تو فرمایا آپ نے کشتی کو توڑ دیا تاکہ کشتی میں سوار لوگوں کو غرق کردیں آپ کی یہ حرکت شرعی واخلاقی طور پر کسی طرح مناسب نہیں ہے آپ نے یہ بہت ہی ناپسندیدہ حرکت کر ڈالی۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ﴿۷۲﴾ **قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِىْ بِمَا نَسِيْتُ** اى غفلتُ عن التسليم لكَ وتركِ الانكارِ عليك **وَلَا تُرْهِقْنِىْ** تُكَلِّفْنِىْ **مِنْ اَمْرِىْ عُسْرًا** ﴿۷۳﴾ مَشَقَّةً فِى صُحْبَتِىْ اِيَّاكَ اى عَامِلْنِى فيها بالعَفْوِ وَالْيُسْرِ **فَانْطَلَقَا** بعد خروجهما من السَّفِيْنَةِ يَمْشِيَانِ **حَتّٰى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا** لم يَبْلُغِ الحِنْثَ يَلْعَبُ مع الصِّبْيان اَحْسَنُهم وجْهًا **فَقَتَلَهٗ** الخضرُ بانْ ذَبَحَهٗ بالسِّكِّين مُضطَجِعًا او اقْتَلَعَ بيدِهٖ اَوْ ضَرَبَ رَاْسَهٗ بالجِدَارِ اَقْوَالٌ واُتِىَ هُنَا بالفاءِ العاطِفة لانّ القَتْلَ عَقِبَ اللِّقَاءِ وجوابُ اذا **قَالَ** له موسى **اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً** اى طاهرة لم تبلُغْ حَدَّ التكليف وفى قراءة زَكِيَّةً بتشديد الياء بلا الف **بِغَيْرِ نَفْسٍ** اى لم تَقْتُلْ نَفْسًا **لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا** ﴿۷۴﴾ بسكون الكاف وضمها اى مُنْكرا **قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا** ﴿۷۵﴾ زادلك على ماقبلهٗ لِعَدَمِ العُذرِ هُنا ولِهٰذا **قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَىْءٍۢ بَعْدَهَا** اى بعد هذه المرَّة **فَلَا تُصٰحِبْنِىْ** لاتترُكْنى اَتَّبِعكَ **قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّىْ** بالتشديد والتخفيف مِن قِبَلِى **عُذْرًا** ﴿۷۶﴾ فى مُفَارَقَتِكَ لِىْ **فَانْطَلَقَا حَتّٰى اِذَا اَتَيَا اَهْلَ قَرْيَةِ** هِىَ اِنْطاكِيَّة **اِسْتَطْعَمَا اَهْلَهَا** طَلَبَا منهم الطعامَ ضِيافةً **فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا** اِرتفاعُه مائةُ ذراعٍ **يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ** اى يَقْرُبُ اَن يسقطَ لِمَيْلَانِهٖ **فَاَقَامَهٗ** الخضرُ بيَدِه **قَالَ** له موسى **لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ** وفى قراءة لَاتَّخَذْتَ **عَلَيْهِ اَجْرًا** ﴿۷۷﴾ جُعلًا حَيْثُ لم يُضَيِّفُوْنَا مع حاجتِنا الى الطعام **قَالَ** له الخضرُ **هٰذَا فِرَاقُ** اى وقتُ فراقِ **بَيْنِىْ وَبَيْنِكَ** فيه اضافةُ بَيْنِ الى غير متعدّد سَوَّغَهَا تَكْرِيْرُه بالعَطْفِ بالواوِ **سَاُنَبِّئُكَ** قَبْلَ فِرَاقِىْ لَكَ **بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا** ﴿۷۸﴾

ترجمہ: حضرت خضر نے کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کرسکو گے تو موسیٰ نے کہا میری بھول چوک پر مجھ سے مواخذہ نہ فرمائیں یعنی مجھ سے آپ کی فرمانبرداری میں اور آپ پر اعتراض کو ترک کرنے میں غفلت ہوگئی اور آپ مجھ پر میرے معاملہ میں تنگی نہ ڈالیں یعنی کلفت میں مبتلا نہ کریں اور آپ اپنے ساتھ میری مصاحبت کے معاملہ میں دشواری پیدا نہ کیجئے یعنی میرے ساتھ درگذر اور سہولت کا معاملہ کیجئے پھر دونوں کشتی سے اترنے کے بعد پاپیادہ چلے یہاں تک کہ جب دونوں کی ایک لڑکے سے ملاقات ہوئی جو کہ ابھی سن بلوغ کو نہیں پہنچا تھا بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا اور ان میں سب سے زیادہ خوبصورت تھا تو خضر نے اس لڑکے کو مار ڈالا، یا تو زمین پر لٹا کر چھری سے ذبح کر دیا یا ہاتھوں سے پکڑ کر سر اکھاڑ ڈالا یا اس کے سر کو دیوار سے ٹکرا دیا، یہ تین قول ہیں فقتله میں فا تعقیبیہ عاطفہ کا استعمال اس لئے ہوا ہے کہ قتل ملاقات کے بعد واقع ہوا تھا اور اذا کا جواب قال له موسى اقتلت نفسا زكية ہے یعنی موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے خضر سے کہا تم نے ایک بے گناہ شخص کو قتل کر دیا یعنی ایسے معصوم نفس کو جو کہ ابھی حد تکلیف (یعنی سن بلوغت کو بھی نہیں پہنچا) اور ایک قراءت میں زكية ی کی تشدید اور بغیر الف کے ہے جس نے کسی کا خون نہیں کیا یعنی وہ کسی نفس کا قاتل نہیں ہے (کہ اسے قصاصاً قتل کیا جائے) بلاشبہ تم نے بہت ہی برا کام کیا نکرا سکون کاف اور ضمۂ کاف کے ساتھ دونوں قراءتیں ہیں یعنی ناپسندیدہ حرکت خضر نے کہا کیا میں نے آپ سے کہا نہ تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کرسکیں گے یہاں لك کا اضافہ کیا بخلاف سابق کے اس لئے کہ وہاں موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے سہو ونسیان کا عذر پیش نہیں کیا تھا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا اس کے بعد اگر میں آپ سے کچھ پوچھوں (اعتراض کروں) تو مجھے آپ اپنے ساتھ نہ رکھیں یعنی اپنے ساتھ رہنے کی اجازت نہ دیں یقیناً آپ نے میرے لئے کوئی عذر باقی نہیں چھوڑا لدنی نون کی تشدید اور تخفیف دونوں قراءتیں ہیں من لدنی کے معنی من قبلی کے ہیں یعنی آپ مجھے اپنے سے جدا کرنے کے معاملہ میں معذور ہیں پھر یہ دونوں حضرات چلے یہاں تک کہ جب ایک بستی والوں کے پاس پہنچے وہ بستی انطاکیہ تھی بستی والوں سے ان حضرات نے کھانا طلب کیا یعنی ضیافت کے طور پر ان سے کھانا طلب کیا مگر بستی والوں نے ان کی ضیافت کرنے سے انکار کر دیا پھر ان دونوں حضرات نے اس بستی میں ایک دیوار دیکھی جو گرا چاہتی تھی اور اس کی اونچائی سو ذراع تھی یعنی جھکاؤ کی وجہ سے گرنے کے قریب تھی تو خضر نے اس دیوار کو ہاتھ لگا کر درست کر دیا موسی نے کہا اگر آپ چاہتے تو اس کام کی اجرت یعنی مزدوری لے لیتے ایک قراءت میں لاتخذت ہے اس لئے باوجودیکہ ہم کھانے کے حاجت مند تھے ان لوگوں نے ہماری میزبانی نہیں کی خضر نے کہا بس یہ (اعتراض) میرے اور تیرے درمیان جدائی کرنے والا یعنی جدائی کا سبب ہے فراق مصدر بمعنی اسم فاعل تفریق ہے اس میں بین کی اضافت غیر متعدد کی طرف ہے جس کی گنجائش واؤ عاطفہ کے ذریعہ بین کی تکرار کی وجہ سے ہے، میں ان باتوں کی حقیقت تم کو جدا کرنے سے پہلے بتا دیتا ہوں، جن پر آپ صبر نہ کرسکے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: لن تستطیع استطاعت سے مضارع واحد مذکر حاضر، تو ہرگز نہ کر سکے گا۔

قَوْلُہٗ: بما نسیت ما موصولہ ہے جار مجرور لا تؤاخذنی سے متعلق ہے عائد محذوف ہے ای لاتاخذنی بامر الذی نسیتہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ نسیت بمعنی ترکت ہے جو کہ نسیت کے لازم معنی ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ ما مصدریہ ہو ای لاتاخذنی بنسیانی، نسیت کی تفسیر غفلت سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہاں نسیت کے لغوی معنی مراد نہیں ہیں بلکہ لازم معنی جو کہ غفلت اور ترک کے ہیں مراد ہیں اس لئے کہ نسیان کے لئے ترک لازم ہے۔

قَوْلُہٗ: لاترھقنی من امری عسرا، عسرا، لا ترھقنی کا مفعول ثانی ہے اور ترھقنی میں یا مفعول اول ہے یقال ارھقه عسرا اس کو تکلیف میں ڈالا، اس کے ساتھ تنگی کا معاملہ کیا۔

قَوْلُہٗ: زاکیة وہ نفس جس نے ابھی تک گناہ نہ کیا ہو اور زکیة وہ نفس جس نے گناہ کرنے کے بعد توبہ کر لی ہو، کسائی نے کہا ہے کہ دونوں ہم معنی ہیں۔

قَوْلُہٗ: بغیر نفس اس میں تین وجوہ اعراب ہیں ① قتلت کے متعلق ہے ② محذوف سے متعلق ہے اور فاعل یا مفعول سے حال ہے ای قتلته ظالما او مظلوما بغیر نفس ③۔ مصدر محذوف کی صفت ہو ای قتلت قتلا متلبسا بغیر نفس.

قَوْلُہٗ: لم یبلغ الحنث میں مضاف محذوف ہے، ای وقت الحنث۔ غلام کی تفسیر لم یبلغ الحنث سے کرنے کا مقصد تعیین معنی ہیں اس لئے کہ غلام کے مختلف معنی آتے ہیں مگر یہاں نابالغ لڑکا مراد ہے۔

قَوْلُہٗ: ھذا فراق یعنی ترک اجرت پر اعتراض فراق ہے یعنی وقت فراق ہے۔

قَوْلُہٗ: بینی وبینك میں بین کی اضافت غیر متعدد کی طرف ہے حالانکہ بین کی اضافت متعدد کی طرف ضروری ہوتی ہے، جیسے بیننا وبینکم میں اضافت متعدد کی طرف ہے۔

قَوْلُہٗ: واتی ھنا بالفاء العاطفة اس عبارت کے اضافہ کا مقصد اس بات کا جواب ہے کہ یہاں یعنی فقتله پر فا داخل ہے مگر سابق میں خرقھا پر فا داخل نہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

جَوَابٌ: کا خلاصہ یہ ہے کہ غلام کا قتل چونکہ کشتی سے اترنے کے بعد واقع ہوا تھا اس لئے اس کے مناسب فا تعقیبیہ لائے، بخلاف خرقھا کے کہ وہاں کشتی میں سواری کے دوران خرق واقع ہوا تھا اس لئے وہاں خرقھا کہا نہ کہ فخرقھا.

قَوْلُہٗ: لم تقتل نفسا کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ بغیر نفس میں مضاف محذوف ہے ای بغیر قتل نفس.

قَوْلُہٗ: منکرا کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ نکرا مصدر منکرا مفعول کے معنی میں ہے، سابق میں چونکہ موسیٰ

علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلطی کم تھی اس لئے وہاں لك نہیں کیا، یہاں چونکہ غلطی زیادہ ہے اس لئے لك کے ذریعہ خطاب کیا۔

قولہ: یرید کی تفسیر یقرب سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ یرید کی جدار کی طرف نسبت اسناد مجازی ہے اس لئے کہ جدار ذوارادہ اشیاء میں سے نہیں ہے لم تستطع اصل میں تستطیع تھا، لم داخل ہونے کی وجہ سے آخر میں عین ساکن ہوگئی، التقاء ساکنین ہوا اور عین میں ی ساقط ہوگئی تستطع ہوگیا۔

تفسیر وتشریح

قال الم اقل انك الخ حضرت خضر نے کہا کیا میں نے کہا نہ تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کرسکیں گے اس لئے کہ ایسے حالات اور واقعات دیکھنے میں آئیں گے جن پر آپ خاموشی کے ساتھ صبر نہ کرسکو گے سو دیکھئے آخر وہی ہوا، اس صبر نہ کرنے اور نباہ نہ ہونے سے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی منقصت نہیں بلکہ منقبت نکلتی ہے اس لئے کہ آپ کا خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بظاہر خلاف شرع حرکات پر بار بار ٹوکنا عین منصب نبوت اور غیرت ایمانی کی بنا پر تھا، بلکہ اس کے خلاف اگر ہوتا تو منقصت کی بات ہوتی، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میری بھول چوک پر مواخذہ نہ کیجئے، یہاں نسیان سے حقیقی معنی بھی مراد ہوسکتے ہیں کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام حقیقت میں اپنے وعدہ یا خضر کے قول لاتسئلنی عن شئ کو بھول گئے ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بھولے تو نہ ہوں مگر منصب نبوت کے تقاضہ اور ایمانی غیرت کی وجہ سے خاموش نہ رہ سکے ہوں مفسر علام نے ثانی معنی مراد لئے ہیں۔

فانطلقا حتی اذا لقیا غلاما فقتله عہد معاہدہ کرنے کے بعد جب یہ دونوں حضرات آگے چلے تو ایک بستی میں پہنچے اس بستی کے قریب چند لڑکے کھیل رہے تھے ان میں ایک لڑکے کو جس کا نام جیسور بتایا جاتا ہے جو نہایت ہی خوبصورت اور عقلمند تھا قتل کر ڈالا موسی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا آپ نے ایک بے گناہ شخص کو قتل کردیا جو کسی کا قاتل بھی نہیں، وہ لڑکا بالغ تھا یا نابالغ دونوں قسم کے اقوال ہیں غلام کا اطلاق دونوں ہی پر ہوتا ہے، اکثر مفسرین اس کو نابالغ ہی بیان کرتے ہیں، مفسر علام کی بھی یہی رائے ہے، لفظ زکیة سے نابالغی کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے، اگرچہ اس میں تاویل کی گنجائش ہے جیسا کہ تحقیق وترکیب کے زیر عنوان گذر چکا ہے۔

بغیر نفس یعنی اول تو نابالغ قصاص میں بھی قتل نہیں کیا جاسکتا، یہاں تو قصاص کا بھی کوئی قصہ نہیں تھا پھر اس سے بڑھ کر نامعقول بات کونسی ہوسکتی ہے یعنی آپ کی پہلی حرکت ہی نازیبا تھی مگر اس بار تو آپ نے غضب ہی کردیا کشتی کے نقصان کا تدارک تو کسی حد تک ممکن بھی تھا یہ تو جان کا معاملہ ہے اس کی تلافی کی تو کوئی صورت ہی نہیں حضرت خضر نے کہا میں نے آپ سے کہا نہ تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کرسکیں گے اس مرتبہ خفگی بڑھ گئی اسی لئے خطاب کرتے وقت ''لک'' کا لفظ بڑھا دیا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مرتبہ بھول سے نہیں بلکہ قصداً اعتراض کیا تھا اس لئے کہ احکام شریعت کی خلاف ورزی پر تحمل عام صالحین سے نہیں ہوسکتا تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تو پیغمبر تھے وہ بھلا امر منکر پر خاموش کیسے رہ سکتے تھے اسی لئے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مرتبہ سہو ونسیان کا عذر بھی پیش نہیں کیا، بلکہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا اس کے بعد اگر میں آپ کی بات پر اعتراض کروں تو آپ مجھے

ساتھ نہ رکھیں یقیناً میرے لئے آپ نے کوئی عذر باقی نہیں چھوڑا، یعنی اب کی بار اور درگذر کیجئے، ایک موقع اور دیجئے آئندہ اگر اعتراض کروں تو مجھے ساتھ نہ رکھیں آپ اس حد کو پہنچ جائیں گے کہ مجھے اپنے سے جدا کرنے میں معذور سمجھے جائیں گے۔

حضرت خضر نے وہ بات درگذر کردی، اور یہ دونوں حضرات آگے چلے اور ایک بستی میں پہنچے اور لوگوں سے ملے اور چاہا کہ بستی والے مسافر سمجھ کر مہمان نوازی کریں قدیم زمانہ میں چونکہ سراؤں اور مسافر خانوں کا رواج نہیں تھا نہ ہوٹلوں اور کھانے پینے کی دوکان کا سلسلہ تھا، مسافر بستی والوں پر اپنا حق سمجھتے تھے کہ بستی والے ان کی میزبانی کے فرائض انجام دیں اور ہر بستی والے بھی مہمان نوازی کو اپنا فرض سمجھتے تھے اس لئے کہ ہر شخص کو سفر کرنا پڑتا تھا اور ہر شخص کی یہ خواہش اور تمنا ہوتی تھی کہ اہل بستی ہماری میزبانی کے فرائض انجام دیں اور عموماً ہر بستی والے بڑی خوش دلی سے یہ فریضہ انجام دیتے تھے، مگر یہ سعادت اس بستی والوں کی قسمت میں نہیں تھی ان لوگوں نے حضرت موسی اور خضر جیسے مقربین کی مہمان نوازی سے انکار کردیا، یہ معاملہ دیکھ کر چاہئے تھا ایسے تنگ دل اور بے مروت لوگوں پر غصہ آتا مگر حضرت خضر نے غصہ کے بجائے ان پر احسان کیا، بستی میں ایک دیوار تھی جو اس قدر جھکی ہوئی تھی کہ گرنے کے قریب تھی، لوگ اس کے پاس سے گذرتے ہوئے ڈرتے تھے، حضرت خضر نے معجزانہ طور پر اس دیوار پر ہاتھ لگا کر سیدھا کردیا، اس موقع پر موسی نے کہا اگر آپ چاہتے تو اس کام کی اجرت لے سکتے تھے یعنی جس بستی والوں نے مسافروں کی مہمان نوازی کا حق ادا نہیں کیا ایسے لوگوں کی دیوار مفت درست کردینے کی کیا ضرورت تھی، اگر کچھ معاوضہ لیکر دیوار درست کرتے تو ہمارا بھی کھانے پینے کا کام چلتا، اور ان تنگ دل بخیلوں کو تنبیہ بھی ہوجاتی، اس کے جواب میں حضرت خضر نے کہا بس اب میرا اور آپ کا ساتھ ختم اب میں ان باتوں کی حقیقت بتاتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کرسکے یعنی حسب وعدہ آپ مجھ سے جدا ہوجائیے آپ کا نباہ میرے ساتھ نہیں ہوسکتا لیکن جدا ہونے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ ان واقعات کے پوشیدہ اسرار ظاہر کردوں جن کو دیکھ کر آپ سے صبر وضبط نہ ہوسکا۔

حکمت:

حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور خضر علیہ الصلاۃ والسلام کے درمیان مذکورہ تین واقعات کے پیش آنے میں حکمت یہ تھی کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو تین باتوں پر تنبیہ مقصود تھی، جب موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے کشتی توڑنے پر اعتراض کیا اور دریا میں غرق ہونے کا اندیشہ ظاہر کیا اور ظاہری اسباب کو اہمیت دی تو ندا آئی اے موسی تیری تدبیر اس وقت کہاں تھی کہ تجھے ایک تابوت میں بند کرکے دریا میں ڈالدیا گیا تھا اور جب قتل غلام پر اعتراض کیا تو ندا آئی کہ تیرا اعتراض اس وقت کہاں تھا کہ جب تو نے ایک قبطی کو قتل کردیا تھا اور جب دیوار کو مفت درست کرنے پر اعتراض کیا تو ندا آئی اس وقت تیرا اعتراض کہاں گیا تھا جب کہ تو نے پتھر ہٹا کر شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کی بیٹیوں کی بکریوں کو بلا اجرت پانی پلایا تھا۔ (صاوی)

أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِينَ عشرة **يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ** بالسفينة مُؤَاجَرَةً لها طلبًا لِلْكَسْبِ

فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ اِذَا رَجَعُوا اَوْ اَمَامَهُمُ الآن مَّلِكٌ كَافِرٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ صالحةٍ غَصْبًا﴿۷۹﴾ نَصْبُه على المصدر المُبَيِّن لِنَوْعِ الاخذ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا﴿۸۰﴾ فَاِنَّهُ كَمَا فِي حَدِيْثِ مُسْلِمٍ طُبِعَ كَافِرًا ولَوْ عَاشَ لَاَرْهَقَهُمَا ذٰلِكَ اَيْ لِمَحَبَّتِهِمَا لَهُ يَتَّبِعَانِهِ فِيْ ذٰلِكَ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا بالتشديد والتخفيف رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً اي صَلَاحًا وتُقًى وَّاَقْرَبَ منه رُحْمًا﴿۸۱﴾ بسكون الحاء وضمها رَحْمَةً وهي البِرُّ بوَالِدَيْهِ فَاَبْدَلَهُمَا اللّٰهُ تعالٰى جارِيَةً تَزَوَّجَتْ نَبِيًّا فَوَلَدَتْ نَبِيًّا فهدى اللّٰه تعالٰى به اُمَّةً وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ مالٌ مَدْفُونٌ مِن ذَهَبٍ وفِضَّةٍ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا فَحُفِظَا بصَلَاحِهِ فى اَنْفُسِهِمَا ومالِهِمَا فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا اى اِيْنَاسَ رُشْدِهِمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ مفعول له عامله اَرَادَ وَمَا فَعَلْتُهٗ اى ماذُكِرَ مِن خَرْقِ السَّفِيْنَةِ وَقتلِ الغلام وإقامَةِ الجِدار عَنْ اَمْرِيْ اى اِخْتِيَارِيْ بَلْ بِاَمْرِ الهامٍ مِنَ اللّٰهِ تعالٰى ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا﴿۸۲﴾ يقال اسطاع واستطاع بمعنى اَطَاقَ ففى هذا وَمَا قبلَه جَمْعٌ بَيْنَ اللُّغَتَيْنِ ونُوِّعَتِ العبارةُ فى فَاَرَدْتُّ فَاَرَدْنَا فَاَرَادَ رَبُّكَ.

ترجمہ: بہرحال وہ کشتی چند یعنی دس غریب آدمیوں کی تھی جو دریا میں اس کشتی کو کرایہ پر چلا کر روزی کماتے تھے میں نے چاہا کہ اس کو عیب دار کردوں اور اس کے آگے ایک کافر بادشاہ تھا جو ہر صحیح سالم کشتی کو غصب کر لیتا تھا غصبا کا نصب ان مصدر یہ کی بنا پر ہے جو کہ بیان نوعیت کے لئے ہے بہرحال لڑکا، تو اس کے ماں باپ مومن تھے پس ہمیں یہ اندیشہ ہوا کہ یہ لڑکا ان دونوں پر سرکشی اور کفر سے چھا جائے گا مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ وہ لڑکا فطرت کفر پر پیدا کیا گیا تھا اگر وہ زندہ رہتا تو یقیناً وہ اپنے والدین پر غالب آجاتا اور وہ اس سے محبت کی وجہ سے کفر میں اس کی اتباع کرتے، اس لئے ہم نے چاہا کہ ان کا پروردگار اس کے بدلے میں پاکیزگی اور صلاح وتقویٰ کے اعتبار سے اس سے بہتر اور محبت وشفقت میں اس سے بڑھ کر عطا فرمائے یبدلھما دال کی تشدید اور تخفیف دونوں ہیں رحما میں ح کا سکون اور ضمہ دونوں ہیں بمعنی رحمت والدین کی اطاعت وفرمانبرداری ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو لڑکے کے بدلے میں ایک لڑکی عطا فرمائی جس نے ایک نبی سے شادی کی تو اس سے ایک نبی پیدا ہوئے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ایک امت کو ہدایت نصیب فرمائی۔

اب رہی دیوار تو وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی جو اس شہر میں رہتے تھے اور اس کے نیچے ان کا ایک خزانہ سونے چاندی کی قسم کا مال مدفون تھا اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا چنانچہ اس کے صلاح وتقویٰ کی وجہ سے ان کی جان ومال محفوظ رہے اس لئے آپ کے پروردگار نے چاہا کہ دونوں بچے جوان ہو جائیں یعنی کمال قوت کو پہنچ جائیں اور اپنا خزانہ نکال لیں آپ کے رب کی مہربانی سے رحمة مفعول لہ ہے اس کا عامل اراد ہے اور میں نے یہ کام جو ماقبل میں مذکور ہوئے یعنی کشتی کو توڑنے غلام کو قتل کرنے اور

دیوار کو درست کرنے کے اپنے اختیار سے نہیں کئے بلکہ منجانب اللہ الہام کے ذریعہ کئے تھے یہ ہے حقیقت ان کاموں کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا اسطاع اور استطاع اطاق کے معنی میں مستعمل ہے اس میں اور ماقبل میں دونوں لغتوں کا اجتماع ہے اور اردت اور ارادربك اور اردنا میں عبارت میں تنوع اختیار کیا گیا ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: السفینة (ج) سفین وسفائن.

قِوْلَہٗ: وراء ھم یہ اضداد میں سے ہے اس کے معنی آگے اور پیچھے کے ہیں یہ دراصل مصدر ہے اس کے معنی ہیں آڑ، حد فاصل، اضمار قد کے ساتھ جملہ حالیہ ہے۔

قِوْلَہٗ: غصبا یاخذ کا مفعول مطلق بیان نوع کے لئے ہے یاخذ چونکہ غصب کے معنی کو متضمن ہے لہٰذا تقدیر عبارت اس طرح ہوگی غصب غصبا وراء ھم کی تفسیر رجعوا اور امامھم سے کرکے اشارہ کردیا کہ وراء اضداد میں سے ہے یہ دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

قِوْلَہٗ: سفینة اس کی صفت صالحة محذوف ہے ای کل سفینة صالحة حضرت ابی اور ابن عباس کی قراءت میں صالحة کا لفظ موجود ہے۔

قِوْلَہٗ: فخشینا ان یرھقھما ای یرھق الغلام ابویه یقال رھقه ای غشیه ۔ طغیانا، یرھقھما کا مفعول ہے، اور کفرا کا عطف طغیانا پر ہے رحما مصدر ہے بمعنی شفقت مہربانی (س) رحمة ورحما مہربان ہونا زکوة اور رحما خیرا سے تمیز واقع ہیں، خیرا یہاں اسم تفضیل کے معنی میں نہیں ہے۔

قِوْلَہٗ: رحمة یا تو یبلغا اور یستخرجا کا مفعول لہ ہے یا فعل محذوف فعلته کا مفعول بہ ہے۔

قِوْلَہٗ: اسطاع یسطیع حذف تا کے ساتھ استطاع یستطیع میں دوسری لغت ہے۔

تفسیر وتشریح

أما السفینة یعنی وہ کشتی جس کو توڑ دیا تھا چند نادار اور غریب آدمیوں کی تھی اور وہ کشتی جدھر جارہی تھی اس طرف ایک ظالم کافر بادشاہ کی عملداری تھی جو ہر صحیح سالم کشتی کو غصب کر لیتا تھا اور ان غریبوں کی یہ کشتی ہی ذریعہ معاش تھی جس کے کرایہ کی آمدنی سے اپنا گذارہ کرتے تھے اگر میں اس کشتی میں سوراخ کرکے عیب دار نہ کرتا تو وہ بادشاہ اسے بھی چھین لیتا جس کی وجہ سے یہ بیچارے ذریعہ معاش سے بھی محروم ہو جاتے۔

مولانا رومی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اس مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے:

خضر در بحر کشتی را شکست صد درستی در شکست خضر ہست

ترجمہ: اگر خضر نے دریا میں کشتی توڑ دی تو کیا برا کیا، خضر کے کشتی توڑنے میں سینکڑوں مصلحتیں ہیں۔

اس ظالم بادشاہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ غسانی تھا اور اس کا نام جیسور تھا۔

فائدہ: مسکین اور فقیر میں کیا فرق ہے؟ مسکین کی حالت زیادہ ابتر ہوتی ہے یا فقیر کی؟ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فقیر، مسکین کی بہ نسبت زیادہ خستہ حال ہوتا ہے اس لئے کہ مسکین اس کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ نہ کچھ ہو اور **اما السفینة فکانت لمساکین** سے استدلال کرتے ہیں اس لئے کہ ان کے پاس کشتی ہونے کے باوجود ان کو مسکین کہا گیا ہے، امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں عرف میں مسکین فقیر کی نسبت زیادہ خستہ حال سمجھا جاتا ہے، اس لئے کہ مسکین وہ شخص جس کے پاس کچھ نہ ہو اور فقیر وہ شخص جس کے پاس گذارہ کے قابل نہ ہو، سورۂ بلد آیت ۱۶ میں **او مسکینا ذا متربة** خاک نشین مسکین یعنی جس کے پاس بچھونا تک نہ ہو زمین پر پڑا رہتا ہو، رہا **فکانت لمساکین** سے استدلال تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نسبت ادنیٰ تعلق کی وجہ سے مجازاً ہے جیسا کہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ کشتی ان کی ملک نہ تھی بلکہ کسی اور کی تھی ان کے پاس کرایہ یا عاریت پر تھی اسی وجہ سے کشتی کی نسبت ان کی طرف کر دی ہے۔

(شامی کتاب الزکوۃ باب المصرف بحوالہ ہدایت القرآن)

دوسرا واقعہ لڑکے کو قتل کرنے کا ہے حضرت خضر کو بذریعہ وحی معلوم ہوا کہ یہ لڑکا اپنی سرشت اور جبلت کے اعتبار سے کافر تھا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر اپنے والدین کے لئے فتنہ بنے گا، والدین اپنی طبعی محبت کی وجہ سے بے دینی میں بھی اس کا ساتھ دیں گے، اس لئے حضرت خضر نے اس کو قتل کر دیا، اور یہ قتل اس کے والدین کے حق میں رحمت اور ان کے دین کی حفاظت کا ذریعہ بن گیا اور طبعی طور پر ان کو جو صدمہ پہنچا تھا حق تعالیٰ نے اس کی تلافی ایسی اولاد سے کر دی جو پاکیزگی میں مقتول لڑکے سے بہتر تھی اور ماں باپ پر شفقت اور مہربانی میں بڑھ کر تھی، کہتے ہیں کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک لڑکی دی جو ایک نبی سے منسوب ہوئی اور ایک نبی اس سے پیدا ہوئے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ایک امت کو ہدایت دی۔ (فوائد عثمانی) بعض حضرات نے کہا ہے کہ اب صالح بلا واسطہ اب تھا اور بعض نے کہا کہ اب ساتویں پشت میں دادا تھا کہتے ہیں کہ اس کا نام کاشحا اور اس کی والدہ کا نام دنیا تھا، اس واقعہ سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ اصول کا تقویٰ فروع کے لئے نافع ہوتا ہے۔

(صاوی)

فائدہ: یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں:

پہلا سوال: یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ وہ لڑکا بڑا ہو کر کافر ہوگا اور اپنے والدین کو بھی گمراہ کرے گا تو پھر علم الٰہی کے مطابق ایسا ہونا ضروری تھا اس لئے کہ علم الٰہی کے خلاف کوئی چیز نہیں ہو سکتی پھر وہ کیسے قتل کیا گیا اللہ تعالیٰ کے علم کے خلاف یہ واقعہ کیونکر رونما ہوا؟

دوسرا سوال: یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو اس کے والدین کو ایمان پر قائم رکھنا مقصود تھا اور اسی وجہ سے حکمت الٰہیہ مقتضی ہوئی کہ پیش آنے والی رکاوٹ کو دور کر دیا جائے اور خضر کو حکم دے کر اس لڑکے کو قتل کرا دیا تو اس سے بہتر تو یہ تھا کہ اس لڑکے کو پیدا

ہی نہ کرتے یا کرتے تو اس کو کافر نہ ہونے دیتے یا جہاں لاکھوں کافر دنیا میں موجود ہیں اس کے والدین کو ہی کافر بن جانے دیتے دونوں سوالوں کے جوابات درج ذیل ہیں:

سوال اول کا جواب: یہ کہ علم ہمیشہ معلوم کے تابع ہوتا ہے نہ کہ معلوم علم کے، مثلاً کسی شخص نے دارالعلوم دیوبند کی مسجد رشید دیکھی، مسجد کو دیکھ کر اس کو ایک علم حاصل ہوا تو یہ علم معلوم یعنی مسجد کے تابع ہوگا یعنی جیسی مسجد ہے ویسا ہی اس کو علم حاصل ہوا ہے اور علم واقعہ کے مطابق ہے اور اگر کوئی شخص اپنے ذہن میں مسجد رشید کی خیالی صورت بنالے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ واقعی مسجد رشید کے مطابق ہو کیونکہ معلوم کبھی بھی علم کے تابع نہیں ہوتا بلکہ اس علم ہی کو خلاف واقعہ کہا جائے گا۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ علم الٰہی اور علم مخلوق میں یہ فرق تو بہر حال ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم حضوری ہے یعنی معلوم کے وجود کا محتاج نہیں اور بندوں کا علم کسبی ہے یعنی معلومات کے وجود کا محتاج ہے، اگر چہ وہ وجود وجود ذہنی ہی کیوں نہ ہو مگر جہاں تک تبعیت کا تعلق ہے دونوں کا معاملہ یکساں ہے، لہٰذا سائل کی یہ تعبیر ہی صحیح نہیں ہے کہ اس لڑکے کا علم الٰہی کے مطابق کافر ہونا ضروری تھا یہ تعبیر تو اس وقت صحیح ہوسکتی تھی کہ جب معلوم علم کے تابع ہوتا بلکہ صحیح تعبیر یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہونے والا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ازل سے جانتے ہیں کیونکہ اس کا علم حضوری ہے معلومات کے وجود سے پہلے بھی اس کو معلومات کا علم حاصل ہے مگر ازل میں اللہ تعالیٰ کے جاننے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ویسا ہی ہو جائے کیونکہ معلوم علم کے تابع نہیں ہوتا ہاں یہ بات ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل میں وہی بات جانے جو ہونے والی ہے کیونکہ اس کا علم خلاف واقعہ نہیں ہوسکتا ورنہ صفت علم میں کذب (خلاف واقعہ) لازم آئے گا جو محال ہے۔

خلاصۂ جواب یہ ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ کے علم میں صرف یہی بات نہیں تھی کہ وہ لڑکا بڑا ہو کر کافر ہوگا اور اس کے والدین اس کے فتنہ میں مبتلا ہوں گے بلکہ علم الٰہی میں پوری تفصیل موجود تھی کہ اگر وہ لڑکا بالغ ہوتا تو کافر ہوتا اور اپنے والدین کے لئے خطرہ بنتا مگر چونکہ وہ سن بلوغ سے پہلے ہی مرجائے گا اس لئے نہ وہ کافر ہوگا اور نہ اس کے والدین اس کے فتنہ میں مبتلا ہوں گے۔

یہ درحقیقت تقدیر کا مسئلہ ہے تقدیر کا حاصل یہ ہے کہ بندے جو نیک و بد کام کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ازل سے جانتے ہیں مگر اس جاننے سے انسان ویسا کرنے پر مجبور نہیں ہوجاتا اس لئے کہ معلوم علم کے تابع نہیں ہوتا بلکہ بندہ اپنے ارادہ اور مرضی سے جو نیک و بد کرنے والا ہے ان کو اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا ہے اور یہ جاننا مطابق واقعہ ہے کیونکہ علم معلوم ہی سے ماخوذ ہوتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے علم کے خلاف اس لئے نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ وہی جانتا ہے جو ہونے والا ہے اگر اس کے خلاف ہوجائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا علم واقعہ کے مطابق نہیں تھا۔ (**تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا**) اس مضمون کی تعبیر اس طرح بھی کی جاسکتی ہے کہ تقدیر کے معنی ہیں پلاننگ کرنا، اللہ تعالیٰ نے ازل میں کائنات کے لئے جو اندازہ مقرر کیا ہے اس میں انسان کے لئے ایک جزوی اختیار رکھنے والی مخلوق ہونا طے کیا گیا ہے، لہٰذا انسان اپنی مرضی سے جو کام کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ ازل سے جانتے ہیں، اس کے برخلاف نہیں جانتے، علم الٰہی کے خلاف ہوسکنے یا نہ ہوسکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دوسرے سوال کا جواب: یہ ہے کہ تکوینیات کے بارے میں انسان کا علم نہ ہونے کے برابر ہے، حضرت خضر نے اس سے تو پردہ اٹھایا کہ اس لڑکے کو مار ڈالنے میں یہ حکمت تھی مگر یہ بات کوئی نہیں جانتا کہ اس کو پیدا کرنے میں کیا حکمت تھی مثلاً انسان کے بدن میں کئی جگہ بال اگتے ہیں ناخن بڑھتے ہیں شریعت کا حکم یہ ہے کہ ان کو صاف کیا جائے اور یہ نظافت کا تقاضہ ہے، مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ان کو کاٹنا ضروری ہے تو آخر اللہ تعالیٰ ان بالوں کو پیدا ہی کیوں فرماتے ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کی حکمت اللہ ہی بہتر جانتے ہیں ہم نہیں جانتے البتہ ہم اجمالاً یہ بات جانتے ہیں کہ ان بالوں کو پیدا کرنے میں کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہے اسی طرح اس لڑکے کے پیدا کرنے میں کوئی مصلحت ضرور ہوگی جو ہم نہیں جانتے، خضر نے بھی اس راز سربستہ کو نہیں کھولا، اس لئے عقل انسانی کے لئے بجز اعتراف عجز وقصور کے کوئی راہ نہیں، ہمیں تو بس یہ قاعدہ یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا میں جو چیزیں بظاہر خراب مہلک اور بری، مضر اور نقصان دہ سمجھی جاتی ہیں ان میں بھی مجموعۂ عالم کے لحاظ سے بے شمار فوائد ہیں۔

(هدایت القرآن)

واما الجدار فکان اب تیسرے اور آخری واقعہ کی حقیقت سنئے ارشاد ہے، دیوار کے واقعہ کی حقیقت یہ ہے کہ اس شہر میں دو یتیم بچے رہتے ہیں جن کا خزانہ ان کی اس دیوار کے نیچے دفن ہے، ان کا باپ بڑا نیک اور صالح شخص تھا تو تیرے رب کی مرضی یہ تھی کہ دونوں یتیم بچے جوان ہو جائیں اور اپنا خزانہ تیرے رب کی مہربانی اور رحمت سے نکال لیں، میں نے اپنی رائے واجتہاد سے کوئی کام نہیں کیا، یہ تھی اصل حقیقت ان واقعات کی۔

حضرت ابوالدرداء رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ اس دیوار کے نیچے سونے چاندی کا ذخیرہ تھا (رواہ الترمذی والحاکم) جوان کو ان کے باپ سے میراث میں پہنچا تھا، اگر دیوار گر جاتی تو وہ دفینہ ظاہر ہو جاتا اور بدنیت لوگ اس کو لیجاتے بچوں کا باپ چونکہ نیک آدمی تھا اس لئے اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس کے مال کو اس کی اولاد کے لئے محفوظ رکھا اور حضرت خضر کے ذریعہ دیوار کی مرمت کرادی جس کی وجہ سے مال محفوظ ہو گیا اور یہ سب رحمت خداوندی تھی اور حضرت خضر کا دیوار کو درست کرنا یہ بامر خداوندی تھا، اور جو کام امر خداوندی سے کرنا ضروری ہو اس پر اجرت لینا درست نہیں، یہیں سے یہ ضابطہ بنا ہے کہ طاعت مقصودہ پر اجرت لینا باطل ہے، یہ ہے حقیقت ان باتوں کی جن پر تم کو صبر نہ ہو سکا، لہٰذا الوداع۔۔۔۔

فائدہ: دنیا میں ہر کام خواہ اچھا ہو یا برا اللہ کی مشیت اور ارادہ سے ہوتا ہے خیر وشر سب اسی کی مخلوق ہے مگر ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ شر اور حقیر وذلیل چیزوں کی تخلیق کی نسبت اس کی طرف نہ کی جائے مثلاً یوں نہ کہا جائے، اے خالق الشر! یا اے خالق البعوضۃ والذباب! چنانچہ حضرت خضر نے جب کشتی توڑنے کا ذکر کیا تو چونکہ وہ کام بظاہر ایک برا کام تھا اس لئے اس کے ارادہ کی نسبت اپنی طرف کی اور ''اردت'' فرمایا اسی طرح لڑکے کو قتل کرنے اور اس کے بدلے میں اس سے بہتر اولاد دینے کا ذکر کیا تو اس کا قتل چونکہ برائی تھی اور بہتر اولاد دینا ایک بھلائی تھی اس لئے امر مشترک ہونے کی وجہ سے جمع متکلم کا صیغہ استعمال کیا تا کہ جتنا بظاہر شر ہے وہ اپنی طرف اور جو خیر ہے وہ اللہ کی طرف منسوب ہو جائے اور تیسرے واقعہ میں

دیوار کو درست کر کے یتیموں کا مال محفوظ کر دینا سراسر خیر ہی خیر تھا، اس لئے اس کی پوری نسبت اللہ کی طرف کرتے ہوئے فاراد ربك فرمایا۔ (معارف القرآن)

وَيَسْئَلُوْنَكَ ای الیھودُ عَنْ ذِی الْقَرْنَيْنِ اِسْمُهٗ اِسکندرُ وَلَمْ یَکن نبیًّا قُلْ سَاَتْلُوْا سَاَقُصُّ عَلَيْكُمْ مِّنْهُ مِن حَالِهٖ ذِكْرًا ﴿۸۳﴾ خبرًا اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِی الْاَرْضِ بِتَسهِیلِ السَّیرِ فیھا وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ یَحتاجُ الیه سَبَبًا ﴿۸۴﴾ طریقا یُوصِلُ الٰی مُرادِہٖ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۵﴾ سَلَکَ طَرِیْقًا نحوَ المغربِ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ مَوضِعَ غروبِھا وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ ذات حَمْأَۃٍ وھی الطِینُ الاَسوَدُ وغُروبُھا فی العین فی رَأیِ العَینِ والّافھِیَ اَعظَمُ من الدنیا وَّوَجَدَ عِنْدَهَا ای العینِ قَوْمًا ۬ کافرین قُلْنَا یٰذَا الْقَرْنَيْنِ بالِھام اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ القومَ بالقتلِ وَاِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ﴿۸۶﴾ بالاَسرِ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ بالشِرکِ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ نَقتُلُه ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۷﴾ بسکونِ الکاف وضمھا شدیدًا فی النار وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨ الْحُسْنٰى ای الجنۃَ والاضافۃُ لِلبَیانِ وفی قراءۃٍ بنصبِ جزاءٍ وتنوینِه قال الفراء نصبه علی التفسیر ای لجھۃ النسبۃ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿۸۸﴾ ای نامُرُہ بِمَا یَسھُلُ علیه ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾ نحوَ المشرِقِ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ موضعَ طلوعِھا وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ ھم الزَّنجُ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا ای الشمس سِتْرًا ﴿۹۰﴾ من لباسٍ ولا سَقفٍ لِاَنَّ اَرضَھُم لاتَحمِلُ بناءً ولھم سروبٌ یَغِیبُوْنَ فیھا عند طلوع الشمسِ ویظھَرون عند اِرتفاعِھا كَذٰلِكَ ای الامرُ کما قلنا وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ ای عند ذی القرنین من الاٰلات والجُندِ وغیرھما خُبْرًا ﴿۹۱﴾ عِلمًا

ترجمہ: یہود آپ سے ذوالقرنین کا واقعہ دریافت کرتے ہیں اس کا نام اسکندر ہے اور وہ نبی نہیں تھا آپ کہہ دیجئے میں تم کو اس کا کچھ حال سناتا ہوں زمین میں سفر آسان کر کے ہم نے اس کو زمین میں قدرت عطا فرمائی تھی اور ہم نے اس کو ہر قسم کے وسائل جن کی (بادشاہوں) کو ضرورت ہوتی ہے بخشے تھے ایسے وسائل کہ جن کے ذریعہ اس کو اپنے مقصد تک رسائی حاصل ہو سکے، چنانچہ وہ مغرب کی جانب ایک راستہ پر ہولیا، یہاں تک کہ جب وہ انتہائے مغرب میں پہنچ گیا، تو اس کو آفتاب ایک گدلے چشمہ میں ڈوبتا ہوا نظر آیا، کالی مٹی والے چشمہ میں، حمأۃ کالی مٹی اور آفتاب کا چشمہ میں غروب ہونا یہ دیکھنے والے کی نظر میں (محسوس ہوتا) تھا ورنہ آفتاب تو دنیا سے بہت بڑا ہے اور اس کو وہاں چشمہ کے پاس ایک کافر قوم ملی ہم نے بذریعہ الہام اس سے کہا یا تو تم اس قوم کو قتل کے ذریعہ سزا دو یا قید کر کے ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرو تو کہا جو شخص شرک کر کے ظلم کرے گا تو اس کو قتل کی سزا دیں گے پھر وہ اپنے رب کی جانب لوٹایا جائے گا پس وہ اس کو اور بھی سخت سزا دے گا نکرا کاف کے سکون اور ضمہ دونوں کے ساتھ ہے یعنی آگ کا شدید عذاب اور جو ایمان لائے گا اور نیک اعمال کرے گا تو اس کے لئے بدلے میں بھلائی ہوگی یعنی جنت اور اضافت بیانیہ ہے اور ایک قراءت میں

جزاءً کے نصب اور تنوین کے ساتھ ہے، اور فراء نے کہا ہے اس کا نصب جہت نسبت کی تفسیر کی وجہ ہے اور ہم اسے اپنے کام میں بھی آسانی کا حکم دیں گے یعنی ایسی باتوں کا جو اس کے لئے آسان ہوں گی پھر وہ مشرق کی جانب (دوسرے) راستہ پر چل پڑا یہاں تک کہ جب وہ مطلع شمس یعنی طلوع آفتاب کے مقام (انتہائے مشرق) پر پہنچا تو اس نے آفتاب کو ایک ایسی قوم پر طلوع ہوتے دیکھا اور وہ زنجی قوم تھی کہ ہم نے ان کے لئے آفتاب سے بچاؤ کی کوئی آڑ جیسے لباس وغیرہ نہیں رکھی تھی اس لئے کہ ان کی زمین عمارت کی متحمل نہیں تھی اور ان کے لئے بھٹ تھے جن میں وہ طلوع آفتاب کے وقت چھپ جاتے تھے اور غروب کے وقت نکلتے تھے بات ایسی ہی ہے جیسا کہ ہم نے کہا اور ہم نے اس کی یعنی ذوالقرنین کی تمام چیزوں کا علمی احاطہ کر رکھا ہے خواہ وہ آلات حرب کے قبیل سے ہوں یا لشکر وغیرہ کے قبیل سے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَهُ: سأتلوا سین محض تاکید کے لئے ہے استقبال کے لئے نہیں ہے اس لئے کہ پورا کلام مسلسل نازل ہوا ہے۔

قِوْلَهُ: منه میں دو احتمال ہیں اول یہ کہ من تبعیضیہ ہے اور ضمیر ذوالقرنین کی طرف راجع ہے اور مضاف محذوف ہے ای من اخباره جار مجرور در حقیقت ذکرا کی صفت ہیں مگر مقدم ہونے کی وجہ سے حال واقع ہیں، دوسرا احتمال یہ ہے کہ منه کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہو اور من ابتدائیہ ہو یعنی میں اللہ کی طرف سے یہ احوال پڑھ کر سناتا ہوں، مگر یہ احتمال ضعیف ہے، ذکرا، سأتلوا کا مفعول بہ ہے اور اگر اتلوا أذکر کے معنی میں ہو تو ذکرا مفعول مطلق ہوگا، ای سأذکر ذکرا، ذکرا پہلی صورت میں نبأ کے معنی میں ہوگا اور دوسری صورت میں قرآن کے معنی میں ہوگا منه کی تفسیر من حاله سے کرنے کا مقصد مضاف محذوف کی طرف اشارہ کرنا ہے اس لئے کہ سوال احوال سے ہوتا ہے نہ کہ ذات سے۔

قِوْلَهُ: مکنا تمکین سے قدرت دینا، قدم جمانا۔

قِوْلَهُ: سبب رسی، ذریعہ، وسیلہ (ج) اسباب۔

قِوْلَهُ: وجد بمعنی رأی دیکھا، محسوس کیا حمئة حمی (س) سے صفت مشبہ حمئا حمأ الماء پانی گدلا ہوگیا الحمئة کالی مٹی۔

قِوْلَهُ: اما یہ ان اور ما سے مرکب ہے اور یہ حرف تفصیل ہے اور أن تعذب میں أن مصدریہ ہے اور جملہ بتاویل مصدر ہو کر یا تو مبتداء ہے اور خبر محذوف ہے ای اما تعذیبك واقع یا خبر ہے اور مبتداء محذوف ہے ای اما امر تعذیبك یا فعل محذوف کا مفعول ہے ای اما توقع تعذیبك اور اما تتخذ میں بھی یہی احتمالات ہیں۔

قِوْلَهُ: فی رأی العین کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ وجد اپنے حقیقی معنی میں نہیں ہے بلکہ نظر آنے یا محسوس کرنے کے معنی میں ہے اس لئے کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ آفتاب زمین کے کسی چشمے میں غروب ہو اس لئے کہ آفتاب تیرہ لاکھ زمینوں کے

مساوی ہے اوراس کا قطر چھیاسی لاکھ پینسٹھ ہزار (۸٦٦۵۰۰۰) میل ہے، (فلکیات جدیدہ) آفتاب کا چشمے میں غروب ہوتا نظر آنا ایسا ہی ہے جیسا کہ دیکھنے والے کو آسمان چاروں طرف افق سے متصل معلوم ہوتا ہے حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے، اسی طرح اگر آپ ریل کی لائن پر کھڑے ہو کر لائن کو دور تک دیکھیں تو آپ کو دونوں لائنیں آپس میں ایک دوسرے سے قریب ہوتی نظر آئیں گی حتی کہ آخر میں ملی ہوئی محسوس ہوں گی حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا۔

قَوْلُہٗ: حسنا اس کا مضاف محذوف ہے ای ذا حسن یا مصدر کا حمل مبالغۃ ہے۔

قَوْلُہٗ: اما من ظلم، اما حرف تفصیل ہے مگر اس میں شرط کے معنی بھی ہیں اسی لئے اس کے جواب پر فا کالانا ضروری ہے۔

قَوْلُہٗ: فله جزاء، لهٗ خبر مقدم ہے اور الحسنٰی مبتداء مؤخر ہے، جزاء حال ہے یا تمیز ہے ای لهُ الحسنیٰ جزاء کما یقال لك هذا الثوب هبة.

قَوْلُہٗ: یسرا کا مضاف محذوف ہے ای ذا یسر یا پھر مصدر کا حمل مبالغۃ ہے۔

قَوْلُہٗ: لم نجعل، قوم کی صفت ہے۔

قَوْلُہٗ: کذلك مبتداء محذوف کی صفت ہے ای الامر کذلك.

قَوْلُہٗ: احطنا کے لئے سورۂ کہف کی آیت ٦۸ دیکھئے احطنا جملہ مستانفہ ہے خبرا خبر کا مصدر ہے (ک ف) خبر الشئ وبه حقیقت حال سے واقف ہونا۔

قَوْلُہٗ: بالهام سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ذوالقرنین نبی نہیں تھے بلکہ ایک صالح بادشاہ تھے۔

قَوْلُہٗ: سنقول کی تفسیر نامرہ سے کرنے کا مقصد تعیین معنی ہے اس لئے کہ قول مختلف معنی میں مستعمل ہے۔

تَفسِیر وتَشریح

ویسئلونك عن ذی القرنین:

آغاز واقعہ:

آپ ﷺ کی بعثت کے بعد جب اسلام کی روشنی کی کرن نمودار ہوئی اور کفر کی ظلمت کے دبیز پردے چاک ہونے لگے تو کفر کے ظلمت کدہ مکہ میں ہنگامہ برپا ہو گیا اس بات کی متفقہ کوشش ہونے لگی کہ بہر صورت اس روشنی کو گل کر دیا جائے، مگر اس روشنی کو گل کرنے کی جس قدر زیادہ کوشش ہونے لگی روشنی اتنی ہی تیزی سے پھیلنے لگی، حتی کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ مکہ کا کوئی گھر خالی نہ رہا کہ جہاں اس روشنی کی کرن نہ پہنچی ہو، جس کی وجہ سے ہر گھر میں کفر و اسلام کا معرکہ بپا نہ ہوا ہو، گھر میں اگر باپ کافر ہے

تو بیٹا مسلمان، ماں مسلمان ہے تو بیٹی کافرہ، اگر ایک بھائی مسلمان ہے تو دوسرا کافر، غرضیکہ کوئی گھر ایسا نہ تھا کہ جہاں کفر و اسلام کی محاذ آرائی نہ ہو، آخر مجبور ہو کر اہل مکہ نے یہ سوچا کہ محمد ﷺ کے دعوائے نبوت کے بارے میں اہل کتاب سے معلوم کیا جائے کہ اس کی کیا حقیقت ہے، آیا محمد ﷺ اپنے دعوائے نبوت میں سچے ہیں یا یہ کوئی مکروفریب ہے، چنانچہ قریش نے ایک وفد تشکیل دیا جس میں نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو علماء یہود کے پاس مدینہ یہ پیغام دے کر بھیجا کہ آپ کے پاس انبیاء سابقین کا علم ہے اور آئندہ آنے والے انبیاء کے بارے میں پیشین گوئیاں ہیں لہٰذا محمد ﷺ کے بارے میں یہ بتاؤ کہ ان کے دعوائے نبوت کے بارے میں آپ کی کتابوں میں کوئی تذکرہ ہے یا نہیں؟ علماء یہود نے جواب دیا کہ تم ان باتوں کو تو چھوڑو ہم تم کو تین سوال بتاتے ہیں اگر وہ ان کا جواب صحیح دیدیں تو سمجھ لینا کہ وہ اپنے دعوائے نبوت میں برحق ہیں اور اگر جواب نہ دے سکیں تو سمجھ لینا کہ وہ دعوائے نبوت میں کاذب و مفتری ہیں ① روح کی حقیقت کیا ہے ② اصحاب کہف کون تھے؟ ③ سکندر ذوالقرنین کون تھا؟ یہ قریشی وفد خوش و خرم مکہ واپس ہو گیا اور مکہ والوں سے جا کر کہا ہم ایک فیصلہ کن بات لیکر آئے ہیں اور مذکورہ تینوں سوالات ان کو بتائے چنانچہ مکہ کے سرداروں کا ایک نمائندہ وفد ان سوالوں کو لیکر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آپ کے سامنے مذکورہ تینوں سوالات رکھے، آپ نے فرمایا ان کا جواب میں کل دوں گا، دو کا ذکر سابق میں گذر چکا ہے روح کے بارے میں سورۂ بنی اسرائیل کے آخر میں اور اصحاب کہف کے بارے میں سورۂ کہف میں آپ نے پڑھا یہاں سے تیسرے سوال کے جواب کا آغاز ہوتا ہے۔

یہ یہود آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرتے ہیں سوال کی نسبت علامہ جلال الدین نے یہود کی جانب کی ہے حالانکہ سوال کرنیوالے اہل مکہ تھے مگر چونکہ اہل مکہ نے سوالات یہود کے سکھانے سے کئے تھے اور اصل سائل یہود ہی تھے اسلئے یہود کی جانب نسبت کی ہے۔

اسکندر نام اور ذوالقرنین لقب کے کئی بادشاہ دنیا میں گذرے ہیں، ذوالقرنین کے معنی ہیں دو سینگوں والا، یہ لقب کیوں پڑا اس میں بہت اختلاف ہے جس کا ذکر تحقیق و ترکیب کے زیر عنوان گذر چکا ہے، یہ لقب قرآن کریم کا دیا ہوا نہیں ہے بلکہ پہلے سے مشہور چلا آرہا تھا، چنانچہ یہود نے اسی نام سے سوال کیا، اس نام اور لقب کے دو بادشاہ زیادہ مشہور گذرے ہیں، ایک حضرت ابراہیم کا معاصر ہے جو نمرود کے بعد ہوا ہے یہ بادشاہ موحد اور دین حق کا پیرو تھا، حضرت ابراہیم پر ایمان لایا تھا اور تعمیر کعبہ کے بعد حضرت ابراہیم کے ساتھ حج بھی کیا تھا یہ بادشاہ ۲۰۰۰ قبل مسیح میں گذرا ہے، بعض حضرات اس کو یونانی کہتے ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ فارسی ہے اس کو یونانی زبان میں ''سائرس'' اور عربی زبان میں ''کیخسرو'' اور فارسی میں ''گورش'' کہتے ہیں اور یہود اس کو ''خورس'' کہتے ہیں یہ نہایت خدا ترس اور عادل بادشاہ تھا۔

دوسرا بادشاہ سکندر رومی ہے جو سکندر یونانی، مقدونی، رومی کے لقب سے مشہور ہے، یہ تقریباً تین سو سال قبل مسیح گذرا ہے اس کا وزیر اور استاد ارسطو تھا جو کہ مشرک تھا اور یہ اسکندر بھی مشرک اور ظالم تھا بلکہ خود کو ایک دیوتا کا مظہر کہتا تھا یہی وہ سکندر ہے جس نے دارا کو شکست دی تھی، بعض حضرات نے اس کو بھی قرآنی ذوالقرنین کہہ دیا ہے جو سراسر غلط ہے، اس لئے کہ یہ شخص آتش پرست تھا اور قرآن

حکیم نے جس ذوالقرنین کا ذکر کیا ہے اس کے نبی ہونے میں تو علماء کا اختلاف ہے مگر مومن، صالح ہونے میں سب کا اتفاق ہے۔

قرآنی ذوالقرنین نے بہت طویل عمر پائی ہے حضرت ابراہیم کے زمانہ سے اسرائیلی دانیال کے زمانہ تک زندہ رہے، اسی نے بخت نصر کو شکست دیکر بنی اسرائیل کو اس کی قید سے آزاد کرایا، اور بیت المقدس کا جو سامان بخت نصر لوٹ کر لے گیا تھا اور بیت المقدس مسمار کر گیا تھا سامان واپس دلایا اور بیت المقدس کو دوبارہ آباد کیا، گویا کہ یہی ذوالقرنین بنی اسرائیل کا نجات دہندہ ہے اور اسی مناسبت سے یہودیوں نے سوال کے لئے اس کو منتخب کیا تھا، اس واقعہ کی طرف قرآن میں بھی سورۂ بنی اسرائیل میں جو دو مرتبہ بنی اسرائیل کے فساد میں مبتلا ہونے اور دونوں مرتبہ کی سزا کا تفصیل سے ذکر آیا ہے اس میں بنی اسرائیل کے پہلے فساد کے موقع پر خود قرآن کریم نے فرمایا ہے **بعثنا علیکم عبادا لنا اولی باس شدید فجاسوا خلٰل الدیار** یعنی تمہارے فساد کی سزا میں ہم تم پر اپنے کچھ ایسے بندے مسلط کر دیں گے جو بڑی قوت اور شوکت والے ہوں گے وہ تمہارے گھروں میں گھس پڑیں گے اس میں یہ قوت اور شوکت والے لوگ بخت نصر اور اس کے اعوان ہیں جنہوں نے بیت المقدس میں چالیس ہزار اور بعض روایات میں ستر ہزار بنی اسرائیل کو قتل کیا اور ایک لاکھ سے زیادہ بنی اسرائیل کو قید کر کے بھیڑ بکریوں کی طرح ہنکا کر بابل لے گیا اور اس کے بعد قرآن کریم نے فرمایا **ثم رددنا لکم الکرۃ علیھم** (یعنی ہم نے پھر لوٹا دیا تمہارے غلبہ کو) یہ واقعہ اسی کیخسرو بادشاہ کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوا، یہ مومن صالح تھا اس نے بخت نصر کا مقابلہ کر کے اس کے قیدی بنی اسرائیل کو اس کے قبضہ سے نکالا اور ان کو دوبارہ فلسطین میں آباد کیا اور بیت المقدس کو بھی جس کو ویران کر دیا تھا دوبارہ آباد کیا اور بیت المقدس کے خزائن وسامان جن کو بخت نصر لے گیا تھا وہ سب واپس بنی اسرائیل کے قبضہ میں دیئے اس لئے یہ شخص بنی اسرائیل کا نجات دہندہ ثابت ہوا۔

یہ بات قرین قیاس ہے کہ یہود مدینہ نے امتحان نبوت کے لئے قریش مکہ کے واسطہ سے جو سوالات متعین کئے ان میں ذوالقرنین کے سوال کو یہ خصوصیت بھی حاصل تھی کہ یہود اس کو اپنا نجات دہندہ مان کر اس کی تعظیم وتکریم کرتے تھے، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اپنی اس تحقیق پر موجودہ تورات کے حوالہ سے انبیاء بنی اسرائیل کی پیشین گوئیوں اور تاریخی روایات سے اس پر کافی شواہد پیش کئے ہیں، اس کی مزید تفصیل مولانا کی معرکۃ الآراء کتاب قصص القرآن میں دیکھی جا سکتی ہے۔ (معارف القرآن) قدیم مفسرین نے اس کا مصداق اسکندر رومی کو قرار دیا ہے جس کی فتوحات کا دائرہ مشرق ومغرب تک پھیلا ہوا تھا لیکن جدید مفسرین تاریخی معلومات کی روشنی میں اس سے اتفاق نہیں کرتے بالخصوص مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے اس کی تحقیق وتفتیش میں جو داد تحقیق دی ہے وہ نہایت ہی قابل قدر ہے ان کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ اس ذوالقرنین کی بابت قرآن نے صراحت کی ہے کہ وہ ایسا حکمراں تھا کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اسباب ووسائل کی فراوانی سے نوازا تھا وہ مشرقی ومغربی ممالک فتح کرتا ہوا ایک ایسے پہاڑی درے پر پہنچا جس کی دوسری طرف یاجوج اور ماجوج تھے، اس نے وہاں یاجوج وماجوج کا راستہ بند کرنے کے لئے ایک نہایت ہی محکم بند تعمیر کیا وہ عادل، اللہ کو ماننے والا اور آخرت پر ایمان رکھنے والا تھا وہ نفس پرست اور مال ودولت کا حریص نہیں تھا مولانا مرحوم فرماتے ہیں کہ ان خصوصیات کا حامل صرف فارس کا وہ عظیم حکمراں ہے جسے یونانی سائرس، عبرانی خورس اور

عرب کیخسرو کے نام سے پکارتے ہیں اس کا دور حکمرانی ۵۳۹ قبل مسیح ہے نیز فرماتے ہیں ۱۸۲۸ میں سائرس کے ایک مجسمے کا بھی انکشاف ہوا جس میں سائرس کا جسم اس طرح دکھایا گیا ہے کہ اس کی دونوں جانب عقاب کی طرح دو بازو نکلے ہوئے ہیں اور سر پر مینڈھے کی طرح دو سینگ ہیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر ترجمان القرآن)

قل سأتلوا عليكم منه ذكرا اس میں یہ بات قابل غور ہے کہ قرآن کریم نے اس جگہ **ذكرهٗ** کا مختصر لفظ چھوڑ کر **منه ذكرًا** کے دو کلمے کیوں اختیار کئے؟ آپ غور کریں گے تو ان دو کلموں میں اشارہ اس طرف کیا گیا ہے کہ قرآن نے ذوالقرنین کا پورا قصہ اور اس کی تاریخ ذکر کرنے کا وعدہ نہیں کیا بلکہ اس کے ایک حصہ کو بیان کرنے کا وعدہ فرمایا جس پر حرف **من** اور **ذكراً** کی تنوین بقواعد عربیت شاہد ہے اوپر جو تاریخی بحث ذوالقرنین کے نام و نسب اور زمانہ وغیرہ کی لکھی گئی ہے قرآن کریم نے اس کو غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دینے کا پہلے ہی اظہار کر دیا ہے۔

ثم اتبع سببا حتى اذا بلغ مطلع الشمس وجدها یعنی مغربی مہم سے فارغ ہونے کے بعد مشرقی جانب مہم پر روانہ ہوا حتی کہ جب مشرقی جانب منتہائے آبادی پر پہنچ گیا (اسی کو قرآن نے مطلع شمس کہا ہے) جہاں ایسی قوم آباد تھی کہ جس کا حال یہ تھا کہ اس کے پاس دھوپ وغیرہ سے بچنے کے لئے بھی کوئی معقول سامان نہیں تھا نہ اس کے مکانات تھے اور نہ خیمے وغیرہ اور لباس کے طور پر وہ جانوروں کی کھال استعمال کرتے تھے، قرآن کریم نے ان کے مذہب و اعمال کا کوئی ذکر نہیں کیا اور نہ یہ ذکر کیا کہ ذوالقرنین نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا، ظاہر یہی ہے کہ یہ قوم بھی کافر تھی اور ذوالقرنین نے ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا جو مغربی قوم کے ساتھ اوپر گذر چکا ہے، ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس قوم کے حالات کو بھی پچھلی قوم کے حالات پر قیاس کر کے ان کا بھی حال معلوم ہو سکتا ہے۔ (كذافى بحرالمحيط عن ابن عطيه)

نقشہ بسلسلہ قصۂ ذوالقرنین
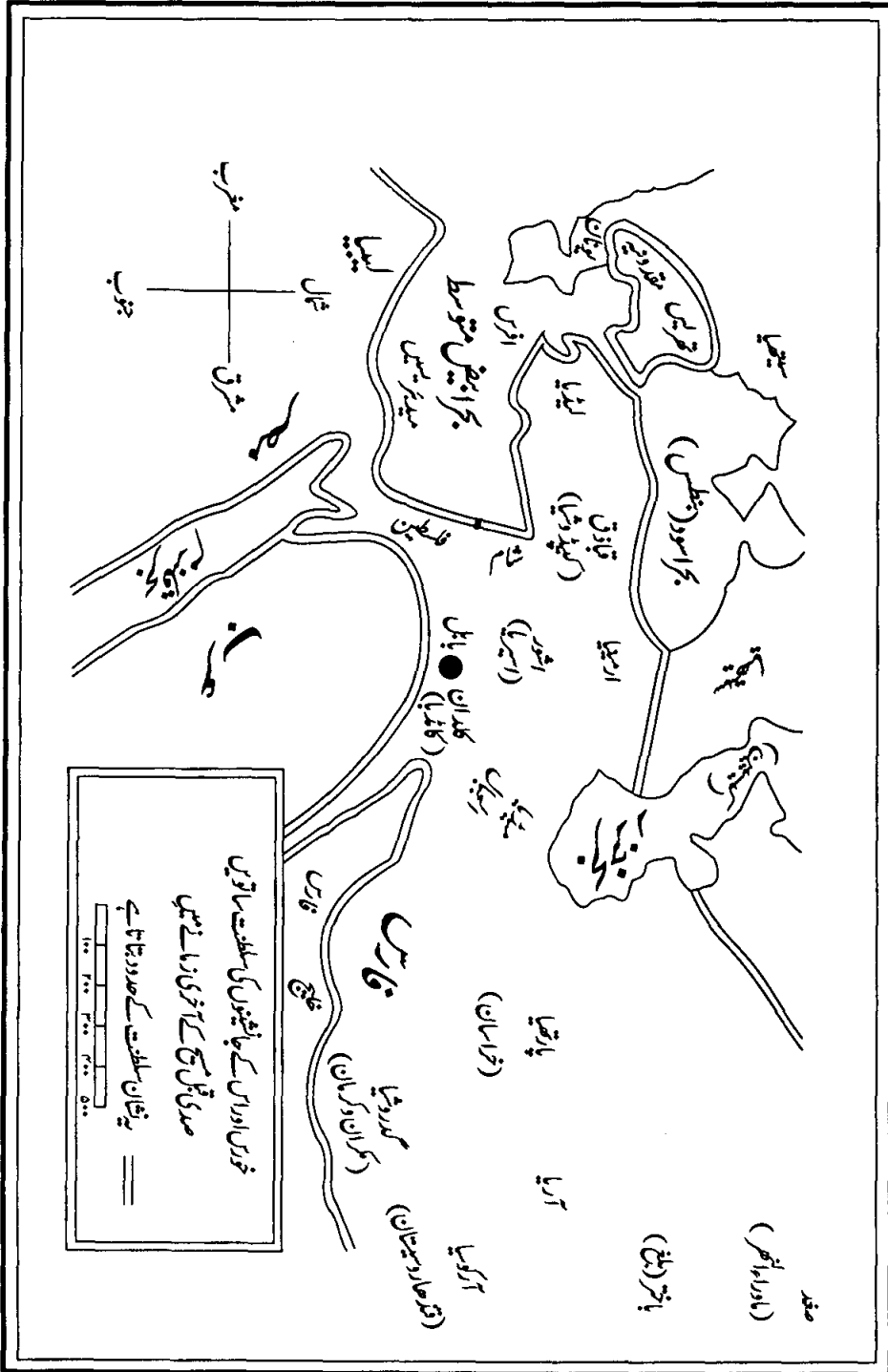
ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٩٢﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ بِفَتْحِ السينِ وضمها هُنَا وبَعْدُ، هما جبلان بِمُنْقَطَعِ بِلَادِ التُّرْكِ سَدَّ الإِسْكَنْدَرِ مابينهما كما سَيَأْتِي وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا اي أَمَامَهما قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿٩٣﴾ اى لايفهمونه إلَّا بَعْدَ بُطْوءٍ وفى قراءة بضم الياء وكسرِ القاف قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ بالهمزة وتركها إسمان أعْجَمِيَّانِ لِقَبِيلَتَيْنِ فَلَمْ يَنْصَرِفَا مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ بالنهب والبغي عِنْدَ خروجهم إلَيْنَا فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا جُعْلًا مِن المال وفى قراءة خَرَاجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿٩٤﴾ حَاجِزًا فلا يَصِلُوْنَ إلَيْنَا قَالَ مَا مَكَّنِّىْ وفى قراءة بالنونين من غير ادغام فِيْهِ رَبِّىْ من المال وغيره خَيْرٌ من خَرْجِكُمْ الذى تَجْعَلُونَه لى فلا حاجة لى اليه وأجْعَلُ لكم السَّدَّ تبرُّعًا فَاَعِيْنُوْنِىْ بِقُوَّةٍ لِمَا أطْلُبُهُ منكم اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿٩٥﴾ حاجزا حَصِينًا اٰتُوْنِىْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ قِطَعَةً على قَدْرِ الحِجَارَةِ التى يُبْنٰى بها فَبُنِيَ بها وجُعِلَ بينها الحطبُ والفحمُ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ بضم الحرفين وفتحهما وضم الاول وسكون الثانى اى جَانِبَيِ الجَبَلَيْنِ بالبنَاءِ ووُضِعَ المنافخُ والنارُ حَوْلَ ذٰلك قَالَ انْفُخُوْا فنفخُوا حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ اى الحديد نَارًا ۙ اى كالنار قَالَ اٰتُوْنِىْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿٩٦﴾ هو النُّحَاسُ المُذَابُ تَنَازَعَ فيه الفعلان وحذف من الاول لِإعْمَالِ الثانى فَأفْرَغَ النحاسَ المذابَ على الحَدِيدِ المُحْمٰى فَدَخَلَ بين زُبُرِه فصارا شيئًا واحدًا فَمَا اسْطَاعُوْٓا اى ياجوجُ وما جوجُ اَنْ يَّظْهَرُوْهُ يَعْلُوا ظهرَه لِإرْتِفَاعِهِ ومَلَاسَتِهِ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿٩٧﴾ خَرْقًا لِصَلَابَتِهِ وسُمْكِهِ قَالَ ذوالقرنين هٰذَا اى السَّدُّ اى الإقْدَارُ عليه رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّىْ ۚ نعمة لِأَنَّهُ مانع من خروجهم فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّىْ بخروجهم القريبِ من البعثِ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ مَدكوكا مبسوطا وَكَانَ وَعْدُ رَبِّىْ بخروجهم وغيرِهم حَقًّا ﴿٩٨﴾ كائنا.

ترجمہ: پھر اس نے ایک اور سفر کی تیاری شروع کی یہاں تک کہ جب وہ ایسے مقام پر پہنچا کہ جو دو پہاڑوں کے درمیان تھا سین کا فتح اور ضمہ دونوں ہیں، یہاں بھی اور بعد میں بھی، بلاد ترک کے اختتام پر دو پہاڑ ہیں سکندر نے ان دونوں پہاڑوں کے درمیان کی گھاٹی کو بند کر دیا تھا جیسا کہ عنقریب (اس کا ذکر) آرہا ہے، تو ان دونوں پہاڑوں کے اس پار یعنی ان کے سامنے ایک ایسی قوم کو پایا جو مشکل ہی سے کوئی بات سمجھتی تھی یعنی بڑی دیر کے بعد (اشارہ وغیرہ سے) ایک قراءت میں ضمۂ ی اور کسرۂ قاف کے ساتھ ہے تو انہوں نے کہا اے ذوالقرنین یاجوج وماجوج ہمزہ اور بدون ہمزہ دونوں قراءتیں ہیں یہ دو عجمی قبیلوں کے نام ہیں اسی وجہ (یعنی عجمہ اور علم ہونے کی وجہ) سے غیر منصرف ہیں، ہماری اس سرزمین میں آکر قتل وغارتگری کرتے ہیں فساد مچاتے ہیں کیا ہم آپ کے لئے کچھ خرچ کا انتظام کر دیں یعنی چندے کے طور پر مال جمع کر دیں اور ایک قراءت

میں خـراجـا ہے اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار بنادیں یعنی ایک آڑ جس کی وجہ سے وہ ہم تک نہ پہنچ سکیں ذوالقرنین نے جواب دیا میری (قدرت) واختیار میں میرے پروردگار نے جو مال وغیرہ دے رکھا ہے اس مال سے جسے تم میرے لئے جمع کروگے بہت بہتر (کہیں زیادہ) ہے لہٰذا مجھے تمہارے مال وغیرہ کی ضرورت نہیں میں یوں ہی (بلا معاوضہ) تمہارے لئے دیوار بنادوں گا مـکـنـی میں ایک قراءت دونونوں کے ساتھ بغیر ادغام کے یعنی مـکـنـنـی بھی ہے البتہ تم طاقت (محنت مزدوری) سے میری مدد کرو جب میں تم سے مطالبہ کروں، تو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک دیوار یعنی ایک مضبوط آڑ کھڑی کردوں گا (اچھا تو) تم میرے پاس لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لاؤ جن سے دیوار بنائی جاسکے، چنانچہ (ذوالقرنین) نے لوہے کے ٹکڑوں کے درمیان لکڑیاں اور کوئلہ رکھ دیا یہاں تک کہ جب اس دیوار کے ردے دونوں پہاڑوں کے برابر کردیئے (صـدفـیـن میں کئی قراءتیں ہیں) ① صاد اور فا دونوں کے ضمہ کے ساتھ ② دونوں کے فتحہ کے ساتھ ③ صاد کے ضمہ اور فا کے سکون کے ساتھ یعنی دونوں پہاڑوں کے درمیان کے خلاء کو تعمیر کر کے پر کردیا اور اس کے اردگرد دم کشوں اور آگ کا نظم کردیا، تو حکم دیا دھونکو چنانچہ لوگوں نے دھونکا حتی کہ جب اس لوہے کو آگ یعنی آگ کے مانند سرخ کردیا تو حکم دیا اب میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ تاکہ میں اس کو (گرم لوہے) پر ڈال دوں قـطـر پگھلا ہوا تانبا قـطـرا میں دو فعلوں نے تنازع کیا ہے فعل ثانی کو عمل دینے کی وجہ سے اول فعل کا (مفعول قطراً) حذف کردیا ہے، چنانچہ پگھلا ہوا تانبا گرم لوہے پر ڈالدیا تو وہ لوہے کے تختوں کے درمیان داخل ہو کر شئ واحد ہوگیا، چنانچہ یاجوج ماجوج اس دیوار پر اس کی بلندی اور چکناہٹ کی وجہ سے نہ چڑھ سکتے تھے اور نہ اس میں نقب لگا سکتے تھے اس کی سختی اور مضبوطی کی وجہ سے ذوالقرنین نے کہا یہ دیوار یعنی اس کے بنانے پر قدرت دینا میرے رب کی رحمت یعنی نعمت ہے اس لئے کہ یہ ان کے خروج کے لئے مانع ہوگی چنانچہ جب میرے رب کا وعدہ یعنی قرب قیامت ان کے خروج کا وقت آئے گا تو میرا رب اس دیوار کو ریزہ ریزہ کر کے برابر کردے گا اور میرے پروردگار کا وعدہ ان کے خروج وغیرہ کا حق ہے جو ہو کر رہے گا۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: سد مصدر (ن) بند کرنا۔

قولہ: بین السدین بلغ کا مفعول ہے بین چونکہ بان کا مصدر ہے اس لئے ظروف متصرفہ سے ہے یاجوج و ماجوج یہ دونوں عجمی لفظ ہیں اور دو قبیلوں کے اجداد کے نام ہیں یہ دونوں قومیں حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحبزادے یافث کی نسل سے ہیں عجمہ اور علم ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہیں خـرج محصول بعض حضرات نے خـرج اور خـراج میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ خرج زر فدیہ کو کہتے ہیں اور خراج عام ہے جس میں زر فدیہ، ٹیکس، محصول وغیرہ سب شامل ہیں۔

قولہ: مکنی یہ دراصل مکن نی تھا، ماضی واحد مذکر غائب مصدر تمکین بااختیار و بااقتدار بنانا نی میں نون وقایہ اوری

ضمیر متکلم مفعول بہ پھر لام کلمہ نون کو ساکن کرکے نون وقایہ میں ادغام کردیا ردم موٹی اور مضبوط دیوار ردم (ض) مصدر ہے سوراخ بند کرنا مگر یہاں مصدر بمعنی اسم مفعول ہے صدف پہاڑ کی چوٹی۔

قِوْلَهُ: اسطاعوا اصل میں استطاعوا تھا تا اور طا قریب المخرج ہونے کی وجہ سے تخفیف کے لئے تا کو حذف کردیا۔

قِوْلَهُ: الوعد وقت یا مصدر بمعنی موعود ای القیامة.

قِوْلَهُ: آتونی تم میرے پاس لاؤ زبر زبرة کی جمع ہے جیسے غرف غرفة کی جمع ہے لوہے کی پلیٹ۔

قِوْلَهُ: آتونی افرغ تنازع فعلان کے قبیل سے ہے قطرا افرغ کا مفعول اول ہے آتونی کا مفعول محذوف ہے۔

قِوْلَهُ: یظهروه بتاویل مصدر ہوکر ما استطاعوا کا مفعول ہے۔

قِوْلَهُ: ای السد ای الاقدار علیه سے اول هذا کا مشارالیہ متعین کیا پھر یہ بتادیا کہ دیوار سے مراد دیوار بنانے کی توفیق ہے جو درحقیقت رحمت خداوندی ہے، مطلب یہ ہے کہ دیوار تو اس قوم کے حق میں رحمت خداوندی ہے اور اس دیوار کے بنانے کی توفیق ذوالقرنین کے حق میں رحمت خداوندی ہے۔

قِوْلَهُ: بخروجهم مفسر علام نے بخروجهم کا اضافہ کرکے وعدہ کا مصداق متعین کردیا کہ وعدہ قرب قیامت میں ان کا خروج ہے، بعض حضرات نے وعدہ سے مراد اس دیوار کے شکست وریخت ہونے کا وقت مراد لیا ہے۔

قِوْلَهُ: یموج، ترکنا کا مفعول ثانی ہے اور بعضهم مفعول اول ہے اور ترکنا بمعنی جعلنا ہے یومئذ یموج سے متعلق ہے۔

تفسیر وتشریح

ثم اتبع سببا یہ ذوالقرنین کے تیسرے سفر کا بیان ہے، ذوالقرنین نے مغرب ومشرق کے سفر سے فارغ ہونے کے بعد تیسرے سفر کی تیاری شروع کی، یہ تیسرا سفر کس جانب تھا اس بارے میں روایات مختلف ہیں مگر راجح یہ ہے کہ یہ سفر جانب شمال تھا۔

فَائِدَہ: آیات کی مندرجہ ذیل تفسیر امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ نے عقیدۃ الاسلام صفحہ ۲۰۱ میں کی ہے، یہ بات ملحوظ رہے کہ هذا رحمة من ربی، جعله دکاء وکان وعد ربی حقا یہ ذوالقرنین کا اپنا قول ہے، اور کوئی قرینہ سیاق وسباق میں ایسا نہیں ہے جس سے دیوار کے ٹوٹنے کو علامات قیامت میں شمار کیا جائے بلکہ ذوالقرنین کا مقصد وعد ربّی سے صرف اس دیوار کا کسی وقت میں ٹوٹ پھوٹ جانا ہے پس اس صورت میں ارشاد باری (وترکنا بعضهم یومئذ یموج فی بعض) استمرار تجددی پر دلالت کرتا ہے یعنی ایسا برابر ہوتا رہے گا کہ ان میں سے بعض قبائل بعض پر حملہ آور ہوتے رہیں یہاں تک کہ قیامت کا وقت آجائے گا، البتہ وہ ارشاد جو سورۂ انبیاء میں آیا ہے یعنی (حتی اذا فتحت یاجوج وماجوج وهم من کل حدب ینسلون) تو یہ بلاشبہ علامات قیامت میں سے ہے مگر اس میں دیوار کا قطعاً کوئی ذکر نہیں ہے لہٰذا اس فرق کو

ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے یعنی سورۂ انبیاء کی آیت میں فتح سے عروج وخروج مراد ہے دیوار کا ٹوٹنا اور یاجوج وماجوج کا نکلنا مراد نہیں ہے اس لئے کہ اس آیت میں دیوار کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔

فائدہ: سکندر ذوالقرنین نے جن دو پہاڑوں کے درمیان کے درہ کو بند کیا تھا وہ کونسے پہاڑ تھے اور وہ قوم کونسی تھی جن کی حفاظت کے لئے یہ دیوار بنائی گئی تھی اور ذوالقرنین نے جو دیوار بنائی تھی وہ اب تک باقی ہے یا ٹوٹ پھوٹ گئی یہ وہ سوالات ہیں کہ جن کے جوابات قرآن میں نہیں ہیں، اس لئے یقین کے ساتھ کوئی بات کہنا مشکل ہے، دنیا میں ایسی دیواریں وحشی لوگوں سے حفاظت کے لئے مختلف مقامات پر بنائی گئی ہیں جن میں سے بعض کے خرابات ونشانات آج بھی باقی ہیں، مؤرخین کے بیان کے مطابق وہ دیوار جس کا قرآن میں ذکر ہے وہ ایران سے جانب شمال بحر کاسپین (Causpian Sea) یعنی بحر قزوین اور بحر اسود کے درمیان جو سلسلہ کوہ ہے جس کو جبال کاکیشیا (چیچنیاں کے دامن میں) (Caucasus) **جبال قفقاز، کفقاس،** اور **تفلیس** کہتے ہیں ان پہاڑوں میں ایک درہ درۂ داریال کے نام سے ہے، ذوالقرنین نے وہاں دیوار بنائی تھی ان پہاڑوں کے مشرق میں بحر قزوین واقع ہے اور مغرب میں بحر اسود اور بیچ میں سلسلہ کوہ ہے اور گذرنے کا کوئی راستہ اس درہ کے علاوہ نہیں ہے، ذوالقرنین نے دیوار بنا کر اس کو بند کر دیا تھا، اور جن قبائل کی حفاظت کا یہ سامان کیا گیا تھا وہ ترک قبائل تھے اور یہ بات بھی خیال رہے کہ ذوالقرنین کی بنائی ہوئی دیوار اب باقی نہیں ہے البتہ سیاحوں نے اب وہاں آثار دیکھے ہیں اور ممکن ہے کہ اب بھی موجود ہوں، قرآن وحدیث میں کوئی صحیح اور صریح بات ایسی نہیں ہے جس سے قیامت سے کچھ پہلے تک اس دیوار کا بحالہ باقی رہنا ثابت ہوتا ہو۔

یاجوج ماجوج کون ہیں؟

اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ وہ عام انسانوں کی طرح آدم کی اولاد ہیں اور حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذریت میں سے ہیں، علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے البدایہ والنہایہ ج ۲/ص ۱۱۰ میں لکھا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ عام بنی آدم کی طرح ہیں اور انسانوں ہی کی طرح شکل وصورت اور اوصاف رکھتے ہیں اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری (ج ۶ ص ۳۸۶) میں تحریر فرمایا ہے کہ یاجوج ماجوج یافث بن نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں سے دو قبیلے ہیں، حضرت قتادہ سے بھی یہی بات مروی ہے اور روح المعانی میں ہے کہ یاجوج وماجوج یافث بن نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں سے دو قبیلے ہیں اور یہی رائے وہب بن منبہ کی ہے اور متاخرین میں سے اکثر کی یہی رائے ہے، بائبل کتاب پیدائش باب ۱۰ آیت ۲ میں بھی یافث کے ایک لڑکے کا نام یاجوج آیا ہے اور ماجوج کے بارے میں بائبل کا بیان مختلف ہے۔

غرضیکہ یاجوج ماجوج کوئی عجوبۂ روزگار مخلوق نہیں ہیں اور نہ برزخی مخلوق ہیں اس قسم کی جو روایات ہیں ان کا اسلامی روایات سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے یہ سب اسرائیلیات کے بے سروپا ذخیرہ ہے، علامہ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں، ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اور مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن رحمہ اللہ تعالیٰ نے قصص القرآن میں جلد سوم

میں ان روایات کی تغلیط کی ہے اور سمجھنے کی بات ہے کہ یاجوج و ماجوج جب بنی آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذریت میں سے ہیں تو پھر وہ دیگر انسانوں سے اتنے مختلف کیوں ہیں جتنا ان روایات میں مذکور ہے مثلاً۔

1. یاجوج ماجوج بالشت، ڈیڑھ بالشت یا زیادہ سے زیادہ ایک ہاتھ کا قدر کھتے ہیں اور بعض غیر معمولی طویل القامت ہیں۔
2. ان کے کان اتنے بڑے ہیں کہ ایک کان کو اوڑھ لیتے ہیں اور ایک کو بچھالیتے ہیں۔
3. ان کی غذا کے لئے قدرت سال بھر میں دو مرتبہ سمندر سے ایسی مچھلیاں پھینک دیتی ہے جن کے سر اور دم کا فاصلہ اس قدر طویل ہوتا ہے کہ دس رات دن اگر کوئی شخص چلتا رہے تب اس فاصلہ کو طے کر سکتا ہے۔
4. وہ ایک برزخی مخلوق ہے جو آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پشت سے تو ہیں مگر حواء رضی اللہ عنہا کے بطن سے نہیں ہیں کیونکہ وہ آدم کے ایسے نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں کہ جو احتلام کی حالت میں نکلا تھا اور مٹی میں رل مل گیا تھا۔ (العیاذ باللہ)

اس قسم کی تمام باتیں قطعاً بے دلیل و بے بنیاد ہیں اسلامی روایات سے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

فائدہ: دنیا کی موجودہ اقوام میں سے یاجوج و ماجوج کون ہیں؟ اس کا جواب بھی یقین کے ساتھ دینا مشکل ہے اس لئے کہ یاجوج و ماجوج بہت قدیم نام ہیں اور مرور ایام کے ساتھ نام بدل جاتے ہیں آج دنیا میں کوئی قوم ان ناموں سے معروف نہیں ہے اس لئے اس کی تعیین دشوار ہے، تاہم علماء کی رائے یہ ہے کہ یاجوج و ماجوج منگولیا (تاتار) کے ان وحشی قبائل کو کہا جاتا ہے جو یورپ امریکہ اور روس کی اقوام کے منبع اور منشاء ہیں ان کے دو بڑے قبیلے ''موگ'' اور ''یوجی'' کہلاتے تھے جو عربی زبان میں یاجوج و ماجوج بن گئے۔ (واللہ اعلم)

فائدہ: یاجوج ماجوج کے بارے میں اس قدر بے سرو پار روایتیں کیوں مشہور ہوئیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یاجوج ماجوج کا تذکرہ یہودیوں کی کتابوں میں بھی ہے، حزقی ایل باب ۳۸/ ۳۹ میں بھی ان کا تذکرہ آیا ہے اسی وجہ سے یہودیوں نے حسب فطرت یاجوج ماجوج کے بارے میں بعید از عقل کہانیاں تصنیف کرلیں اور کعب احبار کے ذریعہ جو یہودی النسل تھے اور ان کی کتابوں کے بڑے عالم تھے وہ سب کہانیاں مسلمانوں میں پھیل گئیں، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ وہ اسلام لانے کے بعد یا تو تفریح کے طور پر ان کو سنایا کرتے تھے یا اس لئے کہ اس رطب و یابس میں سے جو دور از کار باتیں ہوں وہ رد کر دی جائیں اور جن کی قرآن اور احادیث نبوی سے تائید ہوتی ہو ان کو ایک تاریخی حیثیت میں لے لیا جائے مگر نقل کرنے والوں نے اس حقیقت پر نظر نہ رکھتے ہوئے اس پورے طومار کو اسی طرح نقل کرنا شروع کر دیا جس طرح حدیثی روایات کو نقل کیا جاتا ہے۔ (قصص القرآن جلد ۳/ص ۱۹۵)

فائدہ: یاجوج ماجوج کا خروج و عروج بھی دجال کے ظہور کی طرح علامات قیامت میں سے ہے، سورۃ الانبیاء کی آیت ۹۶ میں اس کا تذکرہ ہے، ارشاد ہے حتی اذ فتحت یاجوج وماجوج وھم من کل حدب ینسلون واقترب الوعد الحق اس کا

مطلب یہ ہے کہ نفخ صور سے پہلے قیامت کی علامات میں سے ایک نشانی یہ پیش آئے گی کہ یاجوج و ماجوج کے تمام قبیلے ایک ساتھ امنڈ آئیں گے اور دنیا میں عام غارت گری شروع کردیں گے اور اپنی مقامی بلندیوں سے تیزی کے ساتھ اترتے ہوئے زمین کے گوشہ گوشہ میں پھیل جائیں گے، غرض آیت میں فتح سے مراد ان کا یکبارگی دھاوا بولنا ہے دیوار توڑ کر نکلنا مراد نہیں ہے۔

فائدہ: یاجوج و ماجوج کے بارے میں ایک مشہور حدیث یہ ہے کہ وہ روزانہ سد سکندر کو کھودتے ہیں شام کو دیوار جب اتنی پتلی رہ جاتی ہے کہ سورج کی کرنیں نظر آنے کے قریب ہوجاتی ہیں تو ان کا سردار کہتا ہے کہ اب کام ختم کرو کل اس کام کو پورا کردیں گے مگر اگلے روز جب کام پر واپس آتے ہیں تو دیوار پہلے سے بھی زیادہ مضبوط اور مستحکم پاتے ہیں پھر وہ کھودنا شروع کردیتے ہیں یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا تا آنکہ مقررہ مدت آجائے گی اور جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا کہ وہ انسانی دنیا پر چھا جائیں تو ان کا سردار کہے گا اب واپس چلو کل انشاء اللہ اس کو کھود ڈالو گے چنانچہ دوسرے دن اسی حالت میں ملے گی، اور وہ اس کو کھود ڈالیں گے اور لوگوں پر نکل پڑیں گے الخ یہ روایت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا مضمون ہے اور کعب احبار سے مروی روایت میں یہ ہے کہ وہ روزانہ دیوار چاٹتے رہتے ہیں (یلحسونہ) اور یہی روایت لوگوں میں مشہور ہے کعب احبار کی روایت عام کتابوں میں نہیں ہے، حافظ ابن حجر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے عبد بن حمید کی سند کا حوالہ دیا ہے کہ کعب احبار کی روایت میں ہے اور ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی حدیث ترمذی شریف، ابن ماجہ، مسند احمد، صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم وغیرہ کتابوں میں ہے اور سب کی ایک ہی سند ہے یعنی قتادہ عن ابی رافع عن ابی ھریرہ عن رسول اللہ ﷺ پھر قتادہ کے نیچے اس کی متعدد سندیں ہیں اس حدیث کی ایک دوسری سند عاصم عن ابی صالح عن ابی ہریرہ بھی ہے مگر یہ روایت موقوف ہے مرفوع نہیں ہے، یہ سند عبد بن حمید کی کتاب میں ہے کما ذکرہ الحافظ۔

حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی حدیث کو عام طور پر صحیح سمجھا جاتا ہے البانی نے بھی اس کو سلسلہ احادیث صحیحہ میں نمبر ۱۷۳۵ پر ذکر کیا ہے مگر ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس پر سخت تنقید کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند اگرچہ عمدہ ہے مگر آنحضرت ﷺ کی طرف اس کی نسبت غلط ہے **سنده جيد ولكن متنه في رفعه نكارة** نیز وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس قسم کی ایک اسرائیلی کہانی کعب احبار سے بھی مروی ہے اور ابو ہریرہ اکثر کعب احبار کے پاس بیٹھا کرتے تھے اس لئے ممکن ہے کہ ابو ہریرہ نے یہ مضمون کعب احبار سے سنا ہو اور ایک کہانی کے طور پر بیان کردیا ہو مگر نیچے کے کسی راوی نے غلط فہمی سے اس کو مرفوع کردیا ہو۔

اس کے علاوہ ابن کثیر نے درایۃً بھی اس پر دو اعتراض کئے ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے اور دوسرا یہ کہ یہ صحیح حدیث کے خلاف ہے، تفصیل کے لئے ان کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں، مزید غور کیا جائے تو اس کی سند میں مندرجہ ذیل دو خرابیاں ہیں۔

❶ قتادہ مدلس ہیں حافظ فرماتے ہیں کہ ابن مردویہ کی روایت میں قتادہ اور ابو رافع کے درمیان ایک راوی کا واسطہ ہے۔

(فتح الباری، ج ۱۳، ص ۱۰۹)

❷ امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ قتادہ نے ابو رافع سے کوئی حدیث نہیں سنی۔

(بذل المجھود ج ۲۰، ص ۱۲۸ بحوالہ ھدایت القرآن ملخصًا)

قال تعالى وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَوْمَ خروجهم يَمُوجُ فِي بَعْضٍ يختلط به بكثرتهم وَنُفِخَ فِي الصُّورِ اى القرن لِلْبعث فَجَمَعْنٰهُمْ اى الخلائق فى مكان واحد يوم القيمة جَمْعًا ۝ وَعَرَضْنَا قربنا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ۝ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ بدلٌ من الكافرين فِيْ غِطَاۤءٍ عَنْ ذِكْرِيْ اى القرآن فهم عُميٌ لايهتدون به وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ۝ اى لا يقدرون أن يسمعوا من النبى مايتلو عليهم بُغضًا له فلايؤمنون به اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ اى ملائكتى وعيسى وعزيرا مِنْ دُوْنِيْ اَوْلِيَاۤءَ اربابا مفعول ثان ليتخذوا والمفعول الثانى لِحَسِبَ محذوف المعنى أظنوا أن الا تخاذ المذكور لايُغضِبُنى ولا أعاقبهم عليه كلا اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ هؤلاء وغيرهم نُزُلًا ۝ اى هى مُعَدَّةٌ لهم كالنُّزُلِ المُعَدِّ للضيف قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ تمييزٌ طابق المميَّز وبَيَّنهم بقوله اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا بَطَلَ عملهم وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ يظنون اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝ عملا يُجازون عليه اُولٰۤئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ بدلائل توحيده من القرآن وغيره وَلِقَاۤئِهٖ اى وبالبعث والحساب والثواب والعقاب فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ بَطَلَتْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝ اى لانجعل لهم قدرًا ذٰلِكَ اى الامر الذى ذكرتُ من حُبوط اعمالهم وغيره وابتداءٌ جَزَاۤؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْۤا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ۝ اى مَهزوًا بهما اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ فى عِلم الله جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ وهو وَسَطُ الجنة واعلاها والاضافة اليه لِلْبَيَان نُزُلًا ۝ مَنزلا خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ يطلبون عَنْهَا حِوَلًا ۝ تحوُّلا الى غيرها قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ اى ماؤه مِدَادًا هو مايُكتَبُ به لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ الدالة على حكمه وعجائبه بأن تُكتَب به لَنَفِدَ الْبَحْرُ فى كتابتها قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ بالتاء والياء تفرغ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ اى البحر مَدَدًا ۝ زيادةً فيه لَنَفِدَ ولم تفرغ هِىَ ونصبه على التمييز قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ آدمىٌّ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ أنّ المكفوفة بما باقيةٌ على مصدريتها والمعنى يُوحٰى اِلَىَّ وَحدانيّة الإله فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا يأمل لِقَاۤءَ رَبِّهٖ بالبعث والجزاء فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اى فيها بان يُرائى اَحَدًا ۝

ترجمہ: وقال تعالیٰ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہم ان کے خروج کے دن ان کو آپس میں موجیں مارتے ہوئے یعنی گڈمڈ ہوتے ہوئے چھوڑ دیں گے ان کی کثرت کی وجہ سے اور صور یعنی سینگ میں پھونک ماردی جائے گی بعث کے لئے اور ہم سب کو یعنی پوری مخلوق کو قیامت کے دن اکٹھا کر کے جمع کریں گے اور اس دن ہم جہنم کو ان کافروں کے روبرو پیش کریں گے جن کی آنکھوں پر یہ الکافرین سے بدل واقع ہے میری یاد سے پردہ پڑا ہوا تھا یعنی قرآن سے غافل

تھے، یہ لوگ اندھے ہیں قرآن سے ہدایت حاصل نہیں کر سکتے اور وہ سن ہی نہیں سکتے تھے یعنی رسول اللہ ﷺ سے بغض وعداوت کی وجہ سے ان کی باتوں کو سننا بھی گوارہ نہیں کرتے تھے تو پھر ایمان لانے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟ تو کیا یہ کافر یہ خیال کئے بیٹھے ہیں کہ وہ مجھ کو چھوڑ کر میرے بندوں کو یعنی میرے فرشتوں اور عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کارساز یعنی رب بنالیں گے، اولیاء یتخذوا کا مفعول ثانی ہے اور حسب کا مفعول ثانی محذوف ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کیا یہ کافر اتخاذ مذکور کے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بات مجھے غضبناک نہیں کرے گی؟ اور یہ کہ میں اس بات پر ان کو سزا نہ دوں گا؟ ہرگز ایسا نہ ہوگا، ہم نے تو ان کافروں اور دوسرے کافروں کی ضیافت کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے، جس طرح دنیا میں مہمانوں کے لئے مہمان خانے تیار کئے جاتے ہیں آپ ان سے دریافت کیجئے کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بالکل نقصان میں ہیں؟ اعمالا تمیز ہے ممیّز کے مطابق ہے، اور نقصان اٹھانے والوں کو اپنے قول الذین ضل سعیھم فی الحیوۃ الدنیا سے بیان کیا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جن کی کری کرائی محنت دنیا میں بیکار ہوگئی اور ضل سعیھم سے مراد بطل عملھم ہے حال یہ ہے کہ وہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں ایسے اعمال کر رہے ہیں کہ جن کا ان کو اجر دیا جائے گا، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں یعنی قرآن وغیرہ کے دلائل توحید کا اور اس کے حضور پیشی یعنی بعث وحساب، ثواب وعقاب کا انکار کیا چنانچہ ان کے تمام اعمال حبط (باطل) ہوگئے پس قیامت کے دن ہم ان کے لئے ذرا بھی وزن قائم نہ کریں گے یعنی ہم ان کے اعمال کی ذرا بھی قدر و قیمت نہیں کریں گے یہ یعنی وہ امور جن کا ذکر کیا گیا ہے بطلان عمل وغیرہ ذلك یعنی حبط اعمال وغیرہ جن کا ذکر ہوا، اور جزاء ھم جملہ مستانفہ ہے ان کے کفر کرنے کی وجہ سے ان کی جزاء جہنم ہے اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کا مذاق اڑایا یعنی ان کا مذاق بنایا بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے ان کے لئے اللہ کے علم میں جنت الفردوس کی ضیافت مہمانی ہے اور جنت الفردوس جنت کے بیچ میں سب سے اعلیٰ درجہ ہے اور جنات الفردوس میں اضافت بیانیہ ہے اس جنت میں وہ ہمیشہ رہیں گے وہاں سے کسی اور جگہ کے لئے انتقال مکانی کی خواہش نہ کریں گے آپ فرمادیجئے اگر سمندر یعنی اس کا پانی روشنائی بن جائے جس سے لکھا جاتا ہے میرے رب کے کلمات کے ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائیں گو ہم اسی جیسا سمندر اس کی مدد میں لے آئیں تو بھی ختم ہو جائیں ینفد تا اور یاء کے ساتھ ہے یعنی اس سمندر میں اضافہ کردیں تو میرے رب کے کلمات ختم ہونے سے پہلے وہ سمندر ختم ہو جائیں اور میرے رب کے کلمات ختم نہ ہوں اور مددا تمیز کی بناء پر منصوب ہے آپ فرمادیجئے کہ میں تو تمہارے جیسا ہی انسان ہوں آدمی ہوں البتہ میری طرف وحی کی جاتی ہے یہ کہ تم سب کا معبود صرف ایک معبود ہے أن جس پر ما کافہ داخل ہے وہ اپنی مصدریت پر باقی ہے آیت کے معنی یہ ہیں کہ میری طرف وحدانیت الٰہ کی وحی کی جاتی ہے لہٰذا جو اپنے رب کی ملاقات کا آرزومند ہو امیدوار ہو بعث اور جزاء کے ذریعہ تو اس کو چاہئے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے بایں طور کہ عبادت میں ریاکاری نہ کرے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: قال تعالیٰ اس جملہ سے مفسر علام نے اشارہ کردیا کہ ذوالقرنین کا کلام پورا ہوگیا اور اب و ترکنا سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام شروع ہو رہا ہے۔

قولہ: یومئذ کی تفسیر یوم خروجھم سے کرکے تعیین مراد کی طرف اشارہ کیا ہے، اس لئے کہ بعض مفسرین نے یومئذ سے وہ دن مراد لیا ہے جس دن ان کا راستہ بند کردیا گیا تھا جس کی وجہ سے وہ آپس میں لڑنے بھڑنے لگے، اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یومئذ سے قرب قیامت میں قتل دجال کے بعد کا خروج مراد ہے، مفسر علام کے نزدیک چونکہ دوسرے معنی راجح ہیں اس لئے یومئذ کی تفسیر یوم خروجھم سے کرکے اپنے مختار مذہب کی طرف اشارہ کردیا اگرچہ محققین کے نزدیک راجح معنی اول ہیں۔

قولہ: یموج (ن) موجا لہریں مارنا، موجوں کا اٹھنا نفخ فی الصور کی تفسیر ای القرن للبعث سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ یہاں نفخۂ ثانیہ مراد ہے اس لئے کہ نفخۂ اولیٰ تو کائنات کو فنا کرنے کے لئے ہوگا فجمعنا میں فا تعقیبیہ بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔

قولہ: غطاء اس کے معنی اگرچہ سرپوش کے ہیں مگر یہاں مرادی معنی غفلت کے ہیں عرضنا کی تفسیر قربنا سے کرنے کا مقصد عرضنا کے صلہ میں لام کو درست قرار دینا ہے ورنہ تو عرضنا کا صلہ علیٰ آتا ہے کانوا کا عطف کانت پر ہے پھر جملہ ہو کر الکافرون کی صفت ہے الذین کفروا حسب کا فاعل ہے افحسب پر ہمزہ محذوف پر داخل ہے اور فا عاطفہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے أکفروا فحسبوا اور یہ استفہام توبیخی ہے۔

قولہ: ان یتخذوا، حسب کا مفعول بہ قائم مقام دو مفعولوں کے ہے عبادی یتخذوا کا مفعول اول ہے اور اولیاء مفعول ثانی ہے اور من دونی، عبادی سے حال ہے حسب کا مفعول ثانی محذوف بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ شارح کا خیال ہے۔

قولہ: اعمالا تمیز ہے، جمع یا تو مشاکلت کے طور پر ہے یا انواع اعمال کا خیال کرتے ہوئے جمع لائی گئی ہے حالانکہ تمیز میں اصل افراد ہے۔

قولہ: الذین مع صلہ مبتداء محذوف کی خبر ہے ای ھم الذین یہ جملہ مستانفہ ہے اور من ھم؟ کے جواب میں واقع ہے الذین، الاخسرین کی صفت، بدل، اور عطف بیان بھی ہوسکتا ہے وھم یحسبون جملہ ضل کے فاعل سے حال ہے۔

قِوْلَهُ: ذلك، ذلك کے بعد ای الامر الذی ذکرت الخ کا اضافہ کرنے کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ ذلك الامر مبتداء محذوف کی خبر ہے، اور دوسرا مقصد ذلك کے مشار الیہ کو متعین کرنا ہے۔

قِوْلَهُ: ذلك جزاء هم میں ترکیب کے اعتبار سے چار احتمال ہیں ① ذلك مبتداء محذوف الامر کی خبر ای الامر ذلك اور جزاء هم مستقل جملہ ہے ② ذلك مبتداء اول اور جزاء هم مبتداء ثانی اور جهنم اس کی خبر، مبتداء ثانی اپنی خبر سے مل کر جملہ ہو کر خبر مبتداء اول کی اور عائد محذوف ہے ای جزاء هم به ③ ذلك مبتداء مبدل منہ اور جزاء هم اس کا بدل یا عطف بیان بدل مبدل منہ یا مبین بیان سے مل کر مبتداء اور جهنم اس کی خبر ④ ذلك مبتداء جزاء هم مبدل منہ اور جهنم اس کا بدل یا بیان، جملہ ہو کر مبتداء کی خبر۔

قِوْلَهُ: نزلا کانت کی خبر ہے اور اگر لهم خبر مقدم ہو تو نزلا حال ہوگا خالدین حال مقدرہ ہے لا یبغون دوسرا حال ہے حولا حول سے اسم مصدر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا۔

قِوْلَهُ: لکلمات ربی اس میں مضاف محذوف ہے ای لکتابة کلمات ربی.

قِوْلَهُ: ان تنفد بتاویل مصدر ہو کر قبل کا مضاف الیہ ہے مددا تمیز ہے بمعنی زیادتی، اضافہ، انما میں ما کافہ ہے جس نے ان کے عمل کو لفظوں میں روک دیا ہے، دونوں مل کر کلمہ حصر ہو گیا ہے، دونوں کا معنوی عمل باقی ہے ان کا عمل جملہ کی تاکید ہے اور ان جملہ کی تاکید کے ساتھ مابعد کو مفرد کی تاویل میں بھی کرتا ہے، ابن ہشام نحوی (متوفی ٧٦١ھ) مغنی اللبیب ص ٥٩ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اصل یہ ہے کہ أَن اِن کی فرع ہے اور اسی وجہ سے زمخشری کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ اَنما اِنما کی طرح مفید حصر ہے اور مذکورہ دونوں کلمات حصر مذکورہ آیت میں جمع ہو گئے ہیں پہلا کلمہ صفت کو موصوف پر حصر کرنے کے لئے ہے اور دوسرا برعکس ہے انما انا بشر مثلکم میں مخاطبین جیسی بشریت (صفت) مقصور ہے اور انا موصوف مقصور علیہ ہے اور انما الٰهکم اله واحد میں معبود برحق (موصوف) مقصور ہے اور وحدانیت (صفت) مقصور علیہ ہے، بس اب جملہ کا مطلب یہ ہے کہ میں تو بس تم ہی جیسا ایک آدمی ہوں اللہ کی ساری باتیں نہیں جانتا جیسا کہ تم نہیں جانتے ہو، صرف وہی باتیں جانتا ہوں جو میری طرف بذریعہ وحی بھیجی جاتی ہیں، اور دوسرے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ معبود برحق میں صرف وحدانیت کی صفت ہے تعدد کی صفت نہیں جیسا کہ مشرکین کا خیال ہے مثلکم، بشر کی صفت ہے اور انما الٰهکم بتاویل مفرد ہو کر یوحی کا نائب فاعل ہے لیعمل امر غائب کا صیغہ ہے۔

قِوْلَهُ: ولقاء ہ ای بالبعث والحساب والثواب مفسر علام نے لقاء ہ کی تفسیر مذکورہ کلمات سے کر کے اس سوال کا جواب دیا ہے کہ لقاء کے معنی وصول اور اتصال کے ہیں اور یہ معنی خدا کے لئے محال ہیں اس لئے کہ وصول واتصال جسمانیات کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے لہٰذا مفسر علام نے لقاء کی تفسیر والحساب وغیرہ کلمات سے کر دی۔

قِوْلَهُ: لانجعل لهم قدرا سے فلانقیم لهم وزنا کی تفسیر کر کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ دوسری آیت میں سب

کے اعمال کے وزن کرنے کا ذکر ہے اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کے اعمال کا وزن نہیں کیا جائے گا، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں وزن نہ کرنے سے مراد ان کے اعمال کی قدر و قیمت نہ کرنا ہے، اسی اعتراض کو دفع کرنے کے لئے بعض حضرات نے وزنا کے بعد نافعا صفت محذوف مانی ہے یعنی وزن تو ہوگا مگر نافع نہ ہوگا۔

قَوْلَہٗ: وابتداء کا اضافہ کر کے مفسر علام نے اشارہ کیا ہے کہ یہ جملہ مستانفہ ہے یعنی جزاء ھم مبتداء اور جھنم اس کی خبر اس کا عکس بھی درست ہے۔

قَوْلَہٗ: مھزوا، ھزوا کی تفسیر مھزوا سے کر کے اشارہ کر دیا کہ مصدر اسم مفعول کے معنی میں ہے۔

قَوْلَہٗ: فی علم اللہ کے اضافہ سے اس سوال کا جواب مقصود ہے کہ جنت میں دخول زمانۂ مستقبل میں ہوگا، یہاں کانت ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دخول جنت میں ہو چکا ہے۔

جَوَابٌ: یہ ہے کہ حقیقی اور واقعی دخول تو زمانۂ مستقبل ہی میں ہوگا مگر علم ازلی کے اعتبار سے ان کا دخول ہو چکا۔

قَوْلَہٗ: ماء ہ سے اشارہ ہے کہ مضاف محذوف ہے۔

قَوْلَہٗ: لنفد محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ لو شرطیہ ہے اور اس کا جواب لنفد ہے۔

قَوْلَہٗ: لم تفرغ کے اضافہ سے بھی ایک سوال مقدر کا جواب مقصود ہے سوال یہ ہے کہ مذکورہ آیت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ کلمات رب بھی ختم ہو جائیں گے اگر چہ وہ سمندروں کے ختم ہونے کے بعد ہی ختم ہوں، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ قبل بمعنی غیر ہے۔

تفسیر وتشریح

وترکنا بعضھم یومئذ یموج فی بعض الخ یومئذ سے اگر چہ دیگر مفسرین نے یوم السد مراد لیا ہے، مگر چونکہ مفسر رَحِمَۃُاللہُ تَعَالٰی نے قرب قیامت سے یوم خروج مراد لیا ہے، لہٰذا اسی کے مطابق تشریح کی جاتی ہے۔

بعضھم کی ضمیر میں بظاہر راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج ماجوج کی طرف راجع ہے اور اس آیت میں جو ان کا حال بیان ہوا ہے وہ اس دن کی حالت کا بیان ہے جس روز ان کا راستہ کھلے گا ان کی کثرت کا یہ عالم ہوگا کہ وہ جلد بازی میں پہاڑیوں کی بلندیوں سے اتریں گے اور کثرت تعداد اور جلد بازی کی وجہ سے ایک دوسرے پر چڑھتے ہوئے معلوم ہوں گے جس طرح مضطرب اور متلاطم موجیں ایک دوسرے پر چڑھتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اور جمعنٰھم میں ھم ضمیر عام مخلوق جن وانس کی طرف راجع ہے مطلب یہ ہے کہ میدان حشر میں تمام مکلف مخلوق خواہ جن ہوں یا انس سب کو جمع کیا جائے گا، اور صور سے مراد نفخۂ ثانیہ ہے، اور اس دن جہنم کو ان کافروں کے روبرو پیش کیا جائیگا جن کی آنکھوں اور کانوں پر غفلت کا پردہ پڑا ہوا تھا کہ وہ دنیا میں اللہ کی یاد سے غافل رہے تھے اور ان کے کان اللہ کی باتوں سے بہرے تھے۔

مذکورہ آیات کے متعلق امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی تحقیق:

علامہ کی رائے میں وترکنا بعضھم یومئذ یموج فی بعض میں اللہ تعالیٰ نے جو حالت یاجوج ماجوج کی بیان فرمائی ہے وہ قرب قیامت میں ان کے خروج کی نہیں ہے بلکہ یہ اس حالت کا بیان ہے جو ان کا راستہ بند کرنے کے بعد ہوئی یعنی جب ان کا راستہ مسدود ہو گیا تو وہ قومیں آپس ہی میں جنگ و پیکار میں مشغول ہو گئیں اور ان کی کثرت کا یہ حال تھا کہ جب ان کی باہم جنگ ہوتی تھی تو ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے سمندر موجیں مار رہا ہو، مذکورہ آیات کا سد سکندری کی شکست و ریخت نیز قرب قیامت میں ان کے خروج سے کوئی تعلق نہیں ہے علامہ نے اپنی کتاب عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ ص ۲۰۱ پر جو تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ ھذا رحمة من ربی فاذا جاء وعد ربی جعله دکاء وکان وعد ربی حقا ذوالقرنین کا اپنا قول ہے اور کوئی قرینہ سیاق وسباق میں ایسا موجود نہیں ہے جس سے دیوار کے ٹوٹنے کو علامات قیامت شمار کیا جائے اور شاید ذوالقرنین کو یہ معلوم بھی نہ ہو کہ اشراط قیامت میں خروج یاجوج وماجوج بھی ہے انہوں نے ''وعد ربی'' سے صرف اس کا کسی وقت میں ٹوٹ پھوٹ جانا مراد لیا ہے پس اس صورت میں ارشاد باری تعالیٰ وترکنا بعضھم یومئذ یموج فی بعض استمرار تجددی پر دلالت کرتا ہے یعنی برابر ایسا ہوتا رہے گا کہ ان میں سے بعض قبائل بعض پر حملہ آور ہوتے رہیں گے یہاں تک کہ قیامت کا وقت آجائے گا، ہاں البتہ وہ ارشاد جو سورۂ انبیاء میں وارد ہوا ہے حتی اذا فتحت یاجوج وماجوج وھم من کل حدب ینسلون تو یہ بات بلاشبہ علامات قیامت میں سے ہے مگر اس میں دیوار کا قطعاً کوئی ذکر نہیں ہے پس اس فرق کو ملحوظ رکھنا چاہئے، یعنی سورۃ الانبیاء میں ''فتح'' سے عروج وخروج مراد ہے دیوار کا ٹوٹنا یا یاجوج وماجوج کا نکلنا مراد نہیں ہے اس لئے کہ اس آیت میں دیوار کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔ (ہدایت القرآن)

ابن خلدون کی رائے:

مشہور مؤرخ ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں اقلیم سادس کی بحث میں یاجوج وماجوج اور سد ذوالقرنین اور ان کے محل ومقام کے متعلق جغرافیائی تحقیق اس طرح بیان فرمائی ہے:

''ساتویں اقلیم کے نویں حصہ میں مغرب کی جانب ترکوں کے وہ قبائل آباد ہیں جو قنجاق اور چرکس کہلاتے ہیں اور مشرق کی جانب یاجوج وماجوج کی آبادیاں ہیں اور ان دونوں کے درمیان کوہ قاف فاصل ہے جس کا ذکر گذشتہ سطور میں ہو چکا ہے کہ وہ بحر محیط سے شروع ہوتا ہے جو چوتھی اقلیم کے مشرق میں واقع ہے اور اس کے ساتھ شمال کی جانب اقلیم کے آخر تک چلا گیا ہے اور پھر بحر محیط سے جدا ہو کر شمال مغرب میں ہوتا ہوا یعنی مغرب کی جانب جھکتا ہوا پانچویں اقلیم کے نویں حصہ میں داخل ہو جاتا ہے یہاں سے وہ پھر اپنی پہلی سمت کو مڑ جاتا ہے حتی کہ ساتویں اقلیم کے نویں حصہ میں داخل ہو جاتا

ہے اور یہاں پہنچ کر جنوب سے شمال مغرب کو ہوتا ہوا گیا ہے اور اسی سلسلۂ کوہ کے درمیان سد سکندری ہے اور ساتویں اقلیم کے نویں حصہ کے وسط میں سد سکندری جس کا ہم ابھی ذکر کر آئے ہیں واقع ہے اور جس کی اطلاع قرآن نے بھی دی ہے اور عبداللہ بن خرداز بہ نے اپنی جغرافیہ کی کتاب میں واثق باللہ خلیفہ عباسی کا وہ خواب نقل کیا ہے جس میں اس نے یہ دیکھا تھا کہ سد کھل گئی ہے، چنانچہ وہ گھبرا کر اٹھا اور دریافت حال کے لئے سلام ترجمان کو روانہ کیا اس نے واپس آکر اسی سد کے حالات اور اوصاف بیان کئے"۔ (مقدمه ابن خلدون ص ۷۹، بحواله معارف القرآن)

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہ نے اپنی کتاب عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں یاجوج وماجوج اور سد ذوالقرنین کا حال اگرچہ ضمنی طور پر فرمایا ہے مگر جو کچھ بیان فرمایا ہے وہ تحقیق و درایت کے اعلیٰ معیار پر ہے آپ نے فرمایا کہ مفسد اور وحشی انسانوں کی تاخت وتاراج سے حفاظت کے لئے زمین پر ایک نہیں بہت سی جگہوں پر دیواریں بنائی گئی ہیں جو مختلف بادشاہوں نے مختلف مقامات پر مختلف زمانوں میں بنائی ہیں، ان میں سے زیادہ بڑی اور مشہور "دیوار چین" ہے، جس کا طول ابوحیان اندلسی نے جو کہ دربار ایران کا شاہی مؤرخ ہے بارہ سو میل بتایا ہے اور یہ کہ اس کا بانی فغفور بادشاہ چین ہے اور اس کے بنانے کی تاریخ ہبوط آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تین ہزار چار سو ساٹھ سال بعد بتلائی جاتی ہے اور فرمایا کہ اسی طرح کی متعدد دیواریں مختلف مقامات پر بنائی گئی ہیں۔

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قصص القرآن میں حضرت علامہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کے بیان کی توضیح بڑی تفصیل سے کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

"یاجوج وماجوج کی تاخت وتاراج اور شر وفساد کا دائرہ اتنا وسیع تھا کہ ایک طرف کا کیشیا کے نیچے بسنے والے ان کے ظلم وستم کا شکار رہتے تو دوسری جانب تبت چین کے باشندے بھی ہر وقت ان کی زد میں تھے، انہی یاجوج وماجوج کے شر وفساد سے بچنے کے لئے مختلف زمانوں میں مختلف مقامات پر متعدد سدوں کی تعمیر کی گئی، ان میں سب سے زیادہ بڑی اور مشہور دیوار چین ہے، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، دوسری سد وسط ایشیا میں بخارا اور ترمذ کے قریب واقع ہے اور اس کے جائے وقوع کا نام دربند ہے، یہ سد مشہور مغل بادشاہ تیمور لنگ کے زمانہ میں موجود تھی اور شاہ روم کے خاص ہمنشین سیلا برجر جرمنی نے بھی اس کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے اور اندلس کے بادشاہ کسٹیل کے قاصد کلاویجو نے بھی اپنے سفرنامہ میں اس کا ذکر کیا ہے یہ ۱۴۰۳ء میں اپنے بادشاہ کا سفیر ہو کر جب تیمور کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس جگہ سے گذرا ہے، لکھتا ہے باب الحدید کی سد موصل کے اس راستہ پر ہے جو سمرقند اور ہندوستان کے درمیان ہے"۔ (ازتفسیر جواهر القرآن طنطاوی ص ۱۹۸/ ج ۹، بحواله معارف القرآن)

تیسری سد روسی علاقہ داغستان میں واقع ہے یہ بھی دربند اور باب الابواب کے نام سے مشہور ہے، یعقوب حموی نے معجم البلدان میں اور ادریسی نے جغرافیہ میں اور بستانی نے دائرۃ المعارف میں اس کے حالات بڑی تفصیل سے لکھے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے:

''داغستان میں دربند ایک روسی شہر ہے یہ شہر بحر خزر (کاسپین) کے غربی کنارے پر واقع ہے اس کا عرض البلد ۴۳.۳ شمالاً اور طول البلد ۴۸.۱۵ شرقاً ہے اور اس کو دربند نوشیرواں بھی کہتے ہیں اور باب الابواب کے نام سے بھی بہت مشہور ہے''۔

چوتھی سد اسی باب الابواب سے مغرب کی جانب کاکیشیا کے بہت بلند حصوں میں ہے جہاں دو پہاڑوں کے درمیان ایک درہ درۂ داریال کے نام سے مشہور ہے اس جگہ پر چوتھی سد جو قفقاز یا جبل قوقا کوہ قاف کی سد کہلاتی ہے، بستانی نے اس کے متعلق لکھا ہے اور اسی کے قریب ایک اور سد ہے جو غربی جانب بڑھتی چلی گئی ہے غالباً اس کو اہل فارس نے شمالی بربروں سے حفاظت کی خاطر بنایا ہوگا کیونکہ اس کے بانی کا صحیح حال معلوم نہیں ہوسکا بعض نے اس کی نسبت سکندر کی جانب کردی ہے اور بعض نے کسریٰ اور نوشیرواں کی طرف اور یاقوت کہتا ہے کہ تانبا پگھلا کر اس سے تعمیر کی گئی ہے۔

(دائرة المعارف ٥٦١ معجم البلدان جلد ٩/٨)

چونکہ یہ دیواریں شمال ہی میں ہیں اور ایک ہی ضرورت کے لئے بنائی گئی ہیں اس لئے ان میں سے سد ذوالقرنین کونسی ہے اس کے متعین کرنے میں اشکالات پیش آئے ہیں اور بڑا اختلاط ان آخری سدوں کے بارے میں پیش آیا ہے کیونکہ دونوں مقامات کا نام بھی دربند ہے اور دونوں جگہ سد بھی موجود ہے مذکورۃ الصدر چار سدوں میں سے دیوار چین جو سب سے زیادہ بڑی اور سب سے زیادہ مشہور ہے اور قدیم ہے اس کے متعلق تو سدِ سکندر ہونے کا کوئی قائل نہیں اور بجائے شمال کے مشرق اقصیٰ میں ہے اور قرآن کریم کے اشارہ سے اس کا شمال میں ہونا ظاہر ہے اب معاملہ باقی تین دیواروں کا رہ گیا جو شمال میں ہیں ان میں سے عام طور پر مؤرخین مسعودی، اصطخری، حموی وغیرہ اس دیوار کو سد سکندری بتاتے ہیں جو داغستان یا کاکیشیا کے علاقہ باب الابواب کے دربند میں بحر خزر پر واقع ہے، بخارا اور ترمذ کے دربند اور اس کی دیوار کو جن مؤرخین نے سد سکندری کہا ہے وہ غالباً لفظ دربند کے اشتراک کی وجہ سے ان کو اختلاط ہوا ہے اب تقریباً اس کا محل وقوع متعین ہوگیا ہے کہ علاقہ داغستان کاکیشیا کے دربند باب الابواب میں یا اس سے اوپر جبل القفقاز یا کوہ قاف کی بلندی پر ہے اور ان دونوں جگہوں پر سد کا ہونا مؤرخین کے نزدیک ثابت ہے۔

ان دونوں میں سے حضرت العلام حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ نے عقیدۃ الاسلام ص ۲۹۷ میں کوہ قاف کی سد کو ترجیح دی ہے کہ یہ سد ذوالقرنین کی بنائی ہوئی ہے۔

سد ذوالقرنین اس وقت تک باقی ہے، اور قیامت تک رہے گی، یا وہ ٹوٹ چکی؟

آج کل تاریخ وجغرافیہ کے ماہرین اہل یورپ، اس وقت ان شمالی دیواروں میں سے کسی کا موجود ہونا تسلیم نہیں کرتے اور نہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اب بھی یاجوج ماجوج کا راستہ بند ہے اس بنا پر بعض اہل اسلام مؤرخین نے بھی لکھنا شروع کردیا ہے کہ یاجوج ماجوج جن کے خروج کا قرآن وحدیث میں ذکر ہے وہ ہوچکا ہے، بعض نے چھٹی صدی ہجری میں طوفان بن کر اٹھنے والی

قوم تاتار ہی کو اس کا مصداق قرار دیا ہے، بعض نے اس زمانہ میں دنیا پر غالب آجانے والی قوموں روس اور چین اور یورپ کو یاجوج ماجوج کہہ کر اس معاملہ کو ختم کر دیا ہے، مگر یہ سراسر غلط ہے اور احادیث صحیحہ کے انکار کے بغیر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ جس خروج یاجوج ماجوج کو قرآن کریم نے بطور علامت قیامت بیان کیا ہے اور جس کے متعلق صحیح مسلم کی حدیث نواس بن سمعان وغیرہ میں اس کی تصریح ہے کہ یہ واقعہ خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور قتل دجال کے بعد پیش آئے گا اور خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام بلا شبہ اب تک نہیں ہوا۔

البتہ یہ بات قرآن کی نص صریح کے خلاف نہیں ہے کہ سد ذوالقرنین اس وقت ٹوٹ چکی ہو اور یاجوج، ماجوج کی بعض قومیں اس طرف آچکی ہوں بشرطیکہ اس کو تسلیم کیا جائے کہ ان کا آخری اور بڑا ہلہ جو پوری انسانی آبادی کو تباہ کرنے والا ثابت ہوگا وہ ابھی تک نہیں ہوا بلکہ قیامت کی ان بڑی علامات کے بعد ہوگا جن کا ذکر اوپر آچکا ہے یعنی خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام۔

علامہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق اس معاملہ میں یہ ہے کہ اہل یورپ کا یہ کہنا تو کوئی وزن نہیں رکھتا کہ ہم نے ساری دنیا چھان ماری ہے ہمیں کہیں اس دیوار کا پتہ نہیں لگا کیونکہ اول تو خود انہی لوگوں کی یہ تصریحات موجود ہیں کہ سیاحت اور تحقیق انتہائی معراج پر پہنچنے کے باوجود آج بھی بہت سے جنگل اور دریا اور جزیرے ایسے باقی ہیں جن کا ہمیں علم نہیں ہوسکا، دوسرے یہ احتمال بعید نہیں کہ اب وہ دیوار موجود ہونے کے باوجود پہاڑوں کے گرنے اور باہم مل جانے کے سبب ایک پہاڑ ہی کی صورت اختیار کر چکی ہو لیکن کوئی نص قطعی اس کے بھی منافی نہیں کہ قیامت سے پہلے یہ سد ٹوٹ جائے یا کسی دور دراز کے طویل راستہ سے یاجوج ماجوج کی کچھ قومیں اس طرف آسکیں۔

اس سد ذوالقرنین کے تا قیامت باقی رہنے پر بڑا استدلال تو قرآن کریم کے اس لفظ سے کیا جاتا ہے کہ **فاذا جاء وعد ربی جعله دکاء** یعنی ذوالقرنین کا یہ قول کہ جب میرے رب کا وعدہ آپہنچے گا (یعنی خرج یاجوج ماجوج کا وقت آئے گا) تو اللہ تعالیٰ اس آہنی دیوار کو ریزہ ریزہ کر کے زمین کے برابر کر دیں گے اس آیت میں ''وعد ربی'' کا مفہوم ان حضرات نے قیامت کو قرار دیا ہے حالانکہ قرآن کے الفاظ اس بارے میں قطعی نہیں ہیں کیونکہ وعد ربی کا صریح مفہوم تو یہ ہے کہ یاجوج ماجوج کا راستہ روکنے کا جو انتظام ذوالقرنین نے کیا تھا یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہمیشہ اسی طرح موجود رہے جب اللہ تعالیٰ چاہیں گے کہ ان کا راستہ کھل جائے تو یہ دیوار منہدم اور مسمار ہو جائے گی اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ بالکل قیامت کے متصل ہو چنانچہ تمام حضرات مفسرین وعد ربی کے مفہوم میں دونوں احتمال ذکر کرتے ہیں، تفسیر بحر محیط میں ہے **والوعد یحتمل ان یراد به یوم القیامة وان یراد به وقت خروج یاجوج وماجوج.**

قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الهکم اله واحد فمن شاء (الی) ولا یشرك بعبادة ربه احدا.

آپ فرما دیجئے کہ میں تم ہی جیسا ایک انسان ہوں (البتہ) میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے پس

جو شخص اپنے پروردگار کی ملاقات کا آرزومند ہے اسے چاہئے کہ نیک عمل کرے اور اپنے پروردگار کے ساتھ عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے یعنی میں صاف اعلان کرتا ہوں کہ میں تمام انسانوں کی طرح ایک انسان ہوں کوئی فرشتہ یا غیبی مخلوق نہیں ہوں اور نہ خدائی صفت کا حامل ہوں اگر تمہارے سوالوں کا جواب میں نے حسب وعدہ دوسرے دن نہ دیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میں جو کچھ بتاتا ہوں وحی سے بتاتا ہوں اور وحی میرے اختیار کی چیز نہیں ہے اور میرے پاس سب سے اہم وحی یہ آئی ہے کہ تمہارا معبود تو ایک ہی معبود ہے وہ اپنی ذات وصفات میں یکتا اور بے ہمتا ہے تعدد اور شرکت کا اس کی بارگاہ میں کوئی گذر نہیں ہے آخرت کی کامیابی خالص توحید اور عمل صالح پر موقوف ہے پس جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا خواہشمند ہے اسے چاہئے کہ عمل صالح اختیار کرے اور عبادتوں کو شائبہ شرک سے بھی بچائے۔

فائدہ: اس آیت میں صراحت ہے کہ آنحضرت ﷺ بھی بشر ہیں یعنی اپنی نوع کے اعتبار سے انسان ہیں، اور وہ بھی تم ہی جیسے یعنی ماہیت اور لوازم ماہیت میں آپ بھی جملہ انسانوں کی طرح ہیں البتہ اوصاف وکمالات میں آپ کا کوئی ثانی اور مثیل نہیں ہے، اس لئے آپ کا بشر ہونا آپ کے لئے طرۂ افتخار ہے جیسا کہ عبدیت آپ کا سب سے اشرف وصف ہے بلکہ آپ کے بشر ہونے پر خود بشریت رشک ملائکہ ہے لہٰذا جو شخص رسول اللہ کو بشر اور انسان نہیں مانتا اور بلا تاویل صاف انکار کرتا ہے وہ کافر ہے کیونکہ وہ قرآن کریم کی صریح نص کا منکر ہے۔

فائدہ: سیرت کی بعض کتابوں میں جو لکھا گیا ہے کہ آپ ﷺ کا سایہ نہیں تھا کیونکہ نور کا سایہ نہیں ہوتا ہے یہ بات بھی صحیح نہیں ہے آپ ﷺ کا سایہ تھا اور آپ پر دھوپ بھی پڑتی تھی، مسند احمد کی ایک روایت سے بھی آپ ﷺ کے لئے سایہ ہونا ثابت ہے یہ روایت مسند احمد بن حنبل میں تین جگہ آئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے حجۃ الوداع کے سفر میں حضرت صفیہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا کی سواری ہلاک ہوگئی آپ ﷺ نے حضرت زینب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا سے فرمایا تمہارے پاس ایک سواری زائد ہے صفیہ کو دیدو، انہوں نے انکار کر دیا اور ان کے منہ سے حضرت صفیہ کے لئے ایک سخت بات نکل گئی آپ حضرت زینب سے ناراض ہوگئے اور تقریباً تین ماہ ان کے پاس تشریف نہیں لے گئے تا آنکہ وہ مایوس ہوگئیں، جب ماہ ربیع الاول شروع ہوگیا تو آپ حضرت زینب کے پاس تشریف لائے تو حضرت زینب نے آپ کا سایہ دیکھا اور دل میں سوچنے لگیں کہ یہ کسی آدمی کا سایہ معلوم ہوتا ہے اور نبی کریم ﷺ تو میرے پاس تشریف لاتے نہیں پھر یہ سایہ کس کا ہوسکتا ہے؟ وہ یہ سوچ رہی تھیں کہ آپ ﷺ مکان میں داخل ہوئے الخ۔

اس حدیث سے صراحتاً معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا سایہ تھا اور وہ زمین پر پڑتا بھی تھا۔

فائدہ: آخری آیت میں جس شرک کی ممانعت فرمائی گئی ہے وہ عام ہے خواہ شرک جلی ہو یا خفی، شرک جلی وہ ہے جو مشرکین کیا کرتے تھے اور شرک خفی ریا ونمود کا نام ہے اور جس طرح شرک جلی سے عمل باطل ہوجاتا ہے ریاکاری بھی عمل کو خراب کردیتی ہے کوئی عمل جو دنیوی غرض کے لئے کیا گیا ہو اور شہرت وجاہ اس سے مطلوب ہو اور لوگوں کو سنانے اور دکھانے کے لئے کیا گیا ہو وہ مقبول نہیں ہے ایسا عمل آخرت میں وبال جان بن جائے گا، یہ مضمون بہت سی احادیث میں وارد ہوا ہے۔

فائدہ: اخلاص اور ریا کے اعتبار سے عمل کے چار درجہ ہیں:

❶ از ابتداء تا انتہاء عمل خالص اللہ کے لئے ہو اور عمل پورا ہونے کے بعد بھی اس کا کسی کو پتہ نہ چلے، یہ نہایت اعلیٰ درجہ کا عمل ہے قیامت کے روز جبکہ عرش کے سایہ کے علاوہ کہیں سایہ نہ ہوگا ایسے مخلص کو اللہ تعالیٰ سایہ عطا فرمائیں گے۔

❷ از ابتداء تا انتہاء محض ریا اور نمود کے لئے ہو ایسا عمل بے فائدہ اور ضائع بلکہ وبال جان ہوگا، حدیث شریف میں ایسے تین آدمیوں کا حال بیان کیا گیا ہے جن کو قیامت کے دن سب سے پہلے فیصلہ سنایا جائے گا ایک شہید دوسرا قاری تیسرا بڑا دولت مند تفصیل مسلم شریف اور ترمذی میں دیکھئے۔

❸ عمل شروع تو اخلاص سے ہوا ہو مگر پورا ہونے سے پہلے اس میں ریاء و نمود شامل ہو گیا ہو یہ ریا بھی عمل کو ضائع کر دیتی ہے۔

❹ پورا عمل از اول تا آخر اخلاص پر مبنی ہو اور عمل پورا ہونے کے بعد نہ اس نے ظاہر کیا ہو اور نہ اس کی خواہش کی ہو مگر کسی وجہ سے خود بخود اس کے عمل کی شہرت ہوگئی اور لوگ تعریف کرنے لگے اور اس کو وہ تعریف اچھی معلوم ہونے لگی یہ بات عمل کے لئے مضر نہیں۔

تَمَّتْ سُوْرَۃُ الْکَھْفِ بِعَوْنِہٖ تعالیٰ

سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ اَوْ اِلَّا سَجْدَتَهَا فَمَدَنِيَّةٌ اَوْ اِلَّا فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ الآيَتَيْنِ فَمَدَنِيَّتَانِ وَهِيَ ثَمَانٌ اَوْ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ آيَةً.

سورۂ مریم مکی ہے مگر آیت سجدہ مدنی ہے، یا فخلف من بعدھم خلف دو آیتیں مدنی ہیں اور یہ کل ۹۸ یا ۹۹ آیتیں ہیں۔

توضیح: سورۂ مریم کے مکی یا مدنی ہونے میں تین قول ہیں ① پوری سورت مکی ہے ② وہ آیت جس میں سجدہ ہے مدنی ہے ③ **فخلف من بعدھم** دو آیتیں مدنی ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ كٓهٰيٰعٓصٓ الله اعلم بمراده بذلك **ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ** مفعول رحمة **زَكَرِيَّا** بيان له **اِذْ** مُتعلِّق برحمة **نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً** مُشتمِلاً عَلى دُعاء **خَفِيًّا** سِرًّا جوفَ الليل لانه اَسْرَعُ للاِجابَةِ **قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ** ضَعُفَ **الْعَظْمُ** جميعُه **مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ** مني **شَيْبًا** تمييزٌ محولٌ عن الفاعلِ اى اِنْتَشَرَ الشيب في شَعره كما يَنتشِرُ شُعَاعُ النارِ فى الحَطَب وانى اُرِيْدُ ان اَدْعُوك **وَلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ** اى بدُعائى اِيَّاكَ **رَبِّ شَقِيًّا** اى خائبًا فيما مَضٰى فلا تُخيِّبنِى فيما ياتى **وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ** اى الذين يَلُوْنِي فى النَسَبِ كَبَنِي العَمّ **مِنْ وَّرَآءِيْ** بَعدَ موتي على الدّين اَن يُضيعوه كما شاهَدْتُه فى بنى اسرائيل من تَبديل الدين **وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا** لاتلِدُ **فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ** من عِندِكَ **وَلِيًّا** اِبنًا **يَّرِثُنِيْ** بالجزم جواب الاَمر وبالرَّفعِ صِفةُ وليًا **وَيَرِثُ** بالوَجهَينِ **مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ** جَدِّيَ العلمَ والنبوةَ **وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا** اى مَرْضِيًّا عندك قال تعالٰى فى اجابة طلبه الابنَ الحاصلِ بها رحمةً.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہے **کھیعص** اس سے اللہ کی کیا مراد ہے وہی خوب جانتا ہے یہ (متلو) اپنے بندے زکریا پر تیرے رب کی رحمت کا تذکرہ ہے **عبدہٗ** **رحمت** کا مفعول ہے زکریا،

عبدہ کا بیان ہے جبکہ اس نے اپنے رب کو مخفی طور پر پکارا اذ رحمۃ سے متعلق ہے، یعنی ایسا پکارنا کہ جو راز داری پر مشتمل تھا رات کے درمیانی حصہ میں اس لئے کہ یہ (طریقہ) سریع القبول ہے عرض کیا اے میرے پروردگار میری تمام ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں اور میرے سر میں بالوں کی سفیدی پھیل پڑی ہے شیبا فاعل سے منقول ہو کر تمیز ہے یعنی جس طرح لکڑیوں میں آگ پھیل جاتی ہے اسی طرح سفیدی میرے سر کے بالوں میں پھیل گئی (اس کے باوجود) میں آپ سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں (اور اس سے قبل بھی) میں آپ سے اے میرے رب درخواست کر کے کبھی محروم نہیں رہا ہوں یعنی میں آپ سے اپنی دعاء میں زمانہ گذشتہ میں بھی (ناکام نہیں رہا ہوں) لہٰذا آئندہ بھی مجھے محروم نہ فرمائیں اور مجھے میرے قریبی رشتہ داروں کی طرف سے یعنی ان لوگوں کی طرف سے کہ جو میرے نسبی رشتہ دار ہیں جیسا کہ چچازاد بھائی وغیرہ دین کے معاملہ میں اندیشہ ہے کہ میرے بعد یعنی میرے مرنے کے بعد دین کو ضائع کردیں گے جیسا کہ میں بنی اسرائیل میں مشاہدہ کر چکا ہوں اور میری بیوی بھی بانجھ ہے جس سے کوئی اولاد نہیں ہوئی سو (اس صورت میں) آپ مجھ کو خاص اپنے پاس سے یعنی اپنی خصوصی رحمت سے (اسباب عادیہ کے مفقود ہونے کے باوجود) ایک وارث یعنی ایسا بیٹا دیدیجئے جو میرا اور میرے دادا یعقوب کے خاندان کے علم و نبوت کا وارث بنے یرثنی میں جواب امر ہونے کی وجہ سے جزم اور (جملہ ہو کر) ولیا کی صفت ہونے کی وجہ سے رفع ہے اور یرث میں بھی مذکورہ دونوں صورتیں جائز ہیں اور اے میرے پروردگار اس کو پسندیدہ یعنی اپنے نزدیک مقبول بنا دیجئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اجابت دعاء کی وجہ سے بطور رحمت حاصل ہونے والے بیٹے کی درخواست کے جواب میں فرمایا یا زکریا الخ.

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: کٓھٰیٰعٓصٓ یہ متشابہات میں سے ہے جس کا واقعی علم اللہ اور اس کے رسول ہی کو ہے بندوں کے لئے اس کی تفتیش و جستجو بھی اچھی نہیں بعض اسلاف نے اس کی مراد بیان کی ہے، مگر وہ تخمینی ہے نہ کہ تحقیقی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ اسماء الٰہیہ میں سے ایک اسم ہے اور قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ قرآن کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ اسم اعظم ہے وغیرہ وغیرہ۔

قولہ: ذکر رحمت ربك عبده، عبده رحمت کا مفعول بہ ہے اور بعض حضرات نے ذکر کا مفعول بہ کہا ہے زکریا عبده سے بدل یا عطف بیان ہے ذکر رحمۃ میں ذکر مصدر اپنے مفعول کی جانب مضاف ہے اور مصدر کا فاعل محذوف ہے ای ذکر اللّٰہ رحمته اور رحمۃ مصدر کی اضافت رب کی جانب مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ہے اور جملہ ہو کر ھٰذا مبتداء محذوف کی خبر ہے جیسا کہ مفسر علام نے ھٰذا محذوف مان کر اشارہ کر دیا ہے ای ھٰذا المتلو ذکر رحمۃ ربك

اور ایک ترکیب یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ذکر رحمۃ ربك الخ مبتداء ہے اور اس کی خبر مقدم محذوف ہے ای فیما یتلی علیك ذکر رحمۃ ربك اور ذکر رحمت کا مطلب رحمت کا معاملہ کرنا ہے نہ وہ ذکر جو نسیان کے مقابلہ میں ہے اذ نادی رحمۃ کا ظرف ہے اور بعض حضرات نے ذکر کا ظرف قرار دیا ہے مفسر علام نے اذ کے بعد متعلق برحمۃ کے اضافہ سے یہ بتادیا کہ اذ نادی اگرچہ ذکر کا بھی ظرف ہو سکتا ہے مگر مفسر کے نزدیک رحمۃ کا ظرف بنانا بہتر ہے ای رحمۃ اللہ ایاہ وقت اذ ناداہ.

قِوْلَہٗ: وھن (س ض) وھنا کمزور ہونا، ضعیف ہونا، حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وھن العظم منی فرمایا حالانکہ وھن عظمی زیادہ مختصر ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جَوَابٌ: وھن العظم منی میں تفصیل بعد الاجمال ہے اس لئے کہ العظم منی جنسیۃ مقصودہ پر واضح الدلالۃ ہے، اس لئے کہ وھن العظم مطلق ہے جس میں حضرت زکریا اور ان کے غیر کی ہڈیاں شامل ہیں منی کہہ کر خود کو دوبارہ شامل کرلیا اس طرح منی العظم کی تاکید ہوئی۔ (روح)

قِوْلَہٗ: قال ربی یہ جملہ نادی ربہ کی تفسیر ہے، العظم میں الف لام استغراق جنسی کے لئے ہے مراد تمام ہڈیاں، العظم کو مفرد لایا گیا ہے نہ کہ جمع اس لئے کہ جمع کا اطلاق اس صورت میں بھی درست ہے جبکہ بعض ہڈیاں کمزور ہوگئی ہوں۔

قِوْلَہٗ: اشتعال اصل میں انتشار شعاع النار فی الحطب کو کہتے ہیں، شیبا بوجہ تمیز منصوب ہے اور فاعل سے منقول ہے تقدیر عبارت یہ ہے انتشر الشیب فی شعرہ شاب (ض) شیبا بوڑھا ہونا، بالوں کا سفید ہونا، بعض حضرات نے شیبا کو مصدریت کی وجہ سے منصوب کہا ہے، بایں طور کہ اشتعل الرأس شاب کے معنی میں ہے لہٰذا اب عبارت ہوگی شاب شیبا اور بعض حضرات نے حال ہونے کی وجہ سے منصوب کہا ہے اور شیبا بمعنی شائبا کہا ہے (روح) مگر یہ دونوں قول مرجوح ہیں رأس کے بعد منی کو ماقبل پر اعتماد کرتے ہوئے ترک کردیا۔

قِوْلَہٗ: الموالی جمع مولیٰ، قریبی رشتہ دار، بنی عم وغیرہ عاقرا بانجھ عاقر کے آخر سے ۃ حذف کردی گئی ہے جیسا کہ حائض سے، حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیوی کا نام اشاع بنت فاقوذ ہے اور اشاع کی بہن کا نام حنہ ہے اشاع کے یحیی پیدا ہوئے اور حنہ کے مریم اور مریم کے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام، اس طرح عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام یحییٰ کے خالہ زاد بھانجے ہوئے۔

قِوْلَہٗ: رضیا مصدر بمعنی مفعول پسندیدہ۔

قِوْلَہٗ: بدعائك کی تفسیر بدعائی سے کرکے اشارہ کردیا کہ دعاء مصدر ہے اور اپنے مفعول کی جانب مضاف ہے اور اس کا فاعل ی ضمیر متکلم محذوف ہے۔

قِوْلَہٗ: العلم والنبوۃ سے اشارہ کردیا کہ انبیاء کی میراث علم ہے نہ کہ مال ودولت۔

تفسیر و تشریح

نداء خفیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعاء آہستہ اور خفیہ طور پر کرنا افضل ہے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان خیر الذکر الخفی وخیر الرزق ما یکفی یعنی بہترین ذکر خفی ہے اور بہترین رزق وہ ہے جو کافی ہو جائے (ضرورت سے نہ گھٹے اور نہ بڑھے) ذکر خفی کے افضل ہونے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ذکر خفی میں تضرع اور خشوع وخضوع زیادہ ہوتا ہے، ریا ونمود سے دور ہوتا ہے حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خفیہ طور پر بیٹے کی دعاء میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ لوگ ان کو بے وقوف قرار نہ دیں کہ بڈھا اب بڑھاپے میں اولاد مانگ رہا ہے جبکہ اولاد کے ظاہری تمام امکانات ختم ہو چکے ہیں۔

انی وھن العظم منی الخ حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کمزوری کا ذکر کرتے ہوئے اپنی ہڈیوں کی کمزوری کا ذکر فرمایا ہے اس لئے کہ ہڈیاں عمود بدن ہوتی ہیں جب ہڈیاں ہی کمزور ہو گئیں تو بقیہ چیزوں کے کمزور نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دعاء میں اپنی حاجت مندی کا اظہار مستحب ہے:

حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا سے پہلے اپنی کمزوری اور ضعف کا ذکر فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا کرتے وقت اپنی بدحالی نیز ضعف اور کمزوری نیز حاجت مندی کا ذکر کرنا قبولیت کے لئے اقرب ہے اسی لئے علماء نے فرمایا کہ انسان کو چاہئے کہ دعا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اپنی حاجت مندی کا ذکر کرے۔

حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اپنے ضعف اور کمزوری کا ذکر کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اولاد پیدا ہونے کے تمام ظاہری اسباب مفقود ہیں اب تو ہم دونوں بوڑھے ہو چکے ہیں جب دونوں جوان تھے اور اولاد کے ظاہری اسباب بھی موجود تھے اس وقت کچھ نہ ہوا تو اب تو ظاہری اسباب بھی مفقود ہو چکے ہیں، اس بات کا تقاضہ تو یہ تھا کہ میں آپ سے اولاد کی دعا نہ کروں مگر چونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرے قریبی عزیز وقریب دین پر قائم نہ رہ سکیں خود بھی گمراہ ہو جائیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں، اس ضرورت اور مصلحت کی وجہ سے ظاہری اسباب نہ ہونے کے باوجود میں آپ سے ایک بیٹے کی درخواست کرتا ہوں کہ جو میرے اور خاندان یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علمی اور نبوی ورثہ کا وارث ہو سکے۔

واشتعل الرأس شیبا اور میرا پورا سر بڑھاپے کی وجہ سے سفید ہو چکا ہے اس سے بھی ضعف وکبرسنی کا اظہار مقصود ہے، بالوں کی سفیدی کو آگ کی روشنی سے تشبیہ دے کر اس کا پورے سر پر پھیل جانا مقصود ہے۔

البلاغة

① الكناية (وهن العظم منى) كناية عن ذهاب القوة وضعف الجسم ② الاستعارة (اشتعل الرأس شيبا) شبه انتشار الشيب وكثرته باشتعال النار فى الحطب واستعير الاشتعال للانتشار واشتق منه اشتعل بمعنى انتشر ففيه استعارة تبعية.

یرثنی ویرث من ال یعقوب الخ باتفاق جمہور علماء اس آیت میں وراثت سے وراثت مالی مرادنہیں ہے قال البيضاوى المراد وراثة الشرع والعلم فان الانبياء لا يورثون المال ۱۴/۲ اول تو حضرت زکریا علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس کوئی بڑی دولت ہونا ثابت نہیں کہ جس کی فکر ہو کہ اس کا وارث کون ہوگا؟ اور ایک پیغمبر کی شان سے بھی ایسی فکر کرنا بعید ہے اس کے علاوہ وہ صحیح حدیث جس پر صحابہ کرام کا اجماع ثابت ہے اس میں ہے:

العلماء ورثة الانبياء وان الانبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما انما ورثوا العلم فمن اخذه اخذ بحظ وافر.

بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں کیونکہ انبیاء دینار و درہم کی وراثت نہیں چھوڑتے بلکہ ان کی وراثت علم ہوتا ہے جس نے علم حاصل کرلیا اس نے بڑی دولت حاصل کرلی"۔ (رواہ احمد وابوداؤد و ابن ماجہ والترمذی)

یہ حدیث کلینی کی اصول کافی وغیرہ میں بھی موجود ہے اور صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لانورث وما نورث صدقة.

ہم انبیاء کی مالی وراثت کسی کو نہیں ملتی ہم جو مال چھوڑتے ہیں وہ سب صدقہ ہے۔

اور خود اس آیت میں یرثنی کے بعد ویرث من آل یعقوب کا اضافہ اس کی دلیل ہے کہ وراثت سے وراثت مالی مراد نہیں ہے کیوں کہ جس لڑکے کی پیدائش کی دعا کی جارہی ہے اس کا آل یعقوب کے لئے مالی وارث بننا بظاہر ممکن نہیں اس لئے کہ آل یعقوب کے ورثاء ان کے عصبات قریبہ ہوں گے اور وہ وہی موالی ہیں جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے وہ بلاشبہ قرابت اور عصوبت میں حضرت یحییٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے اقرب ہیں اقرب کے ہوتے ہوئے عصبہ بعید کو وراثت ملنا اصول وراثت کے خلاف ہے۔

روح المعانی میں کتب شیعہ سے یہ نقل کیا گیا ہے:

روى الكليني فى الكافى عن ابى البخترى عن ابى عبدالله قال ان سليمان ورث داؤد وأن محمدًا صلى الله عليه وسلم ورث سليمان.

سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وارث ہوئے اور محمد ﷺ سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وارث ہوئے۔

یہ ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مالی وراثت ملنے کا کوئی احتمال وامکان ہی نہیں اس سے مراد علوم نبوت کی وراثت ہے اس سے معلوم ہوا کہ ورث سلیمان داؤد میں بھی وراثت مالی مراد نہیں۔

واجعله رب رضیا اے پروردگار تو اس کو اپنے نزدیک مقبول اور پسندیدہ بنا اس سے معلوم ہوا کہ والدین کو اپنے بچوں کے لئے نیک صالح خوش اخلاق وخوش اطوار بننے کی دعاء کرنا طریقہ انبیاء ہے۔

سَوال: حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا یرثنی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پیدا ہونے والا لڑکا حضرت زکریا کی وفات کے بعد بھی زندہ رہے اور اس لئے کہ وارث بننے کا عام طور پر یہی مطلب ہوتا ہے حالانکہ تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی ہی میں قتل کر دیئے گئے تھے۔

جَواب: ① بقاء عام ہے بقاء ذات کو اور بقاء آثار کو لہٰذا اگر حضرت یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات باقی نہیں رہی تو ان کے آثار باقی رہے ② یا فاستجبنا دعاء کے بعض اجزاء کے اعتبار سے ہے ③ حضرت یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ قتل کی تقدیم ثابت نہ ہو۔ (بیان القرآن)

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ يرث كما سألتَ **اِسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا** اى مسمّٰى بيحيٰى **قَالَ رَبِّ اَنّٰى** كيف **يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا** من عَتَا يَبِسَ اى نهايةَ السّن مائة وعشرين سنة وبَلغَتْ امرأتى ثمانى وتسعين سنة واصل عِتِيّ عُتوٌ كُسِرَتْ التاء تَخفِيفًا وقُلِبَتْ الواو الاولٰى ياءً لِمُناسَبَة الكسرة والثانيةُ ياءً لتُدْغَمَ فيها الياء **قَالَ** الامر **كَذٰلِكَ** من خَلقِ غُلام مِنكُما **قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ** اى بأنْ اَرُدَّ عليكَ قوة الجماعِ واُفتِّق رَحم امرأتك للعُلوق **وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا** قبلَ خَلقِك وَلِإظهارِ اللّٰهِ تعالٰى هٰذه القدرةَ العظيمةَ اَلهَمَهُ السؤالَ ليُجاب بما يَدُلُّ عليها ولمّا تاقَتْ نَفسُه الٰى سُرْعَةِ المُبشَّرِ به **قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً** اى عَلامَةً على حَمل اِمرأتى **قَالَ اٰيَتُكَ** عليه **اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ** اى تَمتَنِعَ مِن كلامِهم بخلافِ ذِكرِ اللّٰه تعالٰى **ثَلٰثَ لَيَالٍ** اى بايّامِهاو كما فِي آلِ عمرانَ ثلاثةَ اَيّام **سَوِيًّا** حالٌ من فاعل تَكلَّمَ اى بلا علّة **فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ** اى المسجدِ وكانوا يَنتَظِرُوْنَ فَتحَهُ ليُصلّوا فيه بامره على العادة **فَاَوْحٰٓى** اَشارَ **اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا** صَلّوا **بُكْرَةً وَّعَشِيًّا** اَوائِلَ النّهار واَواخِرَهُ على العادةِ فعُلِمَ بمَنعِهِ مِن كلامِهم حَمْلُها بيحيٰى وبعدَ وِلادَتِه بِسَنتَيْنِ قال تعالٰى له **يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ** اى التورٰة **بِقُوَّةٍ** بجِدّ **وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ** النبوة **صَبِيًّا** ابنَ ثلاثِ سنين **وَّحَنَانًا** رحمةً للناس **مِّنْ لَّدُنَّا** من عندنا **وَزَكٰوةً** صَدَقَةً عليهم **وَكَانَ تَقِيًّا** رُوِيَ انه لم يَعمَلْ خطيئةً قطُّ ولم يَهُم بها **وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ** اى مُحسِنًا اليهما

وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا متكبِّرًا عَصِيًّا﴿۱۴﴾ عاصيًا لربه وَسَلٰمٌ منا عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا﴿۱۵﴾ اى فى هذه الايام المُخَوِّفَةِ التى يرٰى فيها مالم يره قبلها فهو آمِنٌ فيها. ع

ترجمہ: اے زکریا ہم تجھے ایک فرزند کی خوشخبری دیتے ہیں جو تیری درخواست کے مطابق وارث ہوگا اس کا نام یحییٰ ہوگا اس کا ہمنام پہلے ہم نے کسی کو نہیں کیا یعنی یحییٰ کا ہم نام تو زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا اے میرے پروردگار میرے لڑکا کس طرح ہوگا حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی انتہائی درجہ کو پہنچ گیا ہوں عتیا عتا سے ماخوذ ہے بمعنی یبس یعنی عمر کے آخری مرحلہ میں پہنچ چکا ہوں جو ایک سو بیس سال ہے اور میری بیوی ۹۸ سال کی ہو چکی ہے عتی اصل عتوو بروزن قعود تخفیف کے لئے تا کو کسرہ دیدیا اور اول واو کو کسرہ کی مناسبت سے ی سے بدل دیا اور پھر دوسرے واو کو بھی ی سے بدل کر یا کو یا میں ادغام کردیا پھر عین کلمہ کے ضمہ کو بھی تا کی موافقت کے لئے کسرہ سے بدل دیا عتیا ہو گیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں سے لڑکے کی پیدائش کا معاملہ اسی (موجودہ) حالت میں ہوگا تیرے رب کا فرمان ہے کہ یہ (امر) میرے لئے آسان ہے یعنی یہ کہ میں تجھ میں قوت جماع لوٹا دوں اور استقرار حمل کے لئے تیری بیوی کے رحم کو کھول دوں اور میں نے تم کو پیدا کیا حالانکہ تمہارا اپنی پیدائش سے پہلے وجود بھی نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے اپنی اسی قدرت عظیمہ کے اظہار کے لئے (بچے) کے سوال کا خیال حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں ڈالا تا کہ اس کے جواب میں ایسا معاملہ کرے جو اس کی قدرت پر دلالت کرے، اور جب زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دل بعجلت مبشر بہ (فرزند) کے لیے مشتاق ہوا تو زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا اے میرے رب میرے لئے کوئی علامت مقرر فرما دیجئے یعنی میری بیوی کے حاملہ ہونے کی کوئی نشانی (بتا دیجئے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا حاملہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ تم لوگوں سے کلام نہ کرسکو گے یعنی تم تین دن اور تین راتوں تک لوگوں سے کلام کرنے پر سوائے ذکر اللہ کے صحیح سالم ہونے کے باوجود کلام کرنے پر قادر نہ ہوگے، جیسا کہ آل عمران میں ثلٰثة ایام کی (صراحت) موجود ہے سویا تکلم کے فاعل سے حال ہے یعنی بلا کسی مرض کے (کلام نہ کرسکو گے) پس حجرے سے اپنی قوم کے روبرو برآمد ہوئے یعنی مسجد سے اور لوگ مسجد کے کھلنے کے منتظر تھے تا کہ حسب معمول ان کے حکم کے مطابق اس میں عبادت کی جاسکے، اور لوگوں سے اشارہ سے کہا کہ تم لوگ صبح و شام خدا کی پاکی بیان کیا کرو نماز پڑھا کرو، یعنی حسب معمول دن کے اول اور آخری حصہ میں اس کی بندگی کیا کرو چنانچہ لوگوں سے کلام نہ کرسکنے کی وجہ سے حضرت زکریا کو اپنی بیوی کے یحییٰ کے ساتھ حاملہ ہونے کا علم ہو گیا یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کے دو سال بعد اللہ تعالیٰ نے یحییٰ سے فرمایا اے یحییٰ کتاب یعنی تورات کو مضبوطی سے تھام لو اور ہم نے ان کو لڑکپن ہی میں حکمت نبوت عطا کی یعنی تین سال کی عمر میں اور خاص اپنے پاس سے لوگوں کے لئے رحم دلی عطا کی اور ان کو لوگوں کے لئے وقف کردیا اور وہ (فطری طور پر) پرہیزگار تھے، اور روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے کبھی جرم کا ارتکاب نہیں

کیا اور نہ کبھی جرم کا قصد کیا اور اپنے والدین کے خدمت گذار تھے یعنی ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے والے تھے سرکش متکبر اور نافرمان نہیں تھے یعنی اپنے رب کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والے نہیں تھے اور اس پر ہماری طرف سے سلام پہنچے جس دن کہ وہ پیدا ہوئے اور جس دن ان کی وفات ہوگی اور جس دن ان کو زندہ کرکے اٹھایا جائے گا، یعنی ان تینوں ہولناک دنوں میں کہ جن میں (انسان) وہ چیزیں دیکھتا ہے جو اس سے پہلے نہیں دیکھی ہوتیں (یعنی ان تینوں دنوں میں ایسی چیزوں سے سابقہ پڑتا ہے کہ اس سے پہلے نہیں پڑا ہوتا)۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہُ: یحیٰی (س) حیاۃ مضارع مثبت واحد مذکر غائب بمعنی جیتا رہے یحییٰ حضرت زکریا علیہ الصلاۃ والسلام کے صاحبزادے کا نام ہے چونکہ حضرت یحییٰ کی ولادت سے ان کی والدہ کا رحم زندہ ہوگیا (یعنی بانجھ پن ختم ہوگیا) اسی لئے ان کا نام یحییٰ رکھا، یحییٰ علمیت اور عجمہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

قِوْلَہُ: اسمه یحیٰی غلام کی صفت ہے لم نجعله له الخ یا تو غلام کی صفت ثانی ہے یا پھر غلام سے حال ہے۔

قِوْلَہُ: عتیا یہ عتا یعتو کا مصدر ہے، اس کے معنی اکڑ جانا، نہایت بوڑھا ہونا، جوڑوں اور ہڈیوں میں خشکی کا پیدا ہوجانا ① عتیا بلغت کا مفعول بہ ہے ② بلغت کے معنی کے لئے مصدر مؤکد ہو اس لئے کہ بلوغ الکبر، عتیا کے معنی میں ہے ③ عتیا مصدر موقع میں بلغت کے فاعل سے حال واقع ہے، ای بلغت عاتیا ④ تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہوسکتا ہے۔

قِوْلَہُ: ھین ھون سے صفت مشبہ بمعنی آسان أنی بمعنی کیف یہ حصول ولد کی کیفیت سے سوال ہے نہ کہ بعید اور محال سمجھنے کی وجہ سے، اور استفہام تعجبی بھی ہوسکتا ہے۔

قِوْلَہُ: عتیا کی تفسیر نهایة السن سے تفسیر باللازم ہے۔

قِوْلَہُ: ثلث لیال کے بعد بایامها کے اضافہ کا مقصد اس آیت اور آل عمران کی آیت میں تطبیق دینا ہے اس لئے کہ وہاں ایام کا ذکر ہے اور یہاں لیال کا ذکر ہے۔

قِوْلَہُ: تاقت (ن) توقا تؤقا و توقانا مشتاق ہونا۔

قِوْلَہُ: وقد خلقتك علی کی ضمیر سے حال ہے ولم تك خلقتك کے کاف سے حال ہے سویا لاتکلم کی ضمیر سے حال ہے۔

قِوْلَہُ: المحراب مسجد، شیطان سے لڑنے کی جگہ۔

قِوْلَہُ: حنانا اس کا عطف الحکم پر ہے حنان بمعنی رحمت، رقت قلب.

قِوْلَہُ: بعد ولادته الخ کے مقدر ماننے کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ یحییٰ محذوف پر مرتب ہے اس لئے کہ

یحییٰ کے علوق کی خوشخبری دینے کے بعد فوراً ہی یحییٰ کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم دیا گیا ہے حالانکہ وہ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تو معلوم ہوا کہ کلام میں حذف ہے جس کو مفسر علام نے بعد ولادته سے ظاہر کردیا۔

تفسیر وتشریح

یٰزکریا انا نبشرك بغلام الایة یہ خوشخبری ملائکہ کے ذریعہ دی تھی جیسا کہ سورۂ آل عمران میں فرمایا **فنادته الملائکة وھو قائم یصلی فی المحراب ان اللّٰہ یبشرك بیحییٰ** اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ ولادت فرزند کی خوشخبری سنائی بلکہ اس کا نام بھی خود ہی تجویز کردیا اور نام بھی ایسا نرالا کہ ماضی میں اس کی کوئی نظیر نہیں۔

نکتہ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یکتا اور نرالا نام رکھنا محمود ہے بشرطیکہ اس کے معنی نامناسب نہ ہوں اس لئے کہ یہاں نام کی یکتائی کو مقام مدح میں بیان کیا گیا ہے **سمیا** کے دوسرے معنی مثل اور مشابہ کے بھی آتے ہیں اگر دوسرے معنی مراد لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ بعض صفات اور حالات ان کے ایسے ہیں جو انبیاء سابقین میں سے کسی کے نہیں تھے ان صفات خاصہ میں وہ بے مثیل تھے مثلاً ان کا **حصور** ہونا اس لئے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت یحییٰ تمام انبیاء سابقین سے افضل ہوں کیونکہ ان میں حضرت خلیل اللہ اور حضرت کلیم اللہ کا ان سے افضل ہونا مسلم اور معروف ہے (مظہری) اس لئے کہ جزئی فضیلت سے کلی فضیلت لازم نہیں آتی۔

قال رب انّٰی یکون لی غلام یہ استفہام تعجب وسرور ہے، یا حصول ولد کی کیفیت معلوم کرنے کے لئے ہے یعنی میرے فرزند ہونے کی صورت کیا ہوگی آیا ہم دونوں کی جوانی لوٹا دی جائے گی یا مجھے نکاح ثانی کرنا ہوگا یا بحالت موجودہ ہی اولاد ہوگی حالانکہ ظاہری اسباب مفقود ہیں اس کے بعد حضرت زکریا علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی بیوی کے بانجھ ہونے اور اپنے ضعف اور پیری کا ذکر فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا **قال کذلك** یعنی موجودہ حالت ہی میں اولاد ہوگی میری قدرت کے لئے اسباب عادیہ کی ضرورت نہیں ہے میری قدرت اسباب عادیہ سے وراء الوراء ہے، میرے لئے بغیر اسباب عادیہ کے فرزند عطا کردینا بالکل آسان ہے، اور اسباب عادیہ کے ختم ہوجانے کے بعد دوبارہ لوٹا دینا بھی میرے لئے آسان ہے۔

حضرت زکریا علیہ الصلاۃ والسلام کی بیوی یعنی حضرت یحییٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی والدہ کا نام اشاع ہے جو کہ حضرت عمران کی صاحبزادی ہیں حضرت عمران کی دوسری صاحبزادی کا نام مریم ہے جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی والدہ ہیں اس طرح حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام خالہ زاد بھائی ہوتے ہیں اور حضرت زکریا حضرت عیسیٰ کے خالو ہوتے ہیں، یہ قول زیادہ راجح ہے گو اس کے علاوہ بھی ایک قول خالہ زاد بھانجہ ہونے کا ماسبق میں گذر چکا ہے مگر وہ مرجوح ہے۔

قال رب اجعل لی آیة اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرشتہ کے ذریعہ فرزند کی خوشخبری سن کر حضرت زکریا علیہ الصلاۃ والسلام مارے خوشی اور مسرت کے بیتاب ہوگئے تو سوال کر بیٹھے کہ اس کی علامت اور نشانی بتا دیجئے تاکہ اس علامت کو دیکھ کر میں سمجھ سکوں کہ اب فرزند کی ولادت کا وقت قریب آگیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم ٹھیک ٹھاک ہونے کے باوجود لوگوں سے تین دن اور تین رات

گفتگو نہ کر سکو گے اور یہ کیفیت کسی مرض کی وجہ سے نہ ہوگی بلکہ یہ حالت معجزہ اور نشانی کے طور پر ہوگی یہی وجہ ہے کہ تم ذکر و تسبیح بلا کسی رکاوٹ کے کر سکو گے۔

چنانچہ جب مذکورہ علامت ظاہر ہوئی تو سمجھ گئے کہ اب فرزند کی ولادت کا زمانہ قریب ہے تو اپنے حجرے سے نکلے اور لوگ نماز پڑھنے کے لئے حجرے کا دروازہ کھلنے کے منتظر تھے، حضرت زکریا علیہ الصلاۃ والسلام نے اشارہ سے لوگوں سے کہا کہ تم لوگ حسب معمول صبح و شام یعنی فجر اور عصر کی نماز پڑھتے رہو (ان پر یہی دو نمازیں فرض تھیں)۔

یایحییٰ خذالکتاب بقوة یہ محذوف پر مرتب ہے جیسا کہ مفسر علام نے تقدیر عبارت کی جانب اشارہ کر دیا ہے یعنی حضرت یحییٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی ولادت ہوئی وہ بڑے ہوئے اور ان کے اندر مخاطب بننے کی صلاحیت نمودار ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا **یا یحیٰی خذالکتاب بقوة** کتاب سے مراد تورات ہے اور قوت سے پکڑنے کا مطلب اس پر عمل کے لئے پوری کوشش کرنا ہے۔

و آتیناه الحکم صبیا اور ہم نے اس کو بچپن ہی میں نبوت عطا فرمادی مفسر علام نے اعطاء نبوت کے وقت تین سال کی عمر بیان فرمائی ہے، "حکم" سے کیا مراد ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا حکم سے مراد نبوت ہے، اور بعض حضرات نے فہم کتاب مراد لیا ہے اور بعض نے حکمت۔ اب رہا یہ سوال کہ صرف تین سال کی عمر میں فہم کتاب اور علم حکمت کی باتیں کس طرح ممکن ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اصلاً نبوت کا معاملہ ہی خرق عادت کے طور پر ہے لہٰذا صغرسنی، نبوت اور فہم کتاب کے لئے مانع نہ ہوگی، اور ہم نے ان کو اپنے والدین کے لئے اور دیگر لوگوں کے لئے مشفق اور رقیق القلب بنایا اور یہ سب کچھ ہمارے خصوصی فضل سے ہوا اور ہم نے اس کو نفس کی آلائشوں اور گناہوں کی نجاستوں سے پاکیزگی اور طہارت عطا فرمائی، اور وہ اپنے والدین کا فرمانبردار اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا تھا اور نہ تو وہ لوگوں کے لئے جبار اور متکبر تھا اور نہ اپنے پروردگار کا نافرمان وہ متقی اور صالح شخص تھا، حتی کہ اس کے پاکیزہ قلب میں معصیت اور نافرمانی کے وہم کا بھی گذر نہیں ہوا، تین مواقع انسان کے لئے سخت وحشتناک ہوتے ہیں ① جب انسان رحم مادر سے باہر آتا ہے ② جب موت کا شکنجہ اسے اپنی گرفت میں لیتا ہے ③ جب اپنی قبر سے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان تینوں موقعوں میں ہماری طرف سے اس کے لئے سلامتی اور امان ہے بعض اہل بدعت اس آیت سے عید میلاد کا جواز ثابت کرتے ہیں اگر بالفرض اس آیت سے عید میلاد ثابت ہوتی ہے تو پھر عید وفات بھی ثابت ہوتی ہے یہ کیسی بات ہے کہ آیت کے ایک جز پر تو عمل کریں اور دوسرے جز کو نظر انداز کر دیں **افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض.**

فائدہ: حضرت زکریا علیہ الصلاۃ والسلام کی بشارت کا ظہور بشارت دیئے جانے کے تیرہ سال بعد ہوا تھا، اس لئے کہ حضرت مریم کے پاس جو کہ ابھی بچی تھیں اور حضرت زکریا کی پرورش میں تھیں، بے موسمی پھل دیکھے تو ان کو ہمت ہوئی کہ اگرچہ ہمارے اولاد ہونے کا موسم اور زمانہ ختم ہو گیا ہے مگر خدا کی قدرت سے بعید نہیں کہ مجھے بھی بے موسم لڑکا عطا فرمادے چنانچہ بارگاہ خداوندی میں دعا کی جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے یحییٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی بشارت دی، حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ

علیہ الصلوٰۃ والسلام سے چھ ماہ چھوٹے ہیں۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ القرآن مَرْيَمَ ای خبرها اِذِ حین انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ای اِعْتَزَلَتْ فی مکان نحو الشرق من الدار فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا اَرسَلَتْ سِترًا تَستَتِرُ بِه لتفلي رَأسَها او ثِيَابَها اوتغسِلَ من حَيضِها فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا جبرئيلَ فَتَمَثَّلَ لَهَا بعدَ لُبسِها ثيابَها بَشَرًا سَوِيًّا تامَّ الخَلقِ قَالَتْ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا فتنتهِي عَنِّي بتعوُّذِي قَالَ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا بالنُّبوَّةِ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ بتزوّج وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا زانيةً قَالَ الامر كَذٰلِكِ من خَلقِ غُلامٍ مِنك من غير اب قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ای بان يَنفُخَ بامرِي جبرئيلُ فيكِ فتحمِلِي به ولكون ما ذُكِرَ في معنى العلةِ عُطِفَ عليه وَلِنَجْعَلَهٗ اٰيَةً لِّلنَّاسِ على قُدرَتِنا وَرَحْمَةً مِّنَّا لمن آمَنَ به وَكَانَ خَلقُهُ اَمْرًا مَّقْضِيًّا به في عِلمِي فنفخ جبرئيل في جَيبِ دِرعِها فاَحَسَّت بالحَملِ في بَطنِها مُصَوَّرًا فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ تنحّت بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا بعيدا من اَهلِها فَاَجَآءَهَا جاء بها الْمَخَاضُ وجعُ الولادةِ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ لتعتَمِدَ عليه فولَدت وَالحَمل والتصوير والولادةُ في ساعة قَالَتْ يَا للتنبيهِ لَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا الامر وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا شيئا متروكا لايُعرف ولا يُذكر فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ ای جبرئيلُ وكانَ اَسفلَ منها اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا نهرَ ماءٍ كان انقطعَ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ كانت يابسةً والباءُ زائدةٌ تُسٰقِطْ اصله بتائين قُلِبَتِ الثانيةُ سينًا واُدغِمَت في السين وفي قراءةٍ بتركها عَلَيْكِ رُطَبًا تمييزٌ جَنِيًّا صِفتُه۔

ترجمہ: اور اے محمد ﷺ اس کتاب یعنی قرآن میں مریم کا یعنی ان کے واقعہ کا ذکر کیجئے جب کہ وہ اپنے اہل خانہ سے الگ ہو کر ایک ایسے مکان میں جو مشرقی جانب تھا چلی گئیں یعنی دار (بیت المقدس) کے مشرقی جانب کسی جگہ تنہائی میں چلی گئیں اور اہل خانہ کی جانب سے پردہ ڈال لیا، یعنی پردہ لٹکا لیا تاکہ آڑ ہو سکے (اور) اپنے سر یا کپڑوں میں جوں دیکھ سکے یا حیض سے طہارت کے لئے غسل کر سکے تو ہم نے اس کے پاس اپنی روح جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیج دیا تو وہ ان کے سامنے کپڑے پہننے کے بعد مکمل مرد بن کر نمودار ہوا حضرت مریم کہنے لگیں کہ میں تجھ سے اپنے خدا کی پناہ طلب کرتی ہوں اگر تجھے کچھ بھی خوف خدا ہے تو تو یہاں سے میرے پناہ طلب کرنے کی وجہ سے ہٹ جائے گا حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا میں تیرے رب کا قاصد ہوں تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دینے آیا ہوں اور اس کی پاکیزگی نبوت کی وجہ سے ہے تو حضرت مریم کہنے لگیں بھلا میرے بچہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ مجھے کسی بشر نے ہاتھ تک نہیں لگایا نکاح کر کے اور نہ میں بدکار زانیہ ہوں فرشتہ نے کہا امر تو ایسا ہی ہے کہ تجھ سے باپ کے بغیر لڑکا پیدا ہو تیرے پروردگار کا ارشاد ہے کہ یہ میرے لئے بہت آسان ہے اس

طریقہ پر کہ جبرائیل تجھ میں میرے حکم سے پھونک ماردیں گے پھر تو اس کی وجہ سے حاملہ ہوجائے گی، مذکور (یعنی ھو علی ھین) چونکہ علت کے معنی میں ہے لہٰذا اس پر لنجعلہ کا عطف کیا گیا ہے اور تا کہ اس کو میں اپنی قدرت پر لوگوں کے لئے نشانی بناؤں اس شخص کے لئے جو ہماری کمال قدرت پر یقین رکھتا ہو اور اس (ولد) کی تخلیق طے شدہ بات ہے میرے علم میں، چنانچہ حضرت جبرائیل نے حضرت مریم کی قمیص کے گریبان میں پھونک ماردی چنانچہ حضرت مریم نے اپنے پیٹ میں (حمل) متشکل محسوس کیا چنانچہ حضرت مریم فرزند سے حاملہ ہوگئیں اور اسی وجہ سے یکسو ہو کر اپنے اہل خانہ سے دور ایک مقام پر چلی گئیں پھر دردزہ اسکو ایک کھجور کے تنے کے پاس لے آیا تا کہ اس سے ٹیک لگائے پھر اس نے (بچہ) جنا اور یہ حمل اور تشکل اور ولادت (سب کچھ) ایک ساعت میں ہوگیا کہنے لگیں کاش میں اس واقعہ سے پہلے ہی مرگئی ہوتی اور میں ایسی بھولی بسری متروک شئ ہوگئی ہوتی کہ نہ کوئی مجھے پہچانتا اور نہ میرا تذکرہ کرتا اتنے میں اسے نیچے کی جانب سے جبرائیل نے جو کہ مریم سے بائیں جانب تھے آواز دی کہ تو آزردہ خاطر نہ ہو تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ جاری کردیا ہے یعنی ایسی نہر (جاری کردی) جس کا پانی خشک ہوگیا تھا اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا حالانکہ وہ درخت خشک تھا بجذع میں باء زائدہ ہے تیرے سامنے تروتازہ پکی کھجوریں گرادے گا رطبا تمیز ہے اور جنیا اس کی صفت ہے تساقط اس کی اصل دو تاؤں کے ساتھ ہے دوسری تا سین سے بدل دی گئی اور سین کو سین میں ادغام کردیا گیا اور ایک قراءت میں ترک تا کے ساتھ بھی ہے ای تساقط.

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَهُ: واذكر فی الكتاب مريم اس کا عطف کلام سابق کے مضمون پر ہے تقدیر عبارت یہ ہے اعلم ذکر رحمة ربك عبده زکریا واذكر فی الكتاب مريم قصتها.

قِوْلَهُ: اذكر فی الكتاب مريم ای قصة مريم مضاف محذوف ہے مریم بمعنی عابدہ، زاہدہ، اور خادمة الرب کے ہیں الكتاب میں الف لام عہد کا ہے مراد قرآن کریم ہے۔

قِوْلَهُ: اذانتبذت مضاف محذوف کا ظرف ہے جس کو مفسر علام نے خبرھا کہہ کر ظاہر کردیا مریم سے بدل الکل یا بدل الاشتمال بھی ہوسکتا ہے۔ (مظھری)

قِوْلَهُ: مكانا شرقيا موصوف صفت سے ملکر یا تو انتبذت کا ظرف ہے یا اس کا مفعول بہ ہے اس لئے کہ انتبذت اتت کے معنی کو مشتمل ہے ای اتت مكانا انتبذت ای ابتعدت وتنحت ایک طرف ہونا۔ بعید ہونا۔

قِوْلَهُ: لتفلى مضارع واحد مؤنث غائب تا کہ وہ جوں دیکھے۔

قِوْلَهُ: روحنا ای جبرائیل۔

قِوْلَهُ: بعد لبسها ثيابا یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جس گھر میں عورت کھلے سر ہو اس میں رحمت کے

فرشتے نہیں آتے تو مریم اس جگہ برہنہ تھیں، کیسے داخل ہو گئے جواب یہ ہے کہ دخل بعد لبسها.

قولہ: فتنتهي محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ ان کنت تقیا کا جواب شرط فتنتهي محذوف ہے۔

قولہ: بتزوج مفسر علام نے بتزوج کا اضافہ کر کے ایک سوال کا جواب دیا ہے، سوال یہ ہے کہ لم یمسسنی یہ عدم جماع سے کنایہ ہے لہٰذا یہ جماع حلال اور حرام دونوں کو شامل ہے اس صورت میں لم اك بغیا کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔

قولہ: لم اك بغیا بغیة نہیں فرمایا حالانکہ موقع بغیة کا تھا اس لئے کہ یہ صفت عام طور پر عورتوں میں زیادہ ہوتی ہے تو اس کے حائض اور عاقر کے قبیل سے ہونے کی وجہ سے تا کی ضرورت نہیں ہے۔

قولہ: قال ربك هو علی هین قال کذلك کی علت کے قائم مقام ہے، یعنی اسی طرح ہوگا، اس لئے کہ یہ ہمارے لئے آسان ہے، دراصل یہ ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ یہاں جملہ تعلیلیہ کا عطف غیر تعلیلیہ پر ہو رہا ہے جو جائز نہیں ہے، جواب یہ ہے کہ معطوف علیہ بھی جملہ تعلیلیہ ہے لہٰذا لنجعله آیة للناس کا اس پر عطف درست ہوگا۔

قولہ: رحمة کا عطف آیة پر ہے۔

قولہ: فَاَجَاءَ ها کی تفسیر جاء بها سے کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ جاء اور اجاء دونوں ایک ہی معنی میں ہیں یعنی دونوں متعدی بیک مفعول ہیں بظاہر یہ شبہ تھا کہ جب جاء کے شروع میں ہمزہ کا اضافہ کر دیا تو شاید متعدی بدو مفعول ہو گیا ہو اس شبہ کو مفسر علام نے اجاءَ ها کی تفسیر جاء بها سے کر کے دفع کر دیا، دوسرا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اجاء جاء کے معنی میں ہے اور جب استعمال بدل گیا تو متعدی بیک مفعول ہو گیا۔ (جمل)

قولہ: المخاض دردزہ (س)۔

جواب: کا خلاصہ یہ ہے کہ عرف میں مس وطی حلال ہی کو شامل ہے وطی حرام عرفاً اس سے خارج ہے وطی حرام اور حلال دونوں کی نفی کرنے کے لئے لم اك بغیا کا اضافہ فرمایا۔

تفسیر و تشریح

واذکر فی الکتاب مریم اس سورۃ میں مذکور قصوں میں سے یہ دوسرا قصہ ہے، اے محمد ﷺ آپ قرآن کے اس حصہ میں حضرت مریم کا قصہ بھی ذکر کیجئے یہ قصہ حضرت یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کے قصہ سے بھی زیادہ عجیب ہے اس لئے کہ بغیر مرد کے بچہ پیدا ہونا، بانجھ عورت اور بوڑھے شوہر سے بچہ پیدا ہونے کی بہ نسبت کہیں زیادہ عجیب ہے، یعنی انتہائی بڑھاپے میں بانجھ عورت سے بچہ پیدا ہونا لوگوں کے لئے عجیب ضرور ہے مگر بغیر شوہر کے بچہ کی پیدائش ہماری کمال قدرت پر اس سے بھی زیادہ دلالت کرنے والا ہے، اور یہ قصہ اس وقت واقع ہوا جب کہ وہ گھر سے الگ ہو کر ایک ایسے مکان میں جو کہ مشرق کی جانب تھا چلی گئیں یہ تنہائی یا تو غسل حیض کے لئے تھی یا عبادت میں یکسوئی کے لئے تا کہ گوشۂ تنہائی میں یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ خدا کی بندگی کر سکیں، لوگوں کی نظر پڑنے سے بچنے کے لئے ایک پردہ بھی ڈال لیا تا کہ اس کی آڑ میں غسل کر سکیں اور اپنے سر وغیرہ میں

جوئیں دیکھ سکیں تو اس حالت میں ہم نے ان کے پاس حضرت جبرائیل کو بھیجا اور حضرت جبرائیل ان کے سامنے نہایت حسین و جمیل امرد جوان کی شکل میں ظاہر ہوئے اور ابو مسلم نے کہا ہے کہ روحنا سے حضرت عیسیٰ مراد ہیں، لقوله تعالیٰ وروح منه. (روح المعانی)

کیا عورت نبی ہوسکتی ہے؟

علماء اور مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت مریم نبیہ تھیں یا نہیں، یا عورت نبی ہوسکتی ہے یا نہیں، بعض حضرات اسی آیت سے عورت کے نبی ہونے پر استدلال کرتے ہیں، علماء جمہور فرماتے ہیں کہ مطلق وحی تو عورت کی جانب بھی آسکتی ہے البتہ وحی رسالت مردوں کے ساتھ خاص ہے حضرت مریم کی طرف جو حضرت جبرائیل کے ذریعہ وحی بھیجی تھی وہ وحی بشارت تھی نہ کہ وحی رسالت۔

جب حضرت جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام ایک خوبصورت اور رعنا امرد نوجوان کی شکل میں حضرت مریم کے سامنے ظاہر ہوئے تو وہ گھبرا گئیں، گھبرا کر کہنے لگیں کہ میں تجھ سے اپنے خدا کی پناہ مانگتی ہوں اگر تجھے ذرا بھی خوف خدا ہے تو تو یہاں سے ہٹ جا اس کا مفہوم مخالف مراد نہیں کہ اگر تو متقی نہیں ہے تو میں تجھ سے پناہ نہیں مانگتی، بلکہ مطلب یہ ہے کہ متقی ہونے کی صورت میں پناہ طلب کی تو غیر متقی ہونے کی صورت میں تو بطریق اولیٰ پناہ طلب کرتی ہوں، بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ جبرائیل امین نے جب یہ کلمہ سنا تو اللہ کے نام کی تعظیم کے لئے کچھ پیچھے ہٹ گئے، اور کہا میں بشر نہیں ہوں کہ تم مجھ سے ڈرتی ہو، بلکہ میں تو تمہارے رب کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں میں اس لئے آیا ہوں کہ تم کو باذن خدا ایک پاکیزہ بچہ دوں لاهب میں ہبہ کی نسبت حضرت جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی طرف کی ہے یہ نسبت مجازی ہے اور اضافت الشئ الی السبب کے قبیل سے ہے چونکہ اعطاء ولد کا ظاہری سبب حضرت جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام تھے اس لئے اپنی جانب نسبت کردی ورنہ درحقیقت اعطاء ولد اللہ کا فعل ہے، یا حکایت حال کے طور پر جبرائیل علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی طرف نسبت کردی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ مریم سے کہہ دو کہ میں تم کو ایک پاکیزہ فرزند دینے والا ہوں، بعض قراءتوں میں لاهب کے بجائے لیھب ہے اس صورت میں کوئی اشکال ہی نہیں ہے اس لئے کہ اس قراءت کے مطابق اعطاء ولد کی نسبت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے بعض حضرات لاهب سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول بخش اور پیر بخش وغیرہ نام رکھنا درست ہے یہ نہایت نادانی اور ناسمجھی کی بات ہے۔

جب جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ کہا کہ میں تیرے رب کا فرستادہ ہوں اور تجھ کو ایک پاکیزہ بچہ دینے کے لئے آیا ہوں تو حضرت مریم کہنے لگیں کہ میرے بچہ کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ مجھے کسی بشر نے ہاتھ تک نہیں لگایا ہے؟

قال كذلك الخ فرشتہ نے جواب دیا یہ بات صحیح ہے کہ تجھے مرد سے مقاربت کا کوئی موقع نہیں ملا ہے نہ جائز طریقہ سے اور نہ ناجائز طریقہ سے، جب کہ حمل کے لئے عادتاً یہ ضروری ہے، مگر تیرے رب کا فرمان ہے کہ میں اسباب عادیہ کا محتاج نہیں ہوں میرے لئے یہ بالکل آسان ہے اور میں اسے (یعنی عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو) اپنی قدرت تخلیق کے لئے ایک نشانی اور لوگوں کے

لئے رحمت بنانا چاہتا ہوں اس سے قبل ہم نے تمہارے دادا آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو مرد اور عورت کے بغیر اور تمہاری دادی حوا کو صرف مرد سے عورت کے بغیر پیدا کیا اور اب عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو چوتھی شکل یعنی بغیر باپ کے محض بطن مادر سے پیدا کر کے اپنی قدرت کاملہ کا اظہار کرنا چاہتے ہیں اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہم تخلیق کی چاروں قسموں پر قادر ہیں اسی طرح ہم حضرت عیسیٰ کو نبوت عطا کر کے لوگوں کے لئے اپنی رحمت کی نشانی بھی بنانا چاہتے ہیں کیونکہ نبی اپنی امت کے لئے رحمت ہوتا ہے۔

وکان امرا مقضیا یہ کلام سابق کا تتمہ ہے یعنی یہ اعجازی تخلیق تو اللہ کے علم اور اس کی قدرت میں مقدر ہو چکی ہے اس میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا، اس گفتگو کے بعد حضرت جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام نے مریم کے گریبان یا منہ میں پھونک ماردی جس کے نتیجے میں حضرت مریم کو حمل رہ گیا پھر حضرت مریم اس حمل کو لئے ہوئے شرم کے مارے اپنے گھر والوں سے کہیں دور مقام پر چلی گئیں، اور اس خیال سے کہ بچہ کے معاملہ میں لوگوں کو کس طرح مطمئن کر سکوں گی جب کہ میری بات کی تصدیق کرنے کیلئے کوئی تیار نہیں ہوگا اور ساتھ ہی یہ تصور بھی روح فرسا تھا کہ کہاں میری شہرت ایک عابدہ اور زاہدہ کے طور پر اور اس کے بعد لوگوں کی نظر میں بدکار ٹھہروں گی، اس خیال سے مغلوب الحال ہو کر موت کی آرزو کر ڈالی۔

تمنائے موت کا حکم:

اگر یہ تمنائے موت غم دنیا سے تھی تب تو غلبۂ حال کو اس کا عذر کہا جائے گا جس میں انسان من کل الوجوہ مکلّف نہیں رہتا، اور اگر غم دین سے تھا کہ لوگ بدنام کریں گے اور شاید مجھ سے اس پر صبر نہ ہو سکے تو بے صبری کی معصیت میں ابتلاء ہوگا موت کے ذریعہ معصیت سے حفاظت رہے گی تو ایسی تمنا ممنوع نہیں ہے۔

جب حضرت مریم علیہا السلام غلبہ حال کی وجہ سے موت کی تمنا کر رہی تھیں تو زیریں جانب سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبرئیل نے پکار کر کہا کہ اے مریم! تم بے سروسامانی یا خوف بدنامی کی وجہ سے مغموم مت ہو کیونکہ بے سروسامانی کا تو یہ انتظام ہو گیا ہے کہ تمہارے رب نے تمہارے پائیں (زیریں جانب) ایک نہر پیدا فرما دی ہے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنا پیر زمین پر مارا جس کی وجہ سے شیریں کا پانی کا ایک چشمہ جاری ہو گیا، اور حضرت جبرائیل علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا کہ تم اس کھجور کے تنے کو ہلاؤ یہ تمہارے سامنے پکی تر و تازہ کھجوریں گرائے گا یعنی خرق عادت اور کرامت کے طور پر اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کے بائیں جانب پینے کے لئے پانی اور کھانے کے لئے ایک سوکھے ہوئے کھجور کے درخت سے پکی اور تازہ کھجوروں کا انتظام فرما دیا۔

البلاغة

ولم یمسسنی بشر کنایة عن المعاشرة الزوجیة بالجماع.

فَكُلِي من الرُّطَبِ وَاشْرَبِي من السَّرِيّ وَقَرِّي عَيْنًا بالوَلَدِ تمييز مُحَوَّلٌ من الفاعل اى لتقرَّ عينُكِ به اى تَسكُنَ فلا تَطمَحُ الى غيره فَإِمَّا فيه ادغَامُ نُونِ إن الشَّرطِيَّةِ فى مَا المزِيدةِ تَرَيِنَّ حُذِفت منه لامُ الفعلِ وعينُهُ وأُلقِيَتْ حَرَكَتُها على الرَّاءِ وكُسِرَتْ ياء الضمير لِالتقاءِ الساكنين مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَيسالُكِ عن وَلَدِكِ فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا اى اِمسَاكًا عن الكلام في شَانِهِ وغيره مع الاَنَاسِيّ بدَليل فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيًّا ۝ اى بَعْدَ ذلك فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ حال فرأوْهُ قَالُوا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ۝ عظيمًا حيثُ اَتَيتِ بوَلَدٍ من غيرِ اَبٍ يَا أُخْتَ هَارُونَ هو رجلٌ صَالحٌ اى يا شَبِيهَتَهُ فى العِفَّةِ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ اى زانيًا وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا ۝ زانيةً فمِنْ أين لَكِ هذا الولدُ فَأَشَارَتْ لهم إِلَيْهِ ان كَلِّمُوه قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَن كَانَ اى وُجِدَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ اى الإنجيلَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۝ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنتُ اى نفَّاعًا للناسِ اِخبارٌ بما كُتِبَ له وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ اَمَرَنِي بهما مَا دُمْتُ حَيًّا ۝ وَبَرًّا بِوَالِدَتِي منصوبٌ بجعَلَنِي مُقدَّرًا وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا متعاظمًا شَقِيًّا ۝ عاصيًا لِرَبِّهِ وَالسَّلَامُ من اللهِ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدتُّ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ۝ يُقَالُ فيه ما تَقَدَّمَ فى السيّد يحيى قال تعالى ذَٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ بالرفع خَبَرُ مُبْتَدَإٍ مُقدَّرٍ اى قَولُ ابنِ مَريَمَ وبالنصب بتقديرِ قلتُ والمعنى القول الحق الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ۝ من المِريَةِ اى يَشُكُّونَ وهم النَّصارىٰ قالوا ان عيسى ابنُ اللهِ كذَبُوا مَا كَانَ لِلَّهِ أَن يَتَّخِذَ مِن وَلَدٍ سُبْحَانَهُ تنزيهًا له عن ذلك إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا اى اَرادَ اَنْ يُحدِثَهُ فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۝ بالرفع بتقديرِ هو وبالنصب بتقديرِ اَنْ ومن ذلك خَلْقُ عيسى من غير اب وَإِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ بفتحِ اَنَّ بتقديرِ اُذكُرْ وبكسرِها بتقدير قُلْ بدليلِ ما قُلتُ لهم إلَّا مَآ اَمَرتَنِي به اَنِ اعبُدُوا اللهَ رَبِّي وربَّكُم هَٰذَا المذكورُ صِرَاطٌ طريقٌ مُّسْتَقِيمٌ ۝ مؤدٍ اِلى الجنة فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِن بَيْنِهِمْ اى النَّصارىٰ فى عيسى أهوا بنُ اللهِ او اِلٰهٌ معه اوثالثُ ثلثة فَوَيْلٌ شِدَّةُ عَذابٍ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا بما ذُكِرَ وغيره مِن مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ اى حُضُورِ يوم القِيٰمةِ واَهْوَالِهِ أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ بهم صِيغَتَا تَعَجُّبٍ بمعنى ما اَسمَعَهُمْ وما اَبصَرهم يَوْمَ يَأْتُونَنَا فى الآخرةِ لَٰكِنِ الظَّالِمُونَ من اِقامةِ الظَّاهِرِ مَقَامَ المُضمَرِ الْيَوْمَ اى فى الدُّنيا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ اى بَيِّن به صَمُّوا عن سَماعِ الحقِ وعَمُوا عن ابصَارِهِ اى اِعْجَبْ منهم يا مُخاطَبًا فى سَمعِهِم واَبصَارِهم فى الآخرةِ بَعدَ اَنْ كانُوا فى الدُّنيا صُمًّا عُميًا وَأَنذِرْهُمْ خَوِّفْ يا مُحمَّدُ كُفَّارَ مكَّةَ يَوْمَ الْحَسْرَةِ هو يومُ القِيٰمةِ يَتَحسَّرُ فيه المُسِيءُ على ترك الاِحسَانِ فى الدُّنيا إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ لهم فيه بالعَذابِ وَهُمْ فى الدُّنيا فِي غَفْلَةٍ عنه وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ به إِنَّا نَحْنُ تاكيدٌ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا من العُقَلاءِ وغَيرِهم بِاِهلاكِهِم وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ۝ فيه للجزاءِ.

ترجمہ: پھر پکی اور تازہ کھجوریں کھاؤ اور چشمہ کا پانی پیو اور بیٹے سے آنکھیں ٹھنڈی کرو عینا تمیز ہے فاعل سے منقول ہے یعنی تو اس بچہ کو دیکھ کر آنکھوں کو ٹھنڈا کر کے سکون حاصل کر دوسرے بچوں کی طرف التفات نہ کر فاما میں ان شرطیہ کے نون کو ما زائدہ میں مدغم کر دیا گیا ہے ترین اس کا لام کلمہ اور عین کلمہ حذف کر دیا گیا ہے عین کلمہ کی حرکت نقل کر کے را کو دیدی گئی اور یائے ضمیر کو التقاء ساکنین کی وجہ سے کسرہ دیدیا گیا اگر تو کسی بشر کو دیکھے اور وہ تیرے بچہ کے متعلق سوال کرے تو کہہ دینا کہ میں نے اس بچہ وغیرہ کے بارے میں لوگوں سے کلام کرنے سے رحمٰن کے لئے سکوت کا روزہ رکھ لیا ہے اور سکوت کا روزہ رکھنے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول فلن اکلم الیوم انسیا ہے یعنی میں یہ خبر دینے کے بعد کسی انسان سے کلام نہ کروں گی تو اس بچہ کو لئے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں تحملہ اتت کی ضمیر سے حال ہے جب قوم نے بچہ کو دیکھا تو کہا اے مریم تو نے بڑا غضب کر دیا کہ بغیر باپ کے بچہ کو جنم دیا اے ہارون کی بہن وہ تو ایک صالح شخص تھا اور تو عفت میں اس جیسی ہے تیرا باپ (تو) بدکار زانی شخص نہیں تھا اور نہ تیری ماں بدکارہ زانیہ تھی تو پھر تیرے یہ بچہ کیسے پیدا ہوا، تو حضرت مریم نے ان کے لئے بچہ کی طرف اشارہ کر دیا کہ اس سے معلوم کرو، تو کہنے لگے ہم گود کے بچہ سے کیونکر بات کریں تو وہ بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب انجیل دی اور مجھے نبی بنایا اور اس نے مجھے بابرکت یعنی لوگوں کے لئے نفع رساں بنایا ہے میں جہاں کہیں بھی رہوں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں جو مقدر ہو چکا ہے یہ اس کی خبر ہے اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کا تاکیدی حکم فرمایا ہے او صانی بمعنی امرنی ہے جب تک میں زندہ رہوں اور مجھے اپنی والدہ کا خدمت گذار بنایا ہے برًا جعلنی مقدر کی وجہ سے منصوب ہے اور مجھے سرکش متکبر اور بدبخت اپنے رب کا نافرمان نہیں بنایا اور اللہ کا میرے اوپر سلام ہو جس دن میں پیدا ہوا اور جس روز میں مروں گا اور جس روز میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا ان تینوں مقامات کی تفسیر میں وہی بات کہی جائے گی جو حضرت سیدنا یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں کہی گئی تھی یہ ہیں عیسیٰ ابن مریم قول ابن مریم قول حق ہے جس کے بارے میں لوگ شک کر رہے ہیں قول اگر رفع کے ساتھ ہوگا تو مبتداء محذوف کی خبر ہوگا ای قول ابن مریم قول الحق اور اگر قول پر نصب ہو تو اس صورت میں قلت فعل مقدر ہوگا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا، اور (قول الحق کے معنی) القول الحق ہوں گے (یعنی اضافت موصوف الی الصفت کے قبیل سے ہے) یمترون مریۃ سے مشتق ہے اور یمترون کے معنی یشکون کے ہیں (اور یہ شک کرنے والے) نصاریٰ ہیں جنہوں نے کہا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے بیٹے ہیں جو بالکل جھوٹ ہے اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ (کسی کو) اولاد بنائے وہ اولاد رکھنے سے بالکل پاک ذات ہے اس کی پاکی بیان کرتا ہوں وہ تو جب کسی کے کرنے (پیدا کرنے کا) ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے یکون کا اگر رفع پڑھیں تو رفع ھو کی تقدیر کی وجہ سے ہوگا اور اگر نصب پڑھیں تو ان کی تقدیر کی وجہ سے ہوگا اور اسی (کن فیکون) کے قبیل سے بغیر باپ کے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش بھی ہے، بلاشبہ میرا اور تمہارا پروردگار صرف اللہ ہے سو اسی کی عبادت کرو اگر ان فتح کے ساتھ ہو تو ان سے

پہلے اذکر مقدر ہوگا اور اگر ان کسرہ کے ساتھ ہو تو ان سے پہلے قل مقدر ماننا ہوگا اور قل مقدر ماننے کی دلیل خود حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ قول ہے ماقلت لهم الا ما امرتنی به یہ مذکور صراط مستقیم ہے جو جنت تک پہنچانے والی ہے پھر یہ فرقے آپس میں اختلاف کرنے لگے یعنی نصاریٰ کے (ایک فریق) نے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں کہا کہ وہ ابن اللہ ہے اور (دوسرے فریق) نے کہا کہ وہ خدا کے ساتھ دوسرا خدا ہے (اور تیسرے) نے کہا کہ وہ تین میں کا تیسرا ہے پس کافروں کے لئے مذکورہ وغیرہ (عقائد) کی وجہ سے بڑے دن کی حاضری کا سخت عذاب ہے یعنی قیامت کے دن حاضری اور اس دن کی ہولناکی کا، اسمع بهم و ابصر بهم دونوں تعجب کے صیغے ہیں معنی یہ ہیں کیا خوب سننے والے اور کیا خوب دیکھنے والے ہوں گے جس دن آخرت میں ہمارے سامنے حاضر ہوں گے لیکن آج دنیا میں یہ ظالم صریح گمراہی میں ہیں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھا گیا ہے، مبین بمعنی بین ہے، اسی گمراہی کی وجہ سے (دنیا میں) حق بات سننے سے بہرے اور حق دیکھنے سے اندھے رہے، یعنی اے مخاطب تو آخرت میں ان کی شنوائی اور بینائی کی تیزی سے تعجب کرے گا حالانکہ یہ لوگ دنیا میں بہرے اندھے تھے اور اے محمد ﷺ آپ مکہ کے کافروں کو حسرت کے دن سے ڈرائیے اور وہ قیامت کا دن ہوگا جس دن بدکار دنیا میں نیکی نہ کرنے پر حسرت کرے گا جبکہ آخری فیصلہ کر دیا جائے گا یعنی ان لوگوں کے لئے اس دن عذاب کا فیصلہ کر دیا جائے گا حالانکہ یہ لوگ اس دن سے غافل ہیں اور یہ اس دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ہم ہی زمین کے اور جو کچھ اس پر ذوی العقول اور غیر ذوی العقول ہیں وارث ہوں گے ان کو ہلاک کرکے اور اس دن میں جزاء کے لئے ہمارے پاس لوٹائے جائیں گے۔

تَحقِیق وَتَرکِیب وَتَسہِیل وَتَفسِیری فَوائِد

قَولُهُ: قری بروزن فری واحد مؤنث حاضر تو ٹھنڈی کر یہ قر سے مشتق ہے اس کے معنی ہیں خنکی عینا تمیز ہے فاعل سے محول ہے ای لتقر عینك به رؤية اراءة سے واحد مؤنث حاضر بانون تاکید ثقیلہ تو دیکھے فریا یہ فری فعیل بمعنی مفعول ہے گھڑنا، تراشنا، جلد کاٹنا وقیل معناه عظیم عجیب من کان میں کان تامہ ہے صبیا کان کی ضمیر سے حال ہے اور اگر کان ناقصہ ہو تو صبیا اس کی خبر ہوگی۔

قَولُهُ: ذلك عیسی ابن مریم قول الحق ذلك کا مشار الیہ مذکورہ اقرار عبدیت وغیرہ اوصاف کی حامل شخصیت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں ذلك مبتداء عیسی موصوف ابن مریم بترکیب اضافی صفت موصوف صفت سے ملکر ذلك مبتداء کی خبر قول الحق بترکیب اضافی مبتداء محذوف کی خبر ای قوله قول الحق، قول الحق میں اضافت موصوف الی الصفت ہے یعنی قول الحق معنی میں القول الحق کے ہے، اور اگر قول الحق منصوب پڑھا جائے تو اقول فعل محذوف کا مفعول ہوگا دونوں قراءتوں کی صورت میں قول الحق اضافت موصوف الی الصفت ہوگی۔

قَولُهُ: فی المهد مہد سے مراد گہوارہ بھی ہو سکتا ہے اور اس سے ماں کی گود بھی مراد ہو سکتی ہے۔

قَوْلُہٗ: یمترون امتراء سے۔ اس کا مجرد مریة ہے (افتعال) جمع مذکر غائب وہ شک کرتے ہیں الذی فیہ یمترون مبتداء محذوف کی خبر ہے، ای عیسیٰ ابن مریم الذی فیہ یمترون ای یترددون ویتحیرون أن یتخذ بتاویل مصدر ہوکر کان کا اسم ای ما کان اتخاذ الولد من صفته بل هو محال عن ذلك ای عن اتخاذ الولد، من ولد میں من زائدہ تاکید کے لئے ہے۔

قَوْلُہٗ: من ذلك خلق عیسی اور کن فیکون کے قبیل سے بغیر باپ کے عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی تخلیق بھی ہے سبحانه مصدر ہے فعل کو حذف کرکے اس کے قائم مقام کردیا گیا ہے ای اسبحه سبحانا یہ جملہ معترضہ ہے قل مقدر ماننے کی صورت میں ان اللّٰہ ربی وربکم حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا مقولہ ہوگا اور دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ نے فرمایا ما قلت لهم الا ما امرتنی به الخ تقدیر عبارت یہ ہے هذا من کلام عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام بدلیل ماقلت لهم الخ بہرحال ان دونوں قراءتوں کی صورت میں ان اللّٰہ ربی وربکم فاعبدوہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا قول ہے۔

قَوْلُہٗ: ترین اصل میں ترأیین تھا اس میں را فا کلمہ ہے اور ہمزہ عین کلمہ ہے اور یائے مکسورہ لام کلمہ ہے اور دوسری یائے ساکنہ یائے ضمیر ہے اور آخر میں نون اعرابی ہے یائے اولیٰ متحرک کہ اپنے ماقبل ہمزہ مفتوحہ ہونے کی وجہ سے الف ہوگئی، اب الف اور یاء ضمیر ساکنہ کے درمیان التقاء ساکنین ہوا تو ہمزہ ساقط ہوگیا نون اعرابی کے جازم کے ساقط ہونے کی وجہ سے نون اعرابی ساقط ہوگیا۔ اور نون تاکید ثقیلہ کے داخل ہونے کے بعد التقاء ساکنین ہوا یاء ضمیر اور نون تاکید ثقیلہ کے نون اولیٰ کے ساتھ لہٰذا یاء ضمیر کو کسرہ دیدیا۔

خُلَاصَہ: خلاصہ یہ کہ ترأیین کی تعلیل میں چھ عمل ہوئے ① ی کو الف سے بدلا ② الف کو حذف کیا ③ ہمزہ کی حرکت را کو دی ④ ہمزہ کو حذف کیا ⑤ ان شرطیہ کی وجہ سے نون اعرابی ساقط ہوا ⑥ یائے ضمیر کو کسرہ دیا۔

قَوْلُہٗ: اناسی یا تو انسی کی جمع ہے یا انسان کی، اناسی اصل میں اناسین تھا نون کو یا کیا اور یا کو یا میں ادغام کردیا اناسی ہوگیا۔

قَوْلُہٗ: تحمله اتت کی ضمیر سے حال ہے، به کی ضمیر سے بھی حال ہوسکتا ہے۔

قَوْلُہٗ: من مشهد یوم عظیم فویل سے متعلق ہے ای من شهود یوم عظیم اس صورت میں مشهد مصدر کے معنی میں ہوگا یا وقت شہود اور مکان شہود کے معنی میں ہوگا اس صورت میں مشهد ظرف زمان ومکان کے معنی میں ہوگا۔

قَوْلُہٗ: لکن الظلمون مشرکین کی قباحت وشناعت کو بیان کرنے کے لئے اسم ضمیر لکنهم کے بجائے اسم ظاہر ظالمون فرمایا تاکہ ان کے اعمال قبیحہ وشنیعہ پر دلالت ہوجائے۔

تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: ای بعد ذلك اس عبارت کے اضافہ کا مقصد اس اعتراض کا جواب ہے کہ کلام میں تناقض ہے اس لئے کہ اوپر کہا گیا ہے انی نذرت للرحمن صوما اس جملہ سے کلام نہ کرنے کی نذر رہوگئی اس کے بعد حضرت مریم نے کہا فلن اکلم الیوم

انسیا یہ کلام ہے، جواب یہ ہے کہ میں اس کے بعد کسی سے کلام نہ کروں گی، کان کی تفسیر وجد سے کر کے اشارہ کر دیا کہ کان تامہ ہے اور کان زائدہ بھی ہوسکتا ہے، اور صبیا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ای کیف نکلم من فی المهد حال صباه.

قِوَلِّهُ: اخبارا بما كتب له سے جعلنی کی تفسیر کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ جعلنی گو ماضی کا صیغہ ہے مگر مراد استقبال ہے۔

تفسیر وتشریح

فکلی واشربی الخ یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ حضرت مریم کی تسلی کے اسباب ذکر کرنے کے وقت تو پہلے پانی کا ذکر فرمایا پھر کھانے کی چیز کھجور کا، اور جب استعمال کا ذکر آیا تو ترتیب بدل کر پہلے کھانے کا حکم فرمایا پھر پانی پینے کا یعنی کلی، اشربی فرمایا، وجہ غالباً یہ ہے کہ انسان کی فطری عادت ہے کہ پانی کا اہتمام کھانے سے پہلے کرتا ہے مگر استعمال کی ترتیب یہ ہوتی ہے کہ پہلے غذا کھاتا ہے پھر پانی پیتا ہے۔ (روح المعانی)

اللہ تعالیٰ نے بطور کرامت اور خرق عادت حضرت مریم علیہا السلام کے پاؤں تلے پینے کے لئے پانی کا اور کھانے کے لئے ایک سوکھے ہوئے درخت سے پکی تازہ کھجوروں کا انتظام فرمادیا، ندا دینے والے حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے جنہوں نے وادی کے نیچے سے حضرت مریم کو آواز دی تھی، یعنی کھجور کھا اور چشمہ کا پانی پی (چشمہ کا پانی اور تازہ کھجوریں زچہ کے لئے طبی اعتبار سے نہایت مفید غذا ہے) اور بچہ کو دیکھ کر آنکھوں کو ٹھنڈا کر قری، قر سے مشتق ہے بمعنی ٹھنڈک حاصل کرنا اور آنکھوں کو ٹھنڈا کرنا یہ کنایہ ہے خوش ہونے سے اس لئے کہ رنج وغم اور دکھ تکلیف کی وجہ سے جو آنسو نکلتے ہیں وہ گرم ہوتے ہیں اور خوشی ومسرت کے وقت جو آنسو نکلتے ہیں وہ ٹھنڈے ہوتے ہیں، لہٰذا آنکھوں کو ٹھنڈا کرنا یہ کنایہ ہے خوش ہونے سے جیسا کہ باکرہ سے اگر باپ نکاح کی اجازت طلب کرے اور لڑکی کی آنکھوں میں آنسو آجائیں تو فقہاء فرماتے ہیں کہ رونا خوشی اور رنج دونوں وجہ سے ہوسکتا ہے لہٰذا دیکھا جائے کہ اگر آنسو ٹھنڈے ہیں تو وہ خوشی کے ہیں اور اجازت پر دلالت کرتے ہیں اور اگر گرم ہیں تو یہ رنج وغم کی وجہ سے ہیں جو عدم اجازت پر دلالت کرتے ہیں۔

یا اخت ھارون سے کیا مراد ہے؟ ظاہر ہے کہ یہاں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھائی ہارون مراد نہیں ہوسکتے اس لئے کہ ان کا زمانہ حضرت مریم سے سینکڑوں سال پہلے ہے یہ بات اس حدیث سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نجران کے نصاریٰ کے پاس بھیجا تھا تو انہوں نے سوال کیا تھا کہ تمہارے قرآن میں حضرت مریم کو اخت ہارون کہا گیا ہے حالانکہ ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سے صدیوں پہلے گذرے ہیں چونکہ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا جواب معلوم نہیں تھا اس لئے خاموش رہے، واپسی پر آنحضرت ﷺ سے اس کا ذکر کیا آپ ﷺ نے فرمایا تم نے ان سے

کیوں نہ کہہ دیا کہ اہل ایمان کی عادت یہ ہے کہ تبرکاً انبیاء کے ناموں پر نام رکھتے ہیں اوران کی طرف نسبت کرتے ہیں۔

(رواہ احمد ومسلم والترمذی والنسائی)

اس حدیث کے مطلب میں دواحتمال ہیں ① کہ حضرت مریم کی نسبت حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب اس لئے کردی گئی ہے کہ وہ ان کی نسل سے تھیں اگر چہ زمانہ کتنا ہی بعید کیوں نہ گذر گیا ہو جیسا کہ عرب کی عادت ہے کہ تمیم کے قبیلہ کے آدمی کواخاتمیم کہتے ہیں، اور عرب کے آدمی کواخاعرب کہتے ہیں ② یہ کہ یہاں ہارون سے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھائی مرادنہیں ہیں بلکہ حضرت مریم علیہا السلام کے اپنے بھائی کا نام ہارون تھا اسی وجہ سے حضرت مریم کو اخت ہارون کہا اس وقت معنی حقیقی مراد ہوں گے اور ایک تیسرا احتمال یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہارون نام کا کوئی نہایت ہی نیک اور صالح شخص ہو اور حضرت مریم تو عابدہ زاہدہ نیکی میں مشہور ومعروف تھیں ہی ایسی صورت میں اخت ہارون کہنا تشبیہ کے طور پر ہوگا کہ تو تو زہد وعبادت میں ہارون کے مثل ہے تونے یہ کیا حرکت کرڈالی، مفسر علام نے یہی تیسرے معنی مراد لئے ہیں۔

ما کان ابوك امرأ سوء نہ تو تیرا باپ عمران برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں حنہ بدکار تھی تو کہاں سے ایسی پیدا ہوگئی، قرآن کے ان الفاظ سے اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ جو شخص اولیاء اللہ اور صالحین کی اولاد سے ہو پھر وہ کوئی برا کام کرتا ہے تو عام لوگوں کی بہ نسبت اس کو زیادہ برا سمجھا جاتا ہے، کیونکہ اس سے اس کے بڑوں کی بدنامی اور رسوائی ہوتی ہے، اس لئے صالحین کی اولاد کو اعمال صالحہ اور تقویٰ کی زیادہ فکر رکھنی چاہئے۔

حضرت مریم نے بچہ کی طرف اشارہ کردیا کہ جو کچھ معلوم کرنا ہے اس سے معلوم کرو! جھنجلا کر کہنے لگے بھلا ہم گود کے بچہ سے کیسے باتیں کریں، چنانچہ شیرخوار ایک دن کا یا چالیس دن کا بچہ بول اٹھا **انی عبداللّٰہ الخ** ایک روایت میں ہے کہ جب خاندان کے لوگوں نے حضرت مریم کو ملامت کرنی شروع کی تو اس وقت حضرت عیسیٰ اپنی ماں کا دودھ پی رہے تھے جب انہوں نے اہل خاندان کی ملامت کو سنا تو دودھ چھوڑ دیا اور اپنی کروٹ پر سہارا لے کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور انگشت شہادت سے اشارہ کرتے ہوئے یہ الفاظ فرمائے **انی عبداللّٰہ الخ** یعنی میں اللہ کا بندہ ہوں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے ہی کلمہ میں اس غلط فہمی کا ازالہ کردیا کہ اگر چہ میری پیدائش معجزانہ انداز سے ہوتی ہے مگر میں خدا نہیں خدا کا بندہ ہوں تاکہ لوگ میری بندگی میں مبتلا نہ ہوجائیں جیسا کہ نصاریٰ کی ایک جماعت مبتلا ہوگئی، ''یوم یبعث'' تک حضرت عیسیٰ کا قول ہے۔

آتنی الکتاب وجعلنی نبیا ان الفاظ میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی شیرخوارگی کے زمانہ میں اللہ کی طرف سے نبوت اور کتاب ملنے کی خبر دی، حالانکہ کسی نبی کو چالیس سال کی عمر سے پہلے نبوت نہیں ملی، اس لئے اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ طے فرمادیا ہے کہ مجھے اپنے وقت پر نبوت اور کتاب عطا فرمائیں گے اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے نبوت اس وقت دی گئی تھی جب کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اس کا مطلب یہی ہے کہ آپ ﷺ سے اعطاء نبوت کا وعدہ قطعی اور حتمی تھا اسی حتمی وعدہ کو ماضی سے تعبیر کردیا گیا۔

اوصانی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ جب کسی حکم کو زیادہ تاکید کے ساتھ موکد کرنا مقصود ہوتا ہے تو اس کو لفظ وصیت سے تعبیر

کرتے ہیں جیسا کہ حضرت عیسیٰ نے اس موقع پر فرمایا نماز اور زکوٰۃ ایسی عبادتیں ہیں کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لیکر آنحضرت ﷺ تک ہر نبی کی امت پر فرض رہی ہیں البتہ ہر نبی اور رسول کی شریعت میں ان کی تفصیلات اور جزئیات مختلف رہی ہیں رہا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر زکوٰۃ کی فرضیت کا مسئلہ تو یہ حکم بھی نماز کی طرح عام ہے مگر جب کہ مال ہو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی مال کے مالک نہیں ہوئے حتی کہ آپ نے نہ مکان بنایا اور نہ شادی کی۔

مادمت حیا حیات سے مراد زمینی حیات ہے کیونکہ یہ اعمال اسی زمین پر ہو سکتے ہیں، آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد سے نزول کے زمانہ تک رخصت کا زمانہ ہے۔ (روح)

برا بوالدتی اس جگہ صرف والدہ کا ذکر کیا والدین نہیں کہا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ میرا وجود معجزانہ طور پر والد کے بغیر ہوا ہے اور بچپن کا یہ معجزانہ کلام اس کے لئے کافی شہادت ہے، ورنہ تو حضرت یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح **برا بوالدیه** کہتے۔

ذلك عیسیٰ ابن مریم یہاں سے اللہ تعالیٰ کا کلام شروع ہے، سابق میں حضرت عیسیٰ کا کلام تھا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق یہود و نصاریٰ کے بیہودہ خیالات میں افراط و تفریط کا یہ عالم تھا کہ نصاریٰ نے تو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم میں اتنا غلو کیا کہ ان کو خدا یا خدا کا بیٹا بنا دیا، اور یہود نے ان کی یہاں تک تذلیل و توہین کی کہ ان کو ولد الزنا (یعنی نعوذ باللہ) یوسف نجار کا بیٹا کہہ دیا حق تعالیٰ نے دونوں فریقوں کی غلطی واضح کر کے صحیح حقیقت گذشتہ آیات میں بتا دی۔

البلاغة

صيغة التعجب أسمع و أبصر.

وَاذْكُرْ لهم **فِى الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ** اى خبرَهٗ **اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا** مُبالِغًا فى الصِّدقِ **نَّبِيًّا**﴿۴۱﴾ ويُبدَلُ من خبره **اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ** آزرَ **يٰۤاَبَتِ** التّاءُ عِوضٌ عن ياءِ الاِضافةِ ولا يُجمَعُ بَينَهما وكان يَعبُدُ الاَصنامَ **لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِىْ عَنْكَ** لا يَكفِيكَ **شَيْـًٔا**﴿۴۲﴾ من نفعٍ او ضرٍّ **يٰۤاَبَتِ اِنِّىْ قَدْ جَآءَنِىْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِىْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا** طريقًا **سَوِيًّا**﴿۴۳﴾ مُستقيمًا **يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ** بطاعتِكَ اِيّاهُ فى عِبادةِ الاَصنامِ **اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا**﴿۴۴﴾ كثيرَ العِصيانِ **يٰۤاَبَتِ اِنِّىْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ** ان لم تتب **فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا**﴿۴۵﴾ ناصِرًا وقرينًا فى النّارِ **قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِىْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ** فتعيبُها **لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ** عن التعرّضِ لها **لَاَرْجُمَنَّكَ** بالحِجارةِ او بالكلامِ القبيحِ فاحذرنى **وَاهْجُرْنِىْ مَلِيًّا**﴿۴۶﴾ دهرًا طويلًا **قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ**

مِنِّیْ ای لا أُصِیْبُكَ بِمَکْرُوْہٍ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا ﴿٤٧﴾ مِن حَفِیٍّ ای بَارًا فیُجِیْبُ دُعَائِی وقد وَفٰی بِوَعْدِہٖ بقولہ المَذْكُورِ فی الشُّعَرَآءِ وَاغْفِرْ لِاَبِیْ وهذَا قَبْلَ اَنْ یَّتَبَیَّنَ له اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ كما ذُكِرَ فی بَرَآءَ ۃِ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ تعبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا اَعْبُدُ رَبِّیْ عَسٰٓی اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ بِعِبَادَتِهٖ شَقِیًّا ﴿٤٨﴾ كما شقِیْتُم بِعَبَادَۃِ الاَصْنَام فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ بان ذَهَبَ الی الاَرْض المُقَدَّسَةِ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِبْنَیْنِ یَأْنَسُ بهما اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَكُلًّا منهما جَعَلْنَا نَبِیًّا ﴿٤٩﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ الثَّلاثَةِ مِّنْ رَّحْمَتِنَا المالَ والوَلَدَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِیًّا ﴿٥٠﴾ رَفِیْعًا وهو الثَّنَاءُ الحَسَنُ فی جَمِیعِ أَهلِ الاَدْیَانِ.

ترجمہ: آپ کفار مکہ کو کتاب میں مذکور ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ سنایئے یعنی اس کی خبر بیان کیجئے بے شک وہ بڑی راستی والے نبی تھے یعنی نہایت سچے نبی تھے اور اذقال لابیه خبره سے بدل ہے (یعنی اس وقت کا قصہ بیان کیجئے) جب انہوں نے اپنے والد آزر سے عرض کیا تھا یا ابت اے ابا جان، تا یائے اضافت کے عوض میں ہے (عوض اور معوض) دونوں کو جمع کرنا جائز نہیں ہے اور آزر بت پرستی کرتا تھا آپ ان (بتوں) کی پوجا پاٹ کیوں کرتے ہیں؟ جو نہ سنیں اور نہ دیکھیں اور نہ آپ کے کچھ کام آسکیں یعنی نہ کفایت کر سکیں، نہ نفع پہنچا سکیں اور نہ نقصان کو دفع کر سکیں اے میرے مہربان باپ میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا لہٰذا آپ میری بات مانیں میں آپ کو صراط مستقیم یعنی سیدھا راستہ دکھاؤں گا اے ابا جان آپ شیطان کی پرستش نہ کریں بت پرستی میں اس کی اطاعت کر کے بے شک شیطان تو (حضرت) رحمان کا بڑا ہی نافرمان ہے یعنی بکثرت نافرمانی کرنے والا ہے اے ابا جان مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں آپ پر عذاب الٰہی نہ آپڑے کہ کہیں آپ شیطان کے ساتھی نہ بن جائیں، یعنی معاون اور جہنم میں ساتھی نہ بن جائیں (یہ سن کر) باپ نے جواب دیا اے ابراہیم کیا تو ہمارے معبودوں سے روگردانی کر رہا ہے؟ جس کی وجہ سے تو ان پر نکتہ چینی کرتا ہے (کان کھول کر سن لے) اگر تو ان کی چھیڑ چھاڑ سے باز نہ آیا تو میں تجھ کو پتھروں سے کچل دوں گا یا تیرے ساتھ گالی گلوچ سے پیش آؤں گا جا ایک طویل زمانہ تک مجھ سے دور رہ تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اچھا تو میرا سلام لو یعنی میں آپ کو تکلیف پہنچانا نہیں چاہتا میں اپنے رب سے آپ کی مغفرت کے لئے درخواست کروں گا، بلاشبہ وہ مجھ پر حد درجہ مہربان ہے حفیا، حفی سے مشتق ہے اس کے معنی ہیں احسان کرنے والا، لہٰذا وہ میری درخواست کو شرف قبولیت بخشے گا، اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اس وعدہ کو اپنے اس قول سے پورا فرمایا جو سورۂ شعراء میں مذکور ہے واغفر لابی اور یہ دعاء کرنا اس وقت کی بات ہے جب تک یہ واضح نہیں ہوا تھا کہ وہ دشمن خدا ہے، جیسا کہ سورۂ براءۃ میں مذکور ہے میں تو تم سے بھی اور ان (بتوں) سے بھی کنارہ کشی اختیار کر رہا ہوں جن کی تم خدا کو چھوڑ کر بندگی کرتے ہو میں تو اپنے رب کی بندگی کرتا رہوں گا مجھے امید ہے کہ میں اپنے رب کی بندگی کر کے محروم نہ رہوں گا جیسا کہ تم بتوں کی بندگی کر کے محروم رہے ہو چنانچہ جب ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کو اور اللہ کے سوا ان کے سب معبودوں کو چھوڑ کر علیحدہ ہو گئے تو ہم نے ان

کو دو بیٹے جن سے وہ انس حاصل کرے اسحٰق اور یعقوب عطا کیے اور ان کو نبی بنایا اور ہم نے ان تینوں کو اپنی رحمت سے مال واولاد عطا کی اور ہم نے ان کو اعلیٰ درجہ کا ذکر جمیل عطا کیا اور وہ تمام اہل ادیان میں انکی اچھی تعریف ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَهُ: واذكر في الكتاب ابراهيم کا عطف واذكر في الكتاب مريم پر ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا عطف وانذرهم يوم الحسرة پر ہو۔

قِوْلَهُ: خبره کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ ابراہیم سے پہلے مضاف محذوف ہے اس لئے کہ خبر احوال کی ہوتی ہے نہ کہ ذات کی۔

قِوْلَهُ: صديقا مبالغہ کا صیغہ ہے، بہت راست گو، نبی اور صدیق کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے ہر نبی صدیق ہوتا ہے مگر ہر صدیق کا نبی ہونا ضروری نہیں اسی طرح ولی اور صدیق میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے ہر صدیق ولی ہوتا ہے مگر ہر ولی کا صدیق ہونا ضروری نہیں مقام صدیقیت مقام کے اعتبار سے مقام نبوت سے نیچا ہے۔

قِوْلَهُ: اذ قال لابيه خبره سے بدل الاشتمال ہے۔

قِوْلَهُ: انه كان صديقا نبيا ماقبل کی علت ہے اور بدل اور مبدل منہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے صديقا كان کی خبر اول ہے اور نبيا خبر ثانی ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے حقیقی والد ہیں قرآن کے طرز بیان سے یہی راجح معلوم ہوتا ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ آزر آپ کے چچا ہیں عرف کے اعتبار سے مجازاً اب کہہ دیا گیا ہے، ان کے والد کا نام تارخ ہے۔

قِوْلَهُ: اراغب مبتداء ہے اور انت قائم مقام فاعل خبر ہے، استفہام تعجبی ہے، چونکہ اراغب استفہام پر اعتماد کیے ہوئے ہے، لہٰذا نکرہ کا مبتداء بنانا صحیح ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اراغب خبر مقدم اور انت مبتداء مؤخر ہو۔

قِوْلَهُ: لئن اس میں لام قسم ہے ای والله لئن لم تنته.

قِوْلَهُ: العصى والعاصي دونوں کے ایک ہی معنی ہیں عصى اصل میں عصوى تھا، واؤ کو یا کیا اور یا کو تا میں ادغام کر دیا پھر یا کی مناسبت سے صاد کو کسرہ دیدیا، عصى ہو گیا۔

قِوْلَهُ: واهجرني مليا کا عطف واحذرني محذوف پر ہے جس پر لارجمنك دلالت کر رہا ہے تاکہ دونوں جملے انشائیہ ہو جائیں، معطوف اور معطوف علیہ میں موافقت سیبویہ کے یہاں ضروری ہے مليا طویل زمانہ، ایک معنی اس کے صحیح سالم کے بھی ہیں، مطلب یہ کہ زمانہ دراز کے لئے تو میری نظروں کے سامنے سے ٹل جا، دوسرے معنی کے اعتبار سے ترجمہ یہ ہوگا کہ تو مجھے میری حالت پر چھوڑ دے مجھ سے چھیڑ چھاڑ نہ کر، ورنہ کہیں مجھ سے اپنے ہاتھ پیر نہ تڑوالینا، مليا ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے جیسا کہ مفسر علام نے دهرا طويلا مقدر مان کر اشارہ کر دیا ہے، واهجرني کی ضمیر فاعل سے حال بھی ہوسکتا ہے۔

قِوْلُهُ: ناصرا وقرينا مناسب تھا کہ مفسر علام قرینا پر اکتفاء کرتے اس لئے کہ دخول نار کے بعد کوئی کسی کا معاون نہیں ہوگا۔

قِوْلُهُ: فتكون للشيطان وليا آیت کا ظاہر مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کے ساتھ ولایت مس عذاب پر مرتب ہے، یعنی مس عذاب کی وجہ سے شیطان کے ساتھ ولایت ہوگی حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ شیطان سے ولایت کی وجہ سے مس عذاب ہوگا، اس شبہ کا جواب مفسر علام نے قرينا في النار کا اضافہ کر کے دیدیا۔

قِوْلُهُ: حفي صفت مشبہ ہے بڑا مہربان، اکرام میں مبالغہ کرنے والا۔

قِوْلُهُ: كلا، جعلنا کا مفعول اول ہے تخصیص کے لئے فعل پر مقدم کر دیا گیا ہے۔

تَفْسِيْرُ وَتَشْرِيْح

واذكر في الكتاب ابراهيم اس سورۃ میں مذکور قصوں میں سے یہ تیسرا قصہ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے قصہ کا خلاصہ:

توراۃ اور تاریخی روایات کے اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا نسب نو واسطوں سے حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے صاحبزادے سام سے ملتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد کا نام:

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد کا کیا نام ہے؟ توریت اور تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے والد صاحب کا نام تارخ ہے مگر قرآن عزیز نے آپ کے والد کا نام آزر بتایا ہے **واذ قال ابراهيم لابيه آزر اتتخذ اصناما الهة** بعض مفسرین نے اس اختلاف کو دور کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ دونوں نام ایک ہی شخصیت کے ہیں تارخ علم اسمی ہے اور آزر علم وصفی ہے ان میں سے بعض حضرات تطبیق اس طرح دیتے ہیں کہ آزر عبری زبان میں محبِّ صنم کو کہتے ہیں اور چونکہ تارخ میں بت پرستی اور بت تراشی دونوں وصف موجود تھے اس لئے آزر کے لقب سے مشہور ہوا، اور بعض کا خیال ہے کہ آزر کے معنی اعوج (کم فہم) یا خفیف العقل کے ہیں اور چونکہ تارخ میں یہ بات موجود تھی اس لئے اس کو اس وصف سے موصوف کیا گیا، قرآن عزیز نے اسی وصفی نام کو بیان کیا ہے۔

اور دوسرے علماء کی تحقیق یہ ہے کہ آزر اس بت کا نام ہے، تارخ جس کا پجاری اور مہنت تھا مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ قرآن عزیز کی مسطورہ بالا آیت کا مطلب یہ ہے کہ **اتتخذ آزر الها ای اتتخذ اصناما آلهة** کیا تو آزر کو خدا مانتا ہے یعنی بتوں کو خدا مانتا ہے غرضیکہ ان کے نزدیک آزر ابیہ کا بدل نہیں ہے بلکہ ایک بت کا نام ہے اس طرح قرآن میں حضرت

ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد کا نام مذکور نہیں ہے، ایک مشہور قول یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد کا نام تارخ تھا اور چچا کا نام آزر اور چونکہ آزر ہی نے ان کی تربیت کی تھی اور بمنزلہ اولاد کے پالا تھا اس لئے قرآن عزیز میں آزر کو باپ کہہ کر پکارا گیا ہے جیسا کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے العم صنوا بیه چچا باپ ہی کی طرح ہوتا ہے، عبدالوہاب نجار کی رائے یہ ہے کہ ان اقوال میں سے مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول قرین قیاس ہے اس لئے کہ مصریوں کے قدیم دیوتاؤں میں ایک کا نام ازوریس بھی آتا ہے جس کے معنی خدائے قوی اور معین کے ہیں اور اصنام پرست اقوام کا شروع سے یہ دستور رہا ہے کہ قدیم دیوتاؤں کے نام پر ہی جدید دیوتاؤں کے نام رکھ لیا کرتے تھے اس لئے اس دیوتا کا نام بھی قدیم مصری دیوتا کے نام پر آزر رکھا گیا ورنہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد کا نام تارخ تھا۔

ہمارے نزدیک یہ تمام تکلفات باردہ ہیں اس لئے کہ قرآن عزیز نے جب صراحت کے ساتھ آزر کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا باپ کہا ہے تو پھر علماء کو انساب اور بائبل کے تخمینی قیاسات سے متاثر ہو کر قرآن عزیز کی یقینی تعبیر کو مجاز کہنے یا اس سے بھی آگے بڑھ کر خواہ مخواہ قرآن عزیز میں نحوی مقدرات ماننے پر کونسی شرعی اور حقیقی ضرورت مجبور کرتی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ آدار کالدی زبان میں بڑے پجاری کو کہتے ہیں اور عربی زبان میں یہی آزر کہلایا، تارخ چونکہ بت تراش اور سب سے بڑا پجاری تھا اس لئے آزر ہی کے نام سے مشہور ہو گیا حالانکہ یہ نام نہ تھا بلکہ لقب تھا اور جب لقب نے نام کی جگہ لے لی تو قرآن عزیز نے بھی اسی نام سے پکارا۔ (ماخوذ از قصص القرآن ج ۱، ص ۱۵۱)

واذكر في الكتاب ابراهيم اے محمد ﷺ آپ ﷺ اہل مکہ کو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ سنائیے جن کے بارے میں ان کا دعویٰ ہے کہ ہم ان کی نسبی اولاد ہیں شاید ان کو اپنے جد امجد کے بت شکنی اور بت بیزاری کے حالات سن کر توحید و رسالت کا مسئلہ سمجھ میں آجائے وہ اپنے ہر قول و فعل میں بڑے راستی والے پیغمبر تھے اور ان کا جو قصہ ہم بیان کرنا چاہتے ہیں وہ اس وقت پیش آیا تھا جب کہ انہوں نے اپنے باپ سے جو کہ مشرک تھا کہا تھا اے میرے ابا جان آپ ایسی چیزوں کی کیوں عبادت کرتے ہو کہ جو نہ کچھ سنے اور نہ کچھ دیکھے اور نہ وہ تمہارے کچھ کام آسکیں، اے میرے ابا جان میرے پاس ایسا علم پہنچا ہے جو آپ کے پاس نہیں پہنچا، تم میرے کہنے پر چلو میں تم کو سیدھا راستہ بتلاؤں گا اور اے ابا جان آپ شیطان کی پرستش نہ کریں یعنی اس کو اور اس کی بندگی کو خود تم بھی ناپسند کرتے ہو اور بت پرستی میں شیطان پرستی یقیناً لازم ہے اس لئے کہ وہی یہ حرکت کراتا ہے اسی کا نام شیطان پرستی ہے، بے شک شیطان رحمان کا بڑا نافرمان ہے وہ اطاعت کے لائق کیسے ہو سکتا ہے، اے ابا جان مجھے قوی اندیشہ ہے کہ کہیں تم پر رحمان کی طرف سے عذاب نہ آپڑے پھر تم عذاب میں شیطان کے ساتھ مبتلا ہو جاؤ، اپنے صاحبزادے کی مذکورہ تمام باتیں سن کر کہنے لگا کیا تم میرے معبودوں سے پھرے ہوئے ہو اگر تم ان بتوں کی مذمت اور مجھے ان کی عبادت سے منع کرنے سے باز نہ آئے تو میں تم کو ضرور بالضرور پتھروں سے مار مار کر سنگسار کر دوں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باپ کے ادب و احترام کے تقاضوں کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہوئے نہایت ہی شفقت اور پیار کے لہجے میں ابا جان کو توحید کا وعظ سنایا لیکن توحید کا سبق کتنے ہی شیریں اور نرم لہجے میں بیان کیا جائے مشرک کے لئے

نا قابل برداشت ہی ہوتا ہے چنانچہ مشرک باپ نے اس نرمی اور پیار کے جواب میں نہایت ہی درشتی اور تلخی کے ساتھ موحد بیٹے سے کہا اگر تو میرے معبودوں سے روگردانی کرنے سے باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کردوں گا ورنہ تو میری نظروں کے سامنے سے ٹل جا (دوسرا ترجمہ) ملیا کے ایک معنی صحیح سالم کے بھی ہیں اس وقت ترجمہ یہ ہوگا یعنی مجھے میرے حال پر چھوڑ دے اور مجھے توحید کا سبق سکھانے سے باز آجا اگر تو باز نہ آیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ تو مجھ سے اپنے ہاتھ پیر تڑوا بیٹھے، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا (بہتر) میرا اسلام لو اب تم سے کہنا سننا بے سود ہے اب میں تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت کی دعا کروں گا کہ وہ تم کو ہدایت کرے بے شک وہ مجھ پر حد درجہ مہربان ہے، جب تم میری حق بات کو نہیں مانتے تو تم میں میرا رہنا بھی فضول ہے اس لئے میں تم سے اور جن کی تم پوجا کرتے ہو کنارہ کشی اختیار کرتا ہوں کہیں جا کر اطمینان سے اپنے رب کی بندگی کروں گا غرضیکہ اس گفتگو کے بعد ان سے اس طرح علیحدہ ہوئے کہ ملک شام کی طرف ہجرت کر کے چلے گئے اور ہم نے ان کو اسحٰق بیٹا اور یعقوب پوتا عطا کیا، اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ پہلے پیدا ہو چکے تھے اس لئے ان کا اس جگہ ذکر نہیں اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ان کا ذکر مستقلاً عنقریب ان کے اوصاف کے ساتھ آرہا ہے اس وجہ سے یہاں ترک کر دیا گیا۔

قِوْلَہٗ: اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نبيًّا الخ.

صدیق کی تعریف:

صدیق کے اصطلاحی معنی میں علماء کا اختلاف ہے، بعض نے فرمایا کہ جس شخص نے عمر میں کبھی جھوٹ نہ بولا ہو وہ صدیق ہے، اور بعض نے فرمایا کہ جو شخص اعتقاد اور قول و فعل ہر چیز میں صادق ہو اور جو دل میں ہو وہی زبان پر ہو ایسا شخص صدیق ہے، روح المعانی اور مظہری میں اسی آخری قول کو اختیار کیا گیا ہے۔

صدیقیت کے درجات:

صدیقیت کے درجات مختلف و متفاوت ہیں اصل صدیق تو رسول اور نبی ہی ہو سکتا ہے اور ہر نبی اور رسول کے لئے صدیقیت وصف لازم ہے مگر اس کا عکس لازم نہیں کہ جو صدیق ہو اس کا نبی ہونا ضروری ہو بلکہ غیر نبی بھی صدیق ہو سکتا ہے، حضرت مریم کو خود قرآن کریم نے امه صديقة کا خطاب دیا ہے حالانکہ جمہور امت کے نزدیک وہ نبی نہیں ہیں اور کوئی عورت نبی نہیں ہو سکتی۔

بڑوں کو نصیحت کرنے کے آداب اور طریقے:

یا ابت عربی لغت کے اعتبار سے یہ لفظ باپ کی تعظیم و محبت کا خطاب ہے، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام جامعیت اوصاف و کمالات کا عطا فرمایا تھا ان کی یہ تقریر اپنے والد کے سامنے ہو رہی ہے، اعتدال مزاج اور رعایت

اضداد کی ایک بے نظیر تقریر ہے ایک طرف باپ کو شرک و کفر اور کھلی گمراہی میں نہ صرف مبتلا بلکہ اس کا داعی دیکھ رہے ہیں، جس کے مٹانے ہی کے لئے خلیل اللہ پیدا کیے گئے ہیں، دوسری طرف باپ کا ادب اور عظمت اور محبت ہے اور ان دونوں ضدوں کو خلیل اللہ نے کس طرح جمع فرمایا، اول تو یا ابت کا لفظ جو باپ کی مہربانی اور محبت کا داعی ہے ہر جملہ کے شروع میں اس لفظ سے خطاب کیا۔ پھر کسی جملہ میں باپ کی طرف کوئی لفظ ایسا منسوب نہیں کیا جس سے اس کی توہین یا دل آزاری ہو کہ اس کو گمراہ یا کافر کہتے بلکہ حکمت پیغمبرانہ کے ساتھ صرف ان بتوں کی بے بسی اور بے حسی کا اظہار فرمایا کہ ان کو خود اپنی غلط روش کی طرف توجہ ہو جائے، دوسرے جملہ میں اپنی اس نعمت کا اظہار فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے ان کو علوم نبوت کی عطا فرمائی تھی تیسرے اور چوتھے جملہ میں انجام بد سے ڈرایا جو اس کفر و شرک کے نتیجے میں آنے والا تھا، اس پر بھی باپ نے بجائے کسی غور و فکر کے کہ ان کی فرزندانہ گذارش پر کچھ نرمی کا پہلو اختیار کرتے ۔۔۔ پورے تشدد کے ساتھ خطاب کیا انہوں نے تو خطاب یا ابت کے پیارے لفظ سے کیا جس کا جواب عرف میں یا بنی کے لفظ سے ہونا چاہیے تھا مگر آزر نے ان کا نام لیکر یا ابراہیم سے خطاب کیا اور ان کو سنگسار کر کے قتل کرنے کی دھمکی اور گھر سے نکل جانے کا حکم دیا اس کا جواب خلیل اللہ کی طرف سے کیا ملتا ہے وہ سنئے، فرمایا:

سلام علیك یہاں لفظ سلام دو معنی کے لئے ہو سکتا ہے اول یہ کہ سلام مقاطعہ ہو، یعنی کسی سے شریفانہ اور مہذب طریقہ سے قطع تعلق کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بات کا جواب دینے کے بجائے لفظ سلام کہہ کر علیحدہ ہو جائے جیسا کہ قرآن کریم نے اپنے مقبول اور صالح بندوں کی صفت میں بیان فرمایا **واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما** یعنی جب جاہل لوگ ان سے جاہلانہ خطاب کرتے ہیں تو یہ ان کے دوبدو ہونے کے بجائے لفظ سلام کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ باوجود مخالفت کے میں تمہیں کوئی گزند اور تکلیف نہ پہنچاؤں گا، اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ یہاں سلام عرفی سلام ہی کے معنی میں لیا جائے، اس میں فقہی اشکال ہوتا ہے جس کی تفصیل سابق میں گذر چکی ہے۔

سأستغفر لك ربی یہاں بھی ایک اعتراض ہوتا ہے اعتراض یہ ہے کہ کسی کافر کے لئے استغفار کرنا شرعاً ممنوع ہے آنحضرت ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب سے فرمایا تھا کہ **واللہ لا ستغفرن لك مالم انه عنه** بخدا میں آپ کے لئے اس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے منع نہ کر دیا جائے اس پر یہ آیت نازل ہوئی **ما کان للنبی والذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین** یعنی نبی اور ایمان والوں کے لئے جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے استغفار کریں اس آیت کے نازل ہونے پر آپ نے چچا کے لئے استغفار کرنا چھوڑ دیا۔

اشکال کا جواب:

یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا باپ سے وعدہ کرنا کہ میں آپ کے لئے استغفار کروں گا یہ ممانعت سے پہلے کا واقعہ ہے اس کے بعد ممانعت کر دی گئی، سورۂ ممتحنہ میں حق تعالیٰ نے خود اس واقعہ کا بطور استثناء ذکر فرما کر اس کی اطلاع دیدی ہے **الا قول ابراھیم لابیه لا ستغفرن لك** اور اس سے زیادہ واضح سورۂ توبہ میں آیت مذکورہ **ما کان للنبی**

والذین آمنوا أن یستغفروا کے بعد اس دوسری آیت میں فرمایا ہے ما کان استغفار ابراھیم لابیه الا عن موعدة وعدها ایاه فلما تبین له انه عدو لله تبرأ منه جس سے معلوم ہوا کہ یہ استغفار اور اس کا وعدہ باپ کے کفر پر جمے رہنے اور خدا کا دشمن ثابت ہونے سے پہلے کا تھا جب باپ کے عدو اللہ ہونے کی حقیقت معلوم ہوگئی تو حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے بھی براءت کا اعلان فرما دیا۔

البلاغة

الكناية اللطيفة: "لسان صدق" كناية عن الذكر الحسن والثناء الجميل باللسان لأن الثناء يكون باللسان كما يكنى عن العطاء باليد.

وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا بِكَسْرِ اللَّامِ وفتحِها مَنْ أَخْلَصَ فى عِبَادَتِهِ وَأَخْلَصَهُ اللّٰهُ من الدَّنَسِ **وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ وَنَادَيْنٰهُ** بقول يا مُوسٰى إنّى أنَا اللّٰهُ **مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ** اِسْمُ جَبَلٍ **الْاَيْمَنِ** اى الَّذِىْ يَلِى يَمِيْنَ مُوسٰى حِيْنَ أَقْبَلَ مِنْ مَدْيَنَ **وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ۝** مُنَاجِيًا بِاَنْ أَسْمَعَهُ تَعَالٰى كَلَامَهٗ **وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ** نِعْمَتِنَا **اَخَاهُ هٰرُوْنَ** بَدلٌ اوعَطْفُ بَيَانٍ **نَبِيًّا ۝** حالٌ هى المقْصُودَةُ بِالْهِبَةِ إجَابَةً لِسُؤَالِهِ ان يُرْسِلَ أَخَاه معه وكان أَسَنَّ منه **وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ** لم يَعِدْ شَيْئًا الاوفى به وَانْتَظَرَ مَنْ وَعَدَهٗ ثلثة أيَّام او حَوْلًا حتى رَجَعَ اليه فى مَكَانِهِ **وَكَانَ رَسُوْلًا** الى جُرْهَمَ **نَّبِيًّا ۝ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ** اى قومه **بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ۝** اَصْلُه مَرْضُوْوٌ قُلِبَتِ الوَاوَان يَائَيْنِ والضَّمَّةُ كَسْرَةً **وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ** هوجَدُّ أبى نوحٍ **اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝** هو حَىٌّ فى السَّمَاءِ الرَّابِعةِ او السَّادِسةِ أو السَّابعةِ او فى الجَنَّةِ أُدخِلَها بَعْدَ انْ أُذِيْقَ الموتَ وأُحْيِىَ ولم يُخْرَجْ منها **اُولٰٓئِكَ** مُبْتَدَأٌ **الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ** صِفةٌ له **مِّنَ النَّبِيّٖنَ** بَيَانٌ لهم وهو فى مَعنى الصِّفَةِ ومَا بَعْدَه الى جملةِ الشَّرْطِ صِفَةٌ للنَّبِيّٖنَ فقوله **مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ** اى اِدْرِيس **وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ** فى السَّفِينَةِ اى اِبْرَاهِيْمَ بن اِبْنِهٖ سام **وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ** اى اِسْمَاعِيْلَ واسْحَاقَ ويَعْقُوبَ **وَ** مِنْ ذُرِّيَّةِ **اِسْرَآءِيْلَ** وهو يعقوبُ اى مُوسٰى وهَارُوْنَ وزَكَرِيَّا ويَحْيٰى وعِيْسٰى **وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا** اى مِنْ جُمْلَتِهِم وخَبَرُاُولٰئِكَ **اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۝** جَمْعُ سَاجِدٍ وبَاكٍ اى فكُوْنُوا مِثْلَهم وأَصلُ بُكِىٍّ بُكُوْىٌ قُلِبَتِ الواوياءً والضَّمَّةُ كَسْرَةً **فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ** بتَرْكِهَا كاليَهُوْدِ والنَّصَارٰى **وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ** مِن المَعَاصِى **فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝** هو وادٍ فى جَهَنَّمَ اى يَقَعُوْنَ فيه.

ترجمہ: کتاب میں مذکور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کیجئے وہ بلاشبہ بڑے مخلص منتخب بندے تھے کسرۂ لام اور فتحۂ لام کے ساتھ مخلِص مَنْ اَخْلَصَ فِی عِبَادَتِہٖ کو کہتے ہیں اور مخلَص مَن اَخلَصَہُ اللّٰہ مِنَ الدنَس کو کہتے ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر قسم کی آلائشوں سے پاک کر دیا) اور وہ نبی مرسل تھے اور ہم نے موسیٰ کو کوہ طور کی داہنی جانب سے یا موسیٰ اِنِی انا اللّٰہ کہہ کر پکارا طور ایک پہاڑ کا نام ہے یعنی موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس جانب سے (پکارا) جو مدین سے آتے ہوئے داہنی جانب پڑتی ہے اور ہم نے اس کو رازدارانہ گفتگو کے لئے اپنا مقرب بنایا، اس طریقہ پر کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنا کلام سنایا اور ہم نے اس کو اپنی رحمت نعمت کے سبب سے اس کا بھائی ہارون نبی بنا کر عطا کیا ھارون (اخاہ) سے بدل یا عطف بیان ہے نبیا (ھارون) سے حال ہے اور وھبنا سے عطاء نبوت ہی مراد ہے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس درخواست کو قبول کرتے ہوئے کہ اس کے ساتھ اس کے بھائی (ہارون) کو نبی بنا دیجئے اور ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑے تھے۔ اور کتاب میں مذکور اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی ذکر کیجئے بلاشبہ وہ وعدے کے بڑے سچے تھے انہوں نے کوئی وعدہ نہیں کیا کہ اس کو پورا نہ کیا ہو اور جس شخص سے (انتظار) کا وعدہ کیا تھا اس کا تین دن یا ایک سال تک (اسی جگہ) انتظار کیا تا آں کہ وہ شخص کہ جس سے انتظار کا وعدہ کیا تھا آپ کے انتظار کی جگہ واپس آیا اور وہ جرہم کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے اور وہ اپنے اہل یعنی اپنی قوم کو (برابر) نماز کا اور زکوٰۃ کا حکم کرتے تھے اور وہ اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ تھے مرضی کی اصل مرضوو تھی، دونوں واوی سے بدل گئے اور ضمہ کسرہ سے بدل گیا، اور اس کتاب میں ادریس کا بھی ذکر کیجئے وہ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد کے دادا تھے بے شک وہ بڑی راستی والے نبی تھے اور ہم نے ان کو بلند مقام تک پہنچا دیا، وہ چوتھے یا چھٹے یا ساتویں آسمان یا جنت میں زندہ ہیں اور ان کو موت کا مزا چکھانے کے بعد جنت میں داخل کر دیا گیا اور زندہ کر دیا گیا اور وہ جنت سے نہیں نکلے اولـئك مبتداء ہے یہی ہیں وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ نے (خاص) انعام فرمایا الذین انعم اللّٰہ علیھم، اولئك (موصوف) کی صفت ہے اور من النبیین الذین کا بیان ہے اور یہ بیان صفت کے معنی میں ہے اور من النبیین سے لیکر جملہ شرطیہ تک نبیین کی صفت ہے (اور یہ منعم علیھم) آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل سے ہیں یعنی ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان میں سے بعض ان لوگوں کی نسل سے ہیں جن کو ہم نے نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا یعنی ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت نوح کے بیٹے سام کی نسل سے ہیں اور بعض ان میں سے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل سے ہیں یعنی اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام بعض اسرائیل کی نسل سے ہیں اور وہ یعقوب ہیں موسیٰ اور ہارون اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ ہیں اور یہ سب (حضرات) ان لوگوں میں سے تھے جن کو ہم نے ہدایت فرمائی اور مقبول بنایا یعنی منجملہ ہدایت یافتہ مقبول لوگوں میں سے ہیں اور اولئك کی خبر اذا تتلی علیھم الخ ہے سجدا ساجد کی اور بکیا باك کی جمع ہے (ان حضرات کی یہ کیفیت تھی کہ) جب ان کے سامنے (حضرت) رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو سجدہ کرتے ہوئے روتے ہوئے (زمین) پر گر جاتے تھے لہٰذا اے (اہل مکہ) تم بھی ان کے جیسے ہو جاؤ اور بکی کی

اصل بسکوی تھی واؤی سے اور ضمہ کسرہ سے بدل گیا پھر ان کے بعد کچھ ایسے ناخلف پیدا ہوئے کہ انہوں نے نماز کو ترک کر کے ضائع کر دیا جیسا کہ یہود اور نصاریٰ اور معصیت میں خواہشات کی اتباع کی تو یہ لوگ عنقریب خرابی دیکھیں گے (غیا) جہنم میں ایک وادی ہے یعنی اس میں پڑیں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: واذکر فی الکتاب موسی کا عطف واذکر فی الکتاب مریم پر عطف قصہ علی القصہ ہے، سورۂ مریم میں دس انبیاء علیہم السلام کے اسماء مذکور ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے کچھ اوصاف و مناقب بیان فرمائے ہیں اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی توقیر و تعظیم لازم ہے، اسماء مذکورہ یہ ہیں ① زکریا ② یحییٰ ③ ابراہیم ④ عیسیٰ ⑤ اسحق ⑥ یعقوب ⑦ اسماعیل ⑧ موسیٰ ⑨ ہارون ⑩ ادریس علیہم السلام۔

مخلصا ای موحدا اخلص عبادته عن الشرك (افعال) سے اسم فاعل یا اسم مفعول کا صیغہ ہے **ای اخلصه الله تعالیٰ واختاره وجعله مختارا.**

قولہ: الدنس میل (ج) ادناس.

قولہ: وکان رسولا نبیا رسولا کان کی خبر اول ہے اور نبیا خبر ثانی، رسول کے لغوی معنی مراد ہیں اور نبی کے اصطلاحی، رسولا نبیا میں مناسب یہ تھا کہ عام کو مقدم اور خاص کو مؤخر ذکر کرتے مگر فواصل کے رعایت کی وجہ سے عکس کر دیا، جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں رب ھارون وموسی ہے، اور بعض حضرات نے رسول کے اصطلاحی معنی اور نبی کے لغوی معنی مراد لئے ہیں یعنی عالی مرتبہ رسول، اس وقت نبی نبوۃ سے مشتق ہوگا جس کے معنی رفعت اور بلندی کے ہیں۔

قولہ: الطور مدین اور مصر کے درمیان مشہور پہاڑ ہے جس کا نام جبل زبیر بھی ہے۔

قولہ: ایمن اگر یمین سے مشتق ہے تو اس کے معنی ہیں دایاں۔

قولہ: نجیا، قربنا کے مفعول یا فاعل کی ضمیر سے حال ہے اور الایمن، جانب کی صفت ہے اسی وجہ سے اعراب میں اس کے تابع ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ الایمن یمن سے مشتق ہے تو اس صورت میں طور کی صفت واقع ہو سکتا ہے یعنی مبارک پہاڑ کی جانب سے موسیٰ کو ندا دی وھبنا (ف) عطا کیا۔

قولہ: من رحمتنا من تعلیلیہ ہے ای من اجل رحمتنا اخاه اس صورت میں وھبناہ کا مفعول بہ ہوگا، اور ھارون، اخاه سے یا بدل ہوگا یا عطف بیان یا اعنی محذوف ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا نبیا ہارون سے حال ہے جرہم یمن کا ایک قبیلہ تھا جو پانی کی سہولت دیکھ کر وادی مکہ میں حضرت ہاجرہ کے پاس مقیم ہو گیا تھا، اور حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جوان ہو کر اسی قبیلہ میں شادی کر لی تھی، ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام اخنوخ ہے اور یہ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جد امجد ہیں۔

قولہ: رفعنا بعض مفسرین نے کہا ہے کہ رفع سے مراد شرف نبوت کی وجہ سے مرتبہ ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ رفع

آسمانی مراد ہے جیسا کہ مفسر علام کی یہی رائے ہے۔

قولہ: خلف سکون لام کے ساتھ ناخلف (نالائق) کے لئے اور فتح لام کے ساتھ لائق اخلاف کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

قولہ: یلقون مضارع جمع مذکر غائب (س) پڑیں گے، ملاقات کریں گے۔

قولہ: غیا اسم فعل، گمراہی، عذاب۔

تفسیر وتشریح

واذكر فی الكتاب موسی اس سورت میں مذکور قصوں میں سے یہ چوتھا قصہ ہے، اور ذکر کرنے سے مراد سنانا ہے، اس لئے کہ ذکر کرنے والے تو اللہ تعالیٰ ہیں **مخلصا** بفتح اللام وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے خاص کر لیا ہو یعنی جس کو غیر اللہ کی طرف التفات نہ ہو یہ شان خصوصی طور پر انبیاء علیہم السلام کی ہوتی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے **انا اخلصناهم بخالصة ذكرى الدار** یعنی ہم نے ان کو مخصوص کر دیا ہے ایک خاص کام یعنی دار آخرت کی یاد کے لئے، امت میں جو حضرات کاملین انبیاء علیہم السلام کے نقش قدم پر ہوں ان کو بھی اس مقام کا ایک درجہ ملتا ہے اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ قدرتی طور پر گناہوں سے بچا دیئے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی حفاظت ان کے ساتھ ہوتی ہے۔

من جانب الطور یہ مشہور پہاڑ ملک شام میں مصر اور مدین کے درمیان واقع ہے آج بھی اسی نام سے مشہور ہے۔

الایمن سے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دائیں جانب مراد ہے اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مدین سے چل کر جب طور کے بالمقابل پہنچے تو طور ان کی دائیں جانب تھا **نجیا** سے سرگوشی مراد ہے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہمکلامی کو راز اس لئے کہا گیا ہے کہ کلام کے وقت وہاں کوئی انسان موجود نہیں تھا گو بعد میں وہ گفتگو اور کلام سب کو معلوم ہو گیا **ووهبنا له من رحمتنا اخاه هارون** یہاں ہبہ سے مراد حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبوت عطا کر کے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معاون و مددگار بنانا ہے اس لئے کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ میرے بھائی کو میرا معاون و مددگار بنا دیجئے چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دعاء قبول فرمائی اور نبوت عطا کر دی اسی کو ہبہ سے تعبیر کیا گیا ورنہ تو حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام موسیٰ سے عمر میں بڑے ہیں بڑا چھوٹے کو ہدیہ نہیں کیا جا سکتا۔

واذكر فی الكتاب اسماعیل حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر ان کے والد ابراہیم اور بھائی اسحٰق کے ساتھ نہیں کیا بلکہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا درمیان میں ذکر آنے کے بعد ان کا ذکر فرمایا شاید اس سے مقصود ان کے ذکر کا خاص اہتمام ہو کہ ضمناً ذکر کرنے کے بعد مستقلاً ذکر فرما دیا، یہاں جتنے انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا گیا ہے ان کے درمیان زمانۂ بعثت کی ترتیب نہیں رکھی گئی کیونکہ ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام جن کا ذکر سب کے بعد آ رہا ہے وہ زمانہ کے لحاظ سے سب سے مقدم ہیں۔

كان صادق الوعد ایفاء وعدہ ایک ایسا خلق حسن ہے کہ ہر شریف انسان اس کو ضروری سمجھتا ہے اور اس کے خلاف کرنے کو ایک رذیل حرکت قرار دیتا ہے حدیث میں وعدہ خلافی کو نفاق کی علامت قرار دیا گیا ہے اس لئے ہر نبی صادق الوعد ہوتا ہے،

مگر اس سلسلہ کلام میں خاص خاص انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کوئی خاص وصف بھی ذکر کیا گیا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ وصف دوسروں میں نہیں بلکہ اشارہ اس طرف ہے کہ ان میں یہ وصف خاص امتیازی شان رکھتا ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ''مخلص'' ہونا ذکر فرمایا گیا حالانکہ یہ صفت بھی تمام انبیاء علیہم السلام میں عام ہے مگر چونکہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس میں ایک خاص امتیاز حاصل تھا اس لئے ان کے تذکرہ میں خصوصیت سے اس وصف کا ذکر کر دیا گیا۔

حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صادق الوعد امتیازی وصف اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے جس چیز کا وعدہ اللہ سے یا کسی بندے سے کیا اس کو بڑی مضبوطی اور اہتمام سے پورا کیا انہوں نے اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ میں خود کو ذبح ہونے کے لئے پیش کر دوں گا اور اس پر صبر کروں گا، اس وعدہ میں حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام پورے اترے، ایک مرتبہ ایک شخص سے ایک جگہ ملنے کا وعدہ کیا تھا وہ وقت پر نہ آیا تو اس کے انتظار میں تین دن اور بعض روایات میں ہے کہ ایک سال تک اس کا انتظار کرتے رہے۔ (مظہری)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ترمذی میں بروایت عبداللہ ابن ابی الخمساء ایسا ہی واقعہ وعدہ کر کے تین دن تک اسی جگہ انتظار کرنے کا منقول ہے۔ (قرطبی)

کان یأمر اھلہ بالصلوٰۃ والزکوٰۃ حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خصوصی اوصاف میں سے ایک وصف یہ بھی مذکور ہے کہ وہ اپنے اہل کو نماز و زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے یہ وصف اگرچہ ہر نبی میں مشترک ہے مگر حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے اہتمام میں امتیازی کوشش کرتے تھے۔

واذکر فی الکتاب ادریس حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک ہزار سال قبل حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اجداد میں سے ہیں۔ (روح المعانی)

اور حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد پہلے نبی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے تیس صحیفے نازل فرمائے، اور ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام سب سے پہلے انسان ہیں جن کو علم نجوم اور علم حساب بطور معجزہ دیا گیا تھا (بحر محیط) اور سب سے پہلے انسان ہیں کہ جنہوں نے قلم سے لکھنا اور کپڑا سینا ایجاد کیا اور انہیں نے ناپ تول کے طریقے بھی ایجاد کئے، اور آپ ہی نے اسلحہ ایجاد کر کے بنو قابیل سے جہاد کیا۔ (بحر محیط قرطبی، مظہری، روح)

ورفعناہ مکانا علیا مکان رفیع سے مراد مرتبہ کی بلندی ہے یعنی نبوت و رسالت اور قرب خداوندی کا خاص مقام عطا فرمایا گیا، بعض روایات میں جو آسمانوں پر رفع جسمانی منقول ہے اس کے متعلق ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے:

ھذا من اخبار کعب الاحبار من الاسرائیلیات وفی بعضہ نکارۃ.

یہ کعب احبار کی اسرائیلی روایات میں سے ہے اور ان میں سے بعض میں نکارت ہے۔

اولٰئک الذین انعم اللہ علیھم من النبیین من ذریۃ آدم اس سے مراد صرف حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام اور **ومن ذریۃ من حملنا مع نوح** اس سے مراد صرف ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں **ومن ذریۃ ابراھیم** اس سے مراد اسماعیل و اسحٰق و یعقوب ہیں **وذریتہ اسرائیل** اس سے مراد حضرت موسیٰ و ہارون اور حضرت زکریا و یحییٰ علیہم السلام ہیں۔

واذا تتلی علیھم آیٰت الرحمٰن خروا سجدا وبکیا سابقہ آیات میں چندا کابر انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا گیا ہے جن میں ان کی عظمت کو بیان کیا گیا ہے چونکہ انبیاء علیہم السلام کی عظمت میں عوام سے غلو کرنے کا خطرہ تھا جیسے یہود نے حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا ہی بنا دیا اس لئے اس مجموعہ کے بعد ان سب کا اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہونا اور خوف وخشیت سے بھرپور رہنا اس آیت میں ذکر فرمایا ہے تاکہ افراط وتفریط کے درمیان رہیں۔

(معارف القرآن)

اِلَّا لکن مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ يُنقَصُوْنَ شَيْئًا ﴿٦٠﴾ مِن ثَوابِهِم جَنّٰتِ عَدْنِ اِقامةٍ بَدلٌ مِنَ الجنّةِ اِلَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ حالٌ اى غَائِبِين عنها اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ اى مَوْعُودُهٗ مَاْتِيًّا ﴿٦١﴾ بمعنى آتِيًا واصله ما تُوِيٌ او مَوْعُودُه هُنَا الجنةُ يَاتِيهِ اَهلُه لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا مِنَ الكلام اِلَّا لكن يَسْمَعُوْنَ سَلٰمًا مِنَ المَلٰئِكَةِ عليهم او مِن بَعضِهم على بعضٍ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿٦٢﴾ اى على قَدرِهِما في الدُّنيا وليس في الجَنَّة نَهارٌ ولا لَيلٌ بل ضَوءٌ ونُورٌ اَبدًا تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ نُعطِى ونُنزِلُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿٦٣﴾ بطاعَتِهٖ ونَزَلَ لَمَّا تَاخَّرَ الوَحْيُ اَيَّامًا وقال النبي صلى الله عليه وسلم لِجِبْرِيْلَ مَايَمْنَعُكَ ان تَزُوْرَنَا اَكثَرَ مِمَّا تَزُوْرُنَا وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا اى اما منا من اُمُورِ الآخِرةِ وَمَا خَلْفَنَا من اُمُورِ الدُّنيا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ اى مايكُون من هذا الوقتِ الى قِيَامِ السَّاعَةِ اى له عِلْمُ ذٰلك جَمِيعِهٖ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿٦٤﴾ بمعنى نَاسِيًا اى تَارِكًا لك بتَاخِيرِ الوَحْيِ عنك هو رَبُّ مَالِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ اى اِصْبِرْ عليها هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿٦٥﴾ اى مُسَمًّى بذٰلك.

ترجمہ: (عنقریب خرابی دیکھیں گے) ہاں مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کرنے لگا سو یہ لوگ جنت میں جائیں گے اور ان کا ذرا نقصان نہ کیا جائے گا یعنی ان کے اجر وثواب میں (ذرہ برابر) کمی نہ کی جائے گی جنّٰت عدن ہمیشہ قیام کی جنت جنّٰت عدن، الجنۃ سے بدل ہے وہ جنت کہ جس کا رحمٰن نے اپنے بندوں سے وعدہ کر رکھا ہے بالغیب حال ہے یعنی حال یہ ہے کہ ان بندوں نے اس جنت کو دیکھا نہیں ہے اور اس کے موعود (وعدہ کی ہوئی چیز) کو یہ لوگ ضرور جنت میں پہنچیں گے ماتیا بمعنی آتیا ہے اس کی اصل ماتوی تھی یا اس کا موعود یہا، جنت ہے یعنی جنت کے مستحق اس میں داخل ہوں گے اور وہ لوگ جنت میں کوئی فضول بات نہ سنیں گے البتہ اپنے اوپر فرشتوں کا یا آپس میں ایک دوسرے کا کلام سنیں گے ان کو جنت میں صبح وشام کھانا ملا کرے گا یعنی دنیا کی عادت کے مطابق اور جنت میں لیل ونہار نہیں ہوں گے بلکہ ہمیشہ روشنی اور نور ہوگا یہ ایسی جنت ہے کہ ہم اپنے بندوں میں سے اس کا ایسے شخص کو مالک بنائیں گے یعنی عطا کریں گے اور (اس میں) نازل کریں

گے کہ جو متقی ہوگا اس کی طاعت کے ذریعہ اور جب وحی چند دن متاخر ہوگئی اور آنحضرت ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ کیا چیز مانع ہے اس بات سے کہ اس سے زیادہ ہماری ملاقات کرو جتنی تم کرتے ہو (فرمایا) ہم تیرے رب کے حکم کے بغیر نہیں اتر سکتے ہمارے آگے امور آخرت اور پیچھے امور دنیا اور اس کے درمیان یعنی وہ امور جو اس وقت سے قیامت تک ہوں گے اسی کی ملک ہیں یعنی ان تمام امور کا اسی کو علم ہے اور تیرا پروردگار بھولنے والا نہیں ہے نسیا بمعنی ناسیا یعنی تاخیر وحی کی وجہ سے آپ کو چھوڑنے والا نہیں ہے وہ رب مالک ہے آسمانوں اور زمینوں کا اور جو ان کے درمیان میں ہے لہٰذا آپ اسی کی بندگی کریں اور اسی کی عبادت پر جمے رہیں کیا آپ کے علم میں اس کا کوئی ہم نام ہے۔ (ہمسر)۔

البلاغة

❶ الطباق (له ما بين ايدينا وما خلفنا وبين بكرة....وعشيا.

❷ السجع الحسن الرصيص (عليا، حفيا ونبيا).

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: لکن الا کی تفسیر لکن سے کرکے اشارہ کردیا کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے اس لئے کہ مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہیں ہے اس لئے کہ مستثنیٰ منہ کافرین ہیں اور مستثنیٰ مومنین ہیں کان وعده ای موعوده اور وہ موعود جنت ہے ای یاتیه ويدخله منه وعدله بها لامحالة اس صورت میں مأتیا اتیان سے اسم مفعول ہوگا یا ماتیا بمعنی اسم فاعل ہے ای آتیا البتہ وعد اسم مصدر بھی ہے بمعنی وعدہ اور مصدر بھی ہے یعنی وعدہ کرنا مفسر علام نے او موعوده کا اضافہ کرکے دوسری تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے موعوده سے ما وعد به یعنی جنت مراد ہوگی اس صورت میں ماتیا اپنی حالت پر رہے گا اور وعد اپنے مصدری معنی میں ہو تو ماتیا بمعنی آتیا ہوگا، پہلی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا جنت کے مستحقین جن سے رحمٰن نے وعدہ کیا ہے وہ جنت میں البتہ داخل ہوں گے اور دوسری صورت میں یہ ترجمہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور آکر رہے گا۔

تفسیر وتشریح

سابق میں ان لوگوں کا ذکر تھا جن کا خاتمہ کفر پر ہوا، اب الامن تاب سے ان خوش نصیب حضرات کا ذکر ہے کہ جنہوں نے کفر وشرک سے توبہ کی اور اعمال صالحہ کئے، ایسے لوگ وعدۂ خداوندی کی وجہ سے جنت عدن میں داخل ہوں گے جو کہ اعلیٰ قسم کی جنت ہے، اس میں بیہودہ اور باطل کلام نہ سنیں گے اور نہ ان کے کانوں میں کوئی ایسا کلمہ پڑے گا جو ان کی اذیت کا باعث ہو، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اہل جنت سے بیہودہ کلام کا صدور نہ ہوگا بلکہ وہاں ایسا کلام سنیں گے جو بھلائی اور خوشی میں اضافہ

کرے گا، اصطلاحی سلام بھی اس میں داخل ہے کہ آپس میں اہل جنت اور اللہ کے فرشتے ان کو سلام کریں گے۔

ولهم رزقهم فيها بكرة وعشيا جنت میں یہ نظام شمسی اور طلوع وغروب یا لیل ونہار تو نہ ہوگا البتہ ایک قسم کی روشنی ہمہ وقت رہے گی مگر رات ودن اور صبح وشام کا پتہ کسی خاص انداز سے ہوگا مثلاً پردوں کے بند ہونے سے رات کا اندازہ ہوگا اور پردوں کے کھلنے سے دن کا اندازہ ہوگا اب رہا رزق کا صبح وشام ملنا تو یہ دنیوی زندگی کے عرف اور عادت کے طور پر ہوگا، ورنہ تو یہ بات ظاہر ہے کہ اہل جنت کو جس وقت جس چیز کی خواہش ہوگی وہ چیز اسی وقت بلا تاخیر مہیا ہو جائے گی، باری تعالیٰ کا فرمان ہے (**ولهم ما يشتهون**) بعض مفسرین نے کہا ہے کہ صبح وشام سے مراد عموم ہے جیسے رات دن بول کر ہمہ وقت مراد ہوتا ہے اور مشرق ومغرب بول کر پوری دنیا مراد ہوتی ہے۔

وما نتنزل الا بامر ربك:

شانِ نزول:

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ آرزو ظاہر فرمائی کہ آپ ذرا زیادہ آیا کریں اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی ہم تیرے رب کے حکم کے بغیر نہیں اتر سکتے ہمارے آگے پیچھے اور ان کے درمیان کی کل چیزیں اسی کی ملک ہیں اور تیرا رب تجھ کو وحی میں تاخیر کر کے چھوڑنے والا نہیں ہے، سب کا رب وہی ہے تو اسی کی بندگی کر اور اس پر جما رہ اور عبادت کے سلسلہ میں اگر کوئی تکلیف پڑے تو اس کو صبر وسکون کے ساتھ برداشت کر، کیا تیرے علم میں اس کا ہم صفت اور ہم پلہ کوئی ہے؟ اگر نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو پھر عبادت کے لائق بھی اس کے سوا کوئی نہیں ہے۔

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ المُنْكِرُ لِلبَعثِ أبى بنُ خَلَفٍ اَوِ الوَلِيْدُ بنُ المُغِيْرَةِ النَّازِل فيه الآيَةُ **ءَاِذَا** بِتَحْقِيقِ الهَمْزَةِ الثَّانِيَةِ وتَسهِيلِهَا وإدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهما بوَجهَيْهَا وبَيْنَ الاخرىٰ **مَامِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا**⁽⁶⁶⁾ من القَبْرِ كَمَا يقول مُحَمَّدٌ فالاستِفْهَامُ بِمَعْنَى النَّفيِ اى لا أُحْيٰى بَعْدَ المَوْتِ ومَا زَائِدَةٌ للتَّاكِيدِ وكذا اللَّامُ ورُدَّ عليه بقوله تعالىٰ **اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ** اَصْلُهُ يَتَذَكَّرُ أُبْدِلَتِ التَّاءُ ذَالًا وأُدْغِمَتْ فى الذَّالِ وفى قِراءةٍ بتَرْكِهَا وسُكُونِ الذَّالِ وضَمِّ الكاف **اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا**⁽⁶⁷⁾ فيُستَدَلُّ بالاِبْتِدَاءِ على الاِعَادَةِ **فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ** اى المُنْكِرِيْنَ لِلبَعثِ **وَالشَّيٰطِيْنَ** اى نَجْمَعُ كُلًّا مِنهم وشَيطانَهُ فى سِلْسِلَةٍ **ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ** من خَارِجِهَا **جِثِيًّا**⁽⁶⁸⁾ على الرُّكَبِ جَمْعُ جَاثٍ وأَصْلُهُ جُثُوْوٌ او جُثُوىٌ من جَثٰى يَجْثُوا وَيَجْثِى لُغَتَانِ **ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ** فِرقَةٍ منهم **اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا**⁽⁶⁹⁾ جُرْءَةً **ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا** اَحَقُّ بِجَهَنَّمَ الاَشَدُّ وغيرُه منهم **صِلِيًّا**⁽⁷⁰⁾ دُخُوْلًا واحتِرَاقًا فنبدءُ بِهِم وأَصلُه صُلُوْىٌ من صَلِى بكسر اللام

وفتحها وَإِنْ اى مَا مِّنكُمْ اَحدٌ اِلَّا وَارِدُهَا اى دَاخِلُ جَهَنَّمَ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿۷۱﴾ حَتَمَهُ وَقَضٰى بِهٖ لايَترُكُهُ ثُمَّ نُنَجِّي مُشَدَّدًا ومُخَفَّفًا الَّذِينَ اتَّقَوا الشِّرْكَ والكُفرَ منها وَّنَذَرُ الظّٰلِمِينَ بالشِّرْكِ وَالكُفرِ فِيهَا جِثِيًّا ﴿۷۲﴾ عَلَى الرُّكَبِ وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اى المُؤْمِنِينَ والكٰفِرِينَ اٰيٰتُنَا من القُرآن بَيِّنٰتٍ واضِحَاتٍ حَالٌ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ اٰمَنُوا اَيُّ الفَرِيقَيْنِ نحنُ او اَنتُم خَيْرٌ مَّقَامًا مَنزِلًا ومَسْكَنًا بالفَتحِ مِنْ قَامَ وبالضم من اَقَامَ وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿۷۳﴾ بمعنى النَّادِيْ وهو مُجتَمَعُ القَوْمِ يَتَحَدَّثُوْنَ فيه يَعْنُوْنَ نحن فَنَكُوْنُ خَيْرًا منكم قال تعالىٰ وَكَمْ اى كَثِيْرًا اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ اى اُمَّةٍ مِنَ الاُمَمِ المَاضِيَةِ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا مَالًا ومَتَاعًا وَّرِءْيًا ﴿۷۴﴾ منظَرًا مِنَ الرُّؤيَةِ فَلَمَّا اَهْلَكْنَاهم لِكُفرِهِم نُهلِكُ هؤلاءِ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ شَرْطٌ جوابُهٗ فَلْيَمْدُدْ بمعنى الخَبَرِ اى يَمُدُّ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا فِى الدُّنيا يَستَدرِجُهٗ حَتّٰى إِذَا رَاَوْا مَا يُوعَدُوْنَ إِمَّا العَذَابَ كَالقَتلِ والاَسرِ وَإِمَّا السَّاعَةَ المُشتَمِلَة عَلٰى جَهَنَّمَ فيَدْخُلُوْنَهَا فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾ اَعْوانًا اَهُمْ اَمِ المُؤْمِنُوْنَ وجُنْدُهم الشيَاطِيْنُ وجُنْدُ المُؤْمِنِيْنَ عليهِمُ المَلَائِكَةُ.

ترجمہ: اور انسان کہتا ہے جو بعث بعد الموت کا منکر ہے یعنی ابی بن خلف یا ولید بن مغیرہ جس کے بارے میں آیت نازل ہوئی ہے کہ کیا جب ثانی ہمزہ کی تحقیق اور اس کی تسہیل کے ساتھ اور ثانی (ہمزہ) اور پہلے ہمزہ کے درمیان الف داخل کر کے دونوں صورتوں میں (یعنی تسہیل اور تحقیق کی صورت میں) میں مرجاؤں گا تو پھر زندہ کر کے قبر سے نکالا جاؤں گا جیسا کہ محمد ﷺ کہتے ہیں استفہام نفی کے معنی میں ہے (یعنی ءَ ءِ ذَا میں استفہام انکاری ہے) یعنی میں مرنے کے بعد زندہ نہ کیا جاؤں گا ما اور لام تاکید کے لئے زائدہ ہیں (اس انسان کافر کے قول کا جواب) اللہ تعالیٰ کے قول او لا یذکر (الآیۃ) سے دیا گیا ہے کیا یہ انسان اتنا بھی یاد نہیں رکھتا یذکر اصل میں یتذکر تھا تاء کو ذال سے بدل دیا گیا اور ذال کو ذال میں ادغام کر دیا گیا اور ایک قراءت ترک تا اور سکون ذال اور کاف کے ضمہ کے ساتھ بھی ہے کہ ہم نے اس کو اس سے پہلے پیدا کیا حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں تھا کہ ابتداء سے اعادہ پر استدلال کرے تیرے پروردگار کی قسم کہ ہم ان کو یعنی منکرین بعث کو اور شیاطین کو البتہ ضرور جمع کریں گے یعنی ان میں سے ہر ایک کو اور اس کے شیطان کو ایک زنجیر میں جمع کریں گے پھر ان کو جہنم کے گرد باہر سے گھٹنوں کے بل گرے ہوئے حاضر کریں گے پھر کافروں کے ہر گروہ میں سے ان لوگوں کو جدا کریں گے جو رحمٰن کے مقابلہ میں سب سے زیادہ سخت ہیں سرکشی یعنی جرأت کے اعتبار سے پھر ہم ایسے لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو جہنم کے مستحق ہیں دخول کے اعتبار سے اور جلنے کے اعتبار سے یعنی جہنم کے زیادہ حقدار ہیں، سرکشی میں اشد اور غیر اشد سب کو خوب جانتے ہیں، لہٰذا ہم انہی (اشد) لوگوں سے ابتداء کریں گے اور صلیا اصل میں صلوی تھا یہ صلی بکسر اللام یا صلی بفتح اللام سے ماخوذ ہے اور تم میں کا کوئی ایسا نہیں کہ جس کا اس پر ورود نہ ہو یعنی داخل جہنم نہ ہو یہ تیرے پروردگار کے ذمہ قطعی فیصل شدہ امر ہے

جس کو اس نے لازم کرلیا ہے اور اس کا فیصلہ کرلیا ہے اس کو ترک نہ کرے گا ننجی جیم کی تشدید اور تخفیف دونوں کے ساتھ ہے پھر ہم شرک وکفر سے بچنے والوں کو بچالیں گے اور نافرمانوں کو یعنی شرک وکفر کرنے والوں کو جہنم میں گھٹنوں کے بل پڑا چھوڑ دیں گے اور جب ان کو یعنی مومنین وکافرین کو ہماری قرآنی روشن آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کافر مومنوں سے کہتے ہیں دونوں فریقوں میں سے کونسا فریق مرتبہ یعنی منزل ومسکن کے اعتبار سے بہتر ہے ہمارا یا تمہارا اگر مقاما فتح میم کے ساتھ ہو قام سے مشتق ہوگا اور اگر ضمہ میم کے ساتھ ہو تو اقام سے مشتق ہوگا اور کس کی مجلس شاندار ہے ندی نادی کے معنی میں ہے نادی چوپال (دارالمشورہ) کو کہتے ہیں جہاں لوگ جمع ہوکر باتیں کرتے ہیں (احسن ندیا) سے خود کو مراد لیتے ہیں لہٰذا ہم تم سے بہتر ہیں (اللہ تعالیٰ) اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں اور ہم تو ان سے پہلے گذشتہ قوموں میں سے بہت سی قوموں کو ہلاک کرچکے ہیں جو ساز وسامان اور نام ونمود (شان وشوکت) کے اعتبار سے (ان سے) بہتر تھیں، جب ہم نے ان کو ان کے کفر کی وجہ سے ہلاک کردیا تو ان کو بھی ہلاک کردیں گے آپ کہہ دیجئے کہ جو لوگ گمراہی میں پڑے ہیں (من کان) شرط ہے اور اس کا جواب فلیمدد (صیغہ امر ہے) جو معنی میں خبر کے ہے یعنی یمدله کے معنی میں ہے یعنی رحمٰن اس کی رسی کو ڈھیلی کردیتا ہے یعنی دنیا میں اس کو خوب ڈھیل دیتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ اس چیز کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے یا تو عذاب، جیسا کہ قتل وقید، یا قیامت جو جہنم پر مشتمل ہوگی تو اس میں داخل ہوں گے، تو ان کو عنقریب معلوم ہوجائے گا کہ کس کا ٹھکانہ برا ہے، اور کس کے مددگار کمزور ہیں، وہ یا مومنین، اور ان کا لشکر شیطان ہے، اور ان کے مقابلہ میں مومنین کا لشکر، فرشتے ہیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: ویقول الانسان کی تفسیر المنکر للبعث سے کرکے اشارہ کردیا کہ انسان سے مخصوص شخص مراد ہے اور وہ ابی بن خلف یا ولید بن مغیرہ ہے۔

قولہ: ءَ إِذَا مامت مازائدہ ہے مت واحد متکلم ماضی معروف ہے مصدر موت ہے حرف شرط کی وجہ سے مستقبل کے معنی میں ہے۔

قولہ: لسوف میں لام زائدہ ہے الانسان میں الف لام عہد کا ہے، جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ کردیا ہے۔

قولہ: ءَ إِذَا، اخرج کا ظرف مقدم ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

سوال: لام تاکید کا مابعد ماقبل میں عمل نہیں کرتا تو یہاں اخرج کسی طرح عمل کرے گا۔

جواب: یہ قاعدہ لام ابتداء کے لئے ہے اور یہ لام زائدہ ہے۔

سوال: جو لام مضارع پر داخل ہوتا ہے وہ مضارع کو حال کے معنی میں کردیتا ہے اور سوف مضارع کو استقبال کے معنی کے ساتھ خاص کردیتا ہے، دونوں کے مقتضی میں تعارض ہے۔

جواب: یہ لام محض تاکید کے لئے ہے تخصیص مضارع للحال کے معنی سے مجرد ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔ (روح البیان)

بعض مفسرین حضرات نے کہا ہے کہ ءَ اِذَا میں ابعث فعل محذوف عامل ہے جس پر اخرج دلالت کر رہا ہے اس لئے اخرج کا ظرف بنانا درست نہیں۔

قولہ: لم یك اصل میں لم یکن تھا نون کو کثرت استعمال کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔

قولہ: شیعة فرقہ، جماعت، حمایتی، طرفدار (ج) شیع اس میں واحد تثنیہ جمع سب برابر ہے۔

قولہ: جثیا یہ جاث کی جمع ہے خوف کی وجہ سے گھٹنوں کے بل گرنے والا اور ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا کہ جثیا جثوة کی جمع ہے، مفسر علام نے واردھا کی تفسیر داخل جھنم سے کر کے اشارہ کر دیا کہ وارد مختلف معنی میں استعمال ہوتا ہے بعض اس کے معنی حضور اور بعض نے عبور اور بعض نے دخول اور بعض نے مرور مراد لئے ہیں مفسر علام نے دخول کے معنی کو ترجیح دی ہے، لہٰذا یہ تفسیر تعیین معنی کیلئے ہے۔

قولہ: ایھم اسم موصول، اس کا صدر صلہ محذوف ہے ای ھو اشد ایھم اسم موصول بمعنی الذی یہ اضافت کی وجہ سے مبنی بر ضم ہے اس کا صدر صلہ محذوف ہے ای ھو اشد. ھو مبتداء اشد اس کی خبر مبتداء خبر سے ملکر صلہ موصول کا، موصول صلہ سے ملکر مفعول ننزعن کا عتیا تمیز منقول ہے مبتداء محذوف سے ای عتوہ اشد.

قولہ: عتیا اکڑنا، سرکشی کرنا عتا یعتوا کا مصدر ہے یہ دراصل عتو تھا ضمہ کو کسرہ سے بدلا تو واؤ یا ہو گیا عتیا ہوا پھر عین کے ضمہ کو بھی کسرہ سے بدلا تا کہ تبدیلی کی مزید تاکید ہو جائے اس طرح عتیا ہو گیا۔ (لغات القرآن)

اور بعض حضرات نے عتیا کو عات کی جمع بنایا ہے یعنی سرکشی کرنے والے۔

قولہ: صلیا یہ صلی یصلی کا مصدر سماعی ہے، داخل ہونا۔

قولہ: وارد پہنچنے والا، مراد پلصراط سے گذرنا ہے شارح مسلم علامہ نووی نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

قولہ: نذر ای نترك.

تفسیر و تشریح

ویقول الانسان یہ منکر آخرت انسان استبعاد و انکار کے طور پر یوں کہتا ہے کہ جب میں مر جاؤں گا اور مٹی ہو جاؤں گا تو مجھے دوبارہ کس طرح زندہ کر کے قبر سے نکالا جائے گا؟ اگرچہ انسان سے مراد جنس انسان ہے ہر منکر بعث کا یہی قول ہے مگر اس آیت کے شان نزول کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ایک روز ابی بن خلف ایک بوسیدہ ہڈی لیکر آیا اور آنحضرت ﷺ کے سامنے اس ہڈی کو رگڑ کر ہوا میں اڑاتے ہوئے کہا کہ اے محمد یہ کیسے ممکن ہے کہ اس بوسیدہ ہڈی کو دوبارہ زندہ کر دیا جائے۔ (روح البیان) لہٰذا میں اس کو تسلیم نہیں کرتا کہ میرے مرنے کے بعد مجھے زندہ کر کے دوبارہ قبر سے نکالا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس شخص کو اتنی بھی سمجھ نہیں کہ جب پہلی مرتبہ بغیر نمونہ کے جب کہ کہیں اس کا نام و نشان نہیں تھا تو ہم نے انسان کو پیدا کر دیا تو دوبارہ پیدا کرنا ہمارے لئے کیونکر مشکل ہوگا؟ بھلا اس سے

پوچھوتو کہ پہلی مرتبہ پیدا کرنا مشکل ہوتا ہے یا دوسری مرتبہ، انسان کتنا نادان اور خود فراموش ہے؟ اسی خود فراموشی نے اس کو خدا فراموش بنا دیا ہے۔

فوربك قسم ہے اے محمد ﷺ تیرے پروردگار کی کہ ہم دوبارہ صرف انہی کو نہیں بلکہ ان شیاطین کو بھی زندہ کریں گے جنہوں نے ان کو گمراہ کیا تھا یا جن کی وہ عبادت کرتے ہیں پھر ہم ان کو اس حال میں جہنم کے گرد جمع کر دیں گے کہ یہ لوگ محشر کی ہولنا کی اور حساب کے خوف سے گھٹنوں کے بل پڑے ہوں گے۔

ابتداء حشر کے وقت مومنین اور کفار، سعداء اور اشقیاء سب جہنم کے گرد جمع کیے جائیں گے اور سب پر ہیبت طاری ہوگی سب گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے پھر مومنین اور سعداء کو جہنم سے عبور کرا کر جنت میں داخل کیا جائے گا تا کہ جہنم کے اس منظر کو دیکھنے کے بعد ان کو مکمل اور دائمی خوشی حاصل ہو، پھر ہم ہر گمراہ فرقہ کے بڑے بڑے سرکشوں اور لیڈروں کو الگ کر لیں گے اور ان کو جمع کر کے جہنم میں پھینک دیں گے کیونکہ یہ قائدین دوسرے جہنمیوں کے مقابلہ میں سزا کے زیادہ سزاوار ہیں۔

وان منکم الا واردھا یعنی کوئی انسان مومن ہو یا کافر ایسا نہ رہے گا جس کا گذر جہنم پر نہ ہو، ورود سے مراد مرور اور عبور ہے جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں لفظ مرور آیا ہے اور اگر دخول مراد لیا جائے تو مومنین متقین کا دخول اس طرح ہوگا کہ جہنم ان کے لئے بردوسلام بن جائے گی جیسا کہ (ابوسمیہ) کی روایت میں بھی یہ مضمون وارد ہوا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ورود سے مرور مراد لینے کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جہنم کے اوپر ایک پل بنایا جائے گا جس پر سے ہر مومن و کافر کو گذرنا ہوگا مومن تو اپنے اعمال کے مطابق جلد یا بدیر گذر جائیں گے کچھ تو پلک جھپکنے میں اور کچھ بجلی اور ہوا کی طرح کچھ پرندوں کی طرح اور کچھ عمدہ گھوڑوں اور دیگر سواریوں کی طرح گذر جائیں گے کچھ بالکل صحیح سالم اور کچھ زخمی تاہم کسی نہ کسی طرح پل کو عبور کر لیں گے کچھ جہنم میں گر پڑیں گے بعد میں شفاعت کے ذریعہ نکال لیا جائے گا، لیکن کافر اس پل کو عبور کرنے میں کامیاب نہ ہوں گے اور سب جہنم رسید ہو جائیں گے، اس حدیث کے مضمون کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ جس میں فرمایا ہے کہ جس کے تین بچے بلوغت سے پہلے وفات پا گئے اسے آگ نہیں چھوئے گی مگر صرف قسم حلال کرنے کے لئے۔ (بخاری کتاب الجنائز و مسلم کتاب البر) یہ قسم وہی ہے کہ جس کو اس آیت میں **حتما مقضیا** (قطعی فیصل شدہ امر کہا گیا ہے) یعنی ان کا ورود صرف گذرنے کی حد تک ہوگا۔

واذا تتلی علیھم آیتنا جب ان منکروں اور کافروں کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں جن میں مومنین کا حق پر ہونا مدلل اور معقول طریقہ سے ثابت کر دیا جاتا ہے اور کافر کھسیانے اور لاجواب ہو جاتے ہیں تو (کھسیانی بلی کھمبا نوچے) کے مطابق اپنی کھسیاہٹ مٹانے کے لئے بے جوڑ اور بے تکی باتیں شروع کر دیتے ہیں یعنی قرآنی دعوت کا مقابلہ یہ کفار مکہ فقراء مسلمین اور اغنیاء قریش اور ان کی مجلسوں اور مکانوں کے باہمی موازنے سے کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں عمار، بلال، صہیب جیسے لوگ ہیں ان کا دارالمشورہ دار ارقم ہے جب کہ کافروں میں ابوجہل، نضر بن حارث، عتبہ، شیبہ جیسے رئیس اور ان کی عالی شان کوٹھیاں اور مکانات ہیں اور ان کا دارالمشورہ (دارالندوہ) بہت عمدہ ہے، یعنی مال و دولت اور شان و شوکت میں ہم تم سے بڑھے ہوئے ہیں،

اس سے ثابت ہوا کہ ہم محبوب اور مقبول ہیں اور تم مغضوب ومخذول ہو، آگے اللہ تعالیٰ ان کی اس دلیل کے دو جواب دیتے ہیں ایک الزامی اور دوسرا تحقیقی۔

الزامی جواب کو اللہ تعالیٰ نے **وکم اھلکنا** سے بیان فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کی یہ چیزیں ایسی نہیں کہ ان پر فخر وناز کیا جائے یا ان کو دیکھ کر حق وباطل کا فیصلہ کیا جائے یہ چیزیں تو تم سے پہلی امتوں کے پاس بھی تھیں، لیکن تکذیب حق کی پاداش میں انہیں ہلاک کر دیا گیا دنیا کا یہ مال واسباب انہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکا۔

دوسرے تحقیقی جواب کو اللہ تعالیٰ اپنے قول **قل من کان فی الضللۃ** سے ارشاد فرماتے ہیں، اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ چیزیں گمراہوں کو مہلت اور ڈھیل کے طور پر ملتی ہیں اس لئے یہ کوئی حق وباطل کا معیار نہیں، اصل اچھے برے کا پتہ تو اس وقت چلے گا کہ جب مہلت عمل ختم ہو جائے گی، اور اللہ کا عذاب انہیں آگھیرے گا اور یا قیامت برپا ہو جائے گی، لیکن اس وقت کا علم کچھ فائدہ نہ دے گا، اس لئے کہ وہاں ازالے اور تدارک کی کوئی صورت نہیں رہے گی، وہاں جہنم میں اپنا ٹھکانہ دیکھ کر یہ کافر خود ہی فیصلہ کریں گے کہ برا مکان کس کا ہے؟ اور جتھا کس کا کمزور ہے؟

وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا بالایمان **هُدًىۗ** بما يُنزل عليهم من الآياتِ **وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ** هي الطّاعاتُ تَبقى لصاحِبها **خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا** ﴿٧٦﴾ اى ما يُرَدُّ اليه ويَرجِعُ بخلافِ أعمالِ الكُفّارِ والخَيريّةُ هُنا فى مُقابلةِ قولِهم أىُّ الفريقَينِ خيرٌ مَّقامًا **اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا** العاصَ بن وائلٍ **وَقَالَ** لِخبّابِ بنِ الارتِّ القائلِ له تُبعثُ بَعدَ الموتِ والمُطالِبِ لَهُ بمالٍ **لَاُوْتَيَنَّ** على تقديرِ البعثِ **مَالًا وَّوَلَدًا** ﴿٧٧﴾ فاقضِيكَ، قال تعالى **اَطَّلَعَ الْغَيْبَ** اى أعلِمَهُ وانْ يُؤتى ماقاله واستُغنِيَ بهمزةِ الاستفهامِ عن همزةِ الوَصلِ فحُذِفَتْ **اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا** ﴿٧٨﴾ بانْ يُؤتى ماقاله **كَلَّاؕ** اى لايُؤتى ذلك **سَنَكْتُبُ** نأمر بكتبِ **مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا** ﴿٧٩﴾ نزيدُهُ بذلك عذابًا فوقَ عذابِ كُفرِهِ **وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ** مِنَ المالِ والولدِ **وَيَاْتِيْنَا** يومَ القيمةِ **فَرْدًا** ﴿٨٠﴾ لامالَ له ولا وَلدَ **وَاتَّخَذُوْا** اى كُفّارُ مكّةَ **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** الاوثانَ **اٰلِهَةً** يعبُدُونَهم **لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا** ﴿٨١﴾ شُفعاءَ عند اللهِ بانْ لا يُعذَّبُوا **كَلَّاؕ** اى لامانِعَ مِن عذابِهم **سَيَكْفُرُوْنَ** اى الآلِهَةُ **بِعِبَادَتِهِمْ** اى يَنفُونَها كما فى آيةٍ أُخرىٰ مَا كانُوا إيّانا يَعبُدُونَ **وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا** ﴿٨٢﴾ أعوانًا وأعداءً.

ترجمہ: اور ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت میں اللہ تعالیٰ اضافہ فرماتا ہے ان آیات کے ذریعہ جن کو ان پر نازل کرتا ہے اور باقی رہنے والی نیکیاں تو وہ طاعات ہیں جو طاعت گذار کے لئے باقی رہتی ہیں تیرے رب کے نزدیک ثواب کے لحاظ سے اور انجام کے لحاظ سے بہت ہی بہتر ہیں یعنی وہ ثواب اور اجر جو اس کو حاصل ہوگا وہ بہتر ہوگا بخلاف اعمال کفار کے اور یہاں (اسم تفضیل) خیر کا استعمال ان کے قول **ای الفریقین خیر مقاما** کے مقابلہ میں ہوا ہے کیا

آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا؟ جس نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا اور وہ عاص بن وائل ہے جس سے (حضرت) خباب بن ارت نے کہا تھا کہ تو مرنے کے بعد (زندہ کرکے) اٹھایا جائے گا اور خباب بن ارت کا عاص بن وائل کے ذمہ (کچھ) مالی مطالبہ تھا تو عاص بن وائل نے (تقاضہ) کے جواب میں کہا کہ بعث بعدالموت کی صورت میں مجھے تو مال اور اولاد ضرور دی جائے گی تو اس وقت میں تیرا مطالبہ ادا کردوں گا، اللہ تعالیٰ نے (جواباً) فرمایا کیا یہ (شخص) غیب پر مطلع ہو گیا ہے؟ یا اس کو یہ بتا دیا ہے کہ جو اس نے کہا ہے اس کو دیا جائے گا اور ہمزہ استفہام کی وجہ سے ہمزہ وصل کی ضرورت نہیں رہی لہٰذا حذف کر دیا گیا، یا اس نے اللہ سے کوئی عہد لے لیا ہے یہ کہ جو اس نے کہا ہے وہ اس کو دیا جائے گا ایسا ہرگز نہیں ہے یعنی یہ اس کو نہیں دیا جائے گا یہ جو بھی کہہ رہا ہے ہم اس کو ضرور لکھ لیں گے یعنی (ملائکہ) کو اس کے لکھنے کا حکم کریں گے اور اس کے لئے عذاب بڑھائے چلے جائیں گے یعنی ہم اس کے کفر کے عذاب پر اس کی (ان) باتوں کے عذاب کا اضافہ کر دیں گے اور جن چیزوں یعنی مال اور اولاد کے بارے میں جو کہہ رہا ہے انہیں ہم اس کے (مرنے کے) بعد لے لیں گے اور قیامت کے دن ہمارے پاس تنہا آئے گا نہ اس کے پاس مال ہوگا اور نہ اولاد اور ان کفار مکہ نے اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو معبود بنا لیا ہے جن کی یہ بندگی کرتے ہیں تاکہ وہ ان کے لئے باعث عزت ہوں یعنی وہ (بت) اللہ کے پاس سفارش کریں کہ ان کو عذاب نہ دیا جائے لیکن ہرگز ایسا نہ ہوگا یعنی ان کو عذاب دینے سے کوئی چیز مانع نہیں ہوگی وہ معبودان (باطلہ) تو ان کی پوجا کے بھی منکر ہو جائیں گے یعنی اُن کی پوجا کا انکار کر دیں گے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا ما کانوا ایانا یعبدون یہ لوگ ہماری پوجا کرتے ہی نہیں تھے اور (الٹے) ان کے مخالف اور دشمن ہو جائیں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: ویزید کا عطف فلیمدد پر ہے معنی کے اعتبار سے ای یمد ویزید اللہ الذین الخ جملہ مستانفہ بھی ہو سکتا ہے افرأیت میں استفہام تعجبی ہے۔

قولہ: العاص بن وائل عاص بن وائل فاتح مصر حضرت عمرو کے والد ہیں اور عمرو عبداللہ کے والد ہیں جو کہ مشہور عبادلہٗ اربعہ میں سے ایک ہیں ترتیب اس طرح ہے، عبداللہ بن عمرو بن عاص بن وائل۔ خباب بن ارت بدری ہیں اور فقراء صحابہ میں سے ہیں اوتین ایتاء سے مضارع واحد متکلم مجہول بانون تاکید ثقیلہ ہے، مجھے ضرور ملے گا لام قسمیہ ہے ای واللہ لاوتین اطلع الغیب اصل میں أاطلع تھا ان میں اول ہمزہ استفہام اور دوسرا ہمزہ وصل ہے ہمزہ وصل کو تخفیفاً حذف کر دیا گیا۔

قولہ: کلا نحویین کے اس میں چھ اقوال ہیں مگر راجح تر یہ ہے کہ یہ صرف زجر و ردع ہے قرآن میں اس کلمہ کا استعمال تینتیس مقام پر ہوا ہے اور یہ سب کے سب نصف ثانی میں ہیں سنکتب میں سین تاکید کے لئے ہے۔

قولہ: ونرثہ مایقول ای نسلبہ وناخذہ منہ یعنی جس مال و اولاد پر فخر کر رہا ہے اس کو ہم سلب کر لیں گے اور دنیا سے

وہ خالی ہاتھ جائے گا واتخذوا الاوثان اتخذوا کامفعول اول ہے اور الهة مفعول ثانی ہے ضدا بمعنی اضدادا ہے یا مصدر بمعنی جمع ہے۔

تفسیر وتشریح

ویزید الظالمین اس میں ایک دوسرے اصول کا ذکر ہے کہ جس طرح جن کے دلوں میں کفر وشرک اور ضلالت کا روگ ہے اور قرآن کے ذریعہ ان کی شقاوت اور ضلالت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے اسی طرح اہل ایمان کے دل ایمان اور ہدایت میں اور پختہ ہو جاتے ہیں۔

والبقیت الصلحت اس میں فقراء مسلمین کو تسلی ہے کہ کفار اور مشرکین جن مال و اسباب پر فخر کرتے ہیں وہ سب فنا کے گھاٹ اتر جائیں گے اور تم جو نیک اعمال کرتے ہو یہ ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں جن کا اجر و ثواب تمہیں اپنے رب کے یہاں ملے گا اور ان کا بہترین صلہ اور نفع تمہاری طرف لوٹے گا۔

والبٰقیٰت الصّٰلحٰت کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں جن کی تفصیل سورۂ کہف میں گذر چکی ہے مگر مختار مذہب یہی ہے کہ ان سے مراد تمام طاعات اور نیک کام ہیں۔

شان نزول:

افرأیت الذی کفر بآیتنا ان آیات کے شان نزول میں بتایا گیا ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا والد عاص بن وائل جو اسلام کے شدید دشمنوں میں سے تھا اس کے ذمہ حضرت خباب بن الارت کا قرضہ تھا جو آہنگری کا کام کرتے تھے حضرت خباب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ایک روز عاص بن وائل سے اپنی رقم کا مطالبہ کیا تو اس نے کہا کہ جب تک تو محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) کے ساتھ کفر نہ کرے گا میں تجھے تیری رقم نہیں دوں گا، حضرت خباب بن الارت نے جواب دیا کہ یہ کام تو اگر تو مر کر دوبارہ زندہ بھی ہو جائے تب بھی نہ کروں گا، اس نے جواب دیا اچھا پھر ایسے ہی سہی، جب مجھے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جائے گا اور وہاں بھی مجھے مال اور اولاد سے نوازا جائے گا تو وہاں میں یہ رقم ادا کر دوں گا۔ (صحیح بخاری کتاب البیوع باب ذکر القین والحداد)

اطلع الغیب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جو دعویٰ کر رہا ہے کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے کہ وہاں بھی اس کے پاس مال اور اولاد ہوگی؟ یا اللہ سے اس کا کوئی عہد ہے؟ ایسا ہرگز نہیں ہے یہ صرف تعلّی اور آیات الٰہی کا استہزاء اور تمسخر ہے یہ جس مال اور اولاد کی بات کر رہا ہے اس کے وارث تو ہم ہیں یعنی مرنے کے ساتھ ہی ان سے اس کا تعلق ختم ہو جائے گا اور ہماری بارگاہ میں یہ اکیلا آئے گا نہ مال ساتھ ہوگا اور نہ اولاد نہ کوئی جتھہ، البتہ عذاب ہوگا جو اس کے لئے اور ان جیسوں کے لئے ہم بڑھاتے رہتے ہیں۔

عــــزًّا کا مطلب یہ ہے کہ یہ معبودان کے لئے عزت کا باعث اور مددگار ہوں گے اور ''ضدا'' کے معنی ہیں دشمن، جھٹلانے

والے اوران کے خلاف دوسروں کی مدد کرنے والے، یعنی یہ معبود ان کے گمان کے برعکس ان کے حمایتی ہونے کی بجائے ان کے دشمن ان کو جھٹلانے والے اوران کے خلاف دوسرں کے مددگار یعنی ان کے گمان کے برعکس ان کے مددگار ہونے کے بجائے الٹے ان کے دشمن اوران کے مخالف ہوں گے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ سَلَّطْنَاهم عَلَی الْکٰفِرِیْنَ تَؤُزُّهُمْ تهیجهم الی المعاصی اَزًّا ﴿۸۳﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَیْهِمْ بطلب العذاب اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ الایام والليالی اوالانفاس عَدًّا ﴿۸۴﴾ الی وقت عذابهم اذكر يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ بايمانهم اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾ جمع وَافِدٍ بمعنی رَاكِبٍ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ بكفرهم اِلٰی جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾ جمع وَارِدٍ بمعنی مَاشٍ عَطْشَانَ لَا یَمْلِكُوْنَ ای الناس الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾ ای شَهَادَةَ اَنْ لا اله الا اللّٰه ولا حول ولا قوةَ الا باللّٰهِ وَقَالُوا ای الیهود والنصارىٰ ومن زعم اَنَّ الملائكة بنات اللّٰه اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ قال تعالیٰ لهم لَقَدْ جِئْتُمْ شَیْئًا اِدًّا ﴿۸۹﴾ ای منكرا عظیما تَكَادُ بالتاء والیاء السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ بالنون وفی قراءة بالتاء وتشدید الطاء بالانشقاق مِنْهُ من عظم هذا القول وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ ای تنطبق علیهم من اجل اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ قال تعالیٰ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾ ای ما یلیق به ذلك اِنْ ای ما كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾ ذلیلا خاضعا یوم القیٰمة منهم عُزَیْرٌ وعیسٰی لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾ فلا یخفٰی علیه مَبْلَغُ جمیعهم ولا واحد منهم وَكُلُّهُمْ اٰتِیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾ بلا مالٍ ولا نصیرٍ یمنعه اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ فیما بینهم یتوادُّون ویتحابُّون ویحبهم اللّٰه تعالیٰ فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ ای القرآن بِلِسَانِكَ العربی لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِیْنَ النار بالایمان وَتُنْذِرَ تخوف بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾ جمع اَلَدّ ای ذو جدل بالباطل وهم كفار مكة وَكَمْ ای كثیرا اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ای اُمَّةٍ من الامم الماضیة بتكذیبهم الرسل هَلْ تُحِسُّ تجد مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾ صوتا خفیًّا فكما اَهْلَكْنَا اُولٰئك نهلك هؤلاء.

وقف لازم وقف لازم

ع۶ ۹

ترجمہ: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہم نے شیاطین کو کفار پر مسلط کر رکھا ہے جو انہیں معصیت پر خوب اکساتے ابھارتے رہتے ہیں تو آپ ان پر عذاب طلب کرنے میں جلدی نہ کیجئے ہم تو خود ہی ان کے لیل ونہار یا سانس عذاب کے وقت تک (موت تک) شمار کر رہے ہیں، اس دن کا بھی تذکرہ کیجئے جس دن ہم متقیوں کو ان کے ایمان کی بدولت (بطور) مہمان سوار کر کے جمع کریں گے وفد، وافد کی جمع ہے معنی میں راکب کے ہے اور مجرمین کو ان کے کفر کے سبب سے سخت پیاس کی حالت میں دوزخ کی طرف ہانکیں گے ورد، وارد کی جمع ہے پیاسے پیدل کسی شخص کو شفاعت کا اختیار نہ ہوگا بجز اس شخص

کے جس نے رحمٰن کے پاس سے اجازت لی ہو (اور اجازت سے مراد) شهادة ان لا الٰه الا اللّٰه ولا حول ولا قوة الا باللّٰه کا اقرار ہے اور یہود و نصاریٰ نے اور ان لوگوں نے کہ جن کا عقیدہ ہے کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں کہا کہ اللہ اولاد رکھتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم نے یقیناً بڑی بھاری یعنی بڑی ناپسندیدہ بات کہی ہے تکاد تا اور یا کے ساتھ ہے، قریب ہے کہ اس بات کی (نحوست) کی وجہ سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین ٹکڑے ہو جائے پھٹ کر اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر جائیں یعنی ان کے اوپر گر جائیں اس وجہ سے کہ انہوں نے رحمٰن کے لئے اولاد قرار دی ہے ینفطرن نون کے ساتھ ہے اور ایک قراءت میں یتفطرن تا اور یا اور طا مشددہ کے ساتھ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا شان رحمٰن کے لائق نہیں کہ وہ اولاد رکھے یعنی یہ اس کی شایان شان نہیں زمین و آسمانوں میں جو کچھ بھی ہے سب کے سب اللہ کے سامنے بندے بن کر حاضر ہونے والے ہیں یعنی ذلیل خوار ہو کر قیامت کے دن اور انہیں میں سے عزیر اور عیسیٰ ہیں ان سب کا اس نے احاطہ کر رکھا ہے اور سب کو پوری طرح شمار کر رکھا ہے لہٰذا نہ تو اس سے ان کی مجموعی تعداد مخفی ہے اور نہ ان کا کوئی فرد اور یہ سب کے سب اس کے پاس قیامت کے دن تن تنہا حاضر ہوں گے مال اور مددگار کے بغیر جو اس کی حفاظت کر سکے بے شک جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے اللہ تعالیٰ ان کے درمیان (باہمی) محبت پیدا کر دے گا وہ آپس میں مؤدت اور محبت رکھیں گے اور اللہ تعالیٰ بھی ان سے محبت رکھیں گے ہم نے اس قرآن کو آپ کی عربی زبان میں آسان کر دیا ہے تاکہ آپ اس کے ذریعہ ایمان کی بدولت جہنم سے ڈرنے والوں کو خوشخبری سنائیں ایک نسخہ لتبشر به المتقين الجنة الفائزين بالايمان "تاکہ آپ اس قرآن کی بدولت ایمان کے ذریعہ کامیاب ہونے والوں کو جنت کی خوشخبری سنائیں" اور جھگڑنے والی قوم کو اس کے ذریعہ ڈرائیں لُدًّا اَلَدّ کی جمع ہے یعنی باطل کے ذریعہ بہت زیادہ خصومت کرنے والے کو، اور وہ کفار مکہ ہیں اور ہم نے اس سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کر دیا ہے یعنی گذشتہ امتوں میں سے (بہت سی امتوں کو) رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے کیا ان میں سے آپ ایک کی بھی آہٹ پاتے ہیں یا ان کی آواز کی بھنک بھی آپ کے کان میں پڑتی ہے یعنی خفی آواز نہیں، تو ہم نے جس طرح اُن کو ہلاک کر دیا ان کو بھی ہلاک کر دیں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: تئوز مضارع واحد مونث غائب (ن) ازا ابھارنا ازا، تئوز کا مفعول مطلق ہے اَلْاَزّ فى الاصل الحركة مع صوت متصل ماخوذ من أزيز القدر اى غليانه والمراد تعجيب الرسول صلى اللّٰه عليه وسلم من اقاويل الكفرة.

(روح البیان)

قَوْلُهُ: او الأنفاس یہ نعدلهم کی دوسری تفسیر ہے انما نعد لهم فلا تعجل کی علت ہے عدا، نعد کا مفعول مطلق ہے یوم نحشر، اذکر فعل محذوف کا ظرف ہے یوم نحشر کا عامل لایملکون ہے اور نعد بھی ہو سکتا ہے وردا، وارد کی اسم جمع ہے، پیاسا، گھاٹ پر آنے والا لایملکون، المجرمین سے جملہ ہو کر حال ہے الا من اتخذ لایملکون کی ضمیر

سے مستثنیٰ متصل ہے یتفطرن تفطر سے مضارع جمع مونث غائب، وہ پھٹ پڑیں ھدا، تخر کا مفعول مطلق بغیر لفظہ ہے تخر بمعنی تھد ہے ای تھد ھدا اور ھدا، الجبال سے حال بھی ہوسکتا ہے مفسر علام نے من اجل مقدر مان کر اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ ان دعوا للرحمن ولدا تنشق اور تخر کا مفعول لہٗ ہے اور محل میں نصب کے ہے ان سے پہلے لام محذوف مان کر جملہ محلا مجرور بھی ہوسکتا ہے محلا مرفوع بھی ہوسکتا ہے اس صورت میں ان مصدریہ ہوگا، اور تقدیر عبارت یہ ہوگی الموجب لذلك دعاء هم للرحمن ولدا ان كل من في السموات والارض میں من نکرہ موصوفہ ہے فی السمٰوات اس کی صفت ہے، موصوف با صفت کل سے ملکر مبتداء الا آتی اس کی خبر، آتی کل کے لفظ کی رعایت سے واحد لایا گیا ہے ودا محبت، دوستی (س) لدا الد کی جمع ہے جھگڑا کرنے والے۔ مراد کفار و مشرکین ہیں۔

قَوْلُہٗ: العربی کے اضافہ سے مقصد یہ بتانا ہے کہ یہاں لسان سے مراد لغت عربی ہے نہ کہ زبان (یعنی آلہ) رکزا اسم ہے بھنک، آہٹ۔

تفسیر و تشریح

الم ترانا ارسلنا الخ کیا آپ نہیں جانتے کہ ہم کافروں کے پاس گمراہ کرنے اور بہکانے نیز معصیت میں مبتلا کرنے کے لئے شیاطین کو بھیجتے ہیں یہاں تک کہ وہ کافروں کو کفر و ضلال پر خوب ابھارتے ہیں، لہٰذا آپ ان کافروں کے لئے عذاب میں مبتلا ہونے کی درخواست نہ کریں ہم خود ہی ان کے شب و روز، اقوال و افعال حتی کہ ان کے انفاس بھی شمار کررہے ہیں جب ان کی تعداد پوری ہوجائے گی اور پانی سر سے گذر جائے گا اور پاپ کا گھڑا بھر جائے گا تو عذاب الٰہی اور قہر خداوندی میں مبتلا ہوجائیں گے۔

اذکر یوم نحشر المتقین اس دن کو یاد کرو کہ جس دن متقیوں کو اونٹوں گھوڑوں یا ان کی من پسند سواریوں پر سوار کرا کے مہمانوں کے مانند نہایت عزت و احترام سے جنت کی طرف لیجائیں گے اور اس کے برعکس مجرموں کو بھوکا پیاسا جہنم میں نہایت ذلت کے ساتھ ہانک دیں گے، اور وہاں ان کا کوئی حمایتی اور سفارشی بھی نہ ہوگا اس لئے کہ وہاں کسی کو کسی کی سفارش کرنے کا اختیار نہ ہوگا بجز اس کے کہ جس نے رحمٰن کے پاس سے اجازت لے لی ہو اور اجازت بھی انبیاء اور صلحاء کو ملے گی اور یہ حضرات سفارش بھی صرف مومنین کی کریں گے۔

وقالوا اتخذ الرحمٰن ولدا یہود و نصاریٰ اور مشرکین مکہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اختیار کر رکھی ہے یقیناً یہ عقیدہ ایسا خطرناک اور بھیانک ہے کہ بعید نہیں کہ اس قبیح اور مذموم عقیدہ کی وجہ سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین کے ٹکڑے اڑ جائیں اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں۔

وما ینبغی للرحمن الخ جب تمام مخلوق اللہ کے غلام اور اس کے عاجز بندے ہیں تو پھر اس کو اولاد کی ضرورت ہی کیا ہے اور یہ اس کی شایان شان بھی نہیں ہے، اس نے سب کو احاطۂ قدرت میں لے رکھا ہے سب کے سب اس کے قابو اور گرفت

میں ہیں اور سب کو اس نے شمار کر رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ اس سے کوئی شئی مخفی نہیں ہے۔

وکلھم آتیه یوم القیامة فردا ہر شخص قیامت کے دن تن تنہا حاضر ہوگا نہ مال ساتھ آئے گا اور نہ حمایتی، جن کے بارے میں انسان یہ سمجھتا ہے کہ یہ میرے حمایتی اور مددگار ہوں گے وہاں سب غائب ہو جائیں گے **یوم لاینفع مال ولابنون**.

ان الذین آمنوا وعملوا الصّٰلحٰت الخ ماقبل کی آیت میں مومنین کی نعمتوں اور کافرین کی نقمتوں کا ذکر تھا، اب آخر میں مومنین صالحین کی ایک بڑی نعمت کا ذکر فرماتے ہیں، اس لئے کہ نعمت کا اصل مقصد راحت قلبی ہے اور محبت سے بھی دل کو سکون اور راحت حاصل ہوتی ہے جو کہ حاصل ہے تمام نعمتوں کا، اللہ تعالیٰ صالحین کی الفت اور محبت اہل دنیا کے دل میں اس کی نیکی اور پارسائی کی وجہ سے ڈال دیتے ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی نیک بندے کو اپنا محبوب بنالیتا ہے تو اللہ تعالیٰ جبرائیل سے فرماتے ہیں کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر پس جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام آسمانوں میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتے ہیں تو تمام آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر زمین میں اس کے لئے قبولیت رکھ دی جاتی ہے، (**صحیح بخاری کتاب الادب باب المقت من اللہ تعالیٰ**).

فانما یسرناه الخ قرآن کو آسان کرنے کا مطلب قرآن کو اس زبان میں نازل کرنا ہے جس کو پیغمبر جانتا ہو، نیز اس کے مضامین کا واضح اور کھلا ہوا ہونا بھی مراد ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن اولاً مشکل تھا پھر اس کو آسان کر دیا تا کہ آپ اس کے ذریعہ پرہیزگاروں اور متقیوں کو خوشخبری سنائیں اور جھگڑالو یعنی کفار اور مشرکین کو عذاب آخرت سے ڈرائیں۔

او تسمع لھم رکزا مطلب یہ ہے کہ سب حکومت و سلطنت نیز شان و شوکت اور قوت و طاقت والے جب اللہ کے عذاب میں پکڑے گئے تو ایسے ہو گئے کہ ان کی کوئی مخفی آواز اور حس و حرکت بھی سنائی نہیں دیتی۔

سُوْرَۃُ طٰہٰ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ مِائَۃٌ وَّخَمْسٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰیَۃً وَّثَمَانُ رُکُوْعَاتٍ

سُوْرَۃُ طٰہٰ مَکِّیَّۃٌ، مِائَۃٌ وخَمْسٌ وثلٰثونَ آیَۃً اَوْ اَرْبَعُوْنَ وَثِنْتَانِ.

سورۂ طٰہٰ مکی ہے، ایک سو پینتیس یا ایک سو بیالیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ طٰهٰ ۚ﴿۱﴾ اللّٰہُ اعلم بمرادہ بذٰلك مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ یا مُحَمَّدُ لِتَشْقٰٓى ۙ﴿۲﴾ لِتَتْعَبَ بما فَعَلْتَ بعد نُزُوْلِہٖ من طُولِ قِیامِكَ بِصَلٰوۃِ اللَّیْلِ ای خَفِّفْ عن نَفْسِكَ اِلَّا لٰکن اَنْزَلْنَاہ تَذْكِرَةً به لِّمَنْ یَّخْشٰى ۙ﴿۳﴾ یخافُ اللّٰہَ تَنْزِیْلًا بَدلٌ مِنَ اللفظِ بفعلِہ النّاصبِ له مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ؕ﴿۴﴾ جَمْعُ عُلْیَا ککُبْریٰ و کُبَرٌ ہو اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ وہو فی اللُّغةِ سَرِیْرُ المَلِكِ اسْتَوٰى ﴿۵﴾ استواءً یَلِیقُ به لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا من المَخْلُوْقَاتِ وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ﴿۶﴾ ہو التُّرَابُ النَّدِیُّ والمُرادُ الاَرْضُوْنَ السبعُ لانہا تَحْتَہٗ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فی ذِکْرٍ او دُعَاءٍ فاللّٰہ غَنِیٌّ عن الجَھْرِ به فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ﴿۷﴾ منہ ای ما حَدَّثَتْ به النَّفْسُ وما خَطَرَ ولم تُحدِّثْ به فلا تجھَدْ نفسَكَ بالجَھْرِ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ﴿۸﴾ التِّسْعَةُ والتِّسعُوْنَ الوَارِدُ بہا الحَدِیْثُ والحُسْنٰی مُؤنَّثُ الاَحْسَنِ وَهَلْ قد اَتٰىكَ حَدِیْثُ مُوْسٰى ۘ﴿۹﴾ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ لِامْرَأتِہٖ امْكُثُوْٓا ہُنَا وذٰلِكَ فی مَسِیرِہٖ من مَّدْیَنَ طَالِبًا مِصْرَ اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ اَبصَرتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ شُعْلَةٍ فی رَاسِ فَتِیْلَةٍ اوعُودٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ﴿۱۰﴾ ای ہادِیًا یَدُلُّنِی علی الطَّرِیْقِ وکَانَ اَخطَأہا لِظُلْمَةِ اللَّیْلِ وقال لَعَلَّ لِعَدَمِ الجَزْمِ بوَفاءِ الوَعْدِ فَلَمَّآ اَتٰىهَا وہی شجرۃ عَوْسَجٍ نُوْدِیَ یٰمُوْسٰى ﴿۱۱﴾ اِنِّیْٓ بکَسرِ الھمزۃِ بتاویلِ نُوْدِیَ بقِیلَ وبفتحِہا بتَقْدِیرِ البَاءِ اَنَا تَوْکِیْدٌ لیاءِ المُتَکَلِّمِ رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ المُطَہَّرِ او المُبَارَكِ طُوًى ﴿۱۲﴾ بَدلٌ او عَطفُ بَیَانٍ بالتَّنوِیْنِ وتَرْکِہٖ مَصْرُوْفٌ بِاِعْتِبَارِ المَکَانِ وغَیْرُ مَصْرُوفٍ للتَّانِیْثِ بِاِعْتِبَارِ البُقْعَةِ مَعَ العَلَمِیَّةِ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ من قومك فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰى ﴿۱۳﴾ اِلیك منِّی اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ﴿۱۴﴾ فیہا.

وقف لازم

ترجمہ: شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے طٰہٰ اللہ کی اس سے کیا مراد ہے وہی بہتر جانتا ہے اے محمد ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں یعنی تعب میں پڑ جائیں اس

طرز عمل سے جو آپ نے نزول قرآن کے بعد اختیار کیا رات کی نماز (تہجد) میں طول قیام کے ذریعہ، مطلب یہ کہ (تخفیف کرکے) اپنے اوپر بار کم ڈالئے بلکہ ہم نے قرآن کو اس شخص کی نصیحت کے لئے نازل کیا ہے جو خوف خدا رکھتا ہو یہ اس ذات کی جانب سے نازل کردہ ہے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا فرمایا تنزیلًا اپنے فعل ناصب (نزلناہ) کے عوض میں ہے عُلٰی عُلْیَا کی جمع ہے جیسے کُبَرْ کُبْرٰی کی جمع ہے وہ رحمٰن ہے عرش پر قائم ہے ایسا قیام جو اس کی شایان شان ہے اور عرش لغت میں شاہی تخت کو کہتے ہیں اسی کی ملک ہے جو کچھ مخلوق آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان ہے اور جو چیزیں تحت الثریٰ ہیں ثریٰ نمناک مٹی ہے اور مراد ساتوں زمینیں ہیں اس لئے کہ نمناک مٹی کے نیچے ہیں اور اگر آپ ذکر ودعا جہراً کریں تو اللہ جہر سے مستغنی ہے اس لئے کہ وہ تو پوشیدہ سے پوشیدہ تر چیز کو (بخوبی) جانتا ہے یعنی آہستہ سے کہی بات کو اور ان خیالات کو (جو صرف دل میں آئے ہیں اور (ابھی) زبان پر نہیں آئے جانتا ہے لہٰذا جہر کے ذریعہ اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالئے وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں حسنٰی اسماء اس کے بہترین نام ہیں جن کے بارے میں حدیث وارد ہوئی ہے اور حسنیٰ احسن کا مونث ہے اور کیا پہنچی ہے آپ کو موسیٰ (علیہ الصلاۃ والسلام) کی خبر جبکہ اس نے آگ دیکھ کر اپنی اہلیہ بیوی سے کہا تم یہاں ٹھہرو اور یہ مدین سے مصر جانے کے وقت کا قصہ ہے مجھے آگ دکھائی دی ہے بہت ممکن ہے کہ میں آگ کا تمہارے پاس کسی لکڑی یا رسی کے سرے میں شعلہ (لگا کر) لاؤں یا آگ کے پاس کوئی راستہ بتانے والا پاؤں یعنی کوئی ایسا رہنما جو رہنمائی کرسکے اور (موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام) رات کی تاریکی کی وجہ سے راستہ بھول گئے تھے اور موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے ممکن یا شاید کا لفظ اس لئے استعمال فرمایا کہ ان کو ایفاء عہد کا پورا یقین نہیں تھا چنانچہ جب موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اس آگ کے پاس پہنچے اور وہ جھڑبیری کا درخت تھا تو آواز دی گئی اے موسیٰ اِنِّـی کے ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ نُودِیَ کو قیل کی تاویل میں لیکر اور ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ بھی ہے اس صورت میں اَنِّی سے پہلے با مقدر ہوگی (یعنی بِـاَنِّـی) اَنـا یاءِ متکلم کی تاکید ہے بالیقین میں تیرا رب ہوں تو اپنے جوتے اتار دے کیونکہ تو مقدس پاک یا مبارک وادی طوی میں ہے طُوًی بدل ہے یا عطف بیان ہے تنوین اور بغیر تنوین دونوں (جائز ہے) طُوًی اگر مکان کے معنی میں ہو تو منصرف ہوگا اور غیر منصرف ہوگا جب کہ طُوًی کو بُـقْعَۃٌ کے معنی میں لیکر مؤنث مانا جائے مع علمیۃ کے اور میں نے تجھ کو تیری قوم میں سے منتخب کرلیا ہے لہٰذا میری جانب سے تم کو جو وحی کی جارہی ہے اس کو غور سے سن بے شک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا تو میری ہی عبادت کر اور نماز قائم کر نماز میں میرے ذکر کے لئے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: طٰہٰ مفسر علام نے اللّٰہ اعلم بمرادہ بذلك کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ یہ حروف مقطعات میں سے ہے اور اس کا حقیقی علم اللہ کے ساتھ خاص ہے۔

قَوْلُہٗ: لتشقٰی ای لتتعبَ معنی یہ ہیں کہ ہم نے قرآن کو اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ خود کو مشقت میں ڈالیں زیادتی غم

کی وجہ سے قبسٌ آگ کا شعلہ، چنگاری طُوًی ایک وادی کا نام ہے شام میں، مفسر علام نے اِلَّا کی تفسیر لکنْ سے کرکے اشارہ کردیا کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے ای لٰکن انزلناہ تذکرۃ اس لئے کہ تذکرۃً تشقٰی مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہیں ہے تَنْزِیْلًا نَزَّلْنَا فعل مقدر کا مصدر ہے جو کہ اس کا ناصب ہے فعل کو حذف کرکے مصدر کو اس کے بدلے میں اس کی جگہ رکھ دیا گیا ہے اور یہ حذف واجب ہے اس لئے کہ مصدر معنی اور عمل میں فعل کی نیابت کرتا ہے یہاں بدل سے بدل اصطلاحی مراد نہیں ہے بلکہ بدل لغوی مراد ہے یعنی عوض بدل منَ اللفظ کا مطلب یہ ہے کہ تَنْزِیْلًا تلفظ اور نطق میں اپنے فعل ناصب نَزَّلْنَا محذوف کے قائم مقام ہے ممن خلقَ تنزیلاً کے متعلق ہے۔

قِوْلُہٗ: خلق الارض والسمٰوٰت العُلٰی میں عطف جنس علی الجنس ہے نہ کہ جمع کا عطف مفرد پر اب خلاف اولیٰ کا اعتراض نہیں ہوسکتا هُو کا اضافہ کرکے اشارہ کردیا کہ الرحمن هُوَ مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے بھی مرفوع ہے۔

قِوْلُہٗ: وَهَلْ اَتَاكَ جملہ مستانفہ ہے خطاب آپ ﷺ کو ہے اور استفہام تشویق اور تقریر فی ذہن السامع کے لئے ہے اور هل بمعنی قد ہے اِذْ رأیٰ حدیث موسیٰ کا ظرف ہے۔

قِوْلُہٗ: امْكُثُوْا جمع اور مذکر کا صیغہ لایا گیا ہے حالانکہ مخاطب صرف آپ کی بیوی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ اَهْل کی رعایت سے جمع مذکر کا صیغہ لایا گیا ہے یا پھر تعظیماً جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے یا پھر خادم اور اولاد جو کہ ہمراہ تھے کی رعایت سے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے آنَسْتُ کی تفسیر اَبْصَرْتُ سے کرکے اشارہ کردیا کہ ایناس کے معنی کسی طریقہ سے بھی محسوس کرنا ہے مگر یہاں بصر سے محسوس کرنے کے معنی مراد ہیں قَبَسٌ چنگاری، آگ کا شعلہ فتیلۃ بتی، رسی وغیرہ هُدًی ای هادٍ مصدر بمعنی اسم فاعل ہے عَوْسج کانٹے دار درخت، جنگلی بیری، بعض حضرات نے عناب اور بعض نے امر بیل مراد لی ہے، جس کو ہندی میں آکاش بیل بھی کہتے ہیں، فارسی میں عشق پیچاں کہتے ہیں، طب میں اس کا اصطلاحی نام افتیمون ہے، اس کی زمین میں جڑ نہیں ہوتی ہے یہ اپنی خوراک درخت سے حاصل کرتی ہے اور جس درخت پر چھا جاتی ہے اس کو خشک کردیتی ہے۔

قِوْلُہٗ: طُوًی وادٍ سے بدل یا عطف بیان ہے اس کو منصرف اور غیر منصرف دونوں پڑھنا درست ہے اگر مکان کے معنی میں ہو تو منصرف ہوگا اور اگر بُقْعة کے معنی میں ہو تو علمیہ اور تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہوگا اِنَّنِیْ اَنا اللّٰه مِمَّا یُوحٰی سے بدل ہے فِیْهَا ای فی الصلوٰۃ، اَللّٰهُ مبتداء محذوف کی خبر ہے ای المنعوت بما ذُكرَ منَ النعوت الجلیلة اللّٰه (یعنی وہ ذات جو مذکورہ صفات کمالیہ سے متصف ہے وہ اللہ ہے) لفظ جلالۃ (اللہ) مبتداء اور لا الٰه اِلَّا هو اس کی خبر بھی ہوسکتی ہے۔

تفسیر وتشریح

طٰهٰ کی مراد کے سلسلہ میں مفسرین کے درمیان شدید اختلاف ہے بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ قرآن یا سورت کا نام ہے یا اسماء حسنیٰ میں سے ایک ہے، بعض حضرات کا قول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اسماء گرامی میں سے ایک ہے، حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے طَـهْ بروزن هَبْ یہ امر ہے رسول اللہ ﷺ کو یعنی آپ اپنے دونوں قدم زمین پر رکھئے، یہ اس وقت کی بات ہے کہ

آنحضرت ﷺ عبادت میں بیحد مشقت اٹھاتے تھے پوری پوری رات نماز پڑھتے اور جب تھک جاتے تو ایک پیر کو دوسرے پیر پر رکھ کر نماز ادا فرماتے حتی کہ آپ کے پائے مبارک ورم کر جاتے اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا طٰـهٰ آپ دونوں قدم زمین پر رکھئے طٰهٰ اصل میں طَأْ تھا وَطِیَ یَطَأُ سے آخری ہمزہ ہا سے بدل دیا طٰهٰ ہو گیا۔

مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ ہم نے قرآن کو آپ ﷺ پر اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ ﷺ مشقت اٹھائیں، اور قیام لیل میں اس قدر تلاوت فرمائیں کہ آپ کے قدم مبارک ورم کر جائیں، دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے قرآن کو اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ ان کافروں کے کفر پر اس قدر رنج و غم کریں کہ خود کو ہلاکت کے قریب کر لیں، جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰی آثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا پس اگر یہ لوگ ایمان نہ لائیں تو کیا آپ ان کے پیچھے اسی رنج میں اپنی جان ہلاک کر ڈالیں گے، بلکہ ہم نے اس قرآن کو نصیحت اور یاددہانی کے لئے اتارا ہے تاکہ ہر انسان کے تحت الشعور میں توحید کا جو جذبہ پوشیدہ ہے واضح اور نمایاں ہو جائے۔ (یہاں پر شقاءٌ، عناءٌ و تعبٌ کے معنی میں ہے)۔

عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی، استواء علی العرش کے متعلق صحیح اور بے غبار بات وہی ہے جو جمہور سلف صالحین سے منقول ہے کہ اس کی حقیقت و کیفیت کسی کو معلوم نہیں متشابہات میں سے ہے اتنا عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ استواء علی العرش حق ہے اس کی کیفیت اللہ جل شانہ کی شان کے مطابق و مناسب ہو گی جس کا ادراک دنیا میں کسی کو نہیں ہو سکتا۔

وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی ثریٰ نمناک مٹی کو کہتے ہیں، مخلوقات کا علم تو صرف ثریٰ پر ختم ہو جاتا ہے اس ثریٰ کے نیچے کیا ہے اس کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں، نئی تحقیق و ریسرچ اور نئے نئے آلات اور سائنس کی انتہائی ترقی کے باوجود اب سے چند سال پہلے زمین کو برما مار کر اس پار سے اس پار نکل جانے کوشش مدتوں تک جاری رہی ان سب تحقیقات اور انتھک کوششوں کا نتیجہ اخبارات میں سب کے سامنے آچکا ہے کہ صرف چھ میل کی گہرائی تک یہ آلات کام کر سکے، آگے ایک ایسا حجری غلاف ثابت ہوا جہاں کھدائی کے تمام آلات اور سائنس جدید کے سب افکار عاجز ہو گئے، انسان صرف چھ میل تک کا علم حاصل کر سکا جب کہ زمین کا قطر استوائی ۷۹۲۶ میل اور بعض کے نزدیک ۷۹۲۷ میل ہے، اور قطبی قطر ۷۹۰۰ میل ہے (فلکیات جدیدہ، ص ۴۳) اس لئے اس اقرار کے سوا چارہ نہیں کہ ماتحت الثریٰ کا علم حق تعالیٰ ہی کی مخصوص صفت ہے۔ (معارف القرآن)

یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی اس سے پہلی آیت میں عموم قدرت و تصرف کا بیان تھا اس آیت میں علم الٰہی کی وسعت کا تذکرہ ہے یعنی جو بات زور سے پکار کر کہی جائے وہ اس علام الغیوب سے کیونکر پوشیدہ رہ سکتی ہے جس کو ہر کھلی چھپی بلکہ پوشیدہ سے بھی پوشیدہ باتوں کی خبر ہے، جو بات تنہائی میں آہستہ کہی جائے اور جو دل میں گذرے مگر ابھی زبان پر نہ آئی ہو اور ابھی دل میں بھی نہیں گذری آئندہ گذرنے والی ہو حق تعالیٰ کا علم ان سب کو محیط ہے اسی لئے بلاضرورت بہت زور سے چلّا کر ذکر کرنے کو بھی علماء شریعت نے منع فرمایا ہے۔

آیات بالا میں حق تعالیٰ کی جو صفات بیان ہوئی ہیں یعنی اس کا خالق الکل، مالک علی الاطلاق اور صاحب علم محیط ہونا اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ صفت الوہیت بھی تنہا اسی کا خاصہ ہو اسی مضمون کو آئندہ آنے والی آیت اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ میں بیان فرمایا ہے۔

وَھَلْ اَتٰكَ حَدِیْثُ مُوْسٰی یہاں حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا قصہ بہت بسط وتفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے تاکہ سامعین سمجھ جائیں کہ نبی کریم محمد ﷺ کی طرف وحی بھیجنا کوئی انوکھی یا انہونی بات نہیں ہے جس طرح اب سے پیشتر موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو وحی مل چکی ہے آپ کو بھی ملی ہے، جس طرح موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی وحی توحید وغیرہ کی تعلیم پر مشتمل تھی آپ ﷺ کی وحی میں بھی انہی اصولوں پر زور دیا گیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے تبلیغ حق میں صعوبتیں اور تکالیف برداشت کیں آپ ﷺ کو بھی برداشت کرنی پڑیں گی اور جس طرح آخر کار ان کو کامیابی اور غلبہ نصیب ہوا اور دشمن مقہور ومخذول ہوئے، آپ بھی یقیناً غالب ومنصور ہوں گے اور آپ کے دشمن تباہ وذلیل کیے جائیں گے، چونکہ سورت کا آغاز انزال قرآن کے ذکر سے کیا گیا تھا اس کے مناسب نبوت موسوی کے آغاز کا قصہ بیان فرماتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے قصہ کے مختلف اجزاء ہیں مگر یہاں قصہ کا صرف وہ جز بیان کیا گیا ہے جو مدین سے مصر واپسی کے وقت پیش آیا تھا۔

مدین میں حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کی صاحبزادی جس کا نام صفورا یا صفوریا ہے اور بعض حضرات نے صفوریہ بھی بتایا ہے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا نکاح ہو گیا تھا، کئی سال وہاں مقیم رہنے کے اور خدمت کی مدت پوری کرنے کے بعد جو کہ آٹھ سال یا دس سال تھی (غالب یہی ہے کہ ابعد الاجلین پوری کی ہوگی) اپنی والدہ اور دیگر اہل خانہ کی زیارت اور ملاقات کے لئے مصر جانے کی حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام سے اجازت چاہی حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام نے بخوشی اجازت دیدی اور سامان نیز کچھ بکریاں بھی ہمراہ کر دیں، حاملہ بیوی ساتھ ہے رات اندھیری ہے سردی کا شباب ہے، بکریوں کا بھی ساتھ ہے، اس حالت میں راستہ بھول جاتے ہیں بکریاں منتشر ہو جاتی ہیں، بیوی کو درد زہ شروع ہو جاتا ہے، سردی کی وجہ سے پریشان ہیں، سردی سے بچاؤ کے لئے آگ نہیں کہ تاپ سکیں چقماق رگڑنے پر بھی آگ نہ نکلی، ان مصائب کی تاریکیوں میں دفعتاً ایک آگ نظر آئی وہ درحقیقت دنیوی آگ نہ تھی بلکہ اللہ کا نور جلال تھا، مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے ظاہری آگ سمجھ کر اپنی اہلیہ سے کہا کہ تم یہاں ٹھہرو میرے ساتھ آنے کی ضرورت نہیں ہے میں رسی وغیرہ میں لگا کر آگ کا شعلہ لاتا ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہاں کوئی راستہ بتانے والا مل جائے، جب حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اس پاک اور مقدس وادی طویٰ میں پہنچے تو عجیب وغریب نظارہ دیکھا ایک درخت میں زور شور سے آگ لگ رہی ہے اور آگ جس قدر زیادہ بھڑکتی ہے، درخت اسی قدر زیادہ سرسبز ہو کر لہلہاتا ہے اور جوں جوں درخت کی سرسبزی وشادابی بڑھتی ہے، آگ کا اشتعال تیز ہوتا جاتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے آگ کے قریب جانے کا قصد کیا کہ درخت کی کوئی شاخ جل کر گرے تو اٹھا لائیں لیکن موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام جس قدر آگ کے قریب جاتے ہیں آگ دور بھاگتی چلی جاتی ہے اور جب گھبرا کر پیچھے ہٹتے ہیں تو وہ تعاقب کرتی ہے اسی حیرت اور دہشت کی حالت میں آواز آئی اِنِّی اَنَا اللّٰهُ الخ امام احمد نے وہب سے نقل کیا ہے کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے جب ''یا موسیٰ'' سنا تو کئی بار لبیک کہا اور عرض کیا کہ میں تیری آواز سنتا ہوں اور آہٹ پاتا ہوں مگر یہ نہیں دیکھتا کہ تو کہاں ہے؟ آواز آئی میں تیرے اوپر ہوں، تیرے ساتھ ہوں، تیرے سامنے ہوں، تیرے پیچھے ہوں اور تیری جان سے زیادہ تجھ سے قریب ہوں، کہتے کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام ہر جہت سے اور اپنے ایک ایک بال سے اللہ کا کلام سنتے تھے۔ (فوائد عثمانی)

فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ادب اور احترام کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جوتے اتار دو بلاشبہ تم ایک مقدس اور پاکیزہ مقام پر ہو، اور جوتے اتار کر برہنہ پا ہونے میں عاجزی اور انکساری کا ظہور بھی ہے، یا اس لئے کہ وہ جوتے مردار کی کھال کے تھے جیسا کہ بعض روایات میں ہے اور حضرت علی اور حسن بصری اور ابن جریج سے اول ہی منقول ہے اور جوتا اتارنے کی مصلحت یہ بتائی گئی ہے کہ آپ کے قدم اس مبارک وادی کی مٹی سے مس کر کے برکت حاصل کریں، اور وادی کی پاکیزگی کے اثرات کو پیر زیادہ جذب کر سکیں۔

اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى حق تعالیٰ نے زمین کے خاص خاص حصوں کو اپنی حکمت سے خاص امتیازات اور شرف بخشے ہیں، جیسے بیت اللہ، مسجد اقصیٰ، مسجد نبوی اور وادی طویٰ یہ وادی کوہ طور کے دامن میں واقع ہے۔

طُوًى ایک وادی کا نام ہے اسے بعض حضرات نے منصرف اور بعض نے غیر منصرف پڑھا ہے۔

وَاَنَا اخْتَرْتُكَ جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر چالیس سال تھی تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبوت اور رسالت کے لئے منتخب فرما لیا اور حکم دیا کہ جو وحی تمہاری جانب کی جا رہی ہے اس کو غور سے سنو، سب سے پہلا حکم تو یہ ہے کہ میری ہی بندگی کرو، میرے سوائے کوئی بندگی کے لائق نہیں، نماز اگرچہ بندگی میں داخل ہے مگر نماز کی اہمیت کے پیش نظر مستقل طور پر بھی نماز کا حکم دیا، اور یہ بھی بتا دیا کہ نماز کا مقصد میری یادگاری ہے نماز سے غافل ہونا گویا کہ خدا کی یاد سے غافل ہونا ہے۔

لِذِكْرِی کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب بھی میں تجھے یاد آجاؤں نماز پڑھ لیا کر یعنی اگر کسی وقت غفلت ذہول، یا نیند کا غلبہ ہو تو اس کیفیت سے نکلتے ہی اور میری یاد آتے ہی نماز پڑھ لیا کر، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو نماز سے سو جائے یا بھول جائے تو اس کا کفارہ یہی ہے کہ جب بھی یاد آئے تو پڑھ لے۔ (بخاری شریف کتاب المواقیت)

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا عَنِ النَّاسِ ويظهرُ لهم قُربُها بعلاماتِها لِتُجْزٰى فيها كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى ﴿۱۵﴾ به من خَيرٍ وشرٍ فَلَا يَصُدَّنَّكَ يَصرِفَنَّكَ عَنْهَا اى عن الايمانِ بها مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فى انكارِها فَتَرْدٰى ﴿۱۶﴾ فتَهلِكَ اِن انصَدَدتَّ عنها وَمَا تِلْكَ كائنةً بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۱۷﴾ الاستفهامُ للتقريرِ ليُرَتَّبَ عليه المُعجِزَةُ فيها قَالَ هِىَ عَصَاىَ اَتَوَكَّؤُا اَعتَمِدُ عَلَيْهَا عِندَ الوُثُوبِ والمَشيِ وَاَهُشُّ اَخبِطُ ورقَ الشَّجرِ بِهَا ليَسقُطَ عَلٰى غَنَمِىْ فتاكُلَهُ وَلِىَ فِيْهَا مَاٰرِبُ جمعُ مارُبَةٍ مُثَلَّثِ الرّاءِ اى حوائِجُ اُخْرٰى ﴿۱۸﴾ كحملِ الزّادِ والسِّقاءِ وطردِ الهَوامِّ زادَ فى الجوابِ بيانَ حاجاتِه بها قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ﴿۱۹﴾ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِىَ حَيَّةٌ ثُعبانٌ عظيمٌ تَسْعٰى ﴿۲۰﴾ تَمشِى على بطنِها سريعًا كسُرعَةِ الثُّعبانِ الصَّغيرِ المُسَمّٰى بالجانِّ المُعبَّرِ به عنها فى آيةٍ اُخرٰى قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ منها سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا منصوبٌ بنزعِ الخافضِ اى الى حالتِها الْاُوْلٰى ﴿۲۱﴾ فادخَلَ يدَه فى فمِها فعادت عصًا وتَبيَّنَ اَنَّ موضعَ الادخالِ موضعُ مَسكِها بينَ شُعبتَيها وأُرِىَ ذلك السَّيِّدُ موسٰى لِئَلَّا يجزَعَ اذا انقلَبَت حيَّةً لدٰى فرعونَ وَاضْمُمْ يَدَكَ اليُمنٰى بمعنى الكفِّ اِلٰى جَنَاحِكَ اى جنبِكَ الايسرِ تحتَ العَضُدِ الى الابطِ

واخرجها **تَخْرُجْ** خِلافَ مَا كَانَت عليه مِنَ الادمةِ **بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ** اى بَرَصٍ تَضِيءُ كشُعَاعِ الشَّمسِ تَغْشى البَصَرَ **آيَةً أُخْرَىٰ**﴿۲۲﴾ وهى بَيْضَاءُ حَالانِ من ضَمِيرِ تَخرُجُ **لِنُرِيَكَ** بها اذا فَعلتَ ذلك لِاظهَارِها **مِنْ آيَاتِنَا** الآية **الْكُبْرَى**﴿۲۳﴾ اى العُظْمىٰ على رِسَالَتِك واذا اَرَادَ عَودَها الى حَالَتِها الأولىٰ ضَمَّها الى جَنَاحِه كما تقدَّمَ واَخرَجَها **اِذْهَبْ** رَسُولاً **إِلَىٰ فِرْعَوْنَ** وَمَنْ مَعه **إِنَّهُ طَغَىٰ**﴿۲۴﴾ جاوَزَ الحَدَّ فِي كُفرِه الى اِدِّعَاءِ الالٰهيَّةِ.

ترجمہ: قیامت یقیناً آنے والی ہے میں اس کو لوگوں سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں اور اس کا قرب اس کی علامات سے ظاہر ہو جائے گا تاکہ ہر شخص کو اس (دن) میں اس کے اعمال نیک و بد کا بدلہ دیا جا سکے، تو تجھ کو اس پر یقین رکھنے سے کوئی ایسا شخص باز نہ رکھ سکے، نہ روک سکے جو اس پر ایمان نہیں رکھتا اور اس کے انکار میں اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہے ورنہ تو تو ہلاک ہو جائے گا یعنی اگر تو اس پر یقین رکھنے سے باز رہا تو ہلاک ہو جائے گا اور اے موسیٰ تیرے داہنے ہاتھ میں یہ کیا ہے استفہام تقریر کے لئے ہے تاکہ اس پر معجزہ کا ترتب ہو سکے، کہا یہ میری لاٹھی ہے (جست) لگاتے وقت اور چلنے کے وقت اس پر سہارا دیتا ہوں اور اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں یعنی اس کے ذریعہ درخت کے پتے گراتا ہوں تاکہ وہ اس کو کھائیں اور اس سے میں دیگر کام بھی لیتا ہوں مَآرِبُ مَارِبَۃٌ کی جمع ہے را پر تینوں اعراب جائز ہیں مَآرِب بمعنی حوائج ہے مثلاً کھانا پانی لٹکا لینا اور موذی جانوروں کو دفع کرنا (وغیرہ) (مقدار) جواب میں بیان حاجت کا اضافہ فرمایا ارشاد ہوا اے موسیٰ اس (عصا) کو (زمین) پر ڈال دے چنانچہ اس کو ڈال دیا تو یکایک وہ دوڑتا ہوا سانپ بن گیا بڑا اژدہا وہ اپنے پیٹ کے بل چھوٹے سانپ (سپولیے) کے مانند دوڑتا تھا جس کو دوسری آیت میں جان کہا گیا ہے ارشاد ہوا اس کو پکڑ لو اور ڈرو نہیں ہم اس کو (پکڑتے ہی) اس کی پہلی صورت پر لوٹا دیں گے سِیْرَتَهَا حرف جار کو حذف کرنے کی وجہ سے منصوب ہے ای الی حالَتِها الأُولىٰ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا ہاتھ اس کے منہ میں داخل کر دیا تو وہ عصا بن گیا اور یہ بات ظاہر ہو گئی کہ (ہاتھ) داخل کرنے کی جگہ دونوں شاخوں کے درمیان پکڑنے کی جگہ تھی اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ سب کچھ اس لئے دکھایا گیا تاکہ جب فرعون کے سامنے (یہ عصا) سانپ (کی شکل) میں تبدیل ہو جائے تو (موسیٰ) خوف زدہ نہ ہوں اور تم اپنا داہنا ہاتھ یعنی ہتھیلی اپنے بازو سے ملا لو، یعنی بائیں بغل میں بازو کے نیچے داخل کر لو اور (پھر) نکالو، اپنی پہلی گندمی حالت کے برخلاف بغیر کسی مرض مثلاً برص کے سورج کے مانند چمکدار ہو کر نکلے گا، جو آنکھوں کو چکاچوند (خیرہ) کر دے گا یہ دوسری نشانی ہوئی آیۃ اخریٰ اور بیضاء یہ دونوں تَخْرُجْ کی ضمیر سے حال ہیں، تاکہ ہم تم کو جب تم نشانی (معجزہ) کے اظہار کے لئے یہ سب کچھ کر چکو تو اپنی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی دکھا دیں یعنی تیری رسالت کی بڑی نشانی اور جب تم اس (ہاتھ) کو سابقہ حالت پر لوٹانا چاہو تو سابق کی طرح اس کو اپنے پہلو سے ملا لینا اور نکال لینا (اب) تم رسول بن کر فرعون اور ان لوگوں کے پاس جاؤ جو اس کے ساتھ ہیں بے شک وہ بڑا سرکش ہو گیا ہے اپنے کفر میں دعوائے الوہیت کر کے حد سے تجاوز کر گیا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: اَکَادُ اُخْفِیْهَا ای اُرِیْدُ اِخْفَاءَ وَقْتِهَا یہ عرب کے اس محاورہ کے مطابق ہے کہ عرب جب کسی بات کے اخفاء میں مبالغہ کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں (کتمهٗ حتی من نفسی) ای لم اطلع احدًا لِتُجْزٰی یا تو اُخْفِیْهَا سے متعلق ہے یا آتِیَةٌ سے متعلق ہے دوسری صورت میں متعلّق اور متعلَّق کے درمیان اَکَادُ اُخْفِیْهَا جملہ معترضہ ہوگا بهٖ کو مقدر ماننے کی وجہ یہ ہے کہ صلہ جب جملہ ہوتا ہے تو عائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے اسی لئے مفسر نے بهٖ کو محذوف مانا ہے مِنْ خَیْرٍ وشرٍّ میں مِنْ ما کا بیان ہے یَصُدَّنَّكَ واحد مذکر غائب نہی بانون ثقیلہ، مادہ صَدٌّ، كَ ضمیر مفعول ہے تجھ کو باز نہ رکھنے پائے فَتَرْدیٰ اصل میں فأن تردیٰ تھا فَتَرْدیٰ جواب نہی ہے۔

قَوْلُهُ: وَمَا تِلْكَ ما اسم استفہام مبتداء تلك اسم اشارہ خبر اور بیمینكَ کائنةً مقدر کے متعلق ہو کر حال ہے اسم اشارہ بمعنی اشیرُ سے ما تلك میں ما استفہامیہ طلب فہم کے لئے نہیں ہے اس لئے کہ یہ ذات باری کے لئے محال ہے بلکہ تقریر شئ کے لئے ہے یعنی اچھی طرح دیکھ لو یہ کیا ہے تاکہ مغالطہ نہ ہو اس لئے کہ عنقریب اسی عصا کا سانپ کی شکل میں معجزہ ظاہر ہونے والا ہے حَیَّةٌ چھوٹے بڑے ہر قسم کے سانپ کو کہتے ہیں، اور جَانٌّ خاص طور پر چھوٹے سانپ کو کہتے ہیں اور ثعبان بڑے سانپ کو جس کو اژدہا کہا جاتا ہے، کہیں جَانٌّ کہا گیا ہے اور کہیں ثُعْبانٌ اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ جسم وجثہ کے اعتبار سے تو ثعبان تھا اور حرکت وسرعت کے اعتبار سے جان یا ابتداء جان رہتا تھا اور بعد میں ثعبان ہو جاتا تھا فَاِذَا هِیَ تَسْعٰی اِذا مفاجاتیہ ہے هِیَ مبتداء ہے حیة خبر اول ہے اور تسعٰی خبر ثانی ہے، تسعٰی جملہ ہو کر حیة سے حال بھی ہو سکتا ہے، اور صفت بھی سِیْرَتَهَا اصل میں اِلٰی سِیْرَتِهَا الْاُوْلٰی تھا حذف الی کی وجہ سے منصوب ہو گیا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰی یہ سَنُعِیْدُهَا کی ضمیر مفعول سے بدل الاشتمال بھی ہو سکتا ہے ای هیئتها الاُوْلٰی بیضاء تخرجُ کی ضمیر سے حال ہے من غیر سُوْءٍ تخرج کے متعلق ہے بمعنی الکف کا اضافہ اس شبہ کو زائل کرنے کے لئے کیا ہے کہ یَدٌ عربی میں انگلیوں سے لیکر کندھے تک کو کہتے ہیں، اس کا بغل میں داخل کرنا ممکن نہیں ہے، جواب دیا کہ کل بول کر جز مراد ہے یعنی صرف ہتھیلی الآیة محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ الکبریٰ، موصوف محذوف کی صفت ہے۔

تفسیر و تشریح

اَکَادُ اُخْفِیْهَا یعنی قیامت کے معاملہ کو میں تمام مخلوق سے مخفی رکھنا چاہتا ہوں حتی کہ انبیاء اور فرشتوں سے بھی اَکَادُ سے اس طرف اشارہ ہے کہ اگر لوگوں کو قیامت اور آخرت کی فکر دلا کر ایمان وعمل صالح پر ابھارنا مقصود نہ ہوتا تو اتنی بات بھی ظاہر نہ کی جاتی کہ قیامت آنے والی ہے، البتہ قیامت کی علامات قریبہ اور بعیدہ بتادوں گا تاکہ بندوں کو وقوع قیامت کا علم ہو جائے، علامات بعیدہ میں آنحضرت ﷺ کی بعثت ہے، اور علامات قریبہ میں نزول عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام ظہور مہدی علیہ الصلاۃ والسلام اور خروج

دجال اور سورج کا مغرب سے نکلنا وغیرہ ہیں۔

لِتجزیٰ الخ تا کہ ہر نفس کو اس کے عمل کی جزا دی جائے اگر اس جملہ کا تعلق آتیۃٌ سے ہے تو معنی ظاہر ہیں کہ قیامت کے آنے کی حکمت و مصلحت یہ ہے کہ دنیا دار الجزاء نہیں بلکہ دار العمل ہے بعض اوقات دنیا میں بھی قدرے جزاء مل جاتی ہے مگر وہ جزاء کامل نہیں ہوتی بلکہ جزاء کا ایک نمونہ ہوتی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسا وقت آئے کہ جہاں ہر نیک و بد عمل کی کامل جزاء دی جائے ورنہ تو یہ انصاف کے تقاضہ کے خلاف ہوگا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کا قیام عقلاً بھی ضروری ہے قیامت اور موت کے وقت کو مخفی رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قیام قیامت اور احتضار کے وقت توبہ کے قبول سے منع فرمایا ہے اگر لوگوں کو موت یا قیامت کا متعین وقت معلوم ہو جائے تو معصیت میں مبتلا رہیں گے پھر وقت سے کچھ پہلے توبہ واستغفار کرلیں گے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قیامت اور موت کے وقت کو مخفی رکھا ہے تا کہ بندہ ہمہ وقت ڈرتا رہے فَلَا يَصُدَّنَّكَ اس میں خطاب گو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہے مگر سنانا مقصود امت کو ہے اس لئے کہ نبی معصوم ہوتا ہے اس سے گناہ کبیرہ کا صدور نہیں ہوسکتا یا مقصد یہ ہے کہ اے موسیٰ جس طرح تم اب تک ایمان بالقیامۃ پر قائم رہے ہو آئندہ بھی اسی طرح قائم رہنا کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی ایسا شخص جو قیامت پر ایمان نہ رکھتا ہو اور اپنی خواہشات نفسانی کے پیچھے دوڑ رہا ہو آپ کو قیامت کے معاملہ میں غفلت میں ڈالدے اگر بالفرض ایسا ہوا تو تم بھی ہلاکت میں پڑ جاؤ گے۔

وَمَا تِلْكَ رب العالمین کی طرف سے یہ ایک دوستانہ انداز خطاب ہے تا کہ حیرت انگیز مناظر دیکھنے اور کلام ربانی سننے کے بعد جو ہیبت اور دہشت حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر طاری ہوگئی تھی وہ اس بے تکلفانہ کلام سے دور ہو جائے، اس کے علاوہ اس سوال میں یہ حکمت بھی ہے آئندہ چل کر اس عصا کو جوان کے ہاتھ میں تھا ایک سانپ بنانا تھا اس لئے پہلے ان کو متنبہ کر دیا اور فرمایا اے موسیٰ کیا تیرے ہاتھ میں عصا نہیں ہے خوب اچھی طرح دیکھ لے جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھ لیا کہ لکڑی کا عصا ہے تب اس کو سانپ بنانے کا معجزہ ظاہر کیا گیا ورنہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ مغالطہ اور احتمال ہوسکتا تھا کہ کہیں رات کی تاریکی میں عصا کی بجائے سردی سے ٹھٹھرا ہوا سانپ نہ اٹھالیا ہو اور اب گرمی پاکر حرکت کرنے لگا ہو۔

قَالَ هِيَ عَصَايَ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صرف اتنا سوال ہوا تھا کہ اے موسیٰ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ اس کا اتنا جواب کافی تھا کہ لاٹھی ہے، مگر یہاں موسیٰ نے اصل جواب پر تین باتیں مزید فرمائیں جن کا جواب سے کوئی تعلق نہیں ہے، اول تو یہ کہ یہ میری لاٹھی ہے دوسرے یہ کہ اس سے بہت سے کام لیتا ہوں مثلاً یہ کہ میں اس سے ٹیک لگاتا ہوں، نیز اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑ لیتا ہوں اس کے علاوہ بھی اس سے اور بہت سے کام لیتا ہوں مثلاً یہ کہ اگر کودنے کی ضرورت پڑ جاتی ہے تو اس کے سہارے سے کود جاتا ہوں ضرورت کے وقت اس پر اپنا سامان بھی کندھے پر رکھ کر ٹانگ لیتا ہوں، موذی جانوروں کو دفع کرنے کا کام بھی اسی سے لیتا ہوں اور یہ عصا بکریاں ہانکنے کے کام بھی آتا ہے، اس طویل اور تفصیلی جواب میں عشق ومحبت اور اس کے ساتھ رعایت ادب کی جامعیت کا کمال ظاہر ہوتا ہے، عشق ومحبت کا تقاضہ ہے کہ جب محبوب مہربان ہو کر متوجہ ہو تو موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بات دراز کی جائے تا کہ زیادہ سے زیادہ ہمکلامی کا شرف حاصل ہو سکے اور بے جا طوالت بھی نہ

ہو جیسا کہ آخر میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ولِیَ فیھا مآربُ اخریٰ (معارف القرآن ملخصاً) فرعون کے پاس بھیجنے سے پہلے عصا کے سانپ بننے کا عملی تجربہ بھی کرادیا تاکہ اچانک عصا کے سانپ بننے کی وجہ سے بشری خوف غالب نہ آجائے، چنانچہ عملی تجربہ کے وقت ایسا ہی ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس خوفناک منظر کو دیکھ کر خوف زدہ ہوگئے، اللہ تعالیٰ کو کہنا پڑا، لاتخف سَنعیدُھا سیرتھا الاولٰی.

اِذْھَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول کو دو عظیم معجزوں سے مسلح کرنے کے بعد حکم دیا کہ اب فرعون سرکش کو دعوت ایمان دینے کے لئے چلے جائیں۔

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ﴿۲۵﴾ وسِّعه لتحمل الرِّسالة وَيَسِّرْ سَهِّل لِیْٓ اَمْرِیْ ﴿۲۶﴾ لأبلغها وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ﴿۲۷﴾ حدثت من احتراقه بجمرة وضعها وهو صغير بفيه يَفْقَهُوْا يفهموا قَوْلِیْ ﴿۲۸﴾ عند تبليغ الرسالة وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِيْرًا معينا عليها مِّنْ اَهْلِیْ ﴿۲۹﴾ هٰرُوْنَ مفعول ثان اَخِی ﴿۳۰﴾ عطف بيان اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِیْ ﴿۳۱﴾ ظهري وَاَشْرِكْهُ فِیْٓ اَمْرِیْ ﴿۳۲﴾ اي الرسالة والفعلان بصيغتي الامر او المضارع المجزوم وهو جواب للطلب كَیْ نُسَبِّحَكَ تسبيحا كَثِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَّنَذْكُرَكَ ذكرا كَثِيْرًا ﴿۳۴﴾ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴿۳۵﴾ اي عالما فانعمت بالرسالة قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰی ﴿۳۶﴾ منا عليك وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓی ﴿۳۷﴾ اِذْ للتعليل اَوْحَيْنَآ اِلٰٓی اُمِّكَ مناما او الهاما لما ولدتك وخافت ان يقتلك فرعون في جملة من يولد مَا يُوْحٰٓی ﴿۳۸﴾ في امرك ويبدل منه اَنِ اقْذِفِيْهِ القيه فِی التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ بالتابوت فِی الْيَمِّ بحر النيل فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ اي شاطئه والامر بمعنى الخبر يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّیْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ وهو فرعون وَاَلْقَيْتُ بعد ان اخذك عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ لتحب من الناس فاحبك فرعون وكل من رآك وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَيْنِیْ ﴿۳۹﴾ تربى على رعايتي وحفظي لك اِذْ للتعليل تَمْشِیْٓ اُخْتُكَ مريم لتتعرف خبرك وقد احضروا مراضع وانت لاتقبل ثدى واحدة منها فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی مَنْ يَّكْفُلُهٗ فاجيبت فجاءت بامه فقبل ثديها فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓی اُمِّكَ كَیْ تَقَرَّ عَيْنُهَا بلقائك وَلَا تَحْزَنَ حينئذ وَقَتَلْتَ نَفْسًا هو القبطي بمصر فاغتممت لقتله من جهة فرعون فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا اختبرناك بالايقاع في غير ذلك وخلصناك منه فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ عشرا فِیْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ بعد مجيئك اليها من مصر عند شعيب النبي وتزوجك بابنته ثُمَّ جِئْتَ عَلٰی قَدَرٍ في علمي بالرسالة وهو اربعون سنة من عمرك يّٰمُوْسٰی ﴿۴۰﴾ وَاصْطَنَعْتُكَ اخترتك لِنَفْسِیْ ﴿۴۱﴾ بالرسالة اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ الى الناس بِاٰيٰتِیْ التسع وَلَا تَنِيَا تفترا فِیْ ذِكْرِیْ ﴿۴۲﴾ بتسبيح وغيره.

ترجمہ: موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا اے میرے رب میرا سینہ کھول دے (حوصلہ زیادہ کردے) یعنی میرے سینہ کو وسیع

کردے تاکہ (بار) رسالت کا متحمل ہوسکے، اور میرے لئے میرا یہ (تبلیغ) کا کام آسان فرمادے اور میری زبان کی گرہ کو کھول دے جو کہ اس چنگاری سے جلنے کی وجہ سے پڑ گئی تھی کہ جس کو بچپن میں منہ میں رکھ لیا تھا تاکہ لوگ پیغام رسانی کے وقت میری بات سمجھ سکیں، اور میرا کوئی وزیر کار رسالت میں معاون میرے خاندان میں سے مقرر کردیجئے ھارون مفعول ثانی ہے اور اَخِیْ ھارون سے عطف بیان ہے یعنی ہارون کو جو کہ میرے بھائی ہیں اس کے ذریعہ میری پیٹھ مضبوط کردیجئے اور اس کو میرے معاملہ یعنی کار رسالت میں میرا شریک کردے اور دونوں فعل (یعنی اُشْدُدْ اور اَشْرِکْہُ) امر کے صیغہ بھی ہوسکتے ہیں، اور مضارع مجزوم کے بھی، اور مضارع جواب امر (ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے) تاکہ ہم دونوں کثرت سے تیری تسبیح بیان کریں اور تیرا کثرت سے ذکر کریں بے شک آپ ہمارے حالات سے بخوبی واقف ہیں یہی وجہ ہے کہ تو نے رسول بنا کر انعام فرمایا ارشاد فرمایا اے موسیٰ تجھ پر احسان کرتے ہوئے ہم نے تیری درخواست کو قبول فرمالیا اور اے موسیٰ اس کے علاوہ بھی ہم تجھ پر احسان کرچکے ہیں اِذْ تعلیلیہ ہے جبکہ ہم نے تیری ماں کو خواب میں یا الہام کے ذریعہ تیرے بارے میں وہ بات بتادی جو بذریعہ الہام بتانے کے لائق تھی جب کہ تیری ماں نے تجھ کو جنا تھا اور اس کو یہ خوف ہوا تھا کہ فرعون منجملہ (دیگر نومولود) بچوں کے تجھ کو قتل کردے گا اور اَنِ اقْذِفِیْہِ فِی التَّابُوْتِ، مَا یُوْحٰی سے بدل ہے وہ یہ کہ ان کو تابوت میں بند کرکے دریائے نیل میں ڈالدے، پھر دریا ان کو ساحل پر ڈالدے گا یعنی اپنے کنارے پر اور (فَلْیُلْقِہٖ) امر بمعنی خبر ہے، آخر کار اس کو ایسا شخص پکڑ لے گا جو کہ میرا بھی دشمن ہے اور اس کا بھی اور وہ فرعون ہے، اور بعد اس کے کہ ان لوگوں نے تجھ کو پکڑ لیا میں نے تجھ پر اپنی طرف سے محبت ڈالدی تاکہ تو لوگوں کے نزدیک محبوب ہوجائے اور پھر فرعون اور ہر وہ شخص جو تجھ کو دیکھے گا تجھ سے محبت کرنے لگے اور تاکہ تم میری نگرانی رعایت وحفاظت میں پرورش پاؤ اذ تعلیلیہ ہے (یہ اس وقت کی بات ہے) جب تیری بہن مریم تیری خبر گیری کے لئے چل رہی تھی اور ان لوگوں نے بہت سی دودھ پلانے والیوں کو بلایا تھا اور تو ان میں سے کسی کے پستانوں کو قبول نہیں کرتا تھا تو (مریم) کہنے لگی کیا میں تم لوگوں کو ایسا شخص بتادوں جو اس کی کفالت کرے؟ چنانچہ اس کی بات منظور کرلی گئی بعد ازاں وہ اس کی ماں کو بلا لائی اور اس نے اس کے پستانوں کو قبول کرلیا، پھر ہم نے تم کو تمہاری ماں کے پاس پہنچا دیا تاکہ اس کی آنکھیں تیری ملاقات سے ٹھنڈی ہوں اور ان کو اس وقت کوئی غم نہ رہے (ایک ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے) یعنی تو نے اپنی ماں کا دودھ قبول کرلیا تو اب تجھ کو کوئی غم نہ ہونا چاہئے، اور تو نے ایک قبطی شخص کو مصر میں قتل کردیا تھا اور اس کے قتل کی وجہ سے تو فرعون کی طرف سے مغموم تھا پھر ہم نے تم کو اس غم سے نجات دی پھر ہم نے تم کو مختلف قسم کی آزمائشوں میں ڈالا (یعنی) اس کے علاوہ بھی ہم نے تم کو آزمائشوں میں مبتلا کیا اور پھر ان سے تجھ کو خلاصی دی پھر اہل مدین میں تم کئی (دس) سال رہے مصر سے مدین آنے کے بعد شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس اور تم نے اس کی بیٹی سے نکاح کیا پھر تم ایک خاص عمر کو پہنچے جو کہ میرے علم میں رسالت کے لئے مقدر تھی اور وہ تیری عمر کے چالیس سال تھے اے موسیٰ میں نے تم کو اپنی رسالت کے لئے منتخب کرلیا لہٰذا (اب) تم اور تمہارے بھائی میری نو نشانیاں لیکر لوگوں کے

پاس جاؤ اور میری یادگاری میں کوتاہی سستی سے کام نہ لینا (یعنی) تسبیح وغیرہ میں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: یَفْقَهُوْا جواب دعاء ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے، وَزِیْرًا وَزْرٌ سے صیغہ صفت ہے، مددگار، ناصر، معین، بقول مفسر علام وَزِیْرًا اِجْعَل کا مفعول اول ہے اور ہارون مفعول ثانی ہے، اس کا عکس اولٰی ہے اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب دو مفعول جمع ہوں ان میں ایک معرفہ ہو اور دوسرا نکرہ، تو معرفہ کو مفعول اول بناتے ہیں اس لئے کہ مفعول اول مبتداء ہوتا ہے جس کو معرفہ ہونا چاہیے اور مفعول ثانی خبر ہوتی ہے جس کے لئے نکرہ ہونا مناسب ہے اور یہاں ہارون معرفہ اور وزیـــرًا نکرہ ہے مقصود بالعنایت اور اہم ہونے کی وجہ سے مفعول ثانی کو مقدم کر دیا گیا ہے۔

دوسری ترکیب: وزیـرًا مفعول اول ہو اور لِیْ مفعول ثانی اور ہارون بدل یا عطف بیان ہو اُشْدُدْ، اُشْـرِكْ یہ دونوں صیغے جب مضارع واحد متکلم ہوں گے تو اَشْدُدْ میں ہمزہ کا فتحہ ہوگا اور اُشْـرِكْهُ میں ہمزہ کا ضمہ ہوگا اور جواب دعاء ہونے کی وجہ سے دال ثانی اور کاف ساکن ہوں گے اس صورت میں دونوں فعلوں کی نسبت حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف ہوگی مطلب یہ ہوگا تاکہ میں اس کے ذریعہ اپنی پیٹھ مضبوط کروں اور اس کو اپنا شریک کار بناؤں اور اگر دونوں امر کے صیغہ ہوں تو اُشْـدُد ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ ہوگا (ن،ض) اور اَشْـرِكْ ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہوگا اس صورت میں دونوں فعلوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگی یعنی اے اللہ تو میرے بھائی کے ذریعہ میری پیٹھ مضبوط کر دے اور اس کو میرا شریک کار بنادے اُشْدُدْ کا جب اَخِی کے ساتھ وصل کریں گے تو ہمزہ ساقط ہو جائے گا اَزْرِیْ الْاَزر قوت، پشت سُؤْلَكَ سُؤْلٌ بروزن فُعْلٌ جیسا کہ خُبْزٌ بمعنی مَخْبُوْزٌ فُعْلٌ بمعنی مَفْعُوْلٌ ہے کاف کی طرف مضاف ہے بمعنی درخواست، تمنا، خواہش اِذْ اَوْحَیْنَا مننا کا ظرف ہے اور اِذْ اَوْحینا مَرَّۃً سے بدل بھی ہو سکتا ہے اور اِذْ تعلیلیہ بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ مفسر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے صراحت کی ہے مفسر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا منامًا اور الهامًا کا اضافہ کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ وحی رسالت نہیں تھی بلکہ وحی لغوی تھی اِقْـذِفِـیْ قَـذْفٌ (ض) واحد مونث حاضر اس کے آخر میں ہ ضمیر واحد مذکر غائب مفعول ہے (تو اس کو ڈالدے، رکھدے) یُـلْـقِـہِ اِلـقـاءٌ سے امر کا واحد مذکر غائب بمعنی خبر ہے ضمیر مفعولی ہے، اس کو ڈالدے، پھینک دے اَلْیَمُّ البحر مراد دریائے نیل ہے یَاْخُذْہُ جواب امر ہے مِنِّی اَلْقَیْتُ کے متعلق ہے اور کائنۃً محذوف کے متعلق ہو کر محبۃً کی صفت بھی ہو سکتی ہے۔

قِوْلُہٗ: لِتُحَبَّ یہ اَلْقَیْتُ کی علت ہے اس کو محذوف اس لئے مانا کہ لِتُصْنَعَ کا عطف درست ہو جائے ای لِتُحَبَّ وتصْنَعَ اِذْ تـمشیٰ کا تعلق مذکور دونوں فعلوں میں سے کسی ایک سے ہو سکتا ہے اور یہ بھی درست ہے کہ اِذْ اولیٰ سے بدل ہو، اس لئے کہ بہن کا ساتھ ساتھ چلنا بھی احسان ہی تھا اور اذکـــر محذوف مان کر تقدیر عبارت یہ بھی ہو سکتی ہے اُذکر اِذْ تمشی.

قِوْلَہُ: مَرَاضِعَ مُرْضِعَةٌ کی جمع ہے دودھ پلانے والی کو کہتے ہیں فُتُوْنًا مفعول مطلق ہے ای اِبْتَلَیْنَاكَ اِبْتَلاءً اور فِتْنَةٌ کی جمع بھی ہوسکتی ہے جیسے بَدْرة کی جمع بُدورٌ ای فتنّاكَ بِفُتُوْن کثیرَة مفسر علام نے فاجیبت کو محذوف مانا ہے تاکہ فرجعناك کا عطف درست ہوجائے اِصْطَنَعْتُكَ (افتعال) اِصْطِنَاعٌ درستگی میں مبالغہ کرنا منتخب کرنا تَنِیَا وَنیٰ یَنِیْ وَنْیًا سستی کرنا (ض) تثنیہ مذکر حاضر لَا تَنِیَا سستی نہ کرو الی الناس یہاں فرعون کو آئندہ پر قیاس کرتے ہوئے حذف کردیا گیا ہے جس طرح کہ وہاں آیاتی کو اس پر قیاس کرکے حذف کردیا گیا ہے اس کو صنعت احتباک کہتے ہیں یعنی نظیر کو نظیر پر قیاس کرتے ہوئے حذف کردینا۔

قِوْلَہُ: اَلتِّسعُ مفسر علام التسع کے بجائے العصا والید فرماتے تو مناسب ہوتا، اس لئے کہ ابتداءً صرف یہی دو معجزے عطا کیے گئے تھے باقی معجزات دوسری مدت کے دوران عطا کیے گئے اب رہا یہ سوال کہ دو معجزوں پر جمع کا اطلاق کیونکر درست ہے؟

جَوَابُ: یہ دونوں معجزے چونکہ متعدد معجزات پر مشتمل تھے اس لئے جمع سے تعبیر کرنا درست ہے۔

تفسیر وتشریح

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب کلام الٰہی کا شرف خاص حاصل ہوا اور منصب نبوت ورسالت عطا ہوا تو اپنی ذات پر بھروسہ کرنے کے بجائے حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگئے اور اس وقت پانچ دعائیں مانگیں۔

پہلی دعاء:

رب اشرح لی صدری اے میرے رب میرا سینہ کشادہ فرمادے یعنی اس میں ایسی وسعت عطا فرمادے کہ جو علوم نبوت کا متحمل ہوسکے اور دعوت وتبلیغ کے کام میں جو شدائد ومصائب پیش آتے ہیں ان کو برداشت کرسکے۔

دوسری دعاء:

وَيَسِّرْلِیْ اَمْرِی یعنی میرا یہ کام آسان کردے اس لئے کہ کسی کام کا آسان یا دشوار ہونا سب اسی کے قبضہ قدرت میں ہے اگر وہ چاہے تو آسان کو مشکل اور مشکل کو آسان کردے۔

تیسری دعاء:

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ الخ یعنی میری زبان کی بندش کھول دے تاکہ لوگ میری بات سمجھنے لگیں، اس بندش کا واقعہ یہ ہے کہ ایک روز ایسا ہوا کہ فرعون حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی گود میں لئے ہوئے تھا کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک ہاتھ سے فرعون کی ڈاڑھی پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے اس کے گال پر طمانچہ رسید کردیا، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

کھیل رہے تھے ان کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس سے وہ کھیل رہے تھے اچانک فرعون کے سر پر ماردی فرعون کو غصہ آیا اور اس کے قتل کرنے کا اردہ کرلیا، غالباً فرعون کو یہ شک ہو گیا کہ ہوسکتا ہے یہ وہی اسرائیلی بچہ ہو جس کے ذریعہ میری سلطنت کا خاتمہ نجومیوں نے بتایا ہے، فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم نے کہا شاہا! آپ بچہ کی بات کا خیال کرتے ہیں جس کو کسی چیز کی عقل و تمیز نہیں، اور اگر آپ چاہیں تو تجربہ کرلیں چنانچہ ایک طشت میں انگارے اور دوسرے میں جواہر پارے لا کر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے رکھدیجئے خیال یہ تھا کہ انگارے چونکہ جواہرات کے مقابلہ میں زیادہ روشن اور چمکدار ہوتے ہیں لہٰذا بچوں کی عادت کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی انگاروں کی طرف ہاتھ بڑھائیں گے جس سے فرعون کو یقین آجائے گا کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کچھ کیا وہ بچپن کی نادانی کی وجہ سے کیا ہے مگر اتفاق کی بات کہ حضرت موسیٰ نے ہاتھ جواہرات کی طرف بڑھایا مگر جبرائیل امین نے ان کا ہاتھ آگ کے انگاروں کی طرف کردیا، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بچوں کی عادت کے مطابق ایک چنگاری ہاتھ میں اٹھا کر منہ میں رکھ لی جس کی وجہ سے زبان جل گئی، فرعون کو اس بات کا یقین آگیا کہ موسیٰ کا یہ عمل کسی شرارت کا نتیجہ نہیں بلکہ بچپن کی نادانی کا نتیجہ ہے، آگ کی وجہ سے زبان کے جل جانے کو قرآن میں عقدۃ کہا گیا ہے اور اسی کو کھولنے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا مانگی تھی، جو کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے قبول فرمائی مگر قلیل مقدار میں بستگی کا اثر باقی رہ گیا تھا یہ قبولیت دعا کے منافی نہیں ہے۔

چوتھی دعاء:

وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ میرا ایک معاون میرے خاندان سے عطا فرما جو میرا شریک ہو کر میرا ہاتھ بٹا سکے، چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ دعا بھی قبول فرمائی اور ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کا شریک کار بنادیا حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام اس وقت مصر میں تھے اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کے ذریعہ ان کی نبوت کی اطلاع دیدی۔

پانچویں دعاء:

وَاَشْرِكْهُ فِیْ اَمْرِیْ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنا وزیر اور معاون بنانا چاہا یہ اختیار تو ان کو خود حاصل تھا صرف تبرکاً اس کام کی اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی مگر ساتھ ہی یہ بھی چاہتے تھے کہ نبوت اور رسالت میں شریک کردیں یہ اختیار کسی رسول یا نبی کو خود نہیں ہوتا، اس لئے اس کی جداگانہ مستقل دعاء کی، حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تین سال بڑے تھے اور تین ہی سال قبل وفات پائی۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَیْكَ مَرَّةً اُخْرٰی اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی ان نعمتوں کو یاد دلا رہے ہیں جو شروع پیدائش سے اب تک زندگی کے ہر دور میں آپ پر مبذول ہوتی رہیں، اور مسلسل آزمائشوں کے درمیان قدرت حق نے کن حیرت انگیز طریقوں سے ان کی حفاظت فرمائی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان نعمتوں کو یاد دلانے کے لئے مَرَّةً اُخْرٰی کا لفظ استعمال فرمایا ہے اس کا مطلب یہ نہیں

کہ یہ نعمتیں بعد کی ہیں اور اس سے پہلے جو نعمتیں شمار کرائی ہیں وہ پہلی ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اخـریٰ کا لفظ کبھی مطلقاً دوسری کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ (روح المعانی)

اِذْ اَوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّكَ یعنی جب وحی بھیجی ہم نے آپ کی والدہ کے پاس ایک ایسے معاملہ میں کہ جو صرف وحی ہی سے معلوم ہوسکتا تھا وہ یہ کہ فرعونی سپاہی جو کہ اسرائیلی لڑکوں کو قتل کرنے پر مامور تھے ان سے بچانے کے لئے آپ کی والدہ کو بذریعہ وحی بتلایا گیا کہ ان کو ایک تابوت میں بند کر کے دریا میں ڈالدیں اور ان کے ہلاک ہونے کا اندیشہ نہ کریں، ہم ان کی حفاظت کریں گے اور پھر آپ کے پاس ہی واپس پہنچادیں گے ظاہر ہے کہ یہ باتیں عقل وقیاس کی نہیں ہیں اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور ان کی حفاظت کا ناقابل قیاس انتظام صرف اسی کی طرف سے بتلانے پر ہی معلوم ہوسکتا ہے۔ (معارف القرآن)

کیا وحی غیر نبی ورسول کی طرف بھی آسکتی ہے؟

صحیح بات یہ ہے کہ لفظ وحی کے لغوی معنی ایسے خفیہ کلام کے ہیں کہ جو صرف مخاطب کو معلوم ہوں دوسرے اس پر مطلع نہ ہوں اس لغوی معنی کے اعتبار سے وحی کسی کے لئے مخصوص نہیں، نبی اور رسول بلکہ جانور تک اس میں شامل ہوسکتے ہیں اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ میں شہد کی مکھی کو بذریعہ وحی تلقین وتعلیم کرنے کا ذکر اسی معنی کے اعتبار سے ہے اور اَوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّكَ بھی اس معنی لغوی کے اعتبار سے ہے اس سے ان کا نبی یا رسول ہونا لازم نہیں آتا جیسے حضرت مریم کو ارشادات ربانی پہنچے باوجودیکہ باتفاق جمہور امت وہ نبی یا رسول نہیں تھیں، اس طرح کی لغوی وحی عموماً بذریعہ الہام ہوتی ہے حق تعالیٰ کسی کے قلب میں کوئی مضمون ڈالدیں اور اس پر مطمئن کردیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے جیسے عموماً اولیاء اللہ کو اس قسم کے الہامات ہوتے رہتے ہیں، بلکہ ابوحیان اور بعض دوسرے علماء نے کہا ہے کہ اس طرح کی وحی بعض اوقات کسی فرشتہ کے واسطہ سے بھی ہوسکتی ہے جیسے حضرت مریم کے واقعہ میں اس کی تصریح ہے کہ جبرائیل امین نے بشکل انسانی متشکل ہوکر ان کو تلقین فرمائی مگر اس کا تعلق صرف اس کی ذات سے ہوتا ہے جس کو یہ وحی الہام کی جاتی ہے اصلاح خلق اور تبلیغ دعوت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا، بخلاف وحی نبوت کے کہ اس کا منشا ہی مخلوق کی اصلاح ہے اس کو وحی رسالت اور وحی نبوت کہتے ہیں، اس پر صاحب وحی کو خود بھی ایمان لانا ضروری ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی اپنی وحی پر ایمان لانے کا حکم کرے۔

وحی الہامی یعنی وحی لغوی کا سلسلہ جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گا اور وحی نبوت حضرت خاتم الانبیاء محمد ﷺ پر ختم ہوچکی ہے بعض بزرگوں کے کلام میں اس کو وحی تشریعی اور غیر تشریعی سے تعبیر کیا گیا ہے جس کو مدعی نبوت قادیانی نے شیخ محی الدین ابن عربی کی بعض عبارتوں کے حوالہ سے اپنے دعوائے نبوت کے جواز کی دلیل بنایا ہے جو خود ابن عربی کی تصریحات سے باطل ہے۔

موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ کا نام:

روح المعانی میں ہے کہ ان کا مشہور نام یُوحانِذ ہے اور اتقان میں ان کا نام لَحْیَانَہ بنت یصمد بن لاوی لکھا ہے اور بعض لوگوں نے ان کا نام بارخا اور بعض نے باذخت بتلایا ہے، تعویذ گنڈے والے ان کے نام کی عجیب و غریب خصوصیات بیان کرتے ہیں، صاحب روح المعانی نے فرمایا کہ ہمیں اس کی کوئی بنیاد معلوم نہیں ہوئی اور غالب یہ ہے کہ یہ خرافات میں سے ہے۔

فَلْيُلْقِهِ اليمُّ بالسَّاحِلِ، يمٌّ بمعنی دریا ہے اور دریا سے بحر نیل مراد ہے آیت میں ایک حکم تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ ماجدہ کو دیا گیا ہے کہ اس بچہ کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈالدے اور دوسرا حکم بصیغہ امر دریا کے نام ہے کہ وہ اس تابوت کو دریا کے کنارے پر ڈالدے دریا چونکہ بظاہر بے حس اور بے شعور ہے اس کو حکم دینے کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا اسی لئے بعض حضرات نے یہ قرار دیا کہ اگر چہ یہاں صیغہ امر بمعنی الحکم استعمال ہوا ہے مگر مراد اس سے حکم نہیں ہے بلکہ خبر دینا ہے کہ دریا اس کو کنارے پر ڈالدے گا مگر محققین علماء کے نزدیک یہ امر اپنے ظاہر پر امر اور حکم ہی ہے اور دریا ہی اس کا مخاطب ہے کیونکہ ان کے نزدیک دنیا کی کوئی شئ حتی کہ درخت اور پتھر بے شعور نہیں بلکہ سب میں عقل و ادراک موجود ہے، اور یہی عقل و ادراک ہے جس کے سبب یہ سب چیزیں حسب تصریح قرآن تسبیح میں مشغول ہیں، البتہ جنوں اور انسانوں کے علاوہ کسی میں عقل و شعور اتنا مکمل نہیں جن کو حلال و حرام کا مکلّف بنایا جا سکے۔

یاخُذْہ عَدُوٌّ لِّی وعَدُوٌّ لَہٗ یعنی اس بچہ کو ایسا شخص اٹھالے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور موسیٰ کا بھی، مراد فرعون ہے، فرعون کا دشمن خدا ہونا تو اس کے کفر کی وجہ سے ظاہر ہے مگر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دشمن کہنا اس لئے محل غور ہے کہ اس وقت تو فرعون حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دشمن نہیں تھا بلکہ ان کی پرورش پر زر کثیر خرچ کر رہا تھا پھر اس کو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دشمن فرمانا یا تو انجام کے اعتبار سے ہے کہ بالآخر فرعون اس کا دشمن ہو جائے گا کیونکہ فرعون کا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دشمن ہو جانا اللہ کے علم میں تھا، اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جہاں تک فرعون کی ذات کا تعلق ہے وہ فی نفسہٖ اس وقت بھی دشمن ہی تھا اس نے حضرت موسیٰ کی تربیت صرف بیوی کی خاطر گوارا کی تھی، اور جب اس میں بھی اس کو شبہ ہوا تو اسی وقت قتل کا حکم دے دیا تھا جو حضرت آسیہ کی تدبیر اور دانشمندی کے ذریعہ ختم ہوا۔ (روح و مظہری)

وَالْقَیْتُ عَلَیْكَ محبةً مِنِّی اس جگہ لفظ محبت مصدر بمعنی محبوبیت ہے اور مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنی عنایت اور رحمت سے آپ کے وجود میں ایک محبوبیت کی شان رکھ دی تھی کہ جو آپ کو دیکھے گا آپ سے محبت کرنے لگے گا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور عکرمہ سے یہی تفسیر منقول ہے۔

وَلِتُصْنَعَ علیٰ عَیْنِی لفظ صنعت سے یہاں عمدہ تربیت مراد ہے جیسا کہ عرب میں صَنَعْتُ فَرَسِی کا محاورہ اسی معنی میں معروف ہے کہ میں نے اپنے گھوڑے کی اچھی تربیت کی اور علیٰ عَیْنِی سے مراد علیٰ حفظی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے

ارادہ فرمایا تھا کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بہترین تربیت براہ راست حق تعالیٰ کی نگرانی میں ہو اس لئے مصر کی سب سے بڑی ہستی یعنی فرعون کے ہاتھوں ہی اس کے گھر میں یہ کام اس طرح لیا گیا کہ وہ اس سے بے خبر تھا کہ میں اپنے ہاتھوں اپنے دشمن کو پال رہا ہوں۔ (مظہری)

اِذْ تَمْشِیْ اُخْتُكَ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بہن کا اس تابوت کے تعاقب میں جانا اور اس کے بعد کا قصہ جس کا اجمال اس آیت میں آیا ہے جس کے آخر میں ہے وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا یعنی ہم نے آپ کی آزمائش کی بار بار (قالہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما) یا آپ کو مبتلاء آزمائش کیا بار بار (قالہ ضحاک رحمہ اللہ تعالیٰ) اس کی پوری تفصیل سنن نسائی کی ایک طویل حدیث میں بروایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما آئی ہے۔ (قصہ کی تفصیل کے لئے معارف القرآن جلد ششم کی طرف رجوع کریں)

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى بادِّعاءِ الرُّبُوْبِيَّةِ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا فی رُجُوْعِهٖ عن ذٰلك لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ يَتَّعِظُ اَوْ يَخْشٰى اللّٰهَ فيَرجِعُ والتَّرَجِّيْ بالنِّسبَةِ اليهما لعِلمِهٖ تعالىٰ بانّه لايَرجِعُ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اى يَعجَلَ بالعُقُوبَةِ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى علينا اى يَتَكَبَّرَ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ بعَونِيْ اَسْمَعُ ما يقُول وَاَرٰى ما يفعَلُ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الى الشّام وَلَا تُعَذِّبْهُمْ اى خَلِّ عنهم مِن اسْتِعْمالِكَ اِيّاهم فى اَشْغالِكَ الشّاقَّةِ كالحَفرِ والبِناءِ وحَمْلِ الثَّقِيلِ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ بحُجَّةٍ مِّنْ رَّبِّكَ على صِدقِنا بالرِّسالَةِ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى اى السَّلامَةُ له مِنَ العَذاب اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ بما جِئنا به وَتَوَلّٰى اَعْرَضَ عنه فاَتَياه وقالا له جَمِيعَ ما ذُكِرَ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى اِقتَصَرَ عليه لانه الاَصْلُ ولِاِدْلالِهٖ عليه بالتَّربِيَةِ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ من الخَلْقِ خَلْقَهٗ الذى هو عليه مُتَمَيِّزٌ به عن غيره ثُمَّ هَدٰى الحَيَوانَ منه الى مَطعَمِهٖ ومَشرَبِهٖ ومَنْكَحِهٖ وغير ذٰلك قَالَ فِرعَوْنُ فَمَا بَالُ حالُ الْقُرُوْنِ الاُمَمِ الْاُوْلٰى كقَومِ نُوحٍ وهُودٍ ولُوطٍ وصَالِحٍ فى عِبادَتِهم الاَوْثانَ قَالَ موسى عِلْمُهَا اى عِلْمُ حالِهم مَحْفُوظٌ عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ هو اللَّوحُ المَحفُوظُ يُجازِيهِم عليها يَومَ القِيٰمةِ لَا يَضِلُّ يَغِيبُ رَبِّيْ عن شئٍ وَلَا يَنْسَى ربي شَيْئًا الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ فى جُملَةِ الخَلْقِ الْاَرْضَ مَهْدًا فِراشًا وَّسَلَكَ سَهَّلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا طُرُقًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مَطَرًا قال تعالىٰ تَتْمِيمًا لما وَصَفَه به موسى وخِطابًا لِاَهلِ مَكَّةَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا اَصنافًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى صِفَةُ اَزْواجًا اى مُخْتَلِفَةَ الاَلوانِ والطُّعُومِ وغيرِهما وشَتّٰى جَمْعُ شَتِيتٍ كمَرِيضٍ ومَرضٰى مِن شَتَّ الاَمرُ تَفَرَّقَ كُلُوْا منها وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ فيها جَمْعُ نَعَمٍ هى الاِبلُ والبَقَرُ والغَنَمُ يقال رَعَتِ الاَنعامُ ورَعَيْتُها والاَمرُ للاِباحَةِ وتَذكِيرِ النِّعمَةِ والجُملَةُ حالٌ من ضَمِيرِ اَخرَجنا اى مُبِيحِينَ لكم الاَكلَ ورَعْيَ الاَنعام اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ المَذكُورِ منا لَاٰيٰتٍ لعِبَرًا لِّاُولِي النُّهٰى لاَصحابِ العُقُولِ جَمْعُ نُهْيَةٍ

كَغُرْفَةٍ وغُرَفٍ سُمِّيَ به العَقْلُ لِأَنَّهُ يَنْهىٰ صَاحِبَهُ عَنْ اِرْتِكَابِ القَبَائِحِ.

ترجمہ: تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اس نے دعوائے ربوبیت کر کے بڑی سرکشی کی ہے دعوائے ربوبیت سے رجوع کرنے کے بارے میں اسے نرمی سے سمجھاؤ شاید کہ وہ سمجھ جائے یا اللہ سے ڈر جائے اور باز آ جائے اور ترجی کا صیغہ حضرت موسیٰ اور ان کے بھائی کے اعتبار سے ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو تو معلوم تھا کہ وہ باز نہیں آئے گا (پھر ترجی کے صیغہ کے استعمال کا کوئی مطلب نہیں رہتا) تو دونوں نے عرض کیا اے ہمارے پروردگار ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں ہمارے اوپر زیادتی کر بیٹھے یعنی سزا میں جلد بازی کر بیٹھے یا ہمارے اوپر شرارت کرنے لگے یعنی تکبر سے پیش آئے، تو ارشاد ہوا اندیشہ نہ کرو کیونکہ میں مدد سے تم دونوں کے ساتھ ہوں جو کچھ وہ کہے گا اس کو میں سنوں گا اور جو کچھ وہ کرے گا میں اس کو دیکھوں گا اب اس کے پاس جاؤ اور کہو ہم تیرے رب کے فرستادے ہیں لہٰذا بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ شام کی طرف جانے دے اور ان کو تکلیف مت پہنچا یعنی مشقت کے کاموں میں ان کا استعمال بند کر دے، جیسا کہ کھدائی کا کام اور معماری کا کام اور بار برداری کا کام ہم تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے نشانی یعنی دعوائے رسالت کی صداقت پر دلیل لیکر آئے ہیں اور ایسے شخص کے لئے سلامتی ہے جس نے ہدایت کا اتباع کیا یعنی ایسے شخص کے لئے عذاب سے سلامتی ہے ہمارے پاس وحی بھیجی گئی ہے کہ عذاب اس شخص پر ہوگا جس نے ہماری لائی ہوئی شئ کی تکذیب کی اور اس سے اعراض کیا چنانچہ دونوں بھائی اس کے پاس گئے اور جو کچھ مذکور ہوا سب کہہ دیا تو وہ کہنے لگا اے موسیٰ تم دونوں کا رب کون ہے؟ (خطاب میں) موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر اقتصار کیا اس لئے کہ موسیٰ ہی (رسالت) میں اصل تھے اور فرعون موسیٰ پر تربیت کا احسان جتانا چاہتا تھا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے جواب دیا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شئ کو مخلوق میں سے اس کے مناسب صورت عطا فرمائی جس کی وجہ سے وہ غیر سے ممتاز ہے پھر ہر شئ میں سے حیوان کو اس کے کھانے پینے اور جفتی کرنے وغیرہ کی سمجھ عطا فرمائی فرعون نے کہا کہ اچھا تو پہلی امتوں کا کیا حال ہوا، جیسا کہ قوم نوح اور ہود اور صالح ان کے بتوں کی عبادت کرنے کی وجہ سے، موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے جواب دیا ان کا یعنی ان کے حال کا علم میرے رب کے پاس کتاب لوح محفوظ میں محفوظ ہے قیامت کے دن ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا، نہ تو میرا رب کسی شئ کے بارے میں غلطی کرتا ہے اور نہ کسی شئ کو بھولتا ہے وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے منجملہ مخلوق کے زمین کو فرش بنایا اور زمین میں تمہارے لئے راستے بنائے اور آسمان سے پانی بارش برسائی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے کلام کو پورا کرنے کے لئے اہل مکہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا پھر ہم نے اس پانی کے ذریعہ مختلف نباتات کی مختلف قسمیں پیدا کیں (مِن نباتٍ شتّٰی) ازواجًا کی صفت ہے یعنی مختلف رنگوں اور ذائقے وغیرہ کی، اور شتّٰی شتیت کی جمع ہے جیسا کہ مرضیٰ مریض کی جمع ہے اور یہ شتّی الامر بمعنی تفرق سے (ماخوذ ہے) اس میں سے خود بھی کھاؤ اور اپنے جانوروں کو بھی کھلاؤ (انعام) نَعَمٌ کی جمع ہے اور وہ اونٹ اور گائیں اور بکریاں ہیں بولا جاتا ہے جانور چر گئے اور میں نے ان کو چرایا، صیغہ امر اباحت اور تذکیر نعمت کے لئے ہے

اور جملہ اخرجنا کی ضمیر سے حال ہے یعنی حال یہ کہ ہم تمہارے لئے کھانا، اور جانوروں کو چرانا مباح کرنے والے ہیں، یہاں مذکور تمام چیزوں میں عبرت آمیز نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لئے یعنی نُھٰی نُھْیَةٌ کی جمع ہے جیسا کہ غُرَفٌ غرفةٌ کی جمع ہے بعض حضرات نے نُھٰی کو مفرد بھی کہا ہے عقل کا نام نُھٰی اس لئے رکھا گیا ہے کہ عقل، عقلمند کو قبائح کے ارتکاب سے روکتی ہے، نُھٰی اصل میں نُھَیٌ تھا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

سُوال: اِذْهَبَا اِلٰی فِرْعَوْنَ دونوں کو ایک صیغہ میں جمع کرنے میں کیا مصلحت ہے؟ جبکہ خطاب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہے بلکہ حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام تو اس وقت وہاں موجود بھی نہیں تھے بلکہ مصر میں تھے۔

پہلا جواب: حاضر کو غائب پر ترجیح دینے کی وجہ سے ایسا کیا گیا ہے۔

دوسرا جواب: اللہ تبارک وتعالیٰ نے حجاب منکشف فرما دیا تھا جس کی وجہ سے ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہی کلام ربانی سنا جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سنا تھا، لیکن موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کلام ربانی بلا واسطہ سنا تھا اور ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطہ سے سنا تھا۔

قِوْلَہُ: فی رجوعِهٖ عن ذٰلك ای رجوع الفرعون عن اِدّعاءِ الربوبية.

قِوْلَہُ: فیرجعَ جواب ترجی کی وجہ سے منصوب ہے۔

قِوْلَہُ: وَالترجی بالنسبة الیهما یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے کلمہ ترجی (شک کا کلمہ) کیوں استعمال فرمایا؟ جبکہ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں فرعون کا ایمان نہ لانا متعین تھا۔

جَوَابُ: کلمہ ترجی کا استعمال موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے اعتبار سے ہے نہ کہ اپنی ذات کے اعتبار سے۔

قِوْلَہُ: یَفْرُطَ (ن) فَرْطًا فُرُطًا جلدی کرنا، پیش دستی کرنا، پوری بات سنے بغیر سزا میں جلدی کرنا (روح) فاتیاه اس کا عطف لاتخافا پر ہے اَسمَعُ واریٰ اِنَّنی معکما کی تاکید ہے۔

قِوْلَہُ: بِعَوْنِی کا اضافہ کر کے معیت جسمانی کو باطل کر دیا ہے، یہاں معیت سے مراد اعانت اور نصرت ہے فَاْتِیَاهُ تم بذات خود اس کے پاس جاؤ، نہ یہ کہ کسی کے ذریعہ پیغام پہنچا دو۔

قِوْلَہُ: فأتیاهُ وقالا لهٗ جمیعَ مَاذُکِرَ کو مقدر مان کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ فرعون کا قول قَالَ مَنْ رَّبُّکُما یا مُوسٰی محذوف پر مرتب ہے۔

قِوْلَہُ: اِقْتَصَرَ عَلَیْهِ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے فَمَنْ رَّبُّکُمَا میں ہارون اور موسیٰ دونوں سے خطاب ہے اور یا موسٰی میں نداء صرف موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہے، مفسر علام نے اس کے دو جواب دیئے ہیں، اول جواب یہ ہے کہ ان دونوں حضرات میں اصل حضرت موسیٰ ہی ہیں حضرت ہارون تو معاون اور تابع ہیں لہٰذا اصل کو نداء کے لئے

منتخب کیا، دوسرا جواب لِاِدْلالِہٖ سے دیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اے موسیٰ بچپن میں تیری پرورش تو میں نے کی ہے لہٰذا تیرا رب تو میں ہوں تو میرا رب کس کو قرار دیتا ہے گویا کہ احسان جتانے اور عار دلانے کے لئے خاص طور پر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نداء دی کہ تیرے لئے یہ زیب نہیں دیتا کہ تو میرا رب کسی اور کو قرار دے جبکہ خود تیرا رب میں ہوں بخلاف ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان پر فرعون کا کوئی احسان نہیں تھا۔

قَوْلُہٗ: إدْلالٌ احسان جتانا، ناز نخرے کرنا رَبُّـنَا الذی اعطٰی الخ ربنا مبتداء اور الذی الخ اس کی خبر ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ هُوَ مبتداء محذوف ہو اور ربنا اس کی خبر مبتداء خبر سے مل کر موصوف اور الذی الخ اس کی صفت موصوف صفت سے مل کر مقولہ اَعْطٰی کُلَّ شیءٍ خَلْقَهٗ کُلَّ شيءٍ اعطٰی کا مفعول اول ہے اور خَلْقَهٗ مفعول ثانی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خَلْقَهٗ مفعول اول ہو اور کُلَّ شيءٍ مفعول ثانی، اہتمام کے لئے مفعول ثانی کو مقدم کردیا گیا ہے ای اَعْطٰی خَلْقَهٗ کُلَّ شيءٍ

قال فرعَوْن فمَا بالُ الخ جب فرعون پر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حق پر اور خود کا باطل پر ہونا ظاہر ہوگیا تو ایسی باتیں کرکے کہ جن کا رسالت سے کوئی تعلق نہیں تھا بات کا رخ موڑنے کی کوشش کی تاکہ اس کی ریاست خطرہ میں نہ پڑ جائے، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کی چالبازی کو سمجھ گئے اور بہت مختصر سا جواب دے کر اصل موضوع پر جمے رہے اور فرعون کو بھی موضوع سے نہ ہٹنے دیا اس لئے کہ ایک مناظر کی خوبی یہ ہے کہ مخالف کو موضوع سے ہٹنے نہ دے اس لئے کہ مخالف کے پاس جب کوئی دلیل نہیں رہتی تو وہ موضوع سے ہٹنے کی کوشش کرتا اور غیر متعلق باتیں کرنی شروع کردیتا ہے۔

قَوْلُہٗ: اَلَّذِیْ جَعَلَ لکمُ الارضَ یہ فرعون کے سوال اول کے جواب ہی سے متعلق ہے۔

قَوْلُہٗ: لایَضِلُّ ای لایُخْطِیُٔ ابتداءً یعنی کوئی شئ اس سے چھوٹتی نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: ولایَنسٰی یعنی علم کے بعد ذہول ونسیان نہیں ہوتا اَلَّذِیْ جَعَلَ لکم الارضَ مھدًا اور ثم ھَدٰی کے درمیان مابال القرون الاولیٰ الخ جملہ معترضہ ہے عِلْمها عِند ربی فی کِتاب.

قَوْلُہٗ: ای علم حالهم محفوظ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ھا ضمیر مضاف الیہ سے پہلے حال مضاف محذوف ہے اس لئے کہ کسی کے علم سے مراد اس شئی کے حالات کا علم ہوتا ہے نہ کہ ذات شئی کا، اور محفوظ کا اضافہ کرکے اشارہ کردیا کہ علمها مبتداء خبر محذوف ہے عِلمها بترکیب اضافی مبتداء ہے اور عند ربی خبر اول اور فی کتاب خبر ثانی اور یہ بھی جائز ہے کہ ھٰذا حُلْوٌ حامِضٌ کے مانند دونوں ایک ہی خبر ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عند ربی خبر ہو اور فی کتاب ظرف کی ضمیر مستتر سے حال ہو۔

قال تعالٰی تتمیمًا لِمَا وَصَفَهٗ الخ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فاخرَجْنا بِهٖ الخ یہ بطور حکایت ہے، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس سے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام و انزلَ من السماء ماءً کو مکمل کرکے اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ سے خطاب کیا ہے اور ان پر اپنے احسانات جتاتے ہوئے انعامات کو شمار کرایا ہے اور یہ کلام تارةً اخریٰ پر ختم ہوا ہے۔

قَوْلُہٗ: شَتّٰی یہ فعل ہے اس کا الف علامت تانیث ہے شَتّٰی شَتِیْتٌ کی جمع ہے جیسے مریض کی جمع مرضٰی اور ازواجًا کی صفت ہے نبات کی صفت بھی ہوسکتی ہے کُلُوا وَارْعَوْا اَنْعَامَکُمْ یہ تقدیر مبیحین کے ساتھ اَخْرَجْنَا کی ضمیر سے حال ہے ای اَخْرَجْنَا اَصنافَ النبات مبیحِین لکم الاکلَ ورَعْیَ الانعام مبیحین کے بجائے قائلین بھی مقدر مان سکتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: رَعَتِ الانْعَامُ وَرَعَیْتُھَا کے اضافہ کا مقصد یہ بتاتا ہے کہ رَعٰی لازم اور متعدی دونوں طرح مستعمل ہے۔

تفسیر و تشریح

اِذْهَبَا اِلٰى فِرْعَوْنَ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ وہ دعوائے ربوبیت کر کے حد سے تجاوز کر گیا ہے اور اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا تاکہ وہ نصیحت قبول کرلے اور اس حرکت سے بخوشی باز آجائے یا عذاب الٰہی سے ڈر کر ہی دعوائے ربوبیت سے باز آجائے، اس آیت میں داعیان دین کے لئے ایک اہم اور ضروری اصول بیان کیا گیا ہے فرعون جو کہ خدائی کا دعویدار ظالم وجابر اور اپنی حفاظت کے لئے ہزار ہا بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل کا مجرم تھا، اس کے پاس جب اپنے خاص پیغمبروں کو بھیجا تو یہ ہدایت دیکر بھیجا کہ اس سے نرم گفتگو کریں تاکہ اس کو غور و فکر کا موقع ملے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ فرعون اپنی سرکشی اور گمراہی سے باز آنے والا نہیں ہے، مگر اپنے پیغمبروں کو اس اصول کا پابند کرنا تھا جس کے ذریعہ خلق خدا سوچنے سمجھنے پر مجبور ہو کر خدا کی طرف راجع ہوجائے فرعون کو ہدایت ہو یا نہ ہو مگر اصول وہ ہونا چاہئے جو ہدایت و اصلاح کا ذریعہ بن سکے، آج کل جو بہت سے اہل علم اپنے اختلافات میں ایک دوسرے کے خلاف زبان درازی اور الزام تراشی کو اسلام کی خدمت سمجھ بیٹھے ہیں، انہیں اس پر بہت غور کرنا چاہئے۔

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ الخ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابتداء کلام میں جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو منصب نبوت پر سرفراز فرمایا گیا تھا تو اطمینان دلایا گیا تھا کہ ہم تم کو تقویت عطا کریں گے اور تم کو غلبہ عطا کریں گے وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اللہ تعالیٰ کے ان وعدوں کے بعد پھر یہ خوف و ہراس کیسا؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ پہلا وعدہ کہ ہم تم کو غلبہ عطا کریں گے اور وہ لوگ آپ تک رسائی حاصل نہ کرسکیں گے یہ ایک مبہم اور مجمل وعدہ تھا اس لئے کہ غلبہ سے مراد حجت و دلیل کا غلبہ بھی ہوسکتا ہے اور مادی غلبہ بھی، نیز یہ خیال بھی ہوسکتا ہے کہ ان پر غلبہ تو تب حاصل ہوگا جب وہ دلائل سنیں گے اور معجزات دیکھیں گے مگر خطرہ یہ ہے کہ وہ بات سننے سے پہلے ہی ان پر حملہ کر بیٹھے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ خوف کی چیزوں سے طبعی خوف تو تمام انسانوں کی فطرت ہے انبیاء بھی اس میں شامل ہیں نیز طبعی خوف نبوت کے منافی بھی نہیں ہے، یہ ہر نبی کو پیش آتا ہے، خود موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی ہی لاٹھی کے سانپ بن جانے کے بعد اس کے پکڑنے سے ڈرنے لگے تو حق تعالیٰ نے فرمایا لَاتَخَفْ ڈرو نہیں، غزوۂ احزاب میں بھی طبعی خوف سے بچنے کے لئے خندق کھودی گئی حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدۂ نصرت و غلبہ بار بار آچکا تھا اس سے معلوم ہوا کہ طبعی خوف

نبوت کے منافی نہیں ہوتا۔

اِنَّنِیْ مَعَکُمَا الخ مدد اور نصرت سے میں تمہارے ساتھ ہوں اور تم فرعون سے جا کر جو کہو گے اور اس کے جواب میں وہ جو کچھ کہے گا میں اس کو سنتا اور تمہارے اور اس کے طرز عمل کو دیکھتا رہوں گا اس کے مطابق میں تمہاری مدد اور اس کی چالوں کو ناکام کروں گا اس لئے تم بے خوف و خطر اس کے پاس جاؤ تردد کی کوئی ضرورت نہیں، اور اس سے کہنا کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے، ان حضرات کو فرعون کے پاس جانے کے وقت اس سے چھ باتیں کہنے کا حکم فرمایا ① انا رسولا ربّكَ ② فَاَرْسِلْ معَنَا بني اسرائيل ③ ولا تعذِّبهُمْ ④ قد جِئناكَ بآيةٍ من رَّبكَ ⑤ والسلام على مَن اتبعَ الهدىٰ ⑥ اِنا قد اوحِيَ اِلينا اَنَّ العذابَ علىٰ مَنْ كَذَّبَ وتَوَلّٰى ان مذکورہ چھ باتوں سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام جس طرح خلق خدا کو ہدایت ایمان دینے کا منصب رکھتے ہیں اسی طرح اپنی امت کو دنیوی اور معاشی مصائب سے آزاد کرانا بھی ان کے فرض منصبی میں شامل ہوتا ہے اس لئے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت فرعون میں دونوں چیزیں شامل ہیں۔

قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْ اعطٰی کُلَّ شیءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هدیٰ ہدایت کی دو قسمیں ہیں۔ایک ہدایت خاصہ ہوتی ہے جو انبیاء علیہم السلام کا وظیفہ اور فرض منصبی ہے اس کے مخاطب انسان اور جنات ہوتے ہیں ایک دوسری ہدایت تکوینی ہوتی ہے یہ ہدایت ہر مخلوق کے لئے عام ہوتی ہے اللہ تبارک تعالیٰ نے ہر شئ کو کم و بیش ادراک و شعور عطا فرمایا ہے، جنات اور انسانوں کو کامل شعور عطا فرمایا ہے جس کی وجہ سے یہ احکام کے مکلف قرار دیئے گئے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر شئ کو اس کے ادراک و شعور کے مطابق ہدایت کر دی کہ تو کس کام کے لئے پیدا کی گئی ہے اسی تکوینی ہدایت کے تابع زمین و آسمان اور ان کی تمام مخلوقات اپنے اپنے کام میں لگی ہوئی ہے، غرضیکہ چاند سورج اور دیگر سیارے و ثوابت اپنے کام میں اس طرح لگے ہوئے ہیں کہ سر مو بھی اس سے انحراف نہیں کرتے اور نہ ایک سیکنڈ اپنے وقت سے مقدم و مؤخر ہوتے ہیں، ہر شئ اپنی منشائے پیدائش میں لگی ہوئی ہے، عام مخلوق کی ہدایت اجباری اور غیر اختیاری ہے اس پر ان کو کوئی اجر و ثواب نہیں، اور اہل عقول کو جو ہدایت ہوتی ہے وہ اختیاری ہوتی ہے، اسی اختیار کے نتیجہ میں اس پر ثواب یا عذاب مرتب ہوتا ہے اَعطٰی کل شئ خَلْقَهٗ ثمَّ هدیٰ میں پہلی قسم کی ہدایت مذکور ہے، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرعون کو سب سے پہلے رب العالمین کا وہ کام بتلایا جو ساری مخلوق پر حاوی ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ کام ہم نے یا کسی دوسرے انسان نے کیا ہے، فرعون اس کا جب کوئی جواب نہ دے سکا، تو اِدھر اُدھر کی غیر متعلق باتیں کرنے لگا تاکہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اصل موضوع سے ہٹایا جاسکے، اسی مقصد کے پیش نظر فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک سوال کر ڈالا جس کا مقصد لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا کرنا تھا، فرعون نے کہا اے موسیٰ یہ بتاؤ کہ پچھلے دور کی تمام امتیں اور اقوام عالم جو بتوں کی پرستش کرتے رہے آپ کے نزدیک ان کا کیا حکم ہے؟ ان کا کیا انجام ہوا؟ مقصد یہ تھا کہ اس سوال کے جواب میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے کہ یہ سب گمراہ اور جہنمی ہیں تو مجھے یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ یہ تو ساری دنیا ہی کو گمراہ اور جہنمی سمجھتے ہیں اور لوگ یہ سن کر بدظن ہوں گے تو ہمارا مقصد پورا ہو جائے گا مگر پیغمبر خدا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا ایسا حکیمانہ جواب دیا کہ جس سے اس کا منصوبہ ناکام ہو گیا وہ حکیمانہ جواب ایسا تھا کہ بات بھی پوری ہو گئی اور فرعون کو بہکانے کا موقع بھی نہ ملا، آپ نے فرمایا اس کا علم

تو میرے رب کے پاس ہے کہ ان کا کیا انجام ہوگا؟ میرا رب نہ بہکتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔ بہکنے اور غلطی کرنے کا مطلب یہ کہ کرنا کچھ چاہے اور کچھ ہو جائے اور بھولنے کا مقصد واضح ہے، یہاں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقریر پوری ہوگئی، آگے اللہ تعالیٰ اپنی شان ربوبیت کی کچھ تفصیل بیان فرماتے ہیں جس کا ذکر اجمالاً موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس کلام میں تھا رَبُّنَا الَّذِی اَعْطٰی الخ آگے اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام کی تکمیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں فَاَخْرَجْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِنْ نَبَاتٍ شَتّٰی الخ پھر ہم نے اس پانی کے ذریعہ اقسام مختلفہ کی نباتات پیدا کیں اور تم کو اجازت دی کہ خود بھی کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو بھی کھلاؤ، ان تمام مذکورہ چیزوں میں عقلمندوں کے لئے قدرت الٰہیہ کی نشانیاں ہیں، جس طرح اس نے خشک زمین سے پانی کے ذریعہ مختلف اقسام کی نباتات پیدا فرمائیں، اسی طرح وہ تمام مخلوق کو قیامت کے دن زمین سے نکالے گا۔

مِنْهَا ای الارض **خَلَقْنٰكُمْ** بخلقِ ابیکم آدمَ منها **وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ** مَقبُورِینَ بَعدَ الموت **وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ** عِندَ البَعثِ **تَارَةً** مَرَّةً **اُخْرٰى** ﴿۵۵﴾ کما اَخرَجنَاکم عِندَ اِبتداءِ خَلقِکُم **وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ** ای ابصَرنَا فِرعَونَ **اٰيٰتِنَا كُلَّهَا** التِسعَ **فَكَذَّبَ** بها وزَعَمَ اَنَّها سِحرٌ **وَاَبٰى** ﴿۵۶﴾ ان یُوَحِّدَ اللّٰہَ تعالٰی **قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا** مِصرَ ویَکُونَ لک المُلكُ فیها **بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى** ﴿۵۷﴾ **فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ** یُعَارِضُہٗ **فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا** لذٰلِكَ **لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَا اَنْتَ مَكَانًا** منصُوبٌ بنَزعِ الخَافِضِ فی **سُوًى** ﴿۵۸﴾ بکَسرِ اَوَّلِهٖ وضَمِّهٖ ای وَسطًا یَستَوِیْ الیه مَسَافَةُ الجَائِیْ مِنَ الطَّرَفَینِ **قَالَ** مُوسٰی علیه السلام **مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ** یَومُ عِیدٍ لهم یَتَزَیَّنُونَ فِیهِ ویَجتَمِعُونَ **وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ** یُجمَعُ اہلُ مِصرَ **ضُحًى** ﴿۵۹﴾ وَقتَهٗ لِلنظَرِ فیما یَقَعُ **فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ** اَدبَرَ **فَجَمَعَ كَيْدَهٗ** ای ذَوِی کَیدِهٖ من السَّحَرَةِ **ثُمَّ اَتٰى** ﴿۶۰﴾ بہم المَوعِدَ **قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى** وہم اِثنَانِ وسَبعُونَ اَلفًا مَعَ کُلِّ وَاحِدٍ حَبلٌ وعَصًا **وَيْلَكُمْ** ای اَلزَمَکُمُ اللّٰہُ تعالٰی الوَیلَ **لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا** باشرَاكِ اَحَدٍ مَّعَهٗ **فَيُسْحِتَكُمْ** بِضَمِّ الیاءِ وکَسرِ الحاءِ وبِفَتحِهِمَا ای یُہلِکُکُم **بِعَذَابٍ** من عِندِهٖ **وَقَدْ خَابَ** خَسِرَ **مَنِ افْتَرٰى** ﴿۶۱﴾ کَذَبَ علی اللّٰہِ **فَتَنَازَعُوْا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ** فی موسٰی واَخیه **وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى** ﴿۶۲﴾ ای الکَلَامَ بَینَہُم فیہما **قَالُوْا** لِاَنفُسِہم **اِنْ هٰذٰنِ** لِاَبی عَمرٍو ولغَیرِهٖ ہٰذَانِ وہو مُوافِقٌ لِلُغَةِ مَن یَأتِیْ فی المُثَنّٰی بالالف فی اَحوَالِهِ الثَّلاثِ **لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى** ﴿۶۳﴾ مُؤَنَّثُ اَمثَلَ بِمعنی اَشرَفَ ای باَشرَافِکُم بِمَیلِہم الیہما لِغَلَبَتِہِما **فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ** مِنَ السِّحرِ بِہَمزَةِ وَصلٍ وفَتحِ المِیمِ مِن جَمَعَ ای لَمَّ وبِہَمزَةِ قَطعٍ وکَسرِ المِیمِ مِن اَجمَعَ اَحکَمَ **ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا** حَالٌ ای مُصطَفِّینَ **وَقَدْ اَفْلَحَ** فَازَ **الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى** ﴿۶۴﴾ غَلَبَ **قَالُوْا يٰمُوْسٰى** اِختَر **اِمَّا اَنْ تُلْقِيَ** عَصَاكَ ای اَوَّلًا **وَاِمَّا اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى** ﴿۶۵﴾ عَصَاهُ **قَالَ بَلْ اَلْقُوْا** فالقَوا **فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ** اَصلُه عُصُوْوٌ قُلِبَتِ الوَاوَانِ یَائَینِ وکُسِرَتِ العَینُ والصَّادُ **يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا** حَیَّاتٌ **تَسْعٰى** ﴿۶۶﴾ علی بُطُونِہا **فَاَوْجَسَ**

اَحسَّ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿۶۷﴾ اى خَافَ مِنْ جِهةِ اَنَّ سِحرَهم مِن جِنسِ مُعْجِزَتِهٖ اَن يُّلتَبَس اَمرُه عَلى النَّاسِ فَلايُؤمِنُوا به قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿۶۸﴾ عَلَيهِم بالغَلبَةِ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ وهى عَصَاه تَلْقَفْ تَبتَلِعْ مَا صَنَعُوْا اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ اى جِنسُهٗ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿۶۹﴾ بِسِحرِهٖ فَالقٰى موسٰى عَصَاه فتَلقَّفَتْ كُلَّ مَاصَنَعُوْه فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا خَرُّوا سَاجِدِينَ لِلّٰهِ تعالٰى قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ﴿۷۰﴾

ترجمہ: اور ہم نے اس سے (یعنی) زمین سے تم کو پیدا کیا تمہارے باپ آدم کو اس سے پیدا کر کے اور اسی میں تم کو مرنے کے بعد لوٹا دیں گے حال یہ کہ تم دفن کئے جاؤ گے اور اسی (زمین) سے تم کو بعث کے وقت دوسری مرتبہ نکالیں گے جیسا کہ ہم نے تم کو تمہاری ابتداء تخلیق کے وقت نکالا تھا اور ہم نے اس کو یعنی فرعون کو اپنی پوری نو نشانیاں دکھلائیں سو وہ ان کو جھٹلاتا ہی رہا اور اس بات پر مُصر رہا کہ یہ جادو ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید سے انکار کرتا رہا اور کہنے لگا اے موسیٰ کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہمارے ملک مصر سے جادو کے زور سے ہم کو نکال دو اور اس میں تمہاری ملکیت (حکومت) ہو جائے؟ اچھا تو اب ہم بھی تیرے مقابلہ میں ایسا ہی جادو لائیں گے جو اس کا مقابلہ کرے گا، سو ہمارے اور اپنے درمیان اس کے لیے وقت مقرر کر لے جس کی خلاف ورزی نہ ہم کریں اور نہ تم کرو ایک ہموار میدان میں مَكَانًا منصوب ہے حرف جار فی کے حذف کرنے کی وجہ سے سُوًى سین کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ ہے یعنی درمیان میں کہ طرفین سے آنے والے کی مسافت برابر ہو تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا وعدہ تمہارے جشن کا دن ہے جو کہ ان کی عید کا دن ہے اس دن میں وہ زینت کرتے ہیں اور جمع ہوتے ہیں اور یہ کہ لوگ یعنی شہر والے دن چڑھے جمع ہو جائیں (یعنی) ضحیٰ کے وقت، جو کچھ اس وقت ہو اس کو دیکھنے کے لئے چنانچہ فرعون (اپنی جگہ) واپس چلا گیا اور اس نے اپنے ہتھکنڈوں (مکر) کو یعنی مکار جادوگروں کو جمع کر لیا پھر ان کو لیکر وقت مقرر پر آ گیا تو (اس وقت) موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان (جادوگروں) سے کہا اور وہ بہتر ہزار تھے اور ہر ایک کے پاس رسیاں اور لکڑیاں تھیں ارے کمبختی کے مارو یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ہلاکت لازم کر دی ہے اللہ پر بہتان نہ لگاؤ کسی کو اس کے ساتھ شریک ٹھہرا کر کہ وہ تم کو اپنے مخصوص عذاب سے نیست و نابود کر دے فَيُسْحِتَكُمْ یا کے ضمہ اور حا کے کسرہ اور دونوں کے فتح کے ساتھ ہے یعنی تم کو ہلاک کر دے اور یاد رکھو وہ شخص ناکام ہوا خسارہ میں رہا جس نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا چنانچہ وہ لوگ موسیٰ اور ان کے بھائی کے بارے میں اپنے مشوروں میں مختلف الرائے ہو گئے اور ان دونوں کے بارے میں خفیہ گفتگو کرنے لگے، آپس میں کہنے لگے یہ دونوں یقیناً جادوگر ہیں هٰذَيْنِ ابو عمرو کے نزدیک ہے اور دوسروں کے نزدیک هٰذان ہے اور یہ ان کی لغت کے مطابق ہے جو تثنیہ میں تینوں حالتوں میں الف لاتے ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ تم کو اپنے جادو کے زور سے تمہاری سرزمین سے نکال باہر کریں، اور تمہارے بہترین مذہب کو برباد کر دیں۔

دوسرا ترجمہ: (تمہارے اشراف کو اپنی طرف مائل کرلیں) مُثْلٰی اَمْثَل کا مؤنث ہے اس کے معنی اشرف کے ہیں، یعنی تمہارے شرفاء کو اپنے فیور میں کرلیں، اُن کے اِن دونوں کی طرف مائل ہوجانے کی وجہ سے ان دونوں کے غلبہ کی بدولت لہٰذا تم بھی اپنی تدبیروں یعنی جادو کو یکجا کرلو فَاجْمَعُوْا ہمزۂ وصل اور فتحہ میم کے ساتھ جَمَعَ سے ماخوذ ہے بمعنی لَمَّ (ای جَمَعَ) اور ہمزۂ قطعی اور میم کے کسرہ کے ساتھ بھی ہے (اس صورت میں) اَجْمَعَ سے ماخوذ ہوگا اور معنی میں اَحْكَمَ کے ہوگا (یعنی اپنی تدبیروں کو مضبوط کرلو) اور پھر تم صف بستہ ہوکر (مقابلہ میں) آجاؤ صَفًّا حال ہے مُصْطَفِّیْنَ کے معنی میں ہے آج وہی بازی لے گیا جو غالب آگیا اِسْتَعْلٰی بمعنی غَلَبَ ان لوگوں نے کہا اے موسیٰ تم کو اختیار ہے چاہو تو تم اپنے عصا کو پہلے ڈالو یا ہم اپنے عصا کو پہلے ڈالنے والے بن جائیں (حضرت موسیٰ نے) فرمایا نہیں بلکہ تم ہی پہلے ڈالو چنانچہ انہوں نے ڈالا، پھر یکایک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو کی وجہ سے ان کے خیال میں ایسی محسوس ہونے لگیں کہ وہ لاٹھیاں اپنے پیٹ کے بل دوڑتے ہوئے سانپ ہیں عِصِیٌّ اصل میں عُصُوْوٌ تھا، دونوں واؤ، دو یاؤں سے بدل گئے اور عین اور صاد کو کسرہ دیدیا گیا (عِصِیٌّ ہوگیا) سو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دل میں قدرے خوف محسوس کیا یعنی اس وجہ سے خوف محسوس کیا کہ ان کا سحر ان کے معجزے کی جنس کا ہے (ایسا نہ ہو) کہ اس کا معاملہ لوگوں پر مشتبہ ہوجائے اور پھر وہ اس (موسیٰ) پر ایمان نہ لائیں ہم نے اس سے کہا ڈرو نہیں تم ہی ان پر غلبہ کے ذریعہ یقیناً سربلند رہو گے، اور جو تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے اور وہ اس کی لاٹھی تھی ڈالدو، جو کچھ ان (جادوگروں) نے کاری گری کی ہے اس کو یہ نگل جائے گا چٹ کرجائے گا اور جو کچھ ان جادوگروں نے بنایا ہے بلاشبہ یہ جادوگر کا کرتب (یعنی ہاتھ کی صفائی) ہے جو کہ دیگر جادوگروں کی جنس کا ہے جادوگر کہیں سے بھی آئے (اور جو بھی کرے) کامیاب نہیں ہوتا چنانچہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا عصا ڈالدیا تو وہ ان کے سب دھندے کو نگل گیا اب سب جادوگر سجدہ میں گر پڑے یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ کرتے ہوئے زمین پر گر پڑے اور پکار اٹھے کہ ہم تو موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لے آئے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَلَقَدْ اَرَیْنَاهُ الخ سے اس شبہ کا ازالہ ہوگیا کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ابتداءً صرف دو معجزے عصا اور ید بیضاء عطا ہوئے تھے تو جاتے ہی نو معجزے کیسے دکھا دیئے، مذکورہ جملہ سے اس کا جواب ہوگیا کہ پوری مدت دعوت میں نو معجزے دکھائے اس لئے کہ لَقَدْ اَرَیْنَاهُ آیَاتِنَا کُلَّهَا یہ جملہ خبریہ ہے مقصد اس کا یہ ہے کہ مدت دعوت میں ہم نے فرعون کو تمام معجزے دکھا دیئے، لہٰذا شبہ ختم ہوگیا اَرَیْنَا کی تفسیر اَبْصَرْنَا سے کرکے اشارہ کردیا کہ رویت سے رویت بصری مراد ہے فَلَنَاْتِیَنَّكَ میں لام جواب قسم پر داخل ہے اور قسم محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے وعزتی و کبریائی فَلَنَاْتِیَنَّكَ بِسِحْرٍ مِثْلِهٖ، بِسِحْرٍ فَلَنَاْتِیَنَّكَ کے متعلق ہے فا ترتیب مابعد علی ماقبل کے لئے ہے۔

قِوْلُہٗ: مَوْعِدًا ظرف زمان ہے اِجعل کا مفعول اول مؤخر ہے اور بَیْنَنَا و بَیْنَکم مفعول ثانی مقدم ہے سُوًی دونوں قراءتیں ہیں مَوْعِدُکم مبتداء اور یومُ الزینۃ اس کی خبر ہے۔

قِوْلُہٗ: اَی ذوی کیدہٖ سے اشارہ کردیا کہ کلام حذف مضاف کے ساتھ ہے اور ساحر مراد ہیں۔

قِوْلُہٗ: وَاَن یُّحْشَرَ النَّاسُ یہ جملہ محل کے اعتبار سے مجرور اور مرفوع دونوں ہوسکتا ہے اگر الزِّیْنَۃُ پر عطف ہو تو مجرور ہوگا اور اگر یَوْمُ الزِّیْنَۃِ پر عطف ہو تو مرفوع ہوگا، اور تقدیر عبارت یہ ہوگی مَوْعِدُکم یَوْمُ الزِّیْنَۃِ وَمَوْعِدُکم اَنْ یُّحْشَرَ النَّاس ای حشرُھم۔

قِوْلُہٗ: وَیْلَکُمْ کی تفسیر اَلْزَمَکُمُ اللّٰہُ الوَیْلَ سے کر کے اشارہ کردیا کہ وَیْلَکُمْ عامل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے۔

قِوْلُہٗ: بَاَشْرَافِکُمْ، طَرِیْقَتِکم کی تفسیر ہے، طریقۃ کے متعدد معانی آتے ہیں ایک معنی اشرافِ قوم کے بھی ہیں۔

قِوْلُہٗ: اِنَّ ھٰذَیْنِ لَسٰحِرَانِ جادوگروں کا یہ قول اَسَرُّوا النجویٰ کا نتیجہ ہے یعنی کافی بحث و مباحثہ کے بعد یہ طے ہوا کہ بالیقین یہ دونوں جادوگر ہیں ھٰذَیْنِ اِنَّ کا اسم اور لَسٰحِرَانِ اس کی خبر ہے اور ایک قراءت میں ھٰذانِ ہے بلحارث بن کعب کی زبان میں ھٰذان اِنّ کا اسم ہے یہ لوگ تثنیہ کو تینوں حالتوں میں الف کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اعراب کو تقدیری مانتے ہیں اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اِنَّ کا اسم ضمیر شان محذوف ہے اَیْ اِنَّہٗ اور ھٰذان لسٰحِران اِنَّ کی خبر ہیں، فَاجْمَعُوْا ہمزہ وصل اور میم کے فتح کے ساتھ ہو تو مطلب ہوگا تم اپنی تدبیروں کو جمع کرلو، اور اگر فَاَجْمِعُوْا ہمزہ قطعی اور میم کے کسرہ کے ساتھ ہو تو مطلب ہوگا تم اپنی تدبیروں کو مضبوط اور مستحکم کرلو۔

قِوْلُہٗ: صَفًّا یہ اِیْتُوْا کی ضمیر سے حال ہے صَفًّا چونکہ مصدر ہے لہٰذا ضمیر جمع سے حال واقع ہونا صحیح ہے اور معنی میں مُصْطفین کے ہے۔

قِوْلُہٗ: اِخْتَرْ محذوف مان کر مفسر علام نے اشارہ کردیا کہ اَنَّ مع اپنے مابعد کے بتاویل مفرد ہو کر اِخْتَرْ فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔

قِوْلُہٗ: فَاِذَا حِبَالُھُمْ وَعِصِیُّھُمْ یہاں کلام میں حذف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے فَاَلْقَوْا فَاِذَا حِبَالُھُمْ فا فصیحہ اور اِذا مفاجاتیہ ہے یُخَیَّلُ ایک قراءت میں تخیَّلُ بھی ہے اس لئے کہ عصا اور حبال مؤنث ہیں یخیل مبنی للفاعل بھی پڑھا گیا ہے مخیل کید کو قرار دیا ہے، عِصِیٌّ اصل میں عُصُوْوٌ بروزن فلوسٌ اوّلاً واؤ ثانیہ کو ی سے بدلا واو اور ی جمع ہوئے اول واؤ کو بھی ی سے بدل دیا پھر یا کو یا میں ادغام کردیا اس کے بعد صاد اور عین کے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا حبالھم وعصیھم مبتداء ہے اور یخیل الیہ اس کی خبر ہے فاِذا مفاجاتیہ خبر مقدم اور حبالھم وعصیھم مبتداء مؤخر، اس صورت میں یخیل حال ہوگا یخیل ی کے ساتھ اس کی اسناد تَسْعٰی کی طرف ہوگی، اور یہ بھی جائز ہے کہ حبال کی ضمیر کی جانب مسند ہو حبال چونکہ مؤنث غیر حقیقی ہے اس لیے فعل کا مذکر لانا صحیح ہے یا یخیل الملقٰی کی تاویل میں ہو کر اسناد ہوگی اَنھا تسعٰی یہ یخیل سے بدل الاشتمال ہے۔

قولہ: اَیْ خَافَ مِنْ جِھَۃِ الخ یہ اس اعتراض کا جواب ہے کہ مناجات کے وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے عصا اور ید بیضاء جیسے معجزات باہرہ دکھائے تھے اور ہر طرح سے حفاظت اور مدد کا وعدہ فرمایا تھا تو پھر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مقابلہ کے وقت کیوں خوف زدہ ہوئے؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ خوف اور اندیشہ سانپوں سے نہیں تھا بلکہ اندیشہ اس بات کا تھا کہ جادوگروں کا جادو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزے کی جنس کا تھا جادوگروں نے بھی اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو بظاہر سانپ بنادیا تھا اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عصا بھی سانپ کی شکل اختیار کرلیتا تھا ایسی صورت میں اندیشہ یہ ہوا کہ کہیں حاضرین حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزہ کو بھی جادو نہ سمجھ بیٹھیں اور ایمان نہ لائیں اِنَّ مَاصَنَعُوْا کَیْدُ ساحر عام قراءت کَیْدُ کے رفع کے ساتھ ہے اس بنا پر کہ اِنَّ کی خبر ہے اور مَا موصولہ ہے اور صَنَعُوْا اس کا صلہ ہے اور عائد محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے اِنَّ الذی صنعوہ کیدُ ساحرٍ اور اگر اَن مصدریہ مانیں تو عائد کی ضرورت نہ ہوگی اور اعراب علیٰ حالہ باقی رہے گا۔

قولہ: ولا یفلح الساحر (سوال) اللہ تعالیٰ نے لَایُفْلِحُ السَّحَرَۃُ جمع کے صیغہ کے ساتھ کیوں نہیں فرمایا جبکہ مقابلہ میں آنے والے بہت سے ساحر تھے نہ کہ ایک، مفسر علام نے ساحرُ کی تفسیر جنسہ سے کرکے اسی اعتراض کے دفعیہ کی طرف اشارہ کردیا، مراد یہ ہے کہ ساحر سے ایک ساحر مراد نہیں ہے بلکہ جنس ساحر مراد ہے اگر جمع کا صیغہ لاتے تو یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ عدد مراد ہے جنس ساحر نہیں فَاُلْقِیَ اِلْقَاءٌ سے ماضی مجہول کا واحد مذکر غائب ہے وہ ڈالا گیا فا فصیحہ یعنی طرفین سے لاٹھیاں ورسیاں وغیرہ ڈالنے کا عمل ہوا اور جو کچھ ہوا حاضرین نے دیکھا اس کے بعد جادوگر سجدہ میں گر گئے سُجَّدًا بمعنی ساجدین، آمَنَّا بربِّ ھارُوْنَ ومُوسٰی ہارون کی تقدیم فواصل کی رعایت کی وجہ سے ہے۔

تفسیر وتشریح

مِنْھَا خَلَقْنٰکُمْ الخ یہ سابقہ مضمون ہی کا تتمہ ہے یعنی جس طرح ہم نباتات وغیرہ کو زمین سے نکالتے ہیں اسی طرح ہم نے تم کو بھی اسی زمین سے پیدا کیا ہے چنانچہ دادا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی زمین کی مٹی سے بنائے گئے، لہٰذا ان کے واسطہ سے تمام انسانوں کا مادۂ بعیدہ خاک ہی ہے، اور اسی زمین میں تم کو لوٹا دیں گے چنانچہ کوئی مردہ کسی حالت میں ہو انجام کار اس کو مٹی ہونا ہے، اور اگر دیکھا جائے کہ انسان تو نطفہ سے پیدا ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسان نطفہ سے اور نطفہ غذا سے پیدا ہوتا ہے اور غذا مٹی سے پیدا ہوتی ہے لہٰذا یہی کہا جائے گا کہ انسان مٹی سے پیدا ہوتا ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر پیدا ہونے والے انسان پر رحم مادر میں اس جگہ کی مٹی کا کچھ جز شامل کیا جاتا ہے جس جگہ اس کا دفن ہونا اللہ کے علم میں مقدر ہے، یہ حدیث ابونعیم نے ابن سیرین کے تذکرہ میں روایت کرکے فرمایا ھٰذا حدیث غریبٌ اسی مضمون کی ایک روایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہے تفسیر مظہری میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیدا ہونے والے ہر بچہ کی ناف میں ایک جز مٹی کا ڈالا جاتا ہے اور جب مرتا ہے تو اسی زمین میں دفن ہوتا ہے، جہاں کی مٹی اس کے خمیر میں ڈالی گئی ہے اور فرمایا کہ میں اور ابوبکر وعمر ایک ہی مٹی سے پیدا

کئے گئے ہیں اور اسی میں دفن ہوں گے، یہ روایت خطیب نے نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ حدیث غریب ہے اور ابن جوزی نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے مگر شیخ محدث مرزا محمد وارثی بدخشی نے فرمایا کہ اس حدیث کے بہت سے شواہد حضرت ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا، ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا، ابوسعید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ، ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے منقول ہیں جن سے ان کی روایت کو تقویت حاصل ہوتی ہے اس لئے یہ حدیث حسن لغیرہ کے درجہ سے کم نہیں۔ (مظھری بحواله معارف)

مَكَانًا سُوًى فرعون نے حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ اور جادوگروں کے مقابلہ کے لئے یہ خود تجویز کیا کہ ایسے مقام پر ہونا چاہئے کہ جو فریقین کے لئے مسافت کے اعتبار سے برابر ہوتا کہ کسی فریق کو وہاں آنے میں زیادہ زحمت نہ ہو، اور صاف ہو نیز نشیب و فراز سے خالی ہوتا کہ لوگ بخوبی مقابلہ کا منظر دیکھ سکیں اور اس بات کا فیصلہ کہ کون ہارا اور کون جیتا علی وجہ البصیرت کر سکیں موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ نے اس کو قبول کر کے دن اور وقت کی تعیین اس طرح کر دی مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّينَةِ وَأَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى یعنی یہ مقابلہ تمہارے (قومی) جشن کے دن ہو اور دن چڑھے ہو، تاکہ حاضرین ہار جیت کو روز روشن میں کھلی آنکھوں سے دیکھ سکیں یہ جشن اور عید کا دن کونسا تھا؟ اس میں اختلاف ہے، بعض نے کہا کہ وہ نیروز کا دن تھا، کسی نے کہا يَوْمُ السَّبْتِ تھا، بعض حضرات نے یوم عاشوراء بھی کہا ہے۔

جادو کی حقیقت اور اس کی اقسام اور شرعی احکام:

یہ مضمون سورۂ بقرہ ہاروت ماروت کے قصہ میں معارف القرآن کی جلد اول میں ۲۱۷ سے ۲۲۳ تک بیان ہوا ہے، تفصیل کے لئے رجوع کریں، اور علامہ طنطاوی کی تفسیر جواہر القرآن میں بھی اس مضمون کو بہت خوبی سے بیان کیا گیا ہے۔

فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ دن اور وقت طے کرنے کے بعد مجلس برخاست ہوگئی اور فرعون بھی دربار سے اٹھ کر چلا گیا اور مقابلہ کی تیاری میں لگ گیا، چنانچہ اس نے جادوگروں کو ملک کے کونے کونے سے بلایا اور جادو میں کام آنے والے اسباب بھی جمع کر لئے اور بڑے تزک و احتشام کے ساتھ جادوگروں کے ہمراہ وقت موعود پر میدان میں پہنچا حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا کی روایت میں جادوگروں کی تعداد بہتر ۷۲ ہزار مذکور ہے بعض روایتوں میں جادوگروں کی تعداد بہت زیادہ مذکور ہے، جو دل کو نہیں لگتی ایک روایت میں نو لاکھ تک کی تعداد بتائی گئی ہے۔

ادھر فرعون جادوگروں کو مقابلہ کی ترغیب دے رہا تھا اور ان کو انعامات اور قرب خصوصی سے نوازنے کا وعدہ کر رہا تھا اُدھر موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ بھی جادوگروں کو وعظ فرما رہے تھے اور ان کے موجودہ رویے پر ان کو عذاب الٰہی سے ڈرا رہے تھے، الفاظ یہ تھے وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ کی وعظ و نصیحت کا جادوگروں پر یہ اثر ہوا کہ ان میں باہم کچھ اختلاف ہوگیا اور بعض دبی زبان سے کہنے لگے کہ کہیں یہ اللہ کا نبی ہی نہ ہو، اس کی گفتگو تو جادوگروں جیسی نہیں ہے بلکہ پیغمبرانہ معلوم ہوتی ہے، بعض نے اس کے برعکس رائے کا اظہار کیا فَتَنَازَعُوْا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ کا یہی مطلب ہے، پھر اس باہمی اختلاف کو دور کرنے اور کسی متفقہ رائے پر پہنچنے کے لئے خفیہ مشورے ہونے لگے، اسی کو

وَاَسَرُّوا النَّجْوٰی سے بیان فرمایا ہے آخر کار اس بات پر اتفاق ہوگیا کہ ان کا مقابلہ ہونا چاہئے اس لئے کہ بلاشبہ یہ جادوگر ہی ہیں اور اپنے جادو کے زور سے ہم کو ہمارے ملک سے نکال باہر کر کے اپنا قبضہ جمانا چاہتے ہیں اور یہ کہ تمہارا طریقہ جو سب سے بہتر ہے اس کو مٹا دینا چاہتے ہیں مُثْلٰی اَمْثَلُ کا مؤنث ہے جس کے معنی افضل اور اعلیٰ کے ہیں۔

وَیَذْھَبَا بطریقتکم المثلٰی کی ایک تفسیر حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اور حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے یہ بھی منقول ہے کہ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ تمہاری قوم کے سرداروں اور باعزت لوگوں کو ختم کر دیں اس لئے تم ان کا پوری طاقت سے مقابلہ کرو، تیسری تفسیر یہ بھی منقول ہے کہ اگر دونوں بھائی اپنے جادو کے زور سے غالب آگئے تو سادات اور اشراف ان کی طرف مائل ہو جائیں گے، جس سے ہمارا اقتدار خطرے میں پڑ جائے گا اور ان کے اقتدار کا امکان بڑھ جائے گا۔

فَاَجْمِعُوْا کیدکم لہٰذا اپنی تدبیروں کو یکجا اور منظم کرلو یا یہ کہ مضبوط اور مستحکم کرلو اور صف بنا کر مقابلہ کے لئے نکلو تاکہ مخالف پر تمہارا رعب پڑے اور کوئی کسر اٹھا نہ رکھو اس لئے کہ آج جو غالب آگیا وہی بازی لے گیا۔

قَالُوْا یٰمُوْسٰی اِمَّا اَنْ تُلْقِیَ الخ جادوگروں نے اپنی بے فکر اور بے پرواہی کا مظاہرہ کرنے کے لئے پہلے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی سے کہا پہل آپ کرتے ہیں یا ہم کریں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا بَلْ اَلْقُوْا تم ہی پہل کرو، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں پہلے اپنا کرتب دکھانے کے لئے اس لئے کہا کہ ان پر یہ واضح ہو جائے کہ وہ جادوگروں کی اتنی بڑی تعداد سے اور ان کے ساحرانہ کمال اور کرتبوں سے خوف زدہ نہیں ہیں، دوسرے ان کی ساحرانہ شعبدے بازیاں جب معجزۂ الٰہی سے چشم زدن میں هَبَاءً منثورًا ہو جائیں گی تو اس کا بہت اچھا اثر پڑے گا اور جادوگر یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ یہ جادو نہیں، واقعی اسے اللہ کی تائید حاصل ہے کہ آن واحد میں ان کی ایک لاٹھی ہمارے سارے کرتبوں کو نگل گئی۔

جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کے مطابق اپنا کام شروع کر دیا اور لاٹھیاں اور رسیاں جو بڑی تعداد میں تھیں بیک وقت زمین پر ڈال دیں یُخَیَّلُ اِلَیْہِ مِنْ سِحْرِھِمْ اَنَّھَا تَسْعٰی اب تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ خیال گذرنے لگا کہ ان کی رسیاں اور لکڑیاں ان کے جادو کے زور سے دوڑ بھاگ رہی ہیں، جس کی وجہ سے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دل میں خوف محسوس کیا، یعنی یہ صورت حال دیکھ کر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر خوف طاری ہوا جس کو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دل میں چھپائے رکھا یہ خوف اگر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی جان کی وجہ سے ہوا تو مقتضائے بشریت سے ایسا ہونا نبوت کے منافی نہیں لیکن ظاہر یہ ہے کہ خوف اپنی جان کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ خوف اس بات کا تھا کہ اگر اس مجمع کے سامنے ساحروں کا غلبہ محسوس کیا گیا تو دعوت کا جو مقصد ہے وہ پورا نہ ہو سکے گا، اسی لئے اس کے جواب میں حق تعالیٰ کی طرف سے جو ارشاد ہوا اس میں یہ اطمینان دلایا گیا کہ جادوگر غالب نہ آسکیں گے آپ ہی کو فتح اور غلبہ حاصل ہوگا، یُخَیَّلُ کے قرآنی الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسیاں اور لاٹھیاں حقیقۃً سانپ نہیں بنی تھیں بلکہ جادو کے زور سے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے مسمریزم کے ذریعہ نظر بندی کر دی جاتی ہے، بڑے سے بڑا جادو بھی شی کی حقیقت کو تبدیل نہیں کرسکتا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح انبیاء کو دیگر انسانی عوارض لاحق ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں، اسی طرح وہ جادو سے بھی

متاثر ہو سکتے ہیں، جس طرح آنحضرت ﷺ پر بھی یہودیوں نے جادو کیا تھا جس کے کچھ اثرات آپ محسوس کرتے تھے اس سے بھی منصب نبوت پر کوئی حرف نہیں آتا، کیونکہ اس سے کار نبوت متاثر نہیں ہوتا فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ پھر گر پڑے جادوگر یعنی جادوگروں نے جب یہ فعل فوق السحر دیکھا تو سمجھ گئے کہ بے شک یہ معجزہ ہے اور فوراً ہی اللہ کے لئے سجدہ میں گر گئے، اور پکار اٹھے کہ ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے، اس آیت میں ہارون کی تقدیم باوجودیکہ وہ تابع ہیں اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تاخیر باوجودیکہ وہ اصل ہیں فواصل کی رعایت کی وجہ سے ہے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بتحقيقِ الهمزتين وابدالِ الثانيةِ الِفًا لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ اَنَا لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ مُعَلِّمُكم الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ حَالٌ بمعنى مُخْتَلِفَةً اي الايدي اليُمْنٰى والارجلُ اليُسْرٰى وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ اي عَلَيْهَا وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَا يعني نَفْسَهٗ ورَبَّ موسٰى اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ﴿۷۱﴾ اَدْوَمُ على مُخَالَفَتِهٖ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ نختارُكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ الدَّالَّةِ على صِدْقِ موسٰى وَالَّذِيْ فَطَرَنَا خَلَقَنَا قَسَمٌ او عَطْفٌ على ما فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ اي اصْنَعْ ما قُلْتَهٗ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۷۲﴾ النَّصْبُ على الاِتِّسَاعِ اي فيها ويُجْزٰى عليه في الآخرةِ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا من الاِشْرَاكِ وغيرِه وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ تَعَلُّمًا وعَمَلًا لمُعَارَضَةِ موسٰى وَاللّٰهُ خَيْرٌ منك ثَوَابًا اذا اُطِيعَ وَّاَبْقٰى ﴿۷۳﴾ منك عَذَابًا اذا عُصِيَ قال تعالٰى اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا كافِرًا كفرعونَ فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا فيستريحُ وَلَا يَحْيٰى ﴿۷۴﴾ حياةً تَنْفَعُهٗ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ الفرائضَ والنَّوافِلَ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿۷۵﴾ جمعُ عُلْيَا مؤنثُ اَعْلٰى جَنّٰتُ عَدْنٍ اي اِقَامَةٍ بيانٌ له تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿۷۶﴾ تَطَهَّرَ من الذُّنُوبِ.

ترجمہ: فرعون نے کہا تم میری اجازت کے بغیر ہی اس پر ایمان لے آئے ءَ اٰمَنْتُمْ دونوں ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ اور دوسرے کو الف سے بدل کر بلاشبہ وہ تمہارا بڑا گرو ہے جس نے تم کو سحر سکھایا ہے میں تم سب کے ہاتھ پیر جانب مخالف سے کٹواتا ہوں خلاف حال ہے معنی میں مختلفة کے ہے یعنی داہنے ہاتھوں کو اور بائیں پیروں کو اور تم سب کو کھجوروں کے تنوں پر لٹکوادوں گا فی جُذُوعِ النخلِ ای عَلَیھا اور تم کو پتہ چل جائے گا کہ ہم دونوں یعنی مجھ میں اور موسیٰ کے رب میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیر پا ہے، یعنی کس کی مخالفت شدید ہے اور دیر پا ہے ان لوگوں نے صاف جواب دیدیا کہ ہم تجھ کو کبھی ترجیح نہ دیں گے اختیار نہ کریں گے بمقابلہ ان دلائل کے جو موسیٰ کی صداقت پر دلالت کرنے والے ہم کو ملے ہیں اور بمقابلہ اس ذات کے جس نے ہم کو پیدا کیا واؤ قسمیہ ہے یا ما جاءَنا پر عطف ہے سو تیرا جو جی چاہے کر یعنی جو تو نے کہا ہے کر ڈال اور تو بجز اس کے کہ کچھ کر سکتا ہے وہ اسی دنیا میں کر سکتا ہے اور (الحیٰوۃ کا) نصب توسع کے طور پر ہے ای فیھا اور

(اللہ) اس پر آخرت میں جزاء دے گا ہم تو اپنے پروردگار پر ایمان لا چکے ہیں تا کہ ہماری شرک وغیرہ کی خطاؤں کو معاف کردے اور اس سحر کو بھی معاف کردے کہ جس کے سیکھنے اور عملی طور پر موسیٰ کا مقابلہ کرنے کے لئے تو نے ہم کو مجبور کیا ہے اور اللہ بہتر ہے تجھ سے اجر کے اعتبار سے جب اس کی اطاعت کی جائے اور زیادہ باقی رہنے والا ہے تجھ سے عذاب کے اعتبار سے جب اس کی نافرمانی کی جائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا بات یہ ہے کہ جو شخص اپنے رب کے پاس مجرم یعنی کافر ہو کر آئے گا جیسا کہ فرعون تو بے شک اس کے لئے جہنم ہے نہ اس میں مرے گا کہ راحت پائے اور نہ زندہ رہے گا ایسی زندگی کہ جس سے اس کو نفع ہو اور جو شخص اس کے پاس مومن ہو کر حاضر ہوگا اور اس نے نیک اعمال یعنی فرائض و نوافل کئے ہوں گے تو یہی ہیں وہ لوگ جن کے لئے اونچے درجات ہیں عُلیٰ علیا کی جمع ہے اور اعلیٰ کا مؤنث ہے یعنی ہمیشہ رہنے کے یعنی اقامت کے قابل باغات ہیں جنّٰتُ عدن، دَرَجٰتِ العُلیٰ کا بیان ہے کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے یہ انعام ہے اس شخص کا جو گناہوں سے پاک ہوا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: أ آمَنْتُمْ لَہٗ ہمزہ استفہام انکاری توبیخ کے لئے ہے، اور حفص کے نزدیک آمَنْتُمْ جملہ خبریہ کے طور پر استعمال ہوا ہے آمَنْتُمْ کا صلہ لام لایا گیا ہے اس لئے کہ آمَنْتُمْ اِتَّبَعْتُمْ کے معنی کو متضمن ہے، دونوں ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ پہلا استفہامیہ ہے اور ثانی فا کلمہ ہے اصل میں جمع مذکر حاضر ہے ءَ أَمَنْتُمْ بروزن اَکْرَمْتُمْ دوسرے ہمزہ کو قاعدہ کے مطابق الف سے بدلا پھر اس پر ہمزہ استفہام داخل کیا گیا، اب کلمہ میں دو ہمزے غیر منقلبہ ہوگئے، اب خواہ تحقیق ہمزتین کے ساتھ پڑھیں یا ہمزہ استفہام کے حذف کے ساتھ پڑھیں مفسر علام کا و ابدال الثانیة الفًا کہنا غیر ظاہر ہے اس لئے کہ ثانیہ تو قراءت میں بغیر ابدال کے باقی ہے، البتہ ابدال الثالثة درست ہے۔

قَوْلُہٗ: مِنْ خِلَافٍ مِنْ ابتدائیہ ہے اور خلاف مختلفة کے معنی میں ہو کر حال ہے ای اَقْطَعُھَا مختلِفَاتٍ.

قَوْلُہٗ: فِی جذوع النَّخْلِ ای علیھا اس میں اشارہ ہے کہ فِی بمعنی علی ہے وَلَتَعْلَمُنَّ میں لام قسمیہ ہے اَیُّنَا مبتداء اَشَدُّ وَاَبْقٰی معطوف معطوف علیہ سے مل کر خبر اور مبتداء خبر سے مل کر لتعلمُنَّ کا مفعول قائم مقام دو مفعولوں کے علی مخالفتہٖ کا تعلق اشدُ وَابقٰی دونوں سے ہے وَالَّذی فطَرَنا واوا گر قسمیہ ہو تو موصول صلہ سے مل کر قسم اور لانؤثرکَ علی الحق جواب قسم محذوف ای وحق الذی فطرنا لانؤثرك علی الحق اور اگر واو عاطفہ ہو تو معطوف علیہ مَا جاء نا ہوگا ای لَنْ نُؤْثِرَكَ علی الذی جاء نا و لا الذی فَطَرَنا فَاقْضِ مَا اَنْتَ قاضٍ یہ جواب تہدید ہے ھٰذہ الحیٰوۃ الدنیا ھٰذہٖ مبدل منہ الحیٰوۃَ بدل یہ حذف حرف جر کی وجہ سے اِتساعًا منصوب ہے تقدیر عبارت یہ ہے اِنَّمَا تقضی فِی ھٰذہٖ الحیٰوۃ الدنیا فِی کو حذف کردیا جس کی وجہ سے منصوب ہوگیا۔

قِوْلُہٗ: اِنَّمَا مَا میں دو وجہ جائز ہیں اول وجہ یہ کہ مَا فعل پر اِنَّ کے دخول کو جائز کرنے کے لئے ہے اور الحیٰوۃ الدنیا تقضی کا ظرف ہے اور تقضی کا مفعول محذوف ہے ای تقضی غرضك دوسری وجہ یہ کہ مَا مصدریہ اسم اِنَّ ہو اور ظرف خبر ہو، تقدیر عبارت یہ ہوگی اِنَّ قَضَائَكَ فی هذه الحیٰوۃ الدنیا تیسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ مَا بمعنی الذی موصول اسم اِنَّ تقضیه اس کا صلہ عائد محذوف ای اِنَّ الَّذی تقضیه کائنٌ فی الحیٰوۃ الدنیا (جملہ) وَمَا اَكْرَهْتَنَا کا عطف خطایانا پر ہے، تاکہ ہماری خطاؤں اور اس عمل سحر کو معاف کردے جس پر تو نے ہم کو مجبور کیا مِنَ السِّحرِ علیهِ کی ضمیر سے یا ما موصولہ سے حال ہوسکتا ہے، مِنْ بیان جنس کے لئے بھی ہوسکتا ہے۔

قِوْلُہٗ: قَال تعالیٰ سے اشارہ کردیا کہ اِنَّهٗ مَنْ یَّاْتِ رَبَّهٗ جملہ مستانفہ ہے اس کے ماقبل ساحروں کا کلام تھا اور یہ اللہ سبحانہ کا کلام ہے خَالِدِیْنَ مَنْ کے معنی کی رعایت سے جمع لایا گیا ہے۔

تفسیر و تشریح

قَالَ آمَنْتُمْ لَهٗ جب جادوگروں نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا عصا حقیقت میں اژدہا بن کران کے خیالی سانپوں کو نگل گیا، تو چونکہ یہ جادو کے ماہر اور جادو کی حقیقت سے واقف تھے تو ان کو یقین ہوگیا کہ یہ کام جادو کے ذریعہ نہیں ہوسکتا اور یہ بلاشبہ خدائی معجزہ ہے اس لئے جادوگر سجدہ میں گر گئے اور برسرعام اعلان کردیا کہ ہم موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لے آئے، بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ جادوگروں نے اس وقت تک سجدہ سے سر نہیں اٹھایا جب تک اللہ تعالیٰ نے جنت میں ان کا مقام نہ دکھا دیا، اس واقعہ سے فرعون کی برسرعام بہت رسوائی ہوئی تو اس نے اپنی خفت کو کم کرنے کے لئے تہدید آمیز لہجے میں کہا کہ ''تم میری اجازت کے بغیر موسیٰ اور اس کے رب پر ایمان لے آئے'' اس جملہ سے لوگوں کو یہ تاثر بھی دینا مقصود تھا کہ میری اجازت کے بغیر کسی کے قول و فعل کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اور لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنے اور اصل حقیقت سے توجہ ہٹانے کے لئے ان جادوگروں پر یہ الزام بھی لگا دیا کہ اب معلوم ہوا کہ تم موسیٰ کے شاگرد ہو اور وہ تم سب کا بڑا استاد ہے اسی نے تم کو جادو سکھایا ہے اور استاد شاگردوں نے مل کر سازش کی ہے اور طے شدہ پروگرام کے مطابق شاگردوں نے اپنی ہار مان لی ہے کبیرٌ بمعنی معلم بھی لغت عرب میں مستعمل ہے، کسائی نے کہا ہے کہ جب بچہ اپنے معلم (استاذ) کے پاس سے آتا ہے تو کہتا ہے جئتُ من عند کبیری فرعون نے یہ جملہ اِنه لکبیر کم الذی علّمکُمُ السحرَ باوجودیکہ فرعون کو بھی معلوم تھا کہ ان کے درمیان استادی و شاگردی کا کوئی تعلق نہیں ہے مگر پھر بھی لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنے اور لوگوں کو موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر ایمان لانے کے سے روکنے کے لئے یہ بات قصداً کہی۔

فَلَاُقَطِّعَنَّ یہ قسم محذوف کا جواب ہے تقدیر عبارت یہ ہے وَعزتی و کبریائی لَاَفْعَلَنَّ بکم ذٰلكَ فرعون نے قسم کھا کر حاکمانہ انداز میں سخت سزا کی دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ میں تم سب کے جانب مخالف سے ہاتھ پیر کاٹ دوں گا تاکہ تم دوسروں کے لئے عبرت کا نمونہ بن جاؤ، اور کوئی دوسرا موسیٰ پر ایمان لانے کی جسارت نہ کرسکے اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ تم کو اسی حالت

میں کھجور کے تنوں پر لٹکا دوں گا تا کہ بھوکے پیاسے تمہاری جان نکل جائے فی جذوع النخل میں فی بمعنی علٰی ہے اور علٰی کے بجائے فی کے استعمال میں یہ مصلحت ہے کہ استقرار اور دوام کو ظاہر کرنا ہے یعنی تم اسی حالت میں ایک مدت تک لٹکے رہو گے، جیسا کہ مظروف کا استقرار ظرف میں ہوتا ہے۔

قَالُوا لَنْ نُؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَاءَنَا الخ جادوگروں نے فرعون کی دھمکی سن کر اپنے ایمان پر بڑی پختگی کا ثبوت دیا کہنے لگے ہم تجھے یا تیرے کسی قول کو ان بینات و معجزات پر ترجیح نہیں دے سکتے جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ ہمارے سامنے آچکے ہیں نیز خالق کائنات کو چھوڑ کر تجھے اپنا رب نہیں مان سکتے حضرت عکرمہ کی روایت کے مطابق بینات سے مراد جنت کے وہ مقامات عالیہ اور نعم غالیہ بھی ہو سکتی ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے جادوگروں کو سجدہ کی حالت میں مشاہدہ کرایا تھا، اور ساتھ ہی جادوگروں نے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر تو نے ہمیں سزا دی بھی تو وہ سزا اسی چند روزہ زندگی تک محدود رہے گی مرنے کے بعد تو تیرا ہمارے اوپر کوئی قبضہ نہیں رہے گا بخلاف حق تعالیٰ کے کہ اس کا قبضہ مرنے سے پہلے بھی ہے اور مرنے کے بعد بھی لہٰذا اسی کی سزا کی فکر مقدم ہے۔

اِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطَايَانَا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رب پر ایمان لانے کی غرض بیان کرتے ہوئے جادوگروں نے کہا ہم اس لئے ایمان لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے سابقہ گناہوں کو معاف فرمادے اور جادو کے ذریعہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابلہ کے عمل کو بھی معاف فرمادے جس پر تو نے ہم کو مجبور کیا ہے، یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ جادوگر تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقابلہ کرنے کے لئے خوشی خوشی آئے تھے حتی کہ فرعون سے انعام واکرام کے بارے میں سودے بازی بھی کی تھی کہ اگر ہم موسیٰ کے مقابلہ میں کامیاب ہو گئے تو ہمیں کیا انعام ملے گا فرعون نے انعام واکرام سے نوازنے نیز مزید براں اپنے مصاحبین میں شامل کرنے کا وعدہ بھی کر لیا تھا پھر جادوگروں کا یہ کہنا کہ تو نے ہمیں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقابلہ کرنے کے لئے مجبور کیا تھا کہاں تک درست ہو سکتا ہے اس کا ایک جواب تو یہ ہو سکتا ہے کہ یہ جادوگر ابتداء تو برضا و رغبت اپنی خوشی سے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقابلہ کرنے کے لئے آئے تھے مگر مقابلہ سے پہلے جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو خود اعتمادی کے ساتھ خوف خدا کی نصیحت کی تو جادوگر پیغمبرانہ خود اعتمادی اور پر تاثیر نصیحت سن کر تذبذب میں پڑ گئے اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقابلہ کرنے سے کترانے لگے چنانچہ جب جادوگروں نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں مشورہ کیا تو یہ لوگ مختلف الرائے ہو گئے، بعض ان کو جادوگر کہتے تھے اور بعض انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس کی باتیں پیغمبرانہ معلوم ہوتی ہیں لہٰذا ان کا مقابلہ کرنا درست نہیں ہے فرعون کو جب ان کے تذبذب کا علم ہوا تو ان کو مجبور کیا اور مزید لالچ بھی دیا جس کی وجہ سے وہ مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گئے۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ فرعون کو کاہنوں کے ذریعہ جب یہ معلوم ہوا کہ ایک اسرائیلی لڑکے کے ہاتھ پر تیری حکومت ختم ہو جائے گی اور اس نوعیت کے اس کے پاس علوم اور معجزات ہوں گے تو فرعون نے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے ملک میں جادو کی تعلیم کو جبری اور لازمی قرار دیدیا تھا جس کی وجہ سے جادوگروں کا یہ کہنا کہ تو نے ہمیں جادو پر مجبور کیا ہے صحیح اور درست ہے۔ (روح)

آسیہ علیہا السلام فرعون کی بیوی کا ایمان:

تفسیر قرطبی میں ہے کہ حق و باطل کے اس معرکہ کے وقت فرعون کی بیوی آسیہ برابر خبر رکھتی رہیں کہ انجام کیا ہوا جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ موسیٰ اور ہارون غالب آگئے تو فوراً ہی اس نے بھی اعلان کر دیا کہ میں بھی موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لاتی ہوں، فرعون کو جب اپنی بیوی آسیہ کے ایمان کا علم ہوا تو حکم دیا کہ ایک بھاری پتھر اس کے اوپر گرا دیا جائے، آسیہ نے جب یہ دیکھا تو آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور اللہ سے فریاد کی حق تعالیٰ نے پتھر اس کے اوپر گرنے سے پہلے ہی اس کی روح قبض کر لی اور پتھر مردہ جسم پر گرا۔

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ بهمزة قَطْعٍ مِن اَسْرٰى او بِهَمْزَةِ وَصْلٍ وكَسْرِ النُّونِ مِن سَرٰى لُغتَانِ اَيْ سِرْ بِهِم لَيْلاً مِن اَرْضِ مِصْرَ **فَاضْرِبْ** اِجْعَلْ **لَهُمْ** بِالضَّرْبِ بِعَصَاكَ **طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ** اي يَابِسًا فَامْتَثَلَ ما أُمِرَ به وأَيْبَسَ اللّٰهُ الاَرْضَ فَمَرُّوْا فيها **لَّا تَخٰفُ دَرَكًا** اي ان يُدْرِكَكَ فِرْعَوْنُ **وَّلَا تَخْشٰى ۝** غَرَقًا **فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ** وهو مَعَهُم **فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ** اي البَحْرِ **مَا غَشِيَهُمْ ۝** ما غَرَّقَهم **وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ** بدعَائِهِم الى عِبَادَتِهِ **وَمَا هَدٰى ۝** بل اَوْقَعَهم في الهَلَاكِ خِلَافَ قَوْلِهِ وَمَا اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ **يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ** فِرْعَوْنَ بِاِغْرَاقِهِ **وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ** فنُؤْتِي موسٰى التوراةَ للعَمَلِ به **وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۝** هما التَّرَنْجَبِيْنُ والطَّيْرُ السَّمَانِيُّ بِتَخْفِيفِ الميمِ وَالقَصْرِ والمُنَادٰى مَنْ وُجِدَ مِنَ اليَهُوْدِ زَمَنَ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم وخُوْطِبُوْا بما أُنْعِمَ به على اَجْدَادِهِم زَمَنَ النَّبِيِّ مُوْسٰى عليه السلام تَوْطِيَةً لِقَوْلِهِ تعالٰى لهم **كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ** اي المُنْعَمِ به عليكم **وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ** بِاَنْ تَكْفُرُوْا المُنْعِمَ به **فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ** بكَسْرِ الحَاءِ اي يَجِبُ وبضَمِّهَا يَنْزِل **وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ** بكَسْرِ اللامِ وضَمِّها **فَقَدْ هَوٰى ۝** سَقَطَ في النَّارِ **وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ** مِنَ الشِّرْكِ **وَاٰمَنَ** وَحَّدَ اللّٰهَ **وَعَمِلَ صَالِحًا** يَصْدُقُ بالفَرْضِ والنفلِ **ثُمَّ اهْتَدٰى ۝** بِاسْتِمْرَارِهِ على مَا ذُكِرَ الٰى مَوْتِهِ **وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ** لِمَجِيْءِ مِيْعَادِ اَخْذِ التَّوْرَاةِ **يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ هُمْ اُولَاۗءِ** اي بِالقُرْبِ مِنِّيْ يَاتُوْنَ **عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ۝** عَنِّيْ اي زِيَادَةً على رِضَاكَ وقَبْلَ الجَوَابِ اَتٰى بالاِعْتِذَارِ بِحَسْبِ ظَنِّهِ وتَخَلَّفَ المَظْنُوْنُ كما **قَالَ** تعالٰى **فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ** اي بَعْدَ فِرَاقِكَ لهم **وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ۝** فَعَبَدُوا العِجْلَ **فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ** من جِهَتِهِم **اَسِفًا ۚ** شَدِيْدَ الحُزْنِ.

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے جاؤ اَسْرِ ہمزہ قطعی کے ساتھ ہے اَسْریٰ سے ماخوذ ہے، یا ہمزہ وصل اور نون کے کسرہ کے ساتھ ہے اور سَرَیٰ سے ماخوذ ہے یہ دولغت ہیں، مطلب یہ کہ بنی اسرائیل کو رات کے وقت مصر سے لیکر نکل جاؤ پھر ان کے لئے عصا مار کر دریا میں خشک راستہ بنا دینا یَبَسًا بمعنی یابسًا چنانچہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے امتثال امر کیا اور اللہ تعالیٰ نے زمین کو خشک کر دیا لہٰذا سب لوگ وہاں سے نکل گئے، نہ تو تم کو تعاقب کا اندیشہ ہوگا کہ فرعون تم کو پکڑ لے اور نہ تم کو غرق ہونے کا خوف ہوگا چنانچہ فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا تعاقب کیا حال یہ کہ وہ خود بھی ان کے ساتھ تھا، چنانچہ دریا ان پر چھا گیا جیسا کہ چھانے کو تھا پھر ان کو غرق کر دیا، اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کر دیا ان کو اپنی عبادت کی دعوت دیکر اور ان کو سیدھی راہ نہ دکھائی بلکہ ان کو ہلاکت میں ڈال دیا اپنے قول وَمَا اَهْدِيكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ کے برخلاف اے بنی سرائیل ہم نے تم کو تمہارے دشمن فرعون سے اس کو غرق کر کے نجات دی اور ہم نے تم سے طور کی دائیں جانب آنے کا وعدہ کیا کہ ہم موسیٰ کو تورات دیں گے اس پر عمل کرنے کے لئے اور ہم نے تمہارے لئے مَنّ اور سلویٰ نازل کیا اور وہ ترنجبین اور بٹیر ہیں سمانی میم کی تخفیف اور قصر کے ساتھ ہے اور (یا بنی اسرائیل) میں منادیٰ وہ یہود ہیں جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے اور وہی ان نعمتوں کے مخاطب ہیں جو ان یہود پر کی گئی تھیں جو سیدنا حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ میں تھے اللہ تعالیٰ کے قول كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ الخ کی تمہید کے لئے ہم نے جو پاکیزہ چیزیں تم کو دی ہیں ان سے کھاؤ یعنی ان چیزوں کو جو بطور انعام تم کو دی گئی ہیں اور اس میں حد (شرعی) سے تجاوز نہ کرو اس طریقہ سے کہ منعم کی ناشکری کرنے لگو کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا غضب تمہارے اوپر واقع ہو جائے حا کے کسرہ کے ساتھ یعنی لازم ہو جائے اور حا کے ضمہ کے ساتھ یعنی نازل ہو جائے اور جس پر میرا غضب نازل ہو جائے يَحْلِلْ لام کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ ہے تو بلا شبہ وہ آگ میں گر گیا اور بے شک میں ایسے لوگوں کے لئے بڑا بخشنے والا ہوں جنہوں نے شرک سے توبہ کر لی اور اللہ کی وحدانیت پر ایمان لائے اور نیک عمل کئے عمل صالح فرض اور نفل دونوں پر صادق آتا ہے (یا) (فرض اور نفل کے ذریعہ (ایمان کی) تصدیق کرتا ہے اس وقت يُصَدِّقُ پڑھا جائے گا) اور پھر مذکورہ چیزوں پر موت تک قائم بھی رہے (اللہ نے کہا) اے موسیٰ اپنی قوم کو چھوڑ کر جلدی آنے کا کیا سبب ہوا؟ تورات لینے کے وقت کے آجانے کی وجہ سے حضرت موسیٰ نے جواب دیا وہ یہ رہے میرے پیچھے یعنی میرے قریب ہی آرہے ہیں اور اے میرے پروردگار میں آپ کے پاس جلدی چلا آیا کہ آپ مجھ سے زیادہ خوش ہوں گے یعنی تیری زیادہ رضامندی حاصل کرنے کے لئے اور جواب سے پہلے اپنے گمان کے اعتبار سے عذر بیان کر دیا اور گمان خلاف واقعہ ثابت ہوا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری قوم کو تو ہم نے تمہارے ان کو چھوڑ کر چلے آنے کے بعد ایک فتنہ میں مبتلا کر دیا اور ان کو تو سامری نے گمراہ کر دیا جس کی وجہ سے وہ گائے پرستی میں مبتلا ہو گئے غرض موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام ان کی وجہ سے غصہ اور سخت رنج میں بھرے ہوئے واپس آئے۔

تحقیق، ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَلَقَدْ اَوْحَیْنَا الخ یہ عطف قصہ علی القصہ کے قبیل سے ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاً موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس رسول بنا کر بھیجنے کا قصہ مع معجزات کے بیان فرمایا اور ثانیاً فرعون اور اس کے لشکر کے عبرت ناک انجام کا قصہ بیان فرمایا اس طرح یہ عطف قصہ علی القصہ ہے۔

قولہ: طریقًا اِضرب کا مفعول بہ ہے اس لئے کہ اِضرب اِجعل کے معنی کو متضمن ہے جیسا کہ مفسر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اشارہ کر دیا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اِضرب کا مفعول بہ محذوف ہو تقدیر یہ ہوگی اِضربْ موضعَ طریق اس صورت میں اِضرب کی نسبت طریق کی جانب مجازاً ہوگی موضع کو حذف کر کے طریق کو اس کے قائم مقام کر دیا اِضْرِبْ لَهُمْ طریقًا ہو گیا طریق سے مراد جنس طریق ہے اس لئے کہ بنی اسرائیل کے قبیلوں کی تعداد کے اعتبار سے بارہ راستے بنائے تھے یَبَسًا مصدر ہے مصدر کا حمل طریق پر مبالغۃً ہے یا مصدر ہے پہلے لفظ ذات محذوف ہے ای ذاتَ یَبَسٍ اور اگر با کے سکون کے ساتھ یَبْسًا ہو تو صیغہ صفت کا ہوگا ای یابسًا لاتخافُ رفع کے ساتھ حمزہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمام قراء کی یہی قراءت ہے اس صورت میں یہ جملہ مستانفہ ہوگا اس وقت اس کا کوئی محل اعراب نہ ہوگا، یا اِضرِبْ کی ضمیر فاعل سے حال ہے، ای اِضرب لَهُمْ طریقًا حال کونك غیرَ خائفٍ اور حمزہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے جزم کے ساتھ پڑھا ہے اس وجہ سے کہ لا ناھیہ ہے تَخَفْ اس کی وجہ سے مجزوم ہے۔

قولہ: ولا تخشٰی یہ باتفاق قراء الف کے ساتھ ہے رفع کی صورت میں لَا تَخَافُ پر عطف ظاہر ہے اور جزم کی صورت میں لا تخشٰی کا عطف لَا تَخَفْ پر ہوگا اور علامت جزم لا تخشٰی میں حذف الف ہوگی اور موجودہ الف اشباع کا ہوگا جو کہ فواصل کی رعایت کے لئے لایا گیا ہے۔

قولہ: بجُنُودِہٖ یہ موضع حال میں ہے اور مفعول ثانی محذوف ہے ای فَاَتبعَهُمْ فرعونُ عِقابَهٗ ومعه جنودهٗ اور یہ بھی کہا گیا کہ اَتبَعَ بمعنی اِتَّبَعَ ہے اس صورت میں بجُنُودِہٖ کی با تعدیہ کے لئے ہوگی۔

قولہ: وَهُوَ مَعَهُمْ کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ جار اَتْبَعَهُمْ کا صلہ نہیں ہے بلکہ موضع حال میں ہے اور اَتْبَعَهُمْ کا مفعول ثانی محذوف ہے اور معنی یہ ہیں اَتْبَعَهُمْ فرعون نفسهٗ مع جنودہٖ اور بیضاوی میں ہے والمعنی فاَتْبَعَهُمْ فرعون نفسه ومعه جنُودُهٗ فَحُذِفَ المفعول الثانی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بجنودہ میں با زائدہ ہے ای اَتْبَعَهُمْ جنودهٗ وهو معهم فَغَشِيَهُمْ مِنَ اليَمِّ ما غَشِيَهُمْ ای غرقهم من الیمّ ماغرقهم سمندر کی موجوں کی ہولنا کی کو ظاہر کرنے کے لئے ابہام رکھا گیا ہے یعنی وہ موجیں ہولنا کی میں ایسی تھی کہ ان کی ہولنا کی کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

قولہ: فنؤتی موسٰی التورٰۃ للعمل بها کے اضافہ کا مقصد اس سوال کا جواب ہے کہ وعدہ تو موسیٰ علیہ السلام سے تھا نہ کہ قوم سے تو پھر وواعدناکم میں وعدہ کی نسبت قوم کی طرف کیوں کی گئی ہے؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ موسیٰ کو تورات

...ینے کا وعدہ قوم ہی کے عمل کے لئے اور ان ہی کی بہبودی کے لئے تھا اس لئے قوم کی طرف ادنیٰ ملابست کی وجہ سے نسبت درست ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ بھی حکم تھا کہ اپنی قوم کے ستر سرداروں کو بھی کوہ طور پر ساتھ لے آئیں اس طریقہ سے بھی قوم کی طرف وعدہ کی نسبت صحیح ہے۔

قِوْلَہٗ: اَلْمَنُّ اسم ہے شبنمی گوند ہے جو حلوے کی شکل کا تھا جو وادی تیہ میں بھٹکنے والے اسرائیلیوں کے کھانے کے لئے روزانہ درختوں کے پتوں پر اللہ تعالیٰ جما دیتا تھا سلویٰ ایک قسم کا پرندہ ہے جس کو بٹیر کہتے ہیں قاموس میں اس کا واحد سَلْوَۃٌ مرقوم ہے اخفش سے منقول ہے کہ اس کا واحد نہیں سنا گیا ھَوَیٰ ماضی واحد مذکر حاضر (ض) مصدر ھَوِیٌ گر پڑنا۔

قِوْلَہٗ: وَمَن یَحْلِلْ یہاں بھی کسرۂ حا اور ضمۂ حا دونوں صورتیں ہیں ثم اھتدیٰ کی تفسیر باستمرارہ علی ماذکر الی موتِہٖ سے کر کے اس سوال کا جواب دینا مقصود ہے کہ اھتدیٰ کے ذکر سے کیا فائدہ ہے جب کہ آمَنَ کے عموم میں اھتدیٰ بھی داخل ہے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں ایمان پر استمرار اور دوام مراد ہے اس لئے کہ نجات تامہ اسی ایمان اور اعمال صالحہ پر موقوف ہے جو مرتے دم تک باقی رہے۔

قِوْلَہٗ: وَمَا اَعْجَلَکَ عن قَوْمِکَ ما استفہامیہ مبتداء ہے اور اَعْجَلَکَ اس کی خبر ہے یہاں استفہام استفادۂ علم کے لئے نہیں ہے اس لئے کہ خدا کو اس کی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ بات بتانے کے لئے ہے کہ تم جلد بازی کر کے اپنی قوم کو چھوڑ کر یہاں چلے آئے ہم نے تمہاری قوم کو ایک فتنہ میں مبتلا کر دیا۔

قِوْلَہٗ: ھُمْ اولاء۔ ھُمْ مبتداء ہے أُولاء بمعنی الذی ہے اور علی أثرِی اس کا صلہ ہے۔

قِوْلَہٗ: زیادۃٌ علیٰ رضاکَ کے اضافہ کا مقصد یہ ہے کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سبقت کرنے کی وجہ زیادتی رضا تھی نہ کہ نفس رضا اس لئے کہ نفس رضا تو نبی کو حاصل ہوتی ہے البتہ زیادتی مطلوب ہوتی ہے۔

قِوْلَہٗ: وقبل الجواب اَتٰی بالاعتذارِ الخ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ما اَعْجَلَکَ کا جواب عَجِلْتُ الیکَ ربِّ لِتَرضٰی ہے، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اصل جواب دینے سے پہلے ھُمْ اُولاءِ علی اَثرِی کہہ کر یہ عذر بیان کر دیا کہ میں نے ان کو چھوڑا نہیں ہے بلکہ وہ قریب ہی میرے ساتھ ہیں اور یہ عذر اس خیال سے بیان کر دیا کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ سمجھے ہوئے تھے کہ واقعۃً وہ میرے پیچھے پیچھے آرہے ہیں حالانکہ وہ وہیں رک گئے تھے جس کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا گمان خلاف واقعہ تھا اور گمان کا خلاف واقعہ ہونا اس وقت معلوم ہوا جب اللہ تعالیٰ نے فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قومَکَ مِنْ بَعْدِکَ فرمایا لِمَا میں لام تعلیلیہ ہے گویا کہ یہ خلاف مظنون ہونے کی علت ہے۔

قِوْلَہٗ: السامری بنی اسرائیل کے قبیلہ سامرہ کی طرف منسوب ہے بعض نے کہا ہے کہ سامرہ یہود میں ایک فرقہ ہے جو بعض باتوں میں بقیہ یہود سے مختلف ہے، بعض کہتے ہیں کہ کرمان کا ایک دہقانی کافر تھا اس کا نام موسیٰ بن ظفر ہے، یہ منافق تھا اس کی قوم گائے کی پوجا کرتی تھی موسیٰ سامری کی پرورش جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کی تھی اس لئے کہ اس کو بھی اس کی والدہ نے ذبح کے خوف سے ایک غار میں چھپا دیا تھا، حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کو اپنی انگلیاں چساتے تھے ایک

سے دودھ اور دوسری سے شہد اور تیسری سے گھی نکلتا تھا، موسیٰ الذی ربّاہُ فرعون مرسلٌ، موسیٰ الذی رباہُ جبرائیل کافرٌ، قرطبی کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ سامری ہندوستان کا رہنے والا تھا جو کہ گائے کی پوجا کرتا تھا (مزید تفصیل کے لئے لغات القرآن جلد سوم تالیف مولانا عبدالرشید نعمانی کی طرف رجوع کریں)۔

قِوْلَہُ: موسیٰ علم معرفہ ہے بنی اسرائیل کے مشہور پیغمبر ہیں ان کی والدہ کا نام یوحانث تھا، اور والد کا نام عمران تھا، کہا جاتا ہے کہ عبرانی زبان میں مُوْ پانی کو کہتے ہیں اور شٰی درخت کو کہتے ہیں عربی میں شین کو سین سے بدل دیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو پیدائش کے بعد چونکہ لکڑی کے ایک تابوت میں بند کر کے سمندر میں ڈالدیا گیا تھا اس لئے موسیٰ نام ہو گیا۔

تفسیر و تشریح

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَا اِلٰی موسٰی أن اَسْرِ بِعِبَادِیْ جب فرعون اور فرعونیوں کو حق و باطل کے معرکہ میں شکست فاش ہو گئی اور بنو اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی قیادت میں جمع ہو گئے تو اب اللہ تعالیٰ نے ان کو یہاں سے ہجرت کا حکم دیا چونکہ فرعون کو غرق کرنا تھا اس لئے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو دریا کی جانب کا راستہ اختیار کرنے کا حکم دیا تاکہ فرعون حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا تعاقب کرے اور غرق دریا ہو، حالانکہ شام ہو کر فلسطین کا خشکی کا بھی راستہ تھا، موسیٰ بنی اسرائیل کو لیکر شام کی جانب سے بھی جا سکتے تھے مگر مصلحت دریا کی طرف سے تھی اسی لئے یہ راستہ اختیار کیا، چونکہ فرعون کے تعاقب اور دریا میں غرق ہونے کا خطرہ تھا اس لئے دونوں خطروں سے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو مطمئن کر دیا گیا۔

اس آیت کے تحت مفسرین حضرات نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالہ سے یہ بات بھی لکھی ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کا انتقال ہونے لگا تو انہوں نے وصیت فرمائی کہ جب تم مصر سے جانے لگو تو میرا تابوت بھی ساتھ لیجانا، جب بنو اسرائیل ہجرت کرنے لگے تو خیال آیا کہ حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے تابوت کو ساتھ لے لیں مگر کسی کو حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کا مدفن معلوم نہیں تھا، البتہ ایک بڑھیا کو معلوم تھا، اس سے معلوم کر کے تابوت ہمراہ لے لیا، حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے اس بڑھیا سے کہا کہ جو تجھے مانگنا ہے، مانگ لے، بڑھیا نے کہا میں چاہتی ہوں کہ جنت میں آپ کے ساتھ رہوں، جب دیکھا کہ فرعون نہ تو ایمان لاتا ہے اور نہ بنی اسرائیل کو آزاد کرنے پر آمادہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو خاموشی سے لیکر نکل جانے کا حکم فرمایا۔

تفسیر روح المعانی میں یہ تفصیل بھی ہے، کہ اسرائیلیوں نے ہجرت سے پہلے یہ شہرت کر دی تھی کہ کل ہماری عید ہے ہم عید منانے کے لئے باہر جائیں گے اور اس بہانے سے قبطیوں سے کچھ زیورات عاریتاً لے لئے تھے کہ آکر واپس کر دیں گے بنی اسرائیل کی اس وقت کتنی تعداد تھی روایات مختلف ہیں چھ اور سات لاکھ تک بیان کی گئی ہے، چونکہ یہ سب اسرائیلی روایات ہیں ہو سکتا ہے کہ ان میں کچھ مبالغہ آمیزی سے کام لیا گیا ہو، مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ اسرائیلیوں کی تعداد لاکھوں سے کم نہیں تھی، اس لئے کہ ان کے بارہ قبیلے تھے اور ہر قبیلہ میں بڑی تعداد میں افراد تھے، موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام رات کے ابتدائی حصہ میں اپنی قوم بنی

اسرائیل کو لے کر دریائے قلزم کی طرف نکل گئے۔

فرعون کو جب اسرائیلیوں کے اس طرح سے نکل جانے کی اطلاع ملی تو اس نے فوجوں کو جمع کیا جن میں ستر ہزار سیاہ گھوڑے تھے اور صرف مقدمۃ الجیش میں سات لاکھ سوار تھے، جب بنی اسرائیل نے آگے دریا اور پیچھے فوجی سیلاب دیکھا تو گھبرا اٹھے، اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہنے لگے انا لمدرکون ہم تو پکڑے گئے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا اِنَّ معی ربی سَیَھْدِین کہ میرے ساتھ میرا رب ہے وہ مجھے ضرور راستہ دے گا پھر بحکم ربانی دریا پر اپنا عصا مارا جس کی وجہ سے دریا میں خشک بارہ راستے بن گئے بنی اسرائیل کے چونکہ بارہ قبیلے تھے ہر قبیلہ ایک راستہ سے بخیر وخوبی واطمینان کے ساتھ نکل گیا، جب فرعون اور اس کا لشکر دریا کے کنارے پہنچا تو یہ حیرت انگیز منظر دیکھ کر سہم گیا کہ اسرائیلیوں کے لئے کس طرح دریا میں راستے بن گئے مگر فرعون نے لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لئے کہا کہ یہ سب کچھ میری ہیبت کا کرشمہ ہے مگر دل ہی دل میں گھبرا رہا تھا اور دریائی راستوں میں داخل ہونے کے بارے میں تذبذب کا شکار تھا اس وقت فرعون ایک گھوڑے پر سوار تھا، حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک گھوڑی پر سوار ہو کر فرعون کے گھوڑے کے سامنے آئے گھوڑا بے قابو ہو گیا اور فرعون کو لیکر دریا میں داخل ہو گیا اس کے پیچھے فرعونی لشکر بھی دریا میں داخل ہو گیا جب اسرائیلی دریا پار ہو گئے اور فرعونی پورا لشکر دریا میں داخل ہو گیا تو حق تعالیٰ نے دریا کو روانی کا حکم دیدیا جس کی وجہ سے سب غرق دریا ہو گئے، یہی مطلب ہے فغشیَھُمْ مِنَ الیمِّ مَا غشیَھُمْ کا۔

وَوَاعَدْنٰکُمْ جَانِبَ الطور الایمن فرعون سے نجات اور دریا میں پار ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اور ان کے واسطہ سے تمام بنی اسرائیل سے یہ وعدہ فرمایا کہ وہ کوہ طور پر داہنی جانب چلے آئیں تا کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تورات عطا کی جائے اور بنی اسرائیل خود بھی اس شرف ہمکلامی کا مشاہدہ کرلیں۔

ونزلنا علیکم المنَّ والسلویٰ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب بنی اسرائیل دریا عبور کر کے آگے بڑھے اور ایک مقدس شہر میں داخل ہونے کا حکم ملا، انہوں نے خلاف ورزی کی اس کی یہ سزا دی گئی کہ اسی وادی میں جس کو وادی تیہ کہتے ہیں قید کر دیئے گئے اور چالیس سال تک اسی وادی میں بھٹکتے رہے اس سزا کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت سے ان پر قید کے زمانہ میں بھی طرح طرح کے انعامات ہوتے رہے انہی میں سے من وسلویٰ کا انعام تھا۔

قِوْلُہٗ: والمنادی مَن وُجِدَ الخ یا بنی اسرائیل میں منادیٰ ہر وہ یہودی ہے جو آپ ﷺ کے زمانہ میں تھا اور ذکر ان نعمتوں کا کیا گیا ہے جو آپ ﷺ کے زمانہ میں موجود یہودیوں کے آباء واجداد پر جو کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں موجود تھے گویا کہ یہ تمہید ہے اللہ تعالیٰ کے قول کُلُوا من طیّبٰتِ ما رزقنٰکُمْ الخ کی اس لئے کہ اگر حقیقت میں منادیٰ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے یہود ہوں اور حقیقت میں بھی روئے سخن ان کی طرف ہو تو کلوا من طیبٰت ما رزقنکم الخ کہنا صحیح نہیں رہے گا، اس لئے کہ جو لوگ صدیوں سال پہلے مر چکے ہیں ان کو کھانے پینے کا حکم کرنا اور ان کو سرکشی سے ممانعت کرنا غیر معقول بات ہے۔

وَمَا اَعْجَلَكَ عَنْ قومِكَ جب بنی اسرائیل دریا میں اور فرعون سے نجات پانے کے بعد آگے بڑھے تو ان کا بت پرستوں کی ایک بستی پر گذر ہوا تو ان کی عبادت کا طریقہ ان کو بہت پسند آیا تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہنے لگے کہ ہمارے لئے بھی کوئی محسوس خدا بنا دیجئے، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے احمقانہ سوال کے جواب میں فرمایا کہ تم بڑے جاہل ہو یہ بت پرست تو سب ہلاک ہونے والے ہیں ان کا طریقہ باطل ہے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ وعدہ فرمایا کہ اپنی قوم کے ساتھ کوہ طور پر آجایئے تو ہم آپ کو اپنی کتاب تورات عطا کریں گے جو آپ کے اور آپ کی قوم کے لئے دستور العمل ہوگی، مگر عطائے تورات سے پہلے آپ مسلسل تیس دن کے روزے رکھیں، اور پھر اس مقدار میں دس دن کا اضافہ کرکے چالیس کردیئے گئے، اس کے بعد موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کوہ طور کی طرف روانہ ہوگئے اور شوق کی زیادتی کی وجہ سے اپنی قوم کو یہ تاکیدی وصیت کرکے کہ تم میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ میں آگے جاکر عبادت اور روزوں میں مشغول ہوتا ہوں، جس کی مقدار مجھے تیس روزے بتلائی گئی ہے، میری غیبت میں ہارون میرے نائب اور خلیفہ ہوں گے، حضرت ہارون اور بنی اسرائیل اپنی رفتار سے چلتے رہے اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جلدی کرکے آگے چلے گئے اور خیال یہ تھا کہ قوم کے لوگ بھی کوہ طور کے قریب ہی پہنچ گئے ہوں گے مگر وہاں سامری کا فتنہ گوسالہ پرستی پیش آگیا جس کی وجہ سے پیچھے پیچھے آنے کا معاملہ رک گیا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا وَمَا اَعْجَلَكَ عن قومِكَ، مقصد استفہام نہیں ہے گو صیغہ استفہام کا ہے بلکہ اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ آپ کے منصب رسالت کا تقاضہ یہ تھا کہ آپ قوم کے ساتھ رہتے اور ان پر نظر رکھتے، آپ کی عجلت کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ قوم کو سامری نے گمراہ کردیا، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے اس سوال کا جواب سابق میں گذر چکا ہے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ای صِدقًا اَنَّهٗ یُعطِیکُم التَّورٰۃَ **اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ** مُدَّۃُ مُفارَقَتِیْ اِیَّاکُم **اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ** یجب **عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ** بِعِبادَتِکم العِجلَ **فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ** وتَرکتُم المَجِیْءَ بعدی **قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا** مُثَلَّثُ المِیمِ ای بِقُدرَتِنا او بِاَمرِنا **وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ** بفتحِ الحاءِ مُخففًا وبِضَمِّہا و کسرِ المِیمِ مُشَدَّدًا **اَوْزَارًا** اَثقالاً **مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ** ای حُلِیِّ قومِ فِرعَونَ اِستَعارَہا مِنہم بَنُو اِسرائیلَ بِعِلَّۃِ عُرسٍ فَبَقِیَتْ عِندَہم **فَقَذَفْنٰهَا** طَرَحْنَاہا فی النّارِ بِاَمرِ السَّامِرِیِّ **فَكَذٰلِكَ** کَمَا اَلقَیْنا **اَلْقَى السَّامِرِيُّ** مَا مَعَہٗ مِنْ حُلِیِّہِم ومِنَ التُّرابِ الذی اَخَذَہٗ مِنْ اَثَرِ حَافِرِ فَرَسِ جِبرَئِیلَ علی الوَجہِ الآتی **فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا** صَاغَہٗ لہم مِنَ الحُلِیِّ **جَسَدًا** لَحمًا ودَمًا **لَّهٗ خُوَارٌ** ای صَوتٌ یُسمَعُ ای اِنقَلَبَ کذٰلِکَ بِسَبَبِ التُّرابِ الذی اَثرُہُ الحَیاۃُ فِیمَا یُوضَعُ فیه ووَضَعَہٗ بعدَ صَوغِہٖ فی فَمِہٖ **فَقَالُوْا** ای السامری واَتباعُہٗ **هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ** موسٰی رَبَّہٗ ہُنا وذَہَبَ یَطلُبُہٗ قال تعالٰی **اَفَلَا يَرَوْنَ اَ** مُخَفَّفَۃٌ من الثَّقِیلَۃِ واسمُہا مَحذُوفٌ ای اَنَّہٗ **لَّا يَرْجِعُ** العِجلُ **اِلَيْهِمْ قَوْلًا** ای لا یَرُدُّ لہم جَوابًا **وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا** ای دَفعَہٗ **وَّلَا نَفْعًا** ای جَلبَہٗ فکیف یتخذ الٰہًا.

ترجمہ: موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میری قوم کیا تم سے میرے رب نے اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ یعنی سچا وعدہ، یہ کہ وہ تم کو تورات عطا کرے گا، کیا تم پر میری جدائی کا زمانہ زیادہ طویل ہو گیا تھا؟ یا تم کو یہ منظور ہوا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب واجب ہو جائے، تمہارے بچھڑے کی عبادت کرنے کی وجہ سے کہ تم نے میرے وعدہ کی خلاف ورزی کی کہ تم نے میرے پیچھے پیچھے آنے کو ترک کر دیا تو انہوں نے کہا ہم نے آپ کے وعدہ کی خلاف ورزی اپنے اختیار سے نہیں کی مَلْکِنَا کے میم میں تینوں حرکتیں درست ہیں، یعنی اپنی قدرت اور اپنے اختیار سے (خلاف ورزی نہیں کی) لیکن قوم کے زیورات کا بوجھ جو ہم پر لاد دیا گیا تھا ہم نے اس کو آگ میں ڈال دیا حَمَلْنَا فتحۂ حا اور فتحۂ میم مخفف کے ساتھ اور حا کے ضمہ اور کسرۂ میم مشدد کے ساتھ یعنی حُمِّلْنَا یعنی فرعون کی قوم (قبط) کے زیورات کا بوجھ جس کو بنی اسرائیل نے قبطیوں سے عید کے موقع پر عاریتاً لے لیا تھا پھر وہ انہی کے پاس رہ گیا، اور ہم نے ان زیورات کو سامری کے کہنے سے آگ میں ڈال دیا پس اسی طرح یعنی جس طرح ہم نے ڈالا تھا سامری نے بھی جو اس کے پاس ان کے زیورات تھے اور وہ مٹی جو اس نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے کھر کے نیچے سے لے لی تھی (آئندہ) مذکور طریقہ کے مطابق ڈال دی پھر اس نے ان لوگوں کے لئے ایک بچھڑا بنایا یعنی زیورات کا قالب (ڈھانچہ) بنایا کہ اس کے لئے گوشت اور خون بھی تھا اور اس کی بیل کے مانند آواز تھی یعنی سنی جانے والی آواز اور یہ انقلاب اس مٹی کی وجہ سے ہوا جس کی تاثیر حیات تھی جس میں اس کو ڈال دیا جائے اور اس مٹی کو سامری نے قالب کو ڈھالنے کے بعد اس کے منہ میں ڈال دیا چنانچہ سامری اور اس کے متبعین نے کہا یہ ہے تمہارا اور موسیٰ کا خدا موسیٰ تو اپنے خدا کو یہاں بھول گئے اور اس کو تلاش کرنے چلے گئے کیا وہ لوگ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ وہ بچھڑا ان کی کسی بات کو نہیں لوٹا سکتا یعنی ان کی کسی بات کا جواب نہیں دے سکتا أَلَّا (یہ أَنْ اور لا سے مرکب ہے) أَنْ مخففہ عن الثقیلہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے یعنی أَنَّہٗ اور نہ ان کے کسی ضرر کا مالک ہے کہ اس کو دفع کر سکے اور نہ نفع کا کہ اس کو حاصل کر سکے پھر کس طرح اس کو معبود بنایا جا سکتا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: اَنَّہٗ یُعْطِیْکُمُ التَّوْرَاۃَ یہ جملہ یَعِدُکُم کا مفعول ثانی ہے اور کُم مفعول اول ہے اور وَعْدًا حَسَنًا مفعول مطلق ہے۔

قِوْلَہٗ: اَفَطَالَ عَلَیْکُمُ الْعَهْدُ گو سالہ پرستی اور میری مخالفت پر تم کو کس چیز نے آمادہ کیا؟ یا تو طویل زمانہ تک میری مفارقت نے حالانکہ ایسا نہیں ہوا یا اس بات نے کہ تمہارا مقصد ہی غضب الٰہی کو دعوت دینا ہے؟ یہ بھی نامناسب ہے اس لئے کہ کسی عاقل کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ غضب الٰہی کو دعوت دے فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِیْ حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے یہ وعدہ لیا تھا کہ تم میرے پیچھے پیچھے کوہ طور پر آ جاؤ گے مگر قوم نے وعدہ خلافی کی اور گو سالہ پرستی میں مبتلا ہو گئی۔

قِوْلَہٗ: عَلَی الْوَجْهِ الْآتِیْ اس جملہ کا تعلق وَمِنَ التُّرَابِ سے ہے ای اَلْقٰی التراب عَلَی الْوَجْهِ الْآتِیْ اور وجہ آتی

یہ ہے وَاَلْقِی فیھا اَن اخذ قُبْضَۃً مِن تُرابٍ فَاَخْرَجَ اس کا عطف وَاَضَلَّھُمُ السامری پر ہے یہ خدا کا کلام ہے۔

قَوْلُہٗ: جَسَدًا یہ العجل سے حال ہے ای اَخْرَجَ لھم صورۃَ عجلٍ حَالَ کَوْنِھَا جَسَدًا.

قَوْلُہٗ: لَحمًا ودَمًا کا اضافہ اس بات کو بتانے کے لئے کیا ہے کہ جَسَد کہتے ہیں اس کو جو گوشت پوست سے بنا ہو خُوَارٌ بیل کی آواز کو کہتے ہیں یعنی یہ انقلاب ماہیت اس مٹی کے ڈالنے کی وجہ سے ہوئی، بسببِ التراب ای بسبب وضع التراب مضاف محذوف ہے مفسر علام کا و وضعہٗ کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ سب سے پہلے وضع مضاف محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: فَنَسِیَ اس کا فاعل موسیٰ بھی ہو سکتے ہیں جیسا کہ مفسر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے صراحت کر دی ہے لہٰذا یہ سامری کا کلام ہوگا اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ اپنے رب کو یہاں بھول گئے ہیں اور اس کو کوہ طور پر تلاش کرنے گئے ہیں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے نَسِیَ کا فاعل سامری ہو اس صورت میں یہ خدا کا کلام ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ سامری اپنے رب کو بھول گیا جس کی وجہ سے اس نے یہ حرکت کر ڈالی، اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ سامری اس بات پر استدلال کرنا بھول گیا کہ بچھڑا معبود نہیں ہو سکتا اور اس کی دلیل آئندہ آنے والا قول اَفَلَا یَرَوْنَ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْھِمْ قَوْلًا ہے اَلَّا اصل میں اَنَّہٗ لا تھا، اَنَّ کو مخفف کر کے اَنْ کیا اور ہ ضمیر اسم کو حذف کر دیا اور نون کو لام میں ادغام کر دیا اَلَّا ہو گیا بعض حضرات نے یرجعَ نصب کے ساتھ پڑھا ہے مگر اس میں ضعف ہے اس لئے کہ اَن ناصبہ افعال یقین کے بعد واقع نہیں ہوتا اور رویۃ پہلی صورت میں علمیہ ہے اور دوسری صورت میں بصریہ دَفْعَۃً محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ مضاف محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: جَلْبَۃً اس سے بھی مضاف محذوف کی طرف اشارہ کرنا ہے۔

قَوْلُہٗ: لایملك لَھُمْ ضَرًّا وَّلا نَفْعًا اس کا عطف لَایَرْجِعُ پر ہے۔

تفسیر و تشریح

اَلَمْ یَعِدْکُمْ ربکم وَعْدًا حَسَنًا حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ نے رنج و غم کے عالم میں واپس آکر قوم سے خطاب کیا اولاً ان کو خدا کا وعدہ یاد دلایا جس کے لئے وہ قوم کو لیکر طور کی جانب ایمن کی طرف چلے تھے، کہ یہاں پہنچ کر اللہ اپنی کتاب ہدایت عطا فرمائیں گے جس کے ذریعہ دین و دنیا کے تمام مقاصد پورے ہوں گے۔

اَفَطَالَ عَلَیْکُمُ العَھْدُ یعنی اللہ کے اس وعدہ پر کوئی بڑی مدت بھی نہیں گذری کہ جس میں تمہارے بھول جانے کا احتمال ہو یا زمانہ دراز تک وعدہ کا انتظار کرتے کرتے مایوس ہو گئے ہو اس لئے مجبوراً دوسرا طریقہ اختیار کر لیا ہو۔

اَمْ اردتم اَن یحِلَّ الخ یعنی بھول جانے یا انتظار سے تھک جانے کا کوئی احتمال نہیں تو اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ تم نے خود ہی اپنے قصد و اختیار سے اپنے رب کے غضب کو دعوت دی، اور مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کر بیٹھے قوم نے حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ سے جو وعدہ کیا تھا وہ یا تو یہ تھا کہ ہم آپ کی واپسی تک اللہ کی عبادت اور اس کی طاعت پر قائم رہیں گے یا

یہ وعدہ تھا کہ ہم آپ کے پیچھے پیچھے کوہ طور پر آرہے ہیں لیکن راستہ میں رک کر گوسالہ پرستی شروع کردی۔

قالوا مَا اَخْلَفْنَا الخ لفظ مِلک، مُلک دونوں کے معنی تقریباً ایک ہی ہیں، مطلب یہ ہے کہ ہم نے گوسالہ پرستی اپنے قصد واختیار سے نہیں کی بلکہ سامری کے عمل کو دیکھ کر ہم مجبور ہوگئے، ظاہر ہے کہ ان کا یہ دعویٰ غلط اور بے بنیاد تھا وہ خود اپنے ارادہ اور اختیار ہی سے گوسالہ پرستی میں مبتلا ہوئے تھے، سامری نے تو صرف اتنا کہا تھا کہ موسیٰ تم سے تیس دن کا وعدہ کرکے گئے تھے اب ان کو زیادہ دن ہوگئے معلوم ہوتا ہے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تم سے ناراض ہوگئے ہیں اور ناراضی کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ تم جو قبطیوں کا زیور عاریتاً لے کر آئے ہو اور واپس نہیں کیا یہ ان کو پسند نہیں ہے اس لئے کہ تمہارے لئے یہ مال بالکل حرام ہے لہٰذا تم ایسا کرو کہ یہ مال مجھے دیدو میں اس کو جلادوں گا چنانچہ سب نے تمام زیورات سامری کو دیدیئے اس نے وہ تمام زیورات ایک گڑھے میں ڈال کر پگھلا دیئے اور اپنے پاس جو زیورات تھے وہ بھی اسی میں ڈالدیئے اور ساتھ ہی وہ مٹی بھی ڈالدی جو حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھوڑے کے پیر کے نیچے سے اٹھائی تھی جس کی وجہ سے وہ بچھڑا بولنے لگا اور اسرائیلیوں نے اس کی پرستش شروع کردی۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی واپسی میں تاخیر کی اصل وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اولاً تیس روزے کوہ طور پر آکر رکھنے کے لئے کہا تھا پھر ان میں دس دن کا اور اضافہ کردیا جس کی وجہ سے واپسی میں تاخیر ہوگئی۔

وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَا اَوْزَارًا۔ اَوْزَار وِزْرٌ کی جمع ہے جس کے معنی بوجھ کے ہیں انسان کے گناہ بھی قیامت کے روز اس پر بوجھ بنا کر لادے جائیں گے اس لئے گناہ کو وزر کہا گیا ہے اور زِیْنَۃٌ سے مراد زیور اور قوم سے مراد قبطی، ان زیورات کو اوزار (گناہ) اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ زیورات عاریتاً لئے گئے تھے ان کے مالکوں کو واپس کرنے چاہئیں تھے چونکہ واپس نہیں کئے اس لئے ان کو وزر (گناہ) کہا گیا ہے، حدیث فتون میں ہے کہ ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی لوگوں کو زیورات کے گناہ ہونے پر متنبہ کیا تھا، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ سامری نے اپنا مقصد نکالنے کے لئے وہ ایک گڑھے میں ڈلوا دیا تھا تاکہ اس کو پگھلا کر بچھڑا بنا سکے۔

مَسْئَلَہ: یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو کافر نہ مسلمانوں کا ذمی ہے اور نہ ان سے کوئی معاہدہ ہے جن کو فقہاء کی اصطلاح میں کافر حربی کہتے ہیں ان کے اموال تو مسلمانوں کے لئے مباح الاصل اشیاء کی طرح حلال ہیں پھر ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو وزر کیسے قرار دیا؟ اور ان کو گڑھے میں ڈالنے کا حکم کیسے دیا؟ اس کا ایک جواب تو مشہور ہے جو عامۃ المفسرین نے لکھا ہے کہ کفار حربی کا مال لینا اگرچہ مسلمان کے لئے جائز ہے مگر وہ مال مال غنیمت کے حکم میں ہے اور مال غنیمت کا حکم شریعت اسلام سے پہلے یہ تھا کہ کافروں کے قبضہ سے نکال لینا تو جائز تھا مگر مسلمان کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں تھا مگر اس مال کو جمع کرکے ٹیلہ وغیرہ پر رکھ دیا جاتا تھا اور آسمانی آگ اس کو آکر جلا جاتی تھی یہ ان کے جہاد کے مقبول ہونے کی علامت تھی، آنحضرت ﷺ کی شریعت میں مال غنیمت کو حلال کردیا گیا جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں صراحت موجود ہے۔

فائدۂ عظیمہ:

فقہی نکتہ نظر سے اس مسئلہ کی تحقیق امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب السیر اور اس کی شرح سرخسی میں بیان کی گئی ہے وہ بہت اہم اور اقرب الی الصواب ہے وہ یہ کہ کافر حربی کا مال بھی ہر حال میں مال غنیمت نہیں ہوتا بلکہ اس کی شرط یہ ہے کہ با قاعدہ جہاد وقتال کے ذریعہ بزور شمشیران سے حاصل کیا جائے اسی لئے شرح سیر میں مغالبہ بالمحاربہ کو شرط قرار دیا ہے اور اگر جہاد وقتال کے ذریعہ حاصل نہ ہو اس کو مال غنیمت نہیں کہیں گے بلکہ اس کو مال فئ کہتے ہیں مگر اس کے حلال ہونے میں ان کافروں کی رضا اور اجازت شرط ہے جیسے کوئی اسلامی حکومت ان پر کوئی ٹیکس عائد کردے اور وہ راضی ہو کر یہ ٹیکس دیدیں تو یہ حلال ہوگا۔

مذکورہ صورت میں قبطیوں سے لئے ہوئے مال مذکورہ دونوں قسموں میں سے ایک قسم میں بھی داخل نہیں ہیں، کیونکہ یہ عاریتاً لئے گئے تھے اس لئے اسلامی شریعت کی رو سے بھی یہ مال ان کے لئے حلال نہ تھا۔

ہجرت کے موقع پر آپ ﷺ کے پاس اہل مکہ کی بہت سی امانتیں تھیں رسول اللہ ﷺ نے ان کی امانتوں کو واپس کرنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ میں چھوڑا تھا اور حکم دیا تھا کہ جس کی امانت ہے اس کو واپس کردی جائے، اس مال کو آپ ﷺ نے مال غنیمت کے تحت حلال قرار نہیں دیا۔

فقذفنھا یعنی ہم نے ان زیورات کو پھینک دیا، حدیث فتون کی رو سے یہ عمل حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم سے کیا گیا اور بعض روایات میں ہے کہ سامری نے ان کو بہکا کر زیورات گڑھے میں ڈلوادیئے، دونوں باتیں جمع ہو جائیں تو یہ بھی کوئی مستبعد نہیں۔

فَکَذٰلِکَ اَلْقَی السَّامِرِیُّ حدیث فتون میں مذکور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب بنی اسرائیل کے سب زیورات گڑھے میں ڈلوادیئے اور اس میں آگ جلوادی تو سامری بھی مٹھی بند کئے ہوئے پہنچا اور حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا میں بھی ڈالدوں، حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ سمجھا کہ اس کے ہاتھ میں بھی کوئی زیور ہوگا فرمایا ڈالدو، اس وقت سامری نے حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا میں جب ڈالوں گا کہ جب آپ یہ دعا کردیں کہ جو کچھ میں چاہتا ہوں وہ پورا ہو جائے ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کا کفر ونفاق معلوم نہیں تھا دعا کردی، اب جو اس نے اپنے ہاتھ سے ڈالا تو وہ زیور کے بجائے مٹی تھی جس کو اس نے جبرائیل امین کے گھوڑے کے قدم کے نیچے سے یہ حیرت انگیز واقعہ دیکھ کر اٹھالیا تھا کہ جس جگہ اس کا قدم پڑتا ہے وہیں مٹی میں نشو ونما اور آثار حیات پیدا ہو جاتے ہیں جس سے اس نے یہ سمجھا کہ اس مٹی میں آثار حیات رکھے ہوئے ہیں شیطان نے اس کو اس پر آمادہ کردیا کہ اس کے ذریعہ ایک بچھڑا زندہ کرکے دکھلادے، بہر حال مٹی کی یا حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا کی تاثیر سے یہ بچھڑا بن کر بولنے لگا، بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ سامری نے پگھلے ہوئے زیورات سے بچھڑے کا ایک ڈھانچہ بنادیا تھا اس کے بعد جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھوڑے کے قدم کے نیچے کی مٹی ڈالنے کی وجہ سے اس میں جان پیدا ہوگئی اور وہ بیلوں کی طرح بولنے لگا، یہ روایات قرطبی میں مذکور ہیں اھ ظاہر ہے کہ اسرائیلی

روایات ہیں جن پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا مگر ان کو غلط کہنے کی بھی دلیل موجود نہیں۔

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ ای قبلِ اَن یَّرجِعَ مُوسٰی یٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ فی عِبادَتِہٖ وَاَطِیْعُوْٓا اَمْرِیْ ﴿۹۰﴾ فیہا قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ نَزالَ عَلَیْهِ عٰكِفِیْنَ علی عِبادَتِہٖ مُقِیمِینَ حَتّٰی یَرْجِعَ اِلَیْنَا مُوْسٰی ﴿۹۱﴾ قَالَ مُوسٰی بَعدَ رُجُوعِہٖ یٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَیْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿۹۲﴾ بِعِبادَتِہٖ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۚ لا زائِدَةٌ اَفَعَصَیْتَ اَمْرِیْ ﴿۹۳﴾ باِقَامَتِكَ بَینَ مَن یَّعبُدُ غَیرَ اللّٰہِ قَالَ ہٰرُونُ یَبْنَؤُمَّ بِكَسرِ المِیمِ وفَتحِہا اَرادَ اُمِّی وذِكرُہا اَعطَفُ لِقَلبِہٖ لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ وكَانَ اَخَذَہا بِشِمَالِہٖ وَلَا بِرَاْسِیْ ۚ وكَانَ اَخَذَ شَعْرَہٗ بِیَمِینِہٖ غَضَبًا اِنِّیْ خَشِیْتُ لو اِتَّبَعتُكَ ولَابُدَّ اَن یَّتَّبِعَنِی جَمعٌ مِمَّن لم یَعبُدِ العِجلَ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وتَغضَبَ عَلَیَّ وَلَمْ تَرْقُبْ تَنتَظِرُ قَوْلِیْ ﴿۹۴﴾ فیما رَاَیتَہ فی ذٰلك قَالَ فَمَا خَطْبُكَ شَانُكَ الدَّاعِیُ اِلٰی مَا صَنَعتَ یٰسَامِرِیُّ ﴿۹۵﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ یَبْصُرُوْا بِهٖ بالیاءِ وَالتَّاءِ ای عَلِمتُ مَالَم یَعلَمُوہُ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ تُرابِ اَثَرِ حافِرِ فَرَسِ الرَّسُوْلِ جِبرَئِیلَ فَنَبَذْتُهَا اَلقَیتُہا فی صُورَۃِ العِجلِ المُصَاغِ وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ زَیَّنَت لِیْ نَفْسِیْ ﴿۹۶﴾ والقِی فِیہا اَن اٰخُذَ قَبضَۃً مِن تُرابِ مَا ذُكِرَ واُلقِیہا علی مالا رُوحَ لہٗ یَصِیرُ لہ رُوحٌ ورَاَیتُ قومَكَ طَلَبُوا مِنكَ اَن تَجعَلَ لَہُم اِلٰہًا فَحَدَّثَتنِی نَفسِی اَن یَّكُونَ ذٰلك العِجلُ اِلٰہَہُم قَالَ لہ مُوسٰی فَاذْهَبْ مِن بَینِنا فَاِنَّ لَكَ فِی الْحَیٰوةِ ای مُدَّۃَ حَیاتِكَ اَنْ تَقُوْلَ لِمَن رَاَیتَہٗ لَا مِسَاسَ ای لَا تَقرُبنِی فكَانَ یَہِیمُ فی البَرِّیَّۃِ واذا مَسَّ اَحَدًا او مَسَّہٗ اَحَدٌ حُمَّا جَمِیعًا وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لعَذابِكَ لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ بكَسرِ اللامِ ای لَن تَغِیبَ عَنہ وبفَتحِہا ای بل تُبعَثُ الیہ وَانْظُرْ اِلٰٓی اِلٰهِكَ الَّذِیْ ظَلْتَ اَصلُہٗ ظَلِلتَ بلامَینِ اُولٰہما مَكسُورَۃٌ وحُذِفَت تَخفِیفًا ای دُمتَ عَلَیْهِ عَاكِفًا ۚ ای مُقِیمًا تَعبُدُہ لَنُحَرِّقَنَّهٗ بالنَّار ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾ لَنُذرِیَنَّہٗ فی ہَواءِ البَحرِ وفَعَلَ مُوسٰی بَعدَ ذَبحِہٖ مَا ذَكَرہ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾ تَمییزٌ مُحَوَّلٌ مِنَ الفَاعِلِ ای وَسِعَ عِلمُہٗ كُلَّ شَیءٍ كَذٰلِكَ ای كَمَا قَصَصنَا عَلَیكَ ہٰذِہِ القِصَّۃَ نَقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ اَنْبَآءِ اَخبارِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ مِنَ الاُمَمِ وَقَدْ اٰتَیْنٰكَ اَعطَیناكَ مِنْ لَّدُنَّا مِن عِندِنا ذِكْرًا ﴿۹۹﴾ ۚ قُرآنًا مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَلَم یُؤمِن بہ فَاِنَّهٗ یَحْمِلُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾ حِملًا ثَقِیلًا مِنَ الاِثمِ خٰلِدِیْنَ فِیْهِ ای فی عَذابِ الوِزرِ وَسَآءَ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾ لا تَمییزٌ مُفَسِّرٌ لِلضَّمِیرِ فی سَاءَ والمَخصُوصُ بالذَّمِّ مَحذُوفٌ تقدیرُہٗ وِزرُہُم واللام لِلبَیانِ ویُبدَلُ مِن یَومَ القِیٰمَۃِ یَّوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ القَرنِ النَّفخَۃُ الثَّانِیَۃُ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِیْنَ الكٰفِرِینَ یَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾ ۚ عُیُونُہُم مَعَ سَوادِ وُجُوہِہِم یَّتَخَافَتُوْنَ بَیْنَهُمْ یَتَسارُّونَ اِنْ ما لَّبِثْتُمْ فی الدُّنیا اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾ مِنَ اللَّیالِی بِاَیَّامِہا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ فیہ ذٰلكَ ای لَیسَ كما قَالُوا اِذْ یَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ اَعدَلُہم طَرِیْقَةً فیہ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا یَوْمًا ﴿۱۰۴﴾ ۚ یَستَقِلُّونَ لُبثَہُم فی الدُّنیا

جِدًّا لِمَا يُعَايِنُوْنَهٗ فِي الآخِرَةِ مِن اَهْوالِـهَا.

ترجمہ: اور ہارون علیہ الصلوۃ والسلام نے ان سے پہلے یعنی موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے واپس آنے سے پہلے کہہ دیا تھا اے میری قوم تم اس گوسالہ کی وجہ سے آزمائش میں مبتلا کردیئے گئے ہو اور بلاشبہ تمہارا رب تو رحمٰن ہے لہٰذا تم اس کی عبادت کرنے میں میری اتباع کرو اور عبادت کے معاملہ میں میری بات مانو ان لوگوں نے جواب دیا ہم تو اسی پر جمے رہیں گے یعنی اسی کی عبادت پر قائم رہیں گے موسیٰ کے ہمارے پاس واپس آنے تک موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے واپسی کے بعد فرمایا اے ہارون جب تم نے ان کو دیکھا کہ یہ گمراہ ہوگئے بچھڑے کی عبادت کی وجہ سے تو میرے پاس چلے آنے سے کیا امر مانع ہوا؟ اَلَّا تَتَّبِعَنِ میں لا زائدہ ہے سو کیا تو نے میرے کہنے کے خلاف کیا؟ غیر اللہ کی بندگی کرنے والوں میں مقیم رہ کر ہارون علیہ الصلوۃ والسلام نے کہا اے میرے ماں جائے بھائی میری ڈاڑھی نہ پکڑ یـا ابن اُمِّ میم پر کسرہ اور فتحہ کے ساتھ ہے اور اُمِّ سے مقصد اُمّی ہے (ی حذف کردی گئی ہے یعنی منادی مرخم ہے) اور یـا اُمَّ کا ذکر کرنا یہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے دل کو زیادہ مہربان کرنے والا ہے، نہ یہ کہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے ماں شریک (اخیافی) بھائی تھے اور (موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام) نے اپنے بائیں ہاتھ سے ڈاڑھی پکڑ لی تھی اور نہ سر کے (بال) پکڑ اور موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے غصہ میں اپنے داہنے ہاتھ سے ان کے سر کے بال پکڑ لئے تھے مجھے تو یہ اندیشہ ہوگیا تھا کہ اگر میں آپ کے پیچھے چلا آتا تو ضروری بات تھی کہ ایک جماعت جس نے گوسالہ پرستی نہیں کی تھی میرے ساتھ آتی تو آپ کہتے ہیں کہ تو نے بنی اسرائیل کے درمیان تفرقہ ڈال دیا اور آپ مجھ پر غصہ ہوتے اور تو نے میری بات کا لحاظ نہ رکھا اس معاملہ میں جو تو نے دیکھا (یعنی میں اصلاح کے لئے کہہ کر گیا تھا اور تو نے قوم میں تفریق ڈال دی) (پھر موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام اصل مجرم) کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے سامری تیرا کیا معاملہ ہے تو سامری نے جواب دیا مجھے وہ چیز نظر آئی جو دوسروں کو نظر نہیں آتی تَبْصُرُوْا یا اور تا کے ساتھ ہے یعنی جو بات میرے علم میں آئی دوسروں کے علم میں نہیں آئی پھر میں نے اس فرستادے (یعنی جبرائیل کے گھوڑے کے) نقش قدم سے ایک مٹھی (خاک) بھر لی پھر میں نے وہ مٹھی خاک اس ڈھلے ہوئے بچھڑے کے قالب میں ڈال دی اور میرے دل کو یہی بات پسند آئی اور میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ میں مذکورہ خاک میں سے ایک مٹھی خاک لوں اور اس ایک مٹھی خاک کو اگر بے جان چیز میں ڈال دوں تو اس میں جان پڑ جائے گی اور میں نے تیری قوم کو دیکھا تھا کہ اس نے تجھ سے مطالبہ کیا تھا کہ تو ان کے لئے کوئی معبود بنا دے تو میرے دل نے مجھے سمجھایا کہ یہ بچھڑا ان کا معبود ہوسکتا ہے موسیٰ نے فرمایا تو ہمارے درمیان سے چلا جا دنیوی زندگی میں تیری یہ سزا ہے کہ تو زندگی بھر ہر اس شخص سے جس کو تو دیکھے گا کہے گا کہ مجھے نہ چھونا یعنی میرے قریب نہ آنا چنانچہ وہ جنگلوں میں بھٹکتا پھرتا تھا اور جب وہ کسی کو چھو لیتا تھا یا اسے کوئی چھو لیتا تھا تو دونوں بخار میں مبتلا ہوجاتے تھے اور ایک وعدہ تیرے لئے عذاب کا اور ہے تو ہرگز نہ بچے گا تـخـلِفهٗ لام کے کسرہ کے ساتھ یعنی تو اس سے نہ بچ سکے گا، اور فتحہ لام کے ساتھ یعنی تجھ کو اس عذاب تک ضرور پہنچایا جائے گا اور تو اپنے اس معبود کو دیکھ

کہ جس کی عبادت پر تو جما ہوا تھا ظَلْتَ اسکی اصل ظَلِلْتَ دو لاموں کے ساتھ تھی اول ان میں کا مکسور جس کو تخفیفاً حذف کر دیا گیا اور معنی اس کے دُمْتَ کے ہیں یعنی تو اس کی بندگی میں ہمیشہ لگا رہا ہم اس کو آگ میں جلا دیں گے اور پھر ہم اس کو ریزہ ریزہ کر کے دریا میں اڑا دیں گے یعنی اس کو ہم دریا کی فضا میں اڑا دیں گے اور حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کو ذبح کرنے کے بعد ایسا ہی کیا پس تمہارا معبود (حقیقی) تو اللہ ہی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا علم ہر شئ کو حاوی ہے عِلْمًا تمیز ہے فاعل سے منقول ہوئی ہے (اور تقدیر عبارت یہ ہے) ای وَسِعَ عِلْمُهُ كُلَّ شَيْءٍ یعنی جس طرح ہم نے آپ کو یہ قصہ سنایا ہم اسی طرح آپ کو سابقہ امتوں کی خبریں بھی سناتے ہیں اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ایک نصیحت نامہ یعنی قرآن دیا ہے اور جو شخص اس سے اعراض کرے گا اس پر ایمان نہ لائے گا تو وہ قیامت کے دن گناہوں کا بڑا بھاری بوجھ اٹھائے گا اور وہ گناہوں کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بوجھ ان کے لئے قیامت کے روز برا ہوگا حِمْلًا تمیز ہے جو کہ ساء کی ضمیر کی تفسیر کر رہی ہے اور مخصوص بالذم محذوف ہے اس کی تقدیر وِزْرُهم ہے اور (لهم) میں لام بیانیہ ہے اور يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ يومَ القيامَةِ سے بدل ہے (اور صور سے مراد) سینگ ہے اور نفخ سے مراد نفخۂ ثانیہ ہے اور ہم اس روز مجرموں کافروں کو جمع کریں گے اس حال میں کہ وہ گربہ چشم ہوں گے یعنی ان کے چہروں کے سیاہ ہونے کے ساتھ ان کی آنکھیں بھی کرنجی (نیلی) ہوں گی آپس میں خفیہ چپکے چپکے باتیں کرتے ہوں گے کہ تم لوگ دنیا میں صرف دس دن رات رہے ہو گے ہم خوب جانتے ہیں قیام کی اس (مدت) کو جس قیام کی مدت کے بارے میں یہ دس دن کی بات کہیں گے یعنی بات ایسی نہیں ہے جو یہ کہیں گے جبکہ ان میں کا اس معاملہ میں سب سے زیادہ صائب الرائے یوں کہے گا کہ تم تو صرف ایک ہی روز (قبر میں) رہے ہو یہ لوگ دنیا میں اپنے قیام کی مدت کو نہایت قلیل سمجھیں گے جب آخرت میں اس کی ہولناکیوں کا مشاہدہ کریں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ، ولقد میں لام قسمیہ ہے ای وَاللّٰهِ لَقَدْ نَصَحَ هارون ونَبَّه على حقيقة الأمر من قبل رجوع موسىٰ اليهم.

قَوْلُهُ: اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ یعنی تم بچھڑے کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا کر دیئے گئے ہو اِنَّمَا کلمۂ حصر سے جو حصر مستفاد ہو رہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ بچھڑا تمہارے فتنہ کا سبب بنا ہے، نہ کہ ہدایت کا، یہ مطلب نہیں ہے کہ تم بچھڑے کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہوئے ہو نہ کسی اور وجہ سے۔

قَوْلُهُ: رَبُّكُمُ الرَّحْمٰنُ یہاں خاص طور پر رحمٰن کا لفظ اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے لایا گیا کہ معلوم ہو جائے کہ اگر صدق دل سے توبہ کر لی جائے تو وہ توبہ قبول کر لیتا ہے اس لئے کہ وہ رحمٰن ہے۔

قَوْلُہٗ: اَنْ لَّا تَتَّبِعَنِ لازائدہ ہے جیسا کہ اَن لا تَسْجُدَ میں لازائدہ ہے تاکید کے لئے ہے اَنْ لّا تَتَّبِعَنِ، مَنَعَ کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے اور مَنَعَكَ میں کاف مفعول اول ہے اِذْ رَاَيْتَهُمْ منع کا ظرف ہے ای اَیُّ شیءٍ مَنَعكَ حِيْنَ رُؤْيَتِكَ لِضَلَالِهِمْ مِنْ اِتباعِي.

قَوْلُہٗ: اَفَعَصَيْتَ میں ہمزہ استفہام انکاری توبیخ کے لئے ہے اور فا عاطفہ مقدر پر عطف کے لئے ہے۔

قَوْلُہٗ: وكان اَخَذَ شعرهٗ ای شعرَ راسِهٖ.

قَوْلُہٗ: ولم ترقب کا عطف ان تقولَ پر ہے یعنی اس ڈر سے کہ تو کہے گا کہ میں نے قوم میں تفریق کردی اور اس ڈر سے کہ تو کہے گا کہ تو نے میری بات کا پاس لحاظ نہیں کیا۔

قَوْلُہٗ: بالياء ای لم يَبْصُرُوْا ای بنو اسرائيل وبالتاء ای اَنْتَ وقومكَ.

قَوْلُہٗ: المصاغ الاصح المصوغ كما في بعض النسخ.

قَوْلُہٗ: فَقَبَضْتُ قبضًا معنی مٹھی بھرنا، اور بعض نسخوں میں فَقَبَصْتُ قبصًا صاد مہملہ کے ساتھ ہے چٹکی بھرنا۔

قَوْلُہٗ: من اثر الرسول ای من محل اثر حافر فرس الرسول یعنی جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھوڑے کے نقش قدم کی جگہ سے۔

قَوْلُہٗ: وَاُلْقِي فيها اس کا عطف سَوَّلَتْ لِیْ نفسِي پر عطف تفسیری ہے یعنی میرے نفس نے مجھے یہ بات سمجھائی اور میرے قلب میں یہ بات ڈالی گئی کہ میں اس مٹی میں سے ایک چٹکی اس میں ڈالدوں تو اس بے جان میں جان پڑ جائے گی۔

قَوْلُہٗ: لا مِسَاس یہ باب مفاعلہ کا مصدر منصوب ہے یعنی نہ کوئی تجھے چھوئے اور نہ تو کسی کو چھوئے۔

قَوْلُہٗ: وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا مَوْعِدًا مصدر ہے اور معنی میں وَعْدًا کے ہے۔

قَوْلُہٗ: لَنَنْسِفَنَّهٗ جمع متکلم مضارع بانون تاکید ثقیلہ ہم اس کو ہوا میں ضرور اڑادیں گے (ض)۔

قَوْلُہٗ: اِنَّما اِلٰهُكم اللّٰه الخ یہ جملہ مستانفہ ہے اور یہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ کا اختتام ہے۔

قَوْلُہٗ: كذٰلِكَ نقص عَلَيكَ الخ یہ بھی جملہ مستانفہ ہے یہ حضور ﷺ کی تسلی اور تکثیر معجزات کے لئے ہے كَذٰلِكَ نقُصُّ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے ای نقص قصصًا كذٰلك.

قَوْلُہٗ: مَنْ اَعْرَضَ عنهُ کی تفسیر فلم يؤمن به سے کر کے اشارہ کردیا کہ یہاں اعراض سے مراد انکار ہے۔

قَوْلُہٗ: فيهِ ای فِي عذاب الوزر اس میں حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُہٗ: خالدين يحملُ کی ضمیر سے حال ہے جو کہ مَن کی طرف لوٹ رہی ہے يحمل میں لفظ اور خالدين میں مَن کے

معنی کی رعایت سے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔

قِوْلِهٗ: زُرْقًا یہ المجرمین سے حال ہے ازرق کی جمع ہے صفت مشبہ ہے اس کے معنی ہیں گربہ چشم جسے کرنجا کہتے نیلی آنکھوں والا، یتخافتون زُرقًا کی ضمیر سے حال ہے۔

قِوْلِهٗ: اَعْدَلُهُمْ اَعْدَل سب سے زیادہ صحیح رائے رکھنے والا، یہ صحیح رائے اقرب الی الصواب کے اعتبار سے نہیں کہا ہے، بلکہ اقرب الی الهول کے اعتبار سے اَعْدَل کہا ہے یعنی اس کے قول میں اس دن کی ہولنا کی کا زیادہ اظہار ہے۔

تفسیر وتشریح

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُوْنُ جب بنی اسرائیل گوسالہ پرستی میں مبتلا ہو گئے اور حضرت ہارون علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی خلافت و نیابت کا حق ادا کرتے ہوئے قوم کو بڑے حکیمانہ انداز سے سمجھایا، حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے کوہ طور پر تشریف لیجانے کے بعد قوم تین فرقوں میں تقسیم ہو گئی ایک فرقہ حضرت ہارون علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ رہا، گوسالہ پرستی کو گمراہی سمجھا ان کی تعداد بارہ ہزار بتلائی گئی ہے (کذا فی القرطبی) باقی دو فرقے گوسالہ پرستی میں تو مبتلا ہو گئے مگر فرق اتنا رہا کہ ایک فرقہ نے کہا کہ اگر موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام آکر منع کریں گے تو ہم باز آجائیں گے مگر تیسرا فرقہ گوسالہ پرستی پر اس قدر پختہ ہو گیا تھا کہ اگر موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام بھی منع کریں گے تو ہم نہیں چھوڑیں گے بلکہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام بھی اسی گوسالہ کو اپنا معبود بنالیں گے ہارون علیہ الصلاۃ والسلام نے جب ان دونوں فرقوں کا یہ جواب سنا تو اپنے ہم عقیدہ بارہ ہزار لوگوں کو لیکر ان سے الگ تو ہو گئے مگر رہنے اور قیام کی جگہ وہی رہی گویا کہ تینوں فرقوں میں اشتراک مکانی باقی رہا حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے آکر اولاً تو بنی اسرائیل کو خطاب کیا جس کی تفصیل سابقہ آیات میں گذر چکی ہے پھر حضرت ہارون علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف متوجہ ہو کر ان پر سخت ناراضی کا اظہار کیا حتی کہ ان کی ڈاڑھی اور سر کے بال پکڑ کر کھینچے اور فرمایا جب ان بنی اسرائیل کو تم نے دیکھ لیا کہ گمراہی اور شرک میں مبتلا ہو گئے تو تم نے میرا اتباع کیوں نہیں کیا؟ اور میرے حکم کی خلاف ورزی کیوں کی؟

مَا مَنَعَكَ اِذْ رَأَيْتَهُمْ الخ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے اس ارشاد کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ اتباع سے مراد یہ کہ جب تم نے قوم کی حالت دیکھی تو تم کو کوہ طور پر میرے پاس آنے سے کیا امر مانع ہوا؟ اور بعض مفسرین نے اتباع سے یہ مراد لی ہے کہ جب بنی اسرائیل گمراہ ہو گئے تھے تو تم نے ان کا مقابلہ کیوں نہیں کیا اس لئے کہ اگر میں موجود ہوتا تو یقیناً ان سے جہاد کرتا جب تم میرے نائب اور خلیفہ تھے تو تم نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ حضرت ہارون علیہ الصلاۃ والسلام نے ادب کی پوری رعایت رکھتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو نرم کرنے کے لئے یا ابن اُمّ سے خطاب فرمایا اور کہا میں آپ کا بھائی ہی تو ہوں کوئی غیر یا دشمن تو نہیں ہوں

اس لئے آپ پہلے میرا عذر سنیں اس کے بعد حضرت ہارون علیہ الصلاۃ والسلام نے عذر بیان کرتے ہوئے فرمایا اِنِّی خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ الـخ مجھے خطرہ یہ ہوگیا کہ اگر آپ کی آمد سے پہلے ان لوگوں کے ساتھ مقابلہ ومقاتلہ کرنے پر اقدام کرتا یا ان کو چھوڑ کر بارہ ہزار ساتھیوں کو اپنے ساتھ لیکر آپ کے پاس آگیا ہوتا تو بنی اسرائیل میں تفرقہ پیدا ہوکر خانہ جنگی کی شکل پیدا ہوجاتی، اور آپ نے چلتے وقت مجھے یہ ہدایت فرمائی تھی اخلفنی فی قومی واصلح، میں اس اصلاح کا مقتضا یہ سمجھا تھا کہ ان میں تفرقہ پیدا نہ ہونے دوں ممکن ہے کہ آپ کے واپس آنے کے بعد یہ سب سمجھ جائیں اور ایمان اور توحید پر واپس آجائیں، قرآن کریم میں دوسری جگہ سورۂ اعراف میں حضرت ہارون علیہ الصلاۃ والسلام کے عذر میں یہ قول بھی آیا ہے اِنَّ القومَ استضعفونی وکادوا یقتلوننی یعنی بنی اسرائیل نے مجھے کمزور سمجھا اس لئے کہ میرے ساتھی دوسروں کے مقابلہ میں بہت کم تھے قریب تھے کہ مجھے قتل کردیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ہارون علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی ذمہ داری پوری طرح نبھائی اور قوم کو سمجھانے میں کسی مداہنت یا سستی سے کام نہیں لیا لیکن معاملہ کو اس حد تک نہیں جانے دیا کہ خانہ جنگی شروع ہوجائے، کیونکہ ہارون علیہ الصلاۃ والسلام کے قتل کا مطلب پھر ان کے حامیوں اور مخالفوں میں خونی تصادم ہوتا اور بنی اسرائیل دو گروہوں میں بٹ جاتے، حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام چونکہ خود موقع پر موجود نہیں تھے اس لئے صورت حال کی نزاکت ان کے سامنے نہیں تھی اس بنا پر حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرت ہارون علیہ الصلاۃ والسلام کو سخت سست کہا لیکن پھر اصل دشمن کی طرف متوجہ ہوئے، مذکورہ دونوں عذر ایک ساتھ جمع ہوسکتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے جب یہ عذر سنا تو ہارون علیہ الصلاۃ والسلام کو چھوڑ دیا اور اصل مجرم اور فساد کے بانی سامری کی طرف متوجہ ہوئے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ اور فرمایا اے سامری تیرا کیا معاملہ ہے؟ تو نے یہ حرکت کیوں کی؟ تو سامری نے جواب دیا کہ میں نے وہ چیز دیکھی جو دوسروں نے نہیں دیکھی اس سے مراد جبرائیل علیہ الصلاۃ والسلام ہیں، سامری حضرت جبرائیل علیہ الصلاۃ والسلام کو پہچانتا تھا اس لئے کہ سامری بھی اسی سال پیدا ہوا تھا جس سال حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پیدا ہوئے تھے اور وہ اسرائیلی لڑکوں کو قتل کرنے کا سال تھا، سامری کی والدہ نے جلادوں کے قتل کے ڈر سے پہاڑ کی ایک غار میں چھپا دیا تھا وہاں حضرت جبرائیل علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کی پرورش فرمائی تھی جس کی وجہ سے سامری حضرت جبرائیل علیہ الصلاۃ والسلام سے مانوس تھا (کما فی روایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملخصاً) چنانچہ جب جبرائیل علیہ الصلاۃ والسلام حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس تشریف لائے تو سامری نے پہچان لیا اور ان کے گھوڑے کے نقشِ قدم سے اس کی عجیب وغریب تاثیر دیکھ کر ایک مٹھی خاک اٹھالی اور اس کی عجیب وغریب تاثیر سے یہ نتیجہ اخذ کرلیا کہ اگر اس کو بے جان شئ میں ڈالدیا جائے تو اس میں جان پڑ جائے گی چنانچہ بنی اسرائیل سے حاصل کردہ زیورات سے جو بچھڑے کا ایک ڈھانچہ (قالب) تیار کیا تھا اس کے منہ میں اس خاک میں سے ایک چٹکی خاک ڈالدی جس کی وجہ سے وہ بچھڑے کی طرح بولنے لگا، یہ پوری تفصیل روح المعانی سے ملخصاً ماخوذ ہے، اور اس تفسیر پر ظاہر پرستوں نے جو اعتراضات کئے

ہیں ان سب کا جواب بھی مذکور ہے۔

فَاِنَّ لَكَ فِي الحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لا مِسَاسَ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے سامری کے لئے دنیوی زندگی میں یہ سزا تجویز کی کہ سب لوگ اس سے بائی کاٹ (مقاطعہ) کریں کوئی شخص بھی اس سے کسی قسم کا سروکار نہ رکھے، مذکورہ سزا ہوسکتا ہے کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے قانونی طور پر نافذ کی ہو جس کی پابندی ہر شخص پر ضروری ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی بددعاء سے اس میں یہ کیفیت پیدا ہوگئی ہو کہ نہ وہ کسی کو چھو سکے اور نہ دوسرا اس کو چھو سکے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی بددعاء سے اس میں یہ کیفیت پیدا ہوگئی تھی کہ اگر یہ کسی کو ہاتھ لگادے یا کوئی دوسرا اس کو ہاتھ لگادے تو دونوں کو بخار چڑھ جاتا تھا اس ڈر اور خوف کی وجہ سے وہ انسانوں سے دور جنگلوں میں مارا مارا پھرتا رہتا تھا جب وہ کسی شخص کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھتا تو دور ہی سے چلانے لگتا تھا لا مِسَاسَ یعنی کوئی مجھے نہ چھوئے۔

لَنُحَرِّقَنَّهٗ یعنی ہم اس کو آگ میں جلادیں گے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ بچھڑا سونے چاندی کے زیورات کا ڈھلا ہوا تھا تو اس کو آگ میں جلانے کی کیا صورت ہوگی، جواب یہ ہے کہ اولاً تو خود اس بات میں اختلاف ہے کہ بچھڑے میں آثار حیات پیدا ہونے کے بعد بھی وہ چاندی سونے ہی کا رہا یا اس کی حقیقت تبدیل ہو کر گوشت پوست اور خون کا بن گیا (جیسا کہ مفسر علام کی رائے ہے) تب تو اس کے جلانے کا مطلب ظاہر ہے اور اگر وہ چاندی سونے ہی کا رہا تو اس کے جلانے کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کو سوہان سے گھس کر ذرہ ذرہ کردیا جائے گا، یا کسی اکسیری (کیمیاوی) دوا کے ذریعہ اس کو خاکستر کردیا جائے گا جیسا کہ زمانہ قدیم سے سونے اور چاندی بلکہ ہر دھات کو کشتہ کرکے خاک کردی جاتی ہے۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ اس سورت میں اصل بیان توحید، رسالت اور آخرت کے مسائل کا ہے، انبیاء علیہم السلام کے واقعات اسی سلسلہ میں بیان ہوئے ہیں حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا قصہ بڑی تفصیل سے بیان ہوا ہے اس کے ضمن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اثبات بھی ہے اسی اثبات کا ایک یہ حصہ بھی ہے، جو آئندہ آیات میں بیان ہوا ہے کہ ان واقعات اور قصص کا اظہار ایک نبی امی کی زبان سے خود دلیل نبوت و رسالت ہے جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا قصہ بیان کیا اسی طرح ہم تیرے سامنے پہلے کے گذرے ہوئے لوگوں کے قصے اور وارداتیں بیان فرما رہے ہیں تاکہ آپ لوگوں کو سنائیں اور وہ آپ کے لئے دلیل نبوت ثابت ہوں اس لئے کہ ہزارہا سال پہلے کے واقعات کا علم صرف وحی الٰہی ہی کے ذریعہ ہوسکتا ہے خاص طور پر ایک امی شخص کو۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ كَيفَ تَكُونُ يَومَ القِيٰمَةِ فَقُلْ لَهُم يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ بِاَن يُفَتِّتَها كَالرَّمْلِ السَّائِلِ ثم يُطِيرُها بالرِّيَاحِ فَيَذَرُهَا قَاعًا مُنْبَسِطًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ مُسْتَوِيًا لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا اِنخفاضا وَّلَآ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾ اِرْتِفاعًا يَوْمَئِذٍ

ای يَوْمَ إِذَا نُسِفَتِ الجِبَالُ **يَتَّبِعُوْنَ** ای النَّاسُ بَعْدَ القِيَامِ مِنَ القُبُوْرِ **الدَّاعِيَ** الی المَحْشَرِ بِصَوْتِهٖ وهو إِسْرَافِيلُ يَقُوْلُ هَلُمُّوا الی عَرْضِ الرَّحْمٰنِ **لَا عِوَجَ لَهٗ** ای لِاتِّبَاعِهِمْ ای لا يَقْدِرُوْنَ ان لا يَتَّبِعُوا **وَخَشَعَتِ** سَكَنَتْ **الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا** صَوْتَ وَطْيِ الاَقْدَامِ فی نَقْلِهَا الی المَحْشَرِ كَصَوْتِ اَخْفَافِ الإِبِلِ فی مَشْيِهَا **يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ** اَحَدًا **إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ** اَن يَشْفَعَ لَهٗ **وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا** بِاَنْ يَقُوْلَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ **يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ** مِنْ امور الآخِرَةِ **وَمَا خَلْفَهُمْ** مِنْ اُمُوْرِ الدُّنْيَا **وَلَا يُحِيطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا** لا يَعْلَمُوْنَ ذٰلك **وَعَنَتِ الْوُجُوهُ** خَضَعَتْ **لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ** ای اللّٰهِ **وَقَدْ خَابَ** خَسِرَ **مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا** شِرْكًا **وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ** الطَّاعَاتِ **وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا** بِزِيَادَةٍ فِی سَيِّاٰتِهٖ **وَّلَا هَضْمًا** بِنَقْصٍ مِنْ حَسَنَاتِهٖ **وَكَذٰلِكَ** مَعْطُوفٌ عَلٰی كَذٰلِكَ نَقُصُّ ای مِثْلَ اِنْزَالِ مَا ذُكِرَ **أَنْزَلْنٰهُ** ای القُرْاٰنَ **قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا** كَرَّرْنَا **فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ** الشِّرْكَ **أَوْ يُحْدِثُ** القُرْآنُ **لَهُمْ ذِكْرًا** بِهَلَاكِ مَنْ تَقَدَّمَهُمْ مِنَ الاُمَمِ فَيَعْتَبِرُوْنَ **فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ** عَمَّا يَقُوْلُ المُشْرِكُوْنَ **وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ** ای بِقِرَاءَتِهٖ **مِنْ قَبْلِ أَنْ يُّقْضٰى إِلَيْكَ وَحْيُهٗ** ای يَفْرُغُ جِبْرِيْلُ مِنْ اِبْلَاغِهٖ **وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا** ای بالقُرْآنِ فَكُلَّمَا اُنْزِلَ عَلَيْهِ شَیْءٌ مِّنْهُ زَادَ بِهٖ عِلْمُهٗ **وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلٰى اٰدَمَ** وَصَّيْنَاهُ اَنْ لَّا يَاْكُلَ مِنَ الشَّجَرَةِ **مِنْ قَبْلُ** ای قَبْلَ اَكْلِهٖ مِنْهَا **فَنَسِيَ** تَرَكَ عَهْدَنَا **وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا** جَزْمًا وَصَبْرًا عَمَّا نَهَيْنَاهُ عَنْهُ.

ترجمہ: اور (بعض) لوگ آپ سے پہاڑوں کے متعلق دریافت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن ان کا کیا حال ہوگا؟ آپ فرما دیجئے میرا رب ان کو ریزہ ریزہ کرکے ہوا میں منتشر کردے گا اس طریقہ سے کہ (اولاً) ان کو ریگ رواں کے مانند ریزہ ریزہ کرے گا پھر ان کو ہوا کے ذریعہ اڑا دے گا، پھر زمین کو ایک ہموار میدان کرکے رکھ دے گا کہ اے (مخاطب) تو اس میں نشیب وفراز نہ دیکھے گا اس دن یعنی جس دن پہاڑ ریزہ ریزہ کردیئے جائیں گے تو لوگ قبروں سے نکلنے کے بعد محشر کی جانب بلانے والے کی آواز کے پیچھے ہولیں گے اور وہ (داعی) اسرافیل علیہ الصلاۃ والسلام ہیں، کہیں گے رحمٰن کے سامنے پیش ہونے کے لئے آؤ اس میں کوئی کجی نہ ہوگی یعنی ان کی اتباع میں، مطلب یہ کہ کسی کو اتباع نہ کرنے پر قدرت نہ ہوگی اور تمام آوازیں رحمٰن کے سامنے پست ہوجائیں گی تو تو بجز پاؤں کی آہٹ کے کچھ نہ سنے گا (یعنی) محشر کی جانب چلنے کی رگڑ کی آواز کے علاوہ جیسا کہ چلتے وقت اونٹوں کے قدموں کی آواز ہوتی ہے اس دن کسی کو سفارش فائدہ نہ دے گی، بجز اس شخص کے کہ جس کے لئے (سفارش) کی رحمٰن نے اجازت دیدی ہو اور اس کی بات کو پسند کیا ہو اس طرح کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہے وہ جانتا ہے آنے والے آخرت کے تمام امور کو اور دنیا کے گذرے ہوئے تمام امور کو اور اس کی معلومات کو ان کا علم احاطہ نہیں کرسکتا یعنی ذات خداوندی کا کوئی علمی احاطہ نہیں

کرسکتا اور (اس دن) الحی القیوم یعنی اللہ کے سامنے تمام چہرے جھکے ہوئے ہوں گے، اور ایسا شخص تو (ہر طرح) ناکام رہے گا جو ظلم شرک لیکر آئے گا اور جس نے نیک اعمال کئے ہوں گے اور وہ مومن بھی ہوگا تو اس کو ظلم کا کوئی اندیشہ نہ ہوگا بایں طور کہ اس کے گناہوں میں اضافہ کردیا جائے اور نہ نقصان کا بایں طور کہ اس کی نیکیوں میں کمی کردی جائے اور اسی طرح اس کا عطف کذٰلك نقصّ پر ہے، یعنی ماسبق میں مذکور نازل کرنے کے مانند اس قرآن کو عربی کا قرآن نازل کیا اور اس میں ہم نے طرح طرح سے وعیدیں بیان کیں تاکہ وہ شرک سے ڈر جائیں یا یہ قرآن ان کے لئے گذشتہ قوموں کی ہلاکت سے نصیحت (کا سامان) پیدا کرے جس سے یہ لوگ عبرت حاصل کریں سو اللہ تعالیٰ جو بادشاہ حقیقی ہے ان باتوں سے برتر ہے جو یہ مشرک کہتے ہیں اور آپ قرآن پڑھنے میں اس کے آپ پر مکمل ہونے سے پہلے جلدی نہ کیجئے یعنی جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نازل کرنے سے فراغت سے پہلے اور یہ دعا کیجئے کہ اے میرے پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما دیجئے یعنی قرآن کے ذریعہ چنانچہ جب بھی آپ پر قرآن کا کچھ حصہ نازل ہوتا ہے تو اس سے آپ کے علم میں اضافہ ہوتا اور ہم نے پہلے ہی یعنی کھانے سے پہلے آدم کو تاکیدی حکم دیا تھا کہ اس درخت سے نہ کھائیں تو آدم بھول گئے اور ہمارے عہد سے غفلت ہوگئی اور ہم نے ان کو پختہ ارادہ والا نہ پایا یعنی جس چیز سے ہم نے ان کو روکا تھا (اس میں) پختہ اور صابر نہ پایا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: نَسْفًا مصدر (ض) بکھیر کر اڑا دینا صَفْصَفًا چٹیل میدان، ہموار زمین (اسم) اَمْتًا ٹیلہ، نشیب و فراز۔

قَوْلُهٗ: ویسئلونَكَ عنِ الجِبَالِ ای حال الجبال مضاف محذوف ہے، مفسر علام نے کیف تکون سے حذف مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے اس لئے کہ سوال شئ سے نہیں بلکہ اس کے احوال سے ہوا کرتا ہے، بعض حضرات نے بطور استہزاء آپ ﷺ سے روز قیامت پہاڑوں کی حالت کے بارے میں سوال کیا تھا جیسا کہ ابن منذر اور ابن جریج نے کہا کہ بعض قریش نے آپ ﷺ سے معلوم کیا تھا کہ قیامت کے دن ان پہاڑوں کا کیا حال ہوگا؟ تو اس کے جواب میں مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

قَوْلُهٗ: فقل میں فاء شرط مقدر کے جواب میں ہے ای اِن سالوك فقل اس صورت میں کسی سائل کے سوال کا جواب نہ ہوگا۔

قَوْلُهٗ: فَیَذَرُها کی ضمیر میں دو احتمال ہیں ① یہ کہ جبال کی طرف راجع ہو اس صورت میں مضاف محذوف ہوگا ای ویَذَرُ مراکز الجبال ② یہ کہ ھا ضمیر ارض کی طرف راجع ہو جو کہ صراحتاً ماقبل میں مذکور نہیں ہے مگر دلالت حال کی وجہ سے مقدر

مان لیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ کے قول مَا تَرَكَ علیٰ ظهرِهَا من دابَّةٍ، قاعًا یذرُها کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور یَذَرُ تَصِیْرُ کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے متعدی بدو مفعول ہوگا ھَا ضمیر مفعولِ اول ہے، قاعًا حال ہونے کی وجہ سے بھی منصوب ہوسکتا ہے اس صورت میں صفصفًا قاعًا کی صفت اول ہوگی اور لا تریٰ فیها عِوَجًا قاعًا کی صفت ثانی ہونے کی وجہ سے محلًا منصوب ہے۔

قَوْلُهُ: الداعی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ داعی سے مراد حضرت اسرافیل ہیں جیسا کہ مفسر علام کی رائے ہے، اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ داعی حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوں گے یہی قول راجح ہے البتہ نافخ حضرت اسرافیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوں گے۔

قَوْلُهُ: لَا عِوَجَ لَهُ لَهُ کی ضمیر میں تین احتمال ہیں ① مرجع اتباع مصدر محذوف ہے جو کہ یتبعون سے مفهوم ہے ② ضمیر داعی کی طرف راجع ہے یعنی داعی کی دعوت میں کوئی کمی نہیں ہوگی بلکہ تمام مخلوق بآسانی سنے گی ③ کلام میں قلب ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے لاعِوَج لهم عنهُ.

قَوْلُهُ: همسًا همس پست آواز۔

قَوْلُهُ: اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرحمن اس میں تین صورتیں ہیں ① مَنْ منصوب ہے تَنْفَعُ کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے ② محل میں رفع کے ہے اور شفاعۃ سے بدل ہے اس صورت میں حذف مضاف ضروری ہوگا، تقدیر عبارت یہ ہوگی لاتنفع الشفاعة اِلا شفاعةُ مَنْ اَذِنَ لهُ ③ شفاعۃ سے استثناء ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا اس صورت میں مستثنیٰ متصل اور منقطع دونوں ہوسکتا ہے۔

قَوْلُهُ: لا یَعلمون مفسر علام نے اس کلمہ سے اشارہ کردیا کہ علمًا مفعول مطلق ہے اور یُحِیْطون یعلمون کے معنی میں ہے ای لایعلمون علمًا اور اگر یحیطون اپنے معنی میں ہو تو علمًا نسبت سے تمیز بھی ہوسکتا ہے۔

قَوْلُهُ: وَعَنَتْ (ن) عَنْوًا ذلیل ہونا، پست ہونا۔

قَوْلُهُ: وَقد خَابَ حال بھی ہوسکتا ہے اور جملہ مستانفہ بھی۔

قَوْلُهُ: هَضْمًا (ض) هَضْمًا توڑنا، کم کرنا۔

قَوْلُهُ: کذلك اَنْزَلْنَاهُ کاف مصدر محذوف کی صفت ہے اَیْ انزلناهُ اِنْزَالًا مثلَ ذٰلِكَ.

قَوْلُهُ: عَزْمًا ای جزمًا پختہ ارادہ عزمًا، نَجِدْ بمعنی نَعْلَمْ کا مفعول ہے۔

قَوْلُهُ: لَهُ یا تو عَزْمًا سے حال ہے یا نَجِدْ سے متعلق ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ آیت کے معنی لم نجد لهُ قصدًا کے ہیں، یعنی قصداً نہیں کھایا بلکہ نسیاناً کھایا۔

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

سورۂ طٰہٰ میں اصل بیان توحید ورسالت کا ہے انبیاء علیہم السلام کے واقعات اس سلسلہ میں بیان ہوئے ہیں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ تو بڑی تفصیل سے بیان ہوا ہے اور اس کے ضمن میں رسالت محمد یہ ﷺ کا اثبات بھی ہے، اسی اثبات رسالت محمد یہ ﷺ کا یہ حصہ ہے جو ان آیات میں بیان ہوا ہے اس لئے کہ ان واقعات اور قصص کا اظہار جو ہزار ہا سال پہلے ہو چکے ہیں ایک امی کی زبان سے دلیل نبوت نہیں تو اور کیا ہے؟

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ اے نبی بعض لوگ قیامت کا حال سن کر آپ سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ قیامت میں ان کا کیا حال ہوگا؟ آپ فرما دیجئے میرا رب ان کو ریزہ ریزہ کر کے ہوا میں اڑا دیگا یعنی جن پہاڑوں کو تم بہت زیادہ مضبوط اور مستحکم سمجھ رہے ہو میرے رب کی قدرت کے سامنے ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور زمین کو ایسا ہموار اور صاف کر دے گا کہ اس میں کہیں نشیب وفراز نہ رہے گا، اور خوف اور دہشت کے مارے لوگوں کی آوازیں دب جائیں گی اور قدموں کی آہٹ کے علاوہ کوئی آواز سنائی نہیں دے گی، ایسے ہولناک وقت میں کسی کی شفاعت بھی کام نہ آئے گی ہاں البتہ اللہ تعالیٰ جس کو شفاعت کی اجازت دیدیں اور جس کے لئے دیدیں تو شفاعت سے فائدہ ہو سکتا ہے۔

وَلَا تَعْجَلْ بالقرآن صحیح حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ ابتداء وحی میں جب جبرائیل امین کوئی آیت لے کر آتے تھے اور آپ ﷺ کو سناتے تو آپ ان کے ساتھ آیت کو پڑھنے کی کوشش کرتے کہیں ایسا نہ ہو کہ یاد سے نکل جائے اس میں آپ کو مشقت زیادہ ہوتی تھی لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپ کی سہولت کے لئے فرمایا آپ کو پڑھنے میں جلدی کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ زبان کو حرکت دینے کی ضرورت ہے یاد کرا دینا ہماری ذمہ داری ہے آپ تو صرف اطمینان سے سنا کیجئے اور یہ دعا کیا کیجئے کہ اے میرے پروردگار آپ میرے علم میں اضافہ فرما دیجئے، آپ ﷺ کی مخصوص دعاؤں میں سے ایک یہ بھی ہے **اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِیْ بِمَا عَلَّمْتَنِیْ وَعَلِّمْنِیْ بِمَا یَنْفَعُنِیْ وزِدْنِی عِلْمًا والحمدُ للّٰهِ علٰی کلِّ حال.** (ابن ماجه)

وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰی آدَمَ یہاں عَهِدْنَا اَمَرْنَا یا وَصَّیْنَا کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ ہم نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تاکیدی طور پر بتا دیا تھا کہ شیطان تم دونوں کا دشمن ہے ایسا نہ ہو کہ یہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا دے اور فرمایا دیکھو اس درخت کے

قریب بھی مت جانا کھانا تو درکنار، باقی پوری جنت کے باغات اور نعمتیں تمہارے لئے کھلی پڑی ہیں ان کو جس طرح چاہو استعمال کرتے رہو، مگر آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھول گئے، ان میں ارادہ کی پختگی نہ پائی گئی، یہاں نسیان سے مراد ترک ہے جو کہ نسیان کے لازم معنی ہیں اس لئے نسیان جس کو بھول کہتے ہیں اس پر مواخذہ نہیں ہوتا، آپ ﷺ نے بھی فرمایا ہے **رُفِعَ عَنْ اُمتی الخطاءُ والنِّسیان** اور قرآن کریم میں بھی فرمایا گیا ہے **لا یکلّفُ اللّٰہُ نفسًا اِلَّا وُسْعَھَا** مگر یہاں نسیان سے یہ معروف نسیان مراد نہیں ہے بلکہ یہاں مراد بیدار مغزی سے کام نہ لینا اور ان اسباب کا اختیار نہ کرنا ہے جن کو اختیار کرکے انسان بھول اور خطاء سے بچ سکتا ہے، انبیاء علیہم السلام چونکہ حق تعالیٰ کے خاص مقربین ہوتے ہیں ان سے اتنی بات پر مواخذہ ہوسکتا ہے کہ ان اسباب اختیاریہ سے کیوں کام نہیں لیا جن کے ذریعہ اس بھول سے بچ سکتے تھے یہ بات اگرچہ کوئی جرم عظیم نہیں ہے مگر بقول حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ **حسنات الابرار سیئات المقربین** صالحین اور نیک لوگوں کے بہت سے نیک اعمال مقربان بارگاہ الٰہی کے حق میں سیئات اور لغزش قرار دی جاتی ہیں۔

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ واقعہ اول تو قبل نبوت کا ہے جس میں کسی گناہ کا صدور انبیاء سے بعض علماء اہل سنت کے نزدیک عصمت انبیاء کے خلاف نہیں دوسرے یہ درحقیقت بھول ہے جو گناہ نہیں مگر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام بلند کے لحاظ سے اس کو بھی ان کے حق میں لغزش قرار دیا گیا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب بھی ہوا اور ان کو متنبہ کرنے کے لئے اس لغزش کو ''عصیان'' سے تعبیر کیا گیا جیسا کہ آئندہ آئے گا۔

دوسرا لفظ ''عزم'' ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **وَلَمْ نجد لهٗ عزمًا** عزم کے معنی پختہ ارادہ کے ہیں آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام حکم ربانی پر عمل کرنے کا پختہ ارادہ کئے ہوئے تھے مگر شیطانی وسوسہ کی وجہ سے اس قصد کی مضبوطی میں فرق آگیا ان میں بغاوت اور سرکشی کا جذبہ نہیں تھا، یہ بھول اور ضعف ارادہ سے ہونے والی غلطی تھی جو کہ عصمت اور کمال نبوت کے منافی نہیں ہے اس لئے ایسی غلطی کے بعد انسان فوراً نادم اور شرمندہ ہوکر خدا کی طرف رجوع ہوجاتا ہے چنانچہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب متنبہ ہوئے تو فوراً اللہ تعالیٰ کے حضور میں جھک گئے اور اس قدر ندامت کے آنسو بہائے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ معاف فرمادیا بلکہ نبوت ورسالت جیسے بلند مقام پر بھی فائز فرمادیا۔

فائدہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ دس چیزیں نسیان پیدا کرتی ہیں (۱) غم کی کثرت (۲) گدی پر پچھنے لگوانا (۳) ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا (۴) کھٹے سیب کھانا (۵) دھنیا کا (بکثرت) استعمال (۶) چوہے کا جھوٹا استعمال کرنا (۷) قبر کے کتبات پڑھنا (۸) مصلوب کو دیکھنا (۹) تارکول لگے ہوئے دو اونٹوں کے درمیان چلنا (۱۰) جوں کو زندہ چھوڑنا (**تم کلام علی** رضی اللہ تعالیٰ عنہ) **واعلم من اشد اسباب النسیان العصیان فنسأل اللّٰہ العصمة والحفظ.** (روح البیان)

وَ اذكُر اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ وہو ابو الجنّ كان يَصْحَبُ المَلٰئِكَةَ ويَعْبُدُ اللّٰهَ مَعَهم اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ عَنِ السُّجُوْدِ لِاٰدَمَ قال انا خَيْرٌ منه فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ حَوَّاءَ بِالمَدِّ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ تَتْعَبُ بالحَرْثِ والزَّرْعِ والحَصْدِ والطَّحْنِ والخُبْزِ وغَيْرِ ذٰلك وَاقْتَصَرَ عَلٰى شَقَاه لِاَنَّ الرَّجُلَ يَسْعٰى عَلٰى زَوْجَتِه اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَاَنَّكَ بِفَتْحِ الهَمْزَةِ وكَسْرِها عَطْفًا عَلٰى اِسْمِ اِنَّ وجُمْلَتِها لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا تَعْطَشُ وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾ لا يَحْصُلُ لَكَ حَرُّ شَمْسِ الضُّحٰى لِانْتِفَاءِ الشَّمْسِ فِي الجَنَّةِ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ اَي الَّتِيْ يَخْلُدُ مَنْ يَّاكُلُ منها وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾ لايَفْنٰى وهُوَ لَازِمُ الخُلُوْدِ فَاَكَلَا آدمُ وحَوَّاءُ مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا اي ظَهَرَ لِكُلٍّ مِنْهما قُبُلُهُ وقُبُلُ الآخَرِ ودُبُرُهُ وسمي كُلٌّ منهما سَوْأَةً لِاَنَّ انْكِشَافَهُ يَسُوْءُ صَاحِبَهُ وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ اَخَذَا يُلْزِقَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ لِيَسْتَتِرَا به وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ بالاَكْلِ مِنَ الشَّجَرَةِ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ قَرَّبَه فَتَابَ عَلَيْهِ قَبِلَ تَوْبَتَهُ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾ اي هَدَاه اِلَى المُدَاوَمَةِ عَلَى التَّوْبَةِ قَالَ اهْبِطَا اي آدمُ وحَوَّاءُ بِمَا اشْتَمَلْتُمَا عليه من ذُرِّيَّتِكُمَا مِنْهَا مِنَ الجَنَّةِ جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ بَعْضُ الذُّرِّيَّةِ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ مِنْ ظُلْمِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا فَاِمَّا فيه اِدْغَامُ نُوْنِ اِنِ الشَّرْطِيَّةِ فِي مَا الزَّائِدَةِ يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ اي القُرْاٰنَ فَلَا يَضِلُّ فِي الدُّنيا وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾ في الآخِرَةِ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ اي القُرْاٰنِ فلَمْ يُؤْمِنْ به فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا بالتَّنْوِيْنِ مَصْدَرٌ بِمَعْنٰى ضَيِّقَةٍ وفُسِّرَتْ فِي حَدِيْثٍ بِعَذَابِ الكَافِرِ فِي قَبْرِه وَّنَحْشُرُهٗ اي المُعْرِضَ عَنِ القُرْاٰنِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ اي اَعْمَى البَصَرِ اَوِ القَلْبِ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾ في الدُّنيا وعِنْدَ البَعْثِ قَالَ الاَمْرُ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا تَرَكْتَها ولم تُؤْمِنْ بها وَكَذٰلِكَ مِثْلَ نِسْيَانِكَ آيٰتِنَا الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾ تُتْرَكُ فِي النار وَكَذٰلِكَ ومِثْلَ جَزَائِنَا مَنْ اَعْرَضَ عَنِ القُرْاٰنِ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ اَشْرَكَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ مِنْ عَذَابِ الدُّنيا وَعَذَابِ القَبْرِ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾ اَدْوَمُ اَفَلَمْ يَهْدِ يَتَبَيَّنْ لَهُمْ لِكُفَّارِ مَكَّةَ كَمْ خَبَرِيَّةٌ مَفْعُوْلٌ اَهْلَكْنَا اي كَثِيْرًا اِهْلَاكُنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَيِ الاُمَمِ المَاضِيَةِ بِتَكْذِيْبِ الرُّسُلِ يَمْشُوْنَ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ لَهم فِيْ مَسٰكِنِهِمْ في سَفَرِهِمْ اِلَى الشَّامِ وغَيْرِها فَيَعْتَبِرُوْا وَمَا ذُكِرَ مِنْ اَخْذِ اِهْلَاكٍ مِنْ فِعْلِه الخَالِيْ عَنْ حَرْفٍ مَصْدَرِيٍّ لِرِعَايَةِ المَعْنٰى لَامَانِعَ مِنْهُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لَعِبَرًا لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾ لِذَوِي العُقُوْلِ.

ترجمہ: اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے وہ جنوں کا باپ تھا فرشتوں کے ساتھ رہتا تھا اور ان کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتا تھا آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کردیا اور کہا میں ان سے

افضل ہوں پھر ہم نے آدم سے کہا بلا شبہ یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے حوّاء مد کے ساتھ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ تم کو جنت سے نکلوا دے پھر تم مصیبت میں یعنی جوتنے، بونے، کاٹنے اور پیسنے اور پکانے وغیرہ کی مشقت میں پڑ جاؤ (یہاں) آدم کی مصیبت کے بیان پر اکتفاء کیا ہے (بیوی کو شریک نہیں کیا) اس لئے کہ زوجہ کے لئے کسب معاش کی ذمہ داری اس کے شوہر کی ہوتی ہے اور یہاں تمہارے لئے یہ آرام ہے کہ یہاں تم نہ بھوکے ہوگے اور نہ ننگے اور نہ یہاں پیاسے ہوگے اَنَّکَ ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ اور اس کے کسرہ کے ساتھ اِنّ کے اسم اور اس کے جملہ پر عطف کرتے ہوئے اور نہ دھوپ میں تپوگے یعنی نہ دوپہر کو گرمی لاحق ہوگی اس لئے کہ جنت میں سورج نہیں ہوگا پھر شیطان نے آدم کو بہکایا اور کہا اے آدم! میں تم کو ہیشگی کا درخت نہ بتادوں یعنی ایسا درخت کہ جو اس کو کھائے گا وہ ہمیشہ جنت میں رہے گا اور ایسی بادشاہی کہ کبھی اس میں ضعف نہ آئے گا یعنی فنا نہ ہوگی اور یہ خلود کے لازم (معنی) ہیں چنانچہ آدم وحوّاء نے اس درخت سے کچھ کھالیا تو ان دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے یعنی دونوں میں سے ہر ایک کی قُبُل اور دُبُر ایک دوسرے کے سامنے ظاہر ہوگئی، شرم گاہ کو سَوْاٰۃٌ سے تعبیر کیا ہے اس لئے کہ شرم گاہ کا کھل جانا صاحب شرم گاہ کے لئے (تکلیف دہ اور) بری بات ہوتی ہے اور دونوں اپنے اوپر جنت کے (درختوں) کے پتے چپکانے لگے تاکہ دونوں اس کے ذریعہ ستر پوشی کریں اور آدم سے اپنے رب کی خطا ہوگئی درخت سے کچھ کھانے کی وجہ سے بہک گئے پھر اس کے رب نے اس کو منتخب کرلیا یعنی مقرب بنالیا سو اس کی طرف متوجہ ہوئے یعنی ان کی توبہ قبول فرمالی اور ہدایت فرمائی یعنی توبہ پر ہمیشہ قائم رکھا (اللہ تعالیٰ) نے ارشاد فرمایا تم دونوں یعنی آدم وحواء مع تمہاری اس ذریت کے جن پر تم مشتمل ہو جنت سے نکل جاؤ تمہاری اولاد بعض بعض کی دشمن ہوگی بعض کے بعض پر ظلم کرنے کی وجہ سے فَاِمَّا اس میں اِنْ شرطیہ کے نون کو ما زائدہ میں ادغام کردیا گیا ہے پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس کوئی ہدایت پہنچے تو (جو شخص) میری اس ہدایت یعنی قرآن کی اتباع کرے گا تو وہ نہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ آخرت میں شقی ہوگا اور جو شخص میری اس نصیحت سے اعراض کرے گا یعنی قرآن سے کہ اس پر ایمان نہ لائے گا تو اس کی زندگی تنگی میں رہے گی ضَنْکًا تنوین کے ساتھ ضَیِّقَۃ کے معنی میں مصدر ہے اس کی تفسیر حدیث شریف میں عذاب قبر سے کی گئی ہے اور قیامت کے دن ہم اس قرآن سے اعراض کرنے والے کو اندھا اٹھائیں گے یعنی آنکھوں یا دل کا اندھا تو وہ کہے گا اے میرے رب آپ نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ میں تو آنکھوں والا تھا دنیا میں بھی اور بعث کے وقت بھی ارشاد ہوگا معاملہ ایسا ہی ہونا تھا ہماری آیات تیرے پاس پہنچی تھیں مگر تو نے ان کو بھلا دیا ترک کردیا اور ان پر ایمان نہیں لایا اور اسی طرح یعنی جس طرح تو نے ہماری آیتوں کو بھلا دیا آج تجھ کو بھلا دیا جائے گا یعنی جہنم میں چھوڑ دیا جائے گا اور اسی طرح یعنی اس شخص کی سزا کے مانند جس نے قرآن سے اعراض کیا (ہر) اس شخص کو سزا دیں گے جس نے (حد) سے تجاوز کیا شرک کرکے اور جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لائے اور واقعی آخرت کا عذاب

دنیا اور عذاب قبر سے بڑا سخت اور بڑا دیرپا ہے دائمی ہے کیا ان مکہ کے کافروں کو اس سے بھی ہدایت نہیں ہوتی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی گذشتہ امتوں کو رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک کردیا کم خبریہ ہے، اَھلکنا کا مفعول ہے یعنی ہمارا ہلاک کرنا بکثرت واقع ہوا حال یہ ہے کہ ان کے رہنے کے مقامات میں یہ لوگ بھی شام وغیرہ کے سفر کے دوران چلتے پھرتے ہیں کہ اس سے عبرت حاصل کریں اَھْـلَـکْـنـا مذکور سے بغیر کسی حرف مصدری کے اہلاک مصدر مراد لینا معنی کی رعایت کی وجہ سے ممنوع نہیں ہے اس (امر مذکور) میں عقلمندوں کے لئے عبرت کے واسطے کافی دلائل ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: وَاِذْ قلنا لِلملئکةِ اسجدوا یہ قصہ قرآن کریم کی سات سورتوں میں مذکور ہے، اس قصہ کا عطف ماقبل پر عطف سبب علی المسبب کے قبیل سے ہے اس لئے کہ یہ قصہ ہی عداوت ابلیس کا سبب ہوا تھا۔

قَوْلُهُ: الّا ابلیس مفسر علام کی یہ عادت ہے کہ جہاں مستثنیٰ منقطع ہوتا ہے وہاں اِلّا کی تفسیر لٰکن سے کرتے ہیں مگر یہاں چونکہ دونوں کا احتمال تھا اس لئے اِلّا کی تفسیر لکن سے نہیں کی اور کان یصحب الملائکة بڑھا کر اشارہ کردیا کہ یہ مستثنیٰ متصل بھی ہوسکتا ہے اس لئے اب مطلب یہ ہوگا کہ حاضرین نے سجدہ کیا مگر حاضرین میں سے ابلیس نے نہیں کیا اور وھو ابو الجن کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے اس لئے کہ جن ملائکہ میں داخل نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: اَبٰی عن السجود یہ ماسبق کی تاکید کے لئے ہے اس لئے کہ ابلیس کا انکار استثناء ہی سے سمجھ میں آرہا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ جملہ استثناء کی علت ہو یعنی سجدہ نہ کرنے کی وجہ ابلیس کا استکبار و استنکاف تھا اس صورت میں ابٰی کا مفعول محذوف ماننا جائز نہ ہوگا ورنہ تو تعلیل الشئ بنفسہٖ لازم آئے گی بلکہ اس صورت میں ابیٰ فعل لازم ہوگا اور معنی اَظْھَر الإباءَ عن المطاوعةِ ہوں گے۔

قَوْلُهُ: فقلنا اس جملہ کا عطف جملہ مقدرہ پر ہے ای ادخلنا آدمَ الجنة فقلنا له یا آدم.

قَوْلُهُ: حَوّاء یہ اَحْویٰ صیغہ صفت کی مؤنث ہے سبزی یا سرخی مائل۔

قَوْلُهُ: فتشقٰی یہ جواب نہی ہے (س) شقاوة مصدر ہے جس کے معنی بدبختی کے ہیں یہ مضارع واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے شقاوت سعادت کی ضد ہے جس طرح سعادت کی دو قسمیں ہیں دنیوی واخروی اسی طرح شقاوت کی بھی دو قسمیں ہیں شقاوت دنیوی واخری، پھر دنیوی کی چند قسمیں ہیں ان میں سے یہاں مشقت اور تعب میں پڑنے کے معنی مراد ہیں جیسے بولا جاتا ہے شَقَیْتُ فی کذا مجھے اس میں بڑی مشقت اٹھانی پڑی۔

قَوْلُهُ: اقتصر علٰی شقاہ یہ ایک سوال کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ درخت کے قریب جانے سے دونوں کو منع فرمایا فلا

تقربا هٰذِهِ الشَّجرةَ تو شقاوت اور محنت کا تعلق بھی دونوں سے ہونا چاہئے حالانکہ فَتَشْقٰى میں شقاوت کی نسبت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف کی ہے ایک جواب تو یہ ہے چونکہ نان نفقہ کی ذمہ داری شوہر پر ہوتی ہے نہ کہ بیوی پر، محنت مشقت کر کے کما کر لانا شوہر کی ذمہ داری ہے نہ کہ بیوی کی اس لئے شقاوت کی نسبت آدم کی طرف کی ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ فواصل کی رعایت کی وجہ سے ایسا کیا ہے مراد دونوں ہیں مگر تغلیباً عورت کو مرد کے تابع کر دیا ہے۔ (روح البیان)

قِوْلُهُ: ضَنْكًا تنگ (ک) ضَنْكًا تنگ ہونا ضَنْكًا مَعِيْشَةً کی صفت ہے مبالغۃً مصدر کو صفت لایا گیا ہے۔

سُوَال: موصوف اور صفت میں مطابقت نہیں ہے؟

جَوَابْ: ضَنْكًا چونکہ مصدر ہے اور مصدر میں تذکیر و تانیث برابر ہوتی ہے لہٰذا ضَنْكَةً کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

قِوْلُهُ: عن القرآن مفسر علام عن القرآن کے بجائے عن الهداية فرماتے تو زیادہ مناسب ہوتا۔

قِوْلُهُ: ونَحْشُرُه جملہ مستانفہ ہے اور اگر را کے سکون کے ساتھ ہو تو قائم مقام جواب شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہوگی توالی حرکات کی وجہ سے بھی را مجزوم ہو سکتی ہے اَعْمٰی حال ہے نحشره کی ضمیر سے۔

قِوْلُهُ: اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ ہمزہ محذوف پر داخل ہے فا عاطفہ ہے جس کے ذریعہ محذوف پر عطف کیا گیا ہے تقدیر عبارت یہ ہے اَعَمُوْا فَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ علامہ محلی نے يَهْدِ کی تفسیر يَتَبَيَّنَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ يَهْدِ فعل لازم ہے اور معنی یہ ہیں أعَمُوْا فَلَمْ يَظْهَرْ لَهُمْ اِهْلاكُنَا كثيرًا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ القرون اور اَهْلَكْنَا کا مفعول بہ كَمْ مقدم ہے اور اس کم کی تمیز محذوف ہے اور من القرون تمیز کی صفت ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے ای كم اهلكنا كائنًا من القرون.

قِوْلُهُ: يمشونَ علامہ محلی نے يمشون کو قبلهم کی ضمیر سے حال قرار دیا ہے اور بعض مفسرین نے اَهْلَكنا کی هُمْ ضمیر سے حال قرار دیا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا، حال یہ ہے کہ وہ اپنے مکانوں میں چلتے پھرتے تھے۔

قِوْلُهُ: وماذكِرَ مبتداء ہے اور مِنَ الاخذِ اس کا بیان ہے اور لرعاية المعنى اخذ مذکور کی علت ہے اور لا مَانِعَ مِنْهُ مبتداء کی خبر ہے، مطلب یہ ہے کہ فعل مذکور (اَهْلَكْنَا) سے بغیر حرف مصدری کے معنی کی رعایت کی وجہ سے مصدر اخذ کرنے سے کوئی شئ مانع نہیں ہے۔

اسی بات کو سوال و جواب کی صورت میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں (سوال) اَهْلَكْنَا سے اِهلاك مصدر مراد لینا کس طرح درست ہے، جبکہ فعل پر کوئی ایسا حرف بھی داخل نہیں ہے کہ جو اس کو مصدر کے معنی میں کر سکے؟ (جواب) معنی کی رعایت کے لئے بغیر حرف مصدری کے بھی مصدر مراد لیا جا سکتا ہے۔

قِوْلُهُ: فی ذٰلك ای فی الإهلاكِ.

قِوْلُهُ: نُهٰى جمع نُهيةٍ بمعنی عقل۔

تفسیر وتشریح

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ تخلیق آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام فرشتوں کواوران کے ضمن میں ابلیس کوبھی، کیونکہ اس وقت ابلیس فرشتوں کے ساتھ جنت میں رہتا تھا یہ حکم دیا گیا کہ سب آدم کوسجدۂ تحیہ کریں، تمام فرشتوں نے سجدہ کیا ابلیس نے انکار کردیا، جس کی وجہ دوسری آیت میں تکبر بیان کی گئی ہے خَلَقْتَنِی مِن نارٍ وخلقتَہٗ مِنْ طینٍ اس تکبر کی وجہ سے ابلیس کوملعون کر کے جنت سے نکال دیا گیا، حضرت آدم اور حواء کے لئے جنت کے سب باغات کے دروازے کھول دیئے گئے اور ہر چیز کے استعمال کی اجازت دیدی گئی، صرف ایک معین درخت کے لئے یہ ہدایت دیدی گئی کہ اس درخت کی کوئی چیز بھی نہ کھانا بلکہ اس کے قریب بھی نہ جانا، واقعہ کی پوری تفصیل سورۂ بقرہ اور اعراف کی آیتوں میں آچکی ہے، یہاں تو اللہ تعالیٰ نے اپنا وہ ارشاد ذکر فرمایا ہے جو اس عہد کومحفوظ رکھنے اوراس پرقائم رہنے کے سلسلہ میں فرمایا کہ دیکھو شیطان ابلیس تم دونوں کا دشمن ہے جیسا کہ واقعۂ سجدہ کے وقت ظاہر ہو چکا ہے، ایسا نہ ہو کہ وہ کسی مکر وحیلہ سے تم سے اس عہد کی خلاف ورزی کرادے، جس کا نتیجہ یہ ہو کہ تم جنت سے نکالے جاؤ فَلا یخرجَنّکما من الجنۃ فتشقٰی یعنی یہ شیطان کہیں تمہیں جنت سے نہ نکلوادے جس کی وجہ سے تم مصیبت میں اور مشقت میں پڑجاؤ لفظ تشقٰی شقاوت سے مشتق ہے، یہ دومعنی کے لئے استعمال ہوتا ہے ایک شقاوتِ آخرت اور دوسرے شقاوتِ دنیا یعنی جسمانی مشقت ومصیبت اس جگہ یہی معنی مراد ہیں، اس لئے کہ پہلے معنی میں کسی پیغمبر کے لئے تو کیا کسی نیک مسلمان کے لئے بھی نہیں بولا جاسکتا، اسی لئے فراء نے اس شقاوت کی تفسیر یہ کی ہے کہ ھو یاکُلُ مِنْ کَدِّ یدیہِ یعنی اپنے ہاتھوں کی محنت سے خوراک حاصل کرنا (قرطبی) مفسرین نے لکھا ہے کہ امام قرطبی نے اس جگہ یہ بھی ذکر کیا ہے کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب زمین پر تشریف لائے تو جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنت سے کچھ دانے گندم، چاول وغیرہ کے لاکر دیئے کہ ان کو زمین میں کاشت کرواوراس کے بعد جب کھیتی تیار ہو جائے تواس کوکاٹو غلہ نکالو پھر اس کوپیسو غرضیکہ روٹی وغیرہ بنانے کی ترکیب بھی بتادی اس کے بعد حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے روٹی تیار کی پہاڑ پرکھانے کے لئے روٹی لیکر بیٹھے تھے کہ روٹی ہاتھ سے چھوٹ گئی اور پہاڑ سے لڑھک کر زمین پر گرگئی، آدم اس کے پیچھے چلے اور بڑی محنت سے اس کو واپس لائے تو اس وقت حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے آدم! آپ کا اور آپ کی اولاد کا رزق زمین پر اسی طرح محنت ومشقت سے حاصل ہوگا۔

(قرطبی)

بیوی کا نان نفقہ ضروریہ شوہر کے ذمہ ہے:

آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ شیطان تم دونوں کا دشمن ہے ایسا نہ ہو کہ شیطان تم دونوں کو جنت سے نکلوادے، مگر آخر آیت میں لفظ فتشقٰی کومفرد استعمال فرمایا، بیوی کواس میں شریک نہیں کیا ورنہ بمقتضائے مقام فتشقیا کہا جاتا، امام قرطبی نے اس سے

یہ مسئلہ نکالا ہے کہ بیوی کی ضروریات زندگی شوہر کے ذمہ ہیں ان کے حصول میں جو محنت و مشقت ہو اس کا تنہا شوہر ذمہ دار ہے اسی لئے فتشقی مفرد کا صیغہ لاکر اشارہ کر دیا کہ زمین پر اترنے کے بعد حواء کی ضروریاتِ زندگی کی تحصیل حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذمہ داری ہے، امام قرطبی نے فرمایا کہ آیت سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت کا جو نفقہ مرد پر واجب ہے وہ صرف چار چیزیں ہیں کھانا پینا اور لباس و مسکن اس کے علاوہ جو کچھ شوہر خرچ کرتا ہے وہ تبرع ہے، اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیوی کے علاوہ جس کا بھی نفقہ کسی پر واجب ہوگا اس میں صرف یہی چار چیزیں ہیں۔

اِهْبِطَا مِنها جميعًا یہ خطاب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ابلیس دونوں کو بھی ہو سکتا ہے اس صورت میں **بعضكم لبعض عدوٌّ** کا مضمون واضح ہے اس لئے کہ دنیا میں جا کر بھی شیطان کی انسان دشمنی جاری رہے گی، اور اگر یہ کہا جائے کہ شیطان کو تو اس واقعہ سے پہلے ہی جنت سے نکالدیا گیا تھا اب اس کو اس خطاب میں شریک کرنے کا کیا مطلب ہے؟ دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ مذکورہ خطاب حضرت آدم اور حواء ہی کو ہو، اس صورت میں باہمی عداوت سے مراد ابن آدم کے اندر باہمی اختلاف وعداوت مراد ہوگی، اولاد کے باہمی اختلاف وعداوت سے ماں باپ کی زندگی بھی تلخ ہو جاتی ہے۔

فَاِنَّ لَهٗ معيشةً ضنكًا الخ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اس کی زندگی تنگ ہوگی اور قیامت میں اس کو اندھا کر کے اٹھایا جائے گا پہلا عذاب تو اس کو دنیا ہی میں مل جائے گا اور اندھا ہونے کا عذاب قیامت میں ہوگا۔

دنیا میں زندگی تلخ ہونے کا مطلب:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دنیا میں معیشت کی تنگی تو کفار و فجار کے لئے مخصوص نہیں ہے مومنین اور صالحین کو بھی پیش آتی ہے بلکہ انبیاء کو سب سے زیادہ شدائد و مصائب اس دنیا میں اٹھانے پڑتے ہیں، صحیح بخاری اور تمام کتب حدیث میں بروایت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ یہ حدیث منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کی بلائیں اور مصیبتیں سب سے زیادہ انبیاء پر سخت ہوتی ہیں ان کے بعد جو جس درجہ کا صالح اور ولی ہے اسی کی مناسبت سے اس کو تکلیفیں پہنچتی ہیں اس کے بالمقابل عموماً کفار کو خوشحالی اور عیش و عشرت میں دیکھا جاتا ہے پھر قرآن کا یہ ارشاد کہ ان کی معیشت تنگ ہوگی آخرت کے لئے ہو سکتا ہے دنیا میں خلاف مشاہدہ معلوم ہوتا ہے، اس کا صاف اور بے غبار جواب تو یہ ہے کہ یہاں دنیا کے عذاب سے قبر کا عذاب مراد ہے، قبر (برزخ) میں ان کی زندگی تنگ کر دی جائے گی خود قبر بھی ان کے لئے اس قدر تنگ کر دی جائے گی کہ ان کی پسلیاں ٹوٹنے لگیں گی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث منقول ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے **معيشةً ضنكًا** کی تفسیر یہ فرمائی ہے کہ اس سے مراد قبر کا عالم ہے۔ (یعنی عالم برزخ)۔

حضرت سعید بن جبیر نے تنگی کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ ان سے قناعت کا وصف سلب کرلیا جائے گا اور دنیا کی حرص بڑھادی جائے گی (مظہری) جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے پاس کتنا ہی مال و دولت جمع ہوجائے اس کو کبھی قلبی سکون نصیب نہیں ہوگا، ہمیشہ مال بڑھانے کی فکر اور اس میں نقصان کا خطرہ اس کو بے چین رکھے گا، اور یہ بات عام مالداروں میں مشاہد اور معروف ہے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان کے پاس سامان راحت تو بہت ہے مگر جس کا نام راحت اور سکون قلبی ہے وہ نہیں ہے۔

اَفَلَمْ یَهْدِ لَهُمْ استفہام تقریع و توبیخ کے لئے ہے، جملہ ماقبل کی تاکید کے لئے مستانفہ ہے اور یَهْدِ کا فاعل بعد میں آنے والا جملہ ہے یعنی کم اَهْلَکنا الخ اور اَهْلَکنا کا مفعول محذوف ہے ای اَهْلَکناهم صاحب جلالین نے اسی کو اختیار کیا ہے، مگر بصریین نے اس ترکیب کا انکار کیا ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک جملہ فاعل نہیں ہوتا مگر ان کے علاوہ نے جائز قرار دیا ہے۔

بعض حضرات نے یَهْدِ کی ضمیر فاعل کو هُدیٰ کی طرف راجع کیا ہے جو کہ یَهْدِ کے ضمن میں مذکور ہے اور هدیٰ سے مراد قرآن یا رسول ہے اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کیا قرآن یا رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ کو یہ ہدایت نہیں دی اور اس سے باخبر نہیں کیا کہ تم سے پہلے کتنی امتیں اور جماعتیں اپنی نافرمانی کی وجہ سے عذاب خداوندی میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو چکی ہیں جن کے گھروں اور زمینوں میں اب تم چلتے پھرتے ہو۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ ضمیر فاعل قرآن یا رسول کے بجائے اللہ کی طرف راجع ہو اور معنی یہ ہوں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ہدایت نہیں دی، بعض حضرات نے یمشون کو لَهُمْ کی ضمیر سے حال قرار دینے کے بجائے القرون سے حال قرار دیا ہے، مطلب یہ ہوگا کہ کیا کفار مکہ نے ہمارے امم سابقہ کو ہلاک کرنے سے بھی ہدایت نہیں لی حال یہ کہ وہ قومیں اپنے مکانوں میں چلتی پھرتی تھیں اور عیش و عشرت کے مزے لیتی تھیں۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ بِتَاخِيرِ العَذَابِ عَنهُمْ اِلَى الآخِرَةِ **لَكَانَ** الاِهْلَاكُ **لِزَامًا** لَازِمًا لَهُمْ فِى الدُّنيا **وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى** مَضْرُوبٌ لَه مَعْطُوفٌ عَلَى الضَّمِيرِ المُسْتَتِرِ فِى كَانَ وقَامَ الفَصْلُ بِخَبَرِهَا مَقَامَ التَّاكِيدِ **فَاصْبِرْ عَلىٰ مَا يَقُولُونَ** مَنْسُوخٌ بِآيَةِ القِتَالِ **وَسَبِّحْ** صَلِّ **بِحَمْدِ رَبِّكَ** حَالٌ اى مُتَلَبِّسًا بِه **قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ** صَلوٰةَ الصُّبحِ **وَقَبْلَ غُرُوبِهَا** صَلوٰةَ العَصْرِ **وَمِنْ آنَاءِ الَّيْلِ** سَاعَاتِهِ **فَسَبِّحْ** صَلِّ المَغْرِبَ وَالعِشَاءَ **وَاَطْرَافَ النَّهَارِ** عَطْفٌ عَلىٰ مَحَلِّ مِن آنَاءِ المَنصُوبِ اى صَلِّ الظُّهرَ لِاَنَّ وَقْتَهَا يَدْخُلُ بِزَوَالِ الشَّمْسِ فَهُوَ طَرَفُ النِّصْفِ الاَوَّلِ وَطَرَفُ النِّصْفِ الثَّانِى **لَعَلَّكَ تَرْضىٰ** بِمَا تُعْطىٰ مِنَ الثَّوَابِ **وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلىٰ مَا مَتَّعْنَا بِه اَزْوَاجًا**

اَصْنَافًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا زِيْنَتَهَا وَبَهْجَتَهَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ بِاَنْ يَطْغَوْا وَرِزْقُ رَبِّكَ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِمَّا اُوْتُوْهُ فِي الدُّنْيَا وَّاَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾ اَدْوَمُ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ اِصْبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ نُكَلِّفُكَ رِزْقًا لِنَفْسِكَ وَلَا لِغَيْرِكَ نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ الْجَنَّةُ لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾ لِاَهْلِهَا وَقَالُوْا اَيِ الْمُشْرِكُوْنَ لَوْلَا هَلَّا يَاْتِيْنَا مُحَمَّدٌ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ مِمَّا يَقْتَرِحُوْنَهٗ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ بَيِّنَةُ بَيَانُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۳۳﴾ الْمُشْتَمِلُ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ مِنْ اَنْبَاءِ الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ وَاِهْلَاكِهِمْ بِتَكْذِيْبِ الرُّسُلِ وَلَوْ اَنَّا اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ قَبْلَ مُحَمَّدٍ الرَّسُوْلِ لَقَالُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ رَبَّنَا لَوْلَا هَلَّا اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ الْمُرْسَلَ بِهَا مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ فِي الْقِيٰمَةِ وَنَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾ فِي جَهَنَّمَ قُلْ لَهُمْ كُلٌّ مِنَّا وَمِنْكُمْ مُّتَرَبِّصٌ مُنْتَظِرٌ مَا يَؤُلُ اِلَيْهِ الْاَمْرُ فَتَرَبَّصُوْا فَسَتَعْلَمُوْنَ فِي الْقِيٰمَةِ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ الطَّرِيْقِ السَّوِيِّ الْمُسْتَقِيْمِ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿۱۳۵﴾ مِنَ الضَّلَالَةِ اَنَحْنُ اَمْ اَنْتُمْ.

ترجمہ: اگر تیرے رب کی بات (حکم ازلی) یعنی ان سے عذاب کو قیامت تک مؤخر کرنے کی بات پہلے سے طے شدہ اور وقت معین نہ ہوتا تو ہلاکت دنیا ہی میں (فوری طور پر) آ چمٹتی مُسَمًّى مضروب لہ کے معنی میں ہے (یعنی مقرر کردہ) اور اَجَلٌ مُسَمًّى کا عطف کَانَ کے اندر ضمیر مستتر پر ہے اور کان کی خبر کا فصل تاکید کے قائم مقام ہے، سو آپ ان باتوں پر صبر کیجئے یہ حکم آیت قتال سے منسوخ ہے، اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ پاکی بیان کرتے رہئے اور نماز پڑھتے رہئے یعنی ایسی تسبیح کرتے رہئے کہ جو حمد پر مشتمل ہو طلوع شمس سے پہلے فجر کی نماز اور غروب شمس سے پہلے عصر کی نماز اور رات کے اوقات میں تسبیح بیان کیجئے یعنی مغرب اور عشاء کی نماز پڑھئے اور دن کے اطراف میں اور اطراف النہار کا عطف مِنْ آناء اللیل کے محل پر ہے جو منصوب ہے یعنی ظہر کی نماز پڑھئے اس کا وقت زوال شمس سے داخل ہوتا ہے اور وہ (نہار) کے نصف اول کا (آخری) اور نصف ثانی کا (ابتدائی) کنارہ ہے تاکہ آپ عطا کردہ ثواب سے خوش ہوں اور آپ ہرگز ان چیزوں کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھئے جن سے ہم نے کافروں کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کے لئے متمتع کر رکھا ہے بایں طور کہ وہ سرکشی کریں یہ (محض) دنیوی زندگی کی زینت اور رونق ہے، اور جنت میں تیرے رب کا عطیہ اس سے جو ان کو دنیا میں دیا گیا ہے بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے اور اپنے متعلقین کو نماز کا حکم کرتے رہئے اور خود بھی اس کے پابند رہئے اور ہم آپ سے معاش کا سوال نہیں کرتے یعنی ہم آپ کو اپنے لئے اور دوسروں کے لئے معاش کا مکلّف نہیں بناتے رزق تو آپ کو ہم دیں گے اور انجام یعنی جنت تو اہل تقویٰ کے لئے ہے اور مشرک کہتے ہیں کہ محمد ہمارے پاس اپنے رب کے پاس سے وہ نشانی کیوں نہیں لاتے جس کا وہ مطالبہ کرتے ہیں اَوَلَمْ یَاْتِهِمْ تا اور یا کے ساتھ ہے کیا ان کے پاس پہلی کتابوں کا بیان نہیں پہنچا وہ (بیان) کہ قرآن اس پر مشتمل ہے اور وہ بیان امم ماضیہ کی خبریں اور رسولوں کی

تکذیب کی وجہ سے ان کو ہلاک کرنے کی خبریں ہیں اور اگر ہم ان کو محمد ﷺ کی آمد سے پہلے کسی عذاب کے ذریعہ ہلاک کردیتے تو یہ لوگ قیامت کے دن یوں کہتے اے ہمارے رب آپ نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا تھا؟ کہ ہم اس کے لائے ہوئے آپ کے احکام پر چلتے قبل اس کے کہ ہم قیامت میں جہنم میں ذلیل اور رسوا ہوتے تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ ہم اور تم سب کے سب منتظر ہیں کہ انجام کیا ہوتا ہے؟ اور انتظار کرلو عنقریب قیامت کے دن تم کو معلوم ہوجائے گا کہ راہ راستی والے کون ہیں؟ اور ضلالت سے بچ کر کون ہدایت پر پہنچا؟ ہم یا تم (یعنی ہر ایک انجام کا منتظر ہے پس تم بھی انتظار میں رہو)۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَلَوْلَا كلمة سَبَقَتْ الخ اگر اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں آپ ﷺ کے اکرام میں آپ کی امت سے عام عذاب کی تاخیر مقدر نہ ہو چکی ہوتی تو امم ماضیہ کے مانند اس امت پر بھی عام عذاب نازل ہو گیا ہوتا، لہٰذا یہ تاخیر امہال ہے نہ اہمال، تاکہ کفار بقیہ عمر میں گذشتہ کوتاہیوں کی تلافی کرسکیں۔

قولہ: معطوف على الضمير المستتر فى كان مطلب یہ ہے کہ واجلٌ مسمًّى کا عطف کان کی ضمیر مستتر پر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے مكان الإهلاك والاجل المعين لهٗ لزامًا اور لزامًا مصدر بمعنی لازمًا ہے۔

سوال: اِهلاك اور اَجلٌ مُسمًّى دونوں كَانَ کے اسم ہیں تو اس کی خبر بھی تثنیہ ہونی چاہئے لہٰذا لِزامًا کے بجائے لازمين ہونی چاہئے۔

جواب: لزامًا اگرچہ یہاں لازمًا کے معنی میں ہے مگر اصل میں مصدر ہے لہٰذا اس کا تثنیہ کے معنی میں استعمال درست ہے۔

قولہ: قام الفصل یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ جب ضمیر مرفوع متصل پر عطف ہوتا ہے تو ضمیر مرفوع کی تاکید ضمیر مرفوع منفصل کے ذریعہ ضروری ہوتی ہے، یہاں کان کی ضمیر مستتر اهلاك پر اجلٌ مسمًّى کا عطف ہو رہا ہے حالانکہ یہاں ضمیر مستتر کی تاکید ضمیر مرفوع منفصل کے ذریعہ نہیں ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ عطف کے جواز کی ایک صورت اور بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ ضمیر منفصل کے علاوہ اگر اور کسی چیز کا فصل واقع ہو جائے تب بھی عطف درست ہو جاتا ہے، یہاں کان کی خبر لزامًا کا فصل آنے کی وجہ سے عطف درست ہو گیا ہے۔

قولہ: واَجلٌ مسمًّى اجلٌ کے مرفوع ہونے کی دو وجہ ہوسکتی ہیں ایک تو یہی کہ اَجلٌ کا عطف کان کی ضمیر مستتر پر ہو، مفسر علام نے اسی کو اختیار کیا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اجلٌ کا عطف کلمةٌ پر ہو اور لولا کے تحت میں داخل ہو، تقدیر عبارت یہ ہوگی

لولا كلمة واَجَلٌ مسمًّى لكان العذاب لازمًا لهم.

قَوْلُهٗ: فاصبر علٰی مایقولون، فاصبر میں فا جزائیہ ہے شرط محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے ای اِذا کان الامر علی ماذکر من اَنّ تاخیر عذابهم ليس باهمال بل هو امهال وهو لازم لهم البتة فاصبر علٰی ما يقولون من كلمات الكفر۔ من آناء الليل آناء جمع اِنًا بمعنی وقت اور مِن بمعنی فی ای فی آناء الليل.

قَوْلُهٗ: واَطراف النهار ای صلّ اطراف النهار من آناء الليل کے محل پر عطف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور مِن آناء الليل فسبّح کی وجہ سے منصوب ہے وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ کا عطف فاصبر پر ہے۔

قَوْلُهٗ: ازواجًا متّعنا کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور بہٖ کی ضمیر مجرور جو کہ مَا کی طرف راجع ہے سے حال واقع ہونے کی وجہ سے بھی ازواجًا منصوب ہوسکتا ہے۔

قَوْلُهٗ: زهرةَ الحيٰوةِ الدنيا زهرةً کے منصوب ہونے کی چند وجوہ ہوسکتی ہیں ① مَتَّعْنَا کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے مفعول اول اَزْوَاجًا ہے اور مَتَّعْنَا چونکہ اعْطينا کے معنی کو متضمن ہے اس لئے متعدی بدو مفعول ہوگا ② ازواجًا سے بدل ہونے کی وجہ سے یا تو حذف مضاف کے ساتھ ای ذوی زهرةٍ یا ③ مبالغةً فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہو جس پر مَتَّعْنَا دلالت کررہا ہے ای جعلنا زهرَةً ④ منصوب علی الذم ای اَذُمُّ زهرةَ الحيٰوةِ الدنيا ان کے علاوہ پانچ وجوہ نصب کی اور بھی ہوسکتی ہیں جن کو اختصاراً ترک کردیا گیا۔

قَوْلُهٗ: بِاَنْ يَطْغَوْا باسببیہ ہے ای نَفْتِنَهُمْ بِسَبَبِ طُغْيَانِهِمْ.

قَوْلُهٗ: بَهْجَة رونق خوبصورتی (س، ف، ک)۔

قَوْلُهٗ: يَقْتَرِحُوْنَهٗ اِقْتِرَاحٌ خواہش کرنا، تجویز پیش کرنا، مطالبہ کرنا۔

قَوْلُهٗ: اَوَ لَمْ يَاْتِهِمْ ہمزہ محذوف پر داخل ہے اور واو عاطفہ ہے ای اَعَمُوْا وَلَمْ تَاْتِهِمْ.

قَوْلُهٗ: وَلَوْ اَنَّا اَهْلَكْنٰهُمْ یہ جملہ مستانفہ ہے ماقبل کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے۔

قَوْلُهٗ: فَنَتَّبِعَ لولا استفہامیہ کا جواب ہے اَن مقدر کی وجہ سے منصوب ہے ای فأنْ نَتَّبِعَ.

قَوْلُهٗ: مَنْ اَصْحابُ الصراط مبتداء خبر ہیں، علامہ محلی نے مَن اهتَدیٰ کی تفسیر مِنَ الضلالَةِ سے کرکے اصحٰب الصراط السویّ اور مَنِ اهْتَدیٰ میں فرق کی جانب اشارہ کردیا، اصحاب الصراط وہ لوگ ہیں جو شروع ہی سے ہدایت پر ہوں جیسے آپ ﷺ اور وہ لوگ جو اسلام کی حالت میں بالغ ہوئے جیسے حضرت علی رَضِحَاللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ وغیرہ اور وَمَنِ اهْتَدیٰ وہ لوگ جن پر کفر کا زمانہ گذرا اور بعد میں اسلام لائے وَمَنِ اهتدیٰ میں مَنْ استفہامیہ ہے اور محل خبر میں بھی ہوسکتا ہے الصراط پر عطف کرتے ہوئے ای اصحاب من اهتدیٰ.

تفسیر وتشریح

لَوْلَا کَلِمَۃٌ سَبَقَتْ یہ مشرکین ومکذبین مکہ دیکھتے نہیں کہ ان سے پہلے کئی امتیں گذر چکی ہیں جن کے یہ جانشین ہیں اور یہ ان کی رہائش گاہوں سے گذر کر آتے جاتے ہیں، انہیں ہم اس تکذیب کی وجہ سے ہلاک کر چکے ہیں، جن کے عبرت ناک انجام میں اہل عقل ودانش کے لئے بڑی نشانیاں ہیں، لیکن یہ اہل مکہ ان سے آنکھیں بند کئے ہوئے انہی کی روش اپنائے ہوئے ہیں، اگر اللہ نے پہلے سے یہ فیصلہ نہ کیا ہوتا کہ وہ اتمام حجت کے بغیر اور اس مدت کے آنے سے پہلے جو وہ مہلت کے لئے کسی قوم کو عطا فرماتا ہے کسی کو ہلاک نہیں کرتا تو فوراً انہیں عذاب الٰہی آچمٹتا اور یہ ہلاکت سے دوچار ہو چکے ہوتے، مطلب یہ ہے کہ تکذیب رسالت کے باوجود اگر ان پر اب تک عذاب نہیں آیا تو یہ نہ سمجھیں کہ آئندہ بھی نہیں آئے گا، بلکہ ابھی ان کو اللہ کی طرف سے مہلت ملی ہوئی ہے جیسا کہ وہ ہر قوم کو دیتا ہے، مدت مہلت ختم ہو جانے کے بعد ان کو عذاب الٰہی سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔

فاصبر علی مایقولون اہل مکہ جو ایمان سے بھاگنے کے طرح طرح کے حیلے بہانے تلاش کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کو برے القاب سے یاد کرتے تھے کوئی ساحر کہتا تھا تو کوئی کاذب کہہ کر پکارتا تھا تو کوئی کاہن نام رکھتا تھا تو کوئی شاعر کے لقب سے نوازتا تھا جس سے آپ ﷺ کو فطری طور پر بڑی تکلیف ہوتی تھی، قرآن کریم نے ان اذیتوں کا علاج دو طریقہ سے تجویز فرمایا ہے اول یہ کہ ان کے کہنے کی طرف توجہ نہ دیں بلکہ صبر کریں، دوسری چیز اللہ کی عبادت میں مشغول رہیں، فسبح بحمد ربك میں اسی دوسرے علاج کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

فَسَبِّحْ بِحمد رَبِّكَ تسبیح کے معنی اللہ کی پاکی بیان کرنے کے ہیں اور یہ عام ہے اس سے زبانی تسبیح وتحمید بھی مراد ہو سکتی ہے اور نماز بھی مراد ہو سکتی ہے اس لئے کہ نماز قولی اور فعلی دونوں قسم کی تسبیح پر مشتمل ہوتی ہے بعض مفسرین نے آئندہ آیت سے نماز کے پانچ اوقات مراد لئے ہیں، اور دیگر حضرات نے مطلقاً وقت مراد لیا ہے، یعنی ہر وقت ذکر لسانی میں مشغول رہنا مراد ہے۔

لاتَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اس آیت میں اگرچہ خطاب آپ ﷺ کو ہے مگر مراد امت ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مالداروں اور سرمایہ داروں کو قسم قسم کی دنیوی رونق اور طرح طرح کی نعمتیں حاصل ہیں، آپ ان کی طرف مطلقاً توجہ نہ کیجئے، یہ سب نعمتیں فانی اور چند روزہ ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے ذریعہ مومنین کو جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں وہ کافروں کی ان چند روزہ رونق حیات سے بدرجہا بہتر ہیں۔

حدیث ایلاء میں آیا ہے کہ حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا کہ آپ ایک کھری

چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور بے سروسامانی کا یہ عالم ہے کہ گھر میں چمڑے کی دو چیزوں کے علاوہ کچھ نہیں ہے، حضرت عمر رَضَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہٗ کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آگئے، نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا عمر کیا بات ہے؟ روتے کیوں ہو؟ عرض کیا یارسول اللہ! قیصر وکسریٰ کس طرح آرام وراحت کی زندگی گذار رہے ہیں اور آپ کا باوجود اس بات کے کہ آپ افضل الخلق ہیں یہ حال؟ فرمایا عمر کیا تم اب تک شک میں ہو؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کے آرام کی چیزیں دنیا ہی میں دیدی گئی ہیں یعنی آخرت میں ان کے لئے کچھ نہیں۔ (بخاری شریف سورۂ تحریم، مسلم باب الایلاء)

ابن ابی حاتم نے بروایت ابوسعید خدری رَضَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہٗ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

اِنَّ اخوَفَ ما اَخافُ علیکم مَا یَفْتَحُ اللّٰہ لکم من زھرۃ الدنیا.

مجھے تم لوگوں کے بارے میں جس چیز کا سب سے زیادہ خوف اور خطرہ ہے وہ دنیا کی دولت اور زینت ہے جو تم پر کھولدی جائے گی۔ (ابن کثیر)

کاشفی نے مذکورہ آیت کے شان نزول کے سلسلہ میں ابورافع سے ایک روایت نقل فرمائی ہے جس کا ماحصل حسب ذیل ہے، ابورافع فرماتے ہیں کہ ایک روز ایک مہمان آپ ﷺ کے پاس آیا، اتفاق سے گھر میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی کہ جس سے مہمان کی خاطر تواضع کی جاسکتی، حضرت ابورافع فرماتے ہیں کہ مجھے آپ ﷺ نے ایک یہودی کے پاس بھیجا، اور فرمایا کہ یہودی سے کہنا محمد ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہمارے گھر مہمان آیا ہے اور گھر میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے کہ مہمان کی تواضع کی جاسکے، لہٰذا اتنی مقدار (دو صاع) آٹا ادھار فروخت کردو، ماہ رجب کے شروع میں قیمت ادا کردی جائے گی، ابورافع فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کا پیغام یہودی کو پہنچادیا، یہودی نے جواب دیا ہم ادھار معاملہ نہیں کرتے ہاں البتہ کوئی چیز رہن رکھ دو تو دے سکتے ہیں، ابورافع فرماتے ہیں کہ میں نے پوری صورت حال آپ ﷺ سے عرض کردی، آپ نے فرمایا **وَاللّٰہِ اِنی لَاَمِیْنٌ فی السماءِ واَمینٌ فِی الارضِ** اگر وہ میرے ساتھ معاملہ کرتا تو میں اس کا حق ادا کردیتا چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی زرہ عنایت فرمائی اور میں نے وہ زرہ یہودی کے یہاں رہن رکھ کر دو صاع آٹا لے لیا، اس پر یہ آیت آپ ﷺ کی تسلی کے لئے نازل ہوئی۔ (روح البیان)

وَاْمُرْ اَھْلَكَ بالصَّلٰوۃ اس آیت میں اہل سے مراد پوری امت ہے جس میں خاص اپنے اہل وعیال اور متعلقین بھی داخل ہیں، بظاہر اس آیت میں دو حکم ہیں ایک اپنے اہل وعیال کو نماز کی تاکید اور دوسرے خود پابندی، دراصل بات یہ ہے کہ انسان کی خود اپنی نماز کی پابندی کے لئے ضروری ہے کہ گھر کا ماحول دیندار ہو اور اہل خانہ اور متعلقین نماز کے پابند ہوں، اس لئے کہ اگر ماحول اس کے خلاف ہو تو طبعی طور پر انسان خود بھی کوتاہی کا شکار ہوجاتا ہے، جب مذکورہ آیت نازل

ہوئی تو آپ ﷺ روزانہ صبح کو نماز کے وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فاطمہ کے مکان پر جا کر آواز دیتے تھے "اَلصَّلٰوۃ الصَّلٰوۃ". (قرطبی)

لانسئلك رِزْقًا یعنی ہم تم سے یہ مطالبہ نہیں کرتے کہ تم اپنا اور اپنے اہل وعیال کا رزق اپنے زور علم وعمل سے پیدا کرو بلکہ یہ معاملہ ہم نے اپنے دست قدرت میں رکھا ہے، انسان زیادہ سے زیادہ کسب معاش کے اسباب کو اختیار کرسکتا ہے اس کے آگے کچھ نہیں کرسکتا، ایک کاشتکار زمین کو قابل کاشت بنا کر اس میں بیج ڈالدیتا ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتا، آگے پورا کام قدرت کا ہے چاہے اس کو اگائے اور بارآور کرے یا زمین ہی میں سڑا کر مٹی کردے، غرضیکہ روزی کا مسئلہ قدرت نے اپنے اختیار میں رکھا ہے البتہ جو شخص عبادت خداوندی میں مشغول ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے یہ بار محنت بھی آسان فرمادیتے ہیں۔ (ترمذی)

فستعلمون الخ یعنی آج تو اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو زبان دی ہوئی ہے ہر ایک اپنے طریقہ اور اپنے عمل کو بہتر اور صحیح ہونے کا دعویٰ کرسکتا ہے لیکن یہ دعویٰ کچھ کام آنے والا نہیں۔

بہتر اور صحیح طریقہ وہی ہوسکتا ہے جو اللہ کے نزدیک مقبول اور صحیح ہو اور اس کا پتہ قیامت کے روز سب کو لگ جائیگا کہ کون غلطی اور گمراہی پر تھا اور کون صحیح اور سیدھے راستہ پر؟

سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآءِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّاثْنَتَا عَشْرَةَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآءِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّاِحْدٰى اَوْ اِثْنَتَا عَشْرَةَ آيَةً.

سورۂ انبیاء مکی ہے ایک سو گیارہ یا ایک سو بارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اِقْتَرَبَ قَرُبَ لِلنَّاسِ اَہْلِ مَکَّۃَ مُنْکِرِی البَعْثِ حِسَابُهُمْ يَوْمُ القِيٰمَۃِ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ عنه مُّعْرِضُوْنَ ① عنِ التَّأَہُّبِ له بالاِيْمَان مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ شَیْئًا فَشَیْئًا ای لَفْظِ قُرآن اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ② يَسْتَهْزِءُ وْنَ لَاهِيَةً غَافِلَةً قُلُوْبُهُمْ عن مَعْنَاہ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى الكَلَامَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بَدلٌ من وَاوِ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰی هَلْ هٰذَآ ای مُحَمَّدٌ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ فَمَا یَاتِی بہ سِحْرٌ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ تَتْبَعُوْنَہ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ③ تَعلَمُوْنَ انه سِحْرٌ قُلْ لهم رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ كَائِنًا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ السَّمِيْعُ لِمَا اَسَرُّوْہ الْعَلِيْمُ ④ به بَلْ لِلاِنْتِقَالِ مِن غَرضٍ اِلٰی آخرَ فی المَوَاضِعِ الثَّلاثَۃِ قَالُوْٓا فِيمَا اُتِیَ بہ مِنَ القُرْآن هو اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ اَخلَاطٌ رَاٰهَا فی النَّوْمِ بَلِ افْتَرٰىهُ اِخْتَلَقَہٗ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ فما اَتٰی بہ شِعْرٌ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ⑤ كَالنَّاقَۃِ والعَصَا واليَدِ قال تعالٰی مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ ای اَہلِہا اَهْلَكْنٰهَا بِتَکْذِیْبِہا مَا اَتَاہا مِنَ الایَاتِ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ⑥ لا وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ وفی قِرَاءَۃٍ بالنُّوْنِ وکَسْرِ الحَاءِ اِلَيْهِمْ لا مَلَائِکَۃً فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ العُلَمَاءَ بالتَّوْرٰۃِ والاِنْجِیْلِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ⑦ ذٰلکَ فَاِنَّهم یَعْلَمُوْنَہ وانتم الٰی تَصْدِیْقِہِم اَقْرَبُ من تَصْدِیْقِ المُؤْمِنِیْنَ بِمُحَمَّدٍ صلی اللّٰہ علیہ وسلَّمَ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ اَیِ الرُّسُلَ جَسَدًا بِمعنٰی اَجْسَادٍ لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ بَلْ یَاْکُلُوْنَہ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ⑧ فی الدنیا ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ بِاِنْجَائِہم فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ ای المُصَدِّقِیْنَ لهم وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ⑨ المُكَذِّبِیْنَ لهم لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ یا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ لانه بِلُغَتِکُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ⑩ فتُؤْمِنُوْنَ بہ.

ترجمہ: لوگوں (یعنی) منکرین بعث اہل مکہ کے لئے ان کا حساب (یعنی) قیامت کا دن قریب آ گیا پھر بھی وہ اس سے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اس پر ایمان کے ذریعہ تیاری سے اعراض کئے ہوئے ہیں ان کے رب کے پاس سے ان

کے پاس کوئی نئی نصیحت بتدریج نہیں آتی (یعنی الفاظ قرآنی) مگر یہ کہ یہ لوگ اس کو کھیل کود میں استہزاء کے طور پر سنتے ہیں حال یہ ہے کہ ان کے قلوب اس کے معانی سے غافل ہوتے ہیں اور ان ظالموں نے چپکے چپکے سرگوشیاں کیں الذین ظلموا اَسَرُّوْا کے واؤ سے بدل ہے کہ یہ یعنی محمد ﷺ تمہارے جیسا ہی انسان ہے لہٰذا جو کچھ یہ پیش کرتا ہے وہ سحر ہے پھر بھی تم جادو کی بات سننے کے لئے اس کے پاس جاؤ گے؟ حالانکہ تم جانتے ہو کہ یہ سحر ہے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میرا رب ہر بات کو (خواہ) وہ آسمان میں ہو یا زمین میں جانتا ہے اور جس بات کو یہ چھپا رہے ہیں اس کو خوب سننے والا اور جاننے والا ہے بَلْ ایک غرض سے دوسری غرض کی طرف انتقال کے لئے تینوں مقامات میں (یعنی جادو کہنے پر اکتفاء نہیں کیا) بلکہ آپ جو قرآن لیکر آئے اس کے بارے میں کہا یہ پریشان خیالات ہیں یعنی خواب میں دیکھے ہوئے پراگندہ خیالات کا مجموعہ ہے بلکہ اس کو افتراء کیا ہے (یعنی) گھڑ لیا ہے بلکہ یہ تو شاعر ہے لہٰذا جو چیز یہ پیش کرتا ہے وہ شعر ہے لہٰذا (ان کو چاہئے) کہ ہمارے پاس کوئی بڑی نشانی لائیں جیسا کہ پہلے پیغمبر (نشانیاں دیکر) بھیجے گئے تھے مثلاً ناقہ اور عصا اور ید بیضاء، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان سے پہلے جو بستی یعنی بستی والے ایمان نہیں لائے ہم نے ان کو ان آیات کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک کر دیا سو کیا یہ لوگ ایمان لے آئیں گے؟ نہیں ہم نے آپ سے پہلے صرف مردوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا ہے جن کے پاس وحی بھیجی جاتی تھی اور ایک قراءت میں نون اور حا کے کسرہ کے ساتھ ہے (یعنی ہم وحی بھیجا کرتے تھے) نہ کہ فرشتوں کو اگر تم کو یہ بات معلوم نہ ہو تو اہل ذکر یعنی انجیل اور تورات کے علماء سے معلوم کرلو، اس لئے کہ وہ اس بات کو جانتے ہیں اور تم ان کی تصدیق کے زیادہ قریب ہو بہ نسبت محمد ﷺ پر ایمان لانے والوں کے اور ہم نے ان رسولوں کے ایسے جسم نہیں بنائے کہ جو کھانا نہ کھاتے ہوں بلکہ کھاتے ہیں جسد بمعنی اجساد ہے اور یہ حضرات دنیا میں ہمیشہ نہیں رہے پھر ہم نے ان سے جو وعدہ کیا تھا اس کو سچا کر دیا یعنی پورا کر دیا یعنی ہم نے ان کو اور ان کی تصدیق کرنے والوں میں سے جس کو چاہا نجات دی اور حد سے گذرنے والوں یعنی ان کی تکذیب کرنے والوں کو ہلاک کر دیا اے قریش کے لوگو! ہم تمہارے پاس ایسی کتاب بھیج چکے ہیں جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے اس لئے کہ وہ تمہاری زبان میں ہے پھر بھی تم نہیں سمجھتے کہ اس پر ایمان لے آؤ۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اِقْتَرَبَ قَرُبَ (س، ک) نزدیک آجانا اِقْتَرَبَ کی تفسیر قرب سے کر کے اشارہ کر دیا ہے کہ اقترب اور قَرُبَ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔

قَوْلُہٗ: لِلنَّاسِ کی تفسیر اہل مکہ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہ اطلاق الجنس علی البعض کے قبیل سے ہے، دلیل اس کی یہ ہے کہ آئندہ جو صفات بیان کی جا رہی ہیں وہ مکہ کے مشرکوں پر صادق آرہی ہیں، ورنہ تو حساب ہر شخص کا قریب آگیا ہے۔

قَوْلُہٗ: حِسَابُهُمْ ای وقت حسابهم مضاف محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: وهم فی غفلةٍ معرضونَ یہ جملہ حالیہ ہے ای قَرُبَ وقتُ حسابهم والحال اَنَّهم غافلون معرضون هُمْ مبتداء معرضون اس کی خبر۔

قَوْلُہٗ: فی غفلة، معرضون کی ضمیر سے حال بھی ہوسکتا ہے ای اعرضوا غافلین اور مبتداء کی خبر ثانی بھی ہوسکتی ہے۔

قَوْلُہٗ: تاهب، اَهَّبَ وتَأَهَّبَ بمعنی تیار ہونا، آمادہ ہونا۔

قَوْلُہٗ: مَا یأتِیهم من ذِکر یہ ماقبل کی علت ہے مِنْ ذِکرٍ میں مِن فاعل پر زائدہ ہے۔

قَوْلُہٗ: لفظ القرآن مفسر علام نے لفظ القرآن کا اضافہ کرکے اس شبہ کو زائل کر دیا کہ یہاں ذکر سے مراد قرآن ہے اور قرآن اللہ کا کلام اور اس کی خاص صفت ہے اور اللہ کی ذات کے مانند اس کی صفات بھی قدیم ہیں تو پھر اس کو محدثٍ کیوں کہا گیا ہے؟

جَوَابٌ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن الفاظ منزلہ کے اعتبار سے حادث ہے اور اپنے مدلول ومعنی کے اعتبار سے قدیم ہے۔

قَوْلُہٗ: وَاَسَرُّوا النَّجوىٰ الذین ظلموا اَسَرُّوْا کے واؤ سے بدل ہے اور محل میں رفع کے ہے اور الذین ظلموا، هم مبتداء محذوف کی خبر بھی ہوسکتی ہے ای هم الذین ظلموا اور اگر اعنی مقدر مان لیا جائے تو الذین ظلموا محلاً منصوب ہوگا، ای اَعْنِیْ الذین ظلموا.

قَوْلُہٗ: هل هٰذا الخ یہ النجوىٰ سے بدل ہے یعنی ان ظالموں کی خفیہ گفتگو یہ تھی کہ یہ ہمارے جیسا بشر ہی ہے هَل هٰذا اِلَّا بشرٌ مثلکُمْ وَاَنتُمْ تبصرون تاتون کی ضمیر سے حال ہے علامہ محلی نے کائناً کا اضافہ کرکے اشارہ کر دیا کہ فی السماء والارض اَلقَوْل سے حال ہے۔

قَوْلُہٗ: اَضغاثُ احلامٍ یہ هٰذا یا هو مبتداء محذوف کی خبر ہے جیسا کہ علامہ محلی نے هُوَ مقدر مان کر اشارہ کر دیا ہے اور جملہ ہوکر قالوا کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے اَضْغَاثُ بمعنی اخلاط جمع ضغثٍ وہ پراگندہ خیالات جن کو انسان خواب میں دیکھتا ہے۔

قَوْلُہٗ: فَلْیَأتِنا بآیةٍ یہ شرط محذوف کی جزاء ہے جو کہ سیاق وسباق سے مفہوم ہے ای کَاَنَّهٗ قیل وَاِنْ لم یکن کما قلنا بل کان رسولاً من عند اللّٰهِ فَلْیَاتِنَا بآیَةٍ.

قَوْلُہٗ: کما اُرْسِلَ الاولون یہ آیةٍ کی صفت ہے ای اِئتنا بآیةٍ کائنةٍ مثل الآیة التی ارسل بها الاوَّلون.

قَوْلُہٗ: اَهْلکنٰها قَرْیَةٍ کی صفت ہے اَفَهُمْ یؤمِنُونَ کے بعد لا مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ اَفَهُمْ میں ہمزہ استفہام انکاری ہے۔

قَوْلُہٗ: یُوْحٰی بالیاء مبنی للمفعول اِلَیْهِمْ نائب فاعل وفی قراءةٍ نُوْحِیْ بالنون وکسر الحاء اس صورت میں مفعول محذوف ہوگا ای نُوحِی اِلَیْهِم الاَمرَ والنَّهیَ اِنْ کُنْتُمْ لاتعلمون یہ جملہ شرطیہ ہے اس کی جزاء فاسئلوهم

محذوف ہے سابقہ جملہ حذف جزاء پر دلالت کر رہا ہے یعنی تم اہل کتاب کی بات کی تصدیق کو اولیت دو گے بخلاف ان لوگوں کی بات کی تصدیق کے جو محمد ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں اس لئے کہ اہل کتاب اسلام دشمنی میں تمہارے ہمنوا اور شریک ہیں۔

قِوْلَہٗ: اَقْرَبُ مِن تصدیق المؤمنین اصل میں مِن تصدیقکم المؤمنینَ بمحمدٍ ﷺ ہے جَسَدًا بمعنی اَجْسَادًا یہ اشارہ ہے کہ جَسَدًا مفرد بمعنی اجسادًا ہے یا اس سے پہلے مضاف محذوف ہے ای ذوی جسَدٍ جسدًا یا تو اس وجہ سے منصوب ہے کہ جَعَلنا کا مفعول ثانی ہے اگر جعل بمعنی صیر ہو اور اگر جَعَلَ بمعنی خلق ہو تو جعلنا هم کی ضمیر هم سے حال واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا۔

قِوْلَہٗ: لایاکلون الطعام ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ جسدًا کی صفت ہے دراصل یہ جملہ مشرکین کے اس قول کا رد ہے کہ وہ کہتے تھے مالِ هٰذا الرسول یاکل الطعام.

قِوْلَہٗ: لَقَدْ اَنْزَلْنَا لقد میں لام قسمیہ ہے ای و اللّٰہِ لقدْ.

تفسیر و تشریح

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ سورۂ انبیاء بالاتفاق مکی ہے اس میں ایک سو گیارہ یا بارہ آیتیں ہیں چونکہ اس سورت میں متعدد انبیاء علیہم السلام کے واقعات مذکور ہوئے ہیں، اسی وجہ سے اس سورت کا نام سورۃ الانبیاء رکھا گیا ہے، سورۂ کہف سورۂ مریم سورۂ طٰہٰ اور سورۂ انبیاء نزول کے اعتبار سے ابتدائی سورتوں میں سے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ یہ میری قدیم دولت اور کمائی ہیں جن کی میں ہمیشہ حفاظت کرتا ہوں۔

حساب کے وقت کے قریب ہونے سے قیامت کا دن مراد ہے جو ہر گھڑی قریب سے قریب تر ہو رہا ہے، اور ہر وہ چیز جو آنے والی ہے وہ قریب ہی ہوتی ہے "کل ما هو آتٍ فهو قريب" اور ہر انسان کی موت بجائے خود اس کے لئے قیامت ہے اس لئے کہ ہر انسان کا حساب قبر ہی سے شروع ہو جاتا ہے، علاوہ ازیں گذرے ہوئے زمانہ کے اعتبار سے بھی قیامت قریب ہے، اس لئے کہ گذشتہ زمانہ کے اعتبار سے آئندہ زمانہ کم ہی ہے حدیث شریف میں بھی یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ گذشتہ زمانہ کی مقدار باقی زمانہ کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسا کہ صبح سے لیکر عصر کے وقت تک اور بقیہ زمانہ کی مقدار ایسی ہے جیسا کہ عصر سے غروب تک کا وقت، مقصد اس آیت سے غفلت شعار لوگوں کو متنبہ کرنا ہے جس میں مومن اور کافر سب داخل ہیں کہ دنیا کی خواہشات میں مشغول ہو کر اس حساب کے دن کو نہ بھلائیں کیوں کہ اس کو بھلا دینا ہی تمام خرابیوں اور برائیوں کی جڑ ہے۔

مَا یاتِیهِمْ مِن ذکرٍ الخ یہ آخرت اور عذاب قبر سے غفلت کرنے والوں کا مزید بیان ہے کہ جب ان کے سامنے قرآن کی کوئی نئی آیت نازل ہوتی ہے اور ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے تو وہ اس کا استہزاء کرتے ہیں اور ہنسی مذاق میں اڑا دیتے ہیں، آیت کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرآن کی آیات سننے کے وقت یہ اپنے کھیل اور شغل میں اسی طرح لگے رہتے ہیں کہ قرآن کی طرف توجہ نہیں کرتے اور نہ اس میں تدبر و غور و فکر کرتے ہیں۔

اَفَتَاتُونَ السِّحْرَ وَانتم تُبصِرون یعنی یہ لوگ آپس میں سرگوشی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ شخص جو خود کو نبی اور رسول کہتا ہے یہ تو ہم جیسا انسان ہے کوئی فرشتہ تو ہے نہیں کہ ہم اس کی بات مان لیں، مطلب یہ کہ ان کو نبی کا بشر ہونا قابل قبول نہیں تھا جیسا کہ خود کو مسلمان کہلانے والے بعض فرقے بھی محمد ﷺ کی بشریت سے انکار کرتے ہیں۔

قرآن چونکہ اپنی حلاوت و بلاغت کے اعلیٰ مقام پر ہے جس کی تاثیر کا کوئی کافر بھی انکار نہیں کرسکتا تھا اس لئے مشرکین مکہ کے سرداروں نے یہ صورت نکالی کہ اس کلام کو سحر اور جادو قرار دیں اور پھر لوگوں کو اسلام سے روکنے کے لئے یہ کہیں کہ جب تم سمجھ گئے کہ یہ جادو ہے اور اس کلام کا سنانے والا جادوگر ہے تو پھر اس کے پاس جانا اور اس کا کلام سننا دانشمندی کے خلاف ہے، شاید مشرکین مکہ نے رازدارانہ طور پر یہ گفتگو اس لئے کی ہو کہ اگر مسلمان سن لیں گے تو ان کی احمقانہ تلبیس کا پول کھول دیں گے۔

اضغاث، ضِغْثٍ کی جمع ہے مختلف قسم کی گھاس کا مٹھا اسی مناسبت سے اضغاث ان خوابوں کو کہتے ہیں جن میں کچھ نفسانی اور شیطانی خیالات شامل ہو جاتے ہیں یعنی ان منکرین نے اول تو قرآن کو جادو کہا پھر پریشان خیالات کہنے لگے پھر اس سے بھی آگے بڑھ کر کہنے لگے کہ یہ تو خدا پر افتراء اور بہتان ہے، پھر کہنے لگے یہ کوئی شاعر شخص ہے اس کے کلام میں شاعرانہ خیالات ہیں، خدا کے پیغمبر محمد ﷺ نے جواب دیا میرا پروردگار ہر اس بات کو جو زمین اور آسمان میں ہے بخوبی جانتا ہے اور تمام بندوں کی گفتگو سنتا ہے اور ہر ایک کے عمل کو دیکھتا ہے، لہٰذا تم جو جھوٹ بک رہے ہو اسے وہ سن رہا ہے اور میری سچائی کو اور جو دعوت تمہیں دے رہا ہوں اس کی حقیقت کو خوب جانتا ہے۔

فَلْيَاتِنَا بِآيَةٍ تو مشرکین کہنے لگے اگر یہ واقعی نبی ہے تو ہمارے طلب کئے ہوئے معجزے دکھلائیں اس کے جواب میں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ پچھلی امتوں میں اس کا بھی تجربہ اور مشاہدہ ہو چکا ہے کہ جس طرح کا معجزہ انہوں نے طلب کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ہاتھوں پر وہی معجزہ سامنے کر دیا مگر وہ پھر بھی ایمان نہ لائے اور منہ مانگے معجزے کو دیکھنے کے بعد بھی جو قوم ایمان سے گریز کرے اس کے لئے اللہ کا قانون یہ ہے کہ دنیا ہی میں عذاب نازل کرکے ختم کر دی جاتی ہے اور چونکہ امت مرحومہ کو حق تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے اعزاز میں دنیا کے عام عذاب سے محفوظ کر دیا ہے اس لئے ان کے مطلوبہ معجزات دکھلانا مصلحت نہیں اَفَهُمْ يُؤْمِنُونَ کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ منہ مانگے معجزات دیکھ کر بھی یہ ایمان لے آئیں گے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی اس لئے مطلوبہ معجزہ نہیں دکھایا جاتا۔

وَمَا اَرْسَلْنَا قبلكَ یعنی جتنے بھی ہم نے نبی اور رسول بھیجے وہ سب مرد اور انسان تھے نہ کوئی غیر انسان کبھی نبی آیا اور نہ غیر مرد، گویا کہ نبوت انسانوں کے ساتھ اور انسانوں میں سے مردوں کے ساتھ خاص رہی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کوئی عورت نبی نہیں ہوئی اس لئے کہ نبوت بھی ان فرائض میں سے ہے کہ جو عورت کے طبعی اور فطری دائرۂ عمل سے خارج ہے۔

فَاسْئلوا اَهْلَ الذِّكر میں اہل ذکر سے اس جگہ علماء تورات اور علماء انجیل مراد ہیں جو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئے تھے، مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو پچھلے انبیاء کا بشر اور مرد ہونا معلوم نہیں ہے تو علماء توریت و انجیل سے معلوم کرلو۔

کتابًا فیه ذکرکم کتاب سے مراد قرآن ہے اور ذکر سے مراد شرف، فضیلت وشہرت ہے یہ قرآن چونکہ عربی زبان میں ہے لہٰذا تمہارے لئے بڑی عزت اور دائمی شہرت کی چیز ہے اس کی تمہیں قدر کرنا چاہئے۔

وَكَمْ قَصَمْنَا اہلکنا مِنْ قَرْيَةٍ ای اہلہا كَانَتْ ظَالِمَةً کافرۃً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ۝ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ ای شعر اہلُ القریۃِ بالاہلاکِ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ۝ یہربون مسرعین فقالت لہم الملائکۃ استہزاءً لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ نُعِمتم فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْــَٔـلُوْنَ۝ شیئًا من دنیاکم علی العادۃِ قَالُوْا يٰـ للتنبیہ وَيْلَنَآ ہلاکنا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ۝ بالکفر فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ الکلماتُ دَعْوٰىهُمْ یدعون بہا ویردّدونہا حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا ای کالزرع المحصودِ بالمناجلِ بان قتلوا بالسیف خٰمِدِيْنَ۝ میّتین کخمودِ النارِ اذا طفیت وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ۝ عابثین بل دالّین علی قدرتنا ونافعین عبادَنا لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا ما یُلہٰی بہ من زوجۃٍ او ولدٍ لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ من عندنا من الحور العین والملٰئکۃِ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ۝ ذلک لکنّا لم نفعلہ فلم نُرِدْہُ بَلْ نَقْذِفُ نرمی بِالْحَقِّ الایمانِ عَلَى الْبَاطِلِ الکفرِ فَيَدْمَغُهٗ یذہبہ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ذاہبٌ ودمغہ فی الاصل اصاب دماغہُ بالضربِ وہو مقتلٌ وَلَكُمُ یا کفارَ مکۃَ الْوَيْلُ العذابُ الشدید مِمَّا تَصِفُوْنَ۝ اللّٰہَ بہ من الزوجۃِ او الولدِ وَلَهٗ تعالیٰ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ملکًا وَمَنْ عِنْدَهٗ ای الملائکۃُ مبتدأٌ خبرُہ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ۝ لا یعیون يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ۝ عنہ فہو منہم کالنفس منّا لا یشغلنا عنہ شاغلٌ اَمِ بمعنٰی بل للانتقال وہمزۃ الانکار اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً کائنۃً مِّنَ الْاَرْضِ کحجر وذہب وفضۃٍ اَ هُمْ ای الالہۃ يُنْشِرُوْنَ۝ ای یحیون الموتٰی لا ولا یکون الٰہًا الا من یحیی الموتٰی لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ ای السمٰوٰتِ والارض اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ ای غیرہ لَفَسَدَتَا خرجتا عن نظامہما المشاہَدِ لوجودِ التمانعِ بینہم علی وفقِ العادۃِ عند تعددِ الحاکمِ من التمانعِ فی الشیءِ وعدمِ الاتفاقِ علیہ فَسُبْحٰنَ تنزیہَ اللّٰهِ رَبِّ خالقِ الْعَرْشِ الکرسیِّ عَمَّا يَصِفُوْنَ۝ ای الکفارُ اللّٰہَ بہ من الشریکِ لہ وغیرہ لَا يُسْــَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْــَٔلُوْنَ۝ عن افعالہم۔

ترجمہ: اور کتنی ہی بستیوں کو یعنی بستی والوں کو جو ظالم یعنی کافر تھے تباہ یعنی ہلاک کر دیا اور ان کے بعد دوسری قوم پیدا کر دی تو ان ظالموں نے جب ہمارا عذاب آتا دیکھا یعنی بستی والوں نے جب ہلاکت کو محسوس کیا تو اس بستی سے تیزی سے بھاگنا شروع کر دیا تو فرشتوں نے ان سے بطور استہزاء کے کہا بھاگو مت اور اپنے سامان کی طرف جس میں تم کو آسودگی دی گئی تھی اور اپنے مکانوں کی طرف واپس چلو تاکہ دنیا کے دستور کے مطابق تم سے کچھ پوچھ تاچھ کی جائے تو وہ لوگ کہنے لگے ہائے ہماری

کمبختی (یا تنبیہ کے لئے ہے) یعنی ہماری ہلاکت بے شک ہم کفر کے ذریعہ ظلم کرنے والے تھے پھر تو انہی کلمات کی رٹ لگاتے رہے اور انہی کلمات کو دہراتے رہے یہاں تک کہ ہم نے ان کو حَـصِیْد کر دیا یعنی درانتی سے کٹی ہوئی کھیتی کے مانند کر دیا اس لئے کہ وہ سب تہہ تیغ کر دیئے گئے اور بجھی ہوئی آگ کے مانند مردہ کر دیا جیسا کہ آگ بجھ جاتی ہے جب اس کو گل کر دیا جائے اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے کھیلتے ہوئے نہیں بنایا یعنی بے فائدہ کام کرنے والے کے مانند نہیں بنایا بلکہ اس انداز پر بنایا کہ ہماری قدرت پر دلالت کریں اور ہمارے بندوں کے لئے نافع ہوں اور اگر ہم کو کھیل تماشہ کے طور پر بنانا مقصود ہوتا یعنی (کھلونا) جس سے تفریح طبع مقصود ہو مثلاً بیوی اور بچہ تو اسے اپنے پاس سے ہی بنا لیتے یعنی (اس مقصد کے لئے) اپنے پاس سے حور وملائکہ کا انتخاب کر لیتے، اگر ہم کو ایسا کرنا ہوتا لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا لہٰذا اس کا ارادہ بھی نہیں کیا بلکہ ہم حق ایمان کو باطل یعنی کفر پر پھینک مارتے ہیں تو وہ بھیجہ نکال دیتا ہے (یعنی) نیست ونابود کر دیتا ہے تو وہ دفعۃً دم توڑ دیتا ہے زاھقٌ بمعنی ذاھبٌ ہے اور دَمَغَهٗ کے (معنی) اصل میں دماغ پر ضرب لگانے کے ہیں (یعنی سرکوبی کرنے کے) حال یہ ہے کہ وہ ضرب مہلک ہو اور تمہارے لئے اے کفار مکہ ہلاکت (یعنی) عذاب شدید ہے ان باتوں کی وجہ سے کہ جن کے ساتھ تم اللہ کو متصف کرتے ہو (یعنی) بیوی یا بچہ اور زمین وآسمان میں جو کچھ ہے اسی کی ملک ہے اور جو فرشتے اس کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے سرکشی نہیں کرتے مَن عندهٗ مبتداء ہے اور لایستکبرون اس کی خبر ہے اور نہ وہ تھکتے ہیں (بلکہ) شب وروز اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور تسبیح سے (ذرا بھی) سستی نہیں کرتے پس وہ تسبیح ان کے لئے، ہمارے لئے سانس کے مانند ہے کہ ہم کو اس سانس سے کوئی عمل نہیں روکتا کیا ان لوگوں نے زمین کی مخلوق مثلاً پتھر، سونا اور چاندی سے معبود بنا رکھے ہیں کیا وہ یعنی معبودان باطلہ مُردوں کو زندہ کرتے ہیں؟ نہیں اور معبود وہی ہو سکتا ہے جو مردوں کو زندہ کر سکے اگر ان دونوں یعنی آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو یہ دونوں فاسد ہو جاتے یعنی اپنے نظام مشاہد سے نکل جاتے (یعنی درہم برہم ہو جاتے) ان کے درمیان ٹکراؤ کی وجہ سے عادت کے مطابق تعدد حکام کے وقت کسی شئ میں ٹکراؤ اور عدم اتفاق کی وجہ سے (یعنی دنیوی حکام میں بھی عادت اور دستور یہی ہے کہ جب مساوی حیثیت کے چند حکام جمع ہو جاتے ہیں تو ان کے درمیان کسی نہ کسی بات میں ضرور اختلاف ہوتا ہے جو ٹکراؤ کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور چونکہ کوئی کسی سے کم نہیں ہوتا اس لئے وہ شئ درہم برہم ہو جاتی ہے) پس اللہ عرش کرسی کا رب خالق ہے ہر اس چیز سے پاک ہے جو یہ کافر بیان کرتے ہیں، یعنی کفار، شرک وغیرہ جن صفات سے اس کو متصف کرتے ہیں (پاک ہے) وہ اپنے کاموں کے لئے جواب دہ نہیں اور وہ اپنے افعال کے بارے میں جواب دہ ہیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: کَمْ خبریہ ہے اور قَصَمْنَا کا مفعول مقدم ہے مِنْ قَرْیَةٍ کَمْ خبریہ کی تمیز ہے قَصَمْنَا (ض) ماضی جمع متکلم معروف قَصْمًا توڑنا، ریزہ ریزہ کر دینا، توڑ پھوڑ کر رکھ دینا، ہلاک کرنا قریہ سے یمن کا ایک قریہ مراد ہے جس کا نام "حضوراء"

تھا اللہ تعالیٰ نے اس قریہ والوں کی طرف حضرت موسیٰ بن میشا بن یوسف بن یعقوب کو نبی بنا کر مبعوث کیا تھا اور بعض حضرات نے امم سابقہ مثلاً قوم نوح ولوط وصالح وغیرہ بھی مراد لی ہیں مگر اول قول راجح ہے۔

قِوْلَہٗ: كانت ظالمة یہ قرية کی صفت ہے۔

قِوْلَہٗ: اَحَسُّوْا ای ادر کُوْا بالحواسِ.

قِوْلَہٗ: اِذَاهُمْ يَرْكُضُوْنَ اِذَا مفاجاتيه ہے هُمْ مبتداء يركضون اس کی خبر ہے الركض ضرب الدابة بالرجل (ایڑھ لگانا) یہاں مراد ہے تیزی سے بھاگنا اِذَا يركضون کا ظرف ہے۔

قِوْلَہٗ: استهزاء اس لفظ سے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے۔

سُوَال: سوال یہ ہے کہ ملائکہ کذب وغیرہ سے معصوم ہیں تو پھر انہوں نے خلاف واقعہ بات کیوں کہی؟ کہ تم اپنے سامان آسودگی اور مکانوں کی طرف لوٹ آؤ حالانکہ ملائکہ کو معلوم تھا کہ ان میں سے ایک بھی بچنے والا نہیں ہے۔

جَوَاب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ انہوں نے استہزاءً کہا جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا ہے ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ العزيز الكريم.

قِوْلَہٗ: مَسَاكِنِكُم اس کا عطف ما پر ہے تلك الكلمات سے مراد ان کا قول يا وَيْلَنَا اِنَّا كُنَّا ظالمينَ ہے۔

قِوْلَہٗ: لَاعِبِيْنَ یہ خلقنا کی ضمیر فاعل سے حال ہے۔

قِوْلَہٗ: دَعْواهم ای دُعائهم وندائهم ۔ مناجلُ جمع مِنْجَل کھیت کاٹنے کا آلہ (درانتی) حصيدًا مصدر بمعنی محصُود کٹی ہوئی کھیتی، مصدر چونکہ واحد تثنیہ جمع سب پر بولا جاتا ہے اس لئے حصيدًا کو جمع نہیں لایا گیا۔

قِوْلَہٗ: خامدين، جعلناهم کی ضمیر هم سے حال ہے حصيدًا خامدين دونوں کا مجموعہ بمنزلہ مفعول واحد کے ہے لہٰذا یہ اعتراض ختم ہوگیا کہ جعل متعدی بسہ مفعول نہیں ہوتا اور یہاں متعدی بسہ مفعول ہے خامدين خَمَدَتِ النار سے مشتق ہے جبکہ آگ کی لپٹیں بجھ جائیں اسی سے خَمَدَتِ الحُمّٰی مشتق ہے جبکہ بخار کی تیزی کم ہو جائے اور هَمَدَتِ النَّار اس وقت بولتے ہیں جبکہ آگ بالکل بجھ کر راکھ ہو جائے۔

قِوْلَہٗ: لاعبينَ ما خلَقْنَا میں مقصود نفی لاعبين ہے اس لئے کہ نفی جب مقید پر داخل ہوتی ہے تو قید کی نفی ہوتی ہے لہٰذا ماخلقنا میں تخلیق کی نفی مقصود نہیں ہے بلکہ لاعبين کی نفی مقصود ہے۔

قِوْلَہٗ: لَوْ اَرَدْنَا اَنْ نَتَّخِذَ لهوًا کا لاتخذناهُ مِنْ لَدُنَّا جواب ہے، تالی کی نقیض کا استثناء مقدم کی نقیض کا نتیجہ دیتا ہے لہٰذا عبارت اس طرح ہوگی لو تعَلَّقَتْ اِرَادتُنَا باتخاذ اللهْوِ لاتخذناهُ مِنْ عِندنا لكنّالم نتخذهُ فلمْ تتعلق بهٖ ارادتنا.

قِوْلَہٗ: اِنْ كُنَّا فاعلين اِن شرطیہ ہے اور جواب شرط محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے ان كنّا فاعلين اَرَدْناه مفسر علام نے اپنے قول لكنا لم نفعله سے نقیض تالی کی طرف اشارہ کیا ہے، اور فَلَمْ نُرِدْهُ کا اضافہ کرکے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ اِن شرطیہ ہے، اِنْ كنّا فاعِلِيْنَ میں اِن نافیہ بھی ہو سکتا ہے، ای ما كنا فاعلين.

قِوْلَہٗ: مِمّا تصِفُوْنَ مفسر علام نے بهٖ کا اضافہ کرکے اشارہ کر دیا کہ مِمّا میں مَا موصولہ ہے اور تصِفُون جملہ ہو کر اس

کا صلہ ہے اور عائد بہٖ محذوف ہے، ما مصدر یہ بھی ہوسکتا ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی ولکم الویل من اجل وصفکم ایاہ بما لایلیق مِمّا تصفُوْنَ استقر کے متعلق ہے ای اِستقر لکم الویل من اجل ما تصفون اللّٰہ بہ مما لایلیق بعزتہٖ.

قِوْلُہٗ: مَنْ عِندہٗ ای مکرمٌ عندہٗ.

قِوْلُہٗ: لایَسْتَحسِرونَ (استفعال) جمع مذکر غائب منفی وہ نہیں تھکتے۔

قِوْلُہٗ: لایَفْتُرُوْنَ (ن) جمع مذکر غائب منفی، سستی نہیں کرتے۔

قِوْلُہٗ: اِتَّخذُوْا آلِھَۃً کائنۃً مِن الارض مفسر علام نے کائنۃ مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ من الارض کائنۃ کے متعلق ہوکر آلِھَۃً کی صفت ہے اور اتخذوا کا مفعول ثانی بھی ہوسکتا ہے اور من الارض اتخذوا فعل کے متعلق بھی ہوسکتا ہے۔

قِوْلُہٗ: لَوْ کَانَ فِیْھِما آلِھَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لفَسَدَتَا لَوْ حرف شرط ہے اور کان تامہ شرط ہے آلِھَۃ اس کا فاعل ہے اور فیھما کان کے متعلق ہے اور الا بمعنی غیر آلِھۃ کی صفت ہے اس کا اعراب مابعد میں ظاہر ہوا ہے۔

قِوْلُہٗ: لَفَسَدَتا جواب شرط ہے۔

فعل شرط کو مقدم اور جواب شرط کو تالی کہتے ہیں تالی کی نقیض کا استثناء مقدم کی نقیض کا نتیجہ دیتا ہے مطلب یہ ہوا لکنّھما لم تَفْسُدَا فَلَمْ یکُنْ فیھِمَا آلِھَۃ غیر اللّٰہ.

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

وَکَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْیَۃٍ ان آیات میں جن بستیوں کی تباہی کا ذکر ہے، بعض مفسرین نے اس سے قوم ثمود و قوم عاد کی بستیاں مراد لی ہیں، اور بعض نے یمن کی حضوراء اور قلابہ بستیوں کو اس کا مصداق قرار دیا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے ایک رسول بھیجا تھا جس کے نام میں روایات مختلف ہیں بعض نے موسیٰ بن میشا اور بعض نے شعیب بیان کیا ہے مگر یہ شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام مدین والے شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نہیں ہیں ان کے علاوہ کوئی اور ہیں ان بستی والوں نے اللہ کے رسول کو قتل کردیا تھا اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک کافر بادشاہ بخت نصر کو مسلط کردیا جس نے پوری قوم کو تہہ تیغ کردیا، قرائن سے دوسرا قول راجح معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ قوم نوح اور قوم ثمود و عاد وغیرہ کو صاعقہ اور صیحہ وغیرہ کے عذاب کے ذریعہ ہلاک کیا گیا تھا اور ان بستی والوں کو عذاب کے سلسلہ میں قصمنا کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں کاٹ کر رکھ دینا اور یہ تلوار کے ذریعہ ہوگا، لہٰذا اس سے بخت نصر کا عذاب مراد ہے جس نے ان بستی والوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔

جب بستی والوں نے عذاب کے آثار کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور بخت نصر کی آمد کا علم ہوا تو بستی چھوڑ کر بھاگنے لگے تو فرشتوں نے بطور استہزاء کہا بھاگو نہیں اپنے مکانات اور جہاں تم کو آسودگی دی گئی تھی اور جہاں تم نے عیش کیا تھا، مزے اڑائے تھے وہیں رہو! یعنی جب عذاب الٰہی سامنے آگیا تو چاہا کہ وہاں سے نکل بھاگیں اور بھاگ کر جان بچالیں، اس وقت تکوینی طور

پر زبان حال سے یا فرشتوں نے کہا بھاگتے کہاں ہو ٹھہرو اور ادھر ہی واپس چلو جہاں عیش کیا کرتے تھے اور جہاں بہت سے سامان تنعم جمع کر رکھے تھے شاید وہاں کوئی تم سے پوچھے کہ جناب وہ مال و دولت اور زور و قوت کا نشہ کیا ہوا؟ اور وہ سامان عیش کہاں گیا؟ یا یہ کہ آپ بڑے آدمی تھے جن کی ہر موقع پر پوچھ ہوتی تھی اب بھی وہیں چلئے بھاگنے کی ضرورت نہیں تا کہ لوگ اپنے مہمات میں آپ سے مشورہ کر سکیں اور آپ کی رائے دریافت کر سکیں۔ (یہ سب باتیں تہکماً کہی گئی ہیں)۔

جب عذاب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تب اپنے جرموں کا اعتراف کیا اور برابر یہی چلاتے رہے کہ بے شک ہم ظالم اور مجرم ہیں وہ کلمہ جس کی وہ رٹ لگا رہے تھے یا وَیْلَنَا اِنَّا کُنَّا ظالمین تھا لیکن۔

اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

یہ وقت قبولیت توبہ کا نہ تھا، اعتراف اور ندامت سب بیکار ثابت ہوئیں، آخر اس طرح ختم کر دیئے گئے جیسے کھیتی ایک دم کاٹ کر ڈھیر کر دی جاتی ہے یا آگ میں جلتی ہوئی لکڑی بجھ کر راکھ رہ جاتی ہے۔ (العیاذ باللہ)۔ (فوائد عثمانی)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ الخ یعنی ہم نے زمین و آسمان اور عالم کون و مکان کو یوں ہی عبث و بے فائدہ صرف تفریح طبع کے لئے پیدا نہیں کیا بلکہ اس کی تخلیق میں بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں ہیں، اسی طرح جن بستیوں کو تباہ و برباد کیا گیا ان کا تباہ کرنا بھی عین حکمت تھا۔

اگر ہم کو تفریح طبع ہی مقصود ہوتی تو اپنے پاس سے ہی کچھ چیزیں بنا لیتے اور اپنا شوق پورا کر لیتے اتنی لمبی چوڑی کائنات بنانے کی کیا ضرورت تھی؟

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ الخ یعنی تخلیق کائنات کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد یہ ہے کہ یہاں حق و باطل کی جو معرکہ آرائی اور خیر و شر کے درمیان جو تصادم ہے اس میں ہم حق اور خیر کو غالب اور باطل اور شر کو مغلوب کریں، چنانچہ ہم حق کو باطل پر دے مارتے ہیں جس سے باطل کا سر پاش پاش ہو کر بھیجہ نکل جاتا ہے اور چشم زدن میں باطل بے نام و نشان اور نیست و نابود ہو جاتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ دنیا محض کھیل تماشہ نہیں بلکہ میدان کارزار ہے جہاں حق و باطل کی جنگ ہوتی ہے حق حملہ آور ہو کر باطل کے سر کو کچل ڈالتا ہے اور رب کی جانب جو بے سر و پا باتیں منسوب کرتے ہو مثلاً یہ کہ یہ کائنات ایک کھیل ہے اور ایک کھلنڈرے کا فضول شوق ہے وغیرہ وغیرہ، یہ سب باتیں تمہاری ہلاکت کا باعث ہیں، اس لئے کہ اسے کھیل تماشہ اور عبث سمجھنے کی وجہ سے تم حق سے گریز اور باطل کو اختیار کرنے میں کوئی تامل اور خوف محسوس نہیں کرتے جس کا نتیجہ بالآخر تمہاری ہلاکت اور بربادی ہے۔

فرشتے باوجود مقربین بارگاہ ہونے کے شیخی اور تکبر نہیں کرتے، اپنے پروردگار کی بندگی اور غلامی پر فخر کرتے ہیں، وظائف عبودیت ادا کرنے میں کبھی سستی یا کاہلی کو راہ نہیں دیتے، شب و روز اس کی تسبیح اور یاد میں لگے رہتے ہیں نہ تھکتے ہیں اور نہ اکتاتے ہیں بلکہ تسبیح و ذکر ہی ان کی غذا ہے جس طرح ہم ہر وقت سانس لیتے ہیں اور دوسرے کام بھی کرتے رہتے ہیں، یہی

کیفیت ان کے ذکر و تسبیح کی ہے۔

عبداللہ بن حارث کہتے ہیں کہ میں نے کعب احبار سے پوچھا کہ فرشتوں کو تسبیح کرنے کے سوا اور کوئی کام نہیں، اگر ہے تو پھر دوسرے کاموں کے ساتھ ہر وقت تسبیح کیسے جاری رہتی ہے؟ کعب نے فرمایا اے میرے بھتیجے کیا تمہارا کوئی کام اور مشغلہ سانس لینے سے روکتا ہے اور کام کرنے میں مخل اور مانع ہوتا ہے؟ فرشتوں کے لئے تسبیح ایسی ہے جیسا کہ انسانوں کے لئے سانس۔

سوال: جو کام زبان کے علاوہ دیگر اعضاء سے ہوتے ہیں ان میں اور تسبیح لسانی میں کوئی تمانع اور تضاد نہیں ہے، مگر زبان سے بیک وقت دو قسم کے کام کیسے ہو سکتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا جاعل الملائکۃ رُسُلاً ظاہر ہے کہ کار رسالت کی انجام دہی میں زبان کو استعمال کی بھی ضرورت پڑتی ہے تو اس وقت وہ تسبیح کا عمل کیسے جاری رکھ سکتے ہیں، دوسری جگہ فرمایا گیا ہے اُولٰئِکَ عَلَیْھِمْ لَعْنَۃُ اللّٰہِ والملائکۃِ ظاہر ہے کہ ملعونین پر اللہ اور فرشتوں کی لعنت کا تقاضہ یہ ہے کہ لعنت کرتے وقت تسبیح کا کام موقوف رہے۔

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ فرشتوں کے اعضاء متعدد ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں حضرت جبرائیل امین کے چھ سو بازو بتائے گئے ہیں، اسی طرح فرشتوں کی زبانیں بھی ایک سے زیادہ ہو سکتی ہیں، لہٰذا اب کوئی تضاد باقی نہیں رہا۔

اَمِ اتَّخَذُوا آلِھَۃً الخ یعنی یہ مشرکین کس قدر جاہل اور احمق ہیں کہ معبود بھی بنایا تو ایسی چیزوں کو کہ جن کے اندر نہ زندہ کرنے کی قدرت ہے اور نہ مارنے کی، حالانکہ معبود کے لئے اس قدرت کا ہونا ضروری ہے، معبود وہی ہو سکتا ہے کہ مخلوق کی موت و حیات اس کے قبضہ و قدرت میں ہو۔

لَوْ کَانَ فِیْھِمَا آلِھَۃٌ یہ توحید کی دلیل عادی ہے جو عام عادات کے اعتبار پر مبنی ہے اور تعدد الٰہ کے ابطال پر نہایت پختہ اور واضح دلیل ہے، اس کو یوں سمجھنا چاہئے کہ عبادت کامل تذلل کا نام ہے، اور کامل تذلل صرف اسی ذات کے سامنے اختیار کیا جا سکتا ہے جو اپنی ذات و صفات میں ہر طرح کامل ہو۔

اس دلیل عادی کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر زمین اور آسمانوں میں دو خدا ہوں اور دونوں مالک و مختار ہوں تو ظاہر یہ ہے کہ دونوں کے احکام پورے پورے زمین و آسمان میں نافذ ہونے چاہئے اور عادۃً یہ ممکن نہیں کہ جو حکم ایک دے دوسرا بھی وہی حکم دے یا جس چیز کو ایک پسند کرے دوسرا بھی وہی پسند کرے اس لئے کبھی نہ کبھی اختلاف رائے اور اختلاف احکام ہونا ناگزیر ہے، اور جب دو خداؤں کے احکام زمین و آسمان میں مختلف ہوئے تو نتیجہ ان دونوں کا فساد کے سوا کیا ہوگا؟ مثلاً ایک خدا چاہے کہ اس وقت دن ہو اور دوسرا چاہے کہ رات ہو ایک چاہے کہ بارش ہو اور دوسرا چاہے کہ نہ ہو تو دونوں کے متضاد احکام کس طرح جاری ہوں گے، اور اگر ایک مغلوب ہو گیا تو وہ مالک و مختار نہ رہا جو خدا نہیں ہو سکتا، اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ دونوں مشورہ کر کے احکام جاری کیا کریں تو اس میں کیا بعد ہے؟ اس کے جواب کے سلسلہ میں یہاں صرف اتنا سمجھنا کافی ہے کہ اگر دونوں مشورہ کے پابند ہوئے کہ ایک دوسرے کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہ کر سکے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ان میں سے ایک بھی مالک و مختار نہ ہو لہٰذا دونوں ناقص ہیں اور ناقص خدا نہیں ہو سکتا، غالباً اگلی آیت لَا یُسْئَلُ

عما یفعل وھم یُسئلون میں اسی طرف اشارہ پایا جاتا ہے، جو کسی قانون کا پابند ہو اور جس کے اعمال وافعال پر کسی کو مواخذہ کرنے کا اختیار ہو وہ خدا نہیں ہوسکتا، اگر دو خدا ہوں اور دونوں مشورہ کے پابند ہوں تو ہر ایک کو دوسرے سے سوال کرنے اور ترک مشورہ پر مواخذہ کرنے کا حق ہے جو خود منصب خدائی کے منافی ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ تعالٰی ای سِوَاهُ اٰلِهَةً ۭ فیہ اِسْتِفْهَامُ تَوْبِيْخٍ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ علٰی ذٰلك ولاسبیلَ اِلَیهِ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ ای اُمَّتِیْ وھو القراٰن وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ۭ من الاُمَمِ وھو التوراةُ والانجیلُ وغیرُھما من کُتُبِ اللّٰهِ لَیسَ فِی وَاحِدٍ منھا اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اِلٰھًا مِمَّا قَالوا تعالٰی عن ذٰلك بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ ای تَوحِیدَ اللهِ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾ عَنِ النَّظرِ المُوصِلِ اِلیہِ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ وفی قِرَاءَةٍ بالنُّونِ وکَسرِ الحَاءِ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾ ای وَحِّدُونِی وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا مِنَ المَلَائِكَةِ سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ ھم عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ عِندَہ والعُبُودِیَّةُ تُنَافِی الوِلَادَةَ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ لا یَاتُونَ بِقَولِھِم اِلَّا بَعدَ قَولِہٖ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ ای بَعدَہ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ای مَاعَمِلُوا ومَاھم عَامِلُونَ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى تعالٰی ان یُشفَعَ له وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ تعالٰی مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ ای خَائِفُونَ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّىْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ ای اللّٰہِ ای غَیرِہٖ وھو اِبلِیسُ دَعَا اِلٰی عِبَادَةِ نَفسِہٖ واَمَرَ بِطَاعَتِھَا فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ کما نَجزِیہٖ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ ای المُشرِکِینَ.

ع ۲ ۱۹

ترجمہ: کیا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور معبود بنا رکھے ہیں؟ اس میں استفہام توبیخی ہے ان سے کہدو کہ لاؤ اس بات (یعنی اتخاذ الٰہ پر) اپنی دلیل پیش کرو ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے (نہ عقلی نہ نقلی) یہ میرے ساتھیوں کی کتاب موجود ہے یعنی میری امت کی اور وہ قرآن ہے اور مجھ سے پہلی امتوں کی (کتابیں) موجود ہیں اور وہ تورات وانجیل وغیرہما ہیں اللہ کی کتابوں میں سے، ان میں سے کسی میں بھی یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دیگر معبود ہیں جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں، اللہ تو اس سے وراء الوراء ہے بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ حق کو نہیں جانتے یعنی اللہ کی توحید کو اسی وجہ سے حق تک پہنچانے والی دلیل سے اعراض کر رہے ہیں آپ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف بھی یہی وحی بھیجی گئی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا میری بندگی کرو یعنی میری توحید کا اقرار کرو، ایک قراءت میں یوحی کے بجائے نُوْحِیْ ہے نون کے ساتھ اور حاء کے کسرہ کے ساتھ یہ مشرک کہتے ہیں کہ رحمٰن نے فرشتوں میں سے اولاد بنا رکھی ہے اس کی ذات پاک ہے بلکہ وہ تو اس کے باعزت بندے ہیں اور عبودیت ولادت کے منافی ہے وہ اس سے بڑھ کر بات نہیں کرتے یعنی وہ از خود کوئی بات نہیں کرتے مگر اجازت کے بعد اور وہ اس کے بعد اس کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں وہ ان کے اگلے پچھلے تمام امور سے واقف ہے

یعنی جو کر چکے ہیں اور جو آئندہ کریں گے اور وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے بجز اس کے کہ جس کے لئے اللہ راضی ہو کہ اس کی سفارش کی جائے اور وہ خدا تعالیٰ کی ہیبت سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں یعنی خائف رہتے ہیں اگر ان میں سے کوئی بھی کہے کہ میں خدا کے سوا معبود ہوں وہ ابلیس ہے جس نے اپنی بندگی کی دعوت دی اور اپنی طاعت کا حکم دیا تو ہم اس کو جہنم کی سزا دیں گے ہم ایسی ہی جیسی کہ اس کو سزا دیں گے ظالموں یعنی مشرکوں کو بھی سزا دیں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖ، اَمْ استفہام توبیخی بمعنی بل ہے اور ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف انتقال کے لئے ہے، یعنی تعدد الٰہ کے بطلان کو ثابت کرنے کے بعد اتخاذ الٰہ متعددہ کے بطلان کو ظاہر فرما رہے ہیں۔

قولہ: ھٰذا ذِکْرُ مَنْ مَّعِیَ وَذِکْرُ مَنْ قَبْلِی ھٰذا اسم اشارہ مبتداء ہے مشار الیہ کتب سماویہ ہیں، ھٰذا مبتداء کی دو خبریں ہیں، خبر اول سے قرآن مراد ہے اور خبر ثانی سے قرآن کے علاوہ کتب سماویہ مراد ہیں، جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ کیا ہے۔

قولہ: وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ یہ ماقبل کے مضمون کی تاکید ہے۔

قولہ: قالوا کی ضمیر فاعلی عرب کے بعض فرقوں کی طرف راجع ہے جو کہ ملائکہ کے بارے میں خدا کی بیٹیاں ہونے کے قائل تھے، ان میں مشہور یہ ہیں ① خزاعہ ② جھینۃ ③ بنو سلمہ ④ بنو ملیح.

قولہ: یعلم مابین ایدیھم الخ یہ جملہ مستانفہ ہے ماقبل کی علت اور مابعد کی تمہید ہے۔

قولہ: ومَنْ یقل منھم. ملائکہ کا یہ قول بالفرض والتقدیر ہے ورنہ فرشتوں میں معصیت کی صلاحیت نہیں ہے، اور اگر یقل کا فاعل ابلیس کو قرار دیا جائے تو یہ خرابی لازم آئے گی کہ وہ درحقیقت ملائکہ میں سے نہیں ہے اور دوسری خرابی یہ لازم آئے گی کہ ابلیس نے کبھی الوہیت کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ وہ تو اَعبد الملائکۃ تھا البتہ رحمت خداوندی سے مایوس ہو گیا ہے وَاَمَرَ بطاعتِھا کا مطلب یہ ہے کہ اس نے لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ وہ اس کی بات مانیں اور توحید کو چھوڑ کر بت پرستی اختیار کریں، یہی اس کا اپنی بندگی اور اطاعت کی طرف بلانا ہے۔

قولہ: فذٰلک نجزیہٖ ذٰلک مبتداء ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے اور نَجْزِیْہٖ اس کی خبر ہے اور پورا جملہ جواب شرط ہونے کی وجہ سے محلاً مجزوم ہے۔

تفسیر و تشریح

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دونِہٖ الخ ذِکْرُ مَنْ مَّعِیَ سے قرآن اور دوسرے ذکر سے سابقہ کتب سماویہ مراد ہیں، مطلب یہ ہے کہ قرآن میں اور اس سے قبل کی دیگر کتابوں میں صرف ایک ہی معبود کی الوہیت و ربوبیت کا ذکر ملتا ہے لیکن یہ مشرکین حق کو تسلیم

کرنے کے لئے تیار نہیں اور بدستور توحید سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ خدا کے واحد اور معبود برحق ہونے کی میرے پاس عقلی اور نقلی اور واقعاتی دلیلیں موجود ہیں عقلی دلیل کی طرف لو كان فيهما آلِهَةٌ الا الله لَفَسَدَتَا سے اشارہ کر دیا اور نقلی دلیل کی طرف هٰذا ذكرُ مَنْ معىَ الخ سے اشارہ کر دیا، اور واقعاتی دلیل کی طرف وما اَرْسَلْنا من قبلِك مِن رَّسولٍ اِلَّا نوحي اليه انّه لا اله اِلَّا انا فاعْبُدوْن سے اشارہ کر دیا یعنی واقعہ یہ ہے کہ آپ سے پہلے جتنے بھی ہم نے رسول بھیجے ہیں ان سب کا بھی یہی پیغام تھا کہ میرے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں ہی بندگی کے لائق ہوں اور تمہارے پاس اگر کوئی عقلی یا نقلی دلیل ہو تو اس کو پیش کرو قُل هَاتُوا بُرهانكم.

لَا يَسْبِقُوْنَهُ بالقَولِ الخ اس آیت سے مشرکین کے الملائكة بناتُ اللهِ کے دعوے کی تردید ہے، یعنی فرشتے اللہ تعالیٰ کی اولاد تو کیا ہوتے وہ تو ایسے خائف اور مؤدب رہتے ہیں کہ نہ قول میں اللہ سے سبقت کرتے ہیں نہ عمل میں کبھی اس کا خلاف کرتے ہیں، قول میں سبقت نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب تک حق تعالیٰ ہی کی طرف سے اشارہ نہ ہو خود کوئی کلام نہیں کرتے، اس آیت میں چھوٹوں کے لئے بڑوں کے ادب کی تعلیم کی طرف بھی اشارہ ہے۔

وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ اگر مَنْ سے مراد ملائکہ کا، فرد مراد ہے تو علی سبیل الفرض ہوگا اس کا وقوع ضروری نہیں، مطلب یہ ہے کہ بالفرض اگر فرشتہ ایسی بات کہے تو ہم اس کو بھی جہنم کی سزا دیں گے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ ابلیس مراد ہو اس لئے کہ وہ بھی فرشتوں میں شامل تھا مگر اس صورت میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ ابلیس نے کبھی بھی الوہیت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ کبھی اپنی بندگی کی دعوت دی تو پھر مفسر علام کا یہ فرمانا کہ ابلیس نے اپنی عبادت کی طرف لوگوں کو بلایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اپنی بندگی کی دعوت کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو اپنی اتباع اور بات ماننے کی دعوت دی تھی اسی کو شیطان کی عبادت سے تعبیر کر دیا گیا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے والد صاحب سے کہا تھا یا ابتِ لاتعبد الشيطان حالانکہ آزر شیطان کی بندگی نہیں کرتا تھا بلکہ شیطان کے کہنے اور بہکانے سے بتوں کی بندگی کرتا تھا، بے چون و چرا شیطان کی بات ماننے کو ہی شیطان کی بندگی کہا گیا ہے۔

أَوَلَمْ بواوٍ وتركِها **يَرَ** يَعْلَم **الَّذِينَ كَفَرُوٓا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا** اى سَدًّا بمعنى مَسْدُودَةً **فَفَتَقْنٰهُمَا** اى جَعَلْنَا السَّماءَ سَبْعًا والارضَ سَبْعًا او فَتْقُ السَّماءِ اَن كَانَتْ لا تُمطِرُ فَامْطَرَتْ وفَتْقُ الارضِ اَن كَانَتْ لاتُنبِتُ فَانبَتَتْ **وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ** النَّازِلِ مِنَ السَّماءِ والنَّابعِ مِنَ الارضِ **كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ** نَباتٍ وغيرِه اى فالماءُ سَبَبٌ لِحَيٰوتِهِ **أَفَلَا يُؤْمِنُونَ** ﴿۳۰﴾ بتَوحِيدِىْ **وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ** جبالًا ثَوابتَ **أَنْ** لا **تَمِيدَ** تَتَحرَّكَ **بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا** اى الرَّواسِىْ **فِجَاجًا** مَسالِكَ **سُبُلًا** بَدلٌ اى طُرُقًا نافِذَةً وَاسِعَةً **لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ** ﴿۳۱﴾ الى مقاصِدِهِمْ فى الاَسفَارِ **وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا** لِلارضِ كالسَّقفِ لِلبَيتِ **مَّحْفُوظًا** عَنِ الوُقُوعِ **وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا** مِنَ الشَّمسِ والقَمرِ والنُّجُومِ **مُعْرِضُونَ** ﴿۳۲﴾ لايَتفكَّرُونَ فيها فَيعلَمُونَ اَنَّ خالِقَها لاشَرِيكَ له **وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ** تَنوِينُهُ عِوضٌ عَنِ المُضافِ اليه مِنَ الشَّمسِ والقَمرِ

وتَابعِهِ وہو النُّجُومُ **فِیْ فَلَکٍ** ای مُسْتَدِیْرٍ کالطَّاحُونَۃِ فی السَّمَاءِ **یَّسْبَحُوْنَ**﴿۳۳﴾ یَسِیْرُوْنَ بسُرْعَۃٍ کالسَّابح فی الماء ولِلتَّشْبِیْہِ بہ اُتِیَ بضَمِیْرِ جَمْعِ مَنْ یَعْقِلُ ونَزَلَ لَمَّا قال الکُفَّارُ اَنَّ مُحَمَّدًا سَیَمُوْتُ **وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِکَ الْخُلْدَ** ای البَقَاءَ فی الدُّنْیَا **اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ**﴿۳۴﴾ فیہا لا فالجُمْلَۃُ الاَخِیْرَۃُ مَحَلُّ الاِسْتِفْہَامِ الاِنْکَارِیِّ **کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ** فی الدُّنْیَا **وَنَبْلُوْکُمْ** نَخْتَبِرُکُم **بِالشَّرِّ وَالْخَیْرِ** کفَقْرٍ وغِنًی وسَقَمٍ وصِحَّۃٍ **فِتْنَةً** مَفْعُوْلٌ لہ ای لِنَنْظُرَ اَتَصْبِرُوْنَ وتَشْکُرُوْنَ اولا **وَاِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ**﴿۳۵﴾ فیُجَازِیْکُم **وَاِذَا رَاٰکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْۤا اِنْ** ما **یَّتَّخِذُوْنَکَ اِلَّا هُزُوًا** ای مَہْزُوًّا بہ یَقُوْلُوْنَ **اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْکُرُ اٰلِهَتَکُمْ** ای یَعِیْبُہا **وَهُمْ بِذِکْرِ الرَّحْمٰنِ** لہم **هُمْ** تَاکِیْدُ **کٰفِرُوْنَ**﴿۳۶﴾ بہ اذ قَالُوْا ما نَعْرِفُہ ونَزَلَ فی اِسْتِعْجَالِہِم العَذَابَ **خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ** ای انہ لِکَثْرَۃِ عَجَلِہٖ فی اَحْوَالِہٖ کَاَنَّہٗ خُلِقَ منہ **سَاُورِیْکُمْ اٰیٰتِیْ** مَوَاعِیْدِیْ بالعَذَابِ **فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ**﴿۳۷﴾ فیہ فَاَرَاہم القَتْلَ ببَدْرٍ **وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ** بالقِیَامَۃِ **اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ**﴿۳۸﴾ قال تعالٰی **لَوْ یَعْلَمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا حِیْنَ لَا یَکُفُّوْنَ** یدفعون **عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ**﴿۳۹﴾ یُمْنَعُوْنَ منہا فی القِیٰمَۃِ وجَوَابُ لو ماقالوا ذٰلک **بَلْ تَاْتِیْهِمْ** القِیٰمَۃُ **بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ** تُحَیِّرُہم **فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ**﴿۴۰﴾ یُمْہَلُوْنَ لِتَوْبَۃٍ او مَعْذِرَۃٍ **وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِکَ** فیہ تَسْلِیَۃٌ لِلنَّبِیِّ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم **فَحَاقَ** نَزَلَ **بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا کَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ**﴿۴۱﴾ وہو العَذَابُ فکذا یَحِیْقُ بِمَنْ اِسْتَہْزَأَ بِکَ.

ع ۲

ترجمہ: کیا کافر یہ نہیں جانتے کہ آسمان اور زمین (منہ) بند تھے؟ اَوَلَمْ میں واؤ اور ترکِ واؤ دونوں ہیں رَتْقًا بمعنی سَدًّا ہے اور سَدًّا بمعنی مَسْدُوْدًا ہے پھر ہم نے ان کو کھول دیا یعنی سات آسمان اور سات زمین بنادیں یا فتقِ سماء کا مطلب یہ ہے کہ آسمان سے بارش نہیں ہوتی تھی پھر بارش ہونے لگی، اور فتقِ ارض کا مطلب یہ ہے کہ زمین اگاتی نہیں تھی پھر اگانے لگی اور ہم نے آسمان سے برسنے والے اور زمینی چشموں سے نکلنے والے پانی سے ہر جاندار کو بنایا گھاس وغیرہ کو لہٰذا پانی ہر جاندار کے لئے سببِ حیات ہے پھر بھی میری توحید پر ایمان نہیں لاتے اور ہم نے زمین پر ثابت رہنے والے پہاڑ بنائے تاکہ وہ مخلوق کو لیکر (اضطرابی) حرکت نہ کرے اور ہم نے ان میں یعنی پہاڑوں میں کشادہ راستے بنادیئے سُبُلًا، فجاجًا سے بدل ہے یعنی آر پار کشادہ راستے تاکہ لوگ سفر کے دوران اپنی منزل مقصود تک رسائی حاصل کرسکیں اور ہم نے آسمان کو زمین کے لئے گرنے سے محفوظ چھت بنادیا جیسا کہ گھر کی چھت ہوتی ہے اور یہ لوگ (آسمان میں موجود) شمس و قمر کی نشانیوں سے اعراض کئے ہوئے ہیں یعنی آسمان کی نشانیوں میں غور و فکر نہیں کرتے تاکہ ان کو اس بات کا علم ہوجائے کہ اس کا خالق وہ ہے کہ جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور وہ وہ ذات ہے کہ اس نے رات اور دن اور سورج اور چاند بنائے کُلٌّ کی تنوین مضاف الیہ یعنی شمس و قمر

کے عوض میں ہے اور مضاف الیہ کے تابع کے عوض میں ہے اور وہ نجوم ہیں ان میں سے ہر ایک فلک میں یعنی چکی کے مانند اپنے آسمانی مدار میں تیر رہا ہے یعنی تیزی سے چل رہا ہے جیسا کہ تیرنے والا پانی میں تیزی سے چلتا ہے اور تیرنے والے کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ سے یَسْبَحُوْن واونون کے ساتھ جمع لائے ہیں جو کہ ذوی العقول کے لئے ہے اور جب کافروں نے یہ کہا کہ محمد عنقریب مرجائیں گے تو وَمَا جَعَلْنَا لبشرٍ مِن قبْلِكَ الخُلد نازل ہوئی یعنی ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی بشر کو دوام یعنی دنیا میں دائمی بقاعطا نہیں کی، پس اگر آپ کا انتقال ہوجائے تو کیا یہ لوگ دنیا میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے؟ نہیں، جملہ اخیرہ (یعنی فَـاِن مـتّ) ہمزہ استفہام انکاری کے محل میں ہے ہر جاندار کو دنیا میں موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم تم کو پرکھنے کے لئے بری اور اچھی حالت مثلاً فقر اور غنا اور مرض اور صحت سے آزمائیں گے فِتنةً مفعول لہ ہے یعنی تاکہ ہم دیکھیں کہ تم صبر و شکر کرتے ہو یا نہیں، اور تم ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے تو ہم تم کو بدلہ دیں گے اور یہ کافر جب آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ کا مذاق اڑانے لگتے ہیں یعنی آپ کا مذاق بناتے ہیں، اور آپس میں کہتے ہیں کہ کیا یہی صاحب ہیں وہ جو تمہارے معبودوں کا ذکر برائی سے کیا کرتے ہیں؟ اور یہ لوگ رحمان کے ذکر کے منکر ہیں جبکہ ان لوگوں نے کہا ہم رحمٰن کو نہیں جانتے اور ان کے عذاب کو جلدی طلب کرنے کے بارے میں آیت خُـلِـقَ الانسان مِنْ عجلٍ نازل ہوئی یعنی انسان اپنے احوال کے بارے میں عجلت پسندی کی وجہ سے گویا کہ عجلت (کے مادہ) سے بنا ہوا ہے، ہم عنقریب آپ کو اپنی نشانیاں یعنی میرے عذاب کے وعدے دکھائے دیتے ہیں لہٰذا اس بارے میں مجھ سے جلدی مت کرو چنانچہ ان کو بدر میں قتل کا عذاب دکھا دیا اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ وہ قیامت کا وعدہ کب آئے گا، اگر تم عذاب کے وعدے میں سچے ہو، کاش کافروں کو اس وقت کی خبر ہوتی کہ جب یہ کافر آگ کو نہ اپنے آگے سے روک سکیں دفع کرسکیں گے اور نہ پیچھے سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی یعنی وہ قیامت کے دن عذاب سے نہیں بچائے جائیں گے اور لَوْ کا جواب مـاقـالوا ذٰلك ہے بلکہ قیامت ان کو ایک دم آلے گی سوان کو بدحواس متحیر کردے گی پھر نہ ان کو اس کے ہٹانے کی قدرت ہوگی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی یعنی توبہ یا عذر خواہی کی مہلت نہ دی جائے گی آپ سے پہلے جو پیغمبر گذر چکے ہیں ان کے ساتھ بھی تمسخر کیا گیا اس میں آپ ﷺ کے لئے تسلی ہے، سوہنسی کرنے والوں کو ہی اس چیز نے گھیر لیا (نازل ہوگئی) جس کی وہ ہنسی اڑاتے تھے اور وہ عذاب ہے لہٰذا اسی طریقہ سے (عذاب) ان لوگوں کو بھی آگھیرے گا جو آپ کا مذاق اڑاتے ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: اَوَلَمْ یَرَ ہمزہ فعل محذوف پر داخل ہے اور واو عاطفہ کے ذریعہ یَرَ کا محذوف پر عطف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَوَ لَمْ یَتَفَکَّرُوْا وَلَمْ یَعْلَمُوْا اَنَّ السَّمٰوات والْاَرْضِ کَانَتَا رَتْقًا، کانتا تثنیہ کا صیغہ ہے حالانکہ اس کی ضمیر سمٰوات والارض کی طرف راجع ہے جو کہ جمع ہیں لہٰذا مرجع اور ضمیر میں مطابقت نہیں ہے۔

جَوَابُ: دونوع یا دوجنس مراد ہیں، اس لئے کہ آسمان ایک نوع ہے اور زمین دوسری نوع ہے اور رویة سے رویت قلبی مراد ہے، واو کے ساتھ اور ترک واو کے ساتھ دونوں قراءتیں ہیں۔

قَوْلُہٗ: رَتْقًا کانتا کی خبر ہے مصدر ہونے کی وجہ سے مفرد استعمال ہوئی ہے، مبالغۃً حمل بھی درست ہے اور مضاف محذوف مان کر بھی حمل درست ہے ای ذوی رَتْقٍ ای کانتا شیئًا واحدًا مفسر علام نے بمعنی مسدودۃً مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ مصدر بمعنی اسم مفعول ہے رَتْقًا (ن) مصدر ہے منہ بند، ملا ہوا، جڑا ہوا، یہاں مصدر اسم مفعول یا اسم فاعل کے معنی میں ہے فَتْقًا (ن،ض) پھاڑنا، کھولنا، الگ کرنا۔

قَوْلُہٗ: وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ کُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اگر جعَلَ بمعنی صَیَّرَ ہو تو متعدی بدو مفعول ہوگا، اور جار مجرور اپنے متعلق محذوف ناشِیًا یا مُتَسَبِّبًا سے متعلق ہو کر مفعول ثانی مقدم ہوگا اور کُلَّ شَيْءٍ مفعول اول مؤخر ہوگا تقدیر عبارت یہ ہوگی وجَعَلْنَا ناشِیًا من الماءِ کُلَّ شيْءٍ حَيّ اور اگر جعل بمعنی خَلَقَ ہو تو متعدی بیک مفعول ہوگا اور وہ کل شيْءٍ حَيٍّ ہے اور من الماء جار مجرور سے مل کر جعلنا کے متعلق ہے۔

قَوْلُہٗ: رَوَاسِيَ رواسِيَ جمع راسیَۃٍ اَوْ راسی بمعنی راسخ وثابت اور مختار میں ہے کہ جبال ثابت کو بھی راسیة کہتے ہیں، رَسَا الشَّیْءُ سے ماخوذ ہے جبکہ شئ ثابت اور مستقر ہو جائے، مفسر علام نے لَا مقدر مانا ہے تاکہ ان تمیدَ بِهَا کا علت بننا صحیح ہو جائے، اس لئے کہ پہاڑوں کا قیام عدم تحرک کے لئے ہے نہ کہ تحرک کے لئے فِجَاجًا دو پہاڑوں کے درمیان کشادہ راستہ فجاج کا واحد فَجٌّ ہے جیسے سِهام کا واحد سَهْمٌ ہے۔

قَوْلُہٗ: وللتشبیه به اُتی بضمیر جمعِ مَنْ یَعْقِل اس پوری عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَالٌ: یَسْبَحُون کا فاعل شمس وقمر اور نجوم ہیں جو کہ غیر ذوی العقول ہیں ان کے لئے جمع مؤنث غائب کا صیغہ ہونا چاہئے نہ کہ جمع مذکر غائب کا اور واؤ نون کے ساتھ جمع تو ذوی العقول کی لائی جاتی ہے نہ کہ غیر ذوی العقول کی۔

جَوَابُ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ شمس وقمر کی طرف یَسْبَحُوْنَ کی نسبت کی گئی ہے اور سَبَح یعنی تیرنا ذوی العقول کا فعل ہے تو اس مناسبت سے یَسْبَحُون کو واؤ نون کے ساتھ لایا گیا ہے، عدم الخلود کو بشر کے ساتھ خاص کیا حالانکہ دیگر ذی روح بلکہ کائنات کی کسی شئ کے لئے خلود فی الدنیا نہیں ہے، جواب یہ ہے کہ ان کا سوال بھی آپ ﷺ کے لئے موت کی توقع بشر ہونے کی حیثیت ہی سے تھی۔

قَوْلُہٗ: فالجملة الاخیرة محل الاستفهام الانکاری اس عبارت کا مقصد بھی ایک شبہ کا ازالہ ہے، شبہ یہ ہے کہ ہمزہ استفہام انکاری فاِن مُتَّ پر داخل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی موت کا بھی انکار ہے اور ان کے خلود کا بھی، حالانکہ مقصد ان کے خلود کا انکار ہے، جواب کا ماحصل یہ ہے کہ ہمزہ دراصل جملہ اخیرہ ہی پر داخل ہے مگر چونکہ ہمزہ صدارت کلام کو چاہتا ہے اس لئے اس کو جملہ کے شروع میں لایا گیا ہے ورنہ اصل تقدیر عبارت یہ ہے اَفَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ اِنْ مُتَّ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ

الموت نفس سے مراد نفس ناطقہ ہے اور موت سے مراد قوتِ حیوانیہ کا زوال اور روح کا جسد سے انفصال ہے اور ذائقہ سے مراد یہاں ادراك بالقوة الذائقة نہیں ہے اس لئے کہ موت مطعومات کے قبیل سے نہیں ہے بلکہ مطلقاً ادراک مراد ہے، اور ادراک سے بھی موت کے مبادیات مثلاً آلام وغیرہ کا ادراک مراد ہے اس لئے کہ موت کا ادراك دخول فی الجسد سے پہلے ممکن نہیں ہے اور دخول کے بعد انسان مردہ ہوجاتا ہے اس وقت ادراک ممکن نہیں رہتا۔

قَوْلُہٗ: فِتنَةً اس کے منصوب ہونے کی تین وجہ ہوسکتی ہیں ① نَبْلُوكم کا مفعول لہ ہونے کی وجہ سے ② مصدر موضع حال میں واقع ہونے کی وجہ سے ای نَبْلُوكم فاتنینَ ③ نبلوكم کا مفعول مطلق بغیر لفظہٖ ہونے کی وجہ سے اس لئے کہ نَبْلُو اور فتنةٌ دونوں متحد المعنیٰ ہیں وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كفرُوْا اس جملہ کا عطف ماسبق میں وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى پر ہے، اور شرط ہے أهٰذَا الَّذِىْ يذكر آلهتكم اس کی جزاء ہے جزاء سے پہلے يقولون مقدر ہے اور اِن يتخذونك اِلَّا هُزُوًا شرط وجزاء کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور هُزُوًا مصدر مفعول کے معنی میں ہے وهُمْ بِذِكرِ الرحمٰنِ هُمْ كافِرُوْنَ اول هم مبتداء ہے ثانی هم اس کی تاکید ہے كافرون اس کی خبر ہے اور بذكر الرحمٰن كافرون سے متعلق ہے تقدیر عبارت یہ ہے هم كافرون بذكر الرحمٰن اور وهم بذكر الرحمٰن الخ جملہ حالیہ ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے، مفسر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے لهُمْ کا اضافہ کرکے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ ذكر مصدر کی اضافت رحمٰن کی جانب یہ اضافت مصدر الی الفاعل ہے، اور بعض حضرات نے اضافت مصدر الی المفعول بھی کہا ہے اس وقت تقدیر عبارت و ذكرهم الرحمٰن بالتوحيدِ ہوگی۔ (جمل)

قَوْلُہٗ: خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عجلٍ ایسا ہی ہے جیسا کہ کہا جائے خُلِقَ مِنْ طِيْنٍ ہر انسان چونکہ فطرۃً ہر معاملہ میں جلد باز واقع ہوا ہے گویا کہ اس کی پیدائش عجلت کے خمیر سے ہے اسی لئے بطور مبالغہ خُلِقَ من عَجَل کہا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كفرُوْا حِيْنَ لايَكُفُّوْنَ الآية لو شرطیہ ہے اور جواب محذوف ہے جیسا کہ مفسر علام نے ظاہر کردیا ہے ای لَوْ يعلم ما قالوا ذٰلك (اى متى هٰذا الوعد) اور حِيْنَ يعلم کا مفعول بہ ہے نہ کہ ظرف، ترجمہ یہ ہوگا اگر یہ کافر اس وقت کو جان لیں کہ جب یہ عذاب دفع نہ کرسکیں گے۔

قَوْلُہٗ: ما كانوا به حَاقَ کا فاعل ہے اور هو العذاب میں هو کا مرجع ما ہے۔

تفسیر و تشریح

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفرُوْا اس جگہ رویت سے مطلقاً علم مراد ہے خواہ وہ آنکھوں سے حاصل ہو یا استدلال اور عقل سے، اس لئے کہ آئندہ جو مضمون آرہا ہے اس میں سے کچھ کا تعلق مشاہدہ سے ہے اور کچھ کا علم استدلالی سے، اس آیت میں رتق اور فتق کے دو لفظ استعمال ہوئے ہیں، رتق کے معنی بند ہونے اور فتق کے معنی کھول دینے کے ہیں ان کے مجموعہ کو رتق وفتق کہتے ہیں، اس کا ایک مفہوم کسی کام کے انتظام اور اس کے پورے اختیار کے ہیں، رتق وفتق یعنی حل وعقد کا مختار ہونا، آیت کے الفاظ کا ترجمہ

یہ ہے آسمان اور زمین بند تھے ہم نے ان کو کھول دیا، کھولنے اور بند ہونے سے کیا مراد ہے؟ اس کی مراد میں مفسرین نے مختلف اقوال نقل کئے ہیں جمہور صحابہ اور جمہور مفسرین نے آسمان کے بند ہونے سے بارش کا نہ ہونا اور زمین کے بند ہونے سے پیداوار کا بند ہونا مراد لیا ہے اور کھولنے سے ان دونوں کا جاری ہونا مراد لیا ہے۔

بعض مفسرین نے رتق اور فتق کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ ابتداء میں زمین و آسمان ایک تھے دونوں باہم ملے ہوئے تھے ہم نے دونوں کو الگ کر دیا، علامہ شبیر احمد عثمانی نے مذکورہ دونوں تفسیروں کو بڑی خوبی سے جمع کر دیا ہے، فرماتے ہیں کہ رتق کے اصل معنی ملنے اور ایک دوسرے میں گھسنے کے ہیں ابتداءً زمین و آسمان دونوں ظلمتِ عدم میں ایک دوسرے سے غیر متمیز پڑے تھے پھر وجود کے ابتدائی مراحل میں دونوں خلط ملط رہے، بعدۂ قدرت کے ہاتھ نے دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا اس تمیز کے بعد ہر ایک کے طبقات الگ الگ بنے اس پر بھی منہ بند تھے، نہ آسمان سے بارش ہوتی تھی اور نہ زمین سے روئیدگی آخر خدا تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے دونوں کے منہ کھول دیئے اوپر سے پانی کا دہانہ کھلا، نیچے سے زمین کے مسام کھل گئے اسی زمین سے حق تعالیٰ نے نہریں اور کانیں اور طرح طرح کے سبزے نکالے آسمان کو بے شمار ستاروں سے آراستہ کیا جن میں سے ہر ایک کا مدار اور چال جدا جدا ہیں۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اس جملہ سے پہلی تفسیر کا راجح ہونا معلوم ہوتا ہے، بحر محیط میں اسی کو اختیار کیا ہے، ہر جاندار کی تخلیق میں پانی کا دخل ضرور ہے، اور جاندار اور ذی روح اہل تحقیق کے نزدیک صرف حیوانات ہی نہیں ہیں بلکہ نباتات بلکہ جمادات میں بھی روح محققین کے نزدیک ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ پانی کو ان سب چیزوں کی تخلیق وارتقاء میں بڑا دخل ہے۔

وجعلنا فی الارض رواسی ان تمید الخ.

زمین کو جب ابتداءً پیدا کیا گیا تو اس میں اضطرابی حرکت تھی قرآن میں اس کے لئے **تمید** کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، **مید** عربی میں اضطرابی حرکت کو کہتے ہیں، آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر پہاڑوں کا بوجھ اس کا توازن برقرار رکھنے کے لئے ڈال دیا ہے تاکہ اس کی لرزش اور اضطرابی حرکت موقوف ہو جائے اور حیوانوں کے لئے رہنے اور بسنے کے قابل ہو جائے۔ (مزید تفصیل کے لئے تفسیر کبیر کی طرف رجوع کریں)۔

كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ فلک دراصل ہر دائرے اور گول چیز کو کہا جاتا ہے اسی وجہ سے چرخہ میں جو گول چمڑا لگا رہتا ہے اس کو **فلكة المغزل** کہتے ہیں (روح) اسی مناسبت سے آسمان کو فلک کہتے ہیں، یہاں شمس وقمر کے مدار مراد ہیں جن پر وہ حرکت کرتے ہیں، الفاظ قرآن میں اس کی کوئی تصریح نہیں ہے کہ یہ مدار آسمان کے اندر ہیں یا باہر فضا میں، حالیہ تحقیقات نے واضح کر دیا ہے کہ یہ مدار خلا میں آسمان سے بہت نیچے ہیں، تمام سیارے اپنے اپنے مدار میں گردش کر رہے ہیں۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ من قبلك الخلد سابقہ آیات میں کفار و مشرکین کے باطل دعوؤں اور مشرکانہ عقیدوں کی جن میں

حضرت مسیح وعزیر وغیرہ کو خدا کا شریک یا فرشتوں اور مسیح کو خدا کی اولاد کہا گیا ان گمراہ کن عقائد کی تردید واضح دلائل کے ساتھ آئی ہے جس کا مخالفین کے پاس کوئی جواب نہ تھا ایسے موقعہ پر جب مخالف حجت اور دلیل سے مغلوب ہو جاتا ہے تو جھنجلاہٹ میں بے تکی اور بے جوڑ باتیں کرنے لگتا ہے، اسی کا نتیجہ تھا کہ مشرکین مکہ اس کی تمنا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی جلد وفات ہو جائے جیسا کہ بعض روایات میں ہے، قرآن عزیز نے بھی ان کے اس مقولہ کو ذکر کیا ہے جس میں انہوں نے آپ کی موت کی تمنا اور خواہش کا اظہار کیا ہے، مذکورہ آیت میں حق تعالیٰ نے ان کی اس بیہودہ تمنا اور آرزو کے دو جواب دیئے ہیں وہ یہ کہ اگر ہمارے رسول ﷺ کی جلد ہی وفات ہوگئی تو تمہیں کیا فائدہ پہنچے گا؟ اگر تمہارا مقصد یہ ہے کہ جب ان کی موت ہو جائے گی تو ہم لوگوں کو بتلائیں گے کہ یہ نبی اور رسول نہیں تھے ورنہ تو موت نہ آتی تو اس کا یہ جواب دیا کہ جن انبیاء کی نبوت کو تم بھی مانتے ہو کیا ان کو موت نہیں آئی؟ جب ان کی موت سے ان کی نبوت اور رسالت میں کوئی فرق نہیں آیا تو آپ ﷺ کی موت سے آپ کی نبوت کے خلاف کوئی پروپیگنڈہ کیسے کیا جا سکتا ہے؟ اور اگر تمہارا مقصد آپ ﷺ کی وفات سے اپنا غصہ ٹھنڈا کرنا ہے تو یاد رکھو کہ موت کا یہ مرحلہ تمہیں بھی درپیش ہے آخر تمہیں بھی مرنا ہے پھر کسی کی موت سے خوش ہونے کے کیا معنی؟

اگر بمرد عدو جائے شادمانی نیست   کہ زندگانی ما نیز جاودانی نیست

(سعدی)

کُلُّ نفسٍ ذَائِقةُ المَوتِ یعنی ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے، یہاں ہر نفس سے نفوس ارضیہ مراد ہیں یعنی زمینی جانداروں کو موت آنا لازمی ہے، نفوس ملائکہ اس میں داخل نہیں ہیں، قیامت کے دن فرشتوں کو بھی موت آئے گی یا نہیں اس میں اختلاف ہے، بعض حضرات نے فرمایا کہ ایک لحظہ کے لئے تو سب پر موت طاری ہو جائے گی خواہ انسان اور نفوس ارضیہ ہوں یا فرشتے اور نفوس سماویہ، بعض مفسرین نے کہا ہے فرشتے اور جنت کے حور وغلمان اس سے مستثنیٰ ہیں۔ (روح المعانی)

ذائقة الموت سے اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ ہر نفس موت کی خاص تکلیف محسوس کرے گا کیونکہ مزہ چکھنے کا محاورہ ایسے ہی موقع پر استعمال ہوتا ہے۔

وَنَبْلو کم بالشر والخیر فتنةً یعنی خیر وشر کے ذریعہ ہم انسان کی آزمائش کرتے ہیں، شر سے مراد ہر خلاف طبع چیز ہے، جیسے بیماری، رنج وغم اور فقر وفاقہ اور خیر سے اس کے بالمقابل ہر مرغوب طبع چیز ہے جیسے صحت وعافیت، خوشی وراحت مذکورہ دونوں قسم کی چیزیں اس دنیا میں آزمائش کیلئے دی جاتی ہیں یعنی اس بات کی آزمائش کرنا مقصود ہوتا ہے کہ خلاف طبع امور پر صبر کر کے اس کا حق ادا کرتا ہے یا نہیں اسی طرح مرغوب خاطر چیزوں پر شکر کر کے اس کا حق ادا کرتا ہے یا نہیں۔

خلق الانسان من عجل الخ یہ کفار کے مطالبۂ عذاب کے جواب میں ہے، مطلب یہ ہے کہ انسان کی طبیعت میں جس طرح کچھ کمزوریاں ہیں ان میں سے ایک کمزوری عجلت کی بھی ہے اور جو چیز طبیعت اور جبلت میں داخل ہوتی ہے عرب اس کو اسی عنوان سے تعبیر کرتے ہیں یعنی یہ شخص اس چیز سے پیدا کیا گیا ہے جیسے اگر کسی کے مزاج میں غصہ غالب ہو تو کہا جائے گا کہ یہ غصہ

کا بنا ہوا آدمی ہے، چنانچہ کفار کی جلد بازی کا نتیجہ غزوۂ بدر وغیرہ میں کفار کو کھلی آنکھوں دکھا دیا۔

قُلْ لهم **مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ** يَحْفَظُكم **بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ** من عَذَابِه اِنْ نَزَلَ بكم اى لا اَحَدٌ يَفْعَلُ ذٰلك والـمُخَاطَبُوْنَ لايَخَافُوْنَ عَذَابَ اللّٰهِ لِاِنْكَارِهم له **بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ** اى القُرْآن **مُّعْرِضُوْنَ**۝ لايَتَفَكَّرُوْنَ فيه **اَمْ** فيها مَعْنَى الهَمْزَةِ الاِنْكَارِيّ اى اَ **لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ** ممَّا يَسُوْءُهم **مِّنْ دُوْنِنَا** اى اَلَهُم مَنْ يَّمْنَعُهم منه غيرُنا لا **لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ** اى الاٰلِهَةُ **نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ** فَلَا يَنْصُرُوْنَهُمْ **وَلَا هُمْ** اى الكُفَّارُ **مِّنَّا** من عَذَابِنَا **يُصْحَبُوْنَ**۝ يُجَارُوْنَ يُقال صَحِبَكَ اللّٰهُ اى حَفِظَكَ واَجَارَكَ **بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ** بما اَنْعَمْنَا عَلَيْهِمْ **حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ** فَاغْتَرُّوْا بِذٰلِكَ **اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ** نَقْصُدُ اَرْضَهُمْ **نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا** بالفَتْحِ عَلَى النَّبِيِّ **اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ**۝ لابَلِ النَّبِيُّ وَاَصْحَابُهُ **قُلْ** لهم **اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ** مِنَ اللّٰهِ لا مِنْ قِبَلِ نَفْسِىْ **وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا** بتَحْقِيْقِ الهَمْزَتَيْنِ وتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ بَيْنَهَا وبَيْنَ اليَاءِ **مَا يُنْذَرُوْنَ**۝ اى هم لِتَرْكِهِم العَمَلَ بما سَمِعُوْهُ مِنَ الاِنْذَارِ كالصُّمِّ **وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ** وَقْعَةٌ خَفِيْفَةٌ **مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰا** لِلتَّنْبِيْهِ **وَيْلَنَآ** هلَاكَنَا **اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ**۝ بالاِشْرَاكِ وتَكْذِيْبِ مُحَمَّدٍ **وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ** ذَوَاتِ العَدْلِ **لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ** اى فيه **فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا** من نَقْصِ حَسَنَةٍ اوزِيَادَةِ سَيِّئَةٍ **وَاِنْ كَانَ** العَمَلُ **مِثْقَالَ** زِنَةَ **حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا** اى بِمَوْزُوْنِهَا **وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ**۝ مُحْصِيْنَ فى كُلِّ شَيْءٍ **وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ** اى التَّوْرَاةَ الفَارِقَةَ بَيْنَ الحَقِّ والبَاطِلِ والحَلَالِ والحَرَامِ **وَضِيَآءً** بها **وَّذِكْرًا** اى عِظَةً بها **لِّلْمُتَّقِيْنَ**۝ **الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ** عَنِ النَّاسِ اى فِى الخَلَاءِ عَنْهُمْ **وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ** اى اَهْوَالِهَا **مُشْفِقُوْنَ**۝ اى خَائِفُوْنَ **وَهٰذَا** اى القُرْآنُ **ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ**۝ الاِسْتِفْهَامُ فِيْهِ لِلتَّوْبِيْخِ.

ترجمہ: اے محمد ﷺ ان تمسخر کرنے والوں سے کہئے رحمان کے عذاب سے رات اور دن کون ہے جو تمہاری نگرانی حفاظت کرتا ہے اگر تم پر عذاب نازل ہونے لگے (اللہ کے سوا) ایسا کوئی نہیں کرتا، اور یہ مخاطبین عذاب الٰہی سے نہیں ڈرتے اس عذاب کے منکر ہونے کی وجہ سے بلکہ یہ لوگ اپنے رب کے ذکر یعنی قرآن سے اعراض کرتے ہیں یعنی اس میں غور و فکر نہیں کرتے اَمْ اس میں ہمزہ معنیٰ انکاری کے لئے ہے کیا ان کے پاس ہمارے علاوہ ایسے معبود ہیں جو ان کو (ان کی تکلیف) عذاب سے بچا سکیں؟ یعنی کیا ان کے پاس ہمارے علاوہ کوئی ایسی ذات ہے جو ان کو عذاب سے بچا سکے کوئی نہیں وہ معبودان (باطلہ) خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتے تو وہ ان کی کیا حفاظت کر سکیں گے اور نہ وہ کفار ہمارے عذاب سے بچائے جائیں گے

صَحِبَكَ اللّٰه بولا جاتا ہے یعنی اللہ تیری حفاظت کرے اور تجھ کو (آفات) سے بچائے ہم نے ان کو اور ان کے آباء واجداد کو ان پر اپنی نعمتوں کے ذریعہ خوب ساز وسامان عطا کئے یہاں تک کہ (اسی حالت) میں ان پر زمانہ دراز گذر گیا چنانچہ اسی وجہ سے وہ دھوکے میں پڑ گئے کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم ان کی زمین کا قصد کر رہے ہیں یعنی (ان کی) زمین کو چاروں طرف سے گھٹاتے چلے جارہے ہیں آپ ﷺ کو غلبہ عطا کر کے سو کیا یہ لوگ غالب آئیں گے نہیں بلکہ آپ ﷺ اور ان کے اصحاب (ہی غالب رہیں گے) آپ ان سے کہہ دیجئے میں تو تم کو اللہ کی جانب سے نہ کہ اپنی جانب سے وحی کے ذریعہ آگاہ کرتا ہوں اور یہ بہرے بات نہیں سنتے جب ان کو آگاہ کیا جاتا ہے دونوں ہمزوں کو محقق کر کے اور ثانی ہمزہ کی تسہیل کے ساتھ ہمزہ اور ی کے درمیان یعنی بہرے کے مانند سنی ہوئی تنبیہ پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے (گویا کہ حقیقت میں یہ بہرے ہیں) اگر ان کو تیرے رب کے عذاب کا ایک ہلکا سا جھونکا لگ جائے تو پکار اٹھیں ہائے ہماری کمبختی یعنی ہماری ہلاکت واقعی ہم شرک اور محمد ﷺ کی تکذیب کی وجہ سے خطاوار تھے اور ہم قیامت کے دن درست میزان عدل قائم کریں گے تو کسی پر اصلاً ظلم نہ کیا جائے گا نیکیوں کو کم کر کے یا گناہوں میں اضافہ کر کے اور اگر عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو تو بھی ہم اس کو یعنی موزون کو حاضر کر دیں گے اور ہم ہر چیز کا حساب لینے والے کافی ہیں اور یہ بات بالکل سچ ہے کہ ہم نے موسیٰ اور ہارون کو تورات فرقان یعنی تورات حق وباطل اور حلال وحرام کے درمیان فرق کرنے والی اور ان پرہیزگاروں کے لئے نصیحت کی کتاب عطا فرمائی جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور وہ لوگ قیامت یعنی اس کی ہولناکیوں سے بھی ڈرتے ہیں اور یہ قرآن بھی کثیر الفائدہ نصیحت ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے پھر بھی تم اس کے منکر ہو؟ اس میں استفہام توبیخ کے لئے ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُهُ: يَكْلَؤُكُمْ (ف،س) مضارع واحد مذکر غائب مصدر كَلْأً كِلَاً كِلَاءَةً حفاظت کرنا۔

قَوْلُهُ: آلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِنْ دُوْنِنَا مِنْ دوننا، آلِهة کی صفت ہے کلام میں تقدیم وتاخیر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے آلِهَة مِنْ دُوْنِنَا تَمْنَعُهُمْ.

قَوْلُهُ: مِمَّا يَسُوْءُ هم ان چیزوں سے جو ان کو تکلیف پہنچائیں لَا يُصْحَبُوْنَ (س) جمع مذکر غائب منفی مجہول، ان کا ساتھ نہیں دیا جائے گا، وہ بچائے نہیں جائیں گے۔

قَوْلُهُ: الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ موازین کو جمع، بیان عظمت کے لئے لائے ہیں ورنہ میزان ایک ہی ہوگی یا مَا يُوْزَنُ کے اعتبار سے جمع لائی گئی ہے یعنی چونکہ اعمال کثیرہ اور اعمال کے انواع کثیرہ تولے جائیں گے اس لئے جمع لایا گیا ہے قِسْط کو مفرد لایا گیا ہے حالانکہ موازین کی صفت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ القسط مصدر ہے اور مصدر کا اطلاق واحد اور جمع سب پر یکساں ہوتا ہے، مفسر علام نے ليوم القيامة کی تفسیر فيه سے کر کے اشارہ کر دیا کہ لام بمعنی فی ہے۔

قَوْلُہٗ: شیئًا یا مفعول ثانی ہے یا تظلم کے مفعول مطلق کی صفت ہے ای لاتظلم ظلمًا شیئًا.

قَوْلُہٗ: وان کان کے بعد العملُ کومقدر مان کر اشارہ کردیا کہ کانَ ناقصہ ہے اس کے اندر ضمیر ہے جو کان کا اسم ہے اور وہ عمل ہے اور مثقالَ اس کی خبر ہے اور نافع نے مثقالُ رفع کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں کانَ تامہ ہوگا۔

قَوْلُہٗ: بالغیب، یخشون کی ضمیر سے حال ہے ای یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ غائبین عن الناس یعنی جب وہ تنہائی میں ہوتے ہیں تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں مِنَ السَّاعة کے بعد اَھْوَالِھَا مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ مضاف محذوف ہے اور قیامت سے ڈرنے کا مطلب اس کی ہولناکی سے ڈرنا ہے۔

تَفسِیروتَشریح

قُلْ مَنْ یَّکْلَئُکُمْ الخ یعنی تمہارے جو کرتوت ہیں وہ تو ایسے ہیں کہ دن رات کی کسی بھی گھڑی میں تم پر عذاب آسکتا ہے، اس عذاب سے رات دن تمہاری کون حفاظت کرتا ہے؟ کیا اللہ کے سوا بھی کوئی اور ہے جو عذاب الٰہی سے تمہاری حفاظت کرسکے؟ وَلَا ھُمْ مِّنَّا یُصْحَبُوْنَ کے معنی ہیں ولا ھم یُجَارُوْنَ مِنْ عذابنا نہ وہ خود ہی ہمارے عذاب سے محفوظ ہیں، یعنی وہ خود اپنی مدد پر اور عذاب الٰہی سے بچنے پر قادر نہیں ہیں، پھر ان کی طرف سے ان کی مدد کیا ہوسکتی ہے اور وہ انہیں عذاب سے کس طرح بچاسکتے ہیں۔

بَلْ مَتَّعْنَاھُمْ الخ یعنی ان کی کلاءت اور حفاظت اور بتوں کا عجز اور بیچارگی ایسی چیز نہیں کہ جس کو یہ لوگ سمجھ نہ سکیں اصل بات یہ ہے کہ پشتہا پشت سے یہ لوگ بے فکری کی زندگی گذار رہے ہیں کوئی جھٹکا عذاب الٰہی کا نہیں لگا جس کی وجہ سے مغرور اور غفلت کے نشہ میں چور ہوکر حق تعالیٰ کے پیغام اور پیغمبروں کی نصیحت قبول کرنے سے منہ موڑ لیا ہے اَفَلَا یَرَوْنَ یعنی عرب میں اسلام پھیلنے لگا ہے اور کفر گھٹنے لگا ہے آہستہ آہستہ وہاں کی زمین کافروں پر تنگ ہوتی جارہی ہے ان کی حکومتیں اور سرداریاں ٹوٹتی جارہی ہیں، کیا ایسے کھلے ہوئے آثار وقرائن دیکھ کر بھی انہیں اپنا انجام نظر نہیں آتا، کیا ان مشاہدات کے باوجود اس کے امیدوار ہیں کہ یہ لوگ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام اور مسلمانوں پر غالب ہوں گے، اگر چشم عبرت ہے تو چاہئے کہ عقل سے کام لیں اور قرائن واحوال سے مستقبل کا اندازہ کریں، کیا ان کو معلوم نہیں کہ ان کے گرد وپیش کی بستیاں انبیاء کی تکذیب وعداوت کی سزا میں تباہ کی جاچکی ہیں وَلَقَدْ اَھْلَکْنَا مَاحولکُمْ مِنَ القُرٰی وَصَرَّفْنَا الآیَاتِ لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ قُلْ اِنَّمَا اُنْذِرُکُمْ الخ یعنی ہمارا کام وحی الٰہی کے موافق نصیحت سنا دینا اور انجام سے آگاہ کردینا ہے، دل کے بہرے اگر اس پکار کو نہ سنیں تو ہمارا قصور نہیں وہ خود اپنے بہرے پن کا خمیازہ بھگتیں گے وَلَئِنْ مَّسَّتْھُمْ الخ یعنی یہ لوگ جو بہرے بنے ہوئے ہیں یہ صرف اس وقت تک ہے کہ ذرا زور سے کھٹکھٹائے نہ جائیں اگر عذاب الٰہی کی ذرا سی بھنک ان کے کان میں پڑگئی یا خدا کے قہر وانتقام کی ادنیٰ سی بھاپ ان کو چھوگئی تو آنکھ کان سب کھل جائیں گے اس وقت بدحواس ہوکر چلائیں گے کہ بے شک ہم بھاری مجرم تھے جو ایسی کمبختی آئی۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ الخ یعنی رائی کے دانہ کے برابر بھی کسی کا عمل ہو عدل وانصاف کی ترازو میں تلے گا ادھر اُدھر

ضائع نہ ہوگا، نہ کسی پر ظلم زیادتی کی جائے گی، رتی رتی کا حساب ہوگا۔

تنبیہ: موازین میزان کی جمع ہے ہوسکتا ہے کہ بہت سی ترازو ہوں جو مختلف قسم کے اعمال کو تولنے کے لئے الگ الگ قسم کی ہوں جیسا کہ دنیا میں ہر چیز کو تولنے اور ناپنے کی الگ قسم کی ترازو ہوتی ہے، سیال اشیاء کے لئے الگ اور جامد کے لئے الگ پھر سیال میں بھی مختلف چیزوں کے لئے الگ الگ ترازو ہوتی ہیں، یا ایک ہی ترازو ہو مگر مختلف قسم کے اعمال کو تولنے کا کام دے اس وجہ سے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہو۔

کَفٰی بِنَا حَاسِبِیْنَ کا مطلب ہے کہ ہمارا حساب آخری اور فیصلہ کن ہوگا جس کے بعد کوئی دوسرا حساب لینے والا نہیں ہوگا۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ ای هُداهُ قبلَ بُلُوغِه **وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ** ای بأنَّه اَهلٌ لِذٰلِكَ **اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ** الاَصنامُ **الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ** ای علی عِبادتِها مُقِیمُونَ **قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ** فاقتدَینابهم **قَالَ** لهم **لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ** لِعبادتِها **فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ** بَیّنٍ **قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ** فی قولِكَ هٰذا **اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ** فیه **قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ** المُستَحِقُّ لِلعبادَةِ **رَبُّ** مالِكُ **السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ** خلقَهُنَّ علی غیرِ مِثالٍ سَبَقَ **وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ** الذی قُلْتُهُ **مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ** به **وَتَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ فَجَعَلَهُمْ** بعدَ ذِهابِهم الی مُجتَمَعِهم فی یومِ عِیدٍ لهم **جُذٰذًا** بضمِّ الجیمِ وکسرِها فتاتًا بفاسٍ **اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ** علَّقَ الفاسَ فی عُنُقِه **لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ** ای الکبیرِ **یَرْجِعُوْنَ** فیَرَوْنَ مافعَلَ بغیرِه **قَالُوْا** بعدَ رُجوعِهم ورُؤیتِهم ما فعلَ **مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ** فیه **قَالُوْا** ای بعضُهم لبعضٍ **سَمِعْنَا فَتًی یَّذْكُرُهُمْ** ای یُعیبُهم **یُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِیْمُ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓی اَعْیُنِ النَّاسِ** ای ظاهرًا **لَعَلَّهُمْ یَشْهَدُوْنَ** علیه اَنّه الفاعلُ **قَالُوْٓا** له بعدَ اِتیانِه **ءَاَنْتَ** بتحقیقِ الهمزتَینِ وابدالِ الثانیةِ اَلِفًا وتَسهیلِها وادخالِ اَلِفٍ بینَ المُسَهَّلَةِ والاُخرٰی وتَرْكِه **فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا یٰٓاِبْرٰهِیْمُ قَالَ** ساكتًا عن فِعلِه **بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ** عَن فاعِلِه **اِنْ كَانُوْا یَنْطِقُوْنَ** فیه تقدیمُ جوابِ الشَّرطِ وفیما قبلَه تعریضٌ لَهُم بأنَّ الصَّنَمَ المعلومَ عِجزُهُ عَن الفِعلِ لایكونُ اِلٰهًا **فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓی اَنْفُسِهِمْ** بالتفكُّرِ **فَقَالُوْٓا** لِانفسِهم **اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ** ای بعبادتِكُم مَن لا یَنطِق **ثُمَّ نُكِسُوْا** مِنَ اللهِ **عَلٰی رُءُوْسِهِمْ** ای رُدُّوا الی كُفرِهم وقالوا وَاللهِ **لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ یَنْطِقُوْنَ** ای تَبًّا وقُبحًا **قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكُمْ شَیْئًا وَّلَا یَضُرُّكُمْ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** ای غیرِه **اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ** ای هٰذِهِ الاَصنامُ لاتَستَحِقُّ العبادةَ ولاتصلُح لها وانما یَستَحِقُّها اللّٰهُ تعالٰی۔

ترجمہ: اور ہم نے پہلے ہی ابراہیم کو یعنی سن بلوغ کے پہنچنے سے پہلے ہوشمندی عطا فرمائی تھی اور ہم اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ وہ اس کا اہل ہے جبکہ اس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا یہ مورتیاں (بت) جن کے تم مجاور بنے بیٹھے ہو کیا ہیں؟ یعنی ان کی بندگی میں لگے ہوئے ہو تو سب نے جواب دیا ہم نے اپنے آباء واجداد کو انہیں کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے لہٰذا ہم نے انہی کی اقتداء اختیار کی ہے تو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے کہا پھر تو تم اور تمہارے آباء ان کی بندگی کرنے کی وجہ سے کھلی گمراہی میں ہو، تو کہنے لگے کیا تم اپنے اس قول میں ہم سے سچ بات کہتے ہو؟ یا اس بات میں (یوں ہی) مذاق کر رہے ہو؟ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا نہیں، بلکہ تمہارا رب جو کہ مستحق عبادت ہے وہ رب مالک ہے زمین اور آسمانوں کا جس نے ان کو بغیر کسی سابق نمونے کے پیدا فرمایا اور میں تو اس بات پر جو میں نے کہی ہے گواہ ہوں (قائل ہوں) اور خدا کی قسم میں تمہارے بتوں کے ساتھ تمہارے چلے جانے کے بعد ضرور ایک چال چلوں گا تو ان کے اپنی عید کے دن اپنے میلے میں چلے جانے کے بعد ان بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جُذٰذًا جیم کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ، تبر سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا مگر ان میں کے بڑے کو (چھوڑ دیا) اور تبر اس کی گردن میں لٹکا دیا تا کہ وہ اس کی طرف رجوع کریں ان کے (میلے) سے لوٹنے اور ان کے ساتھ جو حرکت کی گئی تھی اس کو دیکھنے کے بعد کہنے لگے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ شخص اس معاملہ میں ظالموں میں سے ہے تو ان لوگوں نے آپس میں کہا ہم نے ایک نوجوان کو جس کو ابراہیم کہا جاتا ہے ان بتوں کی تنقیص (برائی) کرتے سنا ہے تو وہ لوگ کہنے لگے تو اچھا اس کو سب کے سامنے برسرِ عام حاضر کرو تا کہ لوگ اس کے خلاف اس بات کی گواہی دیں کہ یہی ہے (یہ حرکت) کرنے والا شخص تو اس کے آنے کے بعد لوگوں نے اس سے معلوم کیا کہ کیا تو نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے اے ابراہیم؟ اپنے فعل سے سکوت اختیار کرتے ہوئے کہا نہیں بلکہ ان کے اس بڑے (گرو) نے کی ہے، یہ حرکت کرنے والے کے بارے میں ان ہی سے معلوم کرو اگر یہ بول سکتے ہوں؟ اس میں جواب شرط مقدم ہے اور ماقبل میں مشرکین کیلئے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بت جن کا عاجز عن الفعل ہونا معلوم اور متعین ہے وہ معبود نہیں ہو سکتے، چنانچہ یہ لوگ (حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقریر سن کر) سوچ میں پڑ گئے اور اپنے دلوں میں کہنے لگے تم ہی درحقیقت ظالم ہو ایسی چیز کی بندگی کر کے جو بول بھی نہ سکے پھر ان کی کھوپڑی اوندھی ہو گئی (یعنی جہل وعناد کی طرف پلٹ گئے) یعنی اپنے کفر کی طرف پلٹ گئے، اور کہنے لگے واللہ (اے ابراہیم) تم تو جانتے ہی ہو کہ یہ بولنے پر قادر نہیں ہیں یعنی پھر تم ہم کو ان سے سوال کرنے کیلئے کیوں کہتے ہو؟ تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا کہ تو کیا خدا کو چھوڑ کر یعنی اس کے عوض ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو کہ جو تم کو رزق وغیرہ کا کچھ نفع نہیں پہنچا سکتی اور اگر تم ان کی عبادت نہ کرو تو تم کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی تف ہے تم پر، فا کے فتحہ اور کسرہ کیساتھ مصدر کے معنی میں یعنی تبًّا وقُبْحًا (کے معنی میں) اور

ان پر بھی جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو کیا تمہیں اتنی سی بھی عقل نہیں؟ یعنی یہ بت عبادت کے مستحق نہیں اور نہ معبود بننے کی ان میں صلاحیت ہے عبادت کا مستحق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: وَلَقَدْ آتَيْنَا اِبْرَاهِيْمَ واؤ قسمیہ ہے ای وعزتنا وجلالنا اٰتَيْنَا اِبراهيم رشدهٗ رُشْدٌ صلاحیت، ہوشیاری، ہدایت، حسن تدبیر مِنْ قَبْلُ مضاف الیہ محذوف ہے اَیْ قَبْلَ بُلُوغِهٖ، قبلهٗ کی ضمیر حضرت موسیٰ وعیسیٰ ومحمد ﷺ کی طرف بھی راجع ہوسکتی ہے، التماثيلُ جمع تِمثال پتھر یا دھات وغیرہ کی مورتی عَاكِفُوْنَ جمع عَاكِفٍ ملازم، معتکف، مجاور۔

قِوْلَہٗ: لَهَا عَاكِفُونَ، عَاكِفٌ کا صلہ علیٰ آتا ہے لیکن یہاں لام استعمال ہوا ہے مفسر علام نے اشارہ کردیا کہ لام بمعنی علیٰ ہے اور اگر عاکف متضمن بمعنی عَابِدٌ لیا جائے تو اس وقت لام صلہ لانا درست ہوگا اور اگر لام تعدیہ کے بجائے اختصاص کے لئے لے لیا جائے تو عاکف کا صلہ لام لانا بھی صحیح ہوگا جیسا کہ قالوا وَجَدْنَا آبَائَنَا لَهَا عابدين میں عابدین کا صلہ لام استعمال ہوا ہے۔

قِوْلَہٗ: فَجَعَلَهُمْ میں هم ضمیر مذکر ذوی العقول کے لئے مشرکین کے گمان کے اعتبار سے استعمال ہوئی ہے۔

قِوْلَہٗ: جُذاذًا مصدر ہونے کی وجہ سے جمع نہیں لایا گیا اور بعض حضرات نے جُذَاذ کو جُذَاذَة کی جمع کہا ہے جیسا کہ زُجَاجٌ زُجاجَةٌ کی جمع ہے، اور بعض حضرات نے جُذاذٌ مصدر بمعنی مجذوذ کے لیا ہے۔

قِوْلَہٗ: مَنْ فَعَلَ هٰذا مَنْ مبتداء ہے اور فَعَلَ هٰذا اس کی خبر ہے اور اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ جملہ مستانفہ ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مَنْ موصولہ اپنے صلہ سے ملکر مبتداء اور اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلمين اس کی خبر۔

قِوْلَہٗ: سَمِعْنَا فَتًى يذكرُ، سَمِعْنا، چونکہ ایسی شی پر داخل ہے کہ جو مسموع نہیں ہوسکتی اور وہ فتًى ہے اس لئے کہ فتًى دیکھنے کی چیز ہے نہ کہ سننے کی ایسی صورت میں سَمِعَ متعدی بدو مفعول ہوتا ہے، لہٰذا یہاں سَمِعْنَا متعدی بدو مفعول ہے مفعول اول فتًى ہے اور يذكرهم جملہ ہوکر مفعول ثانی ہے، اور اگر سَمِعَ شی مسموع پر داخل ہو تو متعدی بیک مفعول ہوتا ہے جیسا کہ تو کہے سَمِعْتُ کلامَ زيدٍ۔

قِوْلَہٗ: يقال له ابراهيمُ یہ فتًى کی صفت ثانیہ ہے ابراہیم کے مرفوع ہونے کی چند وجوہ ہوسکتی ہیں اول، يقال کا نائب فاعل ہونے کی وجہ سے يقال له ابراهيم ای يُسَمّٰى لهٗ ابراهيمُ اس صورت میں ابراہیم سے مراد لفظ ابراہیم ہوگا نہ کہ مسمّی ابراہیم، دوسری وجہ یہ ہے کہ ابراہیم مبتداء محذوف کی خبر ہو ای يقال له هٰذا ابراهيم، یا ابراهيم مبتداء ہو اور اس کی خبر محذوف ہو ای يقال له ابراهيمُ فاعلُ ذٰلك.

قولہ: کبیرھم ھٰذا، ھٰذا کبیرھم سے بدل ہے یا صفت ہے۔

قولہ: نُکِسُوْا عَلٰی رُءُ وسِھِمْ جمہور کی قراءت میں نُکِسُوْا مبنی للمفعول ہے یعنی ان کی کھوپڑی الٹ دی گئی اور الٹنے والا اللہ تعالیٰ ہے، مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقریر سے بتوں کا عاجز اور بے بس ہونا سمجھ میں آگیا تھا اور قریب تھا کہ حق کی طرف رجوع کریں مگر ان کی کھوپڑی پھر گئی جس کی وجہ سے کفر کی طرف پلٹ گئے، مفسر علام نے مِنَ اللّٰہِ کا اضافہ فرما کر اسی قراءت کی طرف اشارہ کیا ہے اور شاذ قراءت میں نَکَّسُوْا نون کے فتحہ اور کاف کی تشدید کے ساتھ مبنی للفاعل بھی ہے اس صورت میں نَکَّسُوا کے فاعل خود مشرکین ہوں گے اور مطلب یہ ہوگا کہ مشرکین نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدلل تقریر سن کر شرمندگی اور ندامت کی وجہ سے سر جھکا لیا مگر کچھ دیر کے بعد کفر کی طرف پلٹ گئے۔

قولہ: قالوا واللّٰہ یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ لَقَدْ عَلِمْتَ قسم محذوف کا جواب ہے۔

قولہ: اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ فا عاطفہ ہے معطوف علیہ فعل محذوف ہے جس پر ہمزہ داخل ہے تقدیر عبارت یہ ہے اَجَھِلْتُمْ فَلَا تَعْقِلُوْنَ.

تفسیر وتشریح

وَلَقَدْ آتَیْنَا اِبْرَاھِیْمَ رُشْدَہٗ مِنْ قَبْلُ، مِنْ قَبْلُ سے مراد یا تو یہ ہے کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رشد (ہدایت یا ہوشمندی) دینے کا واقعہ آپ ﷺ اور موسیٰ وہارون وعیسیٰ علیہم السلام سے پہلے کا ہے یا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبوت عطا کرنے سے پہلے ہی ہوشمندی عطا کر دی گئی تھی، اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ بلوغ سے پہلے ہی آپ کو ہوشمندی اور صلاحیت عطا کر دی گئی تھی اور ہم اپنے علم ازلی کے اعتبار سے اس بات کو جانتے تھے کہ وہ اس رشد کا اہل ہے اور وہ اس کا صحیح استعمال کرے گا، جبکہ اس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ مورتیاں جن کے تم مجاور بنے بیٹھے ہو کیا ہیں؟ یعنی ذرا ان کی اصلیت اور حقیقت کو بیان کرو آخر پتھر کی خود تراشیدہ مورتیاں خدا کس طرح بن گئیں قالوا وَجَدْنا آبائَنا الخ یعنی عقل اور فطرت اور نقل معتد بہ کی کوئی شہادت ہماری تائید میں نہیں ہے نہ سہی لیکن سب سے بڑی اور بھاری دلیل بت پرستی کے حق وصواب ہونے کی یہ ہے کہ اوپر سے ہمارے باپ دادا انہیں کی پوجا کرتے چلے آئے ہیں پھر ہم اپنے بڑوں کا طریقہ کیسے چھوڑ دیں۔

قال لقد کنتم انتم الخ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا کہ اس دلیل سے تمہاری حقانیت اور عقلمندی ثابت نہیں ہوئی البتہ یہ ثابت ہوا کہ تمہارے باپ دادا بھی تمہاری طرح گمراہ اور بے وقوف تھے جنکی کورانہ تقلید میں تم گمراہ ہو رہے ہو۔

پوری قوم کے عقیدہ کے خلاف ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایسی سخت اور مدلل گفتگو سن کر ان میں ہلچل مچ گئی کہنے لگے کیا سچ مچ تیرا عقیدہ یہی ہے یا ہنسی اور دل لگی کرتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا، میرا عقیدہ ہی یہ ہے اور میں پورے یقین اور بصیرت کے ساتھ اس کی شہادت دیتا ہوں کہ میرا اور تمہارا سب کا رب وہی ایک خدا ہے جس نے آسمان اور زمین پیدا کئے۔

حضرت ابراہیم نے آہستہ سے کہا کہ تمہارے چلے جانے کے بعد تمہارے بتوں کا علاج کر دوں گا، یہ بات حضرت ابراہیم

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یا تو اپنے دل میں کہی یا کمزور قسم کے لوگوں کے سامنے آہستہ سے کہی، یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ زبانی نہی عن المنکر تو میں کر چکا اب نہی عن المنکر فعلی کروں گا، چنانچہ جب قوم جشن منانے کے لئے میلے میں باہر چلی گئی تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے موقع کو غنیمت سمجھ کر سب بتوں کو توڑ پھوڑ کر رکھدیا اور صرف بڑے بت کو جو جسم و جثہ کے اعتبار سے سب سے بڑا تھا چھوڑ دیا اور کلہاڑی اس کے گلے میں لٹکا دی، تا کہ وہ لوگ جب واپس آ کر یہ صورت حال دیکھیں تو قدرتی طور پر ان کا خیال اس بڑے بت کی طرف ہو، یا الزاماً اس کی طرف رجوع کرایا جاسکے، چنانچہ جب وہ لوگ میلے سے واپس آئے تو بڑا حیرت انگیز منظر دیکھا کہ سب بت ٹوٹے پڑے ہیں اور کلہاڑی بڑے بت کے گلے میں لٹکی ہوئی ہے تو کہنے لگے یہ گستاخی اور بے ادبی کی حرکت ہمارے معبودوں کے ساتھ کس نے کی ہے؟ یقیناً جس نے یہ حرکت کی ہے بڑا ظالم اور بے رحم ہے، چنانچہ بعض ان لوگوں نے جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقولہ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ سنا ہوگا کہنے لگے وہ نوجوان ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہے نا، وہ ہمارے بتوں کے خلاف باتیں کرتا ہے معلوم ہوتا ہے یہ اسی کی کارستانی ہے۔

پھر سب کہنے لگے اس کو مجمع عام کے سامنے لاؤ تا کہ سب لوگ دیکھیں چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مجمع عام میں لایا گیا اور ان سے معلوم کیا گیا، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا کہ یہ کام تو اس بڑے بت نے کیا ہے اگر یہ (ٹوٹے ہوئے بت) بول سکتے ہیں تو انہی سے معلوم کرو یہ خود ہی اپنے توڑنے والے کو بتا دیں گے، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بات بطور تعریض و تبکیت کہی تا کہ لوگ یہ جان لیں کہ جو نہ بول سکتا ہو اور اپنی مصیبت کی فریاد بھی نہ کرسکتا ہو اور نہ خود اپنا دفاع کرسکتا ہو بلکہ پڑا پڑا مار کھاتا رہے وہ معبود نہیں ہوسکتا۔

ایک حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس قول **بل فعله کبیرهم** کو لفظ کذب سے تعبیر کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین جھوٹ بولے دو اللہ کے لئے ایک **انی سقیم** اور دوسرا **بل فعله کبیرهم هٰذا** اور تیسرا حضرت سارہ کو اپنی بہن کہنا (صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب **واتخذ اللّٰه ابراهیم خلیلًا**) زمانہ حال کے بعض مفسرین نے مرزا قادیانی اور کچھ دوسرے مستشرقین سے مغلوب مسلمانوں نے اس حدیث کو صحیح السند ہونے کے باوجود اس لئے غلط اور باطل کہہ دیا ہے کہ اس سے حضرت خلیل اللہ کی طرف جھوٹ کی نسبت ہوتی ہے اور سند کے تمام راویوں کو جھوٹا کہہ دینا اس سے بہتر ہے کہ خلیل اللہ کو جھوٹا قرار دیا جائے، کیونکہ وہ قرآن کے خلاف ہے لیکن ان کی یہ رائے صحیح نہیں ہے، یقیناً حقیقت کے اعتبار سے انہیں جھوٹ نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ توریہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا ذو معنیین لفظ بولا جائے کہ متکلم اس کا ایک معنی مراد لے اور مخاطب دوسرے معنی سمجھے، دینی ضرورت اور مصلحت کے لئے توریہ درست ہے، ظلم سے بچنے کے لئے باتفاق فقہاء بالکل جائز ہے۔

توریہ شیعوں کے تقیہ سے بالکل مختلف چیز ہے، تقیہ میں صریح جھوٹ بولا جاتا ہے اور اس پر عمل بھی کیا جاتا ہے، توریہ میں صریح جھوٹ نہیں ہوتا بلکہ جس معنی سے متکلم بول رہا ہے وہ بالکل صحیح ہوتے ہیں، جیسے اسلامی رشتہ سے بیوی اور شوہر کا بھائی بہن ہونا، سفر ہجرت کے دوران جب کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی گرفتاری کے لئے سو اونٹ انعام رکھا ہوا تھا، ایک شخص کا راستہ

میں ملنا اور حضرت ابوبکر صدیق سے آپ ﷺ کے بارے میں دریافت کرنا کہ یہ کون ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق کا رجل یھدینی السبیل توریہ کے طور پر فرمانا، یھدینی السبیل کے دو معنی ہیں دینی رہنمائی کرنے والا اور سفر کے لئے رہبری کرنے والا، حضرت ابوبکر کا مقصد آخرت اور دینی رہبری تھی اور مخاطب نے سفر کی رہبری سمجھا اسی کو توریہ کہتے ہیں صحابہ اور اسلاف کی زندگی میں اس قسم کی صدہا مثالیں آپ کو مل سکتی ہیں۔

حدیث شریف میں بھی حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے بارے میں کذبات ثلٰثہ کا ذکر ہے، ان کا پہلا کذب فعلہ کبیرھم ھٰذا ہے اس کی بہت سی توجیہات کی گئی ہیں مگر ان میں سب سے صاف اور بے غبار توجیہ یہ ہے کہ یہ اسناد مجازی کے قبیل سے ہے، عربی میں اس کی بہت سی مثالیں مذکور ہیں مثلاً انبت الربیع البقل چونکہ موسم ربیع بقل کو اگانے کا بظاہر سبب ہے اس لئے انبات کی نسبت بقل کی جانب کردی گئی ہے، ورنہ حقیقت میں انبات اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، دوسری مثال بنی الامیر المدینۃ ہے چونکہ امیر کے حکم سے مدینہ کی تعمیر ہوئی ہے اس لئے بناء کی نسبت امیر کی جانب کردی گئی ہے ورنہ بنانے والے تو درحقیقت معمار اور بنّائین ہیں، اسی طرح فعلہٗ کبیرھم ھٰذا میں بھی اسناد مجازی ہے، چونکہ مشرکوں نے بڑے بت کو خدا کا درجہ دے رکھا تھا اور رات دن اس کی بندگی کرتے تھے تو گویا کہ بتوں کو توڑنے پر اس بڑے بت نے ہی آمادہ کیا گویا کہ بڑا بت ہی ان بتوں کو توڑنے کا سبب بنا اسی سببیت کی وجہ سے فعل کی نسبت بڑے بت کی طرف کردی گئی ہے، دوسرا اِنی سقیم ہے سقیم کے معنی جس طرح بیماری کے آتے ہیں اسی طرح دلی رنج وغم کے بھی آتے ہیں، اس میں شک کی کیا گنجائش ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ اپنی قوم کی گمراہی کو دیکھ کر کس قدر رنجیدہ اور غم زدہ ہوں گے لہٰذا آپ کا اِنی سقیم کہنا اپنی جگہ درست اور بالکل صحیح تھا، تیسرا حضرت سارہ کو بہن بتانا تو یہ بھی کوئی خلاف واقعہ بات نہیں تھی اس لئے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ دونوں آپس میں دینی اور اسلامی بھائی بہن تھے اور حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کی وضاحت بھی کردی تھی کہ میں نے ظالم بادشاہ کے سامنے تم کو اپنی بہن بتایا ہے لہٰذا تم بھی اس کے خلاف نہ کہنا اور ہم دونوں دینی اور اسلامی بھائی ہیں، ظالم بادشاہ کی دست درازی اور اس کے شل ہونے نیز حضرت سارہ کو صحیح سلامت رخصت کرنے کے واقعہ کے لئے تفسیر کی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

حدیث میں کذبات ثلٰثہ کا ذکر جس ضمن میں آیا ہے وہ بھی قابل غور ہے اور وہ ہے میدان محشر میں اللہ کے روبرو جاکر سفارش کرنے سے اس لئے گریز کرنا کہ ان سے دنیا میں تین موقعوں پر لغزش کا صدور ہوا ہے درانحالیکہ وہ لغزشیں نہیں ہیں یعنی حقیقت اور مقصد کے اعتبار سے وہ جھوٹ نہیں ہے مگر اللہ کی عظمت اور جلال کی وجہ سے اتنے خوف زدہ ہوں گے کہ یہ باتیں جھوٹ کے ساتھ ظاہری مماثلت کی وجہ سے قابل گرفت نظر آئیں گی گویا کہ حدیث کا مقصد حضرت ابراہیم کو جھوٹا ثابت کرنا ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کیفیت کا اظہار ہے جو قیامت کے دن خشیت الٰہی کی وجہ سے ان پر طاری ہوگی۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے فوائد عثمانی میں بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا کی توجیہ اس طرح فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے علی سبیل الفرض فَعَلَهٗ كَبيرهم هٰذا فرمایا تھا جیسا کہ مناظروں میں ہوتا ہے یعنی مجھ سے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ فرض کرلیا جائے کہ اس بڑے گرو گھنٹال نے جو صحیح سالم کھڑا ہے اور توڑنے کا

آلہ بھی اس کے پاس موجود ہے یہ کام کیا ہوگا، لیجئے بحث وتحقیق کے وقت بطور الزام وتبکیت میں یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ بڑے بت نے سب چھوٹوں کو توڑ ڈالا اب آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ ایسا نہیں ہوا کیا دنیا میں ایسا ہوتا نہیں ہے کہ بڑے سانپ چھوٹے سانپوں کو، بڑی مچھلی چھوٹی مچھلیوں کو نگل جاتی ہے، اور بڑے بادشاہ چھوٹی سلطنتوں کو تباہ کر ڈالتے ہیں، اس لئے فیصلہ کی بہتر صورت میرے اور تمہارے درمیان یہ ہے کہ تم خود اپنے معبودوں ہی سے دریافت کرلو کہ یہ ماجرا کس طرح ہوا اگر یہ کچھ بول سکتے ہیں، تو کیا ایسے اہم معاملہ میں بول کر میرے جھوٹ سچ کا فیصلہ نہ کردیں گے، مذکورہ تقریر سے ظاہر ہوگیا کہ بَلْ فَعَلَهٗ کبیرهم هٰذا کہنا خلاف واقعہ خبر دینے کے طور پر نہ تھا جسے حقیقۃً جھوٹ کہا جائے بلکہ ان کی تجہیل وتحمیق کے لئے ایک فرضی احتمال کو بصورت دعوی لیکر بطور تعریض والزام کلام کیا تھا جیسا کہ عموماً بحث ومناظرہ میں ہوتا ہے توڑ پھوڑ کو بڑے بت کی جانب منسوب کرنے میں ایک مصلحت دینی یہ تھی کہ شاید لوگوں کو اس طرف توجہ ہوجائے کہ شاید اس بڑے بت کو اس پر غصہ آگیا ہو کہ میرے ساتھ عبادت میں ان چھوٹے بتوں کو کیوں شریک کیا جاتا ہے اگر یہ خیال ان کے دلوں میں پیدا ہو تو توحید کا راستہ کھل جاتا ہے کہ جب ایک بڑا بت چھوٹے بتوں کی شرکت گوارا نہیں کرتا تو رب العالمین ان پتھروں کی شرکت اپنے ساتھ کیسے گوارہ کرے، اسی طرح بعض احادیث میں اس پر لفظ ''کذب'' کا اطلاق صورتاً کیا گیا ہے، مفسرین نے اس کے علاوہ اس کی توجیہ میں اور بھی کئی محمل بیان کئے ہیں۔

فرجعوا الٰی انفسهم پھر وہ سوچ میں پڑ گئے، اور اپنے دل میں کہنے لگے کہ واقعتاً تم ہی ظالم ہوان بے زبان پتھروں کو پوجنے سے کیا حاصل؟ جو مصیبت کے وقت خود اپنی مدد بھی نہ کرسکیں اور پڑے ہوئے اپنے ہاتھ پیر تڑواتے رہیں جو خود اپنی مدد نہ کرسکے، وہ دوسروں کی کیا مدد کرسکتا ہے گویا کہ حق کی ایک کرن ان کے دل میں روشن ہوئی مگر پھر تسویل شیطانی کی وجہ سے پلٹ گئے اور کفر وضلالت کو حق وہدایت پر ترجیح دینے لگے، اور کہنے لگے کہ تو جان بوجھ کر ہم سے ایسی ناممکن بات کا مطالبہ کیوں کرتا ہے کہیں پتھر بھی بولتے ہیں؟ جب مشرکوں نے اپنے بتوں کی بے بسی اور عاجزی کا اقرار کرلیا تو حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو گرفت کرنے اور الزام دینے کا موقع مل گیا، اور فرمایا پھر تو تم کو ڈوب مرجانا چاہئے کہ جو بت اس قدر مجبور وبے بس ہوں کہ ایک لفظ نہ بول سکتے ہوں اور کسی آڑے وقت میں کچھ کام نہ آسکتے ہوں ایسے بے اختیار بتوں کو خدائی کا درجہ دینا کس قدر حماقت اور بے عقلی کی بات ہے، کیا تم اتنی موٹی سی بات بھی نہیں سمجھ سکتے؟؟؟۔

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ ای ابراهیمَ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ ای بتحریقِهٖ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾ نُصرتَها فجمَعُوْا لَهُ الحطَبَ الكثيرَ واَضرَمُوا النَّارَ فِي جميعِه واَوْثَقُوْا ابراهيم وجَعَلُوْه في مِنْجَنيقٍ ورَمَوْهُ في النَّار قال تعالٰى قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ فلَمْ تَحرِق منه غيرَ وَثَاقِهٖ وذَهَبَتْ حرارتُها وبَقِيَتْ اِضائتُها وبقولِه سلامًا سَلِمَ مِنَ المَوْتِ بِبَرْدِهَا وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿۷۰﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ وهُوَ التحريق بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ بِكَثْرَةِ الانهارِ والاَشجَارِ وهِيَ الشام نزل ابراهيمُ

بِفِلِسْطِيْنَ ولوطٌ بِالمؤتفكةِ وبينهما يومٌ **وَوَهَبْنَا لَهٗ** لِابراهيم وكان سَاَلَ ولدًا كما ذُكر في الصافات **اِسْحٰقَ ۭ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ۭ** اى زيادةً على المسئول او هو ولد الولد **وَكُلًّا** اى هُوَ وَوَلَدَاهُ **جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿۷۲﴾** انبياء **وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً** بتحقيق الهمزتين وابدال الثانية ياءً يُقتدىٰ بهم في الخير **يَّهْدُوْنَ** النَّاسَ **بِاَمْرِنَا** اِلَى دِيْنِنَا **وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاۗءَ الزَّكٰوةِ ۚ** اى ان تُفعلَ وتُقامَ وتُوتى منهم ومِن اَتْبَاعِهِم وحُذف هاءُ اقامةٍ تخفيفا **وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿۷۳﴾ وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا** فصلًا بَيْنَ الخُصُوْمِ **وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ** اى اهلُها الاعمالَ **الْخَـبٰۗىِٕثَ ۭ** مِنَ اللِّوَاطَةِ وَالرَّمي بِالبُنْدُقَةِ وَاللَّعِبِ بالطُّيُوْرِ وغير ذٰلك **اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ** مصدر سَاءَهُ نقيضُ سَرَّهُ **فٰسِقِيْنَ ﴿۷۴﴾ وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ** بِاَنْ اَنْجَيْنَاهُ مِن قومِه **اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾** ع ۵

ترجمہ: کہنے لگے اسے یعنی ابراہیم کو جلا دو اور اس کو جلا کر اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تم کو ان کی مدد کرنی ہی ہے چنانچہ ان لوگوں نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جلانے کے لئے بہت ساری لکڑیاں جمع کیں اور ان تمام لکڑیوں میں آگ جلا دی اور ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رسیوں میں مضبوط باندھا اور ان کو ایک گوپھن میں رکھ کر آگ میں پھینک دیا ہم نے آگ کو حکم دے کر کہا اے آگ تو ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم کے لئے سلامتی کی چیز بن جا، چنانچہ آگ نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بندھنوں کے علاوہ کسی چیز کو نہیں جلایا اور آگ کی حدت ختم ہو کر صرف اس کی روشنی باقی رہ گئی، اور اللہ تعالیٰ کے سلامًا کہنے کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ٹھنڈ کی وجہ سے مرنے سے محفوظ رہے اور ان لوگوں نے تو ابراہیم کے ساتھ بدخواہی کا ارادہ کیا تھا اور وہ جلانا تھا چنانچہ ہم نے ان کو ان کے مقصد میں ناکام کر دیا اور ہم نے ابراہیم کو اور لوط کو جو کہ ان کے بھائی ہاران کے بیٹے تھے سرزمین عراق سے ایسی زمین (ملک) کی جانب نکال کر بچا لیا جس میں ہم نے دنیا والوں کے لئے برکتیں رکھی ہیں انہار و اشجار کی کثرت کے ذریعہ اور وہ سرزمین شام ہے، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام فلسطین میں فروکش ہوئے، اور لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام موتفکہ میں اور ان دونوں مقاموں کے درمیان ایک دن کی مسافت تھی اور ہم نے ان کو یعنی ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو، حال یہ ہے کہ اس نے ایک لڑکے کی دعا کی تھی، جیسا کہ سورۂ صافات میں ذکر کیا گیا ہے، اسحٰق دیا اور یعقوب مزید برآں یعنی مطلوب سے زائد یا نافلة سے مراد ولد الولد (پوتا) ہے اور ہم نے ان سب (کو یعنی) ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے بیٹے اور پوتے کو صالحین یعنی انبیاء میں شامل کیا اور ہم نے ان سب کو پیشوا بنایا اَئِـمَّةٌ دونوں ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ اور ثانی ہمزہ کو یا سے بدل کر، کہ ان کی خیر میں اقتداء کی جائے، تا کہ ہمارے حکم سے لوگوں کی ہمارے دین کی جانب رہبری کریں اور ہم نے ان کی طرف نیک کاموں کے کرنے اور نماز قائم رکھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی وحی بھیجی یعنی یہ تینوں اعمال عمل خیر، عمل صلوٰۃ، عمل زکوٰۃ کو یہ حضرات بھی انجام دیں اور ان کے متبعین بھی انجام دیں، اور اِقامة کی ہاء تخفیفاً حذف کر دی گئی ہے اور وہ سب ہماری ہی بندگی کرنے والے بندے تھے اور ہم

نے لوط کو (بھی) مخاصمین کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے حکم دیا اور علم عطا کیا، اور ہم نے اس کو اس بستی یعنی اس بستی والوں سے جو گندے کام کرتے تھے یعنی لواطت اور (راہ گیروں) کو ڈھیلے مارنا اور مرغ بازی کرنا وغیرہ وغیرہ اور تھے بھی وہ برے فاسق لوگ سَوْءٌ مصدر ہے سَاءَ ہٗ سَرَّہٗ کی نقیض ہے اور ہم نے لوط کو اپنی رحمت میں داخل کرلیا اس طریقہ سے کہ ہم نے اس کو اس کی قوم سے نجات دی بے شک وہ نیکوکار لوگوں میں سے تھا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: اِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِيْنَ، نُصرتَها کا اضافہ کرکے اشارہ کردیا کہ فاعلين کا مفعول محذوف ہے، اِنْ كنتم یہ شرط ہے جو کہ جزاء سے مستغنی ہے ماقبل پر اعتماد کرتے ہوئے كونى بردًا اى ذاتَ بَرْدٍ سلامًا فعل مقدر کا مفعول مطلق ہے اى سَلَّمْنا سَلَامًا اور سَلَامًا سے پہلے بھی مضاف محذوف ہوسکتا ہے اى ذاتَ سلامٍ، بردًا و سلامًا میں مضاف کو حذف کرکے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کردیا۔

قِوْلَہٗ: من العراق اَخرَج فعل محذوف کے متعلق ہے نافِلَة بروزن عافيةٌ مصدر ہے یہ يعقوب سے حال ہے اور وَهَبْنَا فعل کا مفعول مطلق بغیر لفظہ بھی ہوسکتا ہے ائمة ثانی ہمزہ میں جمہور کے نزدیک تسہیل ہے گو ابدال بھی جائز ہے، مفسر علام نے فعل الخيرات کی تفسیر ان تفعل وغیرہ سے کرکے اشارہ کردیا کہ اصل ترکیب أن تُفْعَل الخيراتِ و أن تُقامَ الصلوٰة وأن تؤتى الزكوٰة ہے اس لئے کہ موحی (ماأُمِرَ به) صیغہ امر کے ذریعہ ہوتا ہے نہ کہ مصدر کے ذریعہ اِقَامَ الصَّلٰوة اِقامة الصلٰوة کے بجائے اقام الصلٰوة فرمایا تاء مدورہ کو تخفیفاً حذف کردیا ہے۔

قِوْلَہٗ: لـوطـاً فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ ما اضمر عامله علی شريطة التفسير کے قبیل سے ہے تقدیر عبارت یہ ہے آتينا لوطًا آتيناه. من القرية اس قریہ کا نام سدوم تھا جو کہ موتفکہ میں بڑی آبادی تھی۔

تفسیر و تشریح

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب حجت تمام کردی اور ان کی ضلالت و گمراہی کو ایسے طریقہ سے ان پر واضح کردیا کہ وہ لاجواب ہوگئے تو چونکہ وہ توفیق و ہدایت سے محروم تھے اور کفر و شرک نے ان کے دلوں کو بے نور کردیا تھا، اس لئے بجائے اس کے کہ وہ شرک سے تائب ہوتے الٹا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف سخت اقدام پر آمادہ ہوگئے اور اپنے معبودوں کی دہائی دیتے ہوئے انہیں آگ میں جھونک دینے کی تیاری شروع کردی، تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری قوم اور نمرود نے متفق ہوکر یہ فیصلہ کرلیا کہ ان کو آگ میں جلا دیا جائے چنانچہ شہر کے تمام لوگ لکڑی وغیرہ جمع کرنے کے کام میں ایک مہینہ تک لگے رہے اور پھر اس میں آگ سلگا کر ایک ہفتہ تک اس کو دھونکتے رہے یہاں تک کہ اس کے شعلے فضاء آسمانی میں اتنے بلند ہوگئے کہ اگر کوئی پرندہ اس پر گذرے تو جل جائے، اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آگ میں ڈالنے کا پروگرام بنایا گیا مگر کس

طرح ڈالا جائے؟ اتنے بڑے الاؤ میں ڈالنا تو دور کی بات تھی اس کے قریب جانا بھی آسان نہیں تھا، چنانچہ شیطان نے ان کو منجنیق (گوپھیا) میں رکھ کر پھینکنے کی تدبیر بتائی، جس وقت اللہ کے خلیل ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آگ کے سمندر میں پھینکنے جارہے تھے تو تمام فرشتے بلکہ زمین آسمان اوران کی تمام مخلوق چیخ اٹھی کہ یارب آپ کے خلیل پر کیا گذررہی ہے؟ حق تعالیٰ نے ان سب کو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدد کرنے کی اجازت دیدی فرشتوں نے مدد کرنے کے لئے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے وہ میرا حال دیکھ رہا ہے جبرائیل امین نے عرض کیا کہ آپ کو میری کسی مدد کی ضرورت ہے تو میں خدمت انجام دینے کے لئے تیار ہوں، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا کہ حاجت تو ہے مگر آپ کی طرف سے نہیں بلکہ اللہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔

قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ آگ کے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بردوسلام ہونے کی یہ صورت بھی ممکن ہے کہ آگ آگ ہی نہ رہی ہو بلکہ ہوا میں تبدیل ہوگئی ہو مگر ظاہر یہ ہے کہ آگ اپنی حقیقت میں آگ ہی رہی ہو اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آس پاس کے علاوہ دوسری چیزوں کو جلاتی رہی بلکہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جن رسیوں میں باندھ کر آگ میں ڈالا گیا تھا ان رسیوں کو بھی آگ ہی نے جلا کر ختم کیا مگر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بدن مبارک تک کوئی آنچ نہیں آئی۔

اخرج ابن جریر عن معتمر بن سلیمان عن بعض اصحابه قال جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آگ میں ڈالنے کے لئے باندھ کر تیار کردیا تو حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے اور فرمایا **یا ابراهیم أَلَكَ حاجة** اے ابراہیم کیا تم کو کچھ حاجت ہے؟ حضرت ابراہیم نے فرمایا **أمّا الیك فلا** ابن ابی شیبہ اور ابن جریر اور ابن منذر نے کعب سے نقل کیا ہے **مَا اَحْرَقَتِ النّارُ من ابراهیم الّا وثاقه** یعنی آگ نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بندھنوں کے علاوہ کسی شئ کو نہیں جلایا۔

احمد وابن ماجہ وابن حبان وغیرہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آگ میں ڈالا گیا تو گرگٹ کے علاوہ کوئی جانور ایسا نہیں تھا کہ جس نے آگ بجھانے کی کوشش نہ کی ہو، گرگٹ ہی ایک ایسا جانور تھا کہ جو آگ کو بھڑکانے کے لئے پھونک ماررہا تھا، **فامر رسول الله** ﷺ **بقتله** تو آپ ﷺ نے اس کے قتل کرنے کا حکم فرمایا، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو سب سے پہلا کلمہ جو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے نکلا وہ **حسبنا اللّٰه ونعم الوکیل** تھا، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے **لو لم یتبع بردها سلامًا لمات ابراهیم من بردها** یعنی اگر برداً کے ساتھ سلامًا نہ کہا جاتا تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سردی سے مرجاتے۔

تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام آگ میں سات روز رہے اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے عمر بھر ایسی راحت نہیں ملی جتنی ان سات دنوں میں حاصل تھی۔ (مظہری)

وَنَجَّيْنٰهُ ولوطًا الی الارض التی الخ یعنی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اوران کے ساتھ لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہم نے اس زمین سے جس پر نمرود کا غلبہ تھا (یعنی عراق سے) نجات دیکر ایک ایسی سرزمین میں پہنچا دیا جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے لئے برکت رکھی ہے مراد اس سے ملک شام کی سرزمین ہے کہ وہ اپنی ظاہری اور باطنی حیثیت سے بہتیری برکتوں کا مجموعہ ہے، باطنی برکت تو یہ ہے کہ یہ سرزمین مرکز انبیاء ہے، اور ظاہری برکت آب وہوا کا اعتدال ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗ اسحٰق ویعقوب نافلةً یعنی ہم نے ابراہیم کو بیٹا اسحٰق ان کی دعا کے مطابق دیا اور اس پر مزید پوتا دیا، یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام یعنی دعا تو صرف بیٹے کی تھی مگر ہم نے مزید برآں پوتا بھی دیدیا اسی وجہ سے اس کو ''نافلہ'' فرمایا ہے۔

حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جس بستی سے نجات دینے کا ذکر آیات میں آیا ہے اس بستی کا نام سدوم تھا اس کے تابع سات بستیاں اور تھیں جن کو حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے الٹ کر تہہ وبالا کر دیا تھا صرف ایک بستی جس میں حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام رہتے تھے باقی چھوڑی تھی۔ (قالہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

تعمل الخبائث خبائث خبیثہ کی جمع ہے بہت سی گندی اور خبیث عادتوں کو خبائث کہا جاتا ہے، یہاں ان کی سب سے خبیث اور گندی عادت جس سے جنگلی جانور بھی پرہیز کرتے ہیں لواطت تھی اور یہاں اسی ایک عادت کو اس کے بڑا جرم ہونے کی وجہ سے خبائث کہا گیا ہو تو یہ بھی بعید نہیں اور اس کے علاوہ بھی دوسری خبیث عادتوں کا ان میں ہونا روایات میں مذکور ہے، اس لحاظ سے بھی خبائث کہنا ظاہر ہے۔

حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے برادرزادے (بھتیجے) تھے اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے والے اور ان کے ساتھ عراق سے ہجرت کر کے شام جانے والوں میں سے تھے اللہ نے ان کو بھی علم وحکمت یعنی نبوت سے نوازا تھا یہ جس علاقہ میں نبی بنا کر بھیجے گئے تھے اس کو عمورہ اور سدوم کہا جاتا ہے، یہ فلسطین کے بحر مردار سے متصل بجانب اردن ایک شاداب علاقہ تھا جس کا بڑا حصہ بحیرۂ مردار کا جز ہے ان کی قوم لواطت جیسے فعل شنیع، گذرگاہوں پر بیٹھ کر آنے جانے والوں پر آوازے کسنا اور انہیں تنگ کرنا کنکریاں پھینکنا وغیرہ میں ممتاز تھی جسے اللہ نے یہاں خبائث سے تعبیر کیا ہے، بالآخر حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی رحمت میں داخل کر کے یعنی انہیں اور ان کے متبعین کو بچا کر قوم کو تباہ کر دیا گیا۔

وَ اذكر **نُوْحًا** وما بعدَه بَدلٌ منه **اِذْ نَادٰى** اى دَعَا على قومِهٖ بقوله ربِّ لَا تَذَرْ الخ **مِنْ قَبْلُ** اى قَبْلَ ابراهيمَ ولوطٍ **فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ** الّذين في سَفِيْنَتِهٖ **مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ**﴿۷۶﴾ اى الغَرَقِ وتَكْذِيْبِ قومِهٖ لَهُ **وَنَصَرْنٰهُ** مَنَعْنَاهُ **مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا** الدالّةِ على رِسَالَتِهٖ اَنْ لَايَصِلُوْا اِلَيْهِ بِسُوْءٍ **اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ**﴿۷۷﴾ وَ اذكر **دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ** اى قِصَّتَهُمَا ويُبْدَل منهما **اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ** هو زرعٌ او كَرْمٌ **اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ** اى رَعَتْهُ لَيْلاً بلاَ رَاعٍ بِاَنْ اِنْفَلَتَتْ **وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ**﴿۷۸﴾ فيه استعمالُ ضميرِ الجمعِ لِاثْنَيْنِ قال داوٗد عليه السلام لِصاحبِ الحرثِ

رِقَابَ الغنمِ وقال سليمانُ عليه السلام يَنْتَفِعُ بِدَرِّہَا ونَسْلِهَا وصُوْفِهَا الٰى اَنْ يَّعُوْدَ الحرْثُ كما كان بِاِصْلَاحِ صاحبِها فيُرَدُّہَا اليه **فَفَهَّمْنٰهَا** اى الحكومةَ **سُلَيْمٰنَ** وحُكْمُهُما بِاجتهادٍ ورَجَعَ داوُدُ الٰى سليمانَ وقيل بوَحْيٍ والثانِيْ نَاسِخٌ لِلْاَوَّلِ **وَكُلًّا** مِنْهُمَا **اٰتَيْنَا حُكْمًا** نُبُوَّةً **وَّعِلْمًا** بِاُمُوْرِ الدين **وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ** كذٰلك سَخَّرْنَا لِلتَّسْبِيح معه لِاَمْرِهٖ بِهٖ اذا وَجَدَ فَتْرَةً لِيَنْشَطَ لَهٗ **وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ** ﴿۷۹﴾ تَسْخِيْرَ تسبيحِهِمَا معه واِنْ كان عَجَبًا عندكم اى مُجَاوَبَتُهٗ لِلسَّيِّدِ داوُدَ عليه السلام **وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ** وهى الدِّرْعُ لِاَنَّهَا تُلْبَسُ وهو اولُ مَنْ صَنَعَهَا وكانت قَبْلَهَا صَفَائِحَ **لَّكُمْ** فِى جُمْلَةِ الناسِ **لِتُحْصِنَكُمْ** بالنون لِلّٰهِ وبالتحتانية لِدَاوُدَ وبالفَوْقَانِيَّةِ لِلَّبُوْسِ **مِّنْۢ بَاْسِكُمْ** حَرْبِكُمْ مع اَعْدَائِكُمْ **فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ** ﴿۸۰﴾ **وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ** ﴿۸۱﴾ يا اَهْلَ مَكَّةَ مَايُعْطِيْهِ سُلَيْمَانَ يَدْعُوْهُ الى الخُضُوْعِ لِرَبِّهٖ فَفَعَلَهٗ تعالٰى عَلٰى مُقْتَضٰى عِلْمِهٖ **وَ** سَخَّرْنَا **مِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ** يَدْخُلُوْنَ فى البَحْرِ فيُخْرِجُوْنَ مِنْهُ الجَوَاہِرَ لِسُلَيمانَ **وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ** اى سِوَى الغَوْصِ من البناءِ وغَيْرِهٖ **وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ** ﴿۸۲﴾ مِنْ اَنْ يُّفْسِدُوْا مَا عَمِلُوْا لِاَنَّهُمْ كَانُوْا اذا فَرَغُوْا مِنْ عَمَلٍ قَبْلَ اللَّيْلِ اَفْسَدُوْهُ اِنْ لم يُشْتَغَلُوْا بِغَيْرِهٖ.

ترجمہ: اور یاد کیجئے نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس وقت کو جب کہ انہوں نے اپنی قوم کے لئے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے اپنے قول رَبِّ لَاتَذَرْ الخ کے ذریعہ بددعاء فرمائی تو ہم نے ان کی دعا قبول کی تو ہم نے ان کو اور ان کے اہل کو جو کہ اس کی کشتی میں (سوار) ہوئے کرب عظیم یعنی غرق ہونے سے اور اس کی قوم کے اس کی تکذیب کرنے سے نجات دی اور ہم نے اس کی مدد کی یعنی اس کی حفاظت کی اس قوم سے جس نے ہماری ان آیتوں کی تکذیب کی جو اس کی رسالت پر دلالت کرتی تھیں تا کہ برائی کے ساتھ اس تک رسائی نہ ہو سکے یقیناً وہ برے لوگ تھے پس ہم نے ان سب کو غرق کر دیا اور داؤد اور سلیمان یعنی ان کے قصہ کا ذکر کیجئے اور **و اذکر داؤد اور سلیمان** سے **اِذْ یحکمان فی الحرثِ** بدل ہے، جبکہ وہ کھیتی کے بارے میں فیصلہ کر رہے تھے وہ کھیتی یا تو غلہ کی تھی یا انگور کی جبکہ ایک قوم کی بکریاں اس میں جا گھسی تھیں یعنی چرواہے کے بغیر رات کو چر گئی تھیں اس طریقہ سے کہ اس میں پھیل گئی تھیں اور ہم ان کے فیصلہ کو دیکھ رہے تھے اس میں دو کے لئے جمع کی ضمیر کا استعمال ہوا ہے، داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کھیتی والے کے لئے (نقصان) کے عوض بکریوں کا فیصلہ کیا، اور حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کھیتی والا بکریوں کے دودھ اور ان کی نسل اور ان کی اون سے فائدہ اٹھائے یہاں تک کہ کھیتی بکریوں والے کی اصلاح سے اپنی سابقہ حالت پر لوٹ آئے تو کھیتی کا مالک بکریاں بکریوں کے مالک کو واپس کر دے، تو ہم نے سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فیصلہ کی سمجھ عطا فرمائی اور دونوں کا فیصلہ اجتہاد سے تھا اور حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے فیصلہ کی طرف رجوع فرمایا اور کہا گیا ہے کہ دونوں کے فیصلے وحی کے ذریعہ تھے لیکن ثانی فیصلہ اول کے لئے ناسخ ہے، اور ہم نے دونوں کو حکم یعنی نبوت اور امور دین کا علم عطا کیا تھا اور ہم نے پہاڑوں کو داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کے تابع کر دیا تھا کہ وہ تسبیح کیا کرتے تھے اور اسی طرح پرندوں کو بھی تسبیح کے لئے داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کے تابع کر دیا تھا یعنی ان کے حکم کے تابع کر دیا تھا کہ جب وہ سستی محسوس کرتے تھے تو ان کو تسبیح کا حکم دیتے تھے داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ دونوں کی تسبیح خوانی کو مسخر کرنے والے ہم ہی تھے، اگر چہ داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کے حکم پر (ان دونوں کا) لبیک کہنا تمہارے نزدیک عجیب تھا اور ہم نے تمہارے نفع کے لئے منجملہ دیگر لوگوں کے داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کو مخصوص لباس سازی کا ہنر سکھایا اور وہ زرہ تھی (اس کو لبوس کہا جاتا ہے) اس لئے کہ وہ پہنی جاتی ہے، حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام پہلے شخص ہیں جنہوں نے زرہ بنائی اور اس سے قبل لوہے کی پلیٹوں کا رواج تھا تاکہ ہم تم کو دشمن کے ساتھ جنگ میں ایک دوسرے کی زد سے بچائیں لِتُحْصِنَکُمْ اگر نون کے ساتھ ہو تو لنحصنکم کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہوگی اور یائے تحتانیہ کے ساتھ ہو تو ضمیر حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف راجع ہوگی اور اگر تائے فوقانیہ کے ساتھ ہو تو ضمیر لبوس کی طرف راجع ہوگی، تو اے اہل مکہ کیا تم میری نعمتوں کے، رسولوں کی تصدیق کر کے شکر گذار بنو گے یعنی رسولوں کی تصدیق کر کے میرا شکر ادا کرو اور ہم نے تابع کر دیا سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کے تیز ہوا کو اور دوسری آیت میں رُخَاءً ہے یعنی نرم ہوا کو یعنی تیز رفتار اور سست رفتار (دونوں قسم کو تابع کر دیا) ان کے ارادہ کے مطابق وہ ان کے حکم سے اس سرزمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکت رکھی ہے اور وہ شام ہے اور ہم ہر چیز سے باخبر ہیں اور اے اہل مکہ! ان تمام چیزوں میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ علم بھی ہے کہ وہ سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کو جو کچھ عطا کر رہا ہے وہ سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنے رب کے حضور خشوع و خضوع کی دعوت دے گا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے مقتضائے علم کے مطابق عمل کیا اور ہم نے بعض ایسے شیاطین کو تابع کر دیا تھا کہ جو سلیمان کے لئے دریا میں غوطہ لگاتے تھے اور دریا سے سلیمان کے لئے جواہرات نکالتے تھے اور اس کے یعنی غوطہ خوری کے علاوہ تعمیر وغیرہ کا کام بھی کرتے تھے اور ان کی نگرانی کرنے والے ہم ہی تھے اس بات سے کہ جو کچھ وہ تیار کریں اس کو خراب نہ کر دیں، اس لئے کہ ان کا یہ معمول تھا کہ جب وہ رات آنے سے پہلے کام سے فارغ ہو جاتے تھے تو اگر ان کو دوسرے کام میں مشغول نہ کیا جاتا تو جو کچھ کیا ہوا کام ہوتا تھا اس کو خراب کر دیتے تھے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: نوحًا اس کے منصوب ہونے کی دو وجہ ہو سکتی ہیں ① اس کا عطف لوطًا پر ہو اس صورت میں اس کا عامل ناصب وہی ہوگا جو لوطًا کا ہے اور وہ آتینا محذوف ہے جس کی تفسیر آتَیْنٰہُ مذکور کر رہا ہے اور اسی طرح داؤد و سلیمان میں بھی ہوگا اور تقدیر عبارت یہ ہوگی ونوحًا آتیناہ حکما وداؤد وسلیمان آتیناھُمَا حکمًا اس صورت میں اِذ نادیٰ نوحًا سے بدل الاشتمال ہوگا ② اذکر فعل محذوف اس کا ناصب ہو، جیسا کہ صاحب جلالین نے اشارہ کیا ہے نوحًا سے پہلے

مضاف محذوف ہے ای اذکر قصتهٗ اس صورت میں اذ نادیٰ مضاف محذوف کی وجہ سے منصوب ہوگا ای خبرهم الواقع فی وقت کان کَیْتَ و کَیْتَ.

قِوْلُہٗ: من قبلُ ای قبل ھٰؤلاءِ المذکورین، حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے اور ساڑھے نوسو سال تک قوم کو تبلیغ کی اور طوفان کے بعد ساٹھ سال بقید حیات رہے، اس حساب سے آپ کی عمر مبارک ایک ہزار پچاس سال ہوئی اِذ نادیٰ نوحًا سے بدل الاشتمال ہے نادیٰ کی تفسیر دعا علی قومہٖ سے کرکے اشارہ کردیا کہ نادیٰ بمعنی دعا علیہ ہے جو کہ بددعاء کے لئے مستعمل ہے۔

قِوْلُہٗ: ونصرناہُ کی تفسیر منعناہُ سے کرکے اشارہ کردیا کہ نَصَرَ، مَنَعَ کے معنی کو متضمن ہے جس کی وجہ سے اس کا صلہ مِنْ لانا درست ہے ورنہ تو نصر کا صلہ علیٰ آتا ہے۔

قِوْلُہٗ: أن لایَصِلَ اِلَیہ ای لِئَلَّا یَصِلَ الیه بسوء یہ منعناہ کی علت ہے وَ اذکر داؤد وسلیمان حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام سو سال بقید حیات رہے، حضرت داؤد اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان پانچسو انہتر سال کا وقفہ ہے، اور حضرت سلیمان پانچسو انسٹھ سال بقید حیات رہے اور حضرت سلیمان اور حضرت محمد ﷺ کے درمیان ایک ہزار سات سو سال کا فاصلہ ہے۔ (جمل)

قِوْلُہٗ: زرع غلہ کی کھیتی کَرْمٌ انگور کی کھیتی۔

قِوْلُہٗ: نَفَشَتْ النفش الرعی باللیل بلا راع بغیر چرواہے کے بکریوں کا رات میں کھیتی کو چر کر خراب کردینا بابهٗ (ض، ن، س) اور هَمَلٌ کہتے ہیں دن میں بغیر چرواہے کے کھیتی کو چر کر خراب کردینا، لِحُکْمِهِمْ میں تثنیہ کے بجائے جمع کی ضمیر یا تو مجازاً استعمال ہوتی ہے یا اقل جمع کے طور پر رقاب الغنم ای عوضًا عمافات من حرثهٖ.

قِوْلُہٗ: یُسَبِّحْنَ الجبالَ سے حال ہے ای مسبحةً اور بعض حضرات نے جملہ مستانفہ بھی کہا ہے گویا کہ کسی سائل نے سوال کیا کیف سخرهُنَّ؟ فقال یُسَبِّحْنَ.

قِوْلُہٗ: والطَّیْرَ الجبالَ پر عطف کی وجہ سے بھی منصوب ہوسکتا ہے اور مفعول معہ کی وجہ سے بھی، بعض قراءتوں میں والطیرُ مرفوع بھی ہے، اس صورت میں یا تو یہ مبتداء ہوگا اور اس کی خبر محذوف ہوگی ای والطیر مسخرات ایضًا یا یُسَبِّحْنَ کی ضمیر پر عطف ہوگا لیکن اس صورت میں ضمیر منفصل کے ذریعہ تاکید یا فصل ضروری ہوگا مگر یہ بصریین کے نزدیک ہے کوفیین کے نزدیک ضروری نہیں ہے۔

قِوْلُہٗ: لِأَمْرِهٖ بِهٖ مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے اور مفعول محذوف ہے ای لامر داؤد لهُمَا بِهٖ ای بالتسبیح اذا وَجَدَ داؤد فترةً یعنی داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام جب ذکر و تسبیح میں سستی محسوس کرتے تھے تو پہاڑوں اور پرندوں کو تسبیح کرنے کا حکم فرماتے تھے تاکہ ذکر و تسبیح کی فضا قائم ہو کر نشاط پیدا ہوجائے اور سستی ختم ہوجائے صَفَائِحُ جمع صَفِیْحَةٍ ہر چوڑی چیز، پتھر کی ہو یا لوہے کی لَکُمْ عَلَّمْنَا کے متعلق ہے اور کائن محذوف سے متعلق ہو کر لَبُوْسٌ کی صفت بھی ہوسکتی ہے ای لبوسٌ

کائنٌ لکم پہلی صورت میں لام تعلیل کے لئے ہوگا ای علمناہ لاجلکم اور لیحصنکم اعادۂ جار کے ساتھ بدل ہوگا ای لکم لاحصانکم اور دوسری صورت میں علمنا سے متعلق ہوگا۔

قَوْلَهُ: فی جملة الناس ای مع جملة الناس ، من جملة الناس سے اس شبہ کا جواب ہے کہ لکم کے مخاطب اہل مکہ ہیں حالانکہ اہل مکہ حضرت داؤد کے زمانہ میں موجود بھی نہیں تھے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایسی نعمت ہے کہ جو بعد میں منجملہ دیگر لوگوں کے اہل مکہ کو بھی پہنچی۔

قَوْلَهُ: بحسب ارادته اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ یہاں ریح کی صفت عاصفة لائی گئی ہے جس کے معنی ہیں تیز ہوا اور دوسری آیت میں رُخَاءً کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں نرم ہوا، دونوں میں تنافی اور تضاد معلوم ہوتا ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہوا کی شدت اور رخاءت حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارادہ کے مطابق ہوتی تھی جیسا حکم فرماتے ہوا ویسی ہی چلتی تھی۔

قَوْلَهُ: من ذلك علمهٗ تعالٰی یہ خبر مقدم ہے اور علمه بأنّ مایعطیه الخ مبتداء مؤخر ہے۔

قَوْلَهُ: من یغوصون له ، مَنْ موصولہ اور موصوفہ دونوں ہوسکتا ہے اور الریح پر عطف ہونے کی وجہ سے جملہ ہوکر محلاً منصوب ہوگا ای سخرنا له الریح عاصفةً ومن یغوصون له اور یغوصون کو جمع لانا مَنْ کے معنی کی رعایت کی وجہ سے ہے۔

تفسیر وتشریح

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ ، مِنْ قبلُ سے مراد ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے ہونا مراد ہے، اس آیت میں حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نداء (بددعاء) کا ذکر مجملاً واشارةً آیا ہے، اس کا بیان سورۂ نوح میں صراحتًا اور تفصیلاً آیا ہے، اور وہ یہ ہے رَبِّ لَاتَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکَافِرِیْنَ دَیَّارًا یعنی اے میرے پروردگار روئے زمین پر کافروں میں سے کسی بسنے والے کو نہ چھوڑ، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا اس طرح قبول فرمائی، کہ پوری قوم کو غرق طوفان کر دیا، من الکرب العظیم کرب عظیم سے مراد کیا ہے؟ کرب عظیم سے یا تو وہ عمومی طوفان مراد ہے جس میں پوری قوم غرق ہوئی اور حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو نجات ملی یا کرب عظیم سے وہ یذائیں مراد ہیں جو طوفان سے پہلے ان کی قوم ان کو اور ان کے مومن ساتھیوں کو پہنچاتے تھے، اسی کو اللہ تعالیٰ نے استجبنا لهٗ فنجّینٰهُ واهلهٗ مِنَ الکَرْبِ العظیمِ سے بیان فرمایا ہے۔

وَاذکر داؤد وسلیمان حضرات مفسرین نے یہ قصہ اس طرح بیان کیا ہے کہ ایک شخص کی بکریاں دوسرے شخص کے کھیت میں رات کے وقت جا گھسیں اور اس کی کھیتی کو چر کر صاف کر دیا تو وہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس اپنا مقدمہ لیکر آئے حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام جو کہ پیغمبر ہونے کے ساتھ ساتھ حکمراں بھی تھے، یہ فیصلہ دیا کہ بکریاں کھیت والے کے حوالہ کر دی جائیں کہ اس کے نقصان کی تلافی ہوجائے، غالبًا بکریوں کی قیمت کھیت کے نقصان کے برابر تھی، یہ دونوں مدعی اور مدعیٰ علیہ حضرت

داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عدالت سے واپس ہوئے تو داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات ہوگئی، حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت فرمایا کہ تمہارے مقدمہ کا کیا فیصلہ ہوا؟ ان لوگوں نے فیصلہ سنایا حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اگر میں اس مقدمہ کا فیصلہ کرتا تو کچھ اور ہوتا جو فریقین کے لئے زیادہ نافع اور مفید ہوتا جب حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ بات معلوم ہوئی تو حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے معلوم کیا کہ وہ فیصلہ کیا ہے جو دونوں فریق کے لئے اس فیصلہ سے بہتر ہے؟ تو حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ آپ تمام بکریاں کھیت والے کو دیدیں کہ وہ ان کے دودھ اور اون وغیرہ سے فائدہ اٹھائے اور کھیت بکریوں والے کے حوالہ فرمادیں کہ وہ کھیت میں کاشت کرکے کھیت کی اصلاح کرے اور جب کھیت اپنی سابقہ حالت پر آجائے تو کھیت کھیت والے کو اور بکریاں بکریوں والے کو دلوادیں، حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ فیصلہ پسند آیا اور فرمایا بس اب فیصلہ یہی رہنا چاہئے۔

امام تفسیر مجاہد رَحِمَہُ اللہُ تعَالیٰ کا قول یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام دونوں کے فیصلے اپنی جگہ درست ہیں، حقیقت اس کی یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو فیصلہ فرمایا تھا وہ ضابطہ کا فیصلہ تھا، اور حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو فرمایا وہ درحقیقت مقدمہ کا فیصلہ نہیں تھا بلکہ فریقین میں صلح کرانے کا ایک طریقہ تھا، اور قرآن میں **وَالصُّلْحُ خَیْرٌ** کا ارشاد وارد ہوا ہے، اس لئے یہ دوسری صورت اللہ کے نزدیک پسندیدہ ٹھہری۔ (مظہری)

حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تعَالیٰ عَنْہُ نے اپنے قاضیوں کو ہدایت دے رکھی تھی کہ جب آپ کے پاس دونوں فریقوں کا مقدمہ آئے تو پہلے ان دونوں میں رضامندی کے ساتھ صلح کرانے کی کوشش کریں اگر یہ ناممکن ہوجائے تو اپنا شرعی فیصلہ جاری کریں، اور حکمت اس کی یہ ارشاد فرمائی کہ حاکمانہ عدالتی فیصلے سے وہ شخص جس کے خلاف فیصلہ ہوا ہو دب تو جاتا ہے مگر ان دونوں کے درمیان بغض وعداوت کا بیج قائم ہوجاتا ہے جو دو مسلمانوں میں نہیں ہونا چاہئے، بخلاف مصالحت کی صورت کے کہ اس سے دلوں کی منافرت بھی دور ہوجاتی ہے۔ (ازمعین الحکام بحوالہ معارف القرآن)

فیصلہ کرنے کے بعد قاضی کا فیصلہ بدلا جاسکتا ہے یا نہیں، یا کسی کے جانور دوسرے آدمی کی جان یا مال کو نقصان پہنچادیں تو فیصلہ کیا ہونا چاہئے؟ ان سب مسائل فقہیہ کی تفصیل کیلئے قرطبی یا معارف القرآن کی طرف رجوع کریں۔

وسخّرنا مع داؤد الجبال الآیة حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ پہاڑوں کے تسبیح پڑھنے کا یہ مقصد نہیں کہ جب حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام تسبیح پڑھتے تو اس کی آواز بازگشت پہاڑوں سے سنائی دیتی تھی اس لئے کہ یہ بات تو ہر شخص کے ساتھ ہوسکتی ہے پھر داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کیا خصوصیت رہی؟ حالانکہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس صفت کو قرآن کریم نے بطور خاص ذکر کیا ہے اور بطور معجزہ کے بتایا ہے اور معجزہ کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ پرندوں اور پہاڑوں میں حیات وشعور ہو بلکہ بطور معجزہ ہر غیر ذی شعور میں بھی شعور پیدا ہوسکتا ہے، اس کے علاوہ تحقیق بھی ہے کہ پہاڑوں اور پتھروں میں بھی ان کی حیثیت کے بقدر شعور موجود ہے۔

اِنَّا کُنَّا فَاعِلِیْنَ یعنی یہ تفہیم، ایتائے حکم اور تسخیر ان سب کے کرنے والے ہم ہی تھے اس لئے ان میں کسی کو تعجب یا انکار

کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں۔

وعلمناه صنعة لبوس الآية حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زرہ سازی کی صنعت سکھانے کا سبب یہ ہوا کہ ایک روز حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس سے دو فرشتے انسانی شکل میں گذرے ایک نے دوسرے سے کہا، داؤد کیا ہی خوب شخص تھا اگر بیت المال سے اپنا خرچ نہ لیتا، تو حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ یا الٰہ العالمین تو مجھے کوئی ایسی صنعت سکھادے جس کے ذریعہ میں اپنی روزی کما سکوں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی پسندیدہ لوہے کی صنعت سکھائی اور ان کے لئے لوہے کو موم کے مانند نرم کر دیا وہ بغیر گرم کئے جس طرح چاہتے لوہے کو موڑ لیتے تھے، حلقہ اور کڑی دار زرہ سب سے اول حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی نے بنائی اگر چہ پلیٹ اور تختوں کی شکل میں زرہ کا استعمال پہلے سے بھی تھا۔

وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً جب حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جہادی گھوڑوں کے معائنہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے عصر کی نماز قضا ہو گئی تو ان کو بہت غم و غصہ ہوا اور چونکہ بظاہر گھوڑے قضاء صلوٰۃ کا سبب ہوئے تھے، جس کی وجہ سے آپ کو **الغضب للّٰہ** کے قاعدہ سے گھوڑوں پر غصہ آیا جس کی وجہ سے آپ نے گھوڑوں کو ذبح کر دیا، اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کے بجائے ان سے بھی تیز رفتار چیز یعنی ہوا کو آپ کے حکم کے تابع کر دیا، یعنی جس طرح پہاڑ اور پرندے ان کے والد حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مسخر کر دیئے گئے تھے اسی طرح ہوا کو حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تابع کر دیا گیا تھا حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے اعیان سلطنت سمیت تخت پر بیٹھ کر جہاں چاہتے مہینوں کی مسافت ساعتوں اور لمحوں میں طے کر کے وہاں پہنچ جاتے، ہوا آپ کے تخت کو اڑا کر لے جاتی۔

وَمِنَ الشَّيٰطِينِ الآية یعنی جنات بھی حضرت سلیمان کے تابع تھے جو ان کے حکم سے سمندروں میں غوطے لگاتے اور موتی اور جواہرات نکال لاتے اسی طرح دیگر عمارتی کام بھی انجام دیتے جو آپ چاہتے تھے۔

وَكُنَّا لَهُمْ حَافِظِينَ مفسرین نے اس کے دو مطلب بیان فرمائے ہیں ایک تو وہی ہے جو ترجمہ کے ضمن میں بیان ہوا ہے اور جس کی مفسر علام نے بھی صراحت کی ہے وہ یہ کہ رات آنے سے پہلے اگر وہ کام سے فارغ ہو جاتے تو کیا ہوا کام خراب کر دیتے تھے، اس کے لئے یہ ضروری ہوتا تھا کہ اگر رات آنے سے پہلے وہ مفوضہ کام سے فارغ ہو جائیں تو ان کو دوسرا کام سپرد کر دیا جائے، دوسرا مطلب مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ باوجودیکہ جنات میں سرکشی اور نافرمانی کا عنصر زیادہ ہوتا ہے جس کا مقتضی تھا کہ وہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نافرمانی کریں یا خود حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کو گزند پہنچائیں مگر ہم ہی ان کو قابو میں کئے ہوئے تھے جس کی وجہ سے وہ حکم عدولی و گزند پہنچانے پر قادر نہیں ہوتے تھے۔

وَ اذْكُرْ **اَيُّوْبَ** وَيُبْدَلُ مِنْهُ **اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ** لَمَّا ابْتُلِيَ بِفَقْدِ جَمِيعِ مَالِه وَوَلَدِه وَتَمْزِيقِ جَسَدِه وَهَجْرِ جَمِيعِ النَّاسِ لَهُ اِلَّا زَوْجَتَهُ سِنِيْنَ ثَلاثًا اَوْ سَبْعًا اَوْ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ وَضُيِّقَ عَيْشُهُ **اَنِّيْ** بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ بِتَقْدِيرِ الْبَاءِ **مَسَّنِيَ الضُّرُّ** اَيِ الشِّدَّةُ **وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ** نِدَائَهُ **فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ**

اَوْلَادَه الذُّكُوْرَ وَالْاِنَاثَ بِاَنْ اُحْيُوْاله وَكُلٌّ مِنَ الصِّنْفَيْنِ ثَلَاثٌ او سَبْعٌ **وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ** مِنْ زَوْجَتِهٖ وَزِيْدَ فِي شَبَابِهَا وَكَانَ لَه اَنْدَرُ لِلْقَمْحِ وَاَنْدَرُ للشَّعِيْرِ فَبَعَثَ اللّٰهُ سَحَابَتَيْنِ اَفْرَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلٰى اَنْدَرِ الْقَمْحِ الذَّهَبَ وَالْاُخْرٰى عَلٰى اَنْدَرِ الشَّعِيْرِ الْوَرِقَ حَتّٰى فَاضَ **رَحْمَةً** مَفْعُوْلٌ لَه **مِّنْ عِنْدِنَا** صِفَةٌ **وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ**﴿۸۴﴾ لِيَصْبِرُوا فَيُثَابُوْا **وَ** اذْكُرْ **اِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ**﴿۸۵﴾ عَلٰى طَاعَةِ اللّٰهِ وَعَنْ مَعَاصِيْهِ **وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا** من النُّبُوَّةِ **اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ**﴿۸۶﴾ لَهَا وَسُمِّيَ ذا الكِفْلِ لانه تَكَفَّلَ بِصِيَامِ جَمِيْعِ نَهَارِهٖ وبِقِيَامِ جَمِيْعِ لَيْلِهٖ وَاَنْ يَقْضِيَ بَيْنَ النَّاسِ ولَا يَغْضَبَ فوفّٰى ذٰلك وقِيلَ لم يَكُنْ نَبِيًّا **وَ** اذكر **ذَا النُّوْنِ** صَاحِبَ الحُوْتِ وهو يُوْنُسُ بْنُ مَتّٰى ويُبْدَلُ منه **اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا** لِقَوْمِهٖ اي غَضْبَانَ عَلَيْهِم مِمَّا قَاسٰى مِنْهُم ولم يُؤْذَنْ له في ذٰلك **فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ** اي نَقْضِيَ عليه مَا قَضَيْنَا مِنْ حَبْسِهٖ في بَطْنِ الحُوْتِ او نُضَيِّقَ عليه بذٰلك **فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ** ظُلْمَةِ اللَّيْلِ وظُلْمَةِ البَحْرِ وظُلْمَةِ بَطْنِ الحُوْتِ **اَنْ** اي بان **لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ**﴿۸۷﴾ في ذِهَابِي مِنْ بَيْنِ قَوْمِي بلَا اِذْنٍ **فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ** بتلك الكَلِمٰتِ **وَكَذٰلِكَ** كما اَنْجَيْنَاه **نُـْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ**﴿۸۸﴾ مِنْ كَرْبِهِمْ اذَا اسْتَغَاثُوْا بِنَادَاعِيْنَ **وَ** اذْكُرْ **زَكَرِيَّآ** ويُبْدَلُ منه **اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ** بقَوْلِهٖ **رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا** اي بلَا وَلَدٍ يَرِثُنِي **وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ**﴿۸۹﴾ البَاقِي بَعْدَ فَنَاءِ خَلْقِكَ **فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ** نِدَاءَهٗ **وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى** وَلَدًا **وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ** فَاَتَتْ بالوَلَدِ بَعْدَ عَقْمِهَا **اِنَّهُمْ** اي مَنْ ذُكِرَ مِنَ الاَنْبِيَاءِ **كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ** يُبَادِرُوْنَ **فِي الْخَيْرٰتِ** الطَّاعَاتِ **وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا** في رَحْمَتِنَا **وَّرَهَبًا** مِنْ عَذَابِنَا **وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ**﴿۹۰﴾ مُتَوَاضِعِيْنَ في عِبَادَتِهِمْ **وَ** اذكر مريم **الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا** حَفِظَتْهُ مِنْ اَنْ يُّنَالَ **فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا** اي جِبْرِيْلَ حَيْثُ نَفَخَ فِي جَيْبِ دِرْعِهَا فَحَمَلَتْ بِعِيْسٰى **وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ**﴿۹۱﴾ الاِنْسِ والجِنِّ والمَلَائِكَةِ حَيْثُ وَلَدَتْهُ مِنْ غَيْرِ فَحْلٍ **اِنَّ هٰذِهٖٓ** اي مِلَّةَ الاِسْلَامِ **اُمَّتُكُمْ** دِيْنُكُمْ اَيُّهَا المُخَاطَبُوْنَ اي يَجِبُ اَنْ تَكُوْنُوْا عَلَيْهَا **اُمَّةً وَّاحِدَةً** حَالٌ لَازِمَةٌ **وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ**﴿۹۲﴾ وَحِّدُوْنِ **وَتَقَطَّعُوْٓا** اي بَعْضُ المُخَاطَبِيْنَ **اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ** اي تَفَرَّقُوْا اَمْرَ دِيْنِهِم مُتَخَالِفِيْنَ فيه وهُم طَوَائِفُ اليَهُوْدِ والنَّصَارٰى قال تعالٰى **كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ**﴿۹۳﴾ اي فَنُجَازِيْهِ بِعَمَلِهٖ . ع ۱۸/۶

ترجمہ: اور یاد کر ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حالت کو اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ، اَیُّوْبَ سے بدل ہے، جبکہ ان کو ان کے تمام مال واولاد کو ہلاک کر کے اور ان کے جسم کو پارہ پارہ کر کے اور ان کی بیوی کے علاوہ تمام لوگوں کے ان کو تین سالوں یا سات سالوں یا اٹھارہ سالوں تک چھوڑ دینے اور ان کو تنگ زندگی کے ذریعہ آزمایا گیا اَنِّیْ ہمزہ کے فتحہ اور با کی تقدیر کے ساتھ ہے، یعنی اس

وقت کو یاد کرو جب ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھ کو تکلیف لاحق ہوگئی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں تو ہم نے ان کی دعا قبول کرلی اور ان کو جو تکلیف تھی وہ دور کردی اور ہم نے ان کو ان کے اہل یعنی اولاد ذکور اور اناث عطا کئے اس طریقہ سے کہ وہ زندہ کردیئے گئے دونوں جنسیں (مذکر مؤنث) تین تین تھے یا سات سات اور ان کے ساتھ اتنے ہی اور بھی ان کی بیوی سے اور ان کی بیوی پر شباب لوٹا دیا گیا، اور ان کا ایک کھلیان گندم کا تھا اور ایک جو کا، تو اللہ تعالیٰ نے دو بدلیاں بھیجیں ایک بدلی نے گندم کے کھلیان پر سونا برسایا اور دوسری نے جو کے کھلیان پر چاندی برسائی یہاں تک کہ بہہ پڑے اپنی خصوصی رحمت کی وجہ سے رحمةً آتینٰہ کا مفعول لہ ہے اور مِن عندنا (کائنۃً) سے متعلق ہو کر رحمةً کی صفت ہے اور بندگی کرنے والوں کی نصیحت کے لئے تاکہ صبر کریں پس ان کو ثواب عطا کیا جائے، اور اسماعیل و ادریس و ذوالکفل علیہم السلام کا تذکرہ کیجئے یہ سب صابرین میں سے تھے اللہ کی اطاعت پر اور اس کی معصیت سے باز رہنے پر اور ہم نے ان سب حضرات کو اپنی رحمت یعنی نبوت میں داخل کرلیا تھا اور ان میں اس (نبوت) کی صلاحیت تھی اور ذوالکفل کا ذوالکفل اس وجہ سے نام رکھا گیا کہ انہوں نے دن میں روزہ رکھنے کو اور پوری رات نماز پڑھنے کو اور اس بات کو کہ لوگوں کے درمیان مقدمات کا فیصلہ کریں گے اور غصہ نہ کریں گے لازم کرلیا تھا چنانچہ انہوں نے اس ذمہ داری کو خوب نبھایا، کہا گیا ہے کہ ذوالکفل نبی نہیں تھے اور ذوالنون یعنی مچھلی والے کا تذکرہ کیجئے اور وہ یونس بن متّٰی ہیں اور اِذ ذهبَ مُغَاضِبًا ذا النون سے بدل ہے یعنی اس وقت کو یاد کرو کہ جب مچھلی والا اپنی قوم سے ان کی طرف سے تکلیف اٹھانے کی وجہ سے ناراض ہو کر چل دیا حالانکہ اس کو جانے کی اجازت نہیں دی گئی تھی تو اس نے یہ سمجھا کہ ہم بغیر اجازت چلے جانے پر کچھ دار و گیر نہ کریں گے یعنی مچھلی کے پیٹ میں قید کرنے کا جو فیصلہ ہم نے کرلیا ہے وہ نہ کریں گے، یا اس کی وجہ سے ہم اس پر تنگی نہ کریں گے آخر کار وہ اندھیروں میں پکار اٹھا یعنی رات کی ظلمت اور دریا کی ظلمت اور مچھلی کے پیٹ کی ظلمت سے کہ اے الٰہی تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے بے شک میں ظالموں میں سے ہوگیا بغیر اجازت قوم کے درمیان سے چلے جانے کی وجہ سے تو ہم نے اس کی دعا سن لی اور مذکورہ کلمات دعاء کی بدولت اس کو غم سے نجات دیدی اور جس طرح اس کو بچالیا اسی طرح ہم ایمان والوں کو ان کے کرب سے بچالیا کرتے ہیں جب وہ ہم سے دعا کرتے ہوئے فریاد کرتے ہیں اور زکریا کا تذکرہ کرو اذ نادیٰ ربّہ زکریا سے بدل واقع ہے، جب اس نے اپنے رب کو ربِّ لاتذرنی فردًا کے الفاظ سے پکارا یعنی اے میرے پروردگار تو مجھے تنہا یعنی بلا ولد کے جو میرا وارث ہو نہ چھوڑیئے اور تو سب سے بہتر وارث ہے یعنی تیری تمام مخلوق کے فنا ہونے کے بعد تو ہی باقی رہنے والا ہے تو ہم نے اس کی دعا کو قبول کرلیا اور ہم نے اس کو یحییٰ لڑکا عطا کیا اور ہم نے اس کے لئے اس کی بیوی کو درست کردیا اور بانجھ رہنے کے بعد اس نے بچہ جنا اور بے شک وہ لوگ یعنی وہ انبیاء جن کا ذکر ہوا نیک کاموں یعنی طاعتوں میں جلدی سبقت کرتے تھے اور وہ ہم کو امید و بیم یعنی ہماری رحمت کی امید اور ہمارے عذاب کے خوف کے ساتھ ہم کو پکارتے تھے اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے یعنی اپنی عبادت میں خشوع و خضوع کرنے والے تھے اور بی بی مریم کا بھی تذکرہ کیجئے جس نے اپنی ناموس کی حفاظت کی یعنی اس تک

رسائی دینے سے اس کی حفاظت کی اور ہم نے اس کے اندر اپنی روح پھونک دی یعنی جبرائیل علیہ الصلاۃ والسلام نے اس طریقہ سے کہ اس کے گریبان میں پھونک ماردی چنانچہ بی بی مریم عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے حاملہ ہوگئیں اور ہم نے خود ان کو اور ان کے بیٹے کو عالم والوں یعنی انسانوں اور جنات اور فرشتوں کے لئے نشانی بنادیا اس لئے کہ انہوں نے مرد کے بغیر بچہ جنا بے شک یہ یعنی ملت اسلامیہ اے مخاطبو! تمہاری ایک ہی ملت ہے تمہارے لئے ضروری ہے کہ اسی پر قائم رہو امةً واحدةً حال لازمہ ہے اور میں تم سب کا رب ہوں لہٰذا میری ہی بندگی کرو یعنی میری توحید کے قائل ہو جاؤ مگر بعض مخاطبین نے آپس میں اپنے دین میں فرقہ بندیاں کرلیں یعنی اپنے دینی معاملہ میں اختلاف کرنے کی وجہ سے متفرق ہوگئے اور وہ یہود و نصاریٰ کے گروہ تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا سب کے سب ہماری طرف لوٹنے والے ہیں یعنی ہم ان میں سے ہر ایک کے عمل کا بدلہ دیں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَهُ: واذکر اَيُّوبَ ويُبْدَلُ منه اِذ نادیٰ رَبَّهٗ اِذْ نـادیٰ رَبَّهٗ ایوب یعنی اس کے مضاف محذوف سے بدل ہے ای خَبرَ اَيُّوب سے۔

قِوْلَهُ: لَمّا ابتلی نادیٰ کے متعلق ہے۔

قِوْلَهُ: وضیق عیشه اور ضُيِّقَ مبنی للمفعول پڑھا جائے تو اُبْتُلِیَ پر عطف ہوگا، اور ضِيْقِ مصدر پڑھا جائے تو فقد پر عطف ہوگا اور با کے تحت ہوگا ای اُبتلی بِضِيْقِ عَيْشِهٖ.

قِوْلَهُ: سنین ثلاثًا یہ اُبْتُلِیَ کا ظرف ہے۔

قِوْلَهُ: اَندر بروزن بَندر کھلیان (ج) اَنادِرُ اہل شام کی زبان میں بَيْدَرُ بروزن خيبرُ کہتے ہیں موضع الذی يُدَاسُ فيه الطعام.

قِوْلَهُ: رحْمةً یہ آتیناہ کا مفعول لہ ہے، اور فعل مقدر کا مفعول مطلق بھی ہوسکتا ہے ای رَحِمنَاهُ رحمة (والاول اظهر).

قِوْلَهُ: مِن عندنا رحمةً کی صفت ہے ای رَحْمَةً کائنةً من عندِنا اور ذکریٰ للعابدین میں عابدین کی تخصیص اس لئے ہے کہ اس قسم کے واقعات سے عابدین ہی منتفع ہوتے ہیں۔

قِوْلَهُ: لِيَصْبِرُوْا ای کما صَبَرَ ایوب فاثیبَ.

قِوْلَهُ: وَاَدْخَلْنٰهُمْ کا عطف فعل مقدر پر ہے ای فاَعْطیناهم ثوابَ الصابرینَ واَدْخَلْنٰهُمْ فی رحمتنا.

قِوْلَهُ: وذَا الكِفلِ ان کا نام بشر ابن ایوب علیہ الصلاۃ والسلام ہے اور ذوالکفل ان کا لقب ہے۔

قِوْلَهُ: ذا النون یہ لقب ہے اصل نام یونس بن مَتّٰی بروزن شتّٰی ہے چونکہ یونس علیہ الصلاۃ والسلام چند ایام مچھلی کے پیٹ میں رہے تھے اسی وجہ سے ان کا لقب ذوالنون ہوگیا۔

قَوْلُہٗ: مُغَاضِبًا یہ ذَهَبَ کی ضمیر سے حال اور باب مفاعلہ سے ہے جو اکثر مشارکت کے لئے آتا ہے مگر یہاں مشارکت کے لئے نہیں ہے بلکہ عاقبت اللص کے قبیل سے ہے یعنی وہ قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے مفسر علام نے ای غضبان کا اضافہ اسی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ مشارکت کے لئے ہو یعنی یہ اپنی قوم سے ناراض ہوئے اور قوم ان سے ناراض تھی اس لئے کہ ابتداء امر میں قوم ایمان نہیں لائی تھی۔

قَوْلُہٗ: نقضی علیه الخ کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ لن نقدِرَ علیه، قَدْرٌ سے مشتق ہے نہ کہ قدرة سے قدرٌ کے معنی فیصلہ کرنے یا تنگی کرنے کے ہیں، لہٰذا لن نقدِرَ علیه کے معنی یا تو لن نقضی علیه کے ہوں گے یعنی جو ہم فیصلہ کر چکے ہیں اس کا نفاذ نہ کریں گے، یا معنی یہ ہوں گے کہ ان پر تنگی نہ کریں گے، اور قدرة سے مشتق مانا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ہم اس پر قدرت نہیں رکھتے یہ کفریہ عقیدہ ہے ایک عام مسلمان بھی ایسا عقیدہ نہیں رکھ سکتا چہ جائیکہ نبی۔

قَوْلُہٗ: أن لا الٰه اِلَّا انتَ اس کی دو ترکیبیں ہو سکتی ہیں ① اَنْ مخففہ عن المثقلہ ہو اور اس کا اسم محذوف ہو ای اَنَّهٗ اور اس کے بعد واقع ہونے والا جملہ منفیہ اس کی خبر ہو ② أن تفسیر یہ ہو اس لئے کہ ان تفسیر یہ قول یا قول کے ہم معنی کے بعد واقع ہوتا ہے اور اس سے پہلے نادیٰ واقع ہے جو کہ قول کے ہم معنی ہے لہٰذا اَن کا تفسیر یہ ہونا درست ہے۔

قَوْلُہٗ: يَرِثُنِي ای اِرث نبوةٍ وعلمٍ وحكمةٍ.

قَوْلُہٗ: وَاَنتَ خَيْرُ الْوَارِثِيْنَ یہ مقدر پر معطوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے فارزقنی وَارثا وَانت خير الوارثين.

قَوْلُہٗ: عُقْمٌ ای اِنسداد الرحم عن الولادة بالضمة والفتحة، عقیم بانجھ جس میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت نہ ہو۔

قَوْلُہٗ: انهم کانوا یسارعون فی الخیرات یہ محذوف کی علت ہے ای نالوا ما نالوا لانهم کانوا یسارعون فی الخیرات یعنی ان حضرات کو جو فضائل و مراتب حاصل ہوئے اس کی علت تمام وجوہ خیرات کی طرف سبقت کرنا تھا اصل خیرات میں ثبات و استقرار کے ساتھ ساتھ، یسارعون کا صلہ الٰی کے بجائے فی لانے میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُہٗ: رَغَبًا ورَهَبًا يَدْعُوْنَ کے مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہو سکتے ہیں اور مصدر کے موقع حال میں واقع ہونے کی وجہ سے بھی منصوب ہو سکتے ہیں ای یدعون راغبین وراهبین.

قَوْلُہٗ: اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا یہ موصوف محذوف کی صفت ہے جو کہ فعل محذوف اذکر کا معمول ہے جیسا کہ مفسر علام نے وضاحت کر دی ہے ای اذکر مريَمَ التی الخ.

قَوْلُہٗ: آیة بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آیتین کہنا چاہئے تھا مگر چونکہ والدہ اور ولد دونوں مل کر آیت تھے اس لئے آیة کو واحد لایا گیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک پر قیاس کر کے دوسرے کو حذف کر دیا ہو اصل میں وجعلنٰها آیة وابنها آیة تھا، پہلی آیة کو ثانی پر قیاس کرتے ہوئے حذف کر دیا۔

قَوْلُہٗ: اُمَّتُكُم اگر رفع کے ساتھ ہو تو اِنّ کی خبر ہوگی اور اگر نصب کے ساتھ ہو تو بدل یا عطف بیان۔

قَوْلُہٗ: اُمَّةً واحدةً یہ امتکم سے حال لازمہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اس لئے کہ امت کے اندر خود وحدت اور

جمعیت کے معنی موجود ہیں اور امة واحدة سے بھی یہی سمجھ میں آرہا ہے گویا کہ اُمَّةً واحدةً، امتکم کے لئے معنی کے اعتبار سے لازم ہے۔

قِوْلَهُ: وهم طوائف اليهود والنصارى اس کی تخصیص کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ مسلمانوں میں بھی تہتر فرقے ہوں گے۔

قِوْلَهُ: وَتَقَطَّعُوْا اَمْرَهُمْ تَقَطَّعُوْا قَطَّعُوْا کے معنی میں ہے اور اَمْرَهُمْ اس کا مفعول بہ ہے اور اَمْرَهُمْ کے معنی فی امرهِمْ کے ہیں۔

تفسیر وتشریح

حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ:

حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ میں اسرائیلی روایات بڑی طویل ہیں، ان میں سے جن کو محدثین نے تاریخی درجہ میں قابل اعتماد سمجھا ہے وہ نقل کی جاتی ہیں، قرآن مجید سے تو صرف اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ ان کو کوئی شدید مرض لاحق ہو گیا تھا جس پر وہ صبر کرتے رہے بالآخر اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اس مرض سے نجات ملی اور یہ کہ اس بیماری کے زمانہ میں ان کی اولاد واحباب سب غائب ہوگئے خواہ موت کی وجہ سے یا اور کسی دوسری وجہ سے پھر حق تعالیٰ نے ان کو صحت وعافیت عطا فرمائی اور جتنی اولاد تھی وہ سب ان کو دیدی بلکہ اتنی ہی اور بھی دیدی۔

حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ کے بعض اجزاء تو مستند احادیث میں موجود ہیں، زیادہ تر تاریخی روایات ہیں، خازن نے کہا ہے کہ ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام روم کے باشندہ تھے اور ان کا نسب عیص بن اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملتا ہے ان کی والدہ لوط بن ہاران کی اولاد میں سے تھیں جو کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے برادر زادہ تھے حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حق تعالیٰ نے ابتداء میں ہر قسم کے مال ودولت زمین جائیداد مکانات اور سواریوں نیز اولاد وحشم وخدم سے نوازا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبرانہ آزمائش میں مبتلا کیا جس کی وجہ سے یہ سب چیزیں ختم ہوگئیں اور جسم میں بھی کوئی شدید قسم کی بیماری لگ گئی جس کی وجہ سے زبان اور قلب کے سوا کوئی حصہ صحیح سالم نہیں بچا اس حالت میں بھی زبان وقلب کو اللہ کی یاد میں مشغول رکھتے تھے اور اس کا شکر ادا کرتے رہتے تھے، اس شدید بیماری کی وجہ سے عزیزوں اور دوستوں اور پڑوسیوں نے ان کو الگ کرکے آبادی سے باہر ڈالدیا ان کے پاس ان کی بیوی جن کا نام رحمت بنت افراثیم بن یوسف بن یعقوب تھا کے سوا کوئی نہیں جاتا تھا، بعض حضرات نے حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیوی کا نام لیّا بنت میشا بن یوسف بتایا ہے، وہی ان کی خبر گیری کرتی تھی، حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام آبادی سے دور کوڑے کچرے کی جگہ سات سال اور چند ماہ پڑے رہے، بعض مفسرین نے اٹھارہ سال بیان کئے ہیں کبھی جزع فزع یا حرف شکایت زبان پر نہیں آیا، نیک بیوی نے عرض بھی کیا کہ آپ کی تکلیف بہت بڑھ گئی ہے، اللہ سے دعا کیجئے کہ یہ تکلیف دور ہوجائے تو فرمایا کہ

میں نے ستر سال صحیح تندرست اللہ کی بے شمار نعمت و دولت میں گذارے ہیں کیا اس کے مقابلہ میں سات سال بھی مصیبت کے گذارنے مشکل ہیں، پیغمبرانہ عزم وضبط اور صبر وثبات کا یہ عالم تھا کہ دعا کرنے کی بھی ہمت نہیں کرتے تھے کہ کہیں صبر کے خلاف نہ ہو جائے، بالآخر کوئی سبب پیش آیا کہ جس نے ان کو دعا کرنے پر مجبور کر دیا اور یہ دعا صرف دعا ہی تھی کوئی بے صبری نہیں تھی حق تعالیٰ نے ان کے کمال صبر پر اپنے کلام میں مہر ثبت فرما دی ہے، فرمایا اِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا۔

ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت کیا ہے کہ جب ایوب عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کی دعا قبول ہوئی اور ان کو حکم ہوا کہ زمین پر ایڑھ لگایئے یہاں سے صاف پانی کا چشمہ پھوٹے گا اس سے غسل کیجئے اور اس کا پانی پیجئے تو یہ تمام مرض ختم ہو جائے گا، حضرت ایوب عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے اس کے مطابق کیا تو پورا بدن یکا یک اپنی سابقہ اصلی حالت پر آ گیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جنت کا لباس بھیج دیا وہ زیب تن فرمایا، اور اس کوڑے کچرے سے الگ ہو کر ایک طرف بیٹھ گئے زوجہ محترمہ حسب عادت ان کی خبر گیری کے لئے آئیں تو ان کو اپنی جگہ نہ پا کر رونے لگیں، ایوب عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ جو ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے تھے ان کو نہیں پہچانا اس لئے کہ حالت بدل چکی تھی، انہیں سے پوچھا کہ اے خدا کے بندے کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ بیمار جو یہاں پڑا رہتا تھا کہاں چلا گیا؟ کیا کتوں اور بھیڑیوں نے اسے کھا لیا، یہ سب سنکر حضرت ایوب عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے فرمایا کہ میں ہی ایوب ہوں مگر زوجہ محترمہ نے اب بھی نہیں پہچانا اور کہا اللہ کے بندے کیا آپ مجھ سے تمسخر کرتے ہیں تو ایوب عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے پھر فرمایا غور سے دیکھو میں وہی ایوب ہوں اللہ نے میری دعا قبول فرمائی اور میرا بدن درست فرما دیا، ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کا مال و دولت بھی ان کو واپس دیدیا اور اولاد بھی اور اولاد کی تعداد کے برابر مزید اولاد بھی دیدی۔

(ابن کثیر مع الحذف والاضافه)

ابن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ حضرت ایوب عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے سات لڑکے اور سات لڑکیاں تھیں اس ابتلاء کے زمانہ میں یہ سب فوت ہو گئے تھے جب اللہ تعالیٰ نے ان کو صحت عطا فرما دی ان کو بھی دوبارہ زندہ کر دیا اور ان کی اہلیہ سے اتنی ہی اور اولاد پیدا ہو گئی جس کو قرآن کریم نے ومثلھم معھم فرمایا ہے، ثعلبی نے کہا ہے یہ قول ظاہر آیت قرآن کے ساتھ اقرب ہے۔

(قرطبی)

وَاذْکُرْ اسْمٰعِیْلَ وَاِدْرِیْسَ حق سبحانہ وتعالیٰ نے صبر ایوب کا تذکرہ فرمایا اس کے ساتھ ان حضرات کے صبر کا بھی تذکرہ فرمایا حضرت اسماعیل عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کا خود کو ذبح کے لئے بخوشی پیش کر دینا ایک عظیم ابتلاء و آزمائش تھی جس میں آپ کامیاب رہے حضرت اسماعیل عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ ایک سو تیس سال بقید حیات رہے جس وقت حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کا انتقال ہوا اس وقت اسماعیل عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کی عمر ۸۳ سال تھی اور حضرت اسماعیل عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے برادر خورد اسحٰق عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ آپ سے چودہ سال چھوٹے تھے اور ۱۸۰ سال کی عمر پائی۔ (جمل)

اور حضرت ادریس عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ حضرت نوح عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے جد امجد ہیں حضرت آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے انتقال سے سو سال قبل پیدا ہوئے تھے، یعنی حضرت آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے انتقال کے وقت حضرت ادریس کی عمر سو سال تھی آدم کی وفات کے ۲۰۰ سال بعد

مبعوث ہوئے اور بعثت کے بعد ایک سو پچاس سال زندہ رہے اس طرح آپ نے ۴۵۰ سال عمر پائی حضرت نوح اور حضرت ادریس کے درمیان ایک ہزار سال کا زمانہ ہے۔ (جمل)

ذا الکفل یہ لقب ہے اصل نام بشر ہے کہا گیا ہے کہ یہ حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحبزادے ہیں، چونکہ انہوں نے دن میں روزہ رکھنا اور رات کو قیام کرنا اور کسی پر غصہ نہ کرنے کو اپنے ذمہ لازم کر لیا تھا اسی مناسبت سے ان کا لقب ذوالکفل ہوگیا، کہا گیا ہے کہ ذوالکفل نبی نہیں تھے بلکہ عبد صالح تھے، مگر صحیح بات یہ ہے کہ نبی تھے اور قرآن کے اسلوب سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے اس لئے کہ قرآن کریم نے انبیاء کو شمار کراتے ہوئے درمیان میں ان کا ذکر بھی کیا ہے اس کے علاوہ اس سورت کا نام ہی سورۃ الانبیاء ہے، مگر بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی نہیں تھے بلکہ مرد صالح تھے امام تفسیر ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ مجاہد رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ سے نقل کیا ہے کہ حضرت یسع کا نبی ہونا قرآن کریم سے ثابت ہے حضرت یسع جب بوڑھے اور ضعیف ہوگئے تو چاہا کہ کسی کو اپنا خلیفہ بنا دیں جو دینی امور میں ان کی نیابت کا کام انجام دے۔

اس مقصد کے لئے حضرت یسع نے اپنے تمام اصحاب کو جمع کیا کہ اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہوں مگر اس کے لئے تین شرطیں ہیں جو شخص ان شرائط کا جامع ہوگا اس کو خلیفہ بناؤں گا، وہ تین شرطیں یہ ہیں وہ ہمیشہ روزہ رکھتا ہو رات کو عبادت کے لئے بیدار رہتا ہو اور کبھی غصہ نہ کرتا ہو، مجمع میں سے ایک ایسا غیر معروف شخص کھڑا ہوا جس کو لوگ حقیر سمجھتے تھے اور کہا کہ میں اس کام کے لئے حاضر ہوں حضرت یسع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت کیا کہ کیا تم یہ تینوں کام کرتے ہو جواب دیا میں ان تینوں کاموں کا عامل ہوں، غالباً حضرت یسع علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کی بات کا یقین نہ آیا پھر دوسرے روز اسی طرح مجمع سے خطاب فرمایا مگر سب حاضرین خاموش رہے اور وہی شخص پھر کھڑا ہوگیا تو مجبوراً حضرت یسع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو اپنا خلیفہ نامزد کر دیا، جب شیطان نے دیکھا کہ ذوالکفل اس میں کامیاب ہوگئے تو اپنے اعوان شیٰطین سے کہا کہ جاؤ کسی طرح اس شخص پر اثر ڈالو کہ یہ کوئی ایسا کام کر بیٹھے کہ جس کی وجہ سے اس کا یہ منصب سلب ہو جائے، اعوان شیطان نے عذر کر دیا کہ وہ ہمارے قابو میں آنے والا نہیں ہے، شیطان نے کہا اچھا تم اس کو میرے اوپر چھوڑ دو اس سے میں خود نمٹ لوں گا، ذوالکفل اپنی عادت کے مطابق دن کو روزہ رکھتے اور رات بھر بندگی خدا میں جاگتے رہتے تھے صرف دوپہر کو تھوڑی دیر آرام کرتے تھے، ایک روز شیطان دوپہر کو ان کے قیلولہ کے وقت آیا اور دروازہ پر دستک دی یہ بیدار ہوگئے اور فرمایا کون ہے؟ شیطان نے کہا میں ایک بوڑھا مظلوم ہوں ذوالکفل نے دروازہ کھول دیا شیطان نے اندر پہنچ کر ایک طویل داستان بیان کرنی شروع کر دی اور ایک شخص کے ساتھ اپنے نزاع کا تفصیل سے ذکر کیا، یہاں تک کہ آرام کا وقت ختم ہوگیا، حضرت ذوالکفل نے فرمایا جب میں کچہری میں بیٹھوں تو میرے پاس آنا میں تمہارا حق دلوا دوں گا، جب ذوالکفل باہر تشریف لائے تو عدالت میں اس کا انتظار کرتے رہے مگر اس کو نہیں پایا، جب دوپہر کو قیلولہ کے لئے گھر تشریف لے گئے اور آرام کے لئے ابھی لیٹے ہی تھے کہ یہ شخص آیا اور دروازہ کھٹکھٹانا شروع کیا، معلوم کیا کون ہے؟ جواب دیا ایک مظلوم بوڑھا شخص ہے انہوں نے پھر دروازہ کھولدیا اور فرمایا کہ کیا میں نے کل تم سے نہیں کہا تھا کہ کچہری میں آنا، بوڑھے نے جواب دیا حضرت میرے مخالف بڑے خبیث لوگ ہیں جب انہوں نے دیکھا کہ آپ فیصلہ کے لئے اپنی مجلس میں بیٹھے ہیں اور میں حاضر

ہوں تو آپ ان کو میرا حق دینے پر مجبور کردیں گے، تو اس وقت ان لوگوں نے اقرار کرلیا کہ ہم تیرا حق دیتے ہیں پھر جب آپ مجلس سے اٹھ گئے تو انکار کردیا، حضرت ذوالکفل نے پھر اس سے یہی فرمایا کہ اب جاؤ اور جب میں مجلس عدالت میں بیٹھوں تو آنا آج بھی دوپہر کا سارا وقت ختم ہوگیا اور آرام کا موقع نہ ملا جب باہر مجلس عدالت میں تشریف لے گئے تو اس بوڑھے کا انتظار کرتے رہے مگر بوڑھا شخص نہ آیا، اس طرح دوپہر کو آرام کئے بغیر دو روز گذر گئے جب تیسرا روز ہوا تو نیند کا بہت زیادہ غلبہ تھا اپنے اہل خانہ سے کہہ دیا کہ آج کسی کو اندر نہ آنے دینا، یہ بوڑھا پھر تیسرے روز اسی طرح آیا اور دروازہ پر دستک دینا چاہا تو لوگوں نے منع کردیا تو ایک روشندان کے ذریعہ اندر داخل ہوگیا اور اندر پہنچ کر دروازہ بجانا شروع کردیا، تیسرے روز بھی ذوالکفل کی نیند خراب ہوگئی اور دیکھا کہ ایک شخص گھر کے اندر ہے اور دروازہ بدستور بند ہے، اس سے معلوم کیا تو کس طرح اندر آ گیا اس وقت ذوالکفل نے پہچان لیا کہ یہ شیطان ہے اور فرمایا کیا تو خدا کا دشمن ابلیس ہے؟ اس نے اقرار کرلیا اور کہنے لگا کہ تو نے مجھے ہر تدبیر میں ناکام کردیا کبھی میرے جال میں نہیں آیا، اب میں نے یہ کوشش کی کہ کسی طرح تجھے غصہ دلا دوں تاکہ تو اپنے اقرار میں جھوٹا ہو جائے جو یسع نبی کے ساتھ کیا ہے اس لئے میں نے یہ سب حرکتیں کیں، اسی واقعہ کی وجہ سے ان کو ذوالکفل کا خطاب دیا گیا کیونکہ ذوالکفل کے معنی ہیں ایسا شخص جو اپنے عہد اور ذمہ داری کو پورا کرے۔ (ابن کثیر بحوالہ معارف القرآن)

وَاذکر ذا النون ذوالنون اور صاحب الحوت یہ دونوں حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام کے لقب ہیں اس کے معنی ہیں مچھلی والا، حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام کو چونکہ چند روز مچھلی کے پیٹ میں رہنا پڑا تھا اس لئے ان کا لقب ذوالنون یا صاحب الحوت پڑ گیا، اصل نام یونس ہے اور والد صاحب کا نام متّٰی بروزن شتّٰی ہے بعض حضرات نے متّٰی ان کی والدہ کا نام بتایا ہے، جیسا کہ ابن کثیر نے فرمایا ہے اس صورت میں ان کی نسبت ماں کی طرف ہوگی جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی نسبت ان کی والدہ مریم کی طرف ہے۔

حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام کو موصل کی ایک بستی نینوا کی طرف لوگوں کو ہدایت کے لئے بھیجا گیا تھا، حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی قوم کو ایمان اور عمل صالح کی دعوت دی مگر قوم تمرد اور سرکشی پر اتر آئی اور ایمان لانے سے صاف انکار کردیا حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام اپنی قوم سے ناراض ہوکر اور تین دن کے اندر اندر عذاب آنے کی دھمکی دیکر بستی سے نکل گئے اب قوم کو فکر ہوئی کہ اب عذاب آہی جائے گا، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب کے بعض آثار نمایاں بھی ہوگئے تھے، تو قوم نے اپنے شرک و کفر سے توبہ کی اور تمام مرد اور عورت جانور اور بچے توبہ و استغفار کے لئے جنگل میں نکل گئے اور حق تعالیٰ کے حضور خوب گریہ وزاری کی اور عذاب سے پناہ بھی طلب کی اللہ تعالیٰ نے ان کی الحاح وزاری کو دیکھ کر ان کی توبہ کو قبول کرلیا اور عذاب بھی ٹال دیا۔

جب حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام کو معلوم ہوا کہ قوم صحیح سلامت ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب ٹال دیا ہے تو ان کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ میں تین روز کے اندر اندر عذاب کی دھمکی دے کر آیا ہوں اور عذاب آیا نہیں ہے لہٰذا لوگ مجھے جھوٹا خیال کریں گے جس کی وجہ سے اب میری دعوت ان پر اثر نہ کرے گی بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قوم میں جھوٹے کی سزا قتل

تھی لہٰذا حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اندیشہ ہوا کہ قوم مجھے قتل کر دے گی اسی اندیشہ کے پیش نظر حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم میں واپس جانے کے بجائے دوسری جگہ ہجرت کرنے کا ارادہ کرلیا راستہ میں ایک دریا پڑتا تھا دریا عبور کرنے کے لئے کشتی میں سوار ہوگئے اتفاق سے کشتی گرداب میں پھنس گئی، ملاحوں نے اپنے تجربہ کی بنیاد پر کہا کہ کشتی میں کوئی ایسا شخص ہے جو اپنے مولیٰ سے فرار ہوکر آیا ہے، ملاحوں نے مفرور شخص کو متعین کرنے کے لئے قرعہ اندازی کی بار بار قرعہ اندازی کرنے کے باوجود قرعہ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام ہی نکلا ملاحوں نے مجبور ہوکر حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دریا میں ڈال دیا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک مچھلی کو حکم دیا کہ یونس کو فوراً اپنے پیٹ میں رکھ لے اور فرمایا کہ وہ اس کی غذا نہیں ہے، بلکہ چند روز کے لئے قید خانہ ہے حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام باختلاف روایات تین دن، سات دن، بیس دن، چالیس دن مچھلی کے پیٹ میں رہے، اسکے بعد مچھلی کو حکم ہوا کہ دریا کے کنارے پر ڈالدے، چنانچہ مچھلی نے کنارے پر ڈالدیا ادھر اللہ تعالیٰ نے ان کی غذا کا یہ انتظام کیا کہ ایک پہاڑی بکری کو حکم دیا کہ دونوں وقت ان کو دودھ پلا دیا کرے چنانچہ بکری حکم کے مطابق دونوں وقت دودھ پلاتی رہی یہاں تک کہ آپ تندرست ہوگئے۔ (ملخصًا من الحلال فی سورة الصافات بحواله جمل)

وکذلك ننجی المؤمنین یعنی جس طرح یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو غم اور مصیبت سے نجات دی، اسی طرح ہم سب مومنین کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرتے ہیں جبکہ وہ صدق واخلاص کے ساتھ ہماری طرف متوجہ ہوں، ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ذوالنون کی وہ دعا جو انہوں نے بطن ماہی میں کی تھی یعنی لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْـتَ سُبْحَـانَكَ اِنِّـی کُنْتُ مِنَ الظّٰلمین جو مسلمان اپنے کسی مقصد کے لئے ان کلمات کے ساتھ دعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائیں گے۔

(رواه احمد والترمذی والحاکم، مظهری)

وَاذکر زکریا حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بڑھاپے میں اولاد کے لئے دعا کرنا اور اللہ کی طرف سے اس کا عطا کیا جانا، اس کی ضروری تفصیل سورۂ طٰہٰ میں گذر چکی ہے، یہاں بھی اس کی طرف اشارہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے، حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیوی بانجھ تھیں ہم نے اس کے اس نقص کا ازالہ کرکے اسے ایک نیک بچہ عطا فرمایا، اور اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ قبولیت دعا کے لئے ضروری ہے کہ ان باتوں کا اہتمام کیا جائے جن کا بطور خاص یہاں ذکر کیا گیا ہے مثلاً الحاح وزاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ومناجات، نیکی کے کاموں میں سبقت، امید وبیم کے ملے جلے جذبات کے ساتھ رب کو پکارنا اور اس کے سامنے عاجزی اور خشوع کا اظہار۔

یہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا تذکرہ ہے جو پہلے گذر چکا ہے:

اُمَّةٌ سے یہاں دین یا ملت مراد ہے یعنی تمہارا دین یا ملت ایک ہی ہے اور وہ دین دین توحید ہے جس کی دعوت تمام انبیاء نے دی ہے اور ملت ملت اسلام ہے جو تمام انبیاء کی ملت رہی ہے۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ اى جُحُوْدَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾ بِاَنْ نَاْمُرَ الحَفَظَةَ بِكَتبِهٖ فَنُجَازِيهِ عليه وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اُرِيدَ اَهلُهَا اَنَّهُمْ لَا زَائِدَة يَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾ اى مُمْتَنِعٌ رُجُوْعُهم الى الدُّنيا حَتّٰى غَايَةٌ لِاِمتِنَاعِ رُجُوْعِهِم اِذَا فُتِحَتْ بِالتَّخفِيفِ والتَّشدِيدِ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ بِالهَمزَةِ وتَركِهٖ اِسمَانِ اَعْجَمِيَّانِ لِقَبِيلَتَينِ ويُقَدَّرُ قَبلَهٗ مُضَافٌ اى سَدُّهما وذٰلك قُرْبَ القِيٰمَةِ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ مُرْتَفِعٍ مِنَ الاَرضِ يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾ يُسرِعُونَ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ فِي ذٰلك اليَوم لِشِدَّتِهٖ يَقُوْلُوْنَ يَا لِلتَّنبِيهِ وَيْلَنَا هَلَاكُنَا قَدْ كُنَّا فى الدُّنيا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا اليَومِ بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۹۷﴾ اَنفُسَنَا بِتَكْذِيبِنَا الرُّسُلَ اِنَّكُمْ يا اَهلَ مَكَّةَ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اى غَيرِهٖ مِن الاوثان حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ وَقُودُهَا اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾ دَاخِلُونَ فِيهَا لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَاۗءِ الاَوثَانُ اٰلِهَةً كَمَا زَعَمتُم مَّا وَرَدُوْهَا ۭ دَخَلُوهَا وَكُلٌّ مِنَ العَابِدِينَ والمَعبُودِينَ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾ لَهُمْ لِلعَابِدِينَ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ شَيئًا لِشِدَّةِ غَلَيَانِهَا ونَزَلَ لَمَّا قَالَ ابنُ الزِّبَعْرٰى عُبِدَ عُزَيْرٌ والمَسِيحُ والمَلَائِكَةُ فهم في النَّارِ عَلٰى مُقتَضٰى مَا تَقَدَّمَ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا المَنزِلَةُ الْحُسْنٰٓى ۙ ومِنهُم مَن ذُكِرَ اُولٰۗىِٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ صَوتَهَا وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ مِن النَّعِيمِ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وهو اَنْ يُؤمَرَ بِالعَبدِ اِلَى النَّارِ وَتَتَلَقّٰىهُمُ تَستَقبِلُهم الْمَلٰۗىِٕكَةُ ۭ عِندَ خُرُوجِهِم مِنَ القُبُورِ يَقُولُونَ لَهُم هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ فى الدُّنيا يَوْمَ مَنصُوبٌ بِاذكُرْ مُقَدَّرًا قَبلَهٗ نَطْوِي السَّمَاۗءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ اِسمُ مَلَكٍ لِلْكُتُبِ صَحِيفَةِ ابنِ اٰدَمَ عِندَ مَوتِهٖ وَاللَّامُ زَائِدَةٌ او السِّجِلُّ الصَّحِيفَةُ والكِتَابُ بمعنى المكتوب به واللامُ بمعنى على وفِي قِرَاءَةٍ لِلْكُتُبِ جَمعًا كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ عَن عَدَمٍ نُّعِيْدُهٗ ۭ بَعدَ اِعدَامِهٖ فَالكَافُ مُتَعَلِّقَةٌ بِنُعِيدُ وضَمِيرُه عَائِدٌ الى اَوَّل وما مَصدَرِيَّةٌ وَعْدًا عَلَيْنَا ۭ منصُوبٌ بِوَعَدْنَا مُقَدَّرًا قَبلَهٗ وهو مُؤَكِّدٌ لِمَضْمُونِ مَا قَبلَهٗ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ مَا وَعَدنَا وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ بمعنى الكِتَاب اى كُتُبِ اللّٰهِ المُنَزَّلَةِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ بمعنى اُمّ الكِتٰبِ الذى عِندَ اللّٰهِ اَنَّ الْاَرْضَ اَرضَ الجَنَّةِ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ عَامٌّ فِي كُلِّ صَالِحٍ اِنَّ فِيْ هٰذَا القُراٰنِ لَبَلٰغًا كِفَايَةً فى دُخُولِ الجَنَّةِ لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ عَامِلِينَ به وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ يا مُحَمَّدُ اِلَّا رَحْمَةً اى لِلرَّحمَة لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ الاِنسِ والجِنِّ بك قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ اى مَا يُوحٰى اِلَيَّ فِي اَمرِ الاِلٰهِ الا وَحدَانِيَّتُهٗ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ مُنقَادُونَ لما يوحى اليَّ من وَحدَانِيَّتِه الاِستِفهَامُ بمعنى الاَمر فَاِنْ تَوَلَّوْا عَن ذٰلك فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ اَعلَمتُكم بالحَربِ عَلٰي سَوَاۗءٍ حَالٌ مِنَ الفَاعِلِ والمَفعُولِ اى مُستَوِينَ فِي عِلمِهٖ لَا اَستَبِدُّ به دُونَكُم لِتَتَاَهَّبُوا وَاِنْ مَا اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ مِنَ

الْعَذَابِ او الْقِيٰمَةِ الْمُشْتَمِلَةِ عليه وَاِنَّما يَعْلَمُهُ اللّٰهُ **اِنَّهُ** تَعَالٰى **يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ** والفِعْلِ مِنْكُمْ ومن غَيْرِكم **وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ**⑪ اَنْتُمْ وَغَيْرُكم مِنَ السِّرِّ **وَاِنْ** ما **اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ** اى ما اَعْلَمْتُكُمْ به ولم يُعْلَمْ وَقْتُهٗ **فِتْنَةٌ** اِخْتِبَارٌ **لَّكُمْ** لِيُرٰى كَيْفَ صُنْعُكم **وَمَتَاعٌ** تَمْتِيْعٌ **اِلٰى حِيْنٍ**⑪ اى اِنْقِضَاءِ اٰجالِكم وهٰذا مُقَابِلٌ لِلْاَوَّلِ الْمُتَرَجّٰى بِلَعَلَّ وَلَيْسَ الثَّانى مَحَلًّا للترجّى **قٰلَ** وفِىْ قِرَاءَةٍ قال **رَبِّ احْكُمْ** بَيْنِىْ وبَيْنَ مُكَذِّبِىْ **بِالْحَقِّ** بالعَذَابِ لهم او النصرِ عليهم فعُذِّبُوْا بِبَدْرٍ وأُحُدٍ والاَحْزَابِ وحُنَيْنٍ والخَنْدَقِ ونُصِرَ عليهم **وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ**⑪ من كِذْبِكُمْ على اللهِ فِى قَوْلِكُمْ اتَّخَذَ وَلَدًا وَعَلَىَّ فِى قَوْلِكُمْ سَاحِرٌ وعلى القُرْاٰنِ فِى قَوْلِكُمْ شِعْرٌ.

ترجمہ: تو جو شخص نیک عمل کرے اور وہ مومن بھی ہو تو اس کی کوشش کی ناقدری نہیں کی جائے گی یعنی انکار نہیں کیا جائے گا اور ہم اس کی سعی کو لکھ لیتے ہیں یعنی ہم فرشتوں کو اس کے لکھنے کا حکم دیتے ہیں سو ہم اس کو اس کی سعی کا بدلہ دیں گے اور حرام ہے اس بستی پر یعنی بستی والوں پر جن کو ہم نے ہلاک کر دیا ہے یہ کہ وہ لوٹ کر آئیں یعنی ان کا دنیا کی طرف لوٹ کر آنا ممتنع ہے اور لا یرجعون میں لا زائدہ ہے، یہاں تک کہ یہ امتناع رجوع کی غایت ہے کھول دیئے جائیں یاجوج اور ماجوج فُتِّحَتْ تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے، یأجوج مأجوج ہمزہ کے ساتھ اور ترک ہمزہ کے ساتھ دو قبیلوں کے دو عجمی نام ہیں اور ان سے قبل مضاف محذوف ہے ای سَدُّھُما اور یہ قرب قیامت میں ہوگا اور وہ ہر بلندی یعنی ٹیلے سے تیزی کے ساتھ دوڑتے ہوئے آئیں گے اور سچا وعدہ یعنی قیامت کا دن قریب آ لگا ہوگا شان یہ ہے کہ اس وقت کافروں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی اور سخت دن میں کہیں گے ہائے افسوس (ہماری ہلاکت) ہم تو دنیا میں اس دن سے غفلت میں تھے بلکہ رسولوں کی تکذیب کر کے ہم ظالم تھے اے اہل مکہ تم اور خدا کے علاوہ بت وغیرہ جن کی تم بندگی کرتے ہو جہنم کا ایندھن بنو گے اور تم سب اس (جہنم) میں وارد داخل ہو گے اگر یہ بت (حقیقی) معبود ہوتے جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے تو اس میں داخل نہ ہوتے اور عابدین و معبودین سب جہنم میں ہمیشہ رہیں گے اور ان عابدین کے لئے جہنم میں چیخ پکار ہوگی اور وہ جہنم میں اس کے شدت جوش کی وجہ سے کچھ نہ سن سکیں گے، اور نازل ہوئی (آئندہ) آیت جب کہ ابن زِبعریٰ نے کہا تھا کہ عزیر اور مسیح اور ملائکہ علیہم السلام کی (بھی) بندگی کی گئی ہے لہٰذا ماسبق کے بیان کے مطابق وہ بھی جہنم میں ہوں گے البتہ وہ لوگ جن کے لئے ہماری طرف سے درجات عالیہ مقدر ہو چکے ہیں اور انہیں میں سے وہ لوگ بھی ہیں جن کا ذکر کیا گیا وہ لوگ جہنم سے دور رکھے جائیں گے وہ تو جہنم کی آہٹ (آواز) تک نہ سنیں گے اور وہ ہمیشہ اپنی من پسند نعمتوں میں ہوں گے اور ان کو بڑی گھبراہٹ بھی غم زدہ نہ کر سکے گی اور وہ اس وقت ہوگی جب بندہ کو جہنم میں لے جانے کا حکم ہوگا، اور فرشتے ان سے ملاقات کریں گے یعنی قبروں سے نکلتے وقت ان کا استقبال کریں گے اور ان سے کہیں گے یہی ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے دنیا میں وعدہ کیا جاتا تھا یَوْمَ سے پہلے اذکر

مقدر کی وجہ سے یَوْمَ منصوب ہے، اور وہ دن بھی یاد کرنے کے قابل ہے کہ جس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح سجل نامی فرشتہ انسان کے مرنے کے بعد اس کے اعمال نامہ کو لپیٹ دیتا ہے لِلْکِتَاب میں لام زائدہ ہے یا سجل سے مراد صحیفہ ہے اور کتاب مکتوب بہ کے معنی میں ہے اور لام بمعنی علیٰ ہے یعنی جس طرح کاغذ کو مکتوب جانب سے لپیٹ دیا جاتا ہے اور ایک قراءت اَلْکُتُبِ ہے جمع کے ساتھ، جیسے ہم اول دفعہ عدم سے وجود میں لائے اس کو معدوم کرنے کے بعد اس کا اعادہ کریں گے کاف نُعِیْدُ سے متعلق ہے اور اس کی ضمیر اول کی طرف راجع ہے اور ما مصدریہ ہے (یہ) ہمارے ذمہ وعدہ ہے، ہم اپنے وعدہ کو ضرور (پورا) کریں گے وَعْدًا اپنے ماقبل وعدنا محذوف کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ اپنے ماقبل کے مضمون کی تاکید کرنے والا ہے، اور ہم زبور یعنی (مطلق) آسمانی کتابوں میں ذکر یعنی لوح محفوظ میں لکھنے کے بعد جو کہ اللہ کے پاس ہے لکھ چکے ہیں کہ اس سرزمین جنت کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے اور یہ خوشخبری ہر نیک بندے کے بارے میں ہے بلاشبہ اس قرآن میں جنت میں داخل ہونے کے لئے کافی نصیحت ہے عابدین یعنی اس پر عمل کرنے والوں کے لئے اور اے محمد ﷺ! ہم نے آپ کو تمام جہان والوں یعنی جن اور انس کے لئے رحمت بنا کر یعنی رحمت کے لئے بھیجا ہے آپ کہہ دیجئے میرے پاس تو یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے یعنی الوھیة کے معاملہ میں میرے پاس تو وحدانیت الٰہ کی وحی بھیجی جاتی ہے سو کیا تم سر تسلیم خم کرنے والے یعنی اس کی وحدانیت کی وحی جو میری طرف کی جاتی ہے کیا تم اس کے تابع فرمان ہو؟ استفہام بمعنی امر ہے پھر بھی اگر یہ لوگ اس سے سرتابی کریں تو آپ فرما دیجئے کہ میں تم کو واضح طور پر عذاب سے خبردار کر چکا ہوں علیٰ سواءٍ فاعل اور مفعول دونوں سے حال ہے یعنی اس کے علم کے بارے میں دونوں برابر ہیں نہ یہ کہ تنہا میں ہی واقف ہوں تم نہیں تا کہ تم تیاری کرو اور میں یہ نہیں جانتا کہ جس عذاب یا قیامت کا جو عذاب پر مشتمل ہوگی تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ قریب ہی آ لگی ہے یا ابھی دور ہے اس بات کو تو اللہ ہی جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو تمہارے اور دوسروں کے ظاہر اور قول وفعل سے واقف ہے اور ان رازوں سے بھی واقف ہے جن کو تم اور دیگر لوگ چھپاتے ہو اور مجھے اس بات کا بھی علم نہیں یعنی جس بات کی میں نے تم کو خبر دی اور اس کا وقت نہیں بتایا گیا ممکن ہے کہ تمہارے لئے آزمائش ہو تا کہ وہ دیکھے کہ تمہارے اعمال کیسے ہیں اور ایک محدود یعنی موت تک فائدہ پہنچانا ہو اور یہ (یعنی متاع الی حین) اول یعنی جس کی لَعَلَّ سے ترجی کی گئی ہے (اور وہ لعله فتنة) کے بالمقابل ہے اور ثانی ترجی کا محل نہیں ہے، قُلْ اور ایک قراءت میں قال ہے کہئے اے میرے پروردگار میرے اور میری تکذیب کرنے والوں کے درمیان حق یعنی ان کے عذاب کا یا ان پر غلبہ کا فیصلہ کر دے چنانچہ بدر اور احد اور احزاب اور حنین وخندق میں عذاب میں مبتلا کئے گئے اور ان پر غلبہ عطا کیا گیا اور ہمارا رب بڑا مہربان ہے جس سے مدد طلب کی جاتی ہے ان باتوں کے مقابلہ میں جن کو تم بنایا کرتے ہو اور وہ اللہ پر تمہارا بہتان ہے تمہارے قول اتخذ ولدًا میں، اور مجھ پر (بہتان) ہے تمہارے قول سَاحِرٌ میں، اور قرآن پر بہتان ہے تمہارے قول شِعْرٌ میں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلَہٗ: فمن یعمل مِن الصّٰلحٰت مِن زائدہ یا تبعیضیہ ہوسکتا ہے کُفْرَانَ مصدر ہے بمعنی کُفْرٌ.

قَوْلَہٗ: لَہٗ ای للسعی ۃٗ کا مرجع سعی ہے اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ لَہٗ کی ضمیر مَنْ کی طرف راجع ہے۔

قَوْلَہٗ: حرام خبر مقدم ہے اور انھم لایرجعون مبتداء مؤخر ہے، مطلب یہ ہے کہ جس بستی والوں کو ہم نے ہلاک کردیا ہے ان کے لئے دوبارہ دنیا میں لوٹ کر آنا ممتنع ہے اور بعض حضرات نے یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ ان کا ایمان کی طرف رجوع کرنا ممتنع ہے اس لئے کہ ان کے لئے شقاوت کا فیصلہ ہو چکا ہے لا زائدہ ہے اور اگر حرام بمعنی واجبٌ لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ان کا دنیا میں نہ لوٹنا واجب ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ معنی آیت کے یہ ہیں ہماری طرف جزاء کے لئے عدم رجوع ممتنع ہے۔

قَوْلَہٗ: حَتّٰی یہ عدم رجوع یعنی لا یرجعون کی غایت یعنی قیامت تک ان کا رجوع ممتنع رہے گا اور حَتّٰی ابتدائیہ بھی ہوسکتا ہے اس صورت میں جملہ مستانفہ ہوگا فاذا ھِیَ، اِذا، فُتِحَتْ کی جزاء ہے، فتحت میں اسناد مجازی ہے اس لئے کہ حقیقۃً مفتوح سد یاجوج ماجوج ہے نہ کہ یاجوج ماجوج۔

قَوْلَہٗ: یاجوج وماجوج یہ الگ الگ دو گروہ ہیں یہ دونوں عجمی لفظ ہیں بقول ضحاک ترکوں کی نسل سے ہیں تمام اہل تاریخ نے ان کو یافث بن نوح کی نسل سے مانا ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ تاتاری ترک ہیں تورات کتاب پیدائش باب ۱۰:۲ میں یافث کے ایک بیٹے کا نام ماغوغ آیا ہے عبری زبان میں غین کا تلفظ گاف سے کرتے ہیں اس لئے ماغوغ کا ماگوگ ہوگیا اور عربی میں گاف کو جیم سے بدل لیتے ہیں لہٰذا ماگوگ کا ماجوج ہوگیا۔ (لغات القرآن)

یاجوج و ماجوج کے کھولنے سے مراد سد سکندری کا کھولنا ہے۔

قَوْلَہٗ: حَدَبٌ بمعنی ٹیلہ جمع احداب.

قَوْلَہٗ: واقترب الوعد اس کا عطف فتحت پر ہے یا وَیْلَنَا سے پہلے یقولون محذوف مان کر اشارہ کردیا ہے حصب ما یُحْصَبُ بہٖ ای یرمٰی بہٖ ایندھن۔

قَوْلَہٗ: انتم لھا واردون جملہ مستانفہ بھی ہوسکتا ہے اور حصب جہنم سے بدل بھی۔

قَوْلَہٗ: فی الزبور، فی الزبور میں الف لام جنس کا ہے ای کتب اللہ لکھ کر اسی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ زبور سے مراد مطلقاً آسمانی کتاب ہے نہ کہ وہ کتاب جو حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی تھی زبور کی جمع زُبُر، للکتب یہ یا السجل سے حال ہے ای السجل کائناً للکتب یا صفت ہے ای السجل الکائن للکتب.

قَوْلُہٗ: کما بدأنا تقدیر کلام یہ ہے کہ کما بدأنا کل شیٍٔ فی اول خلقہ کذٰلك نعید کل شیٍٔ ، کلَّ شیٔ بدأنا کا مفعول مقدر ہے اور اول خلقٍ ظرف ہے اور نعید کی ضمیر کل شیٍٔ کی طرف راجع ہے۔

قَوْلُہٗ: لـلـرحمة اس کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ رحمةً مفعول لہ ہے اور رحمةً مبالغة حال ہونے کی وجہ سے بھی منصوب ہوسکتا ہے۔

قَوْلُہٗ: والخندق خندق سہواً لکھا گیا ہے اس لئے کہ احزاب اور خندق ایک ہی ہے۔

تفسیر وتشریح

ان لوگوں نے اپنے دین میں اختلاف پیدا کرلیا مگر اس کی سزا ضرور بھگتنی پڑے گی لہٰذا سزا بھگتنے کے لئے ہمارے پاس ضرور آئیں گے آنے کے بعد ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ضرور ملے گا، لہٰذا جو شخص نیک عمل کرتا ہوگا اور ایمان والا بھی ہوگا تو اس کی محنت اکارت جانے والی نہیں اور ہم اس کو لکھ بھی لیتے ہیں۔

اور ہم نے جو کُلٌّ اِلَیْنَا رَاجِعُوْنَ کہا ہے اس میں منکرین کو اس لئے شبہ ہے کہ اب تک کسی کو زندہ کرکے حساب کتاب نہیں لیا گیا تو یہ شبہ بالکل واہی ہے کیونکہ رجوع موعود کے لئے ہم نے ایک خاص وقت معین کر رکھا ہے لہٰذا جب تک وہ وقت نہیں آتا اس وقت تک تو یہ بات ہے کہ جن بستیوں کو ہم فنا کرچکے ہیں ان کے لئے یہ بات ناممکن ہے کہ وہ دنیا میں حساب کتاب کے لئے لوٹ کر آجائیں مگر یہ عدم رجوع ابدی نہیں ہے جیسا کہ منکرین سمجھتے ہیں بلکہ صرف اس وقت موعود کے نہ آنے تک ہے یہاں تک کہ جب وہ وقت موعود آپہنچے گا جس کی ابتدائی علامت یہ ہوگی یاجوج ماجوج جواب سد سکندری میں بند ہیں کھول دیئے جائیں گے اور وہ غایت کثرت کی وجہ سے ہر بلندی سے اترتے ہوئے معلوم ہوں گے یعنی جدھر دیکھو وہی نظر آئیں گے اور وہ رجوع اور بعث کا سچا وعدہ قریب ہی آپہنچا ہوگا تو بس اس کے واقع ہوتے ہی یہ قصہ ہوگا کہ منکرین کی نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی اور وہ یوں کہتے نظر آئیں گے کہ ہائے ہماری کمبختی ہم اس حالت سے غفلت میں تھے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ رسول کی تکذیب کرکے ہم ہی قصوروار تھے۔

اِنکم وماتعبدون من دون اللّٰہ الآیة یعنی تم اور تمہارے معبود بجز اللہ کے جن کی دنیا میں ناجائز عبادت ہوئی ہوگی سب کے سب جہنم کا ایندھن بنیں گے، اس پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ ناجائز عبادت تو حضرت مسیح اور عزیر اور فرشتوں کی بھی کی گئی ہے تو سب کے سب جہنم میں جانے کا کیا مطلب ہوگا؟

اس کا جواب حضرت ابن عباس رَضِحَالِللہُ تَعَالیٰ عَنہُمَا نے دیا ہے، ایک روز حضرت ابن عباس رَضِحَالِللہُ تَعَالیٰ عَنہُمَا نے فرمایا کہ

قرآن کی ایک آیت ایسی ہے جس میں لوگ شبہات کرتے ہیں مگر عجیب اتفاق ہے کہ اس کے متعلق لوگ مجھ سے سوال نہیں کرتے معلوم نہیں کہ شبہات کا جواب ان لوگوں کو معلوم ہو گیا ہے اس لئے سوال نہیں کرتے یا انہیں شبہ اور جواب کی طرف التفات ہی نہیں ہوا لوگوں نے عرض کیا وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ آیت **انکم وما تعبدون الآیة** ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو کفار قریش کو سخت ناگواری ہوئی تو کہنے لگے اس میں تو ہمارے معبودوں کی سخت توہین کی گئی ہے، یہ لوگ (اہل کتاب کے ایک عالم) ابن الزبعریٰ کے پاس گئے اور اس سے شکایت کی اس نے کہا کہ اگر میں وہاں موجود ہوتا تو ان کو اس کا جواب دیتا ان لوگوں نے دریافت کیا آپ کیا جواب دیتے؟ اس نے کہا میں ان سے کہتا کہ نصاریٰ حضرت مسیح کی اور یہود حضرت عزیر علیہما الصلوٰۃ والسلام کی عبادت کرتے ہیں ان کے بارے میں آپ کیا کہیں گے کیا نعوذ باللہ وہ جہنم میں جائیں گے، کفار قریش یہ سن کر بہت خوش ہوئے کہ واقعی یہ بات تو ایسی ہے کہ محمد ﷺ اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جو آگے آتی ہے **اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰی اُولٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ** یعنی جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے وہ جہنم سے دور رہیں گے اور اسی ابن زبعریٰ کے متعلق قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی ہے **وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْیَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ یَصِدُّوْنَ** یعنی جب ابن زبعریٰ نے حضرت ابن مریم کی مثال پیش کی تو آپ کی قوم کے لوگ قریش خوشی سے شور مچانے لگے۔

لایحزنهم الفزع الاکبر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ فزع اکبر سے مراد صور کا نفخۂ ثانیہ ہے جس سے سب مردے زندہ ہو کر حساب کے لئے کھڑے ہوں گے بعض حضرات نے نفخۂ اولیٰ کو فزع اکبر کہا ہے، ابن عربی کا قول یہ ہے کہ نفخات تین ہوں گے پہلا نفخہ فزع ہو گا جس سے ساری دنیا کے لوگ گھبرا اٹھیں گے اسی کو یہاں فزع اکبر کہا گیا ہے، دوسرا نفخہ صعق ہو گا جس سے سب مر جائیں گے اور فنا ہو جائیں گے، تیسرا نفخہ بعث ہو گا جس سے سب مردے زندہ ہو جائیں گے اس کی شہادت میں مسند ابویعلیٰ اور بیہقی، عبد بن حمید، ابوالشیخ، ابن جریر طبری وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث نقل کی ہے۔ (مظہری، معارف القرآن)

یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ كَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ یعنی جس طرح کاتب لکھنے کے بعد اوراق یا رجسٹر لپیٹ کر رکھ دیتا ہے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا (**والسمٰوات مطویات بیمینه**) (الزمر) آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے، **سجل** کے معنی صحیفہ یا رجسٹر کے ہیں، **لِلكتب** میں لام بمعنی علیٰ اور کتاب بمعنی مکتوب، مطلب یہ ہے کہ کاتب کے لئے لکھے ہوئے کاغذات کو لپیٹ لینا جس طرح آسان ہے اسی طرح اللہ کے لئے آسمان کی وسعتوں کو اپنے ہاتھ میں سمیٹ لینا کوئی مشکل نہیں۔

زبور سے مراد یا تو زبور ہی ہے جو حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام پر نازل ہوئی تھی اور ذکر سے مراد پند و نصیحت، یا پھر زبور سے مراد گذشتہ آسمانی کتابیں مراد ہیں اور ذکر سے مراد لوح محفوظ ہے، یعنی پہلے تو لوح محفوظ میں یہ بات درج ہے اس کے بعد آسمانی کتابوں میں بھی یہ بات لکھی جاتی رہی ہے کہ زمین کے وارث نیک بندے ہوں گے، زمین سے بعض مفسرین کے نزدیک ارض جنت مراد ہے، اور بعض کے نزدیک ارض کفار مراد ہے، یعنی اللہ کے نیک بندے زمین میں اقتدار کے مالک ہوں گے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان جب تک اللہ کے نیک بندے رہے وہ دنیا میں با اقتدار اور سرخرور ہے اور آئندہ بھی جب کبھی وہ اس صفت کے حامل ہوں گے اس وعدۂ الٰہی کے مطابق زمین کا اقتدار انہی کے پاس ہوگا اس لئے مسلمانوں کی محرومی اقتدار کی موجودہ صورت کسی اشکال کا باعث نہ ہونی چاہئے، یہ وعدہ صالحیت عباد کے ساتھ مشروط ہے۔ (اذا فات الشرط فات المشروط) کے مطابق مسلمان جب اس صفت سے محروم ہوں گے تو اقتدار سے بھی محروم ہوں گے۔

(واللہ اعلم بالصواب)

بحمد اللہ تعالیٰ

سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٌ وَسَبْعُوْنَ آيَةً وَعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ الحَجِّ مَكِّيَّةٌ اِلَّا وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ الآيتين او الا هٰذان خصمان السِّتّ آيات فمدنيات وهى اربع او خمس او ست او سبع او ثمان وسبعون آية.

سورۂ حج مکی ہے مگر ومن الناس من یعبد اللّٰہ دو آیتیں یا ھٰذان خصمان چھ آیتیں یہ مدنی ہیں اور کل آیات ۷۴ یا ۷۵ یا ۷۶ یا ۷۷ یا ۷۸ ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اى اهلَ مكةَ وغيرَهم **اتَّقُوْا رَبَّكُمْ** اى عِقابَه بِاَنْ تُطِيعوه **اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ** اى الحَرَكَةَ الشديدةَ لِلْاَرْضِ التى يكونُ بعدَها طلوعُ الشمسِ مِنْ مَغْرِبها الذى هُو قربُ الساعةِ **شَيْءٌ عَظِيْمٌ**① فى اِزعاجِ الناس هو نوعٌ من العقابِ **يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ** بسَبَبِها **كُلُّ مُرْضِعَةٍ** بالفعلِ **عَمَّآ اَرْضَعَتْ** اى تَنْسَاهُ **وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ** اى حُبلى **حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى** مِنْ شِدَّةِ الخوفِ **وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى** من الشَّرابِ **وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ**② فهُم يخافونه ونزل فى النضرِ بن الحارث وجماعةٍ **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ** قالوا الملائكةُ بناتُ اللّٰهِ والقراٰنُ اساطيرُ الاولين وانكروا البعثَ واِحياءَ مَنْ صارَ تُرابًا **وَّيَتَّبِعُ** فى جدالِه **كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ**③ اى مُتَمَرِّدٍ **كُتِبَ عَلَيْهِ** قُضِىَ على الشيطان **اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ** اى اِتَّبَعَهٗ **فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ** يَدعوه **اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ**④ اى النَّار **يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ** اى اهلَ مكةَ **اِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ** شكٍّ **مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ** اى اَصلَكُمْ آدمَ **مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ** خلقنا ذُرِّيَّتَهٗ **مِنْ نُّطْفَةٍ** مَنِيٍّ **ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ** وهى الدَّمُ الجامِدُ **ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ** وهى لُحمَةٌ قدرما يُمضَغُ **مُّخَلَّقَةٍ** مُصوَّرةٍ تامةِ الخلق **وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ** اى غيرِ تامَّةِ الخلقِ **لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ** كمالَ قُدرتِنا لِتَستدِلُّوا بها فى اِبتداء الخلق على اِعادتِه **وَنُقِرُّ** مُستانِفٌ **فِى الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى** وقتِ

خُروجه ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ من بطون امهتكم طِفْلًا بمعنى اطفالاً ثُمَّ نُعَمِّرُكُمْ لِتَبْلُغُوْا اَشُدَّكُمْ اى الكمالَ والقُوَّةَ وهو ما بَيْنَ الثلاثين الى الاربعين سنةً وَمِنْكُمْ مَنْ يُّتَوَفّٰى يموتُ قبلَ بلوغ الاَشُدِّ وَمِنْكُمْ مَنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ اَخَسِّه من الهَرَم والخَرَفِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا قال عكرمةُ مَنْ قرأ القرآنَ لَمْ يَصِرْ بهذه الحالةِ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً يابسةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ تَحَرَّكَتْ وَرَبَتْ ارتفعتْ وزادتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ زائدة كُلِّ زَوْجٍ صِنفٍ بَهِيْجٍ۝ حَسَنٍ ذٰلِكَ المذكورُ من بَدءِ خَلْقِ الانسان الى آخِرِ إحياءِ الارض بِاَنَّ بسَبَبِ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الثابتُ الدائمُ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۝ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ شكَّ فِيْهَا وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ۝ ونزلَ فى ابى جهل وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى معَهُ وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ۝ له نورٌ معَهُ ثَانِيَ عِطْفِهٖ حال اى لَاوِیَ عُنُقِه تكبُّرًا عن الايمان والعِطف الجانبُ عن يمين او شمال لِيُضِلَّ بفتح الياء وضمها عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ دِينِه لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ عذابٌ فقُتِلَ يومَ بدرٍ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ۝ اى الإحراقِ بالنَّارِ ويقال له ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ اى قَدَّمْتَهُ عُبِّرَ عنه بهما دون غيرِهما لان اكثر الافعال تُزاوَلُ بهما وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ اى بِذِیْ ظُلْمٍ لِّلْعَبِيْدِ۝ فيُعَذِّبُهُمْ بغير ذَنْبٍ.

ع ۸

ترجمہ: سب سے زیادہ مہربان، بہت رحم والے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، اے مکہ وغیرہ کے لوگو اپنے رب یعنی اس کے عذاب سے ڈرو بایں طور کہ اس کی اطاعت کرو، بے شک قیامت کا زلزلہ یعنی زمین کی شدید حرکت جو کہ مغرب کی جانب سے طلوع شمس سے قبل ہوگی، اور وہ قرب قیامت میں ہوگا، لوگوں کو بے قرار کرنے (خوف زدہ کرنے) میں بڑی بھاری چیز ہوگی، وہ عذاب کی ایک قسم ہوگی، جس روز تم اس کو دیکھو گے اس (زلزلہ) کی وجہ سے بالفعل ہر دودھ پلانے والی عورت دودھ پیتے بچہ کو فراموش کر دے گی، یعنی بھول جائے گی، اور ہر حمل والی یعنی حاملہ اپنے حمل کو ساقط کر دے گی اور (اے مخاطب) تو لوگوں کو شدت خوف کی وجہ سے نشہ کی سی حالت میں دیکھے گا حالانکہ وہ شراب کی وجہ سے نشہ میں نہ ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب ہی بڑا سخت ہوگا جس کی وجہ سے لوگ خوف زدہ ہوں گے، اور نضر بن حارث اور ایک جماعت کے بارے میں آئندہ آیت نازل ہوئی، اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ جو اللہ کے بارے میں بے علمی کے ساتھ جھگڑا کرتے ہیں (اور) کہتے ہیں فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور قرآن پچھلے لوگوں کے گھڑے ہوئے قصے ہیں، اور وہ بعث کے منکر ہیں، اور مٹی ہونے کے بعد زندہ ہونے کے منکر ہیں، اور اس جھگڑے میں ہر سرکش شیطان کے پیچھے ہو لیتے ہیں اور شیطان کی بابت یہ بات لکھی جا چکی ہے یعنی اس کے بارے میں فیصلہ کیا جا چکا ہے کہ جو کوئی اس کی رفاقت کرے گا یعنی اس کی اتباع کرے گا تو وہ اس کو گمراہ کر دے گا، اور اس کو عذاب نار کی طرف لے جائے گا، اے مکہ کے لوگو اگر تم دوبارہ زندہ ہونے کے بارے میں شک میں ہو (تو ذرا غور کرو) ہم نے تم کو

یعنی تمہاری اصل آدم کو مٹی سے پیدا کیا پھر آدم کی ذریت نطفہ منی اور پھر علقہ سے اور وہ خون بستہ ہے اور پھر لوتھڑے سے اور وہ چبائے جانے کی مقدار گوشت کا ٹکڑا ہے (بوٹی) کہ خلقت کے اعتبار سے پوری بھی ہوتی ہے اور ادھوری بھی ہوتی ہے تاکہ ہم تم پر اپنی کمال قدرت کو ظاہر کردیں تاکہ تم ابتداء تخلیق پر قدرت سے اعادہ تخلیق پر استدلال کرو **وَنُقِرُ** جملہ مستانفہ ہے، اور ہم رحم مادر میں جس کو چاہتے ہیں ایک معین مدت یعنی پیدائش کے وقت تک ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر ہم تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے بچہ بنا کر باہر لاتے ہیں اور طفلاً، اطفالاً کے معنی میں ہے پھر تم کو عمر دیتے ہیں تاکہ تم بھرپور جوانی کو یعنی کمال اور قوت کو پہنچ جاؤ اور وہ تیس سے چالیس سال کے درمیان ہے اور بعض تم میں کے وہ بھی ہیں جو بالغ ہونے سے پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں اور بعض تم میں سے وہ ہیں جو نکمی عمر کو پہنچا دیئے جاتے ہیں یعنی بڑھاپے کی وجہ سے عمر کے گھٹیا مرحلہ اور فساد عقل کی منزل کو پہنچ جاتے ہیں (جس کا اثر یہ ہوتا ہے) کہ ایک چیز سے باخبر ہونے کے بعد بے خبر ہو جاتے ہیں (حضرت) عکرمہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص قرآن خوانی کا شغف رکھتا ہے وہ اس حالت کو نہیں پہنچتا، اور اے مخاطب تو دیکھتا ہے زمین کو کہ خشک ہے اور جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ہلتی ہے یعنی حرکت کرتی ہے اور ابھرتی ہے مرتفع اور زیادہ ہوتی ہے اور ہر قسم کی خوشنما نباتات اگاتی ہے یہ جو مذکور ہوا ابتداء آفرینش انسان سے احیاء ارض تک اس سبب سے ہے کہ اللہ ہی ثابت اور دائم ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور ہر شئ پر قادر ہے اور قیامت یقیناً آنے والی ہے اس میں ذرہ برابر شک نہیں اور اللہ تعالیٰ قبر والوں کو دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ آیت ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اللہ کے بارے میں بدون واقفیت اور بدون دلیل کے کہ جو اس کے پاس ہو اور بغیر کسی روشن کتاب کے جو اس کے لئے ہو اور اس کتاب کے ساتھ نور (وحی) ہو پہلوتہی کرتے ہوئے (یہ یجادل کی ضمیر سے) حال ہے، یعنی ایمان سے متکبرانہ طور پر گردن موڑتے ہوئے اور عطف دائیں یا بائیں جانب کو کہتے ہیں، لِیَضِلَّ یا کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ تاکہ اللہ کے راستہ یعنی اس کے دین سے بہکا دے ایسے شخص کے لئے دنیا میں رسوائی (کا) عذاب ہے چناں چہ یوم بدر میں قتل کیا گیا اور قیامت کے دن بھی ہم اسے جلنے یعنی آگ میں جلانے کا عذاب چکھائیں گے، اور یہ تیرے ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں کا بدلہ ہے یعنی ان اعمال کا جو تو نے کئے شخص (ذات) کو یدٌ سے تعبیر کیا ہے نہ کہ دیگر اعضاء سے اس لئے کہ اکثر اعمال کا صدور ہاتھوں ہی سے ہوتا ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے کہ ان کو بغیر کسی جرم کے سزا دے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: زلزلة الساعة قیامت کے دن کا زلزلہ اس میں اضافت الی الظرف کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ یاسارق اللیل میں، اور یہ اتساعاً ہے۔

قَوْلُهُ: التی یکون بعدها طلوع الشمس مفسر علام کا مقصد اس عبارت کے اضافہ سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا

ہے کہ یہ زلزلہ دنیا ہی میں ہوگا اور مغرب کی جانب سے سورج کا طلوع ہونے سے پہلے ہوگا، اور اسی قول کی تائید اللہ تعالیٰ کے قول "تذهل كل مرضعة عما ارضعت" سے بھی ہوتی ہے۔

قِوْلُهُ: بالفعل کا مطلب ہے دودھ پلانے کی حالت جب کہ ماں بچہ کی طرف پوری طرح متوجہ ہوتی ہے ایسی حالت میں اس شدید زلزلہ کو دیکھ کر اپنے بچہ سے غافل ہو جائے گی، عَمَّا ارضعت میں ما مصدریہ بھی ہوسکتا ہے ای عن ارضاعها اور موصولہ بھی ہوسکتا ہے ای عن الذی ارضَعَتْهُ.

قِوْلُهُ: یومَ ترونَهَا یومَ کے نصب میں چند وجوہ ہیں ① تذهل کی وجہ سے منصوب ہے ② اذکر فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے ③ الساعة سے بدل ہے ④ عظیم کی وجہ سے منصوب ہے۔

قِوْلُهُ: تذهَلُ ترونها کی ضمیر سے حال ہے اور رویت بصری مراد ہے۔

قِوْلُهُ: ولكنّ عذاب الله شديد یہ محذوف سے استدراک ہے فهٰذه الاحوال المذكوره ليست بشديدة ولكن عذاب الله شديد، لکن کا مابعد ماقبل کے مخالف ہوا کرتا ہے۔

قِوْلُهُ: وجماعة جماعت سے مراد ابوجہل اور ابی بن خلف وغیرہ ہیں۔

قِوْلُهُ: كمال قدرتنا اس عبارت کو مقدر ماننے کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ یہ لِنُبَيِّنَ لَكُمْ کا مفعول محذوف ہے۔

قِوْلُهُ: طِفلاً یہ نخرجکم کی کم ضمیر سے حال ہے اور طفلا چوں کہ مصدر ہے جس کی وجہ سے معنی میں جمع کے ہے جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ کردیا ہے۔

قِوْلُهُ: ارذل العمر گھٹیا اور ناکارہ عمر، خَرَفٌ دونوں کے فتحہ کے ساتھ، کبرسنی کی وجہ سے فساد عقل، جس کو اردو میں "سٹھیانا" کہتے ہیں۔

قِوْلُهُ: لِكَيْلَا يَعْلَمَ اس کا تعلق يُرَدُّ سے ہے۔

قِوْلُهُ: هامِدَة یہ همَدَتِ النار سے مشتق ہے، اس کے معنی ہیں بجھ جانا۔

قِوْلُهُ: ذٰلك بان الله اس میں تین وجوہ اعراب ہوسکتی ہیں ① ذٰلك مبتداء اور مابعد اس کی خبر اور مشار الیہ ماقبل میں تخلیق بنی آدم وغیرہ ہے، ② ذٰلك مبتداء محذوف کی خبر ہے، ای الامر ذٰلك ③ ذٰلك فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے، ای فعلنا ذٰلك بسبب ان الله هو الحق.

قِوْلُهُ: یجادل فی الله الخ یعنی یہ شخص اللہ کی ذات وصفات میں مجادلہ کرتا ہے حالانکہ نہ اس کے پاس علم ہے اور نہ دلیل اور نہ اس کے پاس کوئی روشن کتاب ہے کہ اس کو وحی کی تائید حاصل ہو، یعنی دلیل عقلی اور نقلی کے بغیر ہی خدا کی ذات وصفات کے بارے میں جھگڑا کرتا ہے، وأن الساعة آتية، وأنه يحى الموتٰى کی تاکید ہے۔

قِوْلُهُ: ونزل فی ابی جهل اس کا نام عمرو بن ہشام ہے اور ابوجہل کنیت ہے، اس کی ایک کنیت ابوالحکم بھی ہے، ومن

یجادل فی اللّٰه کا عطف پہلے مَنْ یُجادِلُ فی اللّٰهِ بغیرِ علم پر ہے۔

قَوْلُہٗ: نورٌ معهٗ معہ کا تعلق کتاب سے ہے ای ولا وحی کائن معه.

قَوْلُہٗ: حال ثانی عطفه یجادل کی ضمیر سے حال ہے اور لیضل کا تعلق یجادل سے ہے۔

قَوْلُہٗ: عذاب الحریق یہ اضافت موصوف الی الصفت کے قبیل سے ہے ای العذاب المحرق.

قَوْلُہٗ: ای بذی ظلم یہ اشارہ ہے کہ ظلّام جو کہ مبالغہ کا صیغہ ہے ذی ظلم (اسم فاعل) کے معنی میں ہے۔

تفسیر وتشریح

سابقہ سورۃ سے ربط:

سورۂ انبیاء کے اختتام پر بعث بعد الموت کا ذکر تھا، اس سورۃ کو حق سبحانہ تعالیٰ نے قیامت اور اس کی ہولناکی کے بیان سے شروع فرمایا ہے، تاکہ انسان تقویٰ اختیار کرے جو کہ راہِ آخرت کے لئے بہترین زادراہ ہے، فرمایا یا ایھا الناس اتقوا ربکم.

سورۂ حج کی خصوصیات:

اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے، حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا سے دونوں قسم کی روایتیں منقول ہیں، جمہور مفسرین کا قول یہ ہے کہ یہ سورۃ آیات مکیہ اور مدنیہ سے مخلوط ہے، قرطبی نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

اس سورۃ کے عجائب میں سے یہ بات ہے کہ اس کی آیات کا نزول بعض کا رات میں بعض کا دن میں، بعض کا سفر میں اور بعض کا حضر میں اور بعض کا مکہ میں اور بعض کا مدینہ میں اور بعض کا حالت جنگ و جہاد میں اور بعض کا صلح و امن کی حالت میں ہوا ہے اور اس میں بعض آیات ناسخ ہیں اور بعض منسوخ اور بعض محکم ہیں اور بعض متشابہ۔

زلزلۂ قیامت کب ہوگا؟

قیامت قائم ہونے اور لوگوں کے دوبارہ زندہ ہونے کے بعد یا اس سے پہلے، بعض نے کہا ہے کہ یہ قیامت سے پہلے اسی دنیا میں ہوگا اور قیامت کی آخری علامت میں شمار ہوگا جس کا ذکر قرآن مجید کی بہت سی آیات میں ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ زلزلہ حشر و نشر برپا ہونے کے بعد ہوگا، حقیقت یہ ہے کہ دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، اس زلزلہ قیامت کی جو کیفیت آگے آیت میں ذکر کی گئی ہے کہ تمام حمل والی عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے اور دودھ پلاتی عورتیں اپنے بچوں کو بھول جائیں گی، اگر یہ زلزلہ اسی دنیا میں وقوع قیامت سے پہلے ہے تو ایسا واقعہ پیش آنے میں کوئی اشکال نہیں اور حشر و نشر کے بعد ہے تو اس کی توجیہ یہ

ہوگی کہ جو عورتیں جس حالت میں مری ہوں گی، ان کا حشر اسی حالت میں ہوگا اور جن کا انتقال دودھ پلانے کی حالت میں ہوا ہوگا، وہ اسی طرح بچہ کے ساتھ اٹھائی جائیں گی، اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ آیت میں مجاز مراد ہے حقیقت سے اس کا تعلق نہیں ہے یعنی جس طرح "یَوْمًا یَجْعَلُ الولدانَ شیبًا" میں دن کی درازی مراد ہے اسی طرح یہاں روز قیامت کی ہولنا کی مراد ہے، اگر حقیقی معنی مراد لئے جائیں تب بھی کوئی استحالہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ ہر شئ پر قادر ہے۔

وَمِنَ الناس مَن یجادل فی اللّٰه یہ آیت نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بڑا جھگڑالو تھا، فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں اور قرآن کو گذشتہ لوگوں کے افسانے کہا کرتا تھا اور بعث بعد الموت کا منکر تھا۔

اِنا خلقنکم مِن تراب ثم من نطفة اس آیت میں بطن مادر میں انسان کی تخلیق کے مختلف درجات کا ذکر ہے، اس کی تفصیل صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انسان کا مادہ رحم مادر میں چالیس روز تک جمع رہتا ہے پھر چالیس روز کے بعد علقہ یعنی منجمد خون بن جاتا ہے پھر چالیس ہی دن میں وہ مضغہ یعنی گوشت بن جاتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس میں روح پھونک دیتا ہے اور اس کے متعلق چار باتیں اسی وقت فرشتہ کو لکھوا دی جاتی ہیں ① یہ کہ اس کی عمر کتنی ہے ② یہ کہ رزق کتنا ہے ③ عمل کیا کرے گا ④ یہ کہ بد بخت ہوگا یا خوش بخت (قرطبی) ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب نطفہ مختلف ادوار سے گذرنے کے بعد مضغہ بن جاتا ہے تو جو فرشتہ ہر انسان کی تخلیق پر مامور ہے اللہ تعالیٰ سے دریافت کرتا ہے **یارب مخلقة او غیر مخلقة** یعنی اس نطفہ سے آپ کا انسان کو پیدا کرنا مقدر ہے یا نہیں اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب ملتا ہے کہ یہ غیر مخلقہ ہے تو رحم اس کو ساقط کر دیتا ہے اور اگر حکم ہوتا ہے کہ یہ مخلقہ ہے تو پھر فرشتہ سوال کرتا ہے کہ لڑکا ہے یا لڑکی؟ اور شقی ہے یا سعید؟ اور اس کی عمر کیا ہے؟ اور اس کا عمل کیسا ہے؟ اور کہاں مرے گا؟ یہ سب باتیں اسی وقت فرشتہ کو بتلا دی جاتی ہیں۔ (ابن کثیر)

وَمِنْکُمْ مَنْ یُرَدُّ الی ارذل العمر یعنی وہ عمر کہ جس میں انسان کے عقل و شعور اور حواس میں خلل آنے لگے، نبی کریم ﷺ نے ایسی عمر سے پناہ مانگی ہے نسائی شریف میں بروایت سعد رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ حسب ذیل الفاظ پر مشتمل یہ دعا بکثرت مانگتے تھے اور راوی حدیث حضرت سعد یہ دعا اپنی سب اولاد کو یاد کرا دیتے تھے، وہ دعا یہ ہے: **اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ اُرَدَّ اِلٰی اَرْذَلِ الْعُمُرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْیَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ.** (قرطبی)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ای شَكٍّ فی عبادتِہ شُبِّہَ بالحالِ علی حرفِ جَبَلٍ فی عَدَمِ ثُباتِہ **فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ** صِحَّۃٌ وَسَلامَۃٌ فی نفسِہ ومالِہ **اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ** مِحنۃٌ وسَقَمٌ فی نفسِہ ومالِہ **انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ** ای رَجَعَ الی الکفرِ **خَسِرَ الدُّنْيَا** بِفَواتِ ما اَمَلَہٗ مِنہا **وَالْاٰخِرَةَ** بالکفرِ **ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ** ⑪ البَیِّنُ **يَدْعُوْا** یَعْبُدُ **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** مِنَ الصَّنَمِ **مَا لَا يَضُرُّهٗ** ان لم یعبدہ **وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ** ان

عبدہٗ ذٰلِكَ الدُّعاءُ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿١٢﴾ عَنِ الحَقِّ يَدْعُوْا لَمَنْ اللامُ زائدۃٌ ضَرُّهٗٓ لِعِبادَتِہٖ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ اِنْ نَفَعَ بتخیُّلِہٖ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى ھُوَ ای الناصِرُ وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿١٣﴾ ای الصَّاحِبُ ھو وعُقِّبَ ذِكْرُ الشَّاكِّ بالخُسرانِ بذكرِ المؤمنين بالثوابِ فی اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الفرضِ والنوافلِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿١٤﴾ مِنْ اِكرامِ مَنْ يطيعُہٗ واِہانۃِ مَن يعصيہِ مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ ای محمدًا نبيَّہٗ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ بحَبْلٍ اِلَى السَّمَآءِ ای سقفِ بَيتِہٖ يشدُّ فيه وفی عُنُقِہٖ ثُمَّ لْيَقْطَعْ ای لِيَختَنِقْ بِہٖ بِاَنْ يَقطَعَ نفسَہٗ من الارضِ كما فی الصِّحاحِ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ فی عَدَمِ نُصرۃِ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مَا يَغِيْظُ ﴿١٥﴾ مِنہا المعنی فَلْيَختَنِقْ غَيظًا منها فلا بُدَّ منها وَكَذٰلِكَ ای مثلَ اِنزالِنا الآیتِ السابقۃ اَنْزَلْنٰهُ ای القرآنَ الباقی اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ ظاہراتٍ حالٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿١٦﴾ ھُداہ معطوف علی ہاءِ اَنْزَلْنَاہُ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وہُم اليہودُ وَالصّٰبِئِيْنَ طائفۃٌ منہم وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ باِدخالِ المؤمنين الجنۃَ وغيرَہُم النارَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مِن عَمَلِہم شَهِيْدٌ ﴿١٧﴾ عالمٌ بہ عِلمَ مُشاہَدَۃٍ اَلَمْ تَرَ تعلمْ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ ای يَخضَعُ لہ بما يُرادُ منہ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وہُمُ المؤمنون بزيادۃٍ علی الخضوعِ فی سجودِ الصلاۃ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وہُمُ الكافرون لِاَنَّہم اَبَوُا السجودَ المُتَوَقِّفَ علی الايمانِ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ يُشقِہٖ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ مُسعِدٍ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿١٨﴾ ۩ مِن الاہانۃِ والاِكرامِ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ ای المؤمنون خصمٌ والكفارُ الخمسۃُ خصمٌ وہو يُطلَق علی الواحدِ والجماعۃِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ز ای فی دينِہٖ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ ای يَلبَسُونَہا يعنی اُحيطَتْ بہم النارُ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿١٩﴾ الماءُ البالغُ نہايۃَ الحرارۃِ يُصْهَرُ بِهٖ يُذابُ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ مِنْ شُحُومٍ وغيرِہا وَ تَشوِی بہ الْجُلُوْدُ ﴿٢٠﴾ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿٢١﴾ لِضَرْبِ رُؤسِہم كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا ای النارِ مِنْ غَمٍّ يَلحَقُہم بہا اُعِيْدُوْا فِيْهَا ق رُدُّوْا اِلَيہا بالمَقامِعِ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿٢٢﴾ ع ای البالغ نہايۃَ الاِحراقِ.

ترجمہ: اور بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اللہ کی بندگی ایک کنارے پر کھڑے ہو کر کرتے ہیں یعنی اس کی عبادت تذبذب کے ساتھ کرتے ہیں شک کے ساتھ عبادت کرنے والے کی حالت کو عدم ثبات میں اس شخص کی حالت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو پہاڑ کے کنارہ پر کھڑا ہو، لہٰذا اگر اس کو کوئی خیر پہنچ گئی یعنی اس کے جان و مال میں صحت و سلامتی تو اس دین پر مطمئن ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی آفت یعنی اس کی جان و مال میں محنت اور مرض لاحق ہو گیا تو وہ منہ اٹھا کر چلدیتا ہے یعنی کفر کی

جانب پلٹ جاتا ہے، جس دنیا کے ملنے کی امید تھی اس کے نہ ملنے کی وجہ سے دنیا کا نقصان ہوا اور کفر کی وجہ سے آخرت کا نقصان ہوا، یہی کھلا نقصان ہے اللہ کو چھوڑ کر بت کی بندگی کرتا ہے، اگر اس کی بندگی نہ کی جائے تو وہ اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اگر اس کی بندگی کرے تو اس کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا یہ بندگی انتہا درجہ کی حق سے گمراہی ہے ایسے کی بندگی کر رہا ہے کہ اس کی عبادت کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے بالفرض اگر اس کے خیال کے مطابق نفع ہو، لَمَنْ میں لام زائدہ ہے، یقیناً ایسا مولیٰ یعنی ناصر برا ہے اور وہ برا رفیق ہے، شک کرنے والے کے نقصان کے ذکر کے بعد مومنین کے ثواب کا ذکر فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اور ان لوگوں کو جنہوں نے اعمال صالحہ فرائض ونوافل کے (قبیل) سے کئے ہوں گے ایسے باغوں میں داخل کرے گا جس میں نہریں جاری ہوں گی اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے خواہ اس کی اطاعت کرنے والے کا اکرام ہو یا اس کے نافرمان کی اہانت ہو اور جو شخص یہ خیال کرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد ﷺ کی دنیا و آخرت میں مدد نہ کرے گا تو ایسے شخص کو چاہئے کہ اونچائی پر ایک رسہ باندھ لے، یعنی اپنے گھر کی چھت میں رسے کا (ایک سرا) باندھ لے اور (دوسرا) سرا اپنی گردن میں باندھ لے، پھر اس سے اپنا گلا گھونٹ لے خودکشی کر لے بایں طور کہ اپنا سانس دنیا سے منقطع کر لے (صحاح میں ایسا ہی ہے) پھر غور کرے آیا اس کی یہ تدبیر خودکشی آپ ﷺ کی عدم نصرت کے بارے میں اس چیز کو ختم کر سکتی ہے جس نے اس کو غصہ میں ڈال رکھا ہے، آیت کے معنی یہ ہیں اس کی وجہ سے خودکشی کر لینی چاہئے، اور محمد ﷺ کی نصرت ضروری ہے اور اسی طرح یعنی جس طرح آیات سابقہ کو ہم نے نازل کیا ہے باقی قرآن کو بھی نازل کیا ہے حال یہ ہے کہ واضح آیتیں ہیں آیات انزلناہ کی ضمیر سے حال ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ جس کی ہدایت کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو ہدایت نصیب فرماتے ہیں اور **انّ اللّٰہ یھدی الخ** کا عطف **انزلناہ** کی **ہ** پر ہے (تقدیر عبارت یہ ہے **انزلنا القرآن و اَنزلنا اَنَّ اللّٰہ یھدی من یرید**) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مومنین اور وہ لوگ جنہوں نے یہودیت اختیار کی اور وہ یہود ہیں اور صابئین جو کہ یہود ہی کی ایک جماعت ہے اور نصاریٰ اور مجوسی اور مشرکین اللہ تعالیٰ ان سب کے درمیان قیامت کے روز مومنین کو جنت اور غیر مومنین کو جہنم میں داخل کر کے فیصلہ کر دے گا بے شک اللہ تعالیٰ ان کے اعمال میں سے ہر چیز سے واقف ہے یعنی اس کو علم مشاہدہ حاصل ہے اے مخاطب کیا تجھ کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سب عاجزی کرتے ہیں جو کہ آسمانوں میں ہیں اور زمینوں میں ہیں اور شمس وقمر ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے بھی یعنی ہر ایک اس کے حکم کے تابع ہے اس بات میں جو اس سے مطلوب ہے اور بہت سے آدمی بھی (عاجزی کرتے ہیں) اور وہ مومنین ہیں، سجدۂ صلوٰۃ میں (عام) خضوع پر زیادتی کے ساتھ اور بہت سے ایسے ہیں کہ جن پر عذاب کا استحقاق ثابت ہو گیا ہے اور وہ کافر ہیں اس لئے کہ انہوں نے اس سجدہ کا انکار کر دیا جو ایمان پر موقوف ہے، اور جس کو خدا ذلیل کرے شقی کرے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں یعنی سعید کرنے والا نہیں، اللہ اہانت اور اکرام سے جو چاہتا ہے کرتا ہے یہ دو فریق ہیں مومنین ایک فریق ہیں اور کفار خمسہ دوسرا فریق اور خصم کا اطلاق واحد اور جمع دونوں پر ہوتا ہے، انہوں نے اپنے رب یعنی اس کے دین کے بارے میں جھگڑا کیا ہے سو کافروں کے لئے آگ کے کپڑے بیونت

کر کاٹے جائیں گے اس کو پہنیں گے یعنی آگ ان کا احاطہ کرے گی اور ان کے سروں پر ماءِ حمیم یعنی نہایت شدید گرم پانی بہایا جائے گا جس سے ان کے پیٹ کی سب چیزیں پگھلا دی (گلادی) جائیں گی چربی وغیرہ، اور کھالیں اس گرم پانی کی وجہ سے بھون دی جائیں گی، اور ان (کی سزا) کے لئے لوہے کے ہتھوڑے ہیں یعنی ان کے سروں پر مارنے کے لئے اور جب بھی اس آگ سے ان کو غم لاحق ہونے کی وجہ سے نکل بھاگنے کا ارادہ کریں گے ہتھوڑوں کے ذریعہ اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا جلنے کا عذاب چکھو یعنی جو جلانے کی انتہائی حد کو پہنچا ہوگا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَهُ: علٰی حرفٍ یہ یَعْبُدُ کی ضمیر فاعل سے حال ہے ای یَعْبُدُ مُتزَلْزِلاً۔

قِوْلَهُ: شَبَّهَ بالحال علی حرف جبلٍ فی عدم ثباتہٖ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آیت میں استعارۂ تمثیلیہ ہے اور وہ یہ ہے کہ آیت میں اس کی حالت کو جو بغیر یقین و اعتقاد کے ساتھ اسلام میں داخل ہوا ہو تزلزل اور عدم ثبات میں اس شخص کے حال کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو کسی شئ کے کنارے پر کھڑا ہو ہر وقت اس کو بے اطمینانی کی کیفیت رہتی ہے۔

قِوْلَهُ: ما أملہ یہ ماضی کا صیغہ بھی ہو سکتا ہے اور اَمَل بمعنی امید بھی ہو سکتا ہے۔

قِوْلَهُ: اللام زائدۃ لَمَنْ پر لام زائدہ ہے اور مَنْ یدعوا کا مفعول ہے ضرّہ مبتداء ہے اور اَقربُ اپنے متعلق سے مل کر اس کی خبر ہے اور پھر جملہ ہو کر مَنْ موصولہ کا صلہ ہے اور موصول صلہ سے ملکر یدعوا کا مفعول بہ ہے۔

قِوْلَهُ: بعبادتہٖ ای بسبب عبادتہٖ۔

قِوْلَهُ: لَبِئْسَ المولٰی هُوَ، هُوَ مخصوص بالذم ہے، الناصر مولٰی کی تفسیر ہے، اسی طرح الصاحب، العشیر کی تفسیر ہے اور ھو مخصوص بالذم ہے قول المفسر بالخسران متلبّسا محذوف سے متعلق ہو کر شاكٌ سے حال ہے وکذا یقال فیما بعدہ، قول المفسر بذکر المومنین عَقَّبَ سے متعلق ہے قولہ تعالٰی اِنَّ اللّٰہَ یدخِل الذِیْنَ الخ ذکر ثانی کی صفت ہے ای الذکر الکائن فی هٰذہ الآیۃ، قول المفسر من اکرام مَنْ یُطِیْعُهٗ الخ اس میں لف و نشر غیر مرتب ہے ینصرہٗ میں ضمیر محمد ﷺ کی طرف راجع ہے معہود فی الذہن ہونے کی وجہ سے، السماء سر کے اوپر جو شئ ہو اس کو سماء کہہ سکتے ہیں، مقولہ ہے کل ماھو علٰی رأسہٖ فھو سماء۔

قِوْلَهُ: فلیمدد مَنْ کان میں مَنْ اگر شرطیہ ہو تو فلیمدد اس کی جزا ہوگی اور اگر مَنْ موصولہ ہو تو فا فلیمدد میں مشابہ جزاء ہونے کی وجہ سے ہوگی۔

قِوْلَهُ: بان یَقْطَعَ نَفَسَهٗ نفسہ کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ لیقطَعَ کا مفعول محذوف ہے من الارض ارض سے مراد حیات دنیوی ہے جب کہ نفسَهٗ فا کے فتحہ کے ساتھ پڑھا جائے اور اگر نفسہ فا کے سکون کے ساتھ ہو تو اس صورت میں نفس سے

مراد خود اس کی ذات ہوگی، اور ارض سے مراد زمین ہوگی، مطلب یہ ہوگا کہ چھت وغیرہ میں رسی کا ایک سرا باندھ لے اور دوسرا سرا اپنی گردن میں باندھ لے اور کسی چیز پر کھڑے ہو کر زمین سے اپنا تعلق ختم کر لے تا کہ پھندے سے دم گھٹ کر اس کی موت واقع ہو جائے، مَا یَغِیْظُ مِنْهَا، منها، ما کا بیان ہے اور مراد اس سے نصرت ہے، مَا یَغِیظ میں ما موصولہ بمعنی الذی ہے، یغیظ اس کا صلہ ہے عائد اس میں محذوف ہے، اور موصول صلہ سے مل کر یَذْهَبَنَّ کا مفعول ہے تقدیر عبارت یہ ہے هَلْ یَذْهَبَنَّ کَیْدُهُ الشَّیْئَ الَّذِیْ یغیظه وهو نصرة النبی ﷺ، یغیظه میں ضمیر فاعل الذی اسم موصول کی طرف راجع ہے، اور ضمیر مفعول من کان یظن کی طرف راجع ہے۔

قَوْلُہٗ: غیظًا منها ای من اجلها.

قَوْلُہٗ: فلابد منها ای من النصرة تقدیر عبارت یہ ہے فلیختنق لانه لابدّ مِنَ النُّصرةِ.

قَوْلُہٗ: حال یعنی لفظ آیات انزلناهُ کی ضمیر سے حال ہے اور بینات آیات کی صفت ہے۔

قَوْلُہٗ: هُدَاهُ کا اضافہ اشارہ ہے یُرِیْدُ کے مفعول محذوف کی طرف۔

قَوْلُہٗ: وَاَنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ اس کا عطف انزلناه کی ضمیر پر ہے، ای انزلناه وانزلنا انَّ اللّٰهَ یهدی من یرید.

قَوْلُہٗ: وکثیرٌ مِنَ الناس کا عطف یسجد کے فاعل یعنی مَنْ فی السَّمٰوٰت پر ہے، یعنی تکوینی اور اضطراری خضوع کے علاوہ بعض انسان اختیاری یعنی سجدہ وغیرہ کے ذریعہ بھی خضوع کرتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: هٰذان خصمان اوپر چھ فریقوں کا ذکر ہوا ہے ان میں ایک فریق مومن ہے اور بقیہ پانچ کافر ہیں، اس طریقہ سے کل دو نوع ہیں، ایک فریق مومن اور دوسرا کافر، اسی وجہ سے خصمان بصیغہ تثنیہ کہا گیا ہے، فریق مومن کے مقابل پانچ فریقوں کو خصم واحد کے صیغہ سے تعبیر کیا ہے اس لئے کہ خصم مصدر ہے اور مصدر کا اطلاق واحد اور جماعت دونوں پر ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: اِخْتَصَمُوْا یہاں جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے اس لئے کہ فریق چند افراد پر مشتمل ہوتا ہے، لہٰذا فریق لفظ کے اعتبار سے واحد اور معنی کے اعتبار سے جمع ہے، جیسے قومٌ ورهطٌ.

قَوْلُہٗ: فی دینه یہ اشارہ ہے کہ مضاف محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: وتشوی بِهِ الجلودُ اس میں اشارہ ہے کہ جلود فعل محذوف کی وجہ سے مرفوع ہے، اس لئے کہ مافی بطونهم پر عطف درست نہیں کیوں کہ جلد پگھلنے کی چیز نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: ولَهُمْ مقامعُ، لهم کی ضمیر میں دو احتمال ہیں اول یہ کہ الذین کفروا کی طرف راجع ہو اس صورت میں لام استحقاق کے لئے ہوگا اور دوسرا احتمال یہ کہ هُمْ ضمیر زبانیہ (دوزخ کے داروغہ) کی طرف راجع ہوگی اور یہ سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: المقامعُ جمع مُقْمَعَة ہتھوڑا۔

تفسیر وتشریح

شان نزول:

ومِنَ الناسِ مَنْ يعبد الله على حرفٍ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ بخاری اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رَضِحَاللهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں مقیم ہوگئے تو بعض ایسے لوگ بھی آکر مسلمان ہو جاتے تھے کہ جن کے دل میں ایمان کی پختگی نہیں ہوتی تھی، اگر اسلام لانے کے بعد اس کی اولا دو مال میں ترقی ہوگئی تو کہتا تھا کہ یہ دین اچھا ہے اور اگر اس کے خلاف ہوا تو کہتا تھا کہ یہ برا دین ہے، ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ یہ لوگ ایمان کے ایک کنارہ پر کھڑے ہوتے ہیں اگر ان کو ایمان کے بعد دنیوی راحت وسامان مل گیا تو اسلام پر جم گئے اور اگر وہ بطور آزمائش کسی تکلیف و پریشانی میں مبتلا ہو گئے تو دین سے پھر گئے۔

حرف کے معنی کنارہ کے ہیں، جس طرح کنارہ پر کھڑے ہونے والے کو قرار وثبات نہیں ہوتا اسی طرح جو شخص دین کے بارے میں شک وریب اور تذبذب کا شکار رہتا ہے اس کا حال بھی یہی ہے، ایسے شخص کو دین پر استقامت نصیب نہیں ہوتی، کیونکہ اس کی نیت صرف دنیوی مفادات کی ہوتی ہے، حاصل ہوتے رہیں تو ٹھیک بصورت دیگر وہ پھر آبائی دین یعنی کفر وشرک کی طرف لوٹ جاتا ہے، اس کے برخلاف جو سچے مسلمان ہوتے ہیں اور ایمان ویقین سے سرشار ہوتے ہیں وہ عسر و یسر کی پرواہ کئے بغیر دین پر قائم رہتے ہیں، نعمتوں سے بہرہ ور ہوتے ہیں تو شکر ادا کرتے ہیں اور اگر تکلیفوں سے دوچار ہوتے ہیں تو صبر کرتے ہیں۔

مَنْ كانَ يظن أن لَنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ الآية اس آیت کے دو مطلب بیان کئے گئے، ایک یہ کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی مدد نہ کرے کیونکہ اس کے غلبہ اور فتح سے اس کو تکلیف ہوتی ہے تو وہ اپنے گھر کی چھت میں رسی لٹکا کر اپنے گلے میں اس کا پھندا لیکر اپنا گلا گھونٹ لے، شاید یہ خودکشی اسے غیظ وغضب سے بچالے جو محمد ﷺ کے بڑھتے ہوئے اثر ونفوذ کو دیکھ کر اپنے دل میں پاتا ہے اس صورت میں سماء سے مراد گھر کی چھت ہوگی، دوسرے معنی یہ ہیں کہ ایسا شخص ایک رسہ لیکر آسمان پر چڑھ جائے اور آسمان سے جو مدد اور وحی آتی ہے اس کا سلسلہ ختم کر دے (اگر وہ کر سکتا ہے) اور دیکھے کہ کیا اس کے بعد اس کا کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا؟ امام ابن کثیر رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ نے پہلے مفہوم کو پسند کیا ہے اور شوکانی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ نے دوسرے مفہوم کو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مذکورہ برحق اور باطل فرقوں کے درمیان قیامت کے دن عملی فیصلہ فرمادیں گے اور یہ فیصلہ حاکمانہ اختیارات کے زور پر نہیں ہوگا، بلکہ عدل وانصاف کے مطابق ہوگا، کیونکہ وہ باخبر ہستی ہے اسے ہر چیز کا علم ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ الآية اس آیت میں تمام مخلوقات خواہ زندہ ذی روح ہوں یا جمادات ونباتات سب کا حق سبحانہ تعالیٰ کے لئے مطیع اور فرمانبردار ہونا بعنوان سجدہ بیان فرما کر بنی نوع انسان کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں، ایک مطیع وفرمانبردار سجدہ

میں سب کے ساتھ شریک اور دوسری قسم سرکش و باغی سجدہ کرنے سے منحرف، اور تابع فرمان ہونے کو سجدہ کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے، جس کا ترجمہ ''عاجزی کرنے سے'' کیا ہے تاکہ مخلوق کی ہر نوع اور ہر قسم کو شامل ہو جائے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا سجدہ اس کے مناسب حال ہوتا ہے، انسان کا سجدہ زمین پر پیشانی رکھنے کا نام ہے، دوسری مخلوقات کا سجدہ اپنی اپنی خدمت جس کے لئے ان کو پیدا کیا گیا ہے، اس کو انجام دینے کا نام ہے۔

تمام مخلوق کے فرمانبردار ہونے کی حقیقت:

تمام کائنات کا اپنے خالق کے زیر حکم اور تابع مشیت ہونا ایک تو تکوینی اور تقدیری طور پر غیر اختیاری ہے جس سے مخلوق کا کوئی فرد مومن ہو یا کافر نباتات میں سے ہو یا جمادات میں سے مستثنیٰ نہیں، اس حیثیت سے سب کے سب یکساں طور پر حق تعالیٰ کے زیر حکم و مشیت ہیں، جہاں کا کوئی ذرہ یا پہاڑ اس کے اذن و مشیت کے بغیر کوئی ادنیٰ حرکت نہیں کر سکتا۔

دوسری طاعت و فرمانبرداری اختیاری ہے کوئی مخلوق اپنے قصد و اختیار سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرے اس سے مومن و کافر کا فرق ہوتا ہے کہ مومن اطاعت شعار و فرمانبردار ہوتا ہے، کافر اس سے منحرف اور منکر ہوتا ہے یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ اس میں سجدہ اور اطاعت سے مراد صرف تکوینی و تقدیری اطاعت نہیں بلکہ اختیاری اور ارادی اطاعت ہے، کسی کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اختیاری اور ارادی اطاعت تو صرف ذوی العقول یعنی جن و انسان وغیرہ میں ہو سکتی ہے، حیوانات، نباتات، جمادات میں عقل و شعور ہی نہیں ہوتا تو پھر قصد و ارادہ کہاں اور اطاعت اختیاری کیسی؟ کیونکہ قرآن کریم کی بے شمار نصوص اور تصریحات سے یہ بات ثابت ہے کہ عقل و شعور اور قصد و ارادہ سے کوئی مخلوق خالی نہیں، کمی بیشی کا فرق ہے، انسان اور جنات کو اللہ تعالیٰ نے عقل و شعور کا کامل درجہ عطا فرمایا ہے اور اسی لئے ان کو امر و نواہی کا مکلف بنایا گیا ہے، اس کے علاوہ باقی مخلوقات میں سے ہر نوع اور ہر صنف کو اس صنف کی ضرورت کے مطابق عقل و شعور دیا گیا ہے، انسان کے بعد سب سے زیادہ عقل و شعور حیوانات میں ہے، اس کے بعد نباتات میں، تیسرے درجہ میں جمادات میں، حیوانات کا عقل و شعور تو عام طور پر محسوس کیا جاتا ہے، نباتات کا عقل و شعور بھی ذرا سا غور کرنے سے پہچان لیا جاتا ہے لیکن جمادات کا عقل و شعور اتنا کم اور مخفی ہے کہ عام انسان اس کو نہیں پہچان سکتے، مگر ان کے خالق و مالک نے خبر دی ہے کہ وہ بھی عقل و شعور نیز قصد و ارادہ کے مالک ہیں۔

قرآن کریم نے آسمان اور زمین کے بارے میں فرمایا ہے ''قَالَتَا اَتَيْنَا طَائِعِيْنَ'' یعنی جب اللہ نے آسمان اور زمین کو حکم دیا کہ تم کو ہمارے تابع فرمان رہنا ہے اپنی خوشی سے فرمانبرداری اختیار کرو ورنہ جبراً وحکماً تابع رہنا ہی ہے تو آسمان اور زمین نے عرض کیا کہ ہم اپنے ارادے اور خوشی سے اطاعت اور فرمانبرداری قبول کرتے ہیں، اور دوسری جگہ پہاڑوں کے پتھروں کے متعلق قرآن کریم کا ارشاد ہے ''وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ'' یعنی بعض پتھر ایسے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کی خشیت اور خوف کے مارے اوپر سے نیچے لڑھک جاتے ہیں، اسی طرح احادیث کثیرہ میں پہاڑوں کی باہم گفتگو اور دوسری مخلوقات میں عقل و شعور کی شہادتیں بکثرت ملتی ہیں، اس لئے اس آیت میں فرمانبرداری کو سجدہ کے لفظ سے

تعبیر کیا گیا ہے، اس سے اطاعت اختیاری وارادی مراد ہے، اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ نوع انسان کے علاوہ (جن کے ضمن میں جنات بھی داخل ہیں) باقی تمام مخلوقات اپنے قصد وارادہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز یعنی تابع فرمان ہیں، صرف انسان اور جن ایسی مخلوق ہے جن میں دو حصے ہو گئے، ایک مومن و مطیع سجدہ گذار، دوسرے کافر و نافرمان، سجدہ سے منحرف جن کو اللہ نے ذلیل کر دیا ہے ان کو سجدہ کی توفیق نہیں بخشی۔ (واللہ اعلم)۔

هٰذان خصمان جن کا ذکر اوپر آیت ''اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا'' میں ہوا ہے، یہ دو فریق ہیں ایک مومن دوسرا کافر، پھر کافروں کی پانچ قسمیں ہیں یہود، نصاریٰ، صابئین، مجوس، بت پرست۔

جنہوں نے اپنے رب کے بارے میں باہم اختلاف کیا اس اختلاف کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا، یہ دو فریق جن کا ذکر اس آیت میں ہے عام مومنین اور ان کے مقابلہ میں تمام گروہ کفار ہیں خواہ قرن اول کے ہوں یا مابعد کے، البتہ اس آیت کا نزول دو فریقوں کے بارے میں ہوا ہے، جو میدان بدر کے مبارزۃ میں ایک دوسرے کے مقابل نبرد آزما تھے، مسلمانوں میں سے حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ و حمزہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ و ابو عبیدہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اور کفار میں سے عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ تھے، جن میں سے کفار تو تینوں مارے گئے تھے اور مسلمانوں میں حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور حضرت حمزہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ صحیح وسالم واپس آئے اور ابو عبیدہ شدید زخمی ہو کر آئے، اور آنحضرت ﷺ کے قدموں میں پہنچ کر دم توڑ دیا، آیت کا نزول ان مبارزین کے بارے میں ہونا بخاری ومسلم کی احادیث سے ثابت ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ حکم ان کے ساتھ مخصوص نہیں پوری امت کے لئے عام ہے، خواہ کسی بھی زمانہ میں ہوں۔ (معارف)

وقال فِي المؤمنين **اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا** بالجَرّ اى مِنهما بِاَن يُرَصَّعَ اللُّؤلؤُ بالذهبِ وبالنصب عطف على محلِّ من اَسَاوِرَ **وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ** هو المحرَّم لُبسُه على الرجال فى الدنيا **وَهُدُوْٓا** فى الدنيا **اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ** وهو لا اله الا الله **وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ** اى طريق اللّٰهِ المحمود ودينه **اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** طاعَتِه **وَ** عن **الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ** مَنسَكًا ومتعبَّدًا **لِلنَّاسِ سَوَآءَ الْعَاكِفُ** المقيمُ **فِيْهِ وَالْبَادِ** الطارى **وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ** الباءُ زائدةٌ **بِظُلْمٍ** اى بِسَبَبِه بِاَنْ ارتكب مَنهيًّا ولو شَتْمَ الخادِمِ **نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ** مُؤلِمٍ اى بَعضَهٗ ومِن هٰذا يُؤخذ خبرُ اِنَّ اى نُذيقُهم مِنْ عذابٍ اَليمٍ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ایسے باغات میں داخل کرے گا جس میں نہریں جاری ہوں گی، ان کو وہاں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے، اور جنت میں ان کا لباس ریشم کا ہوگا جس کا

مردوں کے لئے دنیا میں پہننا حرام ہے، لؤلؤٌ جر کے ساتھ، یعنی کنگن سونے اور موتیوں سے بنے ہوں گے، اس طریقہ سے کہ موتی سونے میں جڑے ہوئے ہوں گے اور لؤلؤاً نصب کے ساتھ بھی ہے اَسَاوِرَ کے محل پر عطف ہونے کی وجہ سے اور ان کو دنیا میں کلمہ طیب کی ہدایت کردی گئی تھی، اور وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ہے اور ان کو اس راستہ کی ہدایت کردی گئی تھی جو لائق تعریف ہے یعنی اللہ کا پسندیدہ راستہ اور اس کا دین ہے بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور اللہ کے راستہ سے یعنی اس کی اطاعت سے اور مسجد حرام سے جس کو ہم نے قربان گاہ اور عبادت گاہ کردیا، تمام لوگوں کے لئے اس میں مقیم اور مسافر سب برابر ہیں، جو بھی وہاں ظلم کے ساتھ بے راہ روی اختیار کرے گا تو ہم اس شخص کو دردناک عذاب یعنی اس کا بعض حصہ چکھائیں گے، بالحادٍ میں بازائدہ ہے، بظلمٍ ای بسبب الظلم بایں طور کہ کسی غیر مشروع چیز کا ارتکاب کرے گا اگرچہ خادم کو سب وشتم ہی کیوں نہ ہو، اور اسی نُذِقْه کے لفظ سے اِنَّ کی خبر اخذ کی جائے گی ای نُذِقْهُمْ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ.

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُهُ: مِنْ اَسَاوِرَ من تبعیضیہ ہے ای بعض الاساور، من بیانیہ بھی ہوسکتا ہے اور زائدہ بھی، اور من من ذهب میں بیان کے لئے ہے۔

قِوْلُهُ: الاساورَ اَسْوِرَة کی جمع ہے، اور اَسْوِرَة سِوَارٌ کی جمع ہے، بمعنی کنگن، سُوار ضمہ اور فتحہ دونوں لغت ہیں، لؤلؤٍ جر کے ساتھ اسَاوِرَ پر عطف ہوگا اور لؤلؤاً نصب کے ساتھ اَسَاوِرَ کے محل پر عطف ہوگا ای یُحَلَّوْنَ لُؤلُؤاً چونکہ لؤلؤاً الف کے ساتھ لکھا ہے، لہٰذا نصب رسم الخط کے مقتضیٰ کے مطابق ہوگا۔

قِوْلُهُ: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ، يَصُدُّوْنَ کے اعراب میں تین وجہ ہوسکتی ہیں ① یصدون کا عطف کفروا پر ہو، اس صورت میں یہ اعتراض ہوگا کہ مضارع کا عطف ماضی پر درست نہیں ہے، اس کے تین جواب ہیں اول جواب مضارع سے بعض اوقات حال یا استقبال کے معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ اس سے استمرار مراد ہوتا ہے، جس میں ماضی بھی شامل ہے، دوسرا جواب، مضارع ماضی کی تاویل میں ہے، تیسرا جواب، مضارع اپنے حال پر ہے، البتہ ماضی بمعنی مستقبل ہے، یصدون کے اعراب کی دوسری وجہ يَصُدُّوْنَ كفروْا کی ضمیر فاعل سے حال ہے، مگر یہ ظاہر البطلان ہے، اس لئے کہ مضارع مثبت اگر حال واقع ہو تو اس پر واؤ داخل نہیں ہوتا حالانکہ یہاں واؤ موجود ہے، یصدون کے اعراب کی تیسری وجہ، ویصدون میں اِنَّ کی خبر پر واؤ زائدہ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ويصدُّوْنَ اور واؤ کی زیادتی کوفیین کا مذہب ہے۔

قِوْلُهُ: منسكًا یہ جعلناه کے مفعول زمانی کی طرف اشارہ ہے۔

قِوْلُهُ: سَوَاءً جعلنا کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور سواء بمعنی مستويًا ہوگا، اور العاكفُ اس کے ذریعہ مرفوع ہے، اور سَوَاءً حال ہونے کی وجہ سے بھی منصوب ہوسکتا ہے، جمہور نے سواء کو مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع

پڑھا ہے، اس کی خبر عاکف ہے یا اس کا عکس ہے۔

قَوْلَہٗ: وَمَنْ یُرِدْ فِیْہِ بالحادٍ بظلمٍ نُذِقْهُ مِن عذابٍ اَلِیمٍ یُرِد کا مفعول تعمیم کی غرض سے محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے، وَمَنْ یرِد فیهِ مرادًا، الحاد لغت میں عدول اور میلان عن الحق کو کہتے ہیں۔

قَوْلَہٗ: مِن هٰذا ای نُذِقْهُ یعنی نُذِقه کے لفظ سے اِنَّ کی خبر محذوف کو سمجھا جاسکتا ہے اور وہ نُذِقْهُمْ مِنْ عذابٍ اَلِیمٍ ہے۔

تفسیر و تشریح

سابقہ آیات میں جہنمیوں کا ذکر تھا، اِنَّ اللّٰہ یدخل الَّذِیْنَ آمَنُوْا سے مقابلہ کے طور پر جنتیوں کا اور ان نعمتوں کا تذکرہ ہے جو اہل ایمان کے لئے مہیا کی جائیں گی، یُحَلَّوْنَ فِیها مِن اساوِرَ الخ جنتیوں کو کنگن پہنائے جائیں گے، یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ کنگن پہننا عورتوں کا کام اور ان کی زیبائش ہے، مردوں کے لئے نہ صرف یہ کہ زیبائش اور آرائش نہیں ہے بلکہ معیوب بھی سمجھا جاتا ہے، جواب یہ ہے کہ دنیا کے بادشاہوں کی یہ امتیازی شان رہی ہے کہ سر پر تاج اور ہاتھوں میں کنگن رکھتے تھے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ سراقہ بن مالک کو جبکہ وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے اور سفر ہجرت میں آپ ﷺ کو گرفتار کرنے کے لئے نکلے تھے جب ان کا گھوڑا باذن خداوندی زمین میں دھنس گیا اور سراقہ نے توبہ کی تو آنحضرت ﷺ کی دعا سے گھوڑا نکل گیا، آپ ﷺ نے اس سراقہ بن مالک سے وعدہ فرمایا تھا کہ کسریٰ شاہ فارس کے کنگن مال غنیمت میں مسلمانوں کے پاس آئیں گے اور وہ تمہیں پہنائے جائیں گے۔ چنانچہ جب فاروق اعظم کے زمانہ میں ملک فارس فتح ہوا اور شاہ کسریٰ کے یہ کنگن دیگر اموال غنیمت کے ساتھ آئے تو سراقہ بن مالک نے مطالبہ کیا تو ان کو دیدیئے گئے، خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح سر پر تاج پہننا عام مردوں کا رواج نہیں شاہی اعزاز ہے اسی طرح ہاتھوں میں کنگن بھی شاہی اعزاز سمجھے جاتے ہیں، اس لئے اہل جنت کو کنگن پہنائے جائیں گے یہ کنگن سونے، چاندی اور موتی تینوں قسم کے بھی ہوسکتے ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سونے چاندی کے کنگنوں میں موتی جڑے ہوئے ہوں۔

مردوں کے لئے ریشم کے کپڑوں کا حکم آیت مذکورہ میں ہے کہ جنت میں جنتیوں کا لباس حریر (ریشم) کا ہوگا، مطلب یہ ہے کہ ان کے تمام ملبوسات اور فرش اور پردے وغیرہ ریشم کے ہوں گے جو دنیا میں سب سے بہتر لباس سمجھا جاتا ہے اور جنت کا ریشم ظاہر ہے کہ دنیا کے ریشم سے صرف نام کی شرکت رکھتا ہے ورنہ اس کی عمدگی اور بہتری کو دنیوی ریشم سے کوئی نسبت نہیں، ضرورت شرعی (مثلاً حالت جنگ میں یا بطور علاج کسی ماہر طبیب کے تجویز کرنے کی وجہ سے) کے علاوہ اگر مرد ریشمی کپڑا پہنے گا تو اس کے لئے احادیث میں وعیدیں وارد ہوئی ہیں، تفسیر کی کتابوں کی طرف رجوع کریں، مثلاً تفسیر مظہری، قرطبی وغیرہ۔

امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دنیا میں ریشمی لباس پہنے گا وہ آخرت میں محروم رہے گا، اور جو دنیا میں شراب پیئے گا وہ آخرت کی شراب سے محروم رہے گا اور جو دنیا میں سونے چاندی کے برتنوں میں کھائے پیئے گا وہ آخرت میں سونے چاندی کے برتنوں میں نہ کھائے گا، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تینوں

چیزیں اہل جنت کے لئے مخصوص ہیں۔ (قرطبی بحوالہ نسائی)

مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے دنیا میں یہ کام کئے اور توبہ نہیں کی وہ جنت کی ان تینوں چیزوں سے محروم رہیگا اگرچہ جنت میں داخل بھی ہوجائے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے دنیا میں شراب پی، پھر اس نے توبہ نہیں کی وہ آخرت میں جنت کی شراب سے محروم رہے گا۔ (قرطبی)

شبہ: یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ جب ایک شخص جنت میں داخل کرلیا گیا پھر اگر وہ کسی چیز سے محروم کیا گیا تو اس کو حسرت اور افسوس رہے گا اور جنت اس کی جگہ نہیں، وہاں کسی شخص کو کسی شئ کا غم اور افسوس نہ ہونا چاہئے، اور اگر یہ حسرت اور افسوس نہ ہو تو پھر اس محرومی کا کوئی فائدہ نہیں رہتا، اس کا جواب قرطبی نے اچھا دیا ہے کہ اہل جنت کے جس طرح مقامات اور درجات مختلف متفاوت اعلیٰ اور ادنیٰ ہوں گے ان کے تفاوت کا احساس بھی سب کو ہوگا مگر اس کے ساتھ ہی حق سبحانہ تعالیٰ اہل جنت کے قلوب ایسے بنادے گا کہ ان میں حسرت وافسوس کسی چیز کا نہ ہوگا۔

وَهُدُوْٓا اِلَی الطَّیِّبِ من القَوْلِ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا کہ اس سے مراد کلمہ طیبہ **لا الہ الا اللّٰہ** ہے، بعض نے فرمایا قرآن مراد ہے (قرطبی) صحیح یہ ہے کہ یہ سب چیزیں اس میں داخل ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَیَصُدُّوْنَ عن سَبِیْلِ اللّٰہ سبیل اللہ سے مراد اسلام ہے، معنی آیت کے یہ ہیں کہ یہ لوگ خود تو اسلام سے دور ہیں ہی دوسروں کو بھی اسلام سے روکتے ہیں **والمسجد الحرام** یہ ان کا دوسرا گناہ ہے کہ مسلمانوں کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں، مسجد حرام دراصل اس مسجد کا نام ہے جو بیت اللہ کے گرد بنی ہوئی ہے اور یہ حرم مکہ کا ایک اہم جزء ہے، لیکن بعض مرتبہ مسجد حرام بول کر پورا حرم بھی مراد لیا جاتا ہے، جیسا کہ خود اسی واقعہ یعنی مسلمانوں کو عمرہ کے لئے حرم میں داخل ہونے سے روکنے کی جو صورت پیش آئی وہ یہی تھی کہ کفار مکہ نے آپ کو صرف مسجد میں جانے سے نہیں بلکہ حدود حرم میں داخل ہونے سے روک دیا تھا جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور قرآن کریم نے اس واقعہ میں مسجد حرام کا لفظ بمعنی مطلق حرم استعمال فرمایا ہے "**وصدّوکم عن المسجد الحرام**".

حرم مکہ میں تمام مسلمانوں کے مساوی حق کا مطلب:

اس بات پر پوری امت اور فقہاء کا اتفاق ہے کہ مسجد حرام اور حرم شریف کے وہ تمام حصے جن سے افعال حج کا تعلق ہے جیسے صفا مروہ اور ان کے درمیان کا میدان جس میں سعی ہوتی ہے اسی طرح منیٰ کا پورا میدان، عرفات کا پورا میدان اور میدان مزدلفہ یہ زمینیں پوری دنیا کے مسلمانوں کے لئے وقف ہیں کسی شخص کی ذاتی ملکیت ان پر نہ کبھی ہوئی ہے اور نہ ہوسکتی ہے، اس کے علاوہ مکہ مکرمہ کے عام مکانات اور باقی حرم کی زمینیں ان کے متعلق بھی بعض ائمہ فقہاء کا یہی قول ہے، کہ وہ بھی وقف عام ہیں، ان کا فروخت کرنا یا کرایہ پر دینا حرام ہے، ہر مسلمان ہر جگہ ٹھہر سکتا ہے، مگر دوسرے فقہاء کا مختار مسلک یہ ہے کہ مکہ کے مکانات ملک خاص ہوسکتے ہیں ان کی خرید وفروخت اور ان کو کرایہ پر دینا جائز ہے، حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے ثابت ہے کہ انہوں نے

صفوان بن امیہ کا مکان مکہ مکرمہ میں خرید کر اس کو مجرموں کے لئے قید خانہ بنایا تھا، امام ابوحنیفہ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی سے اس میں دو روایتیں منقول ہیں ایک پہلے قول کے مطابق اور دوسری دوسرے قول کے مطابق اور فتویٰ دوسرے قول پر ہے (کذا فی روح المعانی) مسجد حرام سے امام شافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی اور امام احمد رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کے نزدیک خاص مسجد حرام مراد ہے، امام ابو یوسف رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کا بھی یہی قول ہے، امام مالک وابوحنیفہ وثوری ومحمد رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی کے نزدیک پورا حرم مراد ہے، اس کا قرینہ "العاکف فیہ" ہے اس لئے کہ قیام نفس مسجد میں نہیں ہوتا بلکہ منازل میں ہوتا ہے، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا بھی پورے حرم کو مسجد ہی سمجھتے تھے، اسی وجہ سے مکہ کی زمین کو فروخت کرنا یا کرایہ پر دینا مکروہ سمجھتے تھے، امام صاحب سے بھی ایک روایت ایسی ہی منقول ہے، ایک قول امام صاحب کا اس کے برعکس بھی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

وَمَنْ يُرِدْ فيه بالحادٍ بظلمٍ، **الحاد** کے معنی لغت میں سیدھے راستہ سے ہٹ جانے کے ہیں اس جگہ **الحاد** سے مراد مجاہد وقتادہ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی کے نزدیک کفر وشرک ہے، مگر دوسرے مفسرین نے اس کو اپنے عام معنی میں قرار دیا ہے جس میں ہر گناہ اور ہر نافرمانی داخل ہے، جو چیزیں شریعت میں ممنوع اور حرام ہیں وہ سبھی جگہ گناہ اور موجب عذاب ہیں، حرم کی تخصیص اس بنا پر کی گئی ہے کہ جس طرح حرم مکہ میں نیکی کا ثواب بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے اسی طرح گناہ کا عذاب بھی بڑھ جاتا ہے، اور عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ سے اس کی ایک تفسیر یہ بھی منقول ہے کہ حرم کے علاوہ دوسری جگہوں میں محض گناہ کا ارادہ کرنے سے گناہ نہیں لکھا جاتا جب تک کہ اس پر عمل نہ کرے اور حرم میں صرف پختہ ارادہ کر لینے پر بھی گناہ لکھا جاتا ہے، قرطبی نے بھی تفسیر ابن عمر رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا سے یہی نقل کی ہے اور اس تفسیر کو صحیح کہا ہے۔

وَ اذکر **اِذْ بَوَّاْنَا** بَيَّنَّا **لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ** لِيَبْنِيَه وكان قد رُفع زمنَ الطوفانِ وأمَرْناه **اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ** مِنَ الاَوْثَان **لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ** المقيمين به **وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ﴿٢٦﴾** جمعُ راكعٍ وساجدٍ اى المصلّين **وَاَذِّنْ** نادِ **فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ** فنادىٰ على جبلِ اَبِي قُبَيْسٍ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ رَبَّكُمْ بَنٰى بَيْتًا وَاَوْجَبَ عَلَيْكُم الحَجَّ اِلَيه فَاَجِيبُوْا رَبَّكم وَالتَفَتَ بِوَجْهِهٖ يَمِيْنًا وشِمالاً وشَرْقًا وغَرْبًا فَاَجابه كُلُّ مَنْ كُتِبَ له اَن يَّحُجَّ مِنْ اَصْلابِ الرِّجالِ وَاَرْحامِ الاُمَّهاتِ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ وجوابُ الاَمرِ **يَاْتُوْكَ رِجَالًا** مُشاةً جَمْعُ راجِلٍ كقائمٍ وقيامٍ **وَّ** رُكْبانًا **عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ** اى بَعِيرٍ مهزولٍ وهو يُطلق على الذكرِ والانثىٰ **يَّاْتِيْنَ** اى الضَّوامِرُ حَمْلاً على المعنىٰ **مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ﴿٢٧﴾** طَرِيْقٍ بَعِيدٍ **لِّيَشْهَدُوْا** اى يَحْضُرُوْا **مَنَافِعَ لَهُمْ** فى الدُّنيا بالتِّجارَةِ اَوْفى الأخرةِ اَوْ فيهما اقوال **وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ** اى عَشرِ ذى الحجةِ او يومِ عَرفَةَ او يومِ النَّحرِ الى اٰخرِ اَيّامِ التشريقِ اَقوالٌ **عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ** الإبلِ والبقرِ والغنمِ التى تُنحَرُ فى يومِ العيدِ وما بعده من الهَدايا والضحايا **فَكُلُوْا مِنْهَا** اذا كانت مُستحَبَّةً

وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾ ای الشدید الفقر ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ ای یُزِیْلُوا اَوْسَاخَھُمْ وَشَعْثَھُمْ كَطُوْلِ الظُّفُرِ وَلْيُوْفُوْا بالتخفیف والتشدید نُذُوْرَهُمْ مِنَ الھَدَایَا والضَّحَایَا وَلْيَطَّوَّفُوْا طواف الإفاضۃِ بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾ ای القدیم لِاَنَّهٗ اَوَّلُ بیتٍ وُضِعَ ذٰلِكَ خبرُ مبتداءٍ مُقَدَّرٍ ای الامرُ او الشانُ ذٰلِكَ المذکور وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ ھِیَ مالا یَحِلُّ اِنْتِھَاکُہ فَهُوَ ای تعظیمُھا خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ فی الاٰخرۃِ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اَکْلاً بعد الذَّبحِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ تحریمُہ فی حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ المَیْتَۃُ الآیۃِ فَالاِسْتِثْنَاءُ منقطعٌ ویجوز اَنْ یکون مُتَّصِلاً والتحریم لِمَا عَرَضَ مِنَ الموتِ ونحوہ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ مِنْ لِلْبَیَانِ ای الَّذی ھُوَ الاوثانُ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾ ای الشِّرکَ فی تَلْبِیَتِھم اَوْ شھادۃَ الزُّورِ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ مُسْلِمِینَ عادِلِینَ عن کُلِّ سِوٰی دِیْنِہ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ تاکیدٌ لِمَا قَبْلَہ وھما حالان مِنَ الوَاوِ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ سَقَطَ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ ای تَاخُذُہُ بِسُرْعَۃٍ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ ای تُسْقِطُہُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾ بَعِیْدٍ ای فَھُوَ لایُرجٰی خَلاصُہ ذٰلِكَ یُقَدَّرُ قَبْلَہُ الامرُ مُبْتَدَأً وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا ای فَاِنَّ تَعْظِیْمَھَا وَھِیَ البُدْنُ الَّتِی تُھدیٰ لِلحرمِ بِاَنْ تُسْتَحْسَنَ وتُسْتَسْمَنَ مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ مِنھم وسُمِّیَتْ شعائرَ لِاِشْعارِھَا بِمَا یُعرفُ بہ اَنَّھَا ھَدْیٌ کَطَعْنِ حَدِیْدَۃٍ بِسَنَامِھَا لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ کَرُکُوْبِھَا والحَمْلِ علیھا مالا یَضُرُّھَا اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى وقتَ نَحْرِھَا ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ ای مَکَانُ حِلِّ نَحْرِھَا اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾ ای عندہ والمرادُ الحرمُ جمیعُہ.

ع ۱۱/۸

ترجمہ: اور اس واقعہ کا ذکر کیجئے جب ہم نے ابراہیم کو خانہ کعبہ کی جگہ کی نشاندہی کر دی تا کہ اس کی تعمیر کریں اور بیت اللہ کو طوفان (نوح) کے زمانہ میں اٹھالیا گیا تھا، اور ہم نے اس کو یہ حکم دیا کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا، اور میرے گھر کو بتوں سے طواف کرنے والوں کے لئے اور قیام اور رکوع اور سجود کرنے والوں کے لئے پاک رکھنا، رُکَّعِ جمع راکعٍ اور سُجُود جمع ساجِدٍ اور مراد نماز پڑھنے والے ہیں، اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دے، چناں چہ (حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے) جبل ابی قبیس پر چڑھ کر اعلان فرمایا "اے لوگو! تمہارے رب نے ایک گھر بنایا ہے اور تمہارے اوپر اس کا حج کرنا واجب کیا ہے لہٰذا تم اپنے رب کی ندا پر لبیک کہو اور حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے چہرے کو دائیں بائیں اور شرقاً وغرباً گھمایا، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی آواز پر مردوں کی پشت سے اور عورتوں کے ارحام سے ہر اس شخص نے لبیک کہا کہ جس کی قسمت میں حج لکھا ہوا تھا "لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ" اور جواب امر "یاتوك رجالا" ہے رجالاً کے معنی پاپیادہ کے ہیں اور رجال راجل کی جمع ہے جیسے قائم کی جمع قیام ہے، چلے آئیں گے لوگ تیرے پاس پیدل اور سوار ہو کر دبلے اونٹوں پر، ضامر دبلے اونٹ کو کہتے

ہیں اس کا اطلاق نر و مادہ دونوں پر ہوتا ہے آئیں گی وہ اونٹنیاں دور و دراز راستہ سے یاتین بصیغہ جمع ضامر کے معنی کی رعایت کی وجہ سے لایا گیا ہے تا کہ تجارت کے ذریعہ اپنے دنیوی فوائد کے لئے یا اخروی فوائد یا دونوں فوائد کے لئے اپنے منافع کی جگہ حاضر ہوں یہ تین قول ہیں اور (اس لئے آویں) تا کہ ایام مقررہ یعنی عشرۂ ذی الحجہ یا یوم عرفہ یا یوم نحر میں ایام تشریق کے آخری دن تک، یہ تین قول ہیں، ان چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے ان کو دیئے ہیں وہ اونٹ اور گائے اور بکریاں ہیں جو کہ یوم نحر میں اور اس کے بعد ہدایا اور ضحایا میں سے ذبح کی جاتی ہیں پس تم خود بھی کھاؤ اگر وہ مستحب ہوں اور صاحب فقر کو یعنی شدید حاجت مند کو کھلاؤ پھر ان کو چاہئے کہ اپنا میل کچیل دور کریں، یعنی میل کچیل اور پراگندگی مثلاً بڑھے ہوئے ناخن (وغیرہ) دور کریں اور ہدی اور قربانی کے جانوروں کو (ذبح) کر کے نذر پوری کریں وَلْیُوْفُوْا فا کی تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے، اور بیت عتیق کا طواف افاضہ (زیارت) کریں یعنی قدیم گھر کا، اس لئے کہ وہ پہلا گھر ہے جو بنایا گیا **ذٰلك** مبتداء محذوف کی خبر ہے (تقدیر عبارت یہ ہے) **الامر ذلك المذكور** یا **الشان ذلك المذكور** یعنی مذکورہ بات تو پوری ہوئی اور جو شخص اللہ کی محترم چیزوں کی تعظیم کرے گا اور وہی وہ چیزیں ہیں کہ جن کی بے حرمتی جائز نہیں تو ان کی تعظیم اس کے حق میں اس کے رب کے نزدیک آخرت میں بہتر ہے اور تمہارے لئے جانوروں کو ذبح کرنے کے بعد حلال کر دیا گیا ہے باستثناء ان جانوروں کے کہ جن کی حرمت تم کو **حرمت علیکم المیتة** (الآیة) میں بتادی گئی ہے سو یہ مستثنیٰ منقطع ہے اور اس کا مستثنیٰ متصل ہونا بھی جائز ہے اور حرمت موت وغیرہ کے لاحق ہونے کی وجہ سے ہے سو تم گندگی سے جو کہ وہ بت ہیں کنارہ کش رہو مِــن بیانیہ ہے یعنی رجس جو کہ وہ بت ہیں اور جھوٹی بات سے بچتے رہو یعنی شرک فی التلبیہ سے اور جھوٹی گواہی سے بچتے رہو اس طور سے کہ اللہ کی طرف جھکے رہو تابع فرمان رہو، اس کے دین کے علاوہ ہر چیز سے اعراض کرتے رہو اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ یہ ماقبل کی تاکید ہے اور یہ دونوں (**حنفاء** اور **غیر مشرکین**) **اجتنبوا** کے واؤ سے حال ہیں اور جس شخص نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو گویا کہ وہ آسمان سے گر پڑا پھر یا تو پرندے اس کو اچک لیں گے یعنی جلدی سے اس کو پکڑ لیں گے یا ہوا اس کو دور دراز جگہ پر ڈال دے گی اور مکان بعید یہ ہے کہ اس کی خلاصی کی توقع نہیں کی جاسکتی، یہ سن لیا **ذٰلك** سے پہلے الامر مبتداء محذوف اور سنو جو شخص شعائر اللہ کی عزت و حرمت کرے گا بے شک ان کی تعظیم ان کی پرہیزگاری کی وجہ سے ہے اور وہ، وہ بدنے ہیں جو حرم کی جانب سے بطور ہدی بھیجے جاتے ہیں، اور شعائر اللہ کی تعظیم کی صورت یہ ہے کہ ان کی اچھی طرح دیکھ بھال کرے اور ان کو (کھلا پلا کر) فربہ کرے، اور ان (قربانی کے جانوروں) کو شعائر اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے کوئی ایسی علامت لگا دی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ پہچانے جاتے ہیں جیسا کہ ان کی کوہان میں نیزہ سے زخم لگا دینا اور تمہارے لئے ان میں وقت مقرر یعنی ذبح ہونے تک کچھ منافع ہیں، مثلاً ان پر سوار ہونا اور ان پر کسی ایسی چیز کا لادنا کہ جو ان کے لئے مضرت رساں نہ ہو پھر ان کا مقام یعنی ان کے قربان کرنے کی جگہ بیت اللہ کے قریب ہے اور مراد پورا حرم ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: بَوَّأْنَا، بَوَّأَ تَبْوِئَةً سے ماضی جمع متکلم ہے، ہم نے جگہ دی ہے، زجاج نے کہا ہے بَوَّأنا کے معنی بَیَّنَّا لہ مکان البیت لِیَبْنِیَہٗ ویکون مباءۃ لہٗ مفسر علام نے بَوَّأنا کی تفسیر بَیَّنَّا سے کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ لِإبراهیمَ میں لام زائدہ نہیں ہے بلکہ بطور صلہ تعدیہ کے لئے ہے اور اگر بَوَّأنا، انزلنا کے معنی میں ہو تو لام کو زائدہ ماننا پڑے گا اس لئے کہ بَوَّأنا اس وقت متعدی بنفسہٖ ہے۔

قَوْلُہٗ: امرناہ کی تقدیر سے اشارہ کیا ہے کہ أن لا تشرك بہ محذوف کا معمول ہے اور اس محذوف کا عطف بوّأنا پر ہے، وَطَهِّرْ بَيْتِيَ اس سے پہلے امرنا یا قلنا محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: یاتوك خطاب کا صیغہ یا تو اس وجہ سے استعمال فرمایا ہے کہ حجاج کی بیت اللہ میں حاضری حضرت ابراہیم ہی کے اعلان کے نتیجہ میں ہوتی ہے، یا پھر مضاف محذوف ہے ای یا توا بیتك اور بیت کی اضافت کاف خطاب کی جانب تعمیر کی وجہ سے ہے۔

قَوْلُہٗ: ضامر دبلا جس کی کمر پتلی ہو یہ ضمور سے مشتق ہے تضمیر کہتے ہیں گھوڑے کو فربہ کرنے کے بعد دوڑا کر دبلا کرنا تاکہ وہ تیز رفتار ہو جائے۔

قَوْلُہٗ: یأتین یہ جمع کا صیغہ ہے ضامر کی صفت ہے حالانکہ ضامر مفرد ہے، کل ضامر جمع کے معنی میں ہے معنی ہی کی رعایت کی وجہ سے یأتین بصیغہ جمع لایا گیا ہے ورنہ تو یاتی واحد مذکر غائب کا صیغہ لانا چاہئے تھا۔

قَوْلُہٗ: لِيَشْهَدُوْا اس کا تعلق اَذِّنْ اور یأتوكَ دونوں سے ہو سکتا ہے ثانی ظاہر ہے۔

قَوْلُہٗ: اِذَا كَانَتْ مُسْتَحَبَّةً امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے یہاں چونکہ ضحایا واجبہ سے مالدار کے لئے کھانا درست نہیں ہے، اس لئے مفسر علام نے اذا کانت مستحبۃ کا اضافہ فرمایا امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے نزدیک سوائے دم جنایت کے مالداروں کے لئے کھانا جائز ہے، جیسے دم تمتع اور دم قران۔

قَوْلُہٗ: طواف الافاضۃ یہ طواف رکن ہے، اسی کو طواف زیارت بھی کہتے ہیں اس کو افاضہ اس لئے کہا کہ اس کا وقت عرفات سے فارغ ہونے کے بعد ہے۔

قَوْلُہٗ: البیت العتیق عتیق دو معنی میں مستعمل ہے اول بمعنی قدیم چونکہ عبادتخانہ کے طور پر بیت اللہ کو سب سے اول بنایا گیا تھا، اس لئے اس کو عتیق یعنی قدیم کہنا درست ہے اور دوسرے معنی، آزاد کے ہیں یعنی عتیق بمعنی معتق حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ اس کو جبابرہ کے تسلط سے آزاد کر دیا ہے، اس لئے اس کو عتیق کہا گیا ہے، اب رہا حجاج بن یوسف کا تسلط تو وہ حضرت زبیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کو بیت اللہ سے نکالنے کے لئے تھا نہ کہ بیت اللہ کو منہدم کرنے کے ارادہ سے مقصد پورا ہونے کے بعد حجاج نے دوبارہ بیت اللہ کی تعمیر کرا دی تھی، اور بعض حضرات نے عتیق کے معنی کریم کے بھی بیان

کئے ہیں، ای البیت الکریم۔ (حمل)

قِوْلُہٗ: تحریمہ تحریمہ کے اضافہ کا مسدد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ یُتلٰی کا نائب فاعل محذوف ہے، مفسر علام اگر تحریمہ محذوف ماننے کے بجائے آیت التحریم محذوف مانتے تو زیادہ بہتر ہوتا اس لئے کہ متلو آیۂ تحریم ہے نہ کہ تحریم۔

قِوْلُہٗ: فالاستثناء منقطع الَّا ما یُتلٰی علیکم یہ مستثنیٰ منقطع ہے اس لئے کہ مستثنیٰ جو کہ المیتۃُ والدمُ ولحم الخنزیر الآیۃ مستثنیٰ منہ جو کہ الانعام کی جنس سے نہیں ہے لہٰذا یہ مستثنیٰ منقطع ہے اور مستثنیٰ متصل بھی ہوسکتا ہے بایں طور کہ اِلَّا ما یُتلٰی علَیْکُمْ میں ما سے مراد وہ مردار ہے جو عارض موت کی وجہ سے مرگیا ہو یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا، اس صورت میں چونکہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہے لہٰذا مستثنیٰ متصل ہوگا۔

قِوْلُہٗ: حُنَفَاءَ یہ اجتنبوا کی ضمیر واؤ سے حال ہے۔

قِوْلُہٗ: شعائر اللّٰہ شعائر اعلام اعمال حج کو کہتے ہیں اس کا واحد شعیرۃٌ یا شعارۃٌ ہے اور مشاعر مواضع المناسک کے معنی میں ہے۔

قِوْلُہٗ: ھی البُدُن سیاق پر حمل کرتے ہوئے شعائر کی تفسیر بُدُنٌ سے کی ہے، بہتر یہ تھا کہ اس کو عام رکھتے جو دیگر شعائر کو بھی شامل ہوجاتا۔

قِوْلُہٗ: مِنْ تقوی القُلُوب منھم منہم کا اضافہ کرکے اشارہ کردیا کہ مَنْ یُّعَظِّمْ میں مَنْ موصولہ ہے اور من تقوی القلوب جملہ ہوکر صلہ ہے جس میں عائد کا ہونا ضروری ہے اور وہ منھم ہے۔

قِوْلُہٗ: طَعْنٌ نیزہ سے زخم لگانا سنام اونٹ کی کوہان کو کہتے ہیں۔

قِوْلُہٗ: کرکوبِھا یہ امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے نزدیک ہے احناف کے نزدیک بغیر حالت اضطراری کے سوار ہونا درست نہیں ہے۔

قِوْلُہٗ: المراد الحرم قرب شئ کو عین شئ کا حکم دیدیا گیا ہے، اس لئے کہ ہدی بیت اللہ میں ذبح نہیں کی جاتی بلکہ حدود حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے نہ کہ بیت اللہ یا مسجد حرام میں، امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے نزدیک ہدی کا حدود حرم میں ذبح ہونا ضروری ہے۔

قِوْلُہٗ: مَحِلُّھَا الی البیت العتیق یعنی ہدایا اور ضحایا کے ذبح کرنیکی جگہ بیت اللہ کے قریب ہے یعنی حدود حرم میں خواہ مکہ میں ہو یا منیٰ میں۔

❀❀❀❀❀

نقشہ خانہ کعبہ
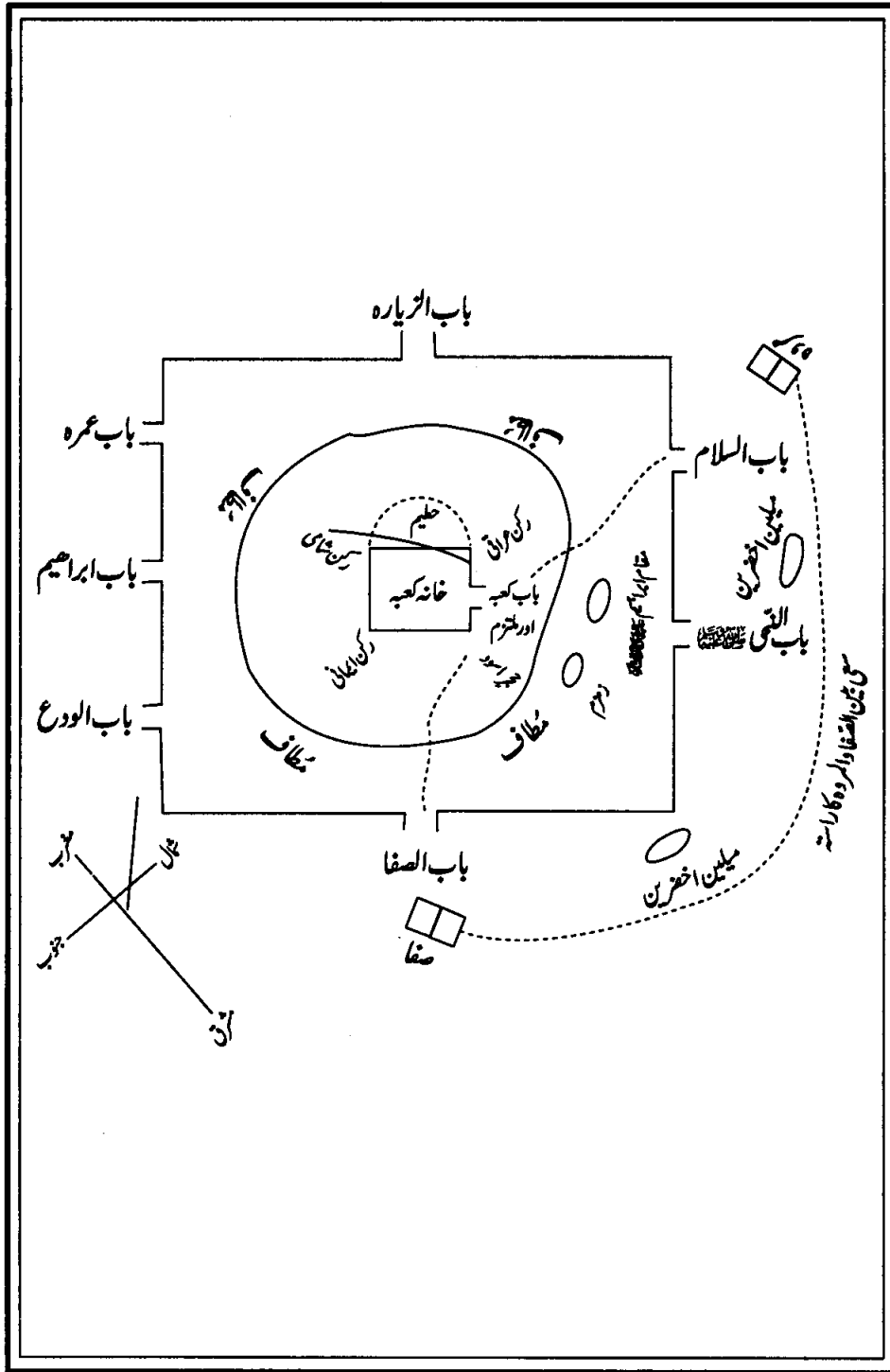
تفسیر و تشریح

بناء بیت اللہ کی ابتداء:

وَاِذْ بَوَّأْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ اس سے پہلی آیت میں مسجد حرام اور حرم سے روکنے والوں کے لئے شدید عذاب اور وعید شدید آئی ہے، آگے کی آیت میں بیت اللہ کے فضائل اور عظمت کا بیان ہے بَــوْءٌ لغت میں ٹھکانہ دینے کو کہتے ہیں، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم اور ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل کو ملک شام سے ہجرت کرا کر مکہ میں قیام پذیر کر دیا، اور مقام بیت اللہ کی نشاندہی بھی فرما دی تاکہ از سر نو اس کی تعمیر کی جا سکے، بیت اللہ کا وجود اگرچہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وجود کے ساتھ ساتھ ہوا تھا مگر طوفان نوح میں اس کو اٹھا لیا گیا، اور پھر وہ مدتوں تک بے نشان رہا، جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بیت اللہ کے قریب قیام پذیر ہو گئے اور بیت اللہ کی تعمیر کا ارادہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ الٰہ العالمین تو مجھے مقام بیت اللہ کی نشاندہی فرما دے، کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک زوردار ہوا بھیجی جس کی وجہ سے بیت اللہ کی بنیادیں ظاہر ہو گئیں، ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ بیت اللہ کے بقدر ایک بدلی آئی اور مقام بیت اللہ پر سایہ فگن ہو گئی اس میں ایک سر نمودار ہوا جو یہ نداء کرتا تھا، اے ابراہیم تم میری حدود کے مطابق بیت اللہ کی تعمیر شروع کرو، چناں چہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی کے مطابق بیت اللہ کی تعمیر فرمائی (جمل) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سب سے پہلی مسجد جو روئے زمین پر تعمیر ہوئی وہ مسجد حرام (بیت اللہ) ہے اور اس کے چالیس سال بعد مسجد اقصیٰ تعمیر ہوئی''۔ (مسند احمد ۵/ ۱۵۰، ۱۶۶، ۱۶۷، ومسلم کتاب المساجد)

قَوْلُہٗ: أن لَّا تشرِكْ بِي شيئًا یہ بناء بیت اللہ کی غرض کا بیان ہے، یعنی اس میں صرف میری عبادت کی جائے، مشرکین نے جو اس میں صد ہا بت سجا رکھے ہیں جن کی وہ عبادت کرتے ہیں یہ ظلم عظیم ہے۔

قَوْلُہٗ: وَطَهِّرْ بَيْتِيَ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا جا رہا ہے کہ میرے گھر کو آپ ظاہری اور باطنی ہر قسم کی نجاست سے پاک رکھئے، بیت اللہ چونکہ محض چہار دیواری کا نام نہیں ہے بلکہ اس قطعۂ ارضی کا نام ہے جہاں بیت اللہ بنا ہوا ہے لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم ہوا کہ بیت اللہ کی جگہ کو بھی پاک رکھئے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خطاب اگرچہ حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہے مگر مراد آئندہ آنے والی امت ہو۔

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرضیت حج کے اعلان کا حکم ہوا تو حضرت ابراہیم نے عرض کیا، یہاں تو جنگل ہے۔ جہاں آبادی ہے وہاں میری آواز کس طرح پہنچے گی اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کی ذمہ داری صرف اعلان کرنے کی ہے پوری دنیا میں پہنچانے اور پھیلانے کی ذمہ داری ہماری ہے، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مقام ابراہیم پر اور ایک روایت میں ہے کہ جبل ابی قبیس پر کھڑے ہو کر

دونوں کانوں میں انگلیاں ڈال کر یمیناً وشمالاً، شرقاً وغرباً ہر طرف یہ ندا دی کہ اے لوگو! تمہارے رب نے اپنا گھر بنایا ہے اور تم پر اس کا حج فرض کیا تم سب اس کے حکم کی تعمیل کرو، اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ بطور معجزہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز پوری دنیا میں پہنچادی بلکہ ان تک بھی پہنچادی جو ابھی تک پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، بلکہ اصلاب آباء یا ارحام امہات میں تھے اور جس روح نے بھی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز پر لبیک کہا اور جتنی مرتبہ کہا وہ ضرور بیت اللہ میں حاضر ہوگا۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نداء کی تاثیر:

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز کو جو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں تک پہنچایا تھا اس کی تاثیر قیامت تک کے لئے قائم ہوگئی اور وہ "یَأْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّأْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ" یعنی اطراف عالم سے لوگ بیت اللہ کی طرف چلے آویں گے کوئی پیادہ تو کوئی سوار اور سواری سے آنے والے بھی دور دراز ملکوں سے آئیں گے، جس کی وجہ سے ان کی سواریاں بھی لاغر ہوجائیں گی چنانچہ ہزار ہا سال گذر چکے ہیں مگر بیت اللہ کی طرف آنے والوں کی یہی کیفیت ہے۔

لِیَشْھَدُوْا مَنَافِعَ لَھُمْ یعنی ان کی یہ حاضری خود انہی کے منافع کے لئے ہے لفظ منافع کو نکرہ لانے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس میں دینی منافع تو بے شمار ہیں ہی دنیوی منافع بھی بے شمار ہیں، دوسرا فائدہ یہ بتلایا گیا ہے کہ وَیَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ (الآیۃ) تا کہ وہ اللہ کا نام لیں ایام معلومات میں ان چوپایوں پر جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کئے ہیں، اس میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ قربانی کے گوشت اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد پر نظر نہ ہونی چاہئے بلکہ اصل چیز اللہ کا ذکر ہے جو ان دنوں میں جانور قربان کرنے کے وقت جانوروں پر لیا جاتا ہے اصل روح عبادت یہی ہے قربانی کا گوشت حلال کردیا گیا یہ مزید انعام ہے، ایام معلومات سے وہی ایام مراد ہیں جن میں قربانی جائز ہے یعنی ذی الحجہ کی دسویں، گیارہویں، بارہویں تاریخیں اور چونکہ مارزقھم من بھیمۃ الانعام کے الفاظ عام ہیں اس میں ہر طرح کی قربانی داخل ہے، خواہ واجب ہو یا مستحب۔

فَكُلُوْا مِنْھَا یہاں کلوا اگرچہ بصیغہ امر آیا ہے مگر مراد اس سے اباحت وجواز ہے جیسا کہ قرآن میں "اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا" میں شکار کا حکم بمعنی اجازت ہے۔

مَسْئَلَہ: زمانہ حج میں مختلف وجوہ کی بنا پر جانور ذبح کئے جاتے ہیں ان میں ایک قسم وہ ہے جو کسی جرم کی سزا کے طور پر واجب ہوتی ہے، مثلاً حرم کے خلاف یا احرام کے خلاف کوئی عمل کرلیا، اس کی جزاء میں کسی جانور کی قربانی واجب ہوتی ہے، جس کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے، اس قربانی کو اصطلاح فقہ میں دم جنایت کہتے ہیں، اس میں کچھ تفصیل ہے بعض ممنوعات کے کرلینے سے گائے یا اونٹ ہی کی قربانی کرنا ضروری ہوتی ہے اور بعض کے لئے بکرا دنبہ کافی ہوجاتا ہے، بعض میں صدقہ سے ہی کام چل جاتا ہے، یہ سب مسائل فقہ کی کتابوں میں دیکھے جاسکتے ہیں، جو قربانی دم جنایت کے طور پر واجب ہوتی ہے، وہ صرف فقراء ومساکین کا حق ہے، اس کا گوشت نہ خود کھانا درست ہے اور نہ مالداروں کے لئے، باقی قسمیں خواہ واجب ہوں یا نفل اس

میں دم تمتع اور دم قران بھی داخل ہے، ان سب کا گوشت سب کے لئے کھانا درست ہے اس آیت میں اسی کا بیان ہے، اور کم از کم ایک تہائی حصہ فقراء و مساکین کو دیدیا جائے اسی امر مستحب کا بیان آیت کے اگلے جملہ میں اس طرح فرمایا ہے "واطعموا البائس الفقیر" مطلب یہ کہ قربانی کے گوشت میں سے فقیر اور تنگدست لوگوں کو بھی کھلانا اور دینا مستحب ہے۔

ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ احرام باندھنے کے بعد چونکہ حجامت نہیں بنواتے اور نہ ناخن وغیرہ لیتے ہیں اور زیادہ مل دَل کر غسل بھی نہیں کر سکتے، جس کی وجہ سے بدن پر میل کچیل جم جاتا ہے جو کہ ایک عاشقانہ اور مستانہ کیفیت ہے، اب دس تاریخ کو یہ تمام قصے تمام ہو جاتے ہیں، حجامت بنوا کر غسل کر کے سلے ہوئے کپڑے پہنتے ہیں اور طواف زیارت کو جاتے ہیں اور جس کو ذبح و قربانی کرنی ہوتی ہے وہ پہلے ہی کر لیتا ہے، اور منتیں پوری کرنے سے یہ مراد ہے کہ اللہ کے نام کی جو نذر مانی ہو اس کو پورا کرے اور اقرب الی الصواب نذر سے مراد مناسک حج ہیں۔

افعال حج میں ترتیب کا درجہ:

افعال حج کی جو ترتیب قرآن اور حدیث میں آئی ہے اسی ترتیب سے حج کے ارکان ادا کرنا کم از کم سنت ضرور ہے، واجب ہونے میں اختلاف ہے، امام اعظم ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اور امام مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک واجب ہے جس کے خلاف کرنے سے دم واجب ہوتا ہے، امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک سنت ہے، اس لئے ان کے نزدیک ترتیب ماثور کے خلاف کرنے سے اجر و ثواب میں کمی واقع ہو جاتی ہے مگر دم واجب نہیں ہوتا، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی حدیث میں ہے "مَنْ قَدَّمَ شَيْئًا من نسكه او اخر فليهرق دمًا" رواه ابن ابی شيبة موقوفاً وهو فی حكم المرفوع (مظہری) یعنی جس شخص نے افعال حج میں سے کسی کو مقدم یا مؤخر کیا تو اس پر دم دینا لازم ہے، یہ روایت طحاوی نے بھی مختلف طرق سے نقل کی ہے۔

وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ اس سے طواف زیارت مراد ہے جو دسویں تاریخ کو رمی جمرہ اور قربانی سے فارغ ہونے کے بعد کیا جاتا ہے، یہ حج کا دوسرا رکن ہے پہلا رکن وقوف عرفہ ہے۔

احلت لكم الانعام الّا ما يُتلىٰ عليكم انعام سے مراد اونٹ، گائے، بکرا، مینڈھا، دنبہ وغیرہ ہیں، یہ جانور حالت احرام میں بھی حلال ہیں اور اِلَّا مَا يُتْلٰى سے جن جانوروں کو مستثنیٰ کرنے کا ذکر ہے ان کا بیان دوسری آیت میں آیا ہے، وہ مردار جانور اور موقوذہ اور جس پر اللہ کا نام قصداً ترک کر دیا گیا ہو یا جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو یہ سب ہمیشہ کے لئے حرام ہیں حالت احرام ہو یا نہ ہو۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ ای جماعةٍ مؤمنةٍ سلفتْ قَبْلَكُم **جَعَلْنَا مَنْسَكًا** بفتح السين مصدرٌ وبكسرها اسمُ مكان ای ذبحا قُرْبَانًا او مكانَهُ **لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ** عِنْدَ ذَبْحِهَا **فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗ**

اَسْلِمُوْا اِنْقَادُوْا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿٣٤﴾ المُطِيْعِيْنَ المتواضعين اَلَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللهُ وَجِلَتْ خَافَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ مِنَ البَلَايَا وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ فِي اَوْقَاتِهَا وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿٣٥﴾ يَتَصَدَّقُون وَالْبُدْنَ جمعُ بَدَنَةٍ وهي الإبلُ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللهِ اَعْلَامِ دِيْنِه لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ نَفْعٌ فِي الدُّنيا كما تقدَّمَ واَجْرٌ في العُقْبٰى فَاذْكُرُوا اسْمَ اللهِ عَلَيْهَا عند نَحْرِهَا صَوَآفَّ قائمةً على ثَلٰثٍ معقولة اليَدِ اليسرىٰ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا سقطتْ الى الارض بعدَ النحرِ وهو وقتُ الاكل منها فَكُلُوْا مِنْهَا اِنْ شِئْتُمْ وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ الذي يَقْنَعُ بما يُعطى ولايَسْاَلُ ولايَتَعَرَّضُ وَالْمُعْتَرَّ السائلَ او المتعرضَ كَذٰلِكَ اى مثلَ ذٰلك التَّسْخِير سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ بان تنحرَ وتركبَ والاَّ لم تُطِقْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٣٦﴾ اِنْعَامِيْ عليكم لَنْ يَّنَالَ اللهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا اى لايُرفعان اليه وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ اى يُرفع اليه منكم العملُ الصالحُ الخالصُ له مع الايمان كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ اَرْشَدَكُمْ لِمَعَالِمِ دِيْنِه ومناسِكِ حَجِّه وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٣٧﴾ اى المُوَحِّدِيْنَ اِنَّ اللهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا غوائلَ المشركين اِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ فى اَمَانَتِه كَفُوْرٍ ﴿٣٨﴾ لِنِعْمَتِه وهم المشركون المعنٰى اَنَّه يُعاقبُهم.

ترجمہ: اور ہم نے ہر امت کے لئے یعنی مومن جماعت کے لئے جو تم سے پہلے گذر چکی ہیں قربانی کرنا اس لئے مقرر کیا تھا کہ وہ ان مخصوص چوپایوں پر بوقت ذبح اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو عطا فرمائے تھے مَنْسَكًا سین کے فتحہ کے ساتھ مصدر ہے اور کسرۂ سین کے ساتھ اسم مکان ہے، یعنی بطور قربانی ذبح کرنا، یا مقام ذبح، سو تمہارا معبود ایک ہی خدا ہے سو اسی کے تابع فرمان رہو، اور آپ اطاعت کرنے والوں یعنی تواضع اختیار کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے جو ایسے ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جو ان مصیبتوں پر کہ ان پر پڑتی ہیں صبر کرتے ہیں، اور جو نماز کی ان کے اوقات میں پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ خیرات کرتے ہیں اور بُدْنٌ، بَدَنَةٌ کی جمع ہے اور وہ اونٹ ہے اور بدنہ کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کے شعائر یعنی اس کے دین کی علامت بنا دیا اور ان جانوروں میں تمہارے لئے خیر یعنی دنیوی نفع ہے جیسا کہ سابق میں گذر چکا اور اجر آخرت بھی ہے سو تم ان پر نحر کے وقت اللہ کا نام لیا کرو، حال یہ کہ وہ تین پیروں پر کھڑے ہوں اور بایاں ہاتھ بندھا ہوا ہو پس جب وہ اپنی کسی کروٹ گر پڑیں یعنی جب وہ نحر کے بعد زمین پر گر پڑیں (اور ان کی روح پرواز کر جائے) تو وہ وقت ان میں سے کھانے کا ہے ان میں سے کھاؤ اگر تم چاہو اور ایسے قانع کو بھی کھلاؤ کہ اس کو جو کچھ دیدیا جائے اس پر قناعت کرتا ہے اور نہ وہ سوال کرتا ہے اور نہ تعرض کرتا ہے اور معتر کو بھی کھلاؤ یعنی جو سوال کرتا ہو یا تعرض کرتا ہو اور اسی طرح یعنی تسخیر مذکور کے مانند ہم نے تمہارے لئے ان جانوروں کو مسخر کر دیا بایں طور کہ (اے مخاطب) تو ان کو ذبح کرے اور ان پر سواری کرے ورنہ تو (یہ) تیرے بس کی بات نہیں تھی تا کہ تم اپنے اوپر میرے انعام کا شکریہ ادا کرو،

اللہ کے پاس ان جانوروں کا گوشت اور ان کا خون نہیں پہنچتا یعنی یہ دونوں چیزیں اللہ تک نہیں پہنچائی جاتیں ہاں البتہ تمہارا تقویٰ اس تک پہنچتا ہے یعنی ایمان کے ساتھ تمہارا نیک اور اللہ کے لئے خالص عمل اس تک پہنچتا ہے اور اسی طرح ان جانوروں کو تمہارے زیر حکم کر دیا تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو، اس بات پر کہ تم کو توفیق عطا کی یعنی تم کو اپنے دین کے شعائر ادا کرنے اور اپنے حج کے مناسک ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور اے محمد ﷺ محسنین یعنی موحدین کو اس بات کی خوشخبری دیدو کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دفاع کرے گا، مشرکین کی مصیبت سے اللہ تعالیٰ کسی امانت میں خیانت کرنے والے اس کی نعمت کی ناشکری کرنے والے کو پسند نہیں کرتا اور وہ مشرک ہیں معنی یہ ہیں کہ وہ ان کو سزا دے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: منسکًا فتحہ سین کے ساتھ مصدر ہے، قربانی کرنا، اور سین کے کسرہ کے ساتھ اسم مکان ہے یعنی قربان گاہ، منسکًا منسك اور نسك عربی زبان میں کئی معنی میں بولا جاتا ہے ① جانور کی قربانی ② تمام افعال حج ③ عبادت، یہاں تینوں معنی مراد ہو سکتے ہیں، مجاہد وغیرہ نے اس جگہ منسک کو قربانی کے معنی میں لیا ہے، اس پر معنی یہ ہوں گے قربانی کا حکم جو اس امت کو دیا گیا ہے کوئی نیا حکم نہیں ہے، پہلی امتوں کو بھی یہ حکم دیا گیا تھا، قتادہ نے دوسرے معنی لئے ہیں، اس صورت میں آیت کی مراد یہ ہوگی کہ افعال حج جس طرح اس امت پر عائد کئے گئے ہیں پچھلی امت پر بھی حج فرض تھا، ابن عرفہ نے تیسرے معنی مراد لئے ہیں اس صورت میں آیت کی مراد یہ ہوگی کہ ہم نے اللہ کی عبادت پچھلی تمام امتوں پر فرض کی تھی۔

قولہ: ذبحًا قربانًا یہ معنی مصدری کی وضاحت ہے اور قربانًا ذبحًا مصدر کا مفعول بہ ہے او مکانہٗ یہ دوسرے معنی یعنی اسم مکان کی وضاحت ہے۔

قولہ: المطیعین المتواضعین مطیعین مخبتین کے لازم معنی کا بیان ہے اور متواضعین اصل معنی کا بیان ہے، اس لئے کہ اخبات پست زمین میں اترنے کو کہتے ہیں۔

قولہ: وھی الابل یہ امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا قول ہے امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک ابل اور بقر دونوں پر بدنہ کا اطلاق درست ہے اور یہی قول لغت اور شرع کے موافق ہے، قاموس میں ہے البدنة من الابل و البقر سنن ابی داؤد اور نسائی میں حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے فرمایا کہ ہم جب آنحضرت ﷺ کے ساتھ حج کا احرام باندھ کر نکلے تو آپ نے ہم کو ابل اور بقر میں سے ہر ایک بدنہ میں سات کے شریک ہونے کا حکم فرمایا اور صحیح مسلم میں حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ ہم بدنہ کو سات کی طرف سے ذبح کرتے تھے، سوال کیا گیا اور بقر (گائے) میں، تو فرمایا وہ بھی بدنہ ہی ہے۔

(حاشیہ جلالین اختصارًا)

قولہ: صواف جمع صافٍ بمعنی قائمات وجَبَتْ بمعنی سقطت، وجب الحائط سے مشتق ہے دیوار گرگئی، مراد ٹھنڈا ہو جانا۔

قِوْلَہٗ: فکلوا منها ان شئتم، ان شئتم کا اضافہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کلوا امر وجوب کے لئے نہیں ہے بلکہ اباحت اور بیان جواز کے لئے ہے۔

قِوْلَہٗ: غوائل، غوائل کو محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ یدافع کا مفعول محذوف ہے۔

قِوْلَہٗ: علیٰ ما هداکم میں ما مصدریہ بھی ہوسکتا ہے ای علی هدایته إیاکم اور موصولہ بھی ہوسکتا ہے، ای علی ما هداکم الیه علیٰ کا تعلق لتکبروا اللہ سے ہے اور تکبروا تشکروا کے معنی کو متضمن ہے تاکہ اس کا صلہ علی کے ساتھ درست ہوجائے۔

تفسیر وتشریح

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ یعنی نیاز وعبادت کے طور پر جانور کی قربانی ہر آسمانی دین میں عبادت قرار دی گئی ہے اگر یہ عبادت غیر اللہ کی نیاز کے طور پر کرو گے تو مشرک ہوجاؤ گے، جس سے بہت پرہیز کرنا چاہئے، موحد کا کام یہ ہے کہ قربانی صرف اسی کے نام پر کرے جس کے نام پر قربانی کرنے کا تمام شرائع میں حکم ہے اور ان لوگوں کو رضائے الٰہی کی بشارت سنادیجئے جو صرف اسی ایک خدا کا حکم مانتے ہیں اسی کے سامنے جھکتے ہیں اسی پر ان کا دل جمتا ہے اور اسی کے جلال وجبروت سے ڈرتے رہتے ہیں، اور مصائب وشدائد کو صبر واستقلال سے برداشت کرتے ہیں اور کوئی بڑی سے بڑی مصیبت اور تکلیف ان کے قدموں کو راہ حق سے نہیں ڈگمگاتی۔

صواف تین پیروں پر کھڑا کرکے چوتھے کو باندھ کر یہ صورت صرف اونٹوں کے لئے مستحب ہے اونٹوں کو لٹا کر ذبح کرنا بھی درست ہے اور دیگر جانوروں کو لٹا کر ہی ذبح کرنا بہتر ہے، زمین پر پہلو کے بل گرنے کا مطلب ہے ان کا ٹھنڈا ہوجانا اس لئے کہ روح نکلنے سے پہلے مذبوح کا کوئی حصہ کاٹ کر کھانا درست نہیں ہے، حدیث شریف میں ہے **ما قطع من البهيمة وهي حية فهو ميتة** (ابوداؤد کتاب الصید، ترمذی شریف ابواب الصید)۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدافع عن الذين آمنوا اس آیت کا ماقبل سے ربط یہ ہے کہ ماقبل میں ان افعال کا ذکر تھا جو حج میں کئے جاتے ہیں اور مشرکین نے آپ ﷺ کو حدیبیہ کے سال عمرہ سے روک دیا تھا اور جو مومنین مکہ میں تھے ان کو ایذاء پہنچاتے تھے، یہ آیت مسلمانوں کی تسلی کے لئے نازل فرمائی ہے۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ ای للمؤمنین ان يُقاتِلُوا وهذه اوّلُ آية نزلت في الجهاد **بِاَنَّهُمْ** ای بِسَبَبِ اَنَّهُم **ظُلِمُوْا** بظُلْمِ الكافرينَ اِيَّاهُم **وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ اِۨلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ** فى الاِخراجِ مَا أُخرِجُوا **اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا** اى بقولِهم **رَبُّنَا اللّٰهُ** وحدَه وهذا القول حقٌّ والاخراجُ به اخراجٌ بغيرِ حقٍّ **وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ** بَدَلُ بَعضٍ من الناسِ **بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ** بالتشديد للتّكثِيرِ وبالتخفيفِ

صَوَامِعُ للرُّہبَانِ وَبِيَعٌ كنائسُ للنصارٰى وَصَلَوٰتٌ كنائسُ لليهودِ بالعِبرَانِيَّةِ وَمَسٰجِدُ للمسلمين يُذْكَرُ فِيهَا اى المواضعِ المذكورةِ اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا وتَنقطعُ العباداتُ بخرابِهَا وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اى يَنصُرُ دِينَه اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ على خَلقِه عَزِيْزٌ مَنيعٌ فِي سُلطَانِهِ وَقُدرَتِه اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ بنَصرِهِم على عَدُوِّہِم اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ جوابُ الشرطِ وهُوَ وجوابُه صِلَةُ الموصولِ ويُقدَّرُ قبله ہُم مُبتدأ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ اى اليه مَرجِعُها فى الآخِرَةِ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ تَسلِيَةٌ للنبى صلى اللّٰهُ عليه وسلم فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ تانيثُ قوم باعتبارِ المعنٰى وَّعَادٌ قوم ہود وَّثَمُوْدُ قومُ صالحٍ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ قومُ شُعَيب وَكُذِّبَ مُوْسٰى كَذَّبَهُ القِبطُ لاقَومُه بَنُو اِسرائيلَ اى كَذَّبَ ہٰؤُلاءِ رُسُلَہم فلَكَ اُسوَةٌ بِہِم فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ امہَلتُہُم بتاخيرِ العقابِ لہم ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ بالعَذَابِ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ اى انكارِیْ عليہم بتكذيبِہِمْ بِاِہلاكِہم والاستفہامُ للتقرير اى ہو واقع موقِعَه فَكَاَيِّنْ اى كم مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وفِي قراءةٍ اَہلَكتُہا وَهِيَ ظَالِمَةٌ اى اہلُہا بكُفرِہِمْ فَهِيَ خَاوِيَةٌ ساقِطةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا سُقُوفِہا وَ كم مِن بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ متروكةٍ بمَوتِ اہلِہا وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ رفيع خال بموت اہلِه اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا اى كفار مكة فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَا ما نَزَلَ بالمكذِّبِينَ قبلَہم اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا اخبارَہم بالإہلاكِ وخرابِ الدِّيارِ فيعتبروا فَاِنَّهَا اى القصةَ لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ تاكيدٌ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ بِاِنزالِ العذابِ فَاَنجزَهُ يومَ بدر وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ من اَيّامِ الآخرةِ بالعَذابِ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ بالتاءِ والياءِ فى الدنيا وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا المرادُ اہلُہا وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ المَرجِعُ.

ع ۱۴

ترجمہ: اجازت دیدی گئی ان لوگوں کو جن سے لڑائی کی جاتی ہے یعنی مومنین کو، یہ کہ وہ قتال کریں اور یہ پہلی آیت ہے جو (اجازت قتال) کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اس سبب سے کہ وہ مظلوم ہوئے کافروں کے ان پر ظلم کرنے کی وجہ سے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے پر پوری قدرت رکھتے ہیں جو اپنے گھروں سے بلا وجہ نکالے گئے یعنی ان کے اخراج کی کوئی وجہ نہیں تھی محض اتنی بات پر نکالے گئے کہ ان کا کہنا تھا کہ ہمارا رب اللہ وحدہٗ لاشریک ہے اور یہ قول حق ہے اور اس کی وجہ سے نکالنا ناحق نکالنا ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعہ دفع نہ کرتا رہتا، بعضہم، الناس سے بدل البعض ہے تو راہبوں کے خلوت خانے لَهُدِّمَتْ تشدید کے ساتھ ہے کثرت کو بیان کرنے کے لئے اور تخفیف کے ساتھ بھی ہے اور نصاریٰ کے عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے عبرانی میں صلوٰۃ عبادت خانہ کو کہتے ہیں اور مسلمانوں کی مسجدیں مسمار کردی جاتیں جن میں یعنی مذکورہ مواضع میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے اور ان مقامات کے ویران ہوجانے کی وجہ سے عبادات منقطع

ہو جاتیں، اور بے شک اللہ اس کی مدد کرے گا جو اس کی یعنی اس کے دین کی مدد کرے گا بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر قوی ہے اپنی سلطنت اور قدرت میں غالب ہے یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دیدیں ان کے دشمن پر ان کو غلبہ دے کر تو یہ لوگ خود بھی نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیکی کا حکم کریں اور برائی سے منع کریں، اور اقاموا الصلوٰۃ سے آخر تک جواب شرط ہے اور شرط اور جواب شرط مل کر موصول ہے الذین کا، اور الذین موصول اپنے صلہ سے مل کر، ھم مبتداء محذوف کی خبر ہے اور تمام کاموں کا انجام تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے یعنی آخرت میں وہ تمام امور کا مرجع ہے اور اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں یہ نبی کریم ﷺ کو تسلی دینا ہے تو ان لوگوں سے پہلے قوم نوح قوم معنی کے اعتبار سے مؤنث ہے اور عاد جو کہ قوم ہود تھی اور ثمود جو کہ صالح کی قوم تھی اور قوم ابراہیم اور قوم لوط اور اصحاب مدین جو کہ قوم شعیب تھی (اپنے اپنے نبیوں کی) تکذیب کر چکی ہیں، اور موسیٰ علیہ السلام کو بھی کاذب قرار دیا گیا موسیٰ کی تکذیب قبطیوں نے کی نہ کہ ان کی قوم بنی اسرائیل نے، یعنی ان لوگوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی، لہٰذا آپ کے لئے ان انبیاء کے طریقہ میں نمونہ ہے تو میں نے ان کافروں کو مہلت دی یعنی ان کے عذاب کو مؤخر کر کے ان کو مہلت دی پھر میں نے ان کو عذاب میں پکڑ لیا تو میرا عذاب ان پر کیسا ہوا ان کی تکذیب کی وجہ سے ان کو ہلاک کر کے اور استفہام تقریر کے لئے ہے یعنی میرا عذاب برمحل و برموقع واقع ہوا، غرضیکہ کتنی ہی بستیاں ہیں کہ جن کو میں نے ہلاک کر دیا اور ایک قراءت میں ہم نے ان کو ہلاک کر دیا (یعنی ایک قراءت میں اھلکتھا ہے اور ایک قراءت میں اھلکناھا ہے، اور حال یہ ہے کہ وہ بستیاں ظالم تھیں یعنی ان بستیوں کے باشندے اپنے کفر کی وجہ سے ظالم تھے، اور اب وہ بستیاں اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں اور کتنے ہی بے کار کنویں یعنی بستی والوں کی ہلاکت کی وجہ سے متروک پڑے ہوئے ہیں اور کتنے ہی عالی شان محل خالی پڑے ہیں بستی والوں کے ہلاک ہو جانے کی وجہ سے، کیا یہ لوگ یعنی مکہ کے کافر ملک میں چلتے پھرتے نہیں ہیں کہ ان کے قلوب ایسے ہو جائیں کہ ان کے ذریعہ اس (عذاب) کو جو ان سے پہلے تکذیب کرنے والوں پر نازل ہوا سمجھیں یا ان کے کان ایسے ہو جائیں کہ ان کے ذریعہ ان کی ہلاکت اور ان کے گھروں کی بربادی کی خبروں کو سنیں بعد ازاں عبرت حاصل کریں بات یہ ہے آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں بلکہ وہ قلوب اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں فی الصدور، قلوب کی تاکید ہے، یہ لوگ آپ سے عذاب کے بارے میں جلدی کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ عذاب نازل کرنے کے اپنے وعدہ کا خلاف نہ کرے گا، چنانچہ یوم بدر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کو پورا فرما دیا اور آپ کے رب کے پاس کا ایک دن آخرت کے دنوں میں سے عذاب کی وجہ سے ہزار سال کے برابر ہے تمہارے شمار کے اعتبار سے دنیا میں یعدّون یاء اور تاء کے ساتھ ہے اور بہت سی بستیاں ہیں کہ جن کو میں نے مہلت دی تھی حال یہ ہے کہ وہ ظالم تھیں پھر میں نے ان بستیوں کو پکڑ لیا، اور مراد بستی سے بستی والے ہیں اور میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہُ: اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ اُذِنَ کا ماذون فیہ محذوف تھا مفسر علام نے أن یُقَاتلُوا کہہ کر اس کو ظاہر کر دیا اور حذف پر یقاتلونَ دلالت کررہا ہے، آنحضرت ﷺ کو ستر سے کچھ زیادہ آیات میں جہاد سے منع کرنے کے بعد ہجرت کے بعد یہ پہلی آیت ہے جس میں جہاد کی اجازت دی گئی ہے، یہ دن صحابہ کے لئے گویا کہ عید کا دن تھا، ایک قراءت میں یُقَاتِلون مبنی للفاعل بھی ہے مومنین کو قبل القتال مقاتل یا تو مایؤل کے اعتبار سے کہا گیا ہے یا اس لئے کہ مومنین کا قتال کا ارادہ تھا۔

قَوْلُہُ: بأنھم ظلموا میں با سببیہ ہے گویا کہ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ مومنین کو قتال کی اجازت کی وجہ، ان پر ظلم کا کیا جانا ہے، امام رازی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا ہے اَنْ یُقَاتِلُوْا کا مطلب اَنْ یُقَاتِلُوْا فی المستقبل ہے اس صورت میں یہ اعتراض ختم ہو جائے گا کہ یہ سورت مکی ہے اور جہاد کی اجازت مدینہ میں نازل ہوئی ہے، وَاِنَّ اللّٰہَ علی نصرھم لقدیر یہ جملہ مستانفہ ہے اور اس آیت میں اشارہ کے طور پر نصرت کا وعدہ ہے۔

قَوْلُہُ: ھم الذِیْنَ اخرجُوْا مفسر علام نے ھم مقدر مان کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ اسم موصول مبتداء محذوف کی صفت ہے، اس کے علاوہ بھی چند اور وجوہ اعراب ہو سکتے ہیں ① موصول اول کی صفت یا بیان یا بدل ہونے کی وجہ سے محلاً مجرور ہو سکتا ہے ② اعنی یا اَمْدَحُ وغیرہ محذوف کی وجہ سے جملہ ہو کر منصوب بھی ہو سکتا ہے۔

قَوْلُہُ: اِلَّا أن یقولوا الآیۃ مفسر علام نے ما اخرجوا محذوف مان کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ مستثنیٰ متصل ہے، ای ما اُخرجوا بشیء من الاشیاء الا بقولھم ربنا اللّٰہ یعنی مکہ سے مومنین کے نکالے جانے کا کوئی سبب نہیں تھا جو ان کو نکالنے کا موجب ہو سوائے اس کے کہ انہوں نے ربنا اللّٰہ کہا، اور یہ سبب موجب اخراج نہیں بلکہ یہ تو سبب استقرار وتمکین ہے یہ دراصل مدح بما یشبہ الذم کے قبیل سے ہے یعنی جو شئ سبب مدح ہے وہ ان کے نزدیک سبب ذم ہے، جیسا کہ نابغہ کے قول میں ہے۔

لاعیب فیھم غیر اَنَّ سُیُوفھم　　　بِھِنَّ فلول من قراع الکتائب

مجھ میں ایک عیب ہے بڑا کہ وفادار ہوں میں

اِلَّا اَنْ یقُولُوْا یہ مستثنیٰ منقطع بھی ہو سکتا ہے اس لئے کہ مستثنیٰ جو الا ان یقولوا ہے مستثنیٰ منہ جو کہ بغیر حق ہے کی جنس سے نہیں ہے، مگر مستثنیٰ منقطع ماننا درست نہیں ہے اس لئے کہ اگر یوں کہیں الَّذِیْنَ اخرجوا من دیارھم الا ان یقولوا ربنا اللّٰہ تو یہ درست نہیں ہے اسی وجہ سے مفسر علام نے عامل محذوف مان کر مستثنیٰ متصل بنا دیا ہے ای ما اخرجوا بشیء من الاشیاء الَّا بقولھم ربنا اللّٰہ اور مضارع بمعنی ماضی ہے مفسر علام نے ان یقولوا کی تفسیر

بقولھم سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان مصدریہ ہے اور ان یقولوا، قول کے معنی میں ہے اور بقولھم میں با سببیہ ہے۔

قولہ: ولو لا دفع اللہ الناس الآیۃ لو لا امتناعیہ ہے اور لَهُدِّمَتْ جواب لولا ہے، دفعُ اللّٰہِ الناس بعضھم ببعضٍ مبتداء ہے موجود محذوف اس کی خبر ہے اور دفعُ اللّٰہِ میں اضافت مصدر الی الفاعل ہے تقدیر عبارت یہ ہے لَوْلَا دفعُ اللّٰہِ الناس بعضھم ببعضٍ موجود لهُدِّمَتْ صَوَامِعُ (الایۃ) صَوَامِعُ صومعۃ کی جمع ہے، خلوتخانہ جس میں راہب تنہائی میں ریاضت وعبادت کرتا ہے وَبِیَعٌ جمع بیعۃٍ نصاریٰ کے جماعت خانے جس میں اجتماعی طور پر عبادت کرتے ہیں، صَلَوٰاتٌ جمع صلوٰۃ، عبرانی زبان میں یہود کے عبادتخانوں کو صَلُوتا کہتے ہیں۔

قولہ: وتنقطع العبادات اس کا عطف لهُدِّمَتْ پر ہے۔

قولہ: الذین اِنْ مَکَّنّٰھُمْ فی الارض اس میں بھی وہ تمام صورتیں ممکن ہیں جو سابق موصول میں بیان ہو چکی ہیں مذکورہ صورتوں کے علاوہ اس میں یہ صورت بھی درست ہے کہ من ینصرُہٗ سے بدل ہو اِن مکناھم فی الارض شرط ہے اور أقامُوا الصلوٰۃ مع اپنے معطوفات جزاء ہے، شرط اپنی جزاء سے مل کر الذین کا صلہ ہے، موصول اپنے صلہ سے مل کر ھم مبتداء محذوف کی خبر ہے اور ھم سے مراد ماذون لھم فی القتال ہیں اور وہ مہاجرین ہیں اور یہ آیت اخبار بالغیب کے قبیل سے ہے، اس لئے کہ اس آیت میں مہاجرین کے ان اوصاف کی خبر دی گئی ہے کہ جن پر وہ زمین پر قدرت اور حکومت دینے کے بعد ہوں گے۔

قولہ: وَکُذِّبَ مُوْسٰی یہاں ماسبق کے برخلاف طرز بیان کو بدل دیا بایں طور کہ معروف کے صیغہ کے بجائے مجہول کا صیغہ اختیار فرمایا اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب ان کی قوم نے نہیں کی تھی بلکہ فرعون کی قوم قبط نے کی تھی بخلاف دیگر انبیاء مذکورین کی تکذیب کے کہ خود ان کی قوم نے کی تھی۔

قولہ: فَاَمْلَیْتُ لِلْکٰفِرِیْنَ اس میں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر اختیار فرمایا ہے تاکہ ان کی صفتِ کفر پر صراحت ہو جائے ورنہ تو فَاَمْلَیْتُھُمْ بھی کہا جا سکتا تھا، نکیر بمعنی عذاب مصدر بمعنی انکار ہے جیسے نذیر بمعنی انذار ہوتا ہے۔

قولہ: بتکذیبھم یہ انکاری کا مفعول ہے اور باھلاکھم انکاری سے متعلق ہے، اور استفہام تقریری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مخاطبوں کو میرے عذاب کے برمحل ہونے کا اقرار کرنا چاہئے۔

قولہ: فَکَاَیِّنْ اَیِّنْ بمعنی کم خبریہ مبتداء ہے اور من قریۃٍ تمیز ہے اور اَھْلَکْتُھَا اس کی خبر ہے، کَاَیِّنْ دراصل کَاَیٍّ تھا قرآنی رسم الخط میں تنوین کو بصورت نون لکھا گیا، کَاَیِّنْ ہمیشہ خبری صورت میں استعمال ہوتا ہے یہ لفظ مبہم طور پر کثرت پر دلالت کرنے کے لئے آتا ہے، ابہام کو دور کرنے کے لئے اس کے بعد بطور تمیز کوئی لفظ ضرور مذکور ہوتا ہے عموماً اس کی تمیز مِن کے ساتھ آتی ہے، جیسے کَاَیِّنْ من قریۃٍ. کَاَیِّنْ ہمیشہ آغاز کلام میں آتا ہے اس کی خبر ہمیشہ مرکب ہوتی ہے، بعض اوقات کَاَیِّنْ استفہام کے لئے بھی آتا ہے، اور ایک قراءت میں اھلکنا ہے اور کَاَیِّنْ محل نصب میں بھی ہو سکتا ہے اھلکنا کی دلالت کی وجہ سے،

اور وھی ظالمة جملہ حالیہ ہے ای اھلھا محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ مضاف محذوف ہے۔

قَوْلَہٗ: وکم من بئرٍ معطّلۃٍ مفسر علام نے کم محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ بئر کا عطف قریۃ پر ہے۔

قَوْلَہٗ: أفلم یسیروا ہمزہ، محذوف پر داخل ہے اور فا عاطفہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے أغفلُوْا فلم یسیرُوْا وکأیِّن یہاں واؤ کے ساتھ لائے ہیں اور ماقبل میں فکاین فا کے ساتھ لائے ہیں اس لئے کہ ماقبل میں فالانا مناسب ہے، اس لئے کہ اس کے ماقبل فکیف کان میں فا ہے اور یہاں واؤ مناسب ہے اس لئے کہ ماقبل میں واو ہے ولن یخلف اللّٰہ وعدہ.

تفسیر وتشریح

کفار کے ساتھ جہاد کا پہلا حکم:

مکہ مکرمہ میں مسلمانوں پر کفار کے مظالم کا یہ حال تھا کہ کوئی دن خالی نہ جاتا تھا کہ کوئی مسلمان دست ستم سے زخمی اور چوٹ کھایا ہوا نہ آتا ہو، قیام مکہ کے دور میں مسلمانوں کی تعداد بھی خاصی ہو چکی تھی وہ کفار کے ظلم وجور کی آپ سے شکایت کرتے اور ان سے قتال کی اجازت مانگتے تھے، رسول اللہ ﷺ جواب میں فرماتے صبر کرو مجھے ابھی قتال کی اجازت نہیں دی گئی، یہ سلسلہ دس سال تک اسی طرح جاری رہا۔ (قرطبی بحوالہ معارف)

جہاد کی اجازت کے اس آیت میں دو مقصد بیان کئے گئے ہیں مظلومیت کا خاتمہ اور اعلاء کلمۃ اللہ، اس لئے کہ اگر مظلومین کی مدد اور دادرسی نہ کی جائے تو پھر دنیا میں زور آور کمزوروں کو اور باوسائل بے وسیلوں کو جینے ہی نہ دیں، جس کی وجہ سے زمین میں فساد برپا ہو جائے، اسی طرح اعلاء کلمۃ اللہ کی کوشش کر کے باطل کی سرکوبی نہ کی جائے تو باطل کے غلبہ سے دنیا کا امن وسکون غارت ہو جائے اور اللہ کی عبادت کرنے والوں کے لئے کوئی عبادت خانہ باقی نہ رہے۔

صوامع صومعۃ کی جمع ہے نصاریٰ کے تارک الدنیا راہبوں کی مخصوص عبادتگاہ کو کہا جاتا ہے جس کو خلوت خانہ بھی کہہ سکتے ہیں اور بیعٌ بیعۃ کی جمع ہے، بڑے کنیسہ کو کہتے ہیں جہاں نصاریٰ جمع ہوتے ہیں، اور صلوات صلوٰۃ کی جمع ہے، یہودیوں کے عبادت خانہ کو کہتے ہیں، مَساجد مسجد کی جمع ہے مسلمانوں کے عبادتخانہ کو کہتے ہیں۔

خلفاء راشدین کے حق میں قرآن کی پیشین گوئی اور اس کا ظہور:

الذین اِن مکنّٰھم فی الارض اس آیت میں الذین ان لوگوں کی صفت ہے جن کا ذکر اس سے پہلی آیت میں الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق کے عنوان سے آیا ہے، یعنی وہ لوگ کہ جن کو ان کے گھروں سے بلاوجہ نکالا گیا، ان لوگوں کے بارے میں آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ان کو زمین میں اقتدار دیدیا جائے تو یہ لوگ اپنے اقتدار کو ان کاموں میں صرف کریں گے، کہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، اور نیک کاموں کی طرف لوگوں کو

دعوت دیں اور برے کاموں سے روکیں۔

یہ آیت ہجرت مدینہ کے فوراً بعد اس وقت نازل ہوئی کہ جب مسلمانوں کو کسی بھی زمین میں حکومت اور اقتدار حاصل نہیں تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں پہلے ہی یہ خبر دیدی کہ جب ان کو کسی زمین میں حکومت واقتدار حاصل ہوگا تو یہ لوگ دین کی مذکورہ اہم خدمات انجام دیں گے، اسی لئے حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے فرمایا **ثناءٌ قبل البلاء** یعنی عمل کے وجود میں آنے سے قبل ہی تعریف فرمائی ہے۔

قرآن کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف صادق آئی، اور اس کا دنیا میں وقوع اس طرح ہوا کہ چاروں خلفاء راشدین جو **الذین اخرجوا من دیارھم** کے مصداقِ صحیح تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو سب سے پہلے زمین کی مکنت اور قدرت یعنی حکومت اور سلطنت عطا فرمائی، اور قرآن کی پیشین گوئی کے مطابق ان کے اعمال وکردار اور کارناموں نے دنیا کو دکھلا دیا کہ انہوں نے اپنے اقتدار کو انہی کاموں میں استعمال کیا جن کی ان سے توقع تھی چناں چہ نمازیں قائم کیں، زکوٰۃ کا نظام مضبوط کیا اچھے کاموں کو رواج دیا، برے کاموں کا راستہ بند کیا، اسی لئے علماء نے فرمایا کہ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ خلفاء راشدین سب کے سب اسی بشارت کے مصداق ہیں اور جو نظام خلافت ان کے زمانہ میں قائم ہوا وہ حق اور صحیح اور عین اللہ تعالیٰ کے ارادے اور رضا اور پیشگی خبر کے مطابق ہے۔ (روح المعانی بحواله معارف)

یہ تو اس آیت کے شان نزول کا واقعاتی پہلو ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ الفاظ قرآن جب عام ہوں تو وہ کسی خاص واقعہ میں منحصر نہیں ہوتے ان کا حکم عام ہوتا ہے اسی لئے ائمہ تفسیر میں سے ضحاک نے فرمایا کہ اس آیت میں ان لوگوں کے لئے ہدایت بھی ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ حکومت واقتدار عطا فرمادیں کہ وہ اپنے دور اقتدار میں یہ کام انجام دیں جو خلفاء راشدین نے اپنے وقت میں انجام دیئے تھے۔ (قرطبی)

قُلْ يَاَيُّهَا النَّاسُ ای اہل مکۃ **اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ** بَیِّنُ الانذار وانا بشیرٌ للمؤمنینَ **فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ** من الذنوب **وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ** ھو الجنۃ **وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا** القرآن بِاِبْطَالِھَا **مُعٰجِزِيْنَ** مَنِ اتَّبَعَ النبیَّ ای یُنَسِّبُوْنَہُمْ الی العِجزِ ویُثَبِّطُوْنَہُمْ عن الایمانِ او مُقَدِّرِیْنَ عِجزَنَا عنھم وفی قراءۃ مُعَاجِزِیْنَ مُسَابِقِیْنَ لَنَا یَظُنُّوْنَ اَنْ یَّفُوْتُوْنَا بِاِنْکَارِہِمُ البَعْثَ والعقاب **اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ** النار **وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ** ھو نَبِیٌّ اُمِرَ بِالتَّبْلِیْغِ **وَّلَا نَبِيٍّ** ای لم یُؤمَرْ بالتبلیغ **اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى** قرأ **اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ** قراءتِہٖ مالَیْسَ مِنَ القُرْآنِ مِمَّا یَرْضَاہُ المرسَلُ اِلَیْھِمْ وقد قرأ النبیُّ صلی اللّٰہُ علیہِ وسلم فی سورۃِ النَّجمِ بِمَجْلِسٍ من قریشٍ بَعْدَ اَفَرَاَیْتُمُ اللّاتَ وَالعُزّٰی وَمَنَاتَ الثّٰلِثَۃَ الاُخْرٰی بِاِلْقَاءِ الشَّیطانِ علی لِسَانِہٖ صلی اللّٰہُ علیہ وسلم مِنْ غَیرِ عِلمِہٖ صلی اللّٰہُ علیہ وسلم بہٖ تِلْکَ الغَرَانِیْقُ العُلٰی وَاِنَّ شَفَاعَتَھُنَّ لَتُرْتَجٰی، فَفَرِحُوْا بِذٰلِکَ ثم اَخْبَرَہٗ جِبْرَئِیْلُ بِمَا اَلْقَاہُ الشَّیْطَانُ علی لِسَانِہٖ مِنْ ذٰلِکَ

فَحَزِنَ فَسُلِّيَ بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ لِيَطْمَئِنَّ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ يُبْطِلُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ يُثْبِتُهَا وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْقَاءِ الشيطان مَاذُكِرَ حَكِيْمٌ ﴿۵۲﴾ فِي تَمْكِيْنِهٖ مِنْهُ يَفْعَلُ مَايَشَاءُ لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً مِحْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ شَكٌّ وَنِفَاقٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ اي المشركين عن قُبُوْلِ الحق وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ الكافرينَ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ خلافٍ طويلٍ مع النبيِّ والمؤمنين حيثُ جرىٰ على لسانه ذكرُ آلهتهم بِمَا يُرْضِيْهِمْ ثم اَبْطَلَ ذٰلِكَ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ التوحيد والقرآنَ اَنَّهُ اي القرآنُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ تَطْمَئِنَّ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِلٰى صِرَاطٍ طريقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾ اي دينِ الاسلامِ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ شَكٍّ مِّنْهُ اي القرآنِ بما اَلْقَاهُ الشيطانُ على لسانِ النبيِّ صلى اللّٰهُ عليه وسلم ثم اَبْطَلَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اي ساعةُ مَوْتِهم اَوِ القيٰمةُ فجأةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿۵۵﴾ هو يومُ بدرٍ لاخيرَ فيه للكفارِ كالريح العقيمِ التي لاتاتي بخيرٍ او هو يومُ القيٰمةِ لا ليلَ له اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ اي يومَ القيٰمةِ لِّلّٰهِ وَحْدَهٗ وما تَضَمَّنَهُ مِنَ الاِسْتِقْرَارِ نَاصِبٌ لِلظَّرْفِ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ بَيْنَ المؤمنين والكافرين بِمَا بُيِّنَ بَعْدَه فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۵۶﴾ فضلاً من اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾ شديدٌ بِسَبَبِ كُفْرِهِم۔ ع ۷ / ۱۴

ترجمہ: آپ اعلان کر دیجئے کہ اے لوگو یعنی مکہ والو میں تم کو واضح طور ڈرانے والا ہوں یعنی کھلے طور پر آگاہ کرنے والا ہوں اور میں مومنین کو خوشخبری دینے والا ہوں، پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کے لئے (سابقہ) گناہوں کی بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے وہ جنت ہے، اور وہ لوگ جو ہماری آیات میں یعنی قرآنی آیات کے ابطال کے درپے رہتے ہیں عاجز کرنے کے لئے ان لوگوں کو جنہوں نے اتباع کی ہے نبی ﷺ کی یعنی ان کی طرف عاجز ہونے کی نسبت کرنے کے لئے، اور روکتے ہیں ان کو ایمان سے یا ہم کو عاجز گمان کرتے ہوئے ان کی گرفت سے، اور ایک قراءت میں **معاجزین** بمعنی **مسابقین** ہے یعنی ہمارے بارے میں یہ گمان کرتے ہوئے کہ وہ (ہماری گرفت سے) بعث وعقاب کا انکار کر کے نکل بھاگیں گے، یہی ہیں دوزخی اور ہم نے آپ کے قبل کوئی رسول، رسول وہ نبی ہوتا ہے جس کو تبلیغ کا حکم دیا گیا ہو اور کوئی نبی یعنی جس کو تبلیغ کا حکم نہ دیا گیا ایسا نہیں بھیجا کہ جس کو یہ قصہ پیش نہ آیا ہو کہ جب بھی اس نے کچھ پڑھا ہو اور شیطان نے اس کے پڑھنے میں ایسی چیز (شبہ) نہ ڈالی ہو کہ جو قرآن نہیں ہے اور وہ ایسا شبہ ہو کہ جس سے مرسل الیہم خوش ہوں، اور رسول اللہ ﷺ نے سورۂ نجم میں قریش کی مجلس میں اَفَرَاَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى کے بعد لاعلمی میں آپ کی زبان پر القاء شیطانی کی وجہ سے تلك الغرانيق العلى وانَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى پڑھا (ترجمہ) یہ اونچے درجہ کی دیویاں ہیں، ان کی شفاعت کی یقیناً امید کی جاتی (مشرکین مکہ) اس سے بہت خوش ہوئے، پھر حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کو اس واقعہ کی

خبر دی جو شیطان نے آپ کی زبان مبارک پر القاء کر دیا تھا، تو آپ رنجیدہ ہوئے تو آپ کو آئندہ آیت کے ذریعہ تسلی دی گئی تاکہ آپ مطمئن ہو جائیں اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو نیست و نابود کر دیتا ہے پھر اپنی آیات کو زیادہ مضبوط کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ القاء شیطانی سے بخوبی واقف ہے جس کا ماسبق میں ذکر ہو چکا ہے، اور اللہ حکیم ہے اپنی طرف سے شیطان کو قدرت دینے میں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ القاء شیطانی کو ان لوگوں کے لئے آزمائش بنا دے جن کے قلوب میں شک ونفاق کا مرض اور ان کے قلوب سخت ہیں یعنی مشرکین کے قلوب قبول حق کے بارے میں سخت ہیں اور واقعی یہ ظالم کافر لوگ بڑی گمراہی میں ہیں یعنی نبی اور مومنین کے ساتھ طویل گمراہی میں ہیں اس لئے کہ آپ کی زبان مبارک پر ان کے معبودوں کا ایسا ذکر جاری ہو گیا جس نے ان کو خوش کر دیا، پھر اس ذکر کو باطل قرار دیدیا اور تاکہ وہ لوگ کہ جن کو توحید اور قرآن کا علم دیا گیا ہے جان لیں کہ وہ یعنی قرآن تیرے رب کی جانب سے حق ہے تو اس پر ایمان لے آئیں پھر ان کے قلوب اس پر مطمئن ہو جائیں اور واقعی ایمان والوں کو اللہ راہ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے یعنی دین اسلام کی جانب اور کافر لوگ قرآن کے بارے میں ہمیشہ شک میں مبتلا رہیں گے، اس شبہ کی وجہ سے کہ شیطان نے آپ ﷺ کی زبان پر القاء کیا پھر اس کو (اللہ نے) باطل کر دیا، یہاں تک کہ ان پر دفعتاً قیامت آجائے یعنی موت کی گھڑی یا (واقعی) قیامت اچانک آجائے، یا ان پر کسی منحوس دن کا عذاب آجائے اور وہ بدر کا دن تھا کہ جس میں کافروں کے لئے کوئی خیر نہیں تھی، جیسا کہ ریح عقیم کوئی خیر نہیں لاتی یا یوم عقیم سے مراد قیامت کا دن ہے کہ اس کے لئے رات نہیں ہوگی اور بادشاہی اس دن یعنی قیامت کے دن صرف اللہ کے لئے ہوگی اور جو لفظ استقر کے معنی کو متضمن ہے وہی ظرف (یومئذٍ) کا ناصب ہوگا اور وہ ان کے یعنی مومنین اور کافرین کے درمیان اس کے ذریعہ فیصلہ کر دے گا جس کو بعد میں بیان کیا ہے، سو جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور نیک عمل کئے ہوں گے تو وہ اللہ کے فضل سے نعمتوں کی جنت میں ہوں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی ہوگی تو ان لوگوں کے لئے ان کے کفر کے سبب شدید ذلت کا عذاب ہوگا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: قل یا ایُّھا النّاسُ اے محمد ﷺ آپ ان طلب عذاب کے بارے میں جلدی کرنے والوں سے کہہ دیجئے کہ میں تو صاف صاف ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں تعجیل یا تاخیر عذاب میں میرا کوئی دخل نہیں ہے۔

قِوْلُہٗ: بابطالھا کے اضافہ کا مقصد حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے ای سعوا فی ابطال آیاتنا، بابطالھا میں با بمعنی فی ہے معجزین یہ سعوا کی ضمیر سے حال ہے اور مَنْ اِتَّبَعَ النبیَّ، معجزین کا مفعول ہے، یا معجزین کا مفعول اللّٰہ ہے ای معجزین اللّٰہ مطلب یہ ہے کہ ہماری آیات کے ابطال میں سعی کرتے ہیں ہم کو اپنی گرفت سے عاجز مان کر، اور ایک قراءت میں معاجزین ہے بمعنی سابقین (مفاعلہ) یہ گمان کرتے ہوئے کہ وہ ہماری پکڑ سے نکل

بھاگیں گے، اور مسابقت کا مطلب یہ ہے کا فر اللہ کے عذاب سے فرار کی سعی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل کرنے، نہ بھاگنے دینے میں مسابقت کرتا ہے۔

قِوْلَہٗ: وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ (الآیة) وَاِنْ یُّکَذِّبُوْكَ کے بعد یہ آپ ﷺ کو دوسری تسلی ہے مِنْ قبلك میں من ابتداء غایت کے لئے ہے اور من رسولٍ میں مِنْ زائدہ ہے۔

قِوْلَہٗ: اِذَا تَمَنّٰی اَلْقَی الشَّیْطٰنُ، اذا تمنّٰی شرط ہے اور القی الشیطان فی امنیتہٖ اس کی جزاء ہے، اور جملہ شرطیہ ہو کر نبی سے حال ہے تقدیر عبارت یہ ہے وَمَا اَرْسَلْنَا نَبِیًّا اِلَّا حالُهُ هٰذہ اور مستثنیٰ منقطع ہونے کی وجہ سے بھی منصوب ہو سکتا ہے۔

قِوْلَہٗ: الغرانیق اس کا واحد غِرنَوْق بروزن فردوس ہے اور بعض نے غُرنوق بروزن عُصفور کہا ہے، مرغ آبی کو کہتے ہیں۔

قِوْلَہٗ: فینسخ اللّٰہ نسخ سے نسخ لغوی مراد ہے نہ کہ اصطلاحی، نسخ کے معنی زائل کرنے اور مٹانے کے ہیں۔

قِوْلَہٗ: لیجعل کے لام میں ظاہر یہ ہے کہ یُحکم کے متعلق ہے ای ثم یحکم اللّٰہ آیاتہ لیجعل اور واللّٰہ علیم حکیم جملہ معترضہ ہے، یہ بھی احتمال ہے کہ لیجعل ینسخ کے متعلق ہو۔

قِوْلَہٗ: والقاسیة بمعنی القسوۃ سخت دل، القاسیۃ میں الف لام موصول کا ہے اور اس کا عطف الذین فی قلوبھم پر ہے۔

قِوْلَہٗ: وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ اسم ظاہر کو یہاں زیادتی قباحت کو بیان کرنے کے لئے اسم ضمیر کی جگہ رکھا گیا ہے اصل میں اِنَّھُمْ یَوْمَئِذٍ کا عامل ناصب استقرَّ یا اس کے ہم معنی فعل محذوف ہے۔

قِوْلَہٗ: یحکم بینھم جملہ مستانفہ ہے یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے ماذا یَصْنَعُ بھم؟ فقیل یحکم بینھم اور جملہ حالیہ بھی ہو سکتا ہے۔

قِوْلَہٗ: بما بَیَّنَ بعدہ ای فالذین آمنوا وعملوا الصّٰلحات مبتداء ہے فی جنّٰت النعیم اس کی خبر ہے ای مستقرون فیھا اسی طرح والذین کفروا وکذبوا بآیٰتِنَا مبتداء ہے اور فاولئك لھم عذاب مھین جملہ ہو کر اس کی خبر ہے، اول خبر پر فا نہ داخل کرنا اور ثانی خبر پر فا کا داخل کرنا یہ بتانے کے لئے ہے کہ جنت میں داخلہ اعمال کی وجہ سے نہیں ہوگا بلکہ اللہ کے فضل و کرم کی وجہ سے ہوگا، اسی بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے مفسر علام نے فضلاً من اللّٰہ کا اضافہ کیا ہے، بخلاف عذاب جہنم کے اس کا ترتب اعمال ہی پر ہوگا اسی لئے فاولئك پر فا جزائیہ داخل کی گئی۔ (جمل)

تفسیر و تشریح

قل یا ایھا الناسُ قرآن کریم میں عام طور پر یاایُّھا الناس سے مشرکین مکہ کو خطاب ہوتا ہے، چنانچہ یہاں بھی مشرکین مکہ میں سے وہ لوگ مراد ہیں جو آنحضرت ﷺ سے عذاب کے جلدی آنے کا مطالبہ کرتے تھے، چونکہ مشرکین مکہ نزول عذاب کے

منکر تھے اس لئے نزول عذاب کی وعید کو محض ڈراوا سمجھتے تھے اسی لئے وہ آپ ﷺ سے عذاب کے جلدی لانے کا بار بار تقاضا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے محمد ﷺ! آپ کہہ دیجئے کہ میں تو واضح طور پر ڈرانے والا ہوں میرا کام آگاہ اور ہوشیار کر دینا ہے، عذاب لے آنا میرے قبضہ میں نہیں ہے، یہ تو خدا ہی کے قبضہ کی بات ہے، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کو جزاء اور بدکاروں کو سزا دیں گے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا من قبلك مِنْ رسولٍ ولانبيٍّ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اور نبی دونوں کا مفہوم الگ الگ ہے، دونوں میں فرق کیا ہے؟ اس میں اقوال مختلف ہیں مشہور اور واضح بات یہ ہے کہ نبی تو اس کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصب نبوت قوم کی اصلاح کے لئے عطا کیا گیا ہو اور اس کو تبلیغ رسالت کی ذمہ داری سپرد کی گئی ہو اور اس کے پاس اللہ کی طرف سے وحی آئی ہو خواہ اس کو کوئی مستقل کتاب یا شریعت دی گئی ہو یا کسی پہلے نبی ہی کی کتاب یا شریعت کی تبلیغ کے لئے مامور ہو، پہلے کی مثال حضرت موسیٰ وعیسیٰ اور خاتم الانبیاء محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں اور دوسرے کی مثال حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب اور شریعت کی تبلیغ و تعلیم پر مامور تھے، اور رسول وہ ہے کہ جسے مستقل شریعت اور کتاب ملی ہو، اس سے معلوم ہوا کہ ہر رسول کا نبی ہونا ضروری ہے مگر ہر نبی کا رسول ہونا ضروری نہیں، اب رہا فرشتہ کو رسول کہنا تو یہ اصطلاحی معنی میں نہیں ہے بلکہ لغوی معنی میں ہے لہٰذا وہ اس کے منافی نہیں ہے۔

اِذَا تَمَنّٰی اَلْقَی الشیطٰن فی أمنیتہٖ، **تمنّٰی** اس جگہ **قرأ** کے معنی میں ہے اور **أمنیّة** کے معنی قراءت کے ہیں، ابوحیان نے بحر محیط میں اور بہت سے دوسرے حضرات نے اسی کو اختیار کیا ہے، کتب حدیث میں اس جگہ ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے جو واقعۂ غرانیق کے نام سے معروف ہے یہ واقعہ جمہور محدثین کے نزدیک ثابت نہیں ہے، بعض حضرات نے اس کو موضوع، ملحدین وزنادقہ کی ایجاد قرار دیا ہے اور جن حضرات نے اس واقعہ کو کچھ معتبر مانا ہے تو اس کے ظاہری الفاظ سے جو شبہات قرآن وسنت کی قطعیت پر عائد ہوتے ہیں ان کے مختلف جوابات دیئے ہیں، لیکن یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس آیت کی تفسیر اس واقعہ پر موقوف نہیں ہے۔

مفسرین کی ایک جماعت نے مذکورہ آیت کے شان نزول میں واقعۂ غرانیق بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک روز آپ ﷺ مشرکین مکہ کی ایک مجلس میں تشریف فرما تھے، آپ پر سورۂ نجم کا نزول ہوا، آپ ﷺ نے سورۂ نجم پڑھنی شروع کی، جب آپ **اَفَرَأَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی وَمَنٰوۃَ الثّٰلِثَةَ الْاُخْرٰی** پر پہنچے تو القاء شیطانی سے آپ کی زبان مبارک پر **تلك الغرانیق العلٰی وإنَّ شفاعتھنَّ لترتجٰی** جاری ہو گیا جب قریش نے یہ کلمات سنے تو بہت خوش ہوئے اور آپ ﷺ نے قراءت جاری رکھی حتی کہ سورت کے ختم تک تلاوت فرمائی اور جب آخر میں آپ نے سجدہ کیا تو مجلس کے حاضرین نے بھی سجدہ کیا، اس واقعہ کے بعد مشرکین خوشی خوشی منتشر ہو گئے اور کہنے لگے کہ آج محمد ﷺ نے ہمارے معبودوں کی ستائش فرمائی، چناں چہ جبرئیل تشریف لائے اور فرمایا آپ نے یہ کیا کیا؟ آپ نے تو لوگوں کو وہ سنا دیا جو میں آپ کے پاس اللہ کی طرف سے لے کر نہیں آیا، آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ سے سخت رنج ہوا اور شدید خوف زدہ بھی ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لئے

مذکورہ آیت نازل فرمائی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ معاملہ تنہا آپ کے ساتھ نہیں ہوا بلکہ ہر رسول اور نبی کے ساتھ ہوا ہے لہٰذا رنجیدہ ہونے کی کوئی بات نہیں ہے، مگر یہ واقعہ کسی طرح بھی ثابت نہیں ہے بلکہ اس کا بطلان کتاب اللہ سے ثابت ہے قال اللّٰہ تعالیٰ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْن وقال اللّٰہ تعالیٰ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى امام بیہقی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے اس قصہ کے بارے میں فرمایا هٰذه القصةُ غير ثابتة من جهة النقل امام ابن خزیمہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے فرمایا اِنَّ هٰذهِ القصة من وضع الزنادقة بعض مفسرین نے قصہ غرانیق کے ساتھ حبشہ سے مہاجرین کے واپس ہونے کا قصہ بھی لگا دیا ہے، جس کی مزید تفصیل آپ سورۂ نجم میں انشاء اللہ ملاحظہ فرمائیں گے کہ تمنی کے معنی قَرَءَ کے ہیں اور معنی القى الشيطان فى أمنيتهٖ اى فى تلاوتهٖ وقراء تهٖ کے ہیں ابن جریر نے کہا کہ یہ قول تاویل کلام کے زیادہ مشابہ ہے، آیت کے حاصل معنی یہ ہیں کہ شیطان نے مشرکین کے کانوں میں بغیر اس کے کہ آپ ﷺ کی زبان مبارک پر مذکورہ کلمات جاری ہوں خود ہی مذکورہ کلمات ڈال دیئے۔ (فتح القدیر) اللہ تعالیٰ شیطان کے القاء کردہ کلمات کو مٹا دے گا، اور اپنی آیات کو محکم کردے گا۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اى طاعتِه من مكةَ الى المدينةِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا هو رزقُ الجنةِ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ افضل المُعطِيْنَ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا بضمِّ الميم وفَتحِها اى اِدْخالًا او مَوْضِعًا يَّرْضَوْنَهٗ وهو الجنةُ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ بنيّاتِهم حَلِيْمٌ ۝ عن عِقابِهِم، الامرُ ذٰلِكَ الذى قصَصْنا عليك وَمَنْ عَاقَبَ جازى من المؤمنين بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ظُلْمًا مِن المشركين اى قاتلَهُم كَما قاتَلُوْهُ فِي الشَّهرِ المُحَرَّمِ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ منهم اى ظُلِمَ بِاِخْراجِه من مَنْزِلِهٖ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ عن المؤمنين غَفُوْرٌ ۝ لهم عن قِتالِهم فى الشهر الحرام ذٰلِكَ النصرُ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ اى يُدْخِلُ كُلًّا منهما فى الآخرِ بِاَنْ يزيدَ بِه وذٰلك مِن اَثَرِ قُدْرَتِهِ التى بها النصرُ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ دُعاءَ المؤمنين بَصِيْرٌ ۝ بهم حيث جَعَلَ فيهم الايمانَ فَاَجابَ دُعاءَهم ذٰلِكَ النصرُ اَيضًا بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الثابتُ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ بالياء والتاء يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ وهو الاصنامُ هُوَ الْبَاطِلُ الزائلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ اى العالِيُ على كُلِّ شئٍ بقُدرَتِهِ الْكَبِيْرُ ۝ الذى يُصَغِّرُ كُلَّ شئٍ سِواهُ اَلَمْ تَرَ تعلم اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مَطَرًا فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً بِالنَّباتِ وهذا من اَثَرِ قُدرتِهِ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ بِعِبادِه فِي اِخْراجِ النَّباتِ بالماءِ خَبِيْرٌ ۝ بما فى قلوبِهم عند تَاخِيرِ المَطَرِ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ على جِهةِ المِلْك وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ عن عبادِهِ الْحَمِيْدُ ۝ لاَوْلِيَائِهٖ.

ترجمہ: اور جن لوگوں نے راہ خدا میں ترک وطن کیا یعنی اس کی طاعت میں مکہ سے مدینہ کی طرف (ہجرت کی) پھر وہ شہید کردیئے گئے یا اپنی موت مر گئے اللہ تعالیٰ ان کو بہترین رزق عطا فرمائے گا، وہ جنت کا رزق ہے، بے شک اللہ تعالیٰ سب دینے والوں سے بہتر دینے والا ہے، یعنی عطا کرنے والوں میں بہتر عطا کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ انہیں ایسی جگہ پہنچائے گا کہ وہ اس کو پسند کریں گے اور وہ جنت ہے مُدْخَلًا میم کے ضمہ کے ساتھ اور اس کے فتحہ کے ساتھ، داخل کرنا یا داخل کرنے کی جگہ اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی نیتوں سے واقف ہے ان کو سزا دینے کے معاملہ میں حلیم ہے، بات ایسی ہے جیسی کہ ہم نے تم کو سنائی، اور جس مومن نے بدلہ لیا (ظالم سے) اسی کے برابر جو (ظلم مشرکین کی جانب سے) اس کے ساتھ کیا گیا تھا، یعنی ان کے ساتھ اسی طرح قتال کیا جس طرح انہوں نے ماہ محرم میں مومنین کے ساتھ قتال کیا تھا، پھر اس کے ساتھ زیادتی کی جائے مشرکین کی جانب سے یعنی اس کو اس کے گھر سے نکال کر اس پر ظلم کیا گیا، تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائے گا، بے شک اللہ تعالیٰ مومنین کو بہت معاف کرنے والا اور درگذر کرنے والا ہے، شہر حرام میں ان کے قتال کرنے کو اور یہ مدد اس وجہ سے ہوگی کہ بے شک اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کردیتا ہے یعنی ایک کو دوسرے میں داخل کردیتا ہے بایں طور کہ ہر ایک میں اضافہ کردیتا ہے اور یہ ایلاج اس کی قدرت کی دلیل ہے جس کے ذریعہ نصرت ہوتی ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ مومنین کی دعا کو سننے والا ہے اور ان کے احوال کو دیکھنے والا ہے اس طریقہ پر کہ ان کو مومن بنایا پھر ان کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور یہ نصرت بھی اس سبب سے ہے کہ اللہ ہی معبود برحق ہے اور بلاشبہ جس کو یہ لوگ یا تم لوگ اس کو چھوڑ کر پکارتے ہو اور وہ بت ہیں وہ باطل ہے زائل ہونے والا ہے اور بلاشبہ اللہ ہی ہر شی پر عالی ہے اپنی قدرت کے اعتبار سے اور ایسا عظمت والا ہے کہ اس کے سوا اس کی عظمت کے سامنے ہر شی ذلیل ہے کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے بارش برسائی جس سے زمین نباتات کے ذریعہ سرسبز ہوگئی اور یہ اس کی قدرت کا اثر ہے، بے شک اللہ تعالیٰ پانی کے ذریعہ نباتات پیدا کرنے میں اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے اور بارش کی تاخیر کی صورت میں جو خیالات بندوں کے دلوں میں آتے ہیں ان سے باخبر ہے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کی ملک ہے اور بے شک اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کا محتاج نہیں اور اپنے اولیاء کی تعریف کا سزاوار ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: والذین ھاجروا مبتداء ہے لَیَرْزُقَنَّھُمُ اللّٰہ اس کی خبر ہے وَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا اگرچہ اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا میں داخل ہیں، مگر ان کی عظمت شان کی وجہ سے خاص طور پر ان کا ذکر کیا گیا ہے گویا کہ یہ تخصیص بعد التعمیم کے قبیل سے ہے، لَیَرْزُقَنَّھُمْ قسم محذوف کا جواب ہے ای واللّٰہ لیرزقنھم قسم اور جواب قسم مل کر جملہ ہوکر وَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا کی خبر ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جملہ قسمیہ مبتداء کی خبر واقع ہوسکتا ہے رِزْقًا حسنًا لَیَرْزُقَنَّھُمْ کا مفعول ثانی ہے اور لیرزقنھم کا مفعول

مطلق برائے تاکید بھی ہوسکتا ہے۔

قِوْلَہُ: خیرُ الرازقین کے بعد افضل المعطین کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ خیرٌ اسم تفضیل، اسم تفضیل ہی کے معنی میں ہے قرآن پاک میں عام طور پر اسم تفضیل اسم فاعل کے معنی میں ہوتا ہے مگر یہاں ایسا نہیں ہے، اول تو اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا رزق مخصوص ہے جس پر کوئی دوسرا قادر نہیں ہے، اور رزق میں یہی اصل ہے، دوسری بات یہ ہے کہ بظاہر غیر اللہ جو رزق دیتا ہے وہ اللہ ہی کے عطا کردہ رزق میں سے دیتا ہے، تیسری بات یہ کہ غیر اللہ جو رزق دیتا ہے اس کا مقصد طلب عوض ہوتا ہے کم از کم اجر آخرت ہی سہی، اور اللہ تعالیٰ کا جو رزق ہوتا ہے وہ محض بطور احسان ہوتا ہے۔

قِوْلَہُ: لَیُدْخِلَنَّھُمْ یہ لَیَرْزُقَنَّھُمْ سے بدل بھی ہوسکتا ہے اور جملہ مستانفہ بھی۔

قِوْلَہُ: مُدْخَلًا یہ باب افعال کا مصدر ہے ای اِدْخَالًا و مُدْخَلًا اس صورت میں یہ لَیُدْخِلَنَّھم کا مفعول مطلق ہوگا اور اس کا مفعول بہ محذوف ہوگا ای لَیُدْخِلَنَّھُمُ الجنَّۃَ اِدْخَالًا یَرْضَونہٗ اور فتحۂ میم کے ساتھ ظرف مکان ہوگا ای موضع دخول اس صورت میں مُدْخلًا ہی لَیُدخِلَنَّھم کا مفعول فیہ ہوگا ای لَیُدخِلَنّھم مکانًا یَرْضَونہٗ.

قِوْلَہُ: ذٰلك یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے ای الامرُ ذٰلك یعنی مومنین وکافرین سے جو وعدے ہیں وہ اپنی جگہ پر صحیح اور برحق ہیں، جب ایک کلام سے دوسرے کلام کی طرف انتقال مطلوب ہوتا ہے تو اس وقت اَلْاَمْرُ ذٰلكَ بولتے ہیں۔

قِوْلَہُ: وَمَنْ عَاقَبَ یہ تعاقب سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں مجئ الشئ بعد الشئ ای جازَ.

قِوْلَہُ: ای قَاتَلَھُم کما قاتلوہ فی الشھر المحرم مفسر کے اس قول میں آیۃ کے شان نزول کی طرف اشارہ ہے، مقاتل رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے کہا ہے کہ مذکورہ آیت مشرکین مکہ میں سے ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی کہ جن کی مڈبھیڑ مسلمانوں کی ایک جماعت سے ہوگئی تھی، حالانکہ ابھی ماہ محرم کے ختم ہونے میں دو روز باقی تھے مشرکین نے یہ سمجھتے ہوئے کہ اصحاب محمد شہر حرام میں قتال کو ناپسند کرتے ہیں حملہ کردیا، مسلمانوں نے شہر حرام میں جنگ نہ کرنے کے لئے مشرکین کو قسم دی مگر انہوں نے ایک نہ سنی، مجبوراً مسلمان بھی ان کے مقابلہ میں ڈٹ گئے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشرکین پر غلبہ عطا فرمایا، شہر حرام میں قتال کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کے دل میں ایک قسم کی خلش اور وسوسہ باقی تھا اگرچہ مسلمانوں نے بدرجہ مجبوری شہر حرام میں قتال کیا تھا، اسی وسوسہ کو زائل کرنے کے لئے مذکورہ آیت نازل ہوئی، ظلم کا بدلہ لینے کو عاقب کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، یہ مجازاً مشاکلت کے طور پر کیا گیا ہے، جیسے جزاء سیّئۃٍ سیئۃٌ میں کہا گیا ہے، یا یہ تسمیۃ السبب باسم المسبب کے قبیل سے ہے، یعنی مشرکین کا ظلم ان سے انتقام لینے کا سبب بنا۔

قِوْلَہُ: وَمَنْ عَاقَبَ مبتداء ہے لَیَنْصُرَنَّہٗ اس کی خبر ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ جب مَنْ موصولہ ہو اور یہ بھی صحیح ہے کہ من شرطیہ ہو اور لینصُرَنَّہٗ اس کی جزاء ہو۔

قَوْلُهُ: ذلك النصر مبتداء ہے اور بان الله يولج الليل (الآية) اس کی خبر ہے۔

قَوْلُهُ: ذلك من اثر قدرته یعنی رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرنا یہ اس کی قدرت کا اثر ہے، اسلئے کہ نصرت قدرت کے بغیر نہیں ہوسکتی۔

قَوْلُهُ: فتُصْبِحُ رفع کے ساتھ اس کا عطف اَنْزَلَ پر ہے، اس صورت میں بہٖ عائد محذوف ہوگا ای فتُصْبِحُ بهٖ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ فاسبیہ ہو نہ کہ عاطفہ اس صورت میں تقدیر عائد کی ضرورت نہ ہوگی۔

سَوْال: فَتُصبِحُ جواب امر واقع ہے لہٰذا اس کو منصوب ہونا چاہئے حالانکہ فَتُصْبِحُ مرفوع ہے۔

جَوَاب: یہ استفہام تقریری بمعنی خبر ہے یعنی الم ترَ قد رأیت کے معنی میں ہے اور استفہام بمعنی خبر امر کا جواب نہیں ہوتا۔

اب رہا یہ سوال کہ صیغہ ماضی کے بجائے مضارع کا صیغہ استعمال کرنے کی کیا وجہ ہے؟ یعنی فَتُصْبِحُ کے بجائے فَاصْبحتْ کیوں نہیں کہا؟

جَوَاب: یہ ہے کہ مضارع کا صیغہ بقاءِ اثر مطر پر دلالت کرتا ہے جو کہ مطلوب اور محمود ہے بخلاف ماضی کے صیغہ کے۔

تفسیر و تشریح

وَالَّذِينَ هَاجَرُوْا اس سے پہلے عام مؤمنین کے انجام کا ذکر تھا، اب یہاں ایک ممتاز جماعت کا خصوصی ذکر فرمایا یعنی جو لوگ خدا کے راستہ میں اپنا گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے خواہ وہ لڑائی میں شہید ہوں یا طبعی موت مریں دونوں صورتوں میں اللہ کے یہاں ان کی خاص مہمانی ہوگی، کھانا پینا، رہنا سہنا سب ان کی مرضی کے موافق ہوگا، اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ وہ کس چیز سے راضی ہوں گے، اور کن لوگوں نے خالص اللہ کے لئے اپنا گھر بار ترک کیا ہے، ایسے مجاہدین و مہاجرین کی فروگذاشتوں پر حق تعالیٰ تحمل فرمائیں گے، اور شان عفو سے کام لیں گے، علیمٌ و حلیمٌ کی صفات اسی غرض کے لئے ذکر کی گئی ہیں۔

وَمَنْ عَاقَبَ بمثلِ مَاعُوقبَ یعنی مظلوم اگر ظالم سے واجبی بدلہ لے لے پھر از سر نو ظالم اس پر زیادتی کرے تو وہ پھر مظلوم باقی رہے گا، حق تعالیٰ پھر اس کی مدد فرمائیں گے جیسا کہ اس کا دستور ہے کہ وہ مظلوم کی حمایت کرتا ہے وَاتقِ دعوة المظلوم فَإِنَّهٗ ليس بينها وبين الله حجاب.

بہ ترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعاء کردن اجابت از در حق بہر استقبال می آید

ذٰلكَ بِأَنَّ اللّٰهَ يولج الليل في النهار ماقبل کی آیت میں مظلوموں کی نصرت کا ذکر تھا اور نصرت وہی کرسکتا ہے جو نصرت پر قادر ہو اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا ذکر فرما رہے ہیں، یعنی جو اللہ تعالیٰ اتنی بڑی قدرت والا ہے کہ رات دن کو الٹ پلٹ کرنا اور ان کو گھٹانا بڑھانا اسی کے ہاتھ میں ہے، اسی کے تصرف سے کبھی کے دن بڑے اور کبھی کی راتیں بڑی ہوتی ہیں، پھر کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ وہ ایک مظلوم قوم یا شخص کی مدد کرسکے، بلکہ ظالموں پر غالب اور مسلط کردے اس آیت میں اس

بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ عنقریب حالات رات دن کی طرح پلٹا کھانے والے ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ رات کو دن میں تبدیل کر دیتا ہے، اسی طرح کفر کی سرزمین کو اسلام کی آغوش میں داخل کر دے گا وَاَنَّ اللّٰہ سمیعٌ بصیر یعنی مظلوم کی فریاد سنتا ہے اور ظالم کے کرتوت دیکھتا ہے۔

ذٰلکَ النصر بأن اللّٰہ ھو الحق یعنی ایسے عظیم الشان انقلابات معبود برحق کے سوا اور کس سے ہو سکتے ہیں واقع میں صحیح اور سچا خدا وہی ایک ہے باقی اس کو چھوڑ کر خدائی کے جو پاکھنڈ پھیلائے گئے ہیں سب غلط جھوٹ اور باطل ہیں، اسی کو خدا اور معبود بنانا چاہئے جو سب سے اوپر اور سب سے بڑا ہے اور یہ شان بالاتفاق اسی ایک اللہ کی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ جس طرح اللہ تعالیٰ خشک اور مردہ زمین کو آسمانی بارش سے سرسبز و شاداب کر دیتے ہیں، اسی طرح کفر کی خشک اور ویران زمین کو اسلام کی بارش سے سبزہ زار بنا دے گا اور یہ کام اس کی قدرت کے لئے کوئی بڑا کام نہیں۔

اِن اللّٰہ لطیف خبیر وہی جانتا ہے کہ بارش کے پانی سے کس طرح سبزہ اگ آتا ہے قدرت خداوندی اندر ہی اندر ایسی تدبیر و تصرف کرتی ہے کہ خشک زمین پانی کے اجزاء کو جذب کر کے سرسبز اور شاداب ہو جائے، اسی طرح وہ اپنی مہربانی، لطیف تدبیر و تربیت اور کمال خبرداری و آگاہی سے قلوب بنی آدم کو فیوض اسلام کی بارش برسا کر سرسبز و شاداب بنا دے گا۔

لہٗ ما فی السمٰوات ومافی الارض یعنی زمین و آسمان کی تمام چیزیں جب اسی کی مملوک و مخلوق ہیں اور سب کو اسی کی احتیاج ہے اور وہ کسی کا محتاج نہیں تو ان میں جس طرح چاہے تصرف اور ردوبدل کرے کوئی مانع اور مزاحم نہیں ہو سکتا، البتہ غنائے تام اور اقتدار کامل سے کرتا وہی ہے جو سراپا حکمت و مصلحت ہو اس کے تمام افعال محمود ہیں اور اس کی ذات تمام خوبیوں اور صفات حمیدہ کی جامع ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ مِن البهائم **وَالْفُلْكَ** السُّفُنَ **تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ** لِلرُّكُوبِ والحمل **بِاَمْرِهٖ** بِـاِذْنِهٖ **وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ** اولِئَلاَّ **تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ** فتَهلِكُوا **اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ**﴿۶۵﴾ فى التسخيرِ والاِمساكِ **وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ** بالاِنشاءِ **ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ** عند انتهاءِ آجالِكُم **ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ** عِندَ البَعْثِ **اِنَّ الْاِنْسَانَ** اى المُشرِكَ **لَكَفُوْرٌ**﴿۶۶﴾ لِنِعَمِ اللهِ بتَرْكِه تَوحِيدَهٗ **لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا** بفتحِ السِّينِ وكَسرِها شَرِيْعَةً **هُمْ نَاسِكُوْهُ** عَامِلُونَ به **فَلَا يُنَازِعُنَّكَ** يُرادُ به لاتُنَازِعهُم **فِي الْاَمْرِ** اَمرِ الذَّبِيحَةِ اِذْ قَالُوا مَا قَتَلَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَاكُلُوهُ مِمَّا قَتَلْتُمْ **وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ** اى اِلى دِيْنِه **اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى** دينٍ **مُّسْتَقِيْمٍ**﴿۶۷﴾ **وَاِنْ جَادَلُوْكَ** فى اَمرِ الدينِ **فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ**﴿۶۸﴾ فيُجازِيكُم عَلَيهِ وهذا قبلَ الاَمرِ بالقِتالِ **اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ** ايها المؤمنون والكافرون **يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ**﴿۶۹﴾ بِاَنْ يَقُولَ كُلٌّ مِن الفَرِيقَينِ خلافَ قولِ الآخرِ **اَلَمْ تَعْلَمْ** الاستفهامُ فيهِ للتَّقرِيرِ **اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّ ذٰلِكَ** اى مَاذُكِرَ **فِيْ كِتٰبٍ** هُوَ اللَّوحُ المحفوظُ **اِنَّ ذٰلِكَ** اى عِلمَ مَا ذُكِر **عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ**﴿۷۰﴾ سَهلٌ **وَيَعْبُدُوْنَ** اى المشركون

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ هو الاَصنامُ سُلْطٰنًا حجة وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ انها الِهة وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ بالاِشراكِ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۷۱﴾ يَمْنَعُ عنهم عذابَ اللّٰهِ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا من القرآنِ بَيِّنٰتٍ ظاهراتٍ حالٌ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ اى الاِنكارَ لها اى اَثَرَهُ مِنَ الكَرَاهَةِ وَالعَبُوْسِ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا اى يَقعُوْنَ فيهم بِالبَطْشِ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ اى باَكْرَهَ اِلَيْكُمْ من القرآن المَتلُوِّ عليكم هو اَلنَّارُ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّ مَصيرَهم اليها وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۲﴾ هى.

ع ۸ / ۱۶

ترجمہ: (اے مخاطب) کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے کاموں میں لگا رکھا ہے زمین کی چیزوں کو حیوانات میں سے اور کشتیوں کو کہ وہ دریا میں بار برداری اور سواری کے لئے اس کے حکم سے چلتی ہیں، اور وہی آسمانوں کو زمین پر گرنے سے تھامے ہوئے ہے (یا تھامے ہوئے ہے تاکہ نہ گرے کہ سب ہلاک ہو جائیں) ہاں مگر یہ کہ گرنے کا حکم ہو جائے بلاشبہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر تسخیر و امساک میں بڑی شفقت اور رحمت فرمانے والا ہے وہ وہی ہے جس نے تم کو زندگی دی پیدا کر کے پھر تم کو موت دے گا تمہاری مدت عمر پوری ہونے کے بعد پھر تم کو زندہ کرے گا بعث کے وقت واقعی مشرک انسان خدا کی نعمتوں کا اس کی توحید کو ترک کر کے بڑا ناشکرا ہے اور ہم نے ہر امت کے لئے ایک طریقہ بندگی کا یعنی شریعت مقرر کر دی ہے وہ اسی (طریقہ) شریعت پر عامل تھے مَنْسَكًا سین کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے تو لوگوں کو چاہئے کہ ذبح کے معاملہ میں آپ سے نزاع نہ کریں اور فلا یُنازِعُنَّك سے لاتُنَازِعْهُمْ مراد ہے (یعنی مضارع منفی سے نہی) اس لئے کہ انہوں نے کہا تھا کہ جس کو اللہ نے قتل کیا ہو وہ کھائے جانے کے زیادہ لائق ہے اس سے کہ جس کو خود تم نے قتل کیا ہے اور آپ اپنے رب یعنی اس کے دین کی طرف دعوت دیتے رہئے، بلاشبہ آپ صحیح دین پر ہیں اور اگر یہ لوگ دین کے معاملہ میں آپ سے جھگڑا کرتے رہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے وہ تم کو اس کی سزا ضرور دے گا، (عدم قتال کی) یہ ہدایت آپ کو جہاد کا حکم دینے سے پہلے کی ہے، اے مومنو اور کافرو! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اس بات کا فیصلہ کر دے گا جس میں تم اختلاف کر رہے ہو اس طریقہ پر کہ دونوں فریقوں میں سے ہر فریق دوسرے فریق کے برخلاف کہتا ہے (اے مخاطب) کیا تو نہیں جانتا یہ استفہام تقریری ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے سب کو جانتا ہے یقیناً یہ جو کچھ مذکور ہوا لوح محفوظ میں محفوظ ہے بے شک یہ یعنی مذکور کا علم اللہ کے لئے آسان ہے اور مشرک اللہ تعالیٰ کے علاوہ ایسی چیزوں کی بندگی کرتے ہیں جن کے بارے میں اس نے کوئی حجت نازل نہیں کی وہ بت ہیں اور نہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے کہ یہ معبود ہیں اور شرک کے ذریعہ ظلم کرنے والوں کا کوئی مددگار نہ ہوگا کہ ان سے عذاب کو باز رکھ سکے اور جب ان لوگوں کو ہماری واضح قرآنی آیتیں سنائی جاتی ہیں بینات بمعنی ظاهرات حال ہے تو آپ ان کافروں کے چہروں پر ناگواری کے آثار دیکھتے ہیں یعنی ان آیتوں کے انکار (کے اثر کو) جو کہ وہ کراہت اور ترشروئی ہے ایسا معلوم

ہوتا ہے کہ ان لوگوں پر حملہ کردیں گے جو ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں یعنی قریب ہے کہ سختی سے پکڑ کرلیں، آپ کہہ دیجئے کیا میں تم کو اس سے بھی زیادہ ناگوار چیز بتلادوں؟ یعنی تم کو قرآن سنانے سے بھی زیادہ ناگوار چیز، وہ دوزخ ہے اس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ کیا ہوا ہے یہ کہ ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوَلَہٗ: اَلَمْ تَرَ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَلَکُمْ تَرَ اصل میں تَریٰ تھا، یہ رویت سے مشتق ہے لَمْ داخل ہونے کی وجہ سے آخر سے ی حرف علت ساقط ہوگئی تَرَ کی تفسیر تَعْلَمْ سے کرکے اشارہ کردیا کہ رویت سے رویت قلبی مراد ہے سَخَّرَ یہ تَسْخِیْر سے ماضی کا صیغہ ہے بمعنی ذَلَّلَ مسخر کرنا، کام میں لگانا، بس میں کرنا، زبردستی کسی خاص کام میں لگادینا۔

قِوَلَہٗ: والفُلْکَ، مافی الارض پر عطف کی وجہ سے منصوب ہے۔

قِوَلَہٗ: مِنْ (أن) او لئلّا (تقع) اس عبارت سے مفسر علام کا مقصد أن تَقَعَ کے اعراب کی طرف اشارہ کرنا ہے، اَنْ تَقَعَ یا محل جر میں ہے اور حرف جر محذوف ہے ای مِنْ اَنْ تَقَعَ اور تَقَعَ أن مصدریہ کی وجہ سے وقوع کے معنی میں ہے یا محل نصب میں ہے یا تو اس لئے کہ السَّمَاءَ سے بدل ہے بدل الاشتمال ای یمنَعُ وقوعَھَا اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے بصریین کے نزدیک تقدیر عبارت یہ ہے یمسك السماء کراھة أن تَقَعَ اور کوفیین کے نزدیک تقدیر عبارت یہ ہے یمسكُ السماءَ لئلّا تقعَ مفسر علام نے احتمال اول اور ثالث کو ذکر کیا ہے۔

قِوَلَہٗ: اِلَّا بِاِذْنِہٖ یہ مستثنیٰ مفرغ ہے عموم احوال سے مگر یہاں یہ شبہ ہوگا کہ مستثنیٰ مفرغ کلام موجب میں واقع نہیں ہوتا اور یہاں مستثنیٰ منہ جو کہ یمسك السماء ہے کلام موجب ہے، اس شبہ کا جواب یہ ہوگا کہ یُمْسِكُ السماءَ ان تَقَعَ علی الاَرضِ قوت میں نفی کے ہے تقدیر عبارت یہ ہے لَا یَترُکُھَا تقع فی حالة مِنَ الاَحوال اِلَّا فِی حالة کونھا مُتَلَبِّسَةً بمشیة اللّٰہ تعالیٰ، باِذنِہٖ میں با ملابستہ کے لئے ہے۔

قِوَلَہٗ: ھو الذی اَحیاکُمْ قال الجنید قدس سِرُّہٗ اَحیَاکم بِمعرفةٍ ثُمَّ یُمیتُکُمْ بِاَوْقَاتِ الغَفْلَةِ والفَتْرَةِ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ بالجَذْب بَعْدَ الفترَةِ.

قِوَلَہٗ: لِکُلِّ اُمَّةٍ جعلْنَا مَنْسَکًا یہاں امت سے وہ امت مراد ہے جس کے پاس ملت آسمانی اور کسی نبی کی شریعت ہو نہ کہ مشرکین وکفار، اس پر لفظ جعلنا دلالت کررہا ہے مفسر علام نے منسک کی تفسیر شریعت سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ ألنسیکة بمعنی عبادت سے ماخوذ ہے لہٰذا مَنسکًا کو موضع عبادت یا وقت عبادت پر محمول کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور اسی معنی پر ناسِکُوْہُ دلالت کررہا ہے اگر موضع یا وقت کے معنی مراد ہوتے تو ناسکون فیه کہا جاتا، اس لئے کہ عامل ظرف کی ضمیر کی طرف متعدی ہوتا ہے۔

قِوَلَہٗ: لایُنَازِعُنَّكَ کی تفسیر لاتُنازِعْھم سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مقصد آپ ﷺ کو دیگر اہل ملل کے

ساتھ منازعت سے منع کرنا ہے اور یہ بطور کنایہ ہے اس لئے کہ منازعت طرفین سے ہوتی ہے، آپ کو ترک نزاع کے حکم سے مقصد ان کی باتوں کی طرف التفات نہ کرنے کا حکم کرنا ہے اور جب آپ ان کی باتوں کی طرف التفات نہ کریں گے تو منازعت خود ہی ختم ہو جائے گی، ایک فریق کو منع کرنا یہ کنایۃً فریق ثانی کو منع کرنا ہے۔

قِوْلُہٗ: **فی الامر** مفسر علام نے امر سے ذبیحہ مراد لیا ہے خطیب نے کہا ہے کہ یہ آیت بدیل بن ورقاء اور بشر بن سفیان اور یزید بن خنیس کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب انہوں نے اصحاب رسول ﷺ سے کہا تھا **مالکم تاکلون مما تقتلون ولا تاکلون مما قتله الله تعالیٰ** یعنی تم خود مار کر کھا جاتے ہو اور خدا کا مارا ہوا (مردار) نہیں کھاتے ہو مفسر علام کا فی الامر کی تشریح ذبح سے کرنا مقام کے موافق نہیں ہے بلکہ یہاں مطلقاً احکام شریعت مراد ہیں ورنہ تو اس سے لازم آئے گا کہ سابقہ امتوں میں مردار کھانا مشروع تھا۔

قِوْلُہٗ: **مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ** ما موصولہ ہے اور **يعبدون** کا مفعول بہ ہے۔

قِوْلُہٗ: **يكادُوْنَ يسطُون** یہ جملہ حالیہ ہے یا تو **الذين** سے مگر اس صورت میں یہ اعتراض ہوگا کہ **الذين** مضاف الیہ ہے اور مقصود مضاف ہوتا ہے تو مضاف الیہ سے حال واقع ہونا کس طرح درست ہوگا، جواب یہ ہے کہ مضاف چونکہ مضاف الیہ کا جزء ہے لہٰذا مضاف الیہ سے حال واقع ہونا درست ہے یا پھر **وجوه** سے حال ہے اور **وجهٌ** سے صاحب وجہ مراد ہوگا، مفسر علام نے **يسطُون** کی تفسیر **بطشٌ** سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ **يسطون**، **يبطشون** کے معنی کو متضمن ہے، یہی وجہ ہے کہ **يسطون** کا صلہ **با** درست ہے ورنہ تو **يسطون** کا صلہ علیٰ آتا ہے۔

قِوْلُہٗ: **هو النار، النار هو** مبتداء محذوف کی خبر ہے، اس صورت میں وقف **ذٰلكم** پر ہوگا اور یہ بھی جائز ہے کہ **النار** مبتداء اور **وَعَدَهَا اللّٰهُ** اس کی خبر اس صورت میں وقف **الذين كفروا** پر ہوگا۔

تفسیر و تشریح

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ (الآیہ) یعنی اللہ تعالیٰ کو تمہاری یا کسی کی کیا پرواہ تھی، مگر پھر بھی اس کی شفقت اور مہربانی دیکھو کہ کس طرح خشکی اور تری کی چیزوں کو تمہارے تابع کر دیا پھر اس نے اپنے دست قدرت سے آسمان چاند سورج اور ستاروں کو اس فضاء ہوائی میں بغیر کسی ظاہری کھمبے یا ستون کے تھام رکھا ہے جو اپنے محور اور مدار سے ایک انچ نہیں ہٹ سکتے اور نہ ہٹیں گے جب تک کہ اس کا حکم نہ ہو **إلا باذنه** کا استثناء محض اثبات قدرت کی تاکید کے لئے ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ واقعۂ قیامت کی طرف اشارہ ہو۔

وهو الذى اَحيا كم اسی طرح جو قوم کفر و جہل کی وجہ سے روحانی موت مرچکی تھی اس کو ایمان اور معرفت کی روح سے زندہ کرے گا۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا یہاں امت سے ہر وہ امت مراد ہے جو ملت سماوی کے تابع ہو یعنی ہر امت کے لئے شریعت الگ الگ متعین کی گئی ہے جس امت کے لئے جو قانون شریعت متعین کیا گیا ہے اس کے لئے اسی پر عمل کرنا لازم

ہے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تک ایک امت ہے ان کی شریعت تورات تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آنحضرت ﷺ تک ایک امت ہے ان کا قانون شریعت انجیل تھی آپ ﷺ کی بعثت کے بعد سے قیام قیامت تک ایک امت ہے، اس کے لئے قانون شریعت اور دستور العمل قرآن کریم ہے لہٰذا ان امتوں کو چاہئے کہ آپ سے احکام شریعت میں تنازع نہ کریں یہ خیال کرتے ہوئے کہ ان کی شریعت باقی ہے حالانکہ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد سابقہ تمام شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں، تشریح مذکور کی روشنی میں مفسر علام کا **فلا ینازعنك فی الامر** کی تفسیر **امر الذبیحة الخ** سے کرنا سابقہ تشریح سے مطابقت نہیں رکھتا، اس لئے کہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ اکل میتہ شرائع سابقہ کے منجملہ احکام سے ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے بعض امتوں کے لئے مشروع کیا، حالانکہ بات یہ نہیں ہے لہٰذا آیت کی تشریح جو سابق میں کی گئی ہے وہی مناسب معلوم ہوتی ہے۔

وھذا قبل الامر بالقتال یعنی **وَاِنْ جَادَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْن** منسوخ ہے آیت قتال سے، یہ ایک قول ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ آیت محکم ہے (منسوخ نہیں ہے) اس صورت میں آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ ان کے ساتھ بحث و مباحثہ ترک کرو اور معاملہ کو اللہ اعلم کہہ کر اللہ کے حوالہ کرو۔

ویعبدون مِن دون اللّٰہ سب سے بڑا ظلم اور ناانصافی یہ ہے کہ خدا کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے، ایسے ظالموں اور ناانصافوں کو خوب یاد رکھنا چاہئے کہ ان کے شرکاء مصیبت پڑنے پر ان کے کچھ کام نہ آئیں گے اور نہ اور کوئی اس وقت مدد کرے گا۔

وَعَدَهَا اللّٰہ الذینَ کفرُوْا وَعَدَ یہ متعدی بدو مفعول ہے **ھا** ضمیر مفعول ثانی مقدم ہے **الذین کفروا** مفعول اول مؤخر ہے، اس کا عکس بھی درست ہے، مفسر علام نے اپنے قول **بانَّ مصیرَھُمْ الیھا** سے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اس لئے کہ **جعل الذین کفروا** کو موعود بہ اور **النارَ** کو موعود قرار دیا ہے۔

یٰاَیُّھَا النَّاسُ ای اہل مکۃ **ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ** وہو **اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ** تعبدون **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** ای غیرہ وہُمُ الاصنامُ **لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا** اسمُ جنسٍ واحدہ ذُبابَۃٌ یقعُ علی المذکر والمؤنثِ **وَّلَوِاجْتَمَعُوْا لَهٗ** ای لِخلقِہٖ **وَاِنْ یَّسْلُبْھُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا** مِمَّا علیہم مِنَ الطِّیبِ والزعفرانِ المُلَطَّخِیْنَ بِہٖ **لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ** یَسترِدُّوْہُ **مِنْهُ** لِعجزِہِمْ فکیف یَعبُدون شرکاءَ اللّٰہِ تعالیٰ ہٰذا امرٌ مُستَغرَبٌ عُبِّرَ عنہ بِضَرْبِ مَثَلٍ **ضَعُفَ الطَّالِبُ** العابدُ **وَالْمَطْلُوْبُ** ﴿۷۳﴾ المَعْبُودُ **مَا قَدَرُوا اللّٰهَ** عَظَّمُوہ **حَقَّ قَدْرِهٖ** عَظَمَتِہٖ اِذْ اَشْرَکُوا بِہٖ مالَمْ یَمْتَنِعْ مِنَ الذُّبَابِ ولایَنْتَصِفُ منہ **اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ** ﴿۷۴﴾ غالب **اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ** رسلا نزل لما قال المشرکون اَاُنزِلَ علیہ الذکرُ مِن بَیْنِنَا **اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ** لِمقالَتِہِمْ **بَصِیْرٌ** ﴿۷۵﴾ بِمَنْ یَتَّخِذُہٗ رُسُلًا کجبریلَ ومیکائیلَ وابراہیمَ ومحمدٍ وغیرِہِم صلی اللّٰہ علیہم وسلم **یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ** ای ما قَدَّمُوا وما خَلَّفُوا او ما عَمِلُوا وما ہم عاملون بعدُ

وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٧٦﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا اى صَلُّوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَحِّدُوه وَافْعَلُوا الْخَيْرَ كَصِلَةِ الرَّحِمِ ومكارمِ الاخلاقِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٧٧﴾ تَفُوزُونَ بِالبَقَاءِ فى الجنةِ وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ لِإِقَامَةِ دِينِهِ حَقَّ جِهَادِهِ بِاسْتِفْرَاغِ الطَّاقَةِ فِيهِ ونصبُ حَقّ على المصدر هُوَ اجْتَبَاكُمْ اختاركم لِدينه وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ اى ضِيقٍ بِأَنْ سَهَّلَه عند الضرورات كالقَصرِ والتَّيَمُّمِ وأكلِ المَيْتَةِ والفطر للمرض والسَّفرِ مِلَّةَ أَبِيكُمْ منصوب بنزع الخافض الكافِ إِبْرَاهِيمَ عطف بيان هُوَ اى الله سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ اى قبل هٰذا الكتاب وَفِي هٰذَا اى القرآن لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ يومَ القِيمَةِ أَنَّهُ بَلَّغكم وَتَكُونُوا أنتم شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ أَنَّ رُسُلَهم بَلَّغَتْهُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ داوِمُوا عليها وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللّٰهِ ثِقُوا به هُوَ مَوْلَاكُمْ ناصِرُكم ومُتَوَلِّي أُمُورِكُم فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ هو وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿٧٨﴾ اى الناصر هو لكم.

السجدة فی عند الشافعی واحمد بن حنبل

ع ۱۰ / ۱۷

ترجمہ: اے لوگو! یعنی مکہ والو ایک عجیب بات بیان کی جاتی ہے اس کو کان لگا کر سنو اور وہ بات یہ ہے کہ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو یعنی بندگی کرتے ہو غیر اللہ کی وہ بت ہیں وہ ایک مکھی کو تو پیدا کر ہی نہیں سکتے ذباب اسم جنس ہے اس کا واحد ذبابۃٌ ہے اس کا اطلاق مذکر اور مؤنث دونوں پر ہوتا ہے گو اس تخلیق کے لئے سب کے سب جمع ہو جائیں اور اگر ان سے مکھی کچھ چھین لیجائے اس میں سے جو ان پر خوشبو اور زعفران لگی ہوئی ہے (جس میں وہ لتھڑے ہوئے ہوتے ہیں) تو اس کو وہ ان سے واپس نہیں لے سکتے ان کے عاجز ہونے کی وجہ سے، پھر کیوں بندگی کرتے ہیں (ان کی) اللہ کا شریک سمجھ کر یہ بات چونکہ عجیب ہے اسی لئے اس کو ضرب مثل سے تعبیر کیا گیا ہے ایسا طالب عابد بھی ضعیف اور مطلوب معبود بھی ضعیف ان لوگوں نے جیسی اللہ کی تعظیم کرنی چاہئے تھی ویسی نہ کی جب کہ اس کے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرایا کہ جو مکھی سے (اپنی) حفاظت نہیں کر سکتے اور نہ اس سے اپنا حق لے سکتے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا سب پر غالب ہے اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے جس کو چاہتا ہے پیغام رسانی کے لئے منتخب کر لیتا ہے (یہ آیت) اس وقت نازل ہوئی جب مشرکوں نے کہا کہ کیا ہم میں سے اسی پر ذکر (قرآن) نازل کیا گیا بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کی باتوں کو سننے والا جاننے والا ہے اس کو کہ جس کو رسول بناتا ہے جیسا کہ (فرشتوں میں سے) جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اور میکائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو (انسانوں میں سے) ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ کو وہ ان کی آئندہ اور گذشتہ حالتوں کو خوب جانتا ہے یعنی جو (اعمال) آگے بھیج چکے ہیں اور جو (اعمال) پیچھے چھوڑ آئے ہیں اور جو اعمال کر چکے ہیں اور جو آئندہ کریں گے اور تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے اے لوگو رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو یعنی نماز پڑھا کرو اور اپنے رب کی بندگی کیا کرو یعنی اس کی توحید کا عقیدہ رکھو اور نیک کام کیا کرو جیسا کہ صلہ رحمی اور اچھے اخلاق امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے یعنی جنت میں دائمی بقاء کے ساتھ کامیاب ہو جاؤ گے اور اللہ کے

کام میں اس کے دین کے قیام کے لئے خوب کوشش کیا کرو، اپنی پوری کوشش کو اس میں صرف کرکے اور حقَّ کا نصب مصدریۃ کی وجہ سے ہے اس نے تم کو اپنے دین کے لئے منتخب کیا ہے اور تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی نہیں رکھی اس طریقہ پر کہ ضرورت کے وقت دین کو آسان کردیا جیسا کہ قصر اور تیمّم اور اکل میتہ اور مریض و مسافر کے لئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت تمہارے باپ ابراہیم کی ملت کے مانند ملۃ حرف جر کاف کو حذف کرنے کی وجہ سے منصوب ہے ابراہیم ابیکم سے عطف بیان ہے اس نے یعنی اللہ نے تمہارا نام پہلے ہی سے (یعنی اس کتاب کے نزول) سے پہلے ہی مسلمان رکھا ہے اور اس میں بھی یعنی قرآن میں بھی تاکہ رسول تمہارے لئے قیامت کے دن گواہ ہوں کہ اس نے تم کو پیغام پہنچا دیا اور تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو کہ ان کے رسولوں نے (پیغام) ان کے پاس پہنچا دیا تم لوگ نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ ہی کو مضبوط پکڑو یعنی اسی پر بھروسہ کرو وہ تمہارا مولیٰ یعنی مددگار اور تمہارا کارساز ہے سو کیسا اچھا کارساز ہے وہ؟ اور تمہارے لئے کیسا اچھا ناصر ہے؟

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: یٰاَیُّهَا النَّاسُ ای اهل مكة اس آیت کا تعلق ماقبل کی آیت ویعبدون من دون الله (الآیة) سے ہے، اس آیت میں خطاب اگرچہ اہل مکہ سے ہے مگر مراد ہر وہ شخص ہے جو غیر اللہ کی بندگی کرتا ہے، ضُرِبَ مَثَلٌ، مثلاً سے مراد امر عجیب ہے، اور وہ امر عجیب شرک و بت پرستی کی حماقت کو ایک واضح مثال سے بیان کرنا ہے کہ یہ بت جن کو تم اپنا کارساز سمجھتے ہو یہ تو ایسے بے کس اور بے بس ہیں کہ سب مل کر بھی ایک مکھی جیسی حقیر چیز پیدا نہیں کرسکتے اور پیدا کرنا تو بڑا کام ہے تم روزانہ ان کے سامنے مٹھائی اور کھانوں کے چڑھاوے چڑھاتے ہو اور مکھیاں ان کو کھا جاتی ہیں ان سے اتنا تو ہوتا نہیں کہ مکھیوں سے اپنی چیز ہی کو بچالیں یہ تمہیں کسی آفت سے کیا بچائیں گے اسی لئے آخر آیت میں ان کی اس جہالت اور بے وقوفی کو ان الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے ضعف الطالب والمطلوب.

قِوْلَہٗ: ولو اجتمعوا له یہ جملہ محل حال میں واقع ہے، ای انتفٰی خلقهم الذباب علی كل حال ولو فی حالِ اجتماعهم.

قِوْلَہٗ: وَاِنْ یسلبهُم الذبابُ شیئًا یسلب متعدی بدو مفعول ہے مفعول اول هُمْ اور ثانی شیئًا ہے مُلَطَّخون یہ لطخ سے مشتق ہے آلودہ کرنا ملنا لتھیڑنا ملطخون دراصل طیب والزعفران کی صفت سببی ہے لہٰذا ملطخون کے بجائے ملطخين ہونا چاہئے جیسا کہ ظاہر ہے۔ (جمل)

قِوْلَہٗ: عُبّر عنه بضرب مثلٍ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ضرب مثل کے نام سے جو بیان کیا گیا وہ مثل نہیں ہے تو پھر اس کو مثل کیوں کہا گیا ہے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ واقعہ عجیبہ نیز عمدہ اور عجیب و غریب مضمون کو بھی مثل سے تعبیر کردیتے ہیں۔

قِوْلَہٗ: ومن الناس رُسُلًا، رُسُلًا محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ آیت میں حذف ہے ثانی کو اول پر قیاس کرتے ہوئے

رُسُلًا کو حذف کر دیا گیا ہے۔

قِوْلَهُ: حَقَّ جهادہٖ اصل میں جهادًا حقًا ہے یہ اضافت الصفت الی الموصوف کے قبیل سے ہے۔

قِوْلَهُ: هُوَ ای اللّٰہ سمّٰکم المسلمین هُوَ کے مرجع میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس کا مرجع ابراہیم ہوں اور دوسرا یہ کہ اس کا مرجع اَللّٰہ ہو مفسر علام نے هُوَ کے بعد اللّٰہ محذوف مان کر ثانی احتمال کو راجح قرار دیدیا اور قرینہ وفی هٰذا القرآن ہے اس لئے کہ قرآن میں مسلمان نام رکھنا یہ اللہ کا کام ہے نہ کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا۔

تفسیر وتشریح

یٰاَیُّهَا النَّاسُ ای اهل مکة یہ توحید کے مقابلہ میں شرک کی شناعت وقباحت ظاہر کرنے کے لئے مثال بیان فرمائی ہے جس کو کان لگا کر سننے اور سمجھنے کے لئے غور وفکر کرنا چاہیے تا کہ ایسی ذلیل اور رکیک حرکت سے باز رہو، اور مثلاً سے یہاں مثل سائر مراد نہیں ہے بلکہ عمدہ اور عجیب وغریب مضمون بیان کرنا مراد ہے، مکھی جو کہ بہت ہی ادنیٰ اور حقیر جانور ہے جن چیزوں میں اتنی بھی قدرت نہیں کہ انفرادی طور پر تو کیا سب مل کر بھی اتنی قدرت نہیں رکھتے کہ ایک مکھی پیدا کر سکیں یا مکھی ان کے چڑھاوے وغیرہ میں سے کچھ لیجائے تو اس سے واپس لے سکیں ان کو خالق السمٰوات والارضین کے ساتھ معبودیت اور خدائی کی کرسی پر بٹھا دینا کس قدر بے حیائی اور حماقت اور شرمناک گستاخی ہے، سچ تو یہ ہے کہ مکھی بھی کمزور اور مکھی سے زیادہ ان کے بت کمزور اور بتوں سے زیادہ ان کا پوجنے والا کمزور جس نے ایسی حقیر اور کمزور چیز کو اپنا معبود اور حاجت روا بنا لیا۔

سورۂ حج کا سجدہ سجدۂ تلاوت ہے یا نہیں؟

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمنوا (الآیہ) سورۂ حج میں ایک آیت تو پہلے گذر چکی ہے جس پر سجدۂ تلاوت کرنا بالاتفاق واجب ہے۔

اس آیت پر جو یہاں مذکور ہے سجدۂ تلاوت کے وجوب میں ائمہ کا اختلاف ہے، امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، سفیان ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس آیت پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہے، کیونکہ اس آیت میں سجدہ کا ذکر رکوع وغیرہ کے ساتھ آیا ہے جس سے نماز کا سجدہ ہونا ظاہر ہے، جیسے واسجدی وارکعی مع الراکعین میں سب کا اتفاق ہے کہ سجدۂ نماز مراد ہے اسی طرح آیت مذکورہ پر بھی سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ، امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ کے نزدیک اس آیت پر بھی سجدۂ تلاوت واجب ہے ان حضرات کی دلیل ایک حدیث ہے جس میں یہ ارشاد ہے کہ سورۂ حج کو دوسری سورتوں پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ اس میں دو سجدۂ تلاوت ہیں، امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس روایت کے ثبوت میں کلام ہے۔

وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ جہاد اور مجاہدہ کسی مقصد کی تحصیل میں اپنی پوری کوشش اور طاقت صرف کرنے کو کہتے ہیں اس میں کفار کے ساتھ قتال میں اپنی امکانی طاقت صرف کرنا بھی شامل ہے اور دیگر دینی امور میں محنت ومشقت برداشت کرنا اور امکانی طاقت وقوت صرف کرنا بھی داخل ہے، اسی طرح خواہشات نفسانی کے مقابلہ میں کوشش کرنا بھی جہاد میں شامل ہے، امام

بغوی وغیرہ نے اس قول کی تائید میں ایک حدیث بھی حضرت جابر بن عبداللہ سے نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام کی ایک جماعت جو جہاد کفار کے لئے گئی ہوئی تھی واپس آئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا **قَدِمْتُمْ خیر مقدم مِن الجهاد الاصغر اِلی الجهاد الأکبر قال (ای الراوی) مجاهدة العبد بهواه رواه البیهقی وقال هٰذا اسناد فیه ضعف** یعنی تم لوگ خوب واپس آئے چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف یعنی اپنے نفس کی خواہشات بے جا کے مقابلہ کا جہاد اب بھی جاری ہے، اس روایت کو بیہقی نے روایت کیا ہے مگر کہا ہے کہ اس کی اسناد ضعیف ہے۔

وَمَا جَعَلَ علیکم فی الدین مِن حَرَجٍ یعنی اللہ تعالیٰ نے دین کے معاملہ میں تمہارے اوپر کوئی نہیں تنگی رکھی، بعض حضرات نے دین میں تنگی نہ ہونے کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اس دین میں ایسا کوئی گناہ نہیں کہ جو توبہ سے معاف نہ ہو سکے اور عذاب آخرت سے خلاصی کی کوئی صورت نہ نکل سکے، بخلاف پچھلی امتوں کے کہ ان میں بعض گناہ ایسے بھی تھے کہ جو توبہ کرنے سے معاف نہیں ہوتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ تنگی سے مراد وہ سخت اور شدید احکام ہیں جو بنی اسرائیل پر عائد کئے گئے تھے جن کو قرآن کریم میں اِصْرٌ اور اغلال سے تعبیر کیا گیا ہے اس امت پر کوئی ایسا حکم فرض نہیں کیا گیا، بعض حضرات نے فرمایا کہ تنگی سے مراد وہ تنگی ہے کہ انسان جس کو برداشت نہ کر سکے اس دین میں کوئی حکم ایسا نہیں کہ جو فی نفسہٖ ناقابل برداشت ہو، باقی رہی تھوڑی بہت مشقت تو وہ دنیا کے ہر کام میں ہوتی ہے۔

لیکونَ الرسولُ شهیدًا علیکُمْ (الآیۃ) یعنی آپ محشر میں گواہی دیں گے کہ میں نے اللہ کے احکام اس امت کو پہنچا دیئے تھے اور امت محمدیہ اس کا اقرار کرے گی مگر دوسرے انبیاء جب یہ کہیں گے تو ان کی امتیں مکر جائیں گی اس وقت امت محمدیہ شہادت دے گی کہ بے شک تمام انبیاء نے اپنی اپنی قوم کو اللہ کے احکام پہنچا دیئے تھے، دوسری امتوں کی طرف سے ان پر یہ جرح ہوگی، کہ ہمارے زمانہ میں تو تمہارا (یعنی امت محمدیہ) کا وجود بھی نہیں تھا تو یہ ہمارے معاملہ میں گواہ کیسے بن سکتے ہیں امت محمدیہ کی طرف سے ان کی جرح کا جواب یہ ہوگا کہ بے شک ہم موجود نہیں تھے مگر ہم نے یہ بات اپنے رسول محمد ﷺ سے سنی ہے جن کی صداقت میں کوئی شک وشبہ نہیں اس لئے ہم یہ گواہی دے سکتے ہیں تو ان کی شہادت قبول کی جائے گی، یہ مضمون اس حدیث کا ہے جس کو بخاری وغیرہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (معارف)

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَّثَمَانَ عَشَرَةَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَكِّيَّةٌ وهِيَ مِائَةٌ وثمانَ أو تِسعَ عشَرَةَ آيةً.

سورۂ مؤمنون مکی ہے، اور ایک سو اٹھارہ یا ایک سو انیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿قَدْ﴾ للتَّحقيقِ ﴿اَفْلَحَ﴾ فازَ ﴿الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝٢﴾ مُتواضِعُونَ ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ﴾ مِنَ الكلامِ وغَيرِه ﴿مُعْرِضُوْنَ ۝٣ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝٤﴾ مُؤَدُّونَ ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝٥﴾ عَنِ الحَرام ﴿اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ﴾ اى مِنْ زَوْجاتِهم ﴿اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ﴾ اى السَّرَارِىّ ﴿فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝٦﴾ فى اِتْيانِهِنَّ ﴿فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ﴾ اى مِن الزَّوْجاتِ والسَّرارِىِّ كَالاِسْتِمْناءِ بِيَدِهٖ ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝٧﴾ المُتَجاوِزُونَ اِلٰى مَا لَايَحِلُّ لهم ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ﴾ جَمْعًا ومُفْرَدًا ﴿وَعَهْدِهِمْ﴾ فِيمَا بَيْنَهم وبَيْنَ اللّٰهِ مِنْ صَلوةٍ وغَيرِها ﴿رٰعُوْنَ ۝٨﴾ حافِظُونَ ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ﴾ جَمْعًا ومُفْرَدًا ﴿يُحَافِظُوْنَ ۝٩﴾ يُقِيمُونَها فِى اَوْقاتِها ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝١٠﴾ لَاغَيْرُهم ﴿الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ﴾ هو جَنَّةٌ اَعْلَى الجِنَانِ ﴿هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝١١﴾ فى ذٰلِكَ اِشارَةٌ الى المَعاد ويُناسِبُهٗ ذِكْرُ المَبْدَإِ بَعْدَهٗ وَ اللّٰه ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ﴾ آدَمَ ﴿مِنْ سُلٰلَةٍ﴾ هِىَ مِنْ سَلَلْتُ الشَّىْءَ مِنَ الشَّىْءِ اى اِسْتَخْرَجْتُهٗ منه وهو خُلاصَتُهٗ ﴿مِّنْ طِيْنٍ ۝١٢﴾ مُتَعَلِّقٌ بِسُلالَةٍ ﴿ثُمَّ جَعَلْنٰهُ﴾ اى الاِنْسانَ نَسْلَ آدَمَ ﴿نُطْفَةً﴾ مَنِيًّا ﴿فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝١٣﴾ هُوَ الرَّحِمُ ﴿ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً﴾ دَمًا جامِدًا ﴿فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً﴾ لَحْمَةً قَدْرَ مَا يُمْضَغُ ﴿فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا﴾ وفِى قِراءَةٍ عَظْمًا فِى المَوْضِعَيْنِ وخَلَقْنا فِى المَواضِعِ الثَّلٰثَةِ بمعنى صَيَّرْنا ﴿ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ﴾ بنَفْخِ الرُّوحِ فيه ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝١٤﴾ اى المُقدِّرِينَ ومُمَيِّزُ اَحْسَنَ مَحْذُوفٌ لِلعِلْمِ بِهٖ اى خَلْقًا ﴿ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝١٥ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝١٦﴾ لِلحِسابِ والجَزاءِ ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ﴾ اى سَمٰواتٍ جَمْعُ طَرِيقَةٍ لِاَنَّها طُرُقُ المَلائِكَةِ ﴿وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ﴾ تَحْتَها ﴿غٰفِلِيْنَ ۝١٧﴾ اَنْ تَسْقُطَ عليهم فَتُهْلِكَهم بل نُمْسِكُها كَآيةِ يُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الاَرْضِ ﴿وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ﴾ مِن كِفايَتِهم ﴿فَاَسْكَنّٰهُ فِى الْاَرْضِ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۝١٨﴾ فَيَمُوتُونَ مَعَ دَوابِّهم عَطَشًا ﴿فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ﴾ هُمَا اَكْثَرُ فَوَاكِهِ العَرَبِ ﴿لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝١٩﴾ صَيْفًا

وشتاءً وَ انشانا شَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ جَبَلٌ بِكَسْرِ السِّيْنِ وَفَتْحِهَا وَمُنِعَ الصَّرْفُ لِلْعَلَمِيَّةِ والتَّانِيْثِ لِلْبُقْعَةِ تَنْبُتُ مِنَ الرباعِيِّ والثُّلاثِيِّ بِالدُّهْنِ البَاءُ زَائِدَةٌ عَلَى الاَوَّلِ وَمُعَدِّيَةٌ عَلَى الثَّانِي وهِيَ شَجَرَةُ الزَّيْتُوْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿٢٠﴾ عَطْفٌ عَلَى الدُّهْنِ اى اِدَامٍ يُصْبَغُ اللُّقْمَةُ بِغَمْسِهَا فيه وهو الزَّيْتُ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ الابِلِ والبَقَرِ والغَنَمِ لَعِبْرَةً عِظَةً تَعْتَبِرُوْنَ بِهَا نُسْقِيْكُمْ بِفَتْحِ النُّونِ وَضَمِّهَا مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا اى اللَّبَنِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ مِنَ الاَصْوَافِ والاَوْبَارِ والاَشْعَارِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٢١﴾ وَعَلَيْهَا اى الابِلِ وَعَلَى الْفُلْكِ اى السُّفُنِ تُحْمَلُوْنَ ﴿٢٢﴾ ع ۲

ترجمہ: بلاشبہ وہ مومنین کامیاب ہوئے جو اپنی نمازوں میں تواضع اختیار کرنے والے ہیں، قَدْ تحقیق کے لئے ہے اور جو لغو باتوں وغیرہ سے اعراض کرنے والے ہیں اور جو زکوۃ ادا کرنے والے ہیں اور جو حرام سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں لیکن اپنی بیبیوں سے یا ان عورتوں سے جن کے وہ مالک ہیں یعنی باندیوں سے کیونکہ ان کے پاس آنے میں (جماع کرنے میں) ان پر کوئی الزام نہیں ہاں جو ان کے علاوہ یعنی بیبیوں اور باندیوں کے علاوہ مثلاً استمناء بالید کا طالب ہو تو ایسے لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں یعنی ایسی چیز کی طرف تجاوز کرنے والے ہیں جو ان کے لئے حلال نہیں ہے اور جو اپنی امانتوں کی امانات جمع اور مفرد دونوں قراءتیں ہیں آپسی (معاملات) اور اپنے اور اللہ کے درمیان عہد و پیمان (مثلاً) نماز وغیرہ کی حفاظت کرنے والے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی صلوات جمع اور مفرد دونوں قراءتیں ہیں، ان کے اوقات میں پابندی کے ساتھ قائم کرنے والے ہیں ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں نہ کہ دوسرے جو فردوس کے وارث ہوں گے وہ اعلیٰ درجہ کی جنت ہے (اور) وہ اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے، اس (آیت) میں معاد (انجام) کی جانب اشارہ ہے اس کے بعد مبداء کا ذکر مناسب ہے، قسم ہے ہماری ذات کی کہ ہم نے انسان آدم کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا اور سُلالة سَلَلْتُ الشئَ من الشئِ سے ماخوذ ہے یعنی میں نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا اور وہ جوہر مٹی کا خلاصہ ہے، مِنَ الطین کا تعلق سُلالةٌ سے ہے، پھر ہم نے انسان یعنی نسل آدم کو نطفہ منی سے بنایا جو کہ ایک محفوظ جگہ میں رہا وہ رحم ہے پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا (یعنی) بستہ خون بنایا، پھر ہم نے خون کے اس لوتھڑے کو چبائے جانے کے لائق (چھوٹی) گوشت کی بوٹی بنا دیا پھر ہم نے اس بوٹی کو ہڈیاں بنا دیا پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا، اور ایک قراءت میں دونوں جگہوں پر (عظام کے بجائے) عظمٌ ہے، اور خَلَقْنَا تینوں جگہوں پر صَیَّرنا کے معنی میں ہے پھر ہم نے اس کو اس میں روح پھونک کر ایک دوسری ہی مخلوق بنا دیا سو کیسی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر صانع ہے اور خالقین بمعنی مقدرین (اندازہ کرنے والا) ہے اور اَحْسَنَ کی تمیز خلقًا اس کے معلوم (متعین) ہونے کی وجہ سے محذوف ہے پھر تم اس کے بعد بالیقین مرنے والے ہو پھر تم یقیناً اس کے بعد قیامت کے دن حساب اور جزاء کے لئے اٹھائے جانے والے ہو اور ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے طرائق بمعنی

آسمان ہے اور طرائق طریقة کی جمع ہے اس لئے کہ آسمان فرشتوں کے راستہ ہیں اور ہم آسمان کے نیچے مخلوق سے بے خبر نہ تھے کہ آسمان ان کے اوپر گر جائے پس وہ ہلاک ہو جائیں بلکہ ہم آسمانوں کو تھامے ہوئے ہیں جیسا کہ ایک آیت میں ہے یُمسكُ السمـاءَ أنْ تـقـعَ عَلَى الْاَرضِ اور ہم نے (مناسب) مقدار کے ساتھ بقدر کفایت آسمان (بادل) سے پانی برسایا، پھر ہم نے اس (پانی) کو زمین پر ٹھہرادیا اور ہم اس (پانی) کو معدوم کر دینے پر بھی قادر ہیں سو سب کے سب مع اپنے جانوروں کے پیاس سے مرجائیں پھر ہم نے اس پانی کے ذریعہ تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کئے مذکورہ دونوں چیزیں عرب میں بکثرت پیدا ہونے والے میوے (پھل) ہیں ان میں سے تم کھاتے بھی ہو گرمی اور سردیوں میں اور ہم نے ایک درخت پیدا کیا جو سیناء پہاڑ میں پیدا ہوتا ہے سِیـنـاء سین کے کسرہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ ہے اور غیر منصرف مانا گیا ہے علمیت کی وجہ سے اور بقعہ کے معنی میں ہونے کی وجہ سے تانیث کے پائے جانے کے سبب سے جو اگتا ہے تیل لئے ہوئے تـنـبـتُ میں رباعی اور ثلاثی دونوں درست ہیں، پہلی (یعنی رباعی کی) صورت میں با زائدہ ہے، اور دوسری (یعنی ثلاثی کی) صورت میں با تعدیہ کے لئے ہے اور وہ زیتون کا درخت ہے اور کھانے والوں کے لئے سالن لئے ہوئے اس کا عطف الـدهن پر ہے یعنی سالن جو رنگ دیتا ہے لقمہ کو اس میں ڈبونے کی وجہ سے اور وہ تیل ہے اور تمہارے لئے مویشیوں میں یعنی اونٹ گائے اور بکریوں میں عبرت ہے، یعنی نصیحت ہے کہ جن سے تم عبرت حاصل کر سکتے ہو، کہ ہم تم کو ان کے جوف کی چیز میں سے یعنی دودھ پینے کے لئے دیتے ہیں نسقیکم نون کے ضمہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ ہے اور تمہارے لئے ان میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں اون سے اور اونٹوں کے بالوں سے اور گائے (وغیرہ) کے بالوں سے اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو اور اونٹوں پر اور کشتیوں پر (سوار ہو کر) کو دے پھرتے ہو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: قَـدْ تحقیق کے لئے ہے یعنی قد جب ماضی پر داخل ہوتا ہے تو اثبات پر دلالت کرتا ہے اسی وجہ سے ماضی کو حال کے قریب کر دیتا ہے اور متوقع کو ثابت کر دیتا ہے مومنین چونکہ فضل خداوندی کے امیدوار تھے اس لئے ان کی بشارت کو قـد سے شروع فرمایا، اور چونکہ اس بشارت کا وقوع یقینی ہے اس لئے ماضی کے صیغہ سے تعبیر فرمایا۔

قَوْلُہٗ: اَفـلـحَ فلاح لغت میں مقصد میں کامیابی اور مکروہات سے نجات کو کہتے ہیں (کمافی ابی سعود) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ فلاح. بقاء فی الخیر کو کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: لـلـزكـوة فاعِلُون زکوٰۃ معنی مصدری یعنی زکوٰۃ ادا کرنے اور مال زکوٰۃ کو کہتے ہیں یہاں معنی مصدری مراد ہیں اس لئے کہ فاعل معنی حدثی کا ہوتا ہے نہ کہ محل فعل کا، یعنی وہ لوگ کامیاب ہوئے جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اب رہا یہ سوال کہ اَداءِ زکوٰۃ کے سلسلہ میں معروف تعبیر مثلاً ایتاء الـزکـاة، یؤتونَ الزكوةَ یااتـوُا الزكوة کو چھوڑ کر لـلـزكوةِ فاعِلُونَ کی تعبیر کیوں

اختیار فرمائی، جواب یہ ہے کہ للزکوة فاعلون بھی کلام عرب میں مستعمل ہے، امیہ بن ابی صلت نے کہا المُطْعِمون الطَّعامَ فی السنةِ اللّازمةِ والفاعلون للزکوة (روح البیان) دوسرا جواب یہ ہے کہ فواصل کی رعایت مقصود ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہاں عین زکوٰۃ بھی مراد ہو سکتی ہے مگر مضاف محذوف ماننا ہوگا ای والَّذِینَ هُمْ لتادیة الزکوة فاعلون.

قِوْلَہٗ: والَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اس آیت سے حرمت متعہ پر استدلال کیا ہے، اَخْرَجَ ابن ابی حاتم عن القاسم بن محمد انه سُئِلَ عن المتعةِ فقرأ هٰذه الآیة قال فمَن ابتغٰی وراءَ ذٰلك فَهوَ عادٍ، وروي عن ابن ابي ملیکة قال سألتُ عائشة رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہَا عن المتعةِ فقالت بینی وبینهمُ القرآن، ثم قرءَتِ الآیة قالت فمَن ابتغٰی وراءَ ذٰلك غیر مازوجه اللّٰه او ملکه یمینهٗ فَقَدْ عَدا.

قِوْلَہٗ: ای مِن ازواجهم اس میں اشارہ ہے کہ علی بمعنی مِن ہے۔

قِوْلَہٗ: اَوْمَا ملکتْ ما سے مراد باندیاں ہیں مَنْ کی بجائے ما سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ عورتیں ناقصات العقل ہوتی ہیں اور خاص طور پر جو مملوکہ بھی ہوں لہٰذا مشابہ بالبہائم ہونے کی وجہ سے مَا سے تعبیر فرمایا ہے مَا ملکت اپنے عموم کی وجہ سے اگرچہ غلام اور باندی دونوں کو شامل ہے مگر یہاں صرف باندیاں ہی مراد ہیں اس لئے کہ مالکن کا اپنے غلام سے وطی کرنا بالاتفاق جائز نہیں ہے غیر ملومین میں اس طرف اشارہ ہے کہ اسی کو مقصد بنالینا کوئی قابل ستائش بات نہیں ہے ہاں البتہ انسانی طبعی ضرورت کو پورا کرنے کی حد تک اجازت ہے۔

قِوْلَہٗ: کالاستمناء بالید امام مالک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ اور شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نیز ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے نزدیک استمناء بالید حرام ہے امام احمد بن حنبل رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے فرمایا کہ تین شرطوں کے ساتھ جائز ہے ① زنا میں مبتلا ہونے کے اندیشہ کے پیش نظر ② مہر ادا کرنے یا باندی خریدنے کی استطاعت نہ رکھنے کی صورت میں ③ یہ اپنے ہاتھ سے ہو نہ کہ اجنبی یا اجنبیہ کے ہاتھ سے۔ (حاشیہ جلالین)

قِوْلَہٗ: سَرَارِی سُرِّیَّة کی جمع ہے بمعنی باندی، یہ سِرٌّ سے ماخوذ ہے جس کے معنی جماع یا اخفاء کے ہیں اس لئے کہ بسا اوقات انسان باندی کے ساتھ ہمبستری اپنی آزاد بیوی سے مخفی رکھنا چاہتا ہے اسی لئے اس کو سُریه کہتے ہیں یا پھر سرور سے مشتق ہے جس کے معنی خوشی کے ہیں چونکہ مالک باندی سے خوش ہوتا ہے اس لئے اس کو سرّیه کہتے ہیں۔

قِوْلَہٗ: فإنهم غیر ملومین یہ استثناء کی علامت ہے۔

قِوْلَہٗ: اولئك هم الوارثون لاغیرهم، لاغیرهم کا اضافہ جملہ معرفۃ الطرفین سے حصر مستفاد کو ظاہر کرنا ہے، جملہ جب معرفۃ الطرفین ہو جیسا کہ مذکورہ جملہ ہے تو اس سے حصر مستفاد ہوتا ہے، نیز طرفین کے درمیان ضمیر هم یہ بھی حصر پر دلالت کرتی ہے، یہاں حصر سے حصر اضافی مراد ہے نہ کہ حقیقی، اس لئے کہ یہ بات ثابت ہے کہ مذکورہ اشخاص کے علاوہ مثلاً بچے اور مجانین

وغیرہ بھی جنت میں داخل ہوں گے اور اگر حصر حقیقی مراد ہو تو جنت الفردوس کے اعتبار سے ہوگا یعنی جنت الفردوس میں مذکورہ اشخاص ہی داخل ہوں گے گو دیگر جنتوں میں دیگر اشخاص بھی داخل ہوں گے۔

قِوْلَہُ: ویناسبه ذکر المبدأ بعده اس عبارت کے اضافہ کا مقصد اس آیت اور سابقہ آیت کے درمیان مناسبت ربط کو بیان کرنا ہے۔

قِوْلَہُ: واللّٰہ لقَدْ خلقنا لفظ اللہ کو محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ واؤ قسمیہ ہے اور لقد میں لام جواب قسم پر داخل ہے۔

قِوْلَہُ: جعلناه ای الانسان نسل آدم، ہٗ ضمیر ماقبل میں مذکور انسان کی طرف راجع ہے مگر مراد نسل آدم ہے اور انسان سے جو کہ مرجع ہے، آدم مراد ہے غرضیکہ یہاں کلام میں صنعت استخدام ہے، صنعت استخدام اس کو کہتے ہیں کہ مرجع سے ایک معنی مراد ہوں اور مرجع کی طرف لوٹنے والی ضمیر سے دوسرے معنی مراد ہوں۔

قِوْلَہُ: وانشانا شَجَرَةً، انشانا محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ شجرۃ کا عطف جنّاتٍ پر ہے۔

قِوْلَہُ: اَحْسَنُ الخالقین ای المقدرین، المقدرین کے اضافہ کا مقصد اس شبہ کو دور کرنا ہے کہ اسم تفضیل مشارکت کا تقاضہ کرتا ہے حالانکہ خدا کے سوا کوئی خالق نہیں ہے تو جواب دیا کہ خلق سے مراد تقدیر و تصویر ہے نہ کہ ایجاد و تخلیق لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قِوْلَہُ: للعلم به چونکہ لفظ خالقین خلقاً پر دلالت کرتا ہے لہٰذا اس قرینہ کی وجہ سے تمیز کو حذف کر دیا۔

قِوْلَہُ: فوقکم سَبْعَ طرائِق فوق سے مراد مطلقاً علو ہے نہ کہ انسانوں کے سروں کے اوپر اس لئے کہ جس وقت آسمانوں کو پیدا کیا گیا تھا اس وقت انسان موجود نہیں تھا تو پھر فوقکم کہنا کس طرح درست ہے، معلوم ہوا فوقکم سے مطلقاً علو مراد ہے۔

تفسیر وتشریح

قَدْ اَفْلَحَ المؤمنونَ لفظ فلاح قرآن وسنت میں بکثرت استعمال ہوا ہے اذان واقامت میں بھی پانچوں وقت مسلمانوں کو صلاح وفلاح کی طرف دعوت دی جاتی ہے، فلاح کے معنی یہ ہیں کہ ہر مراد حاصل ہو اور ہر تکلیف دور ہو، اور یہ ظاہر ہے کہ مکمل فلاح کہ ایک مراد بھی ایسی نہ رہے کہ جو پوری نہ ہو اور ایک بھی تکلیف ایسی نہ ہو کہ دور نہ ہو یہ دنیا میں کسی بڑے سے بڑے انسان کے بس میں نہیں چاہے دنیا کا سب سے بڑا بادشاہ ہفت اقلیم کا مالک ہی کیوں نہ ہو، یا بڑے سے بڑا رسول اور پیغمبر ہی کیوں نہ ہو اس دنیا میں یہ ممکن نہیں کہ کوئی چیز خلاف طبع پیش نہ آئے اور ہر خواہش ہر وقت پوری ہو جائے، یہ متاع گراں مایہ تو ایک دوسرے عالم یعنی آخرت ہی میں جنت میں مل سکتی ہے، البتہ اکثری حالات کے اعتبار سے فلاح دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا فرما سکتے ہیں، آیات مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے فلاح پانے کا وعدہ ان مؤمنین سے کیا ہے جن میں وہ سات صفات موجود ہوں جن کا ذکر ان آیات کے اندر آیا ہے۔

فلاح کے لئے مؤمن کامل کے سات اوصاف:

پہلا وصف:

سب سے پہلا وصف تو مومن ہونا ہے، ایمان کے اصل الاصول اور بنیادی اصول ہونے کی وجہ سے الگ ذکر فرمایا ہے (پہلا وصف) نماز میں خشوع وخضوع ہے، خشوع کے لغوی معنی قلب وجوارح میں سکون کا ہونا یعنی دل اللہ کی طرف مائل اور اعضاء بدن میں سکون ہو عبث اور فضول حرکتیں نہ کرے، حضرت ابوذر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نماز کے وقت اپنے بندے کی طرف برابر متوجہ رہتا ہے جب تک وہ دوسری طرف التفات نہ کرے جب بندہ دوسری طرف التفات کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے رخ پھیر لیتے ہیں (رواہ احمد والنسائی وغیرہ) حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز میں اپنی ڈاڑھی سے کھیل رہا ہے تو آپ نے فرمایا **لو خشع قلبُ هذا لخشعَتْ جوارحُهٗ** (رواہ حاکم والترمذی بسند ضعیف) یعنی اگر اس شخص کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی سکون ہوتا۔

(مظھری)

نماز میں خشوع کا درجہ:

امام غزالی وقرطبی اور بعض دوسرے حضرات کے نزدیک نماز میں خشوع فرض ہے اگر پوری نماز بغیر خشوع کے گذر جائے تو نماز ادا ہی نہ ہوگی، دیگر بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خشوع نماز کی روح ہے اس کے بغیر نماز بے جان ہوتی ہے مگر رکن کی حیثیت سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ خشوع کے بغیر نماز ہی درست نہ ہوگی، اس کا اعادہ ضروری ہوگا، حکیم الامت حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا ہے کہ خشوع صحت صلوٰۃ کے لئے موقوف علیہ نہیں ہے ہاں البتہ قبولیت صلوٰۃ کے لئے موقوف علیہ ہوسکتا ہے۔

دوسرا وصف:

لغو سے پرہیز کرنا ہے، لغو کے معنی فضول کلام یا فضول کام کے ہیں یعنی جس میں کوئی فائدہ نہ ہو لغو کا اعلیٰ درجہ یعنی معصیت اور گناہ سے اجتناب لازم ہے، اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ نہ مفید ہو اور نہ مضر، اس کا ترک کم از کم اولیٰ اور موجب مدح ہے، آپ ﷺ نے فرمایا **من حسن اسلام المرأ ترکه مالا یعنیه** یعنی انسان کا اسلام جب اچھا ہوتا ہے جب وہ بے فائدہ چیزوں کو چھوڑ دے۔

تیسرا وصف زکوٰۃ:

زکوٰۃ کے معنی لغت میں پاک کرنے کے ہیں اور اصطلاح شرع میں مال کا ایک مخصوص حصہ کچھ شرائط کے ساتھ صدقہ کرنا ہے، اور قرآن کریم میں یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے، اس آیت میں یہ معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں، اس پر یہ شبہ کہ آیت مکی ہے اور زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی ہے، اس کا جواب ابن کثیر اور دیگر مفسرین وغیرہ نے یہ دیا ہے کہ اصولی طور پر زکوٰۃ کی فرضیت مکہ ہی میں ہو چکی تھی، سورۂ مزمل جو بالاتفاق مکی ہے اس میں اقیموا الصلوٰۃَ کے ساتھ آتوا الزَّکوٰۃ کا ذکر موجود ہے، مگر اس کے نصاب کی تفصیلات اور سرکاری طور پر اس کے وصول کرنے کا نظام ہجرت کے بعد ہوا ہے، بعض حضرات نے یہاں زکوٰۃ کے لغوی معنی مراد لئے ہیں یعنی تزکیہ نفس اس کی دلیل یہ بیان کی ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں زکوٰۃ سے اصطلاحی معنی مراد لئے گئے ہیں وہاں ایتاء الزکوٰۃ، یؤتون الزکوٰۃ، و آتوا الزکوٰۃ کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے یہاں عنوان بدل کر للزکوٰۃ فاعلون کی تعبیر اختیار فرمائی ہے، یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں زکوٰۃ کے اصطلاحی معنی مراد نہیں ہیں اگر یہاں زکوٰۃ کے اصطلاحی معنی مراد لئے جائیں تو بغیر تاویل کے نہیں ہو سکتا لہٰذا یہاں تزکیہ نفس ہی مراد ہوگا یعنی اپنے نفس کو رذائل سے پاک صاف کرنا تو وہ بھی فرض ہی ہے کیونکہ شرک، ریاء، تکبر، حسد، بغض وغیرہ رذائل سے نفس کو پاک کرنا تزکیہ کہلاتا ہے۔

چوتھا وصف:

شرمگاہ کی حفاظت حرام سے، والذین ھم لفروجھم حافظون اِلا علیٰ ازواجھم او ما ملکتْ ایمانھم یعنی وہ لوگ جو اپنی بیویوں اور شرعی لونڈیوں کے علاوہ سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں یعنی ناجائز شہوت رانی نہیں کرتے تو ایسے لوگوں کے لئے بھی فلاح کی ضمانت ہے فانھم غیر ملومین اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس ضرورت کو ضرورت کے درجہ میں رکھنا چاہئے، مقصد زندگی نہیں بنانا چاہئے ایسا کرنے والا قابل ملامت نہیں۔

فَمَن ابتغٰی وَرَاءَ ذٰلکَ فاو لٰئِکَ ھم العٰدون یعنی منکوحہ بیوی یا شرعی باندی سے شرعی قاعدے سے قضاء شہوت کرنے کے علاوہ کوئی صورت حلال نہیں ہے اس میں زنا بھی داخل ہے اور جو عورت اس پر شرعاً حرام ہے اس سے نکاح بھی بحکم زنا ہے، اسی طرح متعہ نیز اپنی بیوی سے حالت حیض ونفاس میں یا غیر فطری طور پر جماع کرنا بھی اس میں داخل ہے یعنی کسی مرد یا جانور سے شہوت پوری کرنا بھی اور جمہور کے نزدیک استمناء بالید بھی۔ (بیان القرآن، قرطبی بحوالہ معارف)

پانچواں وصف:

امانت کا حق ادا کرنا والذین ھم لأماناتھم امانت کے لغوی معنی ہر اس چیز کو شامل ہیں جس کی ذمہ داری کسی شخص نے اٹھائی ہو اور اس پر اعتماد و بھروسہ کیا گیا ہو اس کی قسمیں چونکہ بے شمار ہیں اسی لئے مصدر ہونے کے باوجود صیغۂ جمع کے ساتھ لایا

گیا ہے تاکہ امانت کی تمام قسموں کو شامل ہو جائے خواہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے حقوق اللہ سے متعلق تمام فرائض وواجبات کا ادا کرنا اور تمام محرمات ومکروہات سے اجتناب کرنا اور حقوق العباد سے متعلق امانات میں مالی امانت تو مشہور ومعروف ہے ہی، اس کے علاوہ کسی نے کوئی راز کی بات کسی سے کہی اور ظاہر کرنے سے منع کر دیا یہ بھی امانت ہے بغیر شرعی اذن کے کسی کا راز ظاہر کرنا امانت میں خیانت ہے، اسی طرح مزدور وملازم کو جو کام سونپا گیا ہے اس کے لئے جتنا وقت صرف کرنا طے کیا گیا ہے اس کو اس کام میں لگانا بھی امانت ہے، کام کی چوری یا وقت کی چوری خیانت ہے۔

چھٹا وصف:

وعهدهم راعون عہد پورا کرنا، ایک عہد تو وہ ہوتا ہے جو طرفین سے ہوتا ہے اس کو عرف میں معاہدہ کہتے ہیں اس کو پورا کرنا فرض اور اس کے خلاف کرنا غدر اور دھوکا ہے، دوسرا وہ جس کو وعدہ کہتے ہیں مثلاً کسی کو کچھ دینے یا کسی کام کے کرنے کا وعدہ کرلے اس کا پورا کرنا بھی شرعاً لازم ہے، حدیث شریف میں ہے اَلعِدَةُ دَین یعنی وعدہ ایک قسم کا قرض ہے، جس طرح قرض کی ادائیگی واجب ہے وعدہ پورا کرنا بھی واجب ہے بلا عذر شرعی اس کا خلاف کرنا گناہ ہے فرق دونوں میں یہ ہے کہ معاہدہ کو پورا کرانے کے لئے فریق ثانی کو بذریعہ عدالت بھی مجبور کر سکتا ہے یک طرفہ وعدہ کو پورا کرنے کے لئے بذریعہ عدالت مجبور نہیں کر سکتا، دیانۃً اس کا بھی پورا کرنا لازم ہے۔ (معارف)

ساتواں وصف:

نماز کو وقت پر آداب وحقوق کی رعایت کے ساتھ ادا کرنا، دنیوی معاملات میں پڑ کر عبادت الٰہی سے غافل نہ ہونا، یہ ہیں مومنین مصلحین کی سات صفات، یہ بات قابل غور ہے کہ ان سات اوصاف کو شروع بھی نماز سے فرمایا اور ختم بھی نماز پر کیا گیا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نماز خدا تعالیٰ کے نزدیک کس قدر اہم ہے اگر نماز کو پابندی اور آداب کی رعایت کے ساتھ پڑھا جائے تو باقی اوصاف اس میں خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔

اولئك هم الوارثون اوصاف مذکورہ کے حاملین کو اس آیت میں جنت الفردوس کا وارث فرمایا گیا ہے لفظ وارث میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح مورث کا مال اس کے وارث کو پہنچنا ضروری ہے اسی طرح ان اوصاف کے حاملین کا جنت میں داخل ہونا یقینی وضروری ہے۔

ولقد خلقنا الإنسٰنَ مِن سُلٰلَةٍ مِنْ طِيْنٍ اللہ تعالیٰ نے عبادت کی ترغیب اور عبادت پر جنت الفردوس کے وعدہ کے بعد مبدأ کو بیان فرمایا سابقہ آیت میں معاد کا ذکر فرمایا تھا مبدأ اور معاد میں مناسبت ظاہر ہے۔

قَوْلُهُ: ولقد، لقدْ قسم محذوف کا جواب ہے ای واللّٰه لَقَدْ.

قَوْلُهُ: سُلالة بمعنی خلاصہ، جوہر۔

قَوْلُہٗ: طین گیلی مٹی، مطلب یہ ہے کہ زمین کے خاص اجزاء نکال کر اس سے انسان کو پیدا کیا گیا، انسان کی تخلیق کی ابتداء حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اور حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تخلیق کی ابتداء اس مٹی کے خلاصہ سے ہوئی اس لئے ابتدائی تخلیق کو مٹی کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس کے بعد ایک انسان کا نطفہ دوسرے انسان کی تخلیق کا سبب بنا، اگلی آیت ثم جعلناه نطفة میں اسی کا بیان ہے۔

تخلیق انسانی کے سات مدارج:

آیات مذکورہ میں تخلیق انسانی کے سات مدارج ذکر کئے گئے ہیں سب سے پہلے سُلٰلة مِنْ طِين دوسرے دور میں نطفة تیسرے دور میں علقة چوتھے دور میں مضغة پانچویں دور میں عظام یعنی ہڈیاں چھٹے دور میں ہڈیوں پر گوشت چڑھانا۔

ساتواں دور: تخلیق کا ہے یعنی روح پھونکنے کا:

ثم انشاناه خلقًا آخر بنفخ الروح...... خلقًا آخر کی تفسیر حضرت ابن عباس، مجاہد، شعبی، عکرمہ، ضحاک، ابوالعالیہ وغیرہ نے نفخ روح سے فرمائی ہے، اس روح سے روح حیوانی مراد ہے، روح حیوانی جسم لطیف مادی شیٔ ہے جو جسم انسانی کے ہر ہر جز میں سمایا ہوا ہوتا ہے، اطباء اور فلاسفہ اسی کو روح کہتے ہیں اس کی تخلیق بھی تمام اعضاء انسانی کی تخلیق کے بعد ہوتی ہے، اس لئے اس کو لفظ ثُمَّ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور روح حقیقی جس کا تعلق عالم ارواح سے ہے جس کو قرآنی اصطلاح میں امر رب کہا گیا ہے وہیں سے لاکر اس روح حیوانی کے ساتھ اس کا کوئی رابطہ حق تعالیٰ اپنی قدرت سے پیدا فرمادیتے ہیں، جس کی حقیقت کا پہچاننا انسان کے بس کی بات نہیں ہے، اس روح حقیقی کی تخلیق تو تمام انسانوں کی تخلیق سے بہت پہلے ہے، انہیں ارواح کو حق تعالیٰ نے ازل میں جمع کرکے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ فرمایا اور سب نے بلٰی کے لفظ سے ربوبیت کا اقرار کیا، البتہ اس کا تعلق جسم انسانی کے ساتھ تخلیق اعضاء انسانی کے بعد ہوتا ہے اس جگہ اگر نفخ روح سے یہ مراد لیا جائے کہ روح حیوانی کے ساتھ روح حقیقی کا تعلق اس وقت قائم فرمایا گیا تو یہ بھی ممکن ہے اور درحقیقت حیات انسان اسی روح حقیقی سے متعلق ہے جب یہ تعلق منقطع ہوجاتا ہے تو روح حیوانی بھی اپنا کام چھوڑ دیتی ہے اسی کو موت کہا جاتا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ اَطِيْعُوْهُ وَوَحِّدُوْهُ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ وهو اِسْمُ مَا وما قَبْلَهُ الخَبرُ ومِنْ زَائِدَة اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ تَخَافُوْنَ عُقُوْبَتَهٗ بِعِبَادَتِكُمْ غَيْرَهٗ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِاَتْبَاعِهِمْ مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ يَتَشَرَّفَ بِاَنْ يَّكُوْنَ مَتْبُوْعًا وَاَنْتُمْ اَتْبَاعَهٗ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ ان لا يُعْبَدَ غَيْرُهٗ لَاَنْزَلَ مَلٰۗىِٕكَةً بذلك لا بَشَرًا مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا الذى دَعَا اِلَيْهِ نُوحٌ مِنَ التَّوْحِيْدِ فِيْٓ اٰبَاۗىِٕنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝ اى الأُمَمِ الْمَاضِيَةِ اِنْ هُوَ ما نوحٌ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ حَالَةُ جُنُوْنٍ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ اِنْتَظِرُوْهُ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ اِلٰى زَمَنِ مَوْتِهٖ قَالَ

نوح رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَيْهِمْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ اي بسبب تكذيبهم إياي بأن تهلكهم قال تعالى مُجِيبًا دعائه فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ السفينة بِأَعْيُنِنَا بمرأى منا وحفظنا وَوَحْيِنَا أمرنا فَإِذَا جَاءَ أَمْرُنَا بإهلاكهم وَفَارَ التَّنُّوْرُ للخباز بالماء وكان ذلك علامة لنوح فَاسْلُكْ فِيْهَا اي أدخل في السفينة مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ ذكر وأنثى اي من كل أنواعهما اثْنَيْنِ ذكرا وأنثى وهو مفعول ومن متعلق باسلك وفي القصة إن الله حشر لنوح السباع والطير وغيرهما فجعل يضرب بيديه في كل نوع فيقع يده اليمنى على الذكر واليسرى على الأنثى فيحملهما في السفينة وفي قراءة كُلٍّ بالتنوين فزوجين مفعول واثنين تاكيد له وَأَهْلَكَ اي زوجته وأولاده إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ بالإهلاك وهو زوجته وولده كنعان بخلاف سام وحام ويافث فحملهم وزوجاتهم ثلاثة وفي سورة هود وَمَنْ آمَنَ وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ قيل كانوا ستة رجال ونساؤهم وقيل جميع من كان في السفينة ثمانية وسبعون نصفهم رجال ونصفهم نساء وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اي كفروا بترك إهلاكهم إِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَإِذَا اسْتَوَيْتَ اعتدلت أَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾ الكافرين وإهلاكهم وَقُلْ عند نزولك من الفلك رَّبِّ أَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا بضم الميم وفتح الزاي مصدر او اسم مكان وبفتح الميم وكسر الزاي مكان النزول مُّبٰرَكًا ذلك الإنزال او المكان وَّأَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ ما ذكر إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ المذكور من أمر نوح والسفينة وإهلاك الكفار لَاٰيٰتٍ دلالات على قدرة الله تعالى وَّإِنْ مخففة من الثقيلة واسمها ضمير الشان كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿۳۰﴾ مختبرين قوم نوح بإرساله إليهم ووعظه ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا قوما اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾ هم عاد فَأَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ هودا أَنِ اي بأن اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ عقابه فتؤمنون. ع

ترجمہ: قسم ہے ہماری عزت وجلال کی کہ ہم نے نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا تو انہوں نے فرمایا اے میری قوم اللہ ہی کی بندگی کیا کرو یعنی اسی کی اطاعت کیا کرو اور اس کی توحید کا عقیدہ رکھو تمہارے لئے اس کے سوا کوئی معبود بنانے کے لائق نہیں (الہ) ما کا اسم ہے اور اس کا ماقبل (لکم) ما کی خبر ہے اور مِــــن زائدہ ہے، تو پھر کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ یعنی اس کے غیر کی عبادت کرنے کی صورت میں کیا تم اس کے عذاب سے ڈرتے نہیں ہو؟ تو ان کی قوم کے کافر سرداروں نے اپنے ماتحتوں سے کہا یہ شخص بجز اس کے کہ تمہارے ہی جیسا (معمولی) انسان ہے اور کچھ نہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ تم پر فضیلت فوقیت حاصل کرے اس طریقہ پر کہ وہ تمہارا حاکم اور تم اس کے محکوم ہو جاؤ اور اگر اللہ کو یہ منظور ہوتا کہ اس کے علاوہ کسی کی بندگی نہ کی جائے تو اس حکم کو لیکر کسی فرشتہ کو بھیجتا نہ کہ انسان کو، ہم نے یہ بات یعنی توحید جس کی طرف نوح دعوت دے رہے ہیں اپنے پہلے بڑوں یعنی گذشتہ امتوں سے نہیں سنی، پس یہ نوح ایک شخص ہے کہ جس کو جنون ہو گیا ہے یعنی جنون

کی کیفیت لاحق ہوگئی ہے، تو ایک خاص وقت یعنی موت تک اس کا انتظار کرلو، نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا (دعا کی) اے میرے پروردگار آپ ان کے مقابلہ میں ان کو ہلاک کرکے میری نصرت فرمائیے، اس وجہ سے کہ انہوں نے میری تکذیب کی، حق تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا کو قبول فرماتے ہوئے فرمایا پس ہم نے نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم بھیجا کہ تم ہماری نگرانی اور حفاظت میں اور ہمارے حکم سے کشتی بناؤ پھر جس وقت ان کی ہلاکت کے لئے ہمارا حکم آجائے اور نان پز کے تنور سے پانی ابلنے لگے اور یہ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے کشتی پر سوار ہونے کے لئے علامت تھی، تو اس کشتی میں ہر قسم میں سے نر و مادہ کا ایک جوڑا یعنی ہر نوع میں سے دو دو مذکر اور مؤنث رکھ لینا، اور اثنین (فَاسْلُكْ) کا مفعول بہ ہے، اور من كُلٍّ، اسْلك سے متعلق ہے، اور واقعہ میں اس طرح مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے درندوں اور پرندوں وغیرہما کو جمع فرمادیا، تو حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر نوع میں اپنے دونوں ہاتھ ڈالتے تھے تو آپ کا داہنا ہاتھ نر پر اور بایاں ہاتھ مادہ پر پڑتا تھا تو آپ ان کو کشتی میں سوار کردیتے تھے، ایک قراءت میں كُلٍّ تنوین کے ساتھ ہے اس صورت میں زوجین مفعول ہوگا اور اثنین اس کی تاکید ہوگی اور اپنے اہل کو یعنی اپنی (مومنہ) بیوی اور اولاد کو سوار کرلو بجز اس کے کہ جس پر ان میں سے ہلاکت کا حکم نافذ ہو چکا ہے، اور وہ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی (کافرہ) بیوی اور ان کا (کافر) لڑکا کنعان ہے، بخلاف سام، حام، اور یافث کے چنانچہ ان کو اور ان کی تینوں بیویوں کو سوار کرلیا، اور سورۂ ہود میں ہے وَمَنْ آمَنَ وَمَا آمَنَ مَعَهٗ اِلَّا قَلِيْلٌ اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور ان کے ساتھ بہت تھوڑے لوگ ایمان لائے، کہا گیا ہے چھ مرد اور ان کی بیویاں تھیں اور (یہ بھی) کہا گیا ہے کہ ان تمام کی تعداد جو کشتی میں تھے اٹھتر (۷۸) تھے ان میں سے آدھے مرد اور آدھی عورتیں تھیں، اور تم مجھ سے کافروں کی ترک ہلاکت (یعنی نجات) کے بارے میں کچھ گفتگو نہ کرنا وہ یقیناً غرق کئے جائیں گے پھر جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی پر باطمینان سوار ہو جاؤ تو یوں کہنا کہ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہم کو ظالم یعنی کافر قوم سے نجات دی اور ان کو ہلاک کرکے ہم کو نجات دی (ای فلم نُهْلَكْ مَعَهُمْ) اور کشتی سے اترتے وقت یوں دعاء کرنا رَبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا میم کے ضمہ اور زاء کے فتحہ کے ساتھ منزَلًا مصدر ہے یا اسم مکان ہے اور میم کے فتحہ اور زاء کے کسرہ کے ساتھ (مَنْزِلًا) بمعنی اترنے کی جگہ...... اے میرے پروردگار! آپ مجھے اتاریئے بابرکت اتارنا، برکت کی جگہ اتارنا، دوسری قراءت میں بھی یہی دونوں ترجمے ہوں گے، پہلی قراءت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی رَبِّ اَنْزِلْنِيْ اِنْزَالًا مبارَكًا دوسری قراءت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی رَبِّ انزلِنِي نزلًا مُبارَكًا یا (نزولًا مُبارَكًا) صرف فرق یہ ہوگا کہ دوسری قراءت میں اَنْزِلْنِي (افعال) سے ہے اور (مصدر) نزلًا یانزولًا ثلاثی مجرد سے جیسا کہ اَنْبَتَ اللّٰهُ نباتًا میں ہے مگر مفسر علام کی عبارت سے یہ وہم ہوتا ہے کہ پہلی صورت میں مصدر اور اسم مکان دونوں کا احتمال ہے اور دوسری صورت میں صرف مصدر کا احتمال ہے حالانکہ دونوں قراءتوں میں دونوں احتمال ہیں، مُبَارَكًا اسم واحد مذکر غائب، بڑا برکت والا، ذٰلِكَ الْاِنْزَال اَوِ المكان مفسر علام نے ذٰلک کے ذریعہ مُبَارَكًا کے اندر ضمیر مستتر کا مرجع ظاہر فرمایا ہے اور منزلاً میں چونکہ دو احتمال ہیں اس لئے الانزال او المكان کہہ کر دونوں

احتمالوں کی طرف اشارہ کردیا، اور آپ مذکورہ دونوں صورتوں میں (یعنی خواہ معنی مصدری کی صورت میں ہو یا اسم مکان کے معنی میں) بہترین نازل کرنے والے ہیں (ضیافت کرنے والے ہیں) بلاشبہ اس امر مذکور میں جو کہ نوح اور کشتی اور کافروں کو ہلاک کرنے کا معاملہ ہے خدا کی قدرت کی نشانیاں ہیں وَاِنْ یہ مخففہ عن المثقلہ ہے اور اس کا اسم ضمیر شان محذوف اور لام، نافیہ اور مخففہ کے درمیان فارقہ ہے اور ہم قوم نوح کو، نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی طرف بھیج کر اور اس کی نصیحت کے ذریعہ آزمانے والے ہیں پھر ہم نے (قوم نوح) کے بعد ایک دوسری قوم کو وہ عاد ہے پیدا کیا پھر ہم نے ان میں ایک رسول بھیجا جو ان ہی میں سے تھے یعنی ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام (اس پیغمبر نے کہا) کہ تم اللہ ہی کی بندگی کرو اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ کہ ایمان لے آؤ۔

تَحقِيق وتَركِيب وتَسهِيل وتَفسِيرى فَوائِد

قَوْلَہٗ: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نوحًا (الآیہ) اللہ تعالیٰ یہاں سے پانچ قصوں کا بیان شروع فرمارہے ہیں، حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ اختصاراً اوپر گذر چکا ہے اس میں کل چھ قصے ہیں ان قصوں کے بیان کرنے کا مقصد امت محمدیہ ﷺ کو سابقہ امتوں کے واقعات کی خبر دینا ہے تاکہ پسندیدہ خصائل میں ان کی اقتداء کریں اور خصائل مذمومہ سے اجتناب کریں نیز ان قصوں میں آپ ﷺ کو تسلی بھی ہے کہ جو حالات آپ کے ساتھ آپ کی قوم کی طرف سے پیش آرہے ہیں ویسے حالات سابقہ نبیوں کے ساتھ بھی ان کی امتوں کی جانب سے پیش آچکے ہیں، آپ کو ان حالات وواقعات سے رنجیدہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں ہے وہ پانچ قصے جن کو یہاں بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہیں ① قصہ نوح ② قصہ ہود ③ قصہ قرون الآخرین ④ قصہ موسیٰ وہارون ⑤ قصہ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کا، نوح یہ لقب ہے آپ کا نام عبد الغفار یا عبد اللہ ہے اور بعض حضرات نے یشکر بھی بتایا ہے، آپ ایک ہزار پچاس سال بقید حیات رہے، چالیس سال کی عمر میں آپ کو منصب نبوت سے سرفراز کیا گیا اور ساڑھے نوسو سال آپ نے دعوت وتبلیغ کے فرائض انجام دیئے اور طوفان کے بعد آپ ساٹھ سال بقید حیات رہے اس حساب سے ایک ہزار پچاس سال ہوتے ہیں۔

قَوْلَہٗ: مَالکم من الٰہٍ غیرہ یہ جملہ ماقبل کے لئے بمنزلہ علت ہے۔

قَوْلَہٗ: ھو اسم ما مفسر علام یہاں سے مالکم من الٰہٍ غیرہ کی ترکیب فرمارہے ہیں اِلٰہٍ ما کا اسم مؤخر ہے اور لکم کائناً کے متعلق ہو کر ما کی خبر ہے، غَیْرُہٗ پر رفع بھی درست ہے اس وقت اِلٰہٍ کے محل کے تابع ہوگا، اور جر بھی جائز ہے اس وقت اِلٰہٍ کے لفظ کے تابع ہوگا مفسر کے قول ماقبلہ سے لکم جار مجرور مراد ہے مگر جمہور کے نزدیک یہ ترکیب ضعیف ہے ما چونکہ عامل ضعیف ہے اس لئے کہ اس کے اسم وخبر کی ترتیب بدلنے کی صورت میں ما عمل نہیں کرتا، لہٰذا مناسب یہ تھا کہ اِلٰہٌ کو مبتداء مؤخر اور لکم کو خبر مقدم قرار دیا جائے۔

قَوْلُہٗ: اَنْ لا یُعْبَدَ غیرہ اس عبارت کو محذوف ماننے کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ مشیئة کا مفعول محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: بِذٰلِكَ لَابَشَرٌ، بذٰلك کا تعلق اَنْزَلَ کے ساتھ ہے، اور ذٰلِكَ کا مشارٌ الیہ (ان لا یعبد غیرہ) یعنی غیر اللہ کی عبادت نہ کرنے کا حکم ہے۔

قَوْلُہٗ: أن اصنع الفلك میں أن تفسیر یہ ہے اس لئے کہ اس کے ماقبل اوحینا ہے جو قول کے معنی پر مشتمل ہے۔

قَوْلُہٗ: باعیننا یہ اصنع کی خبر سے حال ہے اور اَعْیُنٌ کو جمع لانا مبالغہ کے طور پر ہے۔

قَوْلُہٗ: بمرأی منا وحفظنا کا اضافہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آیت میں مجاز مرسل ہے، اس لئے کہ نظروں سے دیکھنے کے لئے حفاظت لازم ہے لہٰذا ملزوم بول کر لازم مراد لیا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: وفار التنور یہ جاءَ اَمْرنا کا عطف بیان ہے، اور تنور میں سے پانی کا ابلنا عذاب کے لئے علامت کے طور پر تھا، اس لئے کہ روایت کیا گیا ہے کہ حضرت نوح کو علامت کے طور پر بتا دیا گیا کہ جب تنور سے پانی ابلنے لگے تو سمجھ لینا کہ اب عذاب کا وقت قریب آگیا ہے۔

قَوْلُہٗ: زوجتہٗ زوجہ اور اولاد سے زوجہ مومنہ اور اولاد مومن مراد ہے، حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دو بیویاں تھیں ایک مومنہ جس کو کشتی میں ساتھ لے لیا تھا اور کافرہ اپنے کافر بیٹے کنعان کے ساتھ کشتی میں سوار نہیں ہوئی، حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کافرہ بیوی کا نام واغلہ تھا، آپ کے چار صاحبزادے تھے ایک کافر تھا جس کا نام کنعان وہ کشتی میں سوار نہیں ہوا، باقی تین صاحبزادے جو مومن تھے ان کے نام سام، حام، یافث تھے، سام ابوالعرب ہیں، اور حام ابوالسودان ہیں، اور یافث ابوالترک ہیں۔

قَوْلُہٗ: فقل الحمد للّٰہ یہ اِذا کا جواب ہے، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ فقل کے بجائے فقولوا فرماتے تاکہ اترتے وقت سب لوگ دعا میں شریک ہو جاتے، مگر چونکہ آپ کی دعا سب کی دعا کے قائم مقام تھی اس لئے صرف آپ کو حکم کیا گیا ہے۔

تفسیر و تشریح

وَفَارَ التَّنُّورُ تنور مختلف معنی میں استعمال ہوا ہے، جس میں روٹی پکائی جاتی ہے اس کو بھی تنور کہا جاتا ہے اور تنور پوری زمین کے لئے بھی بولا جاتا ہے، اور بعض حضرات نے ایک خاص تنور مراد لیا ہے جو کہ کوفہ کی مسجد میں اور بعض کے نزدیک شام میں کسی جگہ تھا، یہاں تنور سے کیا مراد ہے اس میں اختلاف ہے، عکرمہ اور زہری کا بیان ہے کہ سطح زمین مراد ہے، حسن بصری، مجاہد اور شعبی کہتے ہیں تنور سے وہی تنور مراد ہے جس میں روٹی پکائی جاتی ہے، اکثر مفسرین نے اسی کو اختیار کیا ہے اور ایسی ہی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت منقول ہے اور یہی قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ لفظ جب حقیقت اور مجاز میں دائر ہو تو حقیقت ہی پر حمل کرنا اولیٰ ہوتا ہے، حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے طوفان اور کشتی کا واقعہ پچھلی سورتوں میں تفصیل سے گذر چکا ہے، نیز اس کے ضروری اجزاء تحقیق و ترکیب کے زیر عنوان تحریر کر دیئے گئے ہیں، دیکھ لیا جائے۔

ثُمَّ اَنْشَأنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخرينَ اس سے پہلی آیات میں حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ بسلسلہ ہدایت وتسلی ذکر کیا گیا تھا، آگے دوسرے پیغمبروں اوران کی امتوں کا کچھ حال اجمالاً بغیر نام کی تعیین کے ذکر کیا گیا ہے کہ آثار وعلامات سے حضرات مفسرین نے عاد یا ثمود یا دونوں قومیں مراد لی ہیں، عاد کی طرف حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اور ثمود کی جانب حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت ہوئی تھی۔

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِلِقَاءِ الْآخِرَةِ اى بالمصير اليها وَاَتْرَفْنٰهُمْ انعمناهم فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ ﴿٣٣﴾ و الله لَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ فيه قسم وشرط والجواب لِاَوَّلِهِمَا وهو مُغنٍ عن جواب الثاني اِنَّكُمْ اِذًا اى ان اطعتموه لَّخٰسِرُوْنَ ﴿٣٤﴾ اى مغبونون اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿٣٥﴾ هو خبر انكم الاولى وَاَنَّكم الثانية تاكيد لها لما طال الفصل هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ اِسمُ فِعلٍ ماضٍ بمعنى مَصدر اى بَعُدَ بُعدًا لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿٣٦﴾ من الاخراج من القبور واللام زائدة للبيان اِنْ هِيَ اى ما الحيوة اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا بحيوة ابنائنا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿٣٧﴾ اِنْ هُوَ اى ما الرسول اِلَّا رَجُلُ ۨافْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿٣٨﴾ اى مصدقين في البعث بعد الموت قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿٣٩﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ من الزمان وما زائدة لَّيُصْبِحُنَّ يصيرون نٰدِمِيْنَ ﴿٤٠﴾ على كفرهم وتكذيبهم فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ صيحة العذاب والهلاك كائنة بِالْحَقِّ فماتوا فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً وهو نبت يبس اى صيرناهم مثله في اليبس فَبُعْدًا من الرحمة لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤١﴾ المكذبين ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اى اقواما اٰخَرِيْنَ ﴿٤٢﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا بان تموت قبله وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿٤٣﴾ عنه ذكر الضمير بعد تانيثه رعاية للمعنى ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا بالتنوين وعدمه اى متتابعين بين كل اثنين زمان طويل كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً بتحقيق الهمزتين وتسهيل الثانية بينها وبين الواو رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا في الهلاك وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٤٤﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٤٥﴾ حجة بينة وهي اليد والعصا وغيرهما من الآيات اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا عن الايمان بها وبالله وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿٤٦﴾ قاهرين بني اسرائيل بالظلم فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿٤٧﴾ مطيعون خاضعون فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿٤٨﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ التورٰة لَعَلَّهُمْ اى قومه بني اسرائيل يَهْتَدُوْنَ ﴿٤٩﴾ به من الضلالة واوتيها بعد هلاك فرعون وقومه جملة واحدة وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ عيسى وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً لم يقل آيتين لان الآية فيهما واحدة ولادته من غير فحلٍ وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ مكان مرتفع وهو بيت المقدس او دمشق او فلسطين اقوال ذَاتِ قَرَارٍ اى مستوية يستقر عليها ساكنوها وَّمَعِيْنٍ ﴿٥٠﴾ اى ماء جار ظاهر تراه العيون.

ترجمہ: اوران کی قوم کے سرداروں نے جنہوں نے کفر کیا تھا اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا تھا یعنی اس کی طرف رجوع کرنے کو اور ہم نے ان کو دنیوی زندگانی میں خوشحالی عطا کی تھی یعنی انعامات سے نوازا تھا کہنے لگے بس یہ تو تمہاری طرح ایک آدمی ہے وہی کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو اور وہی پیتا ہے جو تم پیتے ہو واللہ اگر تم اپنے جیسے ایک آدمی کے کہنے پر چلنے لگو تو بے شک تم سخت خسارے والے ہو، یعنی نقصان اٹھانے والے ہو کیا یہ شخص تم سے یہ کہتا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجاؤ گے تو تم نکالے جاؤ گے مخرجون، أنکم اولیٰ کی خبر ہے اور ثانی أنکم پہلے أنکم کی تاکید ہے اِنَّ کے اسم اور اس کی خبر کے درمیان طویل فصل ہونے کی وجہ سے بہت ہی بعید ہے بہت ہی بعید ہے وہ بات جو تم سے کہی جاتی ہے (یعنی) قبروں سے نکالنے کی اور لام زائدہ ہے بیان کے لئے ہماری زندگی تو صرف دنیوی زندگی ہے ہم مرتے جیتے رہتے ہیں اپنے بیٹوں کے جینے سے اور ہم دوبارہ زندہ کئے جانے والے نہیں ہیں یہ شخص رسول نہیں ہے یہ تو ایسا شخص ہے جو اللہ پر بہتان باندھتا ہے ہم تو ہرگز اس پر ایمان نہ لائیں گے یعنی مرنے کے بعد وہ زندہ کرنے کے بارے میں تصدیق کرنے والے نہیں ہیں، نبی نے دعاء کی اے میرے پروردگار تو ان سے میرا بدلہ لے لے اس وجہ سے کہ انہوں نے میری تکذیب کی ارشاد ہوا یہ لوگ عنقریب اپنی تکذیب وکفر پر پشیمان ہوں گے عَـمَّا قلیل میں مَا زائدہ ہے بالآخر عدل کے تقاضہ کے مطابق چیخ نے پکڑلیا چیخ کے عذاب اور ہلاکت نے حال یہ کیا کہ وہ عدل کے تقاضہ کے مطابق تھا چنانچہ سب کے سب مرگئے پھر ہم نے ان کو خس وخاشاک کردیا غُثاءً سوکھی گھاس کو کہتے ہیں، یعنی ہم نے ان کو خس وخاشاک کی مانند کردیا خشک ہونے میں سو رحمت سے دوری ہو ظالم یعنی تکذیب کرنے والی قوموں کے لئے پھر ان کے بعد دوسری قوموں کو پیدا کیا اور کوئی امت اپنے وقت مقررہ سے نہ تو آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے بایں طور کہ اپنے وقت مقررہ سے پہلے مرجائے یا اس سے مؤخر ہوجائے (یستـاخرون) میں ضمیر کو معنی کی رعایت کی وجہ سے مذکر لائے ہیں، مؤنث لانے کے بعد پھر ہم نے یکے بعد دیگرے اپنے رسول بھیجے تَتْرًا تنوین اور بغیر تنوین دونوں ہیں یعنی ایک کے بعد دوسرا ہر دو کے درمیان طویل زمانہ تھا جب بھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا انہوں نے اس رسول کی تکذیب کی تو ہم نے ہلاکت میں ایک کو ایک کے پیچھے لگادیا اور ہم نے ان کو داستان بنادیا خدا کی مار ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام کو احکام اور کھلی دلیل دے کر کھلی دلیلیں وہ ید بیضاء اور عصائے موسیٰ اور دیگر نشانیاں ہیں فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا تو انہوں نے ان آیات اور اللہ پر ایمان لانے کے بارے میں تکبر کیا اور وہ بنی اسرائیل پر ظلم کے ذریعہ غلبہ حاصل کرنے والے لوگ تھے چنانچہ وہ کہنے لگے کیا ہم اپنے جیسے دو انسانوں پر ایمان لے آئیں حالانکہ ان کی قوم ہمارے زیر حکم زیر فرمان اور سرنگوں ہیں چنانچہ وہ لوگ ان دونوں کی تکذیب ہی کرتے رہے آخر کار ہلاک کردیئے گئے اور ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کتاب تورات عطا فرمائی تاکہ وہ یعنی موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم بنی اسرائیل اس کے ذریعہ گمراہی کے راستہ سے ہدایت کے راستہ کی طرف آئیں اور توریت فرعون اور اس کی قوم کے ہلاک

ہونے کے بعد یکبارگی عطا کی گئی اور ہم نے ابن مریم عیسیٰ کو اور ان کی والدہ کو نشانی بنادیا آیتین نہیں کہا، اس لئے کہ دونوں میں نشانی ایک ہی ہے اور وہ بغیر مرد کے ان کی پیدائش ہے اور ہم نے ان دونوں کو ایک ایسی بلند زمین پر لیجا کر پناہ دی جو رہنے کے قابل تھی رَبْوَۃ اونچی جگہ کو کہتے ہیں اور وہ بیت المقدس یا دمشق یا فلسطین ہے یہ (تین) قول ہیں، ذات قرار کا مطلب ہے ہموار تا کہ اس پر اس کے باشندے رہ سکیں، اور چشمہ والی یعنی ظاہری سطح پر جاری پانی والی ہیں، جس کو آنکھیں دیکھ سکیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَہُ: اَلْمَلَأُ اسم جمع ہے، الأملاءُ جمع ہے سرداروں کی جماعت، قوم شرفاء کی جماعت۔

قِوْلَہُ: وَاللّٰہِ لَئِنْ اَطَعْتُمْ یہاں قسم اور شرط کا اجتماع ہے جہاں یہ دونوں جمع ہوجاتے ہیں تو اول کا جواب لایا جاتا ہے اور ثانی کے جواب کو اول کے جواب پر قیاس کرکے حذف کردیتے ہیں اِنَّکُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ جواب قسم ہے نہ کہ جواب شرط جواب شرط نہ ہونے کا قرینہ یہ بھی ہے کہ یہاں انکم اذًا لَّخٰسرون جملہ اسمیہ ہے اگر یہ جواب شرط ہوتا تو اس پر فا کا داخل ہونا ضروری تھا، اس سے بھی معلوم ہوا کہ یہ جواب قسم ہے جواب شرط نہیں ہے۔

قِوْلَہُ: اِنَّکُمْ اِذًا ای اِنْ اَطَعْتُمُوْہُ لَّخٰسِرُوْنَ، کُمْ اِنَّ کا اسم ہے اور خاسرون اس کی خبر ہے لام ابتدائیہ ہے اور اِذًا اِنَّ کے اسم اور اس کی خبر کے درمیان مضمونِ شرط کی تاکید کے لئے ہے، اور اِذًا کی تنوین جملہ شرطیہ محذوف کے عوض میں ہے جیسا یومئذٍ میں، مفسر علام نے اسی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ای اِنْ اَطَعْتُمُوْہ کا اضافہ کیا ہے اس وقت اس کو جواب کی ضرورت نہ ہوتی اس لئے کہ یہ ماقبل کی تاکید لفظی کے لئے ذکر کیا گیا ہے اور اعادۃ الشئ بمرادفہٖ کے قبیل سے ہے۔ (جمل)

قِوْلَہُ: اَیَعِدُکُمْ یہ جملہ مستانفہ ماقبل کے مضمون کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے۔

قِوْلَہُ: مخرجون أنّ اولیٰ کی خبر ہے إذا متم مخرجون کا ظرف ہے اور أنکم کا عمل نہیں ہے اس لئے کہ وہ پہلے أنکم کی تاکید لفظی ہے۔

قِوْلَہُ: ھَیْھَاتَ ھَیْھَاتَ اسم فعل بمعنی ماضی، یہ کلمہ اکثر مکرر استعمال ہوتا ہے ثانی اول کی تاکید ہے چونکہ اس میں اختلاف ہے کہ ھیھاتَ اسم فعل بمعنی ماضی ہے یا بمعنی مصدر ہے اسی اختلاف کی طرف اشارہ کرنے کے لئے مفسر علام نے بُعْدًا پر دونوں اعراب لگائے ہیں۔

سُؤال: ھَیْھَاتَ کو اسم فعل کیوں کہتے ہیں؟ یہ تو اجتماع بین الضدین معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ جو اسم ہوگا وہ فعل نہیں ہوسکتا، اور جو فعل ہوگا وہ اسم نہیں ہوسکتا۔

جَوَابُ: چونکہ یہ لفظ کے اعتبار سے اسم ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کی گردان نہیں آتی، اس وجہ سے اس کو اسم کہتے ہیں اور اپنے

معنی و مدلول کے اعتبار سے یہ فعل ہے اس لئے اس کو فعل کہتے ہیں، دونوں حیثیتوں کی رعایت کرتے ہوئے اس کا نام اسم فعل رکھ دیا گیا ہے، اور چونکہ هَیْهَاتَ بمعنی مصدر بھی استعمال ہوتا ہے اس لئے مفسر علام نے اسمُ فعل ماضٍ کہہ کر پہلے معنی کی طرف اشارہ کیا ہے اور بمعنی مصدرٍ کہہ کر دوسرے معنی کی طرف اشارہ کیا ہے اور انہی دونوں معنی کی وضاحت کے لئے بعدًا پر دونوں اعراب لگائے ہیں، فعل ماضی کا اعراب بھی لگایا ہے اور مصدر کا بھی۔

خلاصۂ کلام:

هَیْهَاتَ اسم فعل ہے بَعُدَ فعل ماضی کے معنی میں اس کے فاعل میں دو صورتیں ہیں اول یہ کہ اس کا فاعل اس میں مضمر ہو اور تقدیر عبارت یہ ہو بَعُدَ التصدیق او الصحة او الوقوع لما توعدون نحو ذٰلك اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا فاعل ما ہو اور لام زائدہ ہو بیان استبعاد کے لئے۔

گویا کہ کہا گیا یہ استبعاد کس چیز کا ہے؟

جَوَابٌ: جواب دیا لما توعدون جس کا تم سے وعدہ کیا گیا یعنی بعث بعد الموت کا اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ هَیْهَاتَ، البُعْد بمعنی مصدر مبتداء اور لما توعدون اس کی خبر، مگر بعض حضرات نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، پہلی صورت میں هَیْهَاتَ کا کوئی محل اعراب نہیں ہوگا۔

قَوْلُہٗ: مِنَ الاخراج مِنَ القبور مَا توعدون میں مَا کا بیان ہے۔

قَوْلُہٗ: بِحَیَاتِ اَبْنَائِنَا یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ مشرکین کا نَمُوْتُ وَنَحْیَا کہنا یہ تو بعث بعد الموت کا اقرار ہے حالانکہ وہ تو بعث بعد الموت کے منکر ہیں، مفسر علام نے بحیات ابنائنا کہہ کر جواب دیدیا کہ مشرکین کے قول نموت ونحیا کا مطلب یہ ہے کہ جب ہم مرجاتے ہیں تو ہماری اولاد زندہ رہتی ہے، اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ بعث بعد الموت کا نہیں ہے، بعض حضرات نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ آیت میں تقدیم و تاخیر ہے ای نَحْیَا ونموت.

قَوْلُہٗ: عَمَّا قلیل بعض حضرات نے کہا ہے ما زائدہ ہے ای عن قلیل من الزمان اور بعض حضرات نے کہا ہے ما بمعنی شئ یا بمعنی زمانٍ ہے ای عن شئ قلیل اَوْ عن زمان قلیل، عمّا قلیل میں جار مجرور کس سے متعلق ہے؟ اس میں تین قول ہیں (اول) لَیُصْبِحُنَّ کے متعلق ہے (دوسرا) نادمین کے متعلق ہے (تیسرا) محذوف سے متعلق ہے ای عما قلیل ننصرہٗ ماقبل یعنی انصرنی کی دلالت کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: صَیْحة العذاب میں اضافت بیانیہ ہے ای صیحة العذاب والهلاك صیحہ سے مراد عذاب ہے نہ کہ حضرت جبرئیل کی چنگھاڑ، اس لئے کہ قوم عاد حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چنگھاڑ سے ہلاک نہیں ہوئی تھی۔

قِوْلُہٗ: کائنةً مفسر علام نے کائنة محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ بالحق کائنةً کے متعلق ہو کر صیحة سے حال ہے۔

قِوْلُہٗ: فبعدًا اس کے فعل کو حذف کر کے مصدر کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا ہے اس کے فعل ناصب کو حذف کرنا واجب ہے ای فبعِدُوْا بُعْدًا یہ کلمہ مشرکین کے لئے بد دعاء کے قائم مقام ہے۔

قِوْلُہٗ: ذُکِّرَ الضمیرُ الخ یعنی یستاخرون میں ضمیر کو مذکر لایا گیا ہے حالانکہ اَجَلَھا کے اندر ضمیر مؤنث لائے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ھا ضمیر اُمَّةٍ کی طرف راجع ہے اور امت سے قوم مراد ہے جو کہ مذکر ہے اسی وجہ سے یستاخرون میں ضمیر کو مذکر لائے ہیں۔

قِوْلُہٗ: تَتْرًا مصدر محذوف سے حال یا صفت ہے، ای ارسالاً تترًا، تَتْرًا اصل میں وَتْرًا تھا، واؤ کو تا سے بدل دیا وتر متابعت مع المہلت کو کہتے ہیں۔

قِوْلُہٗ: احادیث یہ احدوثة کی جمع ہے مایتحدّثه الناس یعنی وہ قصے کہانیاں جن کو لوگ وقت گذاری اور تفریح طبع کے لئے کہتے سنتے ہیں۔

قِوْلُہٗ: من امة مِنْ فاعل پر زائدہ ہے امة تسبق کا فاعل ہے۔

قِوْلُہٗ: بتحقیق الهمزتین (اول صورت) دونوں ہمزوں کو محقق پڑھیں (دوسری صورت) پہلے ہمزہ کو محقق اور دوسرے کو مسھّل پڑھیں، یعنی ہمزہ اور واؤ کے درمیان پڑھیں۔

قِوْلُہٗ: جملةً واحدةً اس کا تعلق اوتیھا سے بھی ہو سکتا ہے اس وقت مطلب یہ ہوگا فرعون کے ہلاک ہونے کے بعد توریت جملة واحدة (یکبارگی) دیدی گئی اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہلاکت فرعون اور اس کی قوم سے متعلق ہو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ فرعون اور اس کی قوم کو بالکلیہ ہلاک کرنے کے بعد توریت عطا کی گئی۔

تفسیر وتشریح

اس سے پہلی آیات میں حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ بسلسلہ ہدایت ذکر کیا گیا تھا، آگے دوسرے پیغمبروں اور ان کی امتوں کا کچھ حال اجمالاً نام متعین کئے بغیر ذکر کیا گیا ہے، آثار وعلامات سے حضرات مفسرین نے فرمایا کہ مراد ان امتوں سے عاد یا ثمود یا دونوں ہیں، عاد کی طرف حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا گیا تھا اور ثمود کے پیغمبر حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے، اس قصہ میں ان قوموں کا ہلاک ہونا ایک صیحہ یعنی غیبی سخت آواز کے ذریعہ بیان فرمایا ہے اور صیحہ کے ذریعہ ہلاک ہونا دوسری آیت میں قوم ثمود کا بیان ہوا ہے اس سے بعض حضرات نے فرمایا کہ ان آیات میں قرناً آخرین سے ثمود مراد ہیں مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صیحہ کا لفظ اس جگہ مطلق عذاب کے معنی میں ہو جیسا کہ تحقیق وترکیب کے زیر عنوان اشارہ کیا گیا ہے، اس طریقہ سے اس کا تعلق عاد کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔

اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنیا (الآیة) مشرکین کا اعتقاد تھا کہ دنیاوی زندگی کے علاوہ اور کوئی زندگی نہیں ہے، بس دنیا کی زندگی اور اس کا عیش و آرام ہی ان کا اوڑھنا بچھونا ہے، دوبارہ ان کو زندہ ہونا نہیں ہے، ہر قوم جس نے پیغمبروں کی تکذیب کی ٹھیک اپنے وعدہ پر ہلاک کر دی گئی جس قوم کی جو میعاد تھی اس سے آگے یا پیچھے نہیں ہوئی۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا پھر ہم یکے بعد دیگرے رسول بھیجتے رہے اور مکذبین کو بھی ایک کے پیچھے ایک کو چلتا کرتے رہے، چنانچہ بہت سی قومیں اس طرح تباہ و برباد کر دی گئیں، جن کے قصے کہانیوں کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہی آج ان کی داستانیں محض عبرت کے لئے پڑھی اور سنی جاتی ہیں۔

فَقَالُوْا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ (الآیہ) مطلب یہ کہ موسیٰ و ہارون تو غلام اور خدمت گار ہیں تو ہم انہیں میں کے دو فرد کو اپنا سردار کس طرح بنالیں، فرعون اور فرعونیوں کی ہلاکت کے بعد ہم نے ان کو تورات عطا کی تاکہ لوگ اس پر چل کر جنت اور رضاء الٰہی کی منزل تک پہنچ سکیں۔

وَآوَیْنٰهُمَا اِلٰی رَبْوَةٍ ربوة اونچی جگہ کو کہتے ہیں مفسر علام نے اس میں تین احتمال ذکر کئے ہیں بیت المقدس، دمشق، فلسطین، ممکن ہے کہ یہ وہی ٹیلہ ہو جہاں وضع حمل کے وقت حضرت مریم تشریف رکھتی تھیں چنانچہ سورۂ مریم میں **فناداها من تحتها (الآیہ)** دلالت کرتی ہے کہ وہ بلند جگہ تھی، نیچے چشمہ یا نہر بہہ رہی تھی، لیکن عموماً مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے بچپن کا واقعہ ہے ہیرودس نامی ایک ظالم بادشاہ کو نجومیوں کے ذریعہ یہ معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ کو سرداری ملے گی جس کی وجہ سے بچپن ہی میں ان کا دشمن ہو گیا تھا اور قتل کے درپے تھا، حضرت مریم الہام ربانی سے ان کو لیکر مصر چلی گئیں اور اس ظالم بادشاہ کے مرنے کے بعد پھر شام واپس آئیں چنانچہ انجیل متیٰ میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے اور مصر کا اونچا ہونا باعتبار دریائے نیل کے ہے ورنہ غرق ہو جاتا، اور ماء معین دریائے نیل ہے، بعض نے ربوة سے مراد شام یا فلسطین لیا ہے، بہر حال اہل اسلام میں سے کسی نے ربوہ سے کشمیر مراد نہیں لیا، اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی قبر کشمیر میں بتائی، البتہ ہمارے زمانے کے بعض زائغین نے ربوہ سے کشمیر مراد لیا ہے، اور وہیں حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی قبر بتائی ہے، جس کا تاریخی حیثیت سے کوئی ثبوت نہیں ہے، محلّہ خان یار سری نگر میں جو قبر ''یوز اسف'' کے نام سے مشہور ہے اور جس کی بابت تاریخ اعظمی کے مصنف نے محض عام افواہ نقل کی ہے کہ لوگ اس کو کسی نبی کی قبر بتاتے ہیں وہ کوئی شہزادہ تھا جو دوسرے ملک سے یہاں آیا تھا، اس کو حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی قبر بتانا انتہاء درجہ کی حماقت اور سفاہت ہے، ایسی اٹکل پچو اور بے سروپا باتوں سے حضرت مسیح علیہ الصلاۃ والسلام کی حیات کو باطل ٹھہرانا خبط اور جنون کے سوا کچھ نہیں، اگر اس قبر کی تحقیق مطلوب ہو کہ ''یوز اسف'' کون تھا تو جناب منشی حبیب اللہ صاحب امرتسری کا رسالہ دیکھیں جو خاص اسی موضوع پر نہایت ہی تحقیق سے لکھا گیا ہے، جس میں اس مہمل خیال کی دھجیاں بکھیر دی گئی ہیں۔ (فوائد عثمانی ملخصًا)

یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ الحَلالاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا مِن فَرضٍ ونَفلٍ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ فَاُجازِیْکُم عَلَیْهِ وَ اعلموا اَنَّ هٰذِهٖۤ ای مِلَّةَ الاِسْلامِ اُمَّتُكُمْ دِینُکُم ایُّها المُخَاطَبُوْنَ ای یَجِبُ اَنْ تَکُوْنُوْا عَلیها

اُمَّةً وَّاحِدَةً حَالٌ لَازِمَةٌ وَفِي قِرَاءَةٍ بِتَخْفِيفِ النُّوْنِ وَفِي أُخْرَىٰ بِكَسْرِهَا مُشَدَّدَةً إِسْتِيْنَافًا **وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ**﴿٥٢﴾ فَاحْذَرُوْنِ **فَتَقَطَّعُوْٓا** اَى الاَتْبَاعُ **اَمْرَهُمْ** دِيْنَهُم **بَيْنَهُمْ زُبُرًا** حَالٌ مِن فَاعِلِ تَقَطَّعُوْا اى اَحْزَابًا مُتَخَالِفِيْنَ كَالْيَهُوْدِ وَالنَّصَارىٰ وغيرِهما **كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ** اى عِنْدَهُمْ مِنَ الدِّيْنِ **فَرِحُوْنَ**﴿٥٣﴾ مَسْرُوْرُوْن **فَذَرْهُمْ** اُتْرُكْ كُفَّارَ مَكَّةَ **فِيْ غَمْرَتِهِمْ** ضَلَالَتِهِمْ **حَتّٰى حِيْنٍ**﴿٥٤﴾ اى حِيْنَ مَوْتِهِمْ **اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ** نُعْطِيْهِمْ **مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ**﴿٥٥﴾ فِي الدُّنْيَا **نُسَارِعُ** نُعَجِّلُ **لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ**﴿٥٦﴾ اَنَّ ذٰلِكَ اسْتِدْرَاجٌ لَهُمْ **اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ** خَوْفِهِمْ مِنْهُ **مُّشْفِقُوْنَ**﴿٥٧﴾ خَائِفُوْنَ مِنْ عَذَابِهٖ **وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ** القُرْآن **يُؤْمِنُوْنَ**﴿٥٨﴾ يُصَدِّقُوْنَ **وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ**﴿٥٩﴾ مَعَهُ غَيْرَهُ **وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ** يُعْطُوْنَ **مَآ اٰتَوْا** اَعْطَوا مِنَ الصَّدَقَةِ وَالاَعْمَالِ الصَّالِحَةِ **وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ** خَائِفَةٌ ان لا تُقْبَلَ مِنْهم **اَنَّهُمْ** يُقَدَّرُ قَبْلَهُ لَامُ الجَرِّ **اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ**﴿٦٠﴾ **اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ**﴿٦١﴾ فى عِلمِ اللّٰهِ **وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا** اى طَاقَتَها فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يُصَلِّيَ قَائِمًا فَلْيُصَلِّ جَالِسًا وَمَنْ لم يَسْتَطِعْ ان يَّصُوْمَ فَلْيَأْكُلْ **وَلَدَيْنَا** عِنْدَنا **كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ** بِمَا عَمِلَتْه وهو اللَّوْحُ المَحْفُوْظُ تُسطَرُ فيه الاَعْمَالُ **وَهُمْ** اى النُّفُوْسُ العَامِلَةُ **لَا يُظْلَمُوْنَ**﴿٦٢﴾ شَيْئًا مِنْهَا فَلَا يُنْقَصُ مِنْ ثَوَابِ اَعْمَالِ الخَيْرِ وَلَا يُزَادُ فِي السَّيِّئَاتِ **بَلْ قُلُوْبُهُمْ** اى الكُفَّارِ **فِيْ غَمْرَةٍ** جَهَالَةٍ **مِّنْ هٰذَا** القُرْآن **وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ** المَذْكُوْرِ لِلْمُؤْمِنِيْنَ **هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ**﴿٦٣﴾ فَيُعَذَّبُوْنَ عَلَيْهَا **حَتّٰٓى** اِبْتِدَائِيَّةٌ **اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ** اَغْنِيَائَهُمْ وَرُؤَسَائَهُمْ **بِالْعَذَابِ** اى السَّيْفِ يَوْمَ بَدْرٍ **اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ**﴿٦٤﴾ يَضِجُّوْنَ يُقَالُ لهم **لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ**﴿٦٥﴾ لَا تُمْنَعُوْنَ **قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ** مِنَ القُرْآن **تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ**﴿٦٦﴾ تَرْجِعُوْنَ قَهْقَرىٰ **مُسْتَكْبِرِيْنَ** عَنِ الاِيْمَانِ **بِهٖ** اى بِالبَيْتِ او الحَرَمِ بِاَنَّهُمْ اَهْلُهُ فى اَمْنٍ بِخِلَافِ سَائِرِ النَّاسِ فِي مَوَاطِنِهِمْ **سٰمِرًا** حَالٌ اى جَمَاعَةً يَتَحَدَّثُوْنَ بِاللَّيْلِ حَوْلَ البَيْتِ **تَهْجُرُوْنَ**﴿٦٧﴾ مِنَ الثُّلَاثِيِّ تَتْرُكُوْنَ القُرْآنَ وَمِنَ الرُّبَاعِيِّ اى تَقُوْلُوْنَ غَيْرَ الحَقِّ فى النَّبِيِّ وَالقُرْآنِ قال تعالىٰ **اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا** اَصْلُهُ يَتَدَبَّرُوْا فَاُدْغِمَتِ التَّاءُ فِي الدَّالِ **الْقَوْلَ** اى القُرْآنَ الدَّالَّ عَلىٰ صِدْقِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم **اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ**﴿٦٨﴾ **اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ**﴿٦٩﴾ **اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ** الاِسْتِفْهَامُ فيه لِلتَّقْرِيْرِ بِالحَقِّ مِنْ صِدْقِ النَّبِيِّ وَمَجِيْءِ الرُّسُلِ لِلْاُمَمِ المَاضِيَةِ وَمَعْرِفَةِ رَسُوْلِهِمْ بِالصِّدْقِ وَالاَمَانَةِ وَاَن لَا جُنُوْنَ بِه **بَلْ** لِلاِنْتِقَالِ **جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ** اى القُرْآنِ المُشْتَمِلِ عَلىٰ التَّوْحِيْدِ وشَرَائِعِ الاِسْلَامِ **وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ**﴿٧٠﴾ **وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ** اى القُرْآنُ **اَهْوَآءَهُمْ** بِاَنْ جَاءَ بِمَا يَهْوُوْنَهُ مِنَ الشَّرِيْكِ وَالوَلَدِ لِلّٰهِ تعالىٰ عَنْ ذٰلِكَ **لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ** اى خَرَجَتْ عَنْ نِظَامِهَا المُشَاهَدِ لِوُجُوْدِ التَّمَانُعِ فى الشَّيْءِ عَادَةً عِنْدَ تَعَدُّدِ الحَاكِمِ **بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ** اى بِالقُرْآنِ الَّذِيْ فيه

ذِكْرُهُمْ وَشَرَفُهُمْ **فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ** ﴿۷۱﴾ **اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا** أجرًا علی ما جِئْتَهُمْ بِهِ مِنَ الايمان **فَخَرَاجُ رَبِّكَ** أجرُهُ وثَوَابُهُ ورِزْقُهُ **خَيْرٌ** وفي قِراءَةٍ خَرْجًا في الموضعَينِ وفي قِراءَةٍ أُخرىٰ خَراجًا فِيهِمَا **وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ** ﴿۷۲﴾ افضلُ مَنْ أعطىٰ وَاجَرَ **وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ** طَرِيْقٍ **مُّسْتَقِيْمٍ** ﴿۷۳﴾ اى دِيْنِ الاسلام **وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ** بالبَعْثِ والثَّواب والعِقاب **عَنِ الصِّرَاطِ** اى الطَّرِيْقِ **لَنٰكِبُوْنَ** ﴿۷۴﴾ عَادِلُوْنَ **وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ** اى جُوْعٍ أَصَابَهُمْ بِمَكَّةَ سبعَ سِنِيْنَ **لَّلَجُّوْا** تمادوا **فِيْ طُغْيَانِهِمْ** ضَلالَتِهِمْ **يَعْمَهُوْنَ** ﴿۷۵﴾ يَتَرَدَّدُوْنَ **وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ** الجُوْعِ **فَمَا اسْتَكَانُوْا** تَوَاضَعُوْا **لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ** ﴿۷۶﴾ يرغبُوْنَ اِلى اللّٰهِ فِى الدُّعَاءِ **حَتّٰى** اِبتِدَائِيَّةٌ **اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا** صَاحِبَ **عَذَابٍ شَدِيْدٍ** هو يَوْمُ بَدْرٍ بالقَتْلِ **اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ** ﴿۷۷﴾ آيِسُوْنَ مِنْ كُلِّ خَيْرٍ.

ترجمہ: اے پیغمبرو! پاکیزہ حلال چیزیں کھاؤ اور نیک اعمال کرو وہ فرض اور نفل ہیں بلاشبہ میں تمہارے کئے ہوئے کاموں کو خوب جانتا ہوں تو میں ان کاموں پر تم کو جزاء دوں گا اور یہ بات جان لو کہ یہ یعنی ملت اسلام اے مخاطبو تمہارا دین ہے یعنی تمہارے لئے واجب ہے کہ تم اس پر قائم رہو حال یہ ہے کہ وہ ایک ہی طریقہ ہے یہ حال لازمہ ہے اور ایک قراءت میں اَنَّ کے نون کی تخفیف کے ساتھ ہے اور دوسری قراءت میں ہمزہ کے کسرہ اور نون کی تشدید کے ساتھ ہے اور یہ استیناف کے اعتبار سے ہے میں تمہارا رب ہوں تم مجھ سے ڈرتے رہو پھر وہ متبعین اپنے دینی معاملہ میں آپس میں مختلف ہوگئے زُبُرًا، تقطعوا کے فاعل سے حال ہے یعنی آپس میں اختلاف کرنے والی جماعت ہوگئے، جیسا کہ یہود اور نصاریٰ وغیرہ پس ہر گروہ کے پاس جو ہے اسی پر خوش ہے یعنی جو دین ان کے پاس ہے (اسی پر خوش ہے) تو آپ ان کو یعنی اہل مکہ کو ان کی ضلالت میں ایک خاص وقت تک کے لئے چھوڑ دیجئے یعنی ان کی موت تک کیا یوں سمجھ رہے ہیں کہ ہم ان کو جو کچھ مال و اولاد دنیا میں دے رہے ہیں تو ہم ان کو فائدہ پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں نہیں بلکہ یہ لوگ سمجھتے نہیں ہیں کہ ان کے لئے ڈھیل ہے بے شک وہ لوگ جو اپنے رب کی ہیبت سے خوف زدہ رہتے ہیں یعنی اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں اور وہ لوگ جو اپنے رب کی آیتوں یعنی قرآن پر ایمان رکھتے ہیں، یعنی تصدیق کرتے ہیں اور وہ لوگ جو اپنے رب کے ساتھ یعنی اس کے ساتھ کسی غیر کو شریک نہیں کرتے اور وہ لوگ دیتے ہیں جو دیتے ہیں صدقات سے اور کرتے ہیں نیک اعمال جو کرتے ہیں اور ان کے قلوب اس بات سے لرزاں رہتے ہیں کہ کہیں ان کی یہ نیکی قبول نہ کی جائے اس لئے کہ ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے اَنَّهُمْ سے پہلے لام جر مقدر مانا جائے گا، یہی ہیں وہ لوگ جو نیکیوں میں جلدی کر رہے ہیں اور یہی لوگ اللہ کے علم میں نیکیوں کی طرف سبقت کرنے والے ہیں، اور ہم کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ کام کا مکلف نہیں بناتے یعنی اس کی طاقت سے (زیادہ) لہٰذا جو شخص کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر نماز پڑھے اور جو شخص روزہ نہ رکھ سکے تو نہ رکھے، اور ہمارے پاس ایک دفتر ہے جو

ٹھیک ٹھیک (ہر وہ) کام بتا دیتا ہے جو کسی نے کیا ہو اور وہ لوح محفوظ ہے جس میں اعمال لکھے جاتے ہیں اور ان عمل کرنے والے لوگوں پر ان کے اعمال کے بارے میں ذرہ برابر ظلم نہ کیا جائے گا، لہٰذا نہ تو ان نیک اعمال کا اجر کم کیا جائے گا اور نہ ان کے اعمال بد میں اضافہ کیا جائے گا بلکہ ان کافروں کے قلوب اس قرآن کے بارے میں جہالت میں ہیں اور ان (کافروں کے) مومنین کے اعمال مذکورہ کے برخلاف اور اعمال بھی ہیں جن کو وہ کرتے ہیں تو ان (کافروں) کو ان اعمال پر عذاب دیا جائے گا، یہاں تک کہ جب ہم ان کے خوشحال مالداروں اور سرداروں کو عذاب میں یعنی یوم بدر کی تلوار کے عذاب میں پکڑ لیں گے تو وہ چلانے لگیں گے (تو) ان سے کہا جائے گا، اب مت چلاؤ ہماری طرف سے تمہاری مطلق مدد نہ کی جائے گی میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی تھیں تو تم ایمان سے تکبر کرتے ہوئے الٹے پاؤں بھاگتے تھے یعنی الٹے پلٹ جاتے تھے بیت اللہ یا حرم کی وجہ سے اس وجہ سے کہ وہ اہل حرم تھے اور اہل حرم امن میں تھے، بخلاف دیگر تمام لوگوں کے کہ اپنے مقامات میں (کہ غیر مامون تھے) رات کو باتیں بناتے ہوئے بیہودہ بکتے ہوئے یعنی جماعت کی شکل میں بیت اللہ کے گرد جمع ہو کر بیہودہ باتیں بناتے تھے، تَهْجُرُوْنَ ثلاثی سے تَتْرُكُوْنَ القرآنَ کے معنی میں ہے اور رباعی سے تُهْجِرُوْنَ تقولون کے معنی میں ہے یعنی تم نبی اور قرآن کے بارے میں ناحق باتیں کرتے تھے کیا ان لوگوں نے اس کلام یعنی قرآن میں جو کہ نبی ﷺ کی صداقت پر دال ہے غور نہیں کیا؟ يَدَّبَّرُوا کی اصل يَتَدَبَّرُوْا تھی تا کو دال میں ادغام کر دیا یا ان کے پاس کوئی ایسی چیز آئی ہے جو ان کے پہلے آباؤ اجداد کے پاس نہیں آئی تھی یا یہ لوگ اپنے رسول سے واقف نہیں تھے جس کی وجہ سے ان کے منکر ہیں یا یہ لوگ آپ کے بارے میں جنون کے قائل ہیں؟ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوْا میں استفہام اقرار حق پر آمادہ کرنے کے لئے ہے وہ حق نبی ﷺ کی صداقت اور امم ماضیہ میں رسولوں کی آمد اور ان کا اپنے رسولوں کی صداقت و امانت کی معرفت اور یہ کہ آپ ﷺ مجنون نہیں ہیں ہے بلکہ (اصلی وجہ یہ ہے) کہ یہ رسول ان کے پاس حق بات لے کر آئے ہیں، یعنی قرآن کو جو کہ توحید اور قانون اسلام پر مشتمل ہے اور ان میں کے اکثر لوگ حق بات سے نفرت کرتے ہیں اور اگر حق یعنی قرآن ان کی خواہشات کے تابع ہو جاتا بایں طور کہ جو یہ چاہتے وہی لاتا (یعنی) اللہ کے لئے شریک اور اولاد اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے تو آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں سب تباہ ہو جاتے یعنی اپنے نظام مشاہد سے نکل جاتے تعدد حکام کے وقت عادۃً شی میں اختلاف ہونے کی وجہ سے بلکہ ہم نے ان کے پاس ان کی نصیحت کی بات یعنی قرآن جس میں ان کا ذکر اور شرف ہے بھیجی سو یہ لوگ اپنی نصیحت سے بھی روگردانی کرتے ہیں یا آپ ان سے کچھ آمدنی چاہتے ہیں یعنی ایمان کی باتوں پر جن کو آپ ان کے لئے لیکر آئے ہیں کچھ اجرت طلب کرتے ہیں تو آمدنی تو آپ کے رب کی یعنی اس کا اجر و ثواب اور اس کا رزق بہتر ہے اور ایک قراءت میں دونوں جگہ خَرْجًا ہے اور ایک قراءت میں دونوں جگہ خراجًا ہے اور وہ دینے والوں میں سب سے اچھا دینے والا ہے یعنی عطا کرنے والوں اور اجر دینے والوں میں وہ سب سے بہتر ہے آپ تو ان کو سیدھے راستہ یعنی دین اسلام کی طرف بلا رہے ہیں اور ان لوگوں کی

جو آخرت پر یعنی بعث و ثواب و عقاب پر ایمان نہیں رکھتے یہ حالت ہے کہ (سیدھے) راستہ سے ہٹے جاتے ہیں اور اگر ہم ان پر مہربانی فرمائیں اور ان پر جو تکلیف ہے یعنی وہ بھکمری جو سات سال تک مکہ میں ان کو لاحق ہوگئی تھی دور کردیں تو وہ لوگ اپنی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے اصرار کرتے رہیں اور ہم نے ان کو بھکمری کے عذاب میں گرفتار (بھی) کیا ہے مگر ان لوگوں نے نہ اپنے رب کے سامنے عاجزی تواضع اختیار کی اور نہ تضرع کیا، یعنی نہ دعاء میں اللہ کی طرف رغبت کی یہاں تک کہ جب ہم نے ان پر بدر کے دن قتل کے ذریعہ شدید عذاب کا دروازہ کھولدیا تو اچانک اس دن میں ہر خیر سے ناامید ہوگئے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہُ: یٰاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ اس آیت میں اگرچہ بظاہر خطاب محمد ﷺ کو ہے مگر مراد ہر نبی ہے، یعنی ہر نبی کو اس کے زمانہ میں یہی حکم تھا۔

قِوْلُہُ: بل لایشعرون یہ یَحْسَبُوْنَ سے اضراب ہے یعنی ان کا خیال غلط ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ سمجھتے نہیں ہیں۔

قِوْلُہُ: واعلموا انَّ ھٰذہٖ اُمَّتُکُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً مفسر علام نے اعلمُوْا مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ اَنَّ فتحہ ہمزہ کے ساتھ ہے اور ھٰذہٖ اَنَّ کا اسم ہے اور اُمَّتُکُمْ اس کی خبر ہے اور اُمَّةً حال لازمہ ہے اور وَاحِدَةً اس کی صفت لازمہ ہے اور ایک قراءت میں تخفیف نون اور فتحہ ہمزہ کے ساتھ ہے یعنی مخففہ عن المثقلہ ہے اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے، اور ایک تیسری قراءت میں اِنَّ نون مشددہ اور ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے اس صورت میں یہ جملہ مستانفہ ہوگا جملہ مستانفہ پر عطف ہونے کی وجہ سے، اس لئے کہ معطوف علی المستانفہ، مستانفہ ہوتا ہے۔

قِوْلُہُ: اَمْرُھُمْ یہ تَقَطَّعُوْا بمعنی قَطَّعُوْا کا مفعول ہے، جیسے تَقَدَّمَ بمعنی قَدَّمَ آتا ہے ای جَعَلُوْا دِیْنَھُمْ ادیانا مختلفةً۔

قِوْلُہُ: زُبُرًا یہ زبور کی جمع ہے بمعنی فریق، لوہے کا ٹکڑا یہ تَقَطَّعُوْا کے فاعل سے حال ہے یا اس کا مفعول ہے۔

قِوْلُہُ: فی غمرَتِھِمْ یہ فذرھم کا مفعول ثانی ہے، ای اُترکھُمْ مستقرین فی غمرتھم۔

قِوْلُہُ: اَنَّمَا نُمِدُّھُمْ ما موصولہ ہے اس لئے کہ من مال وبنین اس کا بیان آرہا ہے یہ ما کے موصولہ ہونے کی دلیل ہے لہٰذا مَا کو اَنَّ سے جدا کرکے لکھا جانا چاہئے تھا لیکن مصحف امام (مصحف عثمانی) کے رسم الخط کی اتباع کرتے ہوئے اِنَّ کو ما کے ساتھ متصل کردیا، یہ مَا، اَنَّ کا اسم ہے اور نسارع جملہ ہوکر خبر ہے اور رابطہ کی ضمیر محذوف ہے ای بہ۔

قِوْلُہُ: اِنَّ الذین ھم مِنْ خشیَةِ رَبِّھِمْ مُشفقونَ الذین اِنَّ کا اسم ہے، ھُمْ مبتداء ہے مشفقون مبتداء کی خبر ہے مِنْ خشیَةِ ربھم، مشفقون کے متعلق ہے، ھم مبتداء اپنی خبر مشفقون سے مل کر صلہ موصول کا، موصول اپنے صلہ سے ملکر اِنَّ

کا اسم ہے، اسی طرح آئندہ آنے والے چاروں موصول اِنَّ کا اسم ہیں اور اُولٰئِكَ یُسارِعُونَ فی الخَیْرَاتِ جملہ ہو کر اِنَّ کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: والذین یُؤتُون، یُعطون ما اَعْطَوْا عام مفسرین اس پر ہیں کہ یُؤتون ایتاءً سے ہے ای یعطون ما اعطَوْا ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اور عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا وغیرہما فرماتے ہیں کہ یؤتون ما اَتوا اتیان سے ہے ای یفعلون ما فعلوا من الاعمال الصالحات مفسر علام نے دونوں معنی کی رعایت کرتے ہوئے مَا کے بیان میں دو لفظ ذکر کئے ہیں، من الصدقة کا تعلق عام مفسرین کے معنی کے اعتبار سے اور اعمال صالحہ کا تعلق حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اور حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی قراءت سے ہے۔

قَوْلُہٗ: وَجِلَةٌ حال ہے یوتون کی ضمیر سے۔

قَوْلُہٗ: یُقَدَّرُ قَبْلَهٗ لام الجَرِّ ، اَنَّهُمْ سے پہلے لام جر مقدر مانا جائے گا تا کہ وَجِلَةٌ کی علت ہو جائے یعنی ان کے قلوب اس لئے خائف رہتے ہیں کہ ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

قَوْلُہٗ: وَهُمْ لَهَا سَابِقُوْنَ یہ اصل میں وهم سابقون لَهَا تھا فواصل کی رعایت کے لئے لَهَا کو مقدم کر دیا، یہ جملہ مبتداء خبر ہے، وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ، هم ضمیر نفس کی طرف راجع ہے جو کہ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا میں ہے نفسٌ چونکہ نفی کے تحت واقع ہے جس کی وجہ سے عموم مراد ہے جس کے اندر جمع کے معنی ہیں، اس لئے وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ میں جمع کا صیغہ لانا درست ہے۔

قَوْلُہٗ: وَلَهُمْ الخ ای لِلکفار اَعْمَالٌ خبیثةٌ مِن دون ذٰلك الأعمال المذكورة للمؤمنین قتادہ نے کہا ہے کہ لَهُمْ کی ضمیر کا مرجع مسلمین ہے یعنی مومنین کے لئے اعمال مذکورہ کے علاوہ اور بھی نیک اعمال ہیں جن کو وہ کرتے رہتے ہیں، بغوی نے کہا ہے کہ اول معنی زیادہ ظاہر ہیں۔

قَوْلُہٗ: حَتّٰی ابتدائیةٌ یعنی اس کے بعد سے کلام کی ابتداء ہو رہی ہے۔

قَوْلُہٗ: اِذَا اَخَذْنَا مترفیهم شرط ہے اِذَا هُمْ یَجْاَرُوْنَ اس کی جزاء اِذَا مفاجاتیہ ہے بمعنی فا ہے تقدیر عبارت یہ ہے حَتّٰی اِذَا اَخَذْنَا مُترفِیهم بالعذاب فجاَروا بالصراخ یَجْئَرُوْنَ مضارع جمع مذکر غائب (فتح) جئرًا بے قرار ہو کر فریاد کرنا، گائے بیل کا چلانا، تَنْكِصُوْنَ مضارع جمع مذکر حاضر ہے (ض) نکوص پھرنا، واپس ہونا۔

قَوْلُہٗ: مستكبرین بهٖ جار مجرور مستكبرین سے متعلق ہے باسببیہ ہے یا سامرًا سے متعلق ہے با بمعنی فی ہے بهٖ کا مرجع یا قرآن ہے جو کہ كانت آیاتی سے مفہوم ہے یا اس کا مرجع بیت اللہ یا حرم ہے، اگرچہ ان دونوں کا سابق میں ذکر نہیں ہے مگر بیت اللہ اور حرم پر ان کا فخر و استکبار اس قدر مشہور تھا کہ مذکور نہ ہونے کی صورت میں بھی مذکور سمجھا جاتا تھا۔

قَوْلُہٗ: مستكبرین وسامرًا وتَهْجرونَ یہ تینوں ینكصون کی ضمیر سے حال ہیں، مفسر علام کے لئے زیادہ بہتر تھا کہ حالٌ کو تهجرون کے بعد ذکر کرتے اور حالٌ کے بجائے احوال فرماتے۔

قَوْلُہٗ: بِاَنَّهُمْ اَهْلُهٗ باسببیہ ہے بیان علت کے لئے یعنی ایمان سے استکبار کرتے تھے یہ علت اور دلیل بیان کرتے ہوئے کہ ہم بیت اللہ کے منتظم اور متولی ہیں۔

قَوْلُہٗ: اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا القول ہمزہ محذوف پر داخل ہے اور فا عاطفہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے اَعَمُوْا فَلَمْ يَدَّبَّرُوْا کیا یہ لوگ (قدرت کی نشانیوں سے) اندھے ہوگئے ہیں کہ (ان میں) غور وفکر نہیں کرتے۔

قَوْلُہٗ: عادة یہاں مناسب یہ تھا کہ عادة کے بجائے عَقْلاً کہتے، اس لئے کہ وجود مشرک فساد عالم کا عقلاً مقتضی ہے نہ کہ عادة۔

قَوْلُہٗ: لَلَجُّوْا یہ لو کا جواب ہے۔

قَوْلُہٗ: مبلسون، ابلاس سے مشتق ہے اس کے معنی ناامید ہونا، مایوس ہونا، اسی سے ابلیس ہے کہ وہ بھی رحمت خداوندی سے مایوس ہوگیا ہے۔

تفسیر وتشریح

يٰاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تمام انبیاء کرام کو اپنے اپنے زمانہ میں دو باتوں کی ہدایت دی گئی اول یہ کہ پاکیزہ اور حلال چیزیں کھائیں دوم یہ کہ نیک اعمال کریں، جب انبیاء کرام جو کہ معصوم ہوتے ہیں ان کو یہ ہدایت ہے تو امت تو بطریق اولی اس کی مخاطب ہوگی، بلکہ اصل مقصود امت ہی کو ہدایت کرنا ہے، علماء نے اس حکم سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ حلال غذا کا عمل صالح میں بڑا دخل ہے جب غذا حلال ہوتی ہے تو نیک عمل کی توفیق خود بخود ہونے لگتی ہے، اور جب غذا حرام ہوتی ہے تو نیک کام کا ارادہ کرنے کے باوجود اس میں مشکلات حائل ہوجاتی ہیں، حدیث میں وارد ہے کہ بعض لوگ لمبے لمبے سفر کرتے ہیں اور غبار آلود رہتے ہیں پھر اللہ کے سامنے دعا کے لئے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور یارب یارب پکارتے ہیں مگر ان کا کھانا بھی حرام ہوتا ہے، پینا بھی حرام، لباس بھی حرام ہوتا ہے اور حرام ہی کی ان کو غذا ملتی ہے ایسے لوگوں کی کہاں دعا قبول ہوسکتی ہے؟ (قرطبی)

اُمَّتُكُمْ اُمَّةً واحدةً لفظ امت جماعت اور کسی خاص پیغمبر کی قوم کے معنی میں معروف ومشہور ہے، اور کبھی یہ لفظ طریقہ اور دین کے معنی میں بھی آتا ہے یہاں یہی معنی مراد ہیں۔

فَتَقَطَّعُوْا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا زُبُر زبور کی جمع ہے جو کتاب کے معنی میں آتا ہے اس معنی کے اعتبار سے مراد آیت کی یہ ہے، اللہ تعالیٰ نے تو تمام انبیاء اور ان کی امتوں کو اصول اور عقائد میں ایک ہی دین اور طریقہ پر چلنے کی ہدایت فرمائی تھی مگر امتوں نے اس کو نہ مانا، اور آپس میں مختلف ٹکڑے ہوگئے ہر ایک نے اپنا اپنا طریقہ الگ اور اپنی کتاب الگ بنالی، اور زُبُر کبھی زُبْرة کی جمع بھی آتی ہے جس کے معنی قطعہ اور ٹکڑے کے ہیں یہی معنی اس جگہ زیادہ واضح ہیں، اور مراد آیت کی یہ ہے کہ لوگ عقائد اور اصول میں بھی مختلف فرقہ بن گئے لیکن فروعی اختلاف ائمہ مجتہدین اس میں داخل نہیں کیونکہ ان

اختلافات سے دین وملت الگ نہیں ہوجاتی، اس اجتہادی اور فروعی اختلاف کو فرقہ واریت کا رنگ دینا خالص جہالت ہے جو کسی مجتہد کے نزدیک جائز نہیں۔ (معارف)

وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ یعطُوْنَ مَا آتَوْا وَّ قلوبُهُمْ وَجِلَةٌ یُوْتُوْنَ ایتاءً سے مشتق ہے جس کے معنی دینے اور خرچ کرنے کے ہیں اسی لئے اس کی تفسیر صدقات سے کی گئی ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا سے ایک قراءت یَاتُوْنَ مَا اَتَوْا بھی منقول ہے یعنی عمل کرنے میں جو کچھ کرتے ہیں، اس میں صدقات نماز روزہ اور دیگر تمام نیک اعمال شامل ہوجاتے ہیں، اسی قراءت کی رعایت کرتے ہوئے مفسر علام نے والاعمال الصالحة سے تفسیر کی ہے، مشہور قراءت کے مطابق اگرچہ یہاں ذکر صدقات ہی کا ہوگا مگر بہر حال مراد عام اعمال صالحہ ہیں جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں نے اس آیت کا مطلب رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یہ کام کرکے ڈرنے والے وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے یا چوری کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اے صدیق کی بیٹی یہ بات نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو روزہ رکھتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور صدقات دیتے ہیں اس کے باوجود اس سے ڈرتے رہتے ہیں کہ شاید ہمارے یہ اعمال اللہ کے نزدیک (ہماری کسی کوتاہی کے سبب) قبول نہ ہوں ایسے ہی لوگ نیک کاموں میں مسارعت اور مسابقت کیا کرتے ہیں (رواہ احمد والترمذی) حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو نیک عمل کرکے اتنے ڈرتے تھے کہ تم برے عمل کرکے اتنے نہیں ڈرتے۔ (قرطبی)

اولٰئكَ یُسارعون فی الخیرات کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح دنیادار دنیا کے فوائد کے لئے دنیا کے کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت لیجانے کی فکر میں رہتے ہیں یہ حضرات دین کے فوائد کے لئے ایسا ہی عمل کرتے ہیں اسی لئے وہ دین کے کاموں میں دوسروں سے آگے رہتے ہیں۔ (معارف)

وَلَھُمْ اَعْمَالٌ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ اس آیت کی ضروری تشریح تحقیق وترکیب کے زیر عنوان گذر چکی ہے ملاحظہ کرلی جائے، راجح تفسیر یہ ہے کہ ان کی گمراہی کے لئے تو ایک شرک وکفر ہی کا پردۂ غفلت کافی تھا مگر وہ اسی پر بس نہیں کرتے اس کے علاوہ دیگر اعمال خبیثہ بھی مسلسل کرتے رہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: مُتْرَفِیْھِمْ مُتْرَفٌ تَرَفٌ سے مشتق ہے جس کے معنی خوشحالی کے ہیں، اس جگہ اس قوم کو عذاب میں پکڑنے کا ذکر ہے جس میں امیر غریب خوشحال بدحال سبھی داخل ہوں گے مگر یہاں خوشحال لوگوں کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیا گیا ہے کہ ایسے ہی لوگ دنیا کے مصائب سے اپنے بچاؤ کے لئے کچھ سامان کرلیا کرتے ہیں مگر جب اللہ کا عذاب آتا ہے تو سب سے پہلے یہی لوگ بے بس ہوکر رہ جاتے ہیں اس آیت میں جس عذاب کا ذکر ہے حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ عذاب ہے جو غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی تلوار سے ان کے سروں پر نازل ہوا تھا، اور بعض حضرات نے اس عذاب سے وہ قحط کا عذاب مراد لیا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی بددعا سے مکہ والوں پر مسلط کردیا گیا تھا، یہاں تک کہ وہ مردار جانور اور کتے اور ہڈیاں کھانے پر مجبور ہوگئے تھے، بعض مفسرین نے عذاب آخرت بھی مراد لیا ہے مگر یہ سیاق وسباق کے مطابق نہیں ہے، نبی کریم ﷺ

نے کفار کے لئے بددعا بہت کم کی ہے لیکن اس موقع پر مسلمانوں پر ان کے مظالم کی شدت سے مجبور ہو کر یہ بددعا کی تھی "اَللّٰهُمَّ اشدد وَطأتكَ علٰى مضر واجعلها عَلَيْهِم سنين كسنِي يوسفَ". (رواه البخاری ومسلم)

مستکبرین بہٖ سَامِرًا تَهْجُرُوْنَ اس میں بِہٖ کی ضمیر اکثر مفسرین نے حرم کی طرف راجع قرار دی ہے جیسا کہ علامہ محلی کی بھی یہی رائے ہے، حرم کا اگرچہ سابق میں کہیں ذکر نہیں مگر حرم سے قریش مکہ کا گہرا تعلق اور فخر و ناز اتنا معروف ومشہور تھا کہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، اور معنی اس آیت کے یہ ہیں کہ قریش مکہ کا قرآن کی آیتیں سن کر پچھلے پاؤں بھاگنے (اعراض کرنے) کا سبب حرم مکہ کی نسبت اور اس کی خدمت پر ان کا تکبر اور ناز تھا، اور سَامِرًا سَمَرٌ سے مشتق ہے جس کے اصل معنی چاندنی رات کے ہیں، عرب کی عادت تھی کہ چاندنی رات میں بیٹھ کر قصے کہانی کہا کرتے تھے اس لئے لفظ سَمَرٌ قصہ کہانی کے معنی میں استعمال ہونے لگا اور سامر قصہ گو کو کہا جاتا ہے، یہ لفظ اگرچہ مفرد ہے مگر معنی میں جمع کے بولا جاتا ہے اس جگہ سامر بمعنی سامرین جمع کے لئے استعمال ہوا ہے، صاحب جلالین نے اسی جمع کے معنی کے لئے جماعۃ کا لفظ لا کر اشارہ کیا ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے کہ سمرٌ کے معنی رات کو گفتگو کرنے کے ہیں، یہاں خاص طور پر اس کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ مشرکین مکہ رات کو صحن کعبہ میں بیٹھ کر بے کار اور بیہودہ قصہ گوئی میں مشغول رہتے تھے اور قرآن اور صاحب قرآن کا مذاق اڑاتے ہوئے تفریحی کلمہ چست کرتے تھے اسی بنا پر حق کی بات سننے سے انکار کر دیتے تھے اس سے بڑھ کر یہ کہ قرآن اور آنحضرت ﷺ کی شان میں بکواس اور فحش گوئی کرتے تھے۔

عشاء کے بعد فضول جاگنے کی ممانعت:

رات کو قصہ گوئی کا مشغلہ عرب اور عجم میں قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے، اس میں بہت سے مفاسد ہیں، نبی کریم ﷺ نے اس رسم کو ختم کرنے کے لئے عشاء سے پہلے سونے کی اور عشاء کے بعد فضول قصہ گوئی کو منع فرمایا ہے حکمت یہ تھی کہ عشا کی نماز پر انسان کے اعمال یومیہ ختم ہو رہے ہیں، جو دن بھر کے گناہوں کا کفارہ ہو سکتا ہے اگر عشاء کے بعد فضول قصہ گوئی میں لگ گیا تو اولاً تو یہ فعل خود عبث اور مکروہ ہے اس کے علاوہ اس کے ضمن میں غیبت جھوٹ اور دوسرے طرح کے گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہے، اور ایک اس کا برا انجام یہ ہے کہ جب رات کو دیر تک جاگے گا تو صبح سویرے نہیں اٹھ سکے گا، اسی لئے فاروق اعظم جب کسی کو عشاء کے بعد فضول قصہ گوئی میں مشغول دیکھتے تو تنبیہ فرماتے تھے اور بعض کو سزا بھی دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ جلد سو جاؤ شاید آخر رات میں تہجد کی توفیق ہو جائے۔ (قرطبی)

اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ سے **اَمْ يقولون بهٖ جِنَّة** تک ایسی پانچ چیزوں کا ذکر ہے جو مشرکین کے لئے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے سے کسی درجہ میں مانع ہو سکتی تھیں ان میں سے ہر ایک کے منفی ہونے کا بیان اس کے ساتھ کر دیا ہے، حاصل اس کا یہ ہے کہ جو وجوہ ان لوگوں کے لئے ایمان سے نافع ہو سکتی تھیں ان میں سے کوئی بھی وجہ موجود نہیں اور ایمان لانے کے لئے جو اسباب و وجوہ داعی ہیں وہ سب موجود ہیں اس لئے اب ان کا انکار، ضد اور ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں جس کا ذکر اس کے بعد کی

آیت میں اس طرح فرمایا بَلْ جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُوْنَ یعنی انکار رسالت کی کوئی عقلی یا طبعی وجہ موجود نہیں پھر انکار کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں کہ رسول اللہ ﷺ حق بات لے کر آئے ہیں اور یہ لوگ حق بات ہی کو برا سمجھتے ہیں سننا نہیں چاہتے جس کا سبب ہوا وہوس کا غلبہ اور بقاء اقتدار کی خواہش ہے ان پانچ چیزوں میں سے جو کہ بظاہر اقرار بالنبوت سے مانع ہوسکتی ہیں ان میں سے ایک کا بیان مندرجہ ذیل آیت میں ہے۔

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ یعنی ان کے انکار کی ایک وجہ یہ ہوسکتی تھی کہ جو شخص دعوت حق اور دعوائے نبوت لیکر آیا ہے یہ کہیں باہر سے آیا ہوتا کہ یہ لوگ اس کے نام ونسب اور عادات واطوار سے واقف نہ ہوتے تو یہ کہہ سکتے تھے کہ ہم اس مدعی کے حالات سے واقف نہیں اسے کیسے نبی ورسول مان کر اپنا مقتدا بنالیں مگر یہاں تو یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ قریش ہی کے اعلیٰ نسب میں اسی شہر مکہ میں پیدا ہوئے، اور بچپن سے لیکر جوانی کا سارا زمانہ انہیں لوگوں کے سامنے گذرا آپ کا کوئی عمل اور عادت ان سے پوشیدہ نہیں تھی اور دعوائے نبوت سے پہلے تک سارے کفار آپ کو صادق وامین کہا کرتے تھے آپ کے کردار عمل پر کسی نے بھی کبھی شبہ ظاہر نہیں کیا تھا تو اب ان کا یہ عذر نہیں چل سکتا کہ وہ ان کو پہچانتے نہیں۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ اس سے پہلی آیت میں مشرکین کے بارے میں یہ کہا گیا تھا کہ یہ لوگ جو عذاب میں مبتلا ہونے کے وقت اللہ سے یا رسول سے فریاد کرتے ہیں اگر ہم ان کی فریاد پر رحم کھا کر عذاب ہٹادیں تو ان کی جبلی شرارت وسرکشی کا عالم یہ ہے کہ عذاب سے نجات پانے کے بعد پھر بھی اپنی سرکشی اور نافرمانی میں مشغول ہوجائیں گے اس آیت میں ان کے ایک اسی طرح کے واقعہ کا بیان ہے، کہ ان کو ایک عذاب میں پکڑا گیا، مگر عذاب سے نبی کریم ﷺ کی دعا کی بدولت نجات پانے کے بعد بھی یہ اللہ کے سامنے نہیں جھکے اور برابر اپنے کفر وشرک پر جمے رہے۔

اہل مکہ پر قحط کا عذاب:

پہلے معلوم ہوچکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ پر قحط کا عذاب مسلط ہونے کی دعا کی تھی جس کی وجہ سے یہ سخت قحط کے عذاب میں مبتلا ہوئے اور مردار وغیرہ کھانے پر مجبور ہوگئے، یہ دیکھ کر ابوسفیان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ میں آپ کو اللہ کی اور صلہ رحمی کی قسم دیتا ہوں کیا آپ نے یہ نہیں کہا کہ میں اہل عرب کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں، آپ نے فرمایا بے شک کہا ہے اور واقعہ بھی یوں ہی ہے، ابوسفیان نے کہا آپ نے اپنی قوم کے بڑوں کو تو بدر کے معرکہ میں تلوار سے قتل کردیا اور جو رہ گئے ہیں ان کو بھوک سے قتل کر رہے ہیں، اللہ سے دعا کیجئے کہ یہ عذاب ہم سے ہٹ جائے، رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی یہ عذاب اسی وقت ختم ہوگیا اسی پر یہ آیت وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ نازل ہوئی اس آیت میں یہ ارشاد ہے کہ عذاب میں مبتلا ہونے پھر اس سے نجات پانے کے بعد بھی یہ لوگ اپنے رب کے سامنے نہیں جھکے چنانچہ واقعہ بھی تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا سے قحط بھی رفع ہوگیا مگر مشرکین مکہ اپنے شرک وکفر پر اسی طرح جمے رہے۔ (مظھری وغیرہ بحوالہ معارف)

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ خلق لَكُمُ السَّمْعَ بمعنى الاسماع وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ القلوب قَلِيْلًا مَّا تاكيد للقلة تَشْكُرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ خلقكم فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ تبعثون وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ بنفخ الروح في المضغة وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ بالسواد والبياض والزيادة والنقصان اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ صنيعه تعالى فتعتبرون بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اي الاولون ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ لا، وفي الهمزتين في الموضعين التحقيق وتسهيل الثانية وادخال الف بينهما على الوجهين لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا اي البعث بعد الموت مِنْ قَبْلُ اِنْ ما هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ اكاذيب الْاَوَّلِيْنَ ۝ كالاضاحيك والاعاجيب جمع أسطورة بالضم قُلْ لهم لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ من الخلق اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ خالقها ومالكها سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ لهم اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ بادغام التاء الثانية في الذال فتعلمون ان القادر على الخلق ابتداء قادر على الاحياء بعد الموت قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ الكرسي سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ تحذرون عبادة غيره قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ ملك كُلِّ شَيْءٍ والتاء للمبالغة وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ يحمي ولا يحمى عليه اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ وفي قراءة لِلّٰهِ بلام الجر في الموضعين نظرا الى ان المعنى من له ما ذكر قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝ تخدعون وتصرفون عن الحق عبادة الله وحده اي كيف يخيل لكم انه باطل بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ بالصدق وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ في نفيه وهو مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا اي لو كان معه اله لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ اي انفرد به ومنع الآخر من الاستيلاء عليه وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰي بَعْضٍ مغالبة كفعل ملوك الدنيا سُبْحٰنَ اللّٰهِ تنزيها له عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ لا به مما ذكر عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ما غاب وما شوهد بالجر صفة والرفع خبر هو مقدرا فَتَعٰلٰى تعظم عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ ع معه.

ترجمہ: وہ ایسی ذات ہے کہ جس نے تمہارے کان بنائے سمع بمعنی اسماع اور آنکھیں اور دل بنائے تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو ما قلت کی تاکید کے لئے اور وہ ذات ہے کہ جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا اور اسی کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے، یعنی مرنے کے بعد زندہ کئے جاؤ گے اور وہ ایسی ذات کہ جو گوشت کے لوتھڑے میں روح پھونک کر تم کو حیات بخشتی ہے اور موت دیتی ہے اور سیاہی اور سفیدی، زیادتی اور نقصان کے ذریعہ رات اور دن کو بدلنا اسی کے اختیار میں ہے تو کیا تم اللہ تعالیٰ کی صنعت کو سمجھتے نہیں ہو کہ عبرت حاصل کرو، بلکہ یہ بھی ویسی ہی بات کہتے ہیں جو اگلے لوگ کہتے چلے آئے ہیں پہلے لوگوں نے یوں کہا کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں رہ جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے نہیں، اور ہمزہ میں دونوں

جگہوں پر تحقیق ہے اور ثانی ہمزہ کی تسہیل ہے، اور دونوں ہمزوں کے درمیان دونوں صورتوں میں الف داخل کرنا ہے اس کا تو ہم سے اور ہمارے بڑوں سے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے یعنی بعث بعد الموت کا، یہ کچھ بھی نہیں محض بے سند جھوٹی باتیں ہیں جو اگلوں سے منقول ہوتی چلی آرہی ہیں جیسا کہ ہنسی کی اور تعجب کی باتیں اساطیر اُسطورۃ کی جمع ہے ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ آپ ان سے دریافت کیجئے کہ یہ زمین اور اس میں جو مخلوق ہے کس کی ملک ہیں اگر تم اس کے خالق کو اور مالک کو جانتے ہو تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ کی ملک میں ہیں (تو) ان سے کہئے کہ پھر کیوں غور نہیں کرتے تـذَّکرُون (اصل میں تتذکّرُوْنَ تھا) تا ثانیہ کو ذال کیا اور ذال کو ذال میں ادغام کر دیا تذَّکّرُوْنَ ہو گیا، کہ تم جان سکو کہ جو ابتداءً پیدا کرنے پر قادر ہے وہ موت کے بعد زندہ کرنے پر قادر ہے آپ ان سے یہ بھی دریافت کیجئے کہ ان ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کرسی کا مالک کون ہے؟ تو وہ ضرور یہی جواب دیں گے کہ یہ بھی اللہ کا ہے (اس وقت) کہئے تو پھر تم غیر اللہ کی عبادت سے کیوں نہیں بچتے؟ آپ ان سے یہ بھی دریافت کیجئے کہ وہ کون ہے کہ جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے ملکوت میں تا مبالغہ کے لئے ہے وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا یعنی وہ حمایت کرتا ہے اس کے مقابلہ حمایت نہیں کی جا سکتی، اگر تم کو کچھ خبر ہے تو وہ ضرور یہی کہیں گے (ان صفات کا مالک) اللہ ہے اور ایک قراءت میں (اللہ کے بجائے) لِلّٰہ ہے لام کے جر کے ساتھ دونوں جگہوں میں اس بات کی طرف نظر کرتے ہوئے کہ (مَنْ بِیَدِہٖ) کے معنی مَنْ لہ مَاذُکِرَ کے ہیں تو آپ (اس وقت) کہئے کہ پھر تم کو کیا خبط ہو رہا ہے؟ یعنی دھوکے میں پڑے ہوئے ہو اور حق یعنی اللہ وحدہ کی عبادت سے برگشتہ ہو رہے ہو یعنی تم کو یہ تصور کیسے ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ باطل ہے بلکہ ہم نے ان کو سچی بات پہنچائی ہے اور یقیناً یہ خود جھوٹے ہیں اس سچی بات کی نفی کرنے میں اور وہ سچی بات جو ہم نے پہنچائی ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اولاد قرار نہیں دیا اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے ورنہ تو اگر اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو جدا کر لیتا یعنی خود تن تنہا اس کا مالک ہو جاتا اور دوسرے کو اس پر غلبہ کرنے سے روک دیتا، اور ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا غلبہ حاصل کرنے کے لئے جیسا کہ دنیا کے بادشاہ کرتے ہیں اللہ ان تمام مذکورہ باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے جو غائب ہے اور جو ظاہر ہے عَالِمِ کے جر کے ساتھ لفظ اللہ کی صفت ہے اور رفع کے ساتھ ھو مبتداء محذوف کی خبر ہے غرضیکہ وہ ان چیزوں سے بالاتر ہے جن کو یہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ مَا اس قلت کی تاکید کے لئے ہے جو قلیلًا کی تنوین تنکیر سے مستفاد ہے اور قلیلًا مفعول مطلق کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اس کی تقدیر عبارت یہ ہے ای تشکرون شکرًا قلیلًا اور یہ عدم شکر سے کنایہ ہے اس لئے کہ قلت عدم کے معنی میں بھی مستعمل ہے اور یہی معنی حالِ کفار کے زیادہ مناسب ہیں۔

قَوْلُہٗ: اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ہمزہ، محذوف پر داخل ہے فا عاطفہ ہے ای اَغَفَلْتُمْ فَلَا تَعْقِلُوْنَ اَنَّ القَادِرَ علیٰ انشاء الخلق قادرٌ علیٰ اِعَادَتِهِمْ بَعْدَ الْمَوْتِ.

قَوْلُہٗ: بَلْ قَالُوْا ای کفار مکۃ یہ محذوف سے اضراب انتقالی ہے تقدیر عبارت یہ ہے فَلَمْ یَعْتَبِرُوْا بَل قَالُوْا ابو سعود نے کہا بَلْ قَالُوْا کا عطف مقدر ہے ای فَلَمْ یَعقِلُوْا بَلْ قَالُوْا.

قَوْلُہٗ: لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَ آبَاؤُنَا، آبَاؤُنَا کا عطف وُعِدْنَا کی ضمیر متصل پر ہے جب کہ قاعدہ یہ ہے کہ اگر ضمیر مرفوع متصل پر عطف کرنا ہو تو ضمیر منفصل کے ذریعہ تاکید ضروری ہوتی ہے مگر یہاں چونکہ نحنُ کا فصل آگیا ہے جو کہ قائم مقام ہے ضمیر منفصل کے لہٰذا عطف درست ہوگیا ھٰذا، وُعِدْنَا کا مفعول ثانی ہے اور نا ضمیر اس کا نائب فاعل ہے تقدیر عبارت یہ ہے کہ وَعَدَنَا الآنَ محمد ﷺ بالبعثِ وَعَدَ غیرہ آبَائَنَا مِنْ قبلِنا به.

قَوْلُہٗ: لا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ءَ اِذَا مِتْنَا میں ہمزہ استفہام انکاری ہے۔

قَوْلُہٗ: اِنْ کنتم تعلمون شرط ہے اس کا جواب محذوف ہے ای اِنْ کنتُمْ تعلمونَ فاخبرُونی بخالِقِها.

قَوْلُہٗ: مَلَکُوت اس میں واؤ اور تا مبالغہ کے لئے زائد ہیں جیسا کہ رحموت میں۔

قَوْلُہٗ: ولا یُجارُ علَیه علیٰ کے ساتھ تعدیہ نصرت کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے ہے۔

قَوْلُہٗ: نظرًا الی أن المعنیٰ مَنْ له لفظ اللہ او پر تین جگہ واقع ہوا ہے پہلی جگہ لام جر کے ساتھ متعین ہے اس لئے کہ سوال میں لام ظاہر ہے یعنی قل لِمَنِ الارض ومَنْ فیها لہٰذا جواب یعنی سیقولون للّٰہ میں بھی لام کو ظاہر کرنا متعین ہے، دوسرے مقام پر معنی کی رعایت کی وجہ سے لام کو ظاہر کرتے ہیں اور لفظ کی رعایت کی وجہ سے لام کو حذف کرتے ہیں اس لئے کہ سوال کے الفاظ یہ ہیں قل مَن رب السمٰوات (الآیہ) تو اس وقت جواب ہوگا اللہ، اور معنی کی رعایت کریں تو مَن رب السمٰوات معنی میں لِمَن السمٰوات کے ہے تو اس وقت جواب میں للّٰہ واقع ہوگا، اسی طرح تیسرے مقام قل مَنْ بیدہٖ ملکوتُ کُلِّ شیءٍ اگر سوال کے لفظ کی رعایت کی جائے تو لام حذف ہوگا اور اگر سوال کے معنی کی رعایت کی جائے تو لام ظاہر ہوگا، اس لئے کہ معنی یہ ہیں لِمَن ملکوتُ کُلِّ شیءٍ خلاصہ یہ ہے کہ ان تین مقاموں میں سے پہلے مقام میں اظہار لام جر متعین ہے اور بعد کے دونوں مقاموں میں سوال کے لفظ کی رعایت سے حذف لام ہوگا اور معنی کی رعایت سے اظہارِ لام ہوگا یعنی اظہار اور حذف دونوں جائز ہیں۔

قَوْلُہٗ: تُخْدَعُوْنَ تُسْحَرُوْنَ کی تفسیر تُخْدَعُوْنَ سے کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ تُسْحَرُوْنَ مجازاً تخدعُوْن کے معنی میں ہے۔

قَوْلُہٗ: وتُصْرَفُوْنَ عن الحقِّ عِبَادةِ اللّٰهِ، عِبَادَةِ اللّٰهِ حق سے بدل ہے اسی وجہ سے عبادةِ اللّٰه مجرور ہے۔

قَوْلُہٗ: کَیْفَ یُخَیلُ لکُمْ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اَنّٰی کَیْفَ کے معنی میں ہے اور تُسْحَرُوْنَ تُخَیَّلُ کے معنی میں ہے۔

قَوْلُہٗ: مِنْ وَلَدٍ من مفعول پر زائدہ ہے اور مِنْ اِلٰہٍ میں مِنْ کان کے اسم پر زائد ہے۔

قَوْلُہٗ: اِذًا ای لو کان معه الله لَذَهَبَ (الآیہ) اِذًا کے بعد لو کان معهٗ کا اضافہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ اِذا ایسے کلام پر داخل ہوتا ہے کہ جو شرط و جزاء پر مشتمل ہو اور یہاں لَذَهَبَ صرف جزاء ہے جواب یہ ہے کہ شرط محذوف ہے جس کی طرف شارح نے لو کان معهٗ اللّٰهُ محذوف مان کر اشارہ کر دیا ہے، اِذًا بمعنی لو امتناعیہ ہے۔

قَوْلُہٗ: ما ذُكِرَ ای مِنَ الاولاد و الانداد.

قَوْلُہٗ: عالِمِ الغیبِ جر کے ساتھ ہے لفظ اللہ سے بدل یا صفت واقع ہونے کی وجہ سے اور عالِمُ الغیب کو رفع کے ساتھ پڑھا جائے تو هُوَ مبتدا محذوف کی خبر ہوگی۔

قَوْلُہٗ: فتعالیٰ اس کا عطف ماقبل کے معنی پر ہے، ای عَلِمَ الغَیب فتعالیٰ عما یُشرکون.

تفسیر و تشریح

هُوَ الَّذِیْ اَنْشَاَكُمْ (الآیہ) یعنی عقل و فہم اور سننے سمجھنے کی یہ صلاحیتیں عطا کیں تاکہ ان کے ذریعہ وہ حق کو پہچانیں، سنیں اور اسے قبول کریں یہی ان نعمتوں کا شکر یہ ہے مگر یہ شکر کرنے والے یعنی حق کو قبول کرنے والے کم ہی ہیں۔

اَسَاطِیْرُ، اُسطُورۃ کی جمع ہے یعنی مُسَطَّرَۃ مکتوبة لکھی ہوئی کہانیاں یعنی دوبارہ زندہ ہونے کا وعدہ کب سے ہوتا آ رہا ہے، ہمارے آباؤ اجداد سے مگر ابھی تک روبعمل تو نہیں ہوا جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ کہانیاں ہیں جو پہلے لوگوں نے کتابوں میں لکھ دی ہیں جو نقل در نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں، بھلا کہیں یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ ریزہ ریزہ ہو کر مٹی میں ملنے کے بعد زندہ کئے جائیں گے ایسی باتیں اور ایسے وعدے تو ہم اپنے باپ دادوں سے سنتے چلے آ رہے ہیں لیکن ہم نے آج تک خاک کے ذروں اور ہڈیوں کے ریزوں کو آدمی بنتے نہیں دیکھا۔

وَهُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ علیه (الآیہ) یعنی اللہ تعالیٰ جس کو چاہے عذاب اور مصیبت سے پناہ دیدے اور یہ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے مقابلہ پر کسی کو پناہ دیکر اس کے عذاب و تکلیف سے بچائے یہ بات دنیا کے اعتبار سے بھی صحیح ہے اور آخرت کے اعتبار سے بھی۔ (قرطبی)

قُل لمن الارض ومن فیها ان کنتم تعلمون یعنی جب تمہیں یہ تسلیم ہے کہ زمین کا اور اس میں موجود تمام اشیاء کا خالق اور مالک تنہا وہی ایک اللہ ہے اور آسمان اور عرش عظیم کا مالک بھی وہی ہے تو پھر تمہیں یہ تسلیم کرنے میں تامل کیوں ہے کہ عبادت کے لائق بھی صرف وہی ایک اللہ ہے پھر تم اس کی وحدانیت کو تسلیم کر کے اس کے عذاب سے بچنے کا اہتمام کیوں نہیں کرتے تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اس اعتراف اور علم کے باوجود تم دوسروں کو اس کی عبادت میں شریک کرتے ہو؟ قرآن کریم کی اس صراحت سے واضح ہے کہ مشرکین مکہ اللہ کی ربوبیت اور اس کی خالقیت و مالکیت اور رزاقیت کے منکر نہیں تھے بلکہ یہ سب باتیں تسلیم کرتے تھے انہیں صرف توحید الوہیت سے انکار تھا اور یہ سب کچھ صرف اور صرف اس مغالطہ کی بنا پر تھا کہ یہ بھی

اللہ کے نیک بندے تھے ان کو اللہ نے کچھ اختیارات دے رکھے ہیں اور ہم ان کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرتے ہیں یہی مغالطہ آج کل کے مردہ پرستوں اور اہل بدعت کو ہے جس کی بنیاد پر وہ فوت شدگان کو مدد کے لئے پکارتے ہیں ان کے نام کی نذر ونیاز دیتے ہیں حالانکہ اللہ اور اس کے رسول نے کہیں نہیں فرمایا کہ تم غیر اللہ کو امداد اور حاجت روائی کے لئے پکارا کرو، اللہ اور اس کے رسول نے تو اچھی طرح واضح کردیا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور جو لوگ اللہ کے ساتھ غیر کو عبادت میں شریک کرتے ہیں اس لئے نہیں کہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے بلکہ محض ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی اور آباء پرستی کی وجہ سے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ کوئی ساجھی، اگر ایسا ہوتا تو ہر شریک اپنے حصہ کی مخلوق لیکر الگ ہوجاتا اور خود اپنی مرضی سے اس کا انتظام کرتا اور ہر شریک دوسرے شریک پر غالب آنے کی کوشش کرتا جیسا کہ دنیوی بادشاہوں کی عادت ہوتی ہے، اور جب ایسا نہیں ہے اور نظام عالم میں ایسی کوئی کشاکشی نہیں ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے پاک اور برتر ہے جو مشرکین اس کی بابت باور کرتے ہیں۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا فیہ اِدْغامُ نُونِ اِنِ الشَّرْطِیَّةِ فی مَا الزَّائِدَةِ **تُرِیَنِّیْ مَا یُوْعَدُوْنَ** ﴿۹۳﴾ مِنَ العَذَابِ ہُوَ صَادِقٌ بالقَتْلِ بِبَدْرٍ **رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِیْ فِی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ** ﴿۹۴﴾ ای فَاُہْلِكُ بِہَلَاكِہِم **وَاِنَّا عَلٰٓی اَنْ نُّرِیَكَ مَا نَعِدُہُمْ لَقٰدِرُوْنَ** ﴿۹۵﴾ **اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ہِیَ اَحْسَنُ** ای الخَلَّةُ مِنَ الصَّفحِ والاِعراضِ عَنہُمُ **السَّیِّئَةَ** اَذَاہُم ایاك وہٰذا قَبلَ الاَمرِ بالقِتَالِ **نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ** ﴿۹۶﴾ ای یَكذِبُونَ ویَقُولُونَ فَنُجَازِیہِمْ عَلَیْہِ **وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ** اَعْتَصِمُ **بِكَ مِنْ ہَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ** ﴿۹۷﴾ نَزَغَاتِہِمْ بِمَا یُوَسْوِسُونَ بہ **وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ** ﴿۹۸﴾ فِی اُمُورِی لِاَنَّہُمْ اِنَّمَا یَحْضُرُونَ بِسُوْءٍ **حَتّٰٓی** اِبْتِدَائِیَّة **اِذَا جَآءَ اَحَدَہُمُ الْمَوْتُ** وَرَاٰی مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ ومَقْعَدَہٗ مِنَ الجَنَّةِ لَوْ آمَنَ **قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ** ﴿۹۹﴾ الجَمْعُ لِلتَّعْظِیمِ **لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا** بِاَنْ اَشْہَدَ اَنْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یَكُونُ **فِیْمَا تَرَكْتُ** ضَیَّعْتُ مِنْ عُمُرِی ای فی مُقَابَلَتِہ قال تعالیٰ **كَلَّا** ای لارُجُوعَ **اِنَّہَا** ای رَبِّ ارجِعُون **كَلِمَةٌ ہُوَ قَآئِلُہَا** وَلَا فَائِدَةَ لہٗ فِیہَا **وَمِنْ وَّرَآئِہِمْ** اَمَامِہِمْ **بَرْزَخٌ** حَاجِزٌ یَصُدُّہُمْ عَنِ الرُّجُوعِ **اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ** ﴿۱۰۰﴾ وَلَا رُجُوعَ بَعْدَہٗ **فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ** القَرْنِ النَّفْخَةُ الاولٰی اوالثَّانِیَةُ **فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَہُمْ یَوْمَئِذٍ** یَتَفَاخَرُونَ بِہَا **وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ** ﴿۱۰۱﴾ عنہا خِلَافَ حَالِہِمْ فِی الدُّنْیَا لِمَا یَشْغَلُہُمْ مِنْ عَظَمِ الاَمرِ عَنْ ذٰلِكَ فِی بَعْضِ مَوَاضِعِ القِیٰمَةِ وَفِی بَعْضِہَا یُفِیقُونَ وفی آیَةٍ اُخْرٰی وَاَقْبَلَ بَعْضُہُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُونَ **فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ** بِالحَسَنَاتِ **فَاُولٰٓئِكَ ہُمُ الْمُفْلِحُوْنَ** ﴿۱۰۲﴾ الفَائِزُونَ **وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ** بالسَّیِّئَاتِ **فَاُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَہُمْ** فَہُمْ **فِیْ جَہَنَّمَ خٰلِدُوْنَ** ﴿۱۰۳﴾ **تَلْفَحُ وُجُوْہَہُمُ النَّارُ** تُحْرِقُہَا **وَہُمْ فِیْہَا كٰلِحُوْنَ** ﴿۱۰۴﴾ شُمِّرَتْ شِفَاہُہُمُ العُلْیَا وَالسُّفْلٰی عَنْ اَسْنَانِہِمْ وَیُقَالُ لَہُمْ **اَلَمْ تَكُنْ اٰیٰتِیْ** مِنَ القُرْآنِ **تُتْلٰی عَلَیْكُمْ** تُخَوَّفُونَ بِہَا **فَكُنْتُمْ بِہَا تُكَذِّبُوْنَ** ﴿۱۰۵﴾ **قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَیْنَا شِقْوَتُنَا** وفی قِرَاءَةٍ شَقَاوَتُنَا

بفتح اوّله والِفٍ وهُما مَصدَرانِ بمعنًى **وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ** عَنِ الهِدَايَةِ **رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا** اِلَى المُخَالَفَةِ **فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ قَالَ** لَهُمْ بِلِسَانِ مَالِكٍ بَعْدَ قَدرِ الدُّنيا مَرَّتَيْنِ **اخْسَئُوْا فِيْهَا** اُقْعُدُوْا فِي النَّارِ اَذِلَّاءَ **وَلَا تُكَلِّمُوْنِ** فِي رَفعِ العَذَابِ عَنكُمْ فَيَنقَطِعُ رَجَاؤُهُمْ **اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ** هم المُهَاجِرُوْنَ **يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا** بِضَمِّ السِّينِ وَكَسرِهَا مَصْدَرٌ بِمَعْنَى الهُزْءِ مِنهُمْ بِلَالٌ وصُهَيْبٌ وَعَمَّارٌ وخَبَّابٌ **حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ** فَتَرَكْتُمُوْهُ لِاشْتِغَالِكُمْ بِالاِسْتِهْزَاءِ بِهِمْ فَهُمْ سَبَبُ الاِنْسَاءِ فَنُسِبَ اِلَيْهِمْ **وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ** النَّعِيْمَ المُقِيمَ **بِمَا صَبَرُوْٓا** عَلَى اِسْتِهزَائِكُمْ بِهِمْ وَاذكُمْ اِيَّاهُمْ **اَنَّهُمْ** بكسر الهَمزَةِ **هُمُ الْفَآئِزُوْنَ** بِمَطْلُوبِهِمْ اِسْتِينَافٌ وبِفَتحِهَا مَفعُولٌ ثَانٍ لِجَزَيْتُهُمْ **قٰلَ** تعالى لَهُمْ بِلِسَانِ مَالِكٍ وفي قراءةٍ قُلْ **كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ** فِي الدُّنيَا وفِي قُبُورِكُمْ **عَدَدَ سِنِيْنَ** تَمْيِيزٌ **قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ** شَكُّوا فِي ذٰلِكَ واستَقْصَرُوْهُ لِعِظَمِ مَاهُمْ فِيهِ مِنَ العَذَابِ **فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ** اي المَلَائِكَةَ المُحصِينَ اَعمَالَ الخَلْقِ **قٰلَ** تَعَالَى بِلِسَانِ مَالِكٍ وَفِي قِرَاءَةٍ قُلْ **اِنْ** اي مَا **لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** مِقْدَارَ لُبْثِكُمْ مِنَ الطُّولِ كَانَ قَلِيلًا بِالنِّسْبَةِ اِلَى لُبْثِكُمْ فِي النَّارِ **اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا** لَا لِحِكْمَةٍ **وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ** بِالبِنَاءِ لِلفَاعِلِ وَلِلمَفعُولِ لَابَلْ لِتَتَعَبَّدَكُمْ بِالاَمرِ وَالنَّهيِ وتُرجَعُوا اِلَينَا ونُجَازِيَ عَلَى ذٰلِكَ ومَا خَلَقْتُ الجِنَّ وَالاِنسَ اِلَّا لِيَعبُدُوْنَ **فَتَعٰلَى اللّٰهُ** عَنِ العَبَثِ وَغَيرِهِ مِمَّا لَايَلِيقُ بِهِ **الْمَلِكُ الْحَقُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ** الكُرسِيِّ هُوَ السَّرِيرُ الحَسَنُ **وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ** صِفَةٌ كَاشِفَةٌ لَامَفهُومَ لَهَا **فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ** جَزَاؤُهُ **عِنْدَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ** لَا يَسْعَدُوْنَ **وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ** المُؤْمِنِينَ فِي الرَّحمَةِ زِيَادَةٌ عَلَى المَغفِرَةِ **وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ** افضَلُ.

ترجمہ: آپ دعاء کیجئے کہ اے میرے پروردگار اِمّا اصل میں اِنْ مَا تھا اِنْ شرطیہ کے نون کو مَا زائدہ میں ادغام کردیا جس عذاب کا ان کافروں سے وعدہ کیا جارہا ہے اگر آپ مجھ کو دکھادیں تو اے میرے پروردگار مجھے ان ظالم لوگوں میں شامل نہ کیجئے کہ میں ان کے ساتھ ہلاک کردیا جاؤں اوروہ وعدہ (غزوہ) بدر میں قتل کے ذریعہ صادق آیا اور ہم اس بات پر قادر ہیں کہ جو وعدہ ان سے کررہے ہیں آپ کو دکھلادیں آپ ان کی بدی یعنی آپ کو ایذا رسانی کا دفعیہ ایسے طریقہ سے کردیا کیجئے کہ جو بہت ہی اچھا ہو یعنی ان سے عفو ودرگذر کی خصلت کے ذریعہ اور یہ (عفو ودرگذر) کا حکم جہاد کی اجازت سے پہلے کا ہے ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ کہا کرتے ہیں یعنی تکذیب کرتے ہیں اور باتیں بناتے ہیں ہم ان کو اس کی سزادیں گے اور آپ یوں دعا کیا کیجئے کہ اے میرے رب میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں ان شیطانی خیالات سے کہ جن کے ذریعہ وہ وسوسہ ڈالتے ہیں اور

اے میرے رب میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ شیاطین میرے پاس آئیں یعنی میرے کاموں میں دخل دیں اس لئے کہ وہ بدی ہی کے ساتھ آتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آنے لگتی ہے، حَتّٰی ابتدائیہ ہے اور وہ دوزخ کا اپنا ٹھکانا اور جنت کا اپنا ٹھکانا اگر ایمان لاتا دیکھ لیتا ہے تو (اس وقت) کہتا ہے اے میرے رب آپ مجھے واپس بھیج دیجئے اِرْجِعُوْنِ جمع کا صیغہ تعظیم کے لئے ہے تاکہ جس (دنیا) کو میں چھوڑ آیا ہوں اس میں جا کر نیک عمل کروں یعنی لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دوں تاکہ میری یہ شہادت مافات کی تلافی ہو جائے یعنی جو عمر میں نے ضائع کر دی اس کا عوض ہو جائے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا یعنی رجعت نہیں ہو سکتی، بلاشبہ یہ یعنی ربِّ ارجعون ایک کلمہ ہے جس کو یہ بولے جا رہا ہے اور اس کلمہ کے بار بار کہنے میں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، اور ان لوگوں کے آگے ایک آڑ ہے جو ان کو رجوع سے مانع ہے قیامت کے دن تک اور اس کے بعد رجوع نہیں ہے پھر صور میں پھونکا جائے گا یعنی سینگ (جیسی کسی شئ) میں پہلا نفخہ یا ثانیہ تو اس روز ان کے درمیان رشتے ناتے جن پر یہ لوگ فخر کرتے تھے باقی نہیں رہیں اور نہ کوئی رشتے ناتوں کے متعلق پوچھے گا بخلاف دنیا میں ان کی حالت کے، اس لئے کہ ایک امر عظیم قیامت کے بعض مواقع میں ان کو اس (پوچھ گچھ) سے غافل کر دے گا، اور قیامت کے بعض مواقع میں ان کو افاقہ ہوگا اور ایک دوسری آیت میں ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کریں گے سو جس شخص کا نیکیوں کی وجہ سے پلڑا بھاری ہوگا تو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے اور سیئات کی وجہ سے جس کا پلڑا ہلکا ہوگا سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کر لیا سو وہ جہنم میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے اور آگ ان کے چہروں کو جھلس دے گی یعنی جلا دے گی اور وہ وہاں بدشکل بنے ہوں گے اور ان کے اوپر کے ہونٹ اوپر کو سکڑے ہوئے ہوں گے اور ان کے نیچے کے ہونٹ دانتوں سے نیچے لٹکے ہوئے ہوں گے، ان سے ارشاد ہوگا کیا تم کو قرآن سے میری آیتیں پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں یعنی ان آیات کے ذریعہ تم کو خوف نہیں دلایا جاتا تھا پھر بھی تم ان کی تکذیب کرتے تھے وہ کہیں گے اے ہمارے رب ہماری بدنصیبی ہمارے اوپر غالب آ گئی تھی اور ایک قراءت میں شَقَاوَتُنَا ہے اول کے فتحہ اور الف کے ساتھ اور یہ دونوں مصدر ہیں دونوں کے ایک ہی معنی میں ہیں اور بے شک ہم ہدایت سے بھٹکے ہوئے تھے اے ہمارے پروردگار ہم کو جہنم سے نکال دیجئے پس اگر ہم پھر بھی مخالفت کریں تو بلاشبہ ہم قصوروار ہوں گے دنیا کی دوگنی مقدار کے بعد مالک کی زبانی ارشاد ہوگا ذلت کے ساتھ اسی میں پڑے رہو یعنی ذلت کے ساتھ جہنم میں پڑے رہو، اور مجھ سے اپنے رفع عذاب کے بارے میں کلام مت کرو چنانچہ وہ لوگ مایوس ہو جائیں گے میرے بندوں میں ایک جماعت تھی جو عرض کیا کرتی تھی اور وہ مہاجرین کی جماعت تھی اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے ہیں ہم کو بخش دیجئے اور ہم پر رحمت فرمائیے آپ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے ہیں لیکن تم انہیں مذاق میں اڑاتے رہے سُخْرِیًا سین کے ضمہ اور اس کے کسرہ کے ساتھ بمعنی تمسخر، ان میں بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے یہاں تک کہ ان لوگوں نے تم کو ہماری یاد بھلا دی سو تم نے ان کے استہزاء میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس یاد کو ترک کر دیا تو گویا کہ وہ لوگ بھلانے کا سبب ہوئے اسی وجہ سے بھلانے کی نسبت

ان کی طرف کردی اور تم ان کی ہنسی ہی اڑاتے رہے، میں نے آج ان کو تمہارے استہزاء اور ایذاء پر صبر کرنے کے عوض دائمی نعمتوں کا بدلہ دیدیا بلاشبہ یہی لوگ اپنے مقصد میں کامیاب ہیں اِنّھم کے کسرہ کے ساتھ (اس صورت میں) جملہ مستانفہ ہوگا اور ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ جَزَیْتُھم کا مفعول ثانی ہوگا اللہ تعالیٰ مالک کی زبانی فرمائے گا اور ایک قراءت میں قُلْ ہے کہ تم دنیا میں اور اپنی قبروں میں سالوں کے حساب سے کتنی مدت رہے عَدَدَ سنین، کم کی تمیز ہے (تقدیر عبارت یہ ہے) لبثتم کم عددًا مِنَ السنین وہ جواب دیں گے کہ ہم ایک دن یا ایک دن سے بھی کم رہے ہوں گے وہ اس مدت قیام میں شک کریں گے اور ابتلائے عذاب کے عظیم ہونے کی وجہ سے قیام دنیا کی مدت کو کم سمجھیں گے سو شمار کرنے والوں یعنی مخلوق کے اعمال کو شمار کرنے والے فرشتوں سے معلوم کر لیجئے اللہ تعالیٰ مالک کی زبانی فرمائیں گے اور ایک قراءت میں قُلْ ہے تم تھوڑی ہی مدت رہے ہو کیا اچھا ہوتا کہ تم اپنے طول قیام کی مدت کو جان لیتے جو بہت کم تھی تمہارے جہنم میں قیام کی نسبت سے کیا تم یہ گمان کئے ہوئے تھے کہ ہم نے تم کو بیکار بغیر کسی حکمت کے پیدا کر دیا اور یہ کہ تم ہمارے پاس لوٹ کر نہ آؤ گے ترجعون معروف اور مجہول دونوں ہیں، نہیں بلکہ (ہم نے تم کو اس لئے پیدا کیا) کہ تم کو امر اور نہی کا مکلف بنائیں اور تم ہماری طرف لوٹائے جاؤ اور ہم اس تکلیف پر تم کو جزاء دیں، اور ہم نے جن وانس کو صرف عبادت کرنے کے لئے پیدا کیا ہے سو اللہ تعالیٰ عبث وغیرہ سے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہے برتر ہے، جو کہ بادشاہ حقیقی ہے اس کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں عرش عظیم کا مالک ہے یعنی کرسی کا جو کہ بہترین تخت ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی بندگی کرے گا کہ جس کے معبود ہونے پر اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے آخر، اِلٰهًا کی صفت کاشفہ ہے اس کے مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں، سو اس کا حساب یعنی اس کی جزاء اس کے رب کے یہاں ہوگا یقینًا کافروں کو فلاح نہ ہوگی یعنی سعادتمند نہ ہوں گے اور آپ یوں دعا کیا کیجئے اے میرے رب معاف فرما اور مومنین پر رحم فرما رحمت میں مغفرت کے مقابلہ میں زیادتی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے یعنی رحمت کے اعتبار سے افضل ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہُ: تُرِیَنِّی تو مجھے دکھلائے اِراءۃٌ سے مضارع واحد مذکر حاضر بانون تاکید ثقیلہ مبنی برفتحہ متعدی بدو مفعول بواسطہ ہمزہ ی ضمیر متکلم مفعول اول ما موصولہ مفعول ثانی۔

قِوْلَہُ: فَلَا تَجْعَلْنِی جواب شرط فی بمعنی مع لفظ رَبِّ کا اعادہ تضرع اور عاجزی میں مبالغہ کرنے کے لئے کیا گیا ہے فَاهْلك بِهلَاكِهِمْ جواب نہی ہے۔

قِوْلَہُ: وَاِنَّا علٰی اَنْ نُرِیَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ناصب نا اس کا اسم علٰی حرف جار نُرِیَ فعل بافاعل كَ مفعول اول مَا موصولہ نَعِدُهُمْ جملہ ہو کر صلہ موصول صلہ سے مل کر بتاویل مصدر ہو کر مفعول ثانی نُرِیَ

اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر مجرور ہوا علیٰ جار کا جار مجرور سے مل کر متعلق مقدم ہوا قَادِرُوْنَ کا قادرون اپنے متعلق سے مل کر اِنَّا کی خبر۔

قولہ: ای خَلَّة بمعنی خصلت مفسر علام نے خَلَّة کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ اَلَّتِیْ خَلَّة موصوف مقدر کی صفت ہے اور السَّيِّئَةُ اِدفع کا مفعول بہ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اِدْفَعْ السَّيِّئَةَ بالخصلة التی هی احسن.

قولہ: من الصفح والاعراض عنهم میں مِن بیانیہ ہے اور الصفح الخ خصلة کا بیان ہے۔

قولہ: اَذَاهُمْ ایاكَ، السّيئة کی تفسیر ہے۔

قولہ: هَمَزَات، همزٌ کی جمع ہے شیطانی وسوسے، نفسانی خطرات۔

قولہ: حتّی ابتدائیہ ہے یعنی کلام مابعد کلام ماقبل سے جدا ہے، اس کلام کا مقصد مرنے کے بعد کافروں کا حال بیان کرنا ہے۔

قولہ: الجمع للتعظیم مفسر علام اس عبارت سے ایک سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں، سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کہ مخاطب ہے واحد ہے لہٰذا رَبِّ ارْجِعنِیْ سے خطاب کرنا چاہئے، جواب یہ ہے کہ تعظیماً جمع کا صیغہ لایا گیا ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ اِرْجعونِ میں واؤ تکرار پر دلالت کرنے کے لئے لایا گیا ہے، ای اِرجِعْنِیْ اِرْجعنی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول "اَلقیا فی جهنم" میں الف تکرار کے لئے ہے یعنی اَلْقِ اَلْقِ کی معنی میں ہے، تیسرا جواب یہ ہے کہ جمع کا صیغہ ملائکہ کے اعتبار سے ہے۔

قولہ: وَرَائِهِمْ، هم لِاَحَدهم کی طرف راجع ہے جمع کی ضمیر باعتبار معنی کے ہے اس لئے اَحَدهم معنی میں کلهم کے ہے ماقبل میں واحد کی ضمیریں باعتبار لفظ کے ہیں۔

قولہ: فَلَااَنْسَابَ بَيْنَهُمْ انساب نسب کی جمع ہے بمعنی قرابت، رشتہ داری یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے درمیان نسب اور قرابت تو ثابت شدہ امر ہے اس کی نفی کس طرح صحیح ہے مفسر علام نے يَتَفَاخَرُون کا اضافہ کر کے اس سوال کا جواب دیدیا کہ نسب کی نفی کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ اس کی صفت جو کہ محذوف ہے اس کی نفی مقصود ہے اور وہ یتفاخرون ہے، یعنی دنیا میں جس نسب اور قرابت پر فخر کیا کرتے تھے وہ سب ختم ہو جائیں گے، اس لئے کہ میدان محشر میں ہولناکی اور دہشت کی وجہ سے تراحم اور تعاطف سب ختم ہو جائیں گے، اسی ہولناکی کی منظر کشی کرتے ہوئے دوسری آیت میں فرمایا یَفِرُّ المرأ مِنْ أخیهِ واُمِّهٖ واَبِیهِ وصَاحِبَتِهٖ وبنیهِ.

قولہ: لایتسائلون عنها ای الانساب خِلَافَ حَالهم فی الدنیا ای ذٰلك خِلَافَ حالهم.

قولہ: لِمَا يَشْغُلُهُمْ یہ ولایتسائلون کی علت ہے یعنی یہ عدم تساؤل ان کے اپنے حالات میں مشغول ہونے کی وجہ سے ہوگا۔

قولہ: فِی بعض مواضع القیامة الخ مفسر علام نے اس عبارت سے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے، اعتراض یہ ہے کہ

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے روز محشر میں آپس میں پوچھ گچھ نہیں ہوگی اور ایک آیت میں ہے وَاَقْبَلَ بَعْضُھُمْ علٰی بعضٍ یتساءلون جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ روز محشر میں اوقات اور حالات مختلف ہوں گے، بعض حالات میں جب خوف ودہشت غالب ہوگا تو کوئی کسی کی مزاج پرسی نہ کرے گا اور جب ذرا سہولت ہوگی تو آپس میں خیر خیریت دریافت کریں گے اور مزاج پرسی کریں گے، مطلب یہ ہے کہ نفخۂ اولیٰ کے وقت دہشت غالب ہوگی تو کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا، اور نفخۂ ثانیہ کے بعد جب یک گونہ سہولت ہوجائے گی تو آپس میں ایک دوسرے کو پہچانیں گے بھی اور مزاج پرسی بھی کریں گے۔

قِوْلُہٗ: موازین کو یا تو عظمت کی وجہ سے جمع لایا گیا ہے یا موزون کے مختلف النوع ہونے کی وجہ سے جمع لایا گیا ہے یعنی ہر قسم کے عمل کو وزن کرنے کے لئے الگ قسم کی ترازو ہوگی جیسا کہ دنیا میں مختلف اقسام کو تولنے کے لئے مختلف قسم کی ترازو (مقیاس) ہوتی ہیں، بالحسنات میں باسببیہ ہے یعنی حسنات کے ثقیل اور بوجھل ہونے کی وجہ سے۔

قِوْلُہٗ: فَھُمْ یہ اشارہ ہے کہ فی جھنم، ھُمْ مبتداء محذوف کی خبر ہے زمخشری نے کہا ہے کہ فی جھنم خالدون، الذین خسِرُوْا انفُسھُمْ سے بدل ہے۔

قِوْلُہٗ: تَلْفَحُ جملہ مستانفہ ہے۔

قِوْلُہٗ: شمَّرت، شَمَّر کے معنی آستین وغیرہ چڑھانا، سکڑنا۔

قِوْلُہٗ: والسفلٰی عن اَسْنانھم سے پہلے فعل محذوف ہے ای اِسْتَرْخَت السفلٰی.

قِوْلُہٗ: قال تعالٰی لَھُمْ بلسان مالك، مفسر علام نے اس عبارت سے ایک سوال کا جواب دیا ہے، سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قال کَمْ لبثتم کے ذریعہ کفار سے خطاب کرنا یہ ان سے کلام کرنے کا متقاضی ہے، حالانکہ دوسری آیت میں فرمایا ہے ولا یکلمھم اللّٰہ یہ کلام نہ کرنے کا متقاضی ہے دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے، جواب یہ ہے کہ جس آیت سے کلام نہ کرنا معلوم ہوتا ہے اس کا مطلب ہے کہ براہ راست اور بلا واسطہ ان سے کلام نہ فرمائیں گے، اور جس آیت سے کفار سے کلام کرنا مفہوم ہوتا ہے وہاں بواسطہ مالک کلام کرنا مقصود ہے۔

قِوْلُہٗ: لَوْ اَنّکم کنتم تعلمون مقدار لُبثِکُمْ، لَو امتناعیہ ہے اور تعلمون کا مفعول محذوف ہے مفسر علام نے مقدار لبثکم مقدر مان کر حذف مفعول کی طرف اشارہ کردیا، جواب لَوْ بھی محذوف ہے جس کی طرف مفسر علام نے کان قلیلاً کہہ کر حذف جواب کی طرف اشارہ کردیا ای کان قلیلاً فی علمکم.

قِوْلُہٗ: اَفَحَسِبْتُمْ میں ہمزہ محذوف پر داخل ہے اور فا عاطفہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے کہ أجَھِلْتُم فحسبتُمْ استفہام توبیخ کے لئے ہے۔

قِوْلُہٗ: عَبَثًا یا تو مصدر بمعنی اسم فاعل موقع حال میں واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ای عابثین یا پھر خلقنا کا مفعول لہ ہے۔

قِوْلُہٗ: لا لحکمة یہ عبث کی تفسیر ہے۔

قولہ: أنکم الینا لاترجعون کا عطف أنّما خلقنٰکم پر ہے۔

قولہ: لابل یہ جوابِ استفہام کے طور پر مقدر مانا ہے۔

قولہ: ھو السریر الحسن بعض نسخوں میں یہ عبارت نہیں ہے۔

قولہ: صفة کاشفة لامفھوم لھا مفسر علام کا مقصد اس عبارت سے ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے، اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ وَمَنْ یَدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا آخرَ لابُرْھَانَ لَہٗ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص اللہ کے ساتھ عبادت میں غیر اللہ کو شریک کرے تو وہ بے برہان اور بے سند ہے، اس سے مفہوم مخالف کے طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جو صرف غیر اللہ کی عبادت کرے تو اسکے پاس برہان اور سند ہے حالانکہ یہ بات غلط ہے۔

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ آخرَ، اِلٰھًا کی صفت کاشفہ ہے جو کہ محض وضاحت کے لئے ہوتی ہے اس کے مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہوتا، البتہ صفت مخصصہ کے مفہوم مخالف کا اعتبار ہوتا ہے، صفت کاشفہ تو محض تاکید کے لئے ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول طَائِرٌ یطیرُ بِجَنَاحَیْہِ یَطِیْرُ بجناحَیْہِ طائرٌ کی صفت کاشفہ ہے جو کہ محض تاکید کے لئے ہے اس لئے کہ ہر پرندہ پروں ہی سے اڑتا ہے، پھر یہ کہنا کہ وہ پرندہ جو پروں سے اڑتا ہے کیا معنی؟ لہٰذا وَمَنْ یَدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا آخرَ لَا بُرْھَانَ لَہٗ بِہٖ سے مفہوم مخالف کے طور پر یہ استدلال کرنا کہ اگر کوئی شخص غیر اللہ کی بندگی اشتراکاً کرے تو وہ بے سند اور بے برہان ہو اور اگر افراداً غیر اللہ کی بندگی کرے تو وہ باسند اور با برہان ہو صحیح نہیں ہے۔ (روح البیان)

قولہ: فَاِنَّمَا حِسَابہ عند ربہ یہ جواب شرط ہے۔

قولہ: اِنَّہٗ لایفلحُ الکافرون جمہور کے نزدیک ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ جملہ مستانفہ ہے اور اس میں علت کے معنی ہیں۔

تفسیر و تشریح

قُلْ رَبِّ اِمَّا تُرِیَنِّیْ مَا یُوْعَدُوْنَ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِیْ فِی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ.

ان دونوں آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں مشرکین و کفار پر عذاب کی وعید مذکور ہے جو عام ہے قیامت میں تو اس کا وقوع قطعی اور یقینی ہے دنیا میں بھی واقع ہونے کا احتمال ہے، پھر یہ عذاب اگر دنیا میں ان پر واقع ہو تو اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے بعد آئے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں آپ ہی کے سامنے ان پر اللہ کا عذاب آجائے، اور دنیا میں جب کسی قوم پر عذاب آتا ہے تو بعض اوقات اس عذاب کا اثر صرف ظالموں ہی پر نہیں رہتا بلکہ نیک لوگ بھی اس سے دنیاوی تکلیف سے متاثر ہو جاتے ہیں گو آخرت میں ان کو کوئی عذاب نہ ہو بلکہ اس دنیا کی تکلیف پر جوان کو پہنچتی ہے اجر بھی ملے، قرآن کریم کا ارشاد ہے اِتَّقُوْا فِتْنَۃً لاتصیبنّ الذین ظلموا منکم خاصَّۃً یعنی ایسے عذاب سے ڈرو جو اگر آگیا تو صرف ظالموں ہی تک نہیں رہے گا دوسرے لوگ بھی اس کی لپیٹ میں آئیں گے۔

ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا تلقین فرمائی گئی ہے کہ یا اللہ اگر ان لوگوں پر آپ کا عذاب میرے سامنے اور

میرے دیکھتے ہوئے ہی آنا ہے تو مجھے ان ظالموں کے ساتھ نہ رکھئے، رسول اللہ ﷺ کا معصوم اور عذاب الٰہی سے محفوظ ہونا اگرچہ آپ کے لئے یقینی تھا مگر پھر بھی اس دعا کی تلقین اس لئے فرمائی گئی کہ ہر حال میں اپنے رب کو یاد رکھیں اس سے فریاد کرتے رہیں تا کہ آپ کا اجر بڑھے۔ (قرطبی بحوالہ معارف)

وَاِنَّا عَلٰی اَنْ نُرِیَکَ مَانَعِدُھُمْ لَقٰدِرُوْنَ (الآیہ) یعنی ہم کو قدرت ہے کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے دنیا ہی میں ان کو سزا دیں لیکن آپ کے مقام بلند اور اعلیٰ اخلاق کا مقتضی یہ ہے کہ ان کی برائی کو بھلائی سے دفع کریں جہاں تک اس طرح دفع ہو سکتی ہو اور ان کی بیہودہ بکواس سے مشتعل نہ ہوں ان کو ہم خوب جانتے ہیں، وقت پر کافی سزا دی جائے گی آپ کی چشم پوشی اور نرم برتاؤ کا یہ اثر ہوگا کہ بہت سے لوگ گرویدہ ہو کر آپ کی طرف مائل ہوں گے اور دعوت واصلاح کا مقصود حاصل ہوگا، اس آیت میں آپ ﷺ کو مکارم اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے جو ہر مسلمان کو باہم معاملات میں ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہئے، البتہ کفار ومشرکین سے ان کے مظالم کے مقابلہ میں عفو و درگذر ہی کرتے رہنا، ان پر ہاتھ نہ اٹھانا یہ حکم آیات جہاد سے منسوخ ہو گیا مگر عین حالت جہاد میں بھی اس حسن خلق کے بہت سے مظاہر باقی رکھے گئے کہ عورت کو قتل نہ کیا جائے بچہ کو قتل نہ کیا جائے، جو مذہبی لوگ مسلمانوں کے مقابلہ میں جنگ میں شریک نہ ہوں ان کو قتل نہ کیا جائے، اور جس کو بھی قتل کریں اس کو مثلہ (مسخ) نہ کریں کہ ناک کان وغیرہ کاٹ لیں، اس لئے بعد کی آیت میں آنحضرت ﷺ کو شیطان اور اس کے وساوس سے پناہ مانگنے کی دعا کی تلقین کی گئی کہ عین میدان قتال میں بھی آپ کی طرف سے عدل وانصاف اور مکارم اخلاق کے خلاف کوئی کام شیطان کے غصہ دلانے سے صادر نہ ہو، شیطان کے شر اور اس کے وسوسوں سے بچنا انسان کے بس کی بات نہیں جب تک خدا کی مدد شامل حال نہ ہو اس لئے اس کا علاج صرف استعاذہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجانا تا کہ وہ قادر مطلق شیطان کی چھیڑ خانی اور شر سے محفوظ رکھے، حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ شیطان کی چھیڑ یہ ہے کہ دین کے سوال وجواب میں بے موقع غصہ چڑھے اور لڑائی ہو پڑے، اسی پر فرمایا برے کا جواب دے اس سے بہتر اور کسی حال میں بھی شیطان کو میرے پاس نہ آنے دیجئے کہ مجھ پر وہ اپنا وار کر سکے۔

مجرب عمل:

حضرت خالد بن ولید رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کو رات کو نیند نہ آتی تھی رسول اللہ ﷺ نے ان کو یہ کلمات دعا تلقین فرمائے کہ یہ پڑھ لیا کریں چنانچہ حضرت خالد رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے پڑھنا شروع کیا تو یہ شکایت جاتی رہی وہ دعا یہ ہے اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ التَّامَّۃِ مِنْ غَضَبِ اللّٰہِ وَعِقَابِہٖ وَمِنْ شَرِّ عِبَادِہٖ وَمِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیْطٰنِ وَاَنْ یَحْضُرُوْنِ. (معارف)

رَبِّ ارْجِعُوْنِ یعنی موت کے وقت کافر پر جب آخرت کا عذاب سامنے آنے لگتا ہے تو وہ تمنا کرتا ہے کہ کاش میں پھر دنیا میں لوٹ جاؤں اور نیک عمل کر کے اس عذاب سے نجات حاصل کروں۔

ابن جریر نے بروایت ابن جریج نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ موت کے وقت مومن جب رحمت کے فرشتے اور رحمت کا سامان سامنے دیکھتا ہے تو فرشتے اس سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا تم چاہتے ہو کہ پھر تمہیں دنیا میں واپس کر دیا جائے

تو وہ کہتا ہے کہ میں اس غموں اور تکلیفوں کے عالم میں جا کر کیا کروں گا مجھے تو آپ اللہ کے پاس لے جائیے اور جب کافر سے پوچھتے ہیں تو وہ کہتا ہے ''رَبِّ ارْجِعُوْنِ'' یعنی مجھے دنیا میں لوٹا دو۔

كَلَّا اِنَّهَا كلمة هو قائلها (الآيه) برزخ کے لفظی معنی حاجز اور فاصل کے ہیں اس لئے موت کے بعد قیامت اور حشر تک کے زمانہ کو برزخ کہا جاتا ہے کہ یہ دنیوی حیات اور اخروی حیات کے درمیان حد فاصل ہے، آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب مرنے والا کافر فرشتوں سے دوبارہ دنیا میں بھیجنے کے لئے کہتا ہے تو وہ اپنی زبان سے بار بار ''رب ارجعون'' کا کلمہ دہراتا ہے مگر اس کلمہ کا کوئی فائدہ اب اس لئے نہیں کہ اب وہ برزخ میں پہنچ چکا ہے جس کا قانون یہ ہے کہ برزخ سے لوٹ کر کوئی دنیا میں نہیں آتا اور بعث ونشر سے پہلے دوسری زندگی نہیں ملتی۔ (واللہ اعلم)۔

فاذا نفخ فی الصور قیامت کے روز صور دو مرتبہ پھونکا جائے گا، نفخہ اولیٰ اس کا اثر یہ ہوگا کا سارا عالم زمین وآسمان اور جو کچھ ان میں ہے فنا ہو جائے گا، اور نفخہ ثانیہ سے تمام مردے زندہ ہو جائیں گے، قرآن کریم کی آیت ''ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ اخرىٰ فَاِذَا هُمْ قيام ينظرون'' میں اس کی تصریح موجود ہے۔

محشر میں مومنین اور کفار کے حالات میں فرق:

فلا انساب بینهم یعنی میدان حشر میں نسبی رشتے اور قرابتیں کام نہ آئیں گی اسی مضمون کو قرآن کریم کی ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے ''يوم يَفِرُّ المرءُ مِن اخيه وأمه وابيه وصاحبته وبنيه'' مگر یہ حال کافروں کا ذکر کیا گیا ہے، مومنین کا یہ حال نہ ہوگا کیونکہ مومنین کا حال خود قرآن کریم نے یہ ذکر کیا ہے ''الحقنا بهم ذريتهم'' یعنی مومنین وصالحین کی اولاد کو بھی اللہ تعالیٰ (بشرط ایمان) اپنے آباء صالحین کے ساتھ لگا دیں گے، بعض احادیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن سارے رشتے ناتے اور دامادی کے تعلقات ختم ہو جائیں گے (یعنی کام نہ آئیں گے) اِلا نسبی وصهری بجز میرے نسب اور صہر کے۔ معلوم ہوا کہ آپ کے تعلقات عموم سے مستثنیٰ ہیں، اسی حدیث کو سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ام کلثوم بنت علی سے نکاح کیا اور چالیس ہزار درہم مہر ادا کیا، ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز جس وقت سب لوگ پیاس کی وجہ سے بے قرار ہوں گے تو مسلمان بچے جو نابالغی کی حالت میں مر گئے تھے وہ جنت کا پانی لئے ہوئے نکلیں گے لوگ ان سے پانی مانگیں گے تو وہ کہیں گے کہ ہم تو اپنے ماں باپ کو تلاش کر رہے ہیں یہ پانی ان کے لئے ہے۔

(رواه ابن ابی الدنیا عن عبدالله بن عمرو عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مظهری)

بقیہ آیات کی تفسیر تحقیق وترکیب کے زیر عنوان گذر چکی ہے۔

سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّسِتُّوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثِنْتَانِ اَوْ اَرْبَعٌ وَّسِتُّوْنَ آيَةً.

سورۂ النور مدنی ہے۔ اور اس میں ۶۲ یا ۶۴ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ هذِهٖ **سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا** مُخَفَّفًا ومُشَدَّدًا لِكَثْرَةِ المَفْرُوْضِ فيها **وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ** واضحات الدَّلالة **لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ** ۝۱ بِادغام التاءِ الثانيةِ فى الذَّالِ تَتَّعِظُوْنَ **اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ** اى غيرُ المُحْصِنَيْنِ لِرَجْمِهِمَا بالسُّنَّة وال فيما ذكر موصولة وهو مبتدأٌ ولِشِبْهِهٖ بالشَّرْطِ دخلتِ الفاءُ فِى خَبرِهٖ وهو **فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ** اى ضربةٍ يقال جَلَدَه ضَرَبَ جِلْدَهٗ ويُزاد على ذٰلك بِالسُّنَّةِ تغريبُ عام والرقيقُ على النصف ممَّا ذكر **وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ** اى حُكْمِهٖ بِاَنْ تَتركوا شَيئًا مِنْ حدّهما **اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ** اى يوم البَعْثِ فى هٰذا تحريضٌ على ماقَبْلَ الشرطِ وهُوَ جوابُه او دالٌّ على جوابِهٖ **وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا** اى الجَلْدَ **طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ** ۝۲ قِيل ثلاثةٌ وقيل اربعةٌ عددُ شهودِ الزِّنا **اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ** يَتزوَّجُ **اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۘ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ** اى المناسب لكل منهما ما ذُكر **وَحُرِّمَ ذٰلِكَ** اى نكاحُ الزوانى **عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ** ۝۳ الاخيارِ نزل ذٰلِكَ لَمَّا هَمَّ فقراءُ المهاجرين ان يَتزوَّجُوْا بغايا المشركين وهُنَّ موسراتٌ لِيُنفِقْنَ عليهم فقيل التحريم خاص بهم وقيل عامٌّ ونُسِخَ بقوله تعالى وَاَنْكِحُوا الاَيَامٰى منكم **وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ** العفيفاتِ بالزنا **ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ** على زناهنَّ برُؤيَتِهم **فَاجْلِدُوْهُمْ** اى كُلَّ واحدٍ منهم **ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً** فى شئ **اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ** ۝۴ لِاتيانِهم كَبيرَةً **اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ** عَمَلَهُمْ **فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ** لهم قَذْفَهُمْ **رَّحِيْمٌ** ۝۵ بهم بِالهَامِهِمُ التَّوبَةَ فبها يَنْتَهِىْ فِسْقُهم وتُقبلُ شهادتُهم وقيل لاتقبل رجوعًا بالاستثناءِ الى الجملة الاَخِيرَةِ **وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ** بالزنا **وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ** عليه **اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ** وقع ذٰلك لجماعة من الصحابة **فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ** مبتدأ **اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ** نصبٌ على المصدر **بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ** ۝۶ فيما رَمٰى به زَوْجَتَه مِنَ الزنا **وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ** ۝۷ فِىْ ذٰلِكَ وخبرُ المبتدأ

یَدفعُ عنہ حَدَّ القَذفِ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ ای حَدَّ الزِّنا الذی ثَبَتَ بِشَہادَاتِہٖ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ فیما رَمَاہَا بہٖ مِنَ الزِّنا وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ فی ذٰلک وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ بالسَّترِ فی ذٰلک وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ بِقُبُوْلِہِ التوبۃَ فی ذٰلک وغیرِہٖ حَكِيْمٌ فیما حَکَمَ بہ فی ذٰلک وغیرِہٖ لبَیَّنَ الحقَ فی ذٰلک وعَاجَلَ بِالعُقُوبَۃِ من یستحقُّھا.

ترجمہ: یہ ایک سورۃ ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے اور (اس کے احکام) کو مقرر کیا ہے تخفیف اور تشدید کے ساتھ (مشدد سے اشارہ کثرت احکام کی طرف ہے) اس لئے کہ اس سورت میں احکام کثرت سے ہیں اور ہم نے اس (سورت) میں صاف صاف احکام نازل کئے ہیں جو کہ واضح الدلالت ہیں تا کہ تم یاد رکھو تا ثانیہ کو ذال میں ادغام کر کے، تا کہ تم نصیحت حاصل کرو زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد جو کہ شادی شدہ نہ ہو، اس لئے کہ شادی شدہ مرد عورت کے لئے رجم ثابت ہے، اور الف لام (الزانیۃ اور الزانی) میں موصولہ (بمعنی الذی ہے) اور وہ مبتداء ہے اور اس کے مشابہ بالشرط ہونے کی وجہ سے اس پر فا داخل ہے اور وہ (خبر) فاجلدوا ہے ہر ایک کو ان میں سے سو سو کوڑے مارو یعنی کوڑے کی مار مارو کہا جاتا ہے جَلَدَهٗ ضَرَبَ جلدهٗ اور زیادہ کیا جائے گا اس پر ایک سال کی جلاوطنی کو حدیث کی وجہ سے اور غلام کو مذکور (سزا) کی آدھی سزا ہے اور تم لوگوں کو ان دونوں پر اللہ کے معاملہ میں ذرا رحم نہ آنا چاہئے بایں طور کہ ان کی سزا میں سے کچھ چھوڑ دو اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو یعنی یوم بعث پر اس میں آمادہ کرنا ہے ماقبل شرط پر اور وہ جواب شرط ہے یا دال علی جواب الشرط ہے اور دونوں کی سزا کے وقت کوڑے لگاتے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہئے کہا گیا ہے کہ تین ہوں اور کہا گیا ہے چار ہوں جو کہ زنا کے گواہوں کی تعداد ہے، زانی مرد بجز زانیہ یا مشرکہ عورت کے اور سے عقد نکاح نہیں کرتا اور زانیہ بھی بجز زانی یا مشرک کے اور سے نکاح نہیں کرتی یعنی دونوں میں سے ہر ایک کے مناسب وہی ہے جو مذکور ہوا اور یہ یعنی زانیوں کا نکاح بھلے مومنوں پر حرام کر دیا گیا ہے یہ (حکم) اس وقت نازل ہوا جب فقراء مہاجرین نے یہ ارادہ کیا کہ زوانی مشرکات سے نکاح کریں حال یہ ہے کہ وہ مالدار تھیں تا کہ ان پر وہ خرچ کریں، کہا گیا ہے کہ تحریم انہیں کے ساتھ خاص ہے اور کہا گیا ہے کہ عام ہے (مگر) اللہ تعالیٰ کے قول وَانْکِحُوا الایامی منکم کے ذریعہ یہ منسوخ کر دی گئی اور جو لوگ تہمت لگائیں پاکدامن عورتوں پر زنا کی، اور ان کے زنا پر چشم دید چار گواہ نہ لا سکیں تو مار وان میں سے ہر ایک کو اسی کوڑے اور نہ قبول کرو ان کی شہادت کسی معاملہ میں کبھی بھی اور یہ لوگ فاسق ہیں، مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ کر لیں اور اپنے اعمال کی اصلاح کر لیں، تو اللہ تعالیٰ ضرور مغفرت کرتے ہیں ان کے بہتان لگانے کو اور ان کے دل میں توبہ کا الہام کر کے رحمت کرنے والے ہیں سو اس توبہ کے ذریعہ ان کا فسق ختم ہو جائے گا اور ان کی شہادت قبول کی جائے گے اور کہا گیا ہے کہ قبول نہیں کی جائے گی استثناء کو جملہ اخیرہ (یعنی اولئك هم الفاسقون) کی طرف راجع کرتے ہوئے اور وہ لوگ جو اپنی بیبیوں کو زنا کی تہمت

لگائیں اوران کے پاس زنا پر اپنے سوا گواہ نہ ہوں، تو ایسے شخص کی گواہی کی یہ صورت ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ یقیناً میں سچا ہوں اور قذف کا یہ معاملہ صحابہ کی ایک جماعت کو پیش آیا تھا شھادۃ احدھم مبتداء ہے (اربعَ شَھاداتٍ) مصدریت (یعنی مفعول ہونے کی) وجہ سے منصوب ہے، اس تہمت زنا میں جو میں نے اپنی بیوی پر لگائی ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ مجھ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں اس تہمت میں جھوٹا ہوں اور مبتداء کی خبر یَدْفَعُ عنہ حدَّ القذفِ (محذوف) ہے اور اس عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے یعنی وہ حد زنا جو اس کے شوہر کی شہادت سے ثابت ہوئی ہے کہ وہ چار مرتبہ قسم کھا کر کہے کہ بے شک یہ مرد اس تہمت زنا میں جو اس نے اسے لگائی ہے جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کا غضب ہو اگر یہ مرد اس تہمت لگانے میں سچا ہو اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کا تم پر فضل اور اس کا کرم ہے اس معاملہ میں پردہ پوشی کر کے اور یہ کہ اللہ اس معاملہ میں اور دیگر معاملوں میں توبہ کو قبول کر کے بہت زیادہ توبہ کا قبول کرنے والا (ورنہ تو تم بڑی مضرتوں میں پڑ جاتے) اور حکمت والا ہے جو بھی اس نے اس معاملہ میں اور دیگر معاملات میں حکم صادر فرمایا ہے اس معاملہ میں حق کو بیان فرما دیا اور مستحق عقوبت کے لئے سزا میں جلدی فرمائی۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: ھٰذِہٖ سُوْرَۃٌ اَنْزَلْنَاھَا وَفَرَضْنَاھَا ، ھٰذِہٖ کی تقدیر سے اشارہ کر دیا کہ سورۃ مبتداء محذوف کی خبر ہے ھذہ کا مرجع اگرچہ سابق میں مذکور نہیں ہے مگر چونکہ ذکر کے قریب ہے جو کہ حاضر کے حکم میں ہے لہٰذا اضمار قبل الذکر کا شبہ لازم نہیں آتا (جمل) اور یہ بھی صحیح ہے کہ سورۃ مبتداء ہو اور جملہ اَنْزَلْنَاھَا اس کی صفت اور اسی صفت کی وجہ سے نکرہ کا مبتداء بننا درست ہے، اس کی خبر میں دو صورتیں ہیں اول یہ کہ الزانیۃ والزانی جملہ ہو کر خبر ہو، جیسا کہ ابن عطیہ کا یہی خیال ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ خبر محذوف ہو ای فیما یُتلٰی علیکم بعدُ سورۃٌ، اَنْزَلْنَا کا تکرار کمال اہتمام اور غایت اعتناء کی وجہ سے ہے۔

قولہ: آیاتٍ بیناتٍ سے مراد دلائل وحدانیت ہیں، اس سورت کے شروع میں حدود اور چند احکام کا ذکر فرمایا ہے اور آخر سورت میں دلائل توحید ذکر فرمائے ہیں۔

قولہ: فَرَضْنَا سے احکام کی طرف اشارہ ہے اور۔

قولہ: وانزلنا فیھا آیاتٍ بیناتٍ سے ادلہ کی طرف اشارہ ہے۔

قولہ: یتذکرون اولاً تا کو قریب المخرج ہونے کی وجہ سے دال سے بدلا پھر دال کو ذال سے بدلا اور ذال کو ذال میں ادغام کر دیا، یَذَّکَّرون ہو گیا۔

قولہ: الزانیۃ والزانی مبتداء ہے اور اس کی خبر محذوف ہے، ای فیما یُتلٰی علیکم بعدُ یا پھر فاجلدوا خبر ہے اور مبتداء کی متضمن بمعنی الشرط ہونے کی وجہ سے خبر پر فا داخل ہے الزانیۃ والزانی میں الف لام چونکہ بمعنی الذی اسم موصول

ہے جس کی وجہ سے مبتداء متضمن بمعنی الشرط ہے جب مبتداء متضمن بمعنی الشرط ہو تو خبر متضمن بمعنی الجزاء ہوتی ہے جس کی وجہ سے خبر پر فا داخل ہوتی ہے۔

قَوْلُہٗ: فی ھٰذا تحریض علی ماقبل الشرط الخ اللہ تعالیٰ کے قول ان کنتم تؤمنون باللّٰہ (الآیة) اس آیت میں ماقبل شرط یعنی ولا تاخذکم بھما رأفة پر آمادہ کرنا ہے یعنی اگر تمہارے اندر ایمان ہے تو اللہ کے احکام کے بارے میں کسی کی رعایت نہ کرو اور نہ کسی پر رحم و ترس کھاؤ، اہل کوفہ ولا تاخذکم بھما رأفة (الآیہ) کو جزاء مقدم مانتے ہیں اور اہل بصرہ جزاء کو محذوف مانتے ہیں اور مذکورہ آیت کو دال بر جزاء مانتے ہیں، جو الفاظ دال بر جزاء ہیں وہی جزاء محذوف ہوگی۔

قَوْلُہٗ: وَلْیَشْھَدْ امر ندب کے لئے ہے۔

قَوْلُہٗ: قیل ثلاثة وقیل اربعة مذکورہ دونوں قول امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے ہیں، یعنی کوڑے مارنے کے وقت تین یا چار اشخاص موجود رہیں امام مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا کہ چار یا اس سے زیادہ ہونے چاہئیں، امام نخعی اور مجاہد نیز امام احمد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا کہ کم از کم دو آدمی ہونے چاہئیں۔

قَوْلُہٗ: المناسب لکل منھما یہ ان لوگوں کے لئے زجر و تنبیہ ہے جو زوانی سے نکاح کا ارادہ رکھتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: الاَیَامٰی اَیِّمٌ کی جمع ہے غیر شوہر دار عورت کو کہتے ہیں خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ اور غیر بیوی دار مرد کو کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: والذین یَرْمون المحصنٰت مبتداء ہے، اس کی تین خبریں ہیں ① فاجلدوھم ثمانین جَلْدَةً ② ولاتقبلوا لھم شھادةً ابدًا ③ واولئك ھم الفٰسقون.

قَوْلُہٗ: الا الذین تابوا (الآیة) امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک یہ استثناء ماقبل کے دونوں جملوں یعنی لاتَقْبَلُوا لھم شھادة اور اولئك ھم الفاسقون سے ہے لہٰذا اگر کسی عفیف یا عفیفہ کو زنا کی تہمت لگانے والا سچے دل سے توبہ کرلے اور آئندہ کے لئے اپنے اعمال کی اصلاح کرلے تو ان حضرات کے نزدیک اس شخص کی آئندہ شہادت بھی قبول کی جائے گی اور فسق بھی ختم ہوجائے گا، امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک استثناء جملہ اخیرہ یعنی اولئك ھم الفاسقون کی طرف راجع ہے، لہٰذا زنا کی تہمت لگانے والے کا فسق تو ختم ہوجائے گا مگر اس کی شہادت قبول نہ ہوگی۔

قَوْلُہٗ: وقع ذٰلك لجماعة من الصحابة یعنی بیوی کو زنا کی تہمت لگانے کا معاملہ تین صحابہ کے ساتھ پیش آیا تھا ① ھلال بن امیه ② عویمر العجلانی ③ عاصم بن عدی. (حمل)

قَوْلُہٗ: فَشَھَادَةُ اَحَدِھِمْ اس کے مرفوع ہونے کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں ① یہ کہ مبتداء ہو اور اس کی خبر محذوف ہو خواہ مقدم جیسے فَعَلَیْھِمْ شھادَةُ اَحَدِھِمْ یا مؤخر ہو جیسا کہ فَشَھَادَةُ اَحَدِھِمْ کائنةً ② مبتداء محذوف کی خبر ہو ای فالواجب شھادةُ احدھم ③ فعل مقدر کا فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہو، ای فَیَکْفِیْ شَھَادَةُ اَحَدِھِمْ ایک چوتھی ترکیب مبتداء خبر ہونے کی وہ بھی ہے جس کو علامہ محلی نے اختیار کیا ہے یعنی فشھادةُ احدِھم اربعُ شھاداتٍ

مبتداء، تدفع عنه حدَّ القذفِ ہے اس کی خبر ہے، مگر قاضی ثناء اللہ نے اس صورت کو قیل سے ذکر فرمایا ہے جو کہ ضعف کی طرف اشارہ ہے، جمہور نے اَرْبَعَ کو مصدریت یعنی مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب پڑھا ہے اور عامل مصدر شھادة ہے اور اَرْبَعَ موصوف محذوف کی صفت ہے ای فشھادة احدِھم شھادةً اربعَ شھاداتٍ بِاللّٰهِ.

خُلاصَہ: فَشَھَادَةُ اَحَدِھِمْ مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے ای یَشْھد احدُھم اس کے مرفوع ہونے کی دو صورتیں ہیں ① مبتداء محذوف کی خبر ہو، تقدیر عبارت یہ ہوگی فَالوَاجِبُ شَھَادَةُ اَحَدِھِمْ ② فشھادةُ اَحدِھم مبتداء اور اس کی خبر محذوف، تقدیر عبارت یہ ہوگی فَعَلَيْھِم شھادةُ احدھم.

قَوْلُہٗ: اَرْبَعُ مبتداء کی خبر ہونے کی وجہ سے رفع کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے فشھادةُ احدِھم مبتداء اَرْبعُ شھاداتٍ باللّٰه اس کی خبر، اس صورت میں حذف کی ضرورت نہیں۔

جمہور کے نزدیک اَرْبَعَ نصب کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، ای اَنْ یشھد احدُھم اربَعَ شَھَاداتٍ.

قَوْلُہٗ: بِاللّٰهِ بصریین کے نزدیک شھاداتٍ سے متعلق ہے قرب کی وجہ سے اور کوفیین کے نزدیک شھادة سے متعلق اس لئے کہ وہ مقدم ہے۔

قَوْلُہٗ: اِنَّہٗ یہ شہادۃ یا شہادات کا معمول ہے ای یشھدُ علیٰ اَنَّہٗ صادقٌ علیٰ کو حذف کر دیا گیا اَنَّ کے فتحہ کو کسرہ سے بدل دیا گیا، اور عامل کو لام تاکید کی وجہ سے عمل سے روک دیا گیا۔

قَوْلُہٗ: وَالخَامِسَةُ مبتداء ہے اور ان لعنة اللّٰه علیه اس کی خبر ہے تقدیر عبارت یہ ہے والشھادة الخامسة أن لعنة اللّٰهِ علیه.

قَوْلُہٗ: أن تشْھَدَ یہ یَدْرَءُ کا فاعل ہے۔

قَوْلُہٗ: لولا فضل اللّٰهِ لو لا کا جواب محذوف ہے ای لو لا فضل اللّٰهِ لَفَضَحَکُمْ او لَھَلَکْتُمْ.

تَفسِیر وتَشریح

اس سورۃ کی پہلی آیت تو بطور تمہید کے ہے جس سے اس سورۃ میں بیان کردہ احکام کا خاص اہتمام بیان کرنا مقصود ہے، بدکاری کی سزا ابتداء اسلام میں عبوری طور پر جو بیان کی گئی تھی وہ سورۂ نساء آیت ۱۵/۱۶ میں بیان ہوئی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اس کے لئے جب تک مستقل سزا مقرر نہ کی جائے سر دست ان بدکار عورتوں کو گھروں میں بند رکھو وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَائِکُمْ (الآیہ) ان آیتوں میں ایک تو ثبوتِ زنا کا خاص طریقہ چار مردوں کی شہادت کا ہونا بیان فرمایا ہے دوسرے بطور سزا عورت کو گھر میں قید رکھنا اور زانی وزانیہ کو ایذاء پہنچانا مذکور ہے اور ساتھ ہی اس میں یہ بیان کر دیا گیا ہے کہ یہ حکم آخری نہیں ہے آئندہ کچھ اور حکم آنے والا ہے جس کی طرف او یَجْعَلَ اللّٰہُ لَھُنَّ سَبِیْلًا سے اشارہ فرمادیا، جب سورۂ نور کی یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا اس کے مطابق زانی اور زانیہ کی مستقل سزا مقرر کر دی گئی

ہے وہ تم مجھ سے سیکھ لو اور وہ یہ ہے کہ کنوارے مرد اور عورت کے لئے سو سو کوڑے اور شادی شدہ مرد و عورت کے لئے سنگساری کے ذریعہ مار دینا ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الحدود باب حد الزنا)

چار جرموں کی سزا خود شارع نے متعین کی ہے اس کو قاضی یا حاکم کے حوالہ نہیں فرمایا:

قرآن کریم اور احادیث متواترہ نے چار جرائم کی سزا اور اس کا طریقہ خود متعین کر دیا ہے کسی قاضی یا امیر کی رائے پر نہیں چھوڑا انہیں متعینہ سزاؤں کو اصطلاح میں ''حدود'' کہا جاتا ہے، ان کے علاوہ جن سزاؤں کو قاضی یا امیر کی رائے پر چھوڑا ہے کہ مجرم کی حالت اور جرم کی حیثیت ماحول وغیرہ کے مجموعہ پر نظر رکھ کر جس قدر سزا دینے کو انسداد جرم کے لئے کافی سمجھے وہ سزا دے سکتا ہے ایسی سزاؤں کو شریعت کی اصطلاح میں ''تعزیرات'' کہا جاتا ہے۔

قرآن کریم نے زانی اور زانیہ کی سزا کو اس طرح بیان فرمایا ہے **الزانية والزانی فاجلدوا كل واحد منهما مأة جلدة** اس میں زانیہ کو مقدم اور زانی کو مؤخر رکھا گیا ہے عام قرآنی اسلوب یہ ہے کہ قرآن عام طور پر مردوں کو مخاطب کرتا ہے عورتیں اس میں خود بخود شامل ہو جاتی ہیں یا **ایُّها الذين آمنوا** جیسے الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے، مگر یہاں نہ صرف یہ کہ مردوں کو مخاطب نہیں کیا گیا بلکہ عورتوں کو مقدم اور مردوں کو مؤخر رکھا گیا ہے، شاید حکمت اس میں یہ ہو کہ فعل زنا ایک ایسی بے حیائی ہے جس کا صدور عورت کی طرف سے ہونا انتہائی بے باکی اور بے حیائی سے ہو سکتا ہے کیونکہ قدرت نے فطری طور پر اس کی فطرت میں ایک حیا رکھی ہے اور اپنی عفت کی حفاظت کا ایک جذبہ رکھا ہے ایسی صورت میں اس کی طرف سے اس فعل کا صدور بہ نسبت مرد کے زیادہ اشد ہے۔

فاجلدوا یہ جَلْدٌ سے مشتق ہے اس کے معنی کوڑے مارنا ہیں کوڑا چونکہ عموماً چمڑے سے بنایا جاتا ہے اس لئے اس کو جلدۃ کہتے ہیں، بعض مفسرین نے فرمایا کہ لفظ جَلد سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ کوڑوں کی ضرب کا اثر صرف جِلد تک رہنا چاہئے گوشت تک نہ پہنچا جائے، خود رسول اللہ ﷺ نے کوڑے لگانے کی سزا میں توسط اور اعتدال کی تلقین فرمائی ہے کہ کوڑا نہ بہت سخت ہو جس سے گوشت تک ادھڑ جائے اور نہ بہت نرم ہو کہ اس سے کوئی خاص تکلیف ہی نہ پہنچے، سورۂ نور کی اس آیت نے مرد و عورت کی سزا سو کوڑے مقرر فرما دی، حضرت ابن عباس رَضِّیَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے سو کوڑے مارنے کی سزا غیر شادی شدہ مرد و عورت کے لئے مخصوص قرار دے کر فرمایا یعنی **الرجم للثیب و الجلد للبکر**.

(صحیح بخاری کتاب التفسیر ص٦٥٧)

سورۂ نور کی مذکورہ آیت میں تو بغیر کسی تفصیل کے زنا کی سزا سو کوڑے مذکور ہے اس سزا کا غیر شادی شدہ مرد و عورت کے ساتھ مخصوص ہونا اور شادی شدہ کے لئے سنگساری کی سزا حدیث میں مذکور ہے، صحیح مسلم، مسند احمد، سنن نسائی، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ میں حضرت عبادہ بن صامت رَضِّیَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت سے اس طرح منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

خذوا عنی خذوا عنی قد جعل اللّٰہ لھُنَّ سبیلا البکر بالبکر جلد مأۃ وتغریب عام و الثیب بالثیب جلد مأۃ و الرجم.

مجھ سے علم حاصل کرلو کہ اللہ تعالیٰ نے زانی مرد وزانی عورت کے لئے وہ سبیل جس کا وعدہ سورۂ نساء میں ہوا تھا اب سورۂ نور میں پورا فرمادیا وہ یہ ہے کہ غیر شادی شدہ مرد وعورت کے لئے سو کوڑے اور سال بھر جلاوطنی اور شادی شدہ مرد وعورت کے لئے سو کوڑے اور رجم۔

غیر شادی شدہ مرد وعورت کے لئے سورۂ نور میں جو سو کوڑوں کی سزا کا ذکر ہے ایک حدیث میں اس کے ساتھ ایک مزید سزا یعنی مرد کے لئے ایک سال کی جلاوطنی بھی مذکور ہے، فقہاء کا اس بات میں اختلاف ہے کہ ایک سال کی جلاوطنی کی سزا سو کوڑوں کی طرح لازمی ہے یا پھر قاضی کی صواب دید پر موقوف ہے امام صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے نزدیک قاضی کی صوابدید پر موقوف ہے، اس حدیث میں دوسری بات یہ بھی ہے کہ شادی شدہ مرد وعورت کے لئے سنگساری سے پہلے سو کوڑوں کی سزا بھی مذکور ہے، مگر دوسری روایات حدیث اور نبی کریم ﷺ اور اکثر خلفاء راشدین کے تعامل سے ثابت یہ ہے کہ یہ دونوں سزائیں جمع نہیں ہوں گی شادی شدہ پر صرف سزائے سنگساری جاری کی جائے گی، مگر یہ حدیث چونکہ سورۂ نور کی آیت کی تفسیر ہے جس میں مذکورہ سزا اور مزید برآں ایک سال کی جلاوطنی اور شادی شدہ کے لئے رجم مذکور ہے لہٰذا یہ بھی وحی الٰہی کے ذریعہ سزا ہوگی لہٰذا آپ ﷺ سے براہ راست سننے والوں کے لئے وحی متلو اور غیر متلو دونوں کا ایک ہی حکم ہوگا خود رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کے مجمع عام میں اس پر عمل فرمایا، حضرت ماعز اسلمی اور غامدیہ پر سزائے رجم وسنگساری جاری فرمائی۔ (معارف)

ملاحظہ:

شادی شدہ اور غیر شادی شدہ یہ الفاظ ایک آسان تعبیر کی حیثیت سے اختیار کئے گئے ہیں ورنہ اصلی شرعی اصطلاح محصن اور غیر محصن یا ثیب وبکر ہے، محصن کی تعریف اصل میں یہ ہے کہ جس شخص نے نکاحِ صحیح کے ساتھ اپنی بیوی سے مباشرت کرلی ہو اور عاقل وبالغ ہو۔

سزاءِ زنا میں تدریج:

مذکورہ بالا روایات حدیث اور آیات قرآن میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءً زنا کی سزا ہلکی رکھی گئی تھی کہ قاضی یا امیر اپنی صوابدید پر اس جرم کے مرتکب مرد یا عورت کو ایذا پہنچائے، اور عورت کو گھر میں مقید رکھا جائے جیسا کہ سورۂ نساء میں اس کا حکم آیا ہے دوسرا دور وہ ہے جو سورۂ نور کی اس آیت میں آیا ہے کہ دونوں کو سو سو کوڑے لگائے جائیں، تیسرا درجہ وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے آیت مذکورہ نازل ہونے کے بعد ارشاد فرمایا کہ سو کوڑوں کی سزا ان لوگوں کے لئے اکتفاء کیا جائے جو شادی شدہ نہ ہوں اور شادی شدہ مرد وعورت اس کے مرتکب ہوں تو ان کی سزا رجم وسنگساری ہے۔ (معارف)

اسلامی قانون میں جس جرم کی سزا سخت ہے اس کے ثبوت کے لئے شرائط بھی سخت ہیں

زنا کی سزا اسلام میں سب جرائم کی سزاؤں سے زیادہ سخت ہے اس کے ساتھ اسلام میں اس کے ثبوت کے لئے شرائط بھی بہت زیادہ سخت ہیں جن میں ذرا بھی کمی رہے یا شبہ پیدا ہو جائے تو زنا کی انتہائی سزا جس کو حد کہتے ہیں وہ معاف ہو جاتی ہے صرف تعزیری سزا بقدر جرم باقی رہ جاتی ہے، زنا کی حد جاری کرنے کے لئے چار مرد عادل گواہوں کی عینی شہادت جس میں کوئی التباس نہ ہو ضروری ہے، حالانکہ دیگر معاملات میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کافی ہوتی ہے دوسری احتیاط اور شدت اس شہادت میں یہ ہے کہ اگر زنا کی شہادت کسی شرط کے مفقود ہونے کی وجہ سے رد کی گئی تو پھر شہادت دینے والوں کی خیر نہیں، ان پر قذف یعنی زنا کی جھوٹی تہمت کا جرم عائد ہو کر حد قذف اسّی کوڑے لگائے جائیں گے، اس لئے ذرا بھی شبہ ہونے کی صورت میں کوئی شخص اس کی شہادت پر اقدام نہیں کر سکتا، البتہ جس صورت میں صریح زنا کا ثبوت نہ ہو مگر شہادت سے دو مرد وعورت کا غیر مشروع حالت میں دیکھنا ثابت ہو جائے تو قاضی ان کے جرم کی حیثیت کے مطابق تعزیری سزا کوڑے وغیرہ لگانے کی جاری کر سکتا ہے، زنا کی سزا کے مفصل احکام و شرائط کتب فقہ میں مذکور ہیں دیکھ لئے جائیں۔

لا تاخذکم بھما رأفۃٌ فی دین اللہ، رأفۃٌ ترس، شفقت، رحمت، نرمی رأف یرأفُ (ف) رأفۃً مصدر ہے، زنا کی سزا چونکہ بہت سخت ہے اور اس کا احتمال ہے کہ سزا جاری کرنے والوں کو ان پر رحم آ جائے، سزا کو چھوڑ بیٹھیں یا کم کر دیں اس لئے اس کے ساتھ یہ حکم بھی دیا گیا کہ دین کے اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں مجرموں پر رحم اور ترس کھانا جائز نہیں۔ رأفت و رحمت اور عفو و کرم ہر جگہ محمود ہے مگر مجرموں پر رحم کھانے کا نتیجہ تمام مخلوق خدا کے ساتھ بے رحمی ہے اس لئے ممنوع اور ناجائز ہے۔

الزّانی لاینکحُ اِلّا زانیۃً او مشرکۃً (الآیۃ) زنا کے متعلق دوسرا حکم...... پہلا حکم زنا کی سزا سے متعلق تھا جو اس سے پہلی آیت میں بیان ہو چکا ہے، یہ دوسرا حکم زانی اور زانیہ سے نکاح کرنے کے متعلق ہے، اسی کے ساتھ مشرک مرد یا عورت سے نکاح کا بھی حکم ذکر کیا گیا ہے، اس آیت کی تفسیر میں ائمہ تفسیر کے اقوال بہت مختلف ہیں، ان سب میں آسان تر یہ ہے کہ آیت کے شروع حصہ میں کوئی شرعی حکم نہیں بلکہ ایک عام مشاہدہ اور تجربہ کا بیان ہے جس میں زنا کا فعل خبیث ہونا اور اس کے اثرات کی دور رس مضرتوں کا ذکر ہے، آیت کا مطلب یہ ہے کہ زنا ایک اخلاقی زہر ہے اس کے زہریلے اثرات سے انسان کا اخلاقی مزاج ہی بگڑ جاتا ہے، اسے بھلے برے کی تمیز نہیں رہتی بلکہ برائی اور خباثت ہی مرغوب ہو جاتی ہے، لہٰذا جو مرد یا عورت اس خبیث عادت میں مبتلا ہیں وہ اس لائق نہیں رہتے کہ کسی عفیف مسلمان سے ان کا رشتہ ازدواج و ہمبستری قائم کیا جائے، ان کی پلید طبیعت اور میلان کے مناسب تو یہ ہے کہ ایسے ہی کسی بدکار تباہ حال مرد عورت سے یا ان سے بھی بدتر مشرک و مشرکہ سے ان کا تعلق ہو کما قال اللہ تعالیٰ الخبیثات للخبیثین (الآیۃ) ان کی خبیث طبیعت کا اصلی تقاضہ تو یہی تھا یہ الگ بات ہے کہ

حق تعالیٰ نے دوسری مصالح اور حکم کی بنا پر کسی مسلمان کا مشرک و مشرکہ سے عقد جائز نہیں رکھا، یا مثلاً بدکار مرد کا پاکباز عورت سے نکاح ہو جائے تو اس کو باطل نہیں ٹھہرایا۔

نَزَلَ ذٰلكَ لَمَّا همَّ فُقَراء المهاجِرِينَ انْ يَّتَزَوَّجُوْا بَغَايَا المشرِكِيْنَ مفسر علام نے اس عبارت سے مذکورہ آیت کے شانِ نزول کی طرف اشارہ کیا ہے۔

بَغَايَا جمع بَغِيٌّ زنا کار، بدکار عورت، تفسیر مظہری میں علامہ ثناء اللہ پانی پتی رَحِمَہُ اللّٰهُ تَعَالیٰ نے اس آیت کے شانِ نزول کے سلسلہ میں کئی واقعات نقل فرمائے ہیں۔

پہلا واقعہ:

ابوداؤد، ترمذی، نسائی، حاکم کے حوالہ سے حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے نقل کیا ہے، جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے ایک شخص جس کا نام مرثد بن ابی مرثد الغنوی تھا وہ مکہ سے مدینہ لوگوں کو لانے لیجانے کا کام کرتا تھا مکہ میں ''عناق'' نامی ایک (بازاری) عورت تھی اس سے ان کے تعلقات تھے ان صاحب نے آنحضرت ﷺ سے اس عورت سے نکاح کرنے کی اجازت طلب کی آپ نے اس وقت کوئی جواب نہیں دیا حتی کہ مذکورہ آیت نازل ہوئی، تو آپ ﷺ نے مرثد کو یہ آیت پڑھ کر سنائی۔

دوسرا واقعہ:

نسائی نے عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے روایت کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک عورت جس کا نام ''ام مہزول'' تھا جس کا بدکاری کا پیشہ تھا، اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے ایک شخص نے اس سے نکاح کا ارادہ کیا تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

تیسرا واقعہ:

بغوی نے کہا ہے جب لوگ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تو ان میں کچھ فقراء اور نادار قسم کے لوگ بھی تھے اور مدینہ میں ان کا کوئی عزیز یا رشتہ دار بھی نہیں تھا، اور مدینہ میں کچھ پیشہ ور عورتیں بھی تھیں اور ساتھ ہی خوشحال بھی تھیں، بعض فقراء نے ان سے نکاح کا ارادہ کیا تا کہ وہ ان کے مال سے فائدہ اٹھائیں، چنانچہ ان حضرات نے آپ ﷺ سے ان سے نکاح کی اجازت طلب کی تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحصنٰتِ (الآية) اس آیت میں کسی اجنبی کو تہمت زنا لگانے کا بیان ہے اس لئے کہ اپنی بیوی کو تہمت زنا لگانے کا مسئلہ آئندہ آیت میں آرہا ہے، اور تہمت عام ہے خواہ مرد عورت کو لگائے یا عورت مرد کو یا عورت عورت کو یا مرد مرد کو سب کا حکم ایک ہی ہے، زنا کی تہمت کو اگر چار چشم دید گواہوں کے ذریعہ ثابت نہ کر سکے تو مقذوف کے مطالبہ پر قاذف کو اسی

کوڑے لگائے جائیں اور آئندہ ہمیشہ کے لئے تمام معاملات میں مردود الشہادت قرار دیا جائے، حنفیہ کے نزدیک توبہ کے بعد بھی اس کی شہادت معاملات میں قبول نہیں کی جاسکتی۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ (الآية) اس آیت میں مسئلہ لعان کو بیان کیا گیا ہے، ''لعان'' کے معنی ایک دوسرے پر لعنت کرنے اور غضب الٰہی کی بددعا کرنے کے ہیں اصطلاح شرع میں بیوی اور شوہر کو چند خاص قسم کی قسمیں دینے کو لعان کہا جاتا ہے، بیوی پر تہمت زنا دو طریقہ سے لگائی جاسکتی ہے اول یہ کہ صراحتاً تہمت زنا لگائے اور چار عینی گواہوں سے ثابت نہ کر سکے، یا اپنے بچہ کے بارے میں کہے کہ یہ میرے نطفہ سے نہیں ہے، جو شخص اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اولاً اس سے چار گواہ طلب کئے جائیں، اگر پیش کر دے تو عورت پر حد زنا جاری کی جائے گی، اور اگر گواہ نہ لا سکے تو اس سے کہا جائے گا کہ چار مرتبہ قسم کھا کر بیان کرے کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے اور آخر میں پانچویں مرتبہ یہ الفاظ کہنے ہوں گے کہ اگر وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت اور پھٹکار، اگر شوہر مذکورہ بالا الفاظ کہنے سے انکار کرے تو حبس کر دیا جائے گا اور حاکم اس کو مجبور کرے گا کہ یا تو اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرے، اور حد قذف کے لئے تیار ہو جائے یا پانچ مرتبہ وہی الفاظ کہے جو اوپر گذر چکے ہیں، اگر کہہ لے تو پھر عورت سے کہا جائے کہ وہ بھی چار مرتبہ قسم کھا کر بیان کرے کہ یہ مرد تہمت لگانے میں جھوٹا ہے اور پانچویں دفعہ میں یہ الفاظ کہے کہ اللہ کا غضب ہو اس پر اگر یہ مرد اپنے دعوے میں سچا ہو تا وقتیکہ عورت یہ الفاظ نہ کہے گی اس کو بھی قید میں رکھیں گے اور مجبور کریں گے کہ یا تو صاف طور پر مرد کے دعوے کی تصدیق کرے اگر تصدیق کر دے تو اس پر حد زنا جاری کر دی جائے گی یا بالفاظ مذکورہ اس کی تکذیب کرے اگر عورت نے بھی مرد کی طرح یہ الفاظ کہہ دیئے اور لعان مکمل ہو گیا تو اس عورت سے جماع اور دواعی جماع سب حرام ہو جائیں گے، پھر اگر مرد نے اس کو طلاق دیدی تو فبہا ورنہ قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کر دے گا گو دونوں رضامند نہ ہوں اور یہ تفریق طلاق بائن کے حکم میں ہوگی۔

إِنَّ الَّذِيْنَ جَاءُوْ بِالْإِفْكِ اَسْوَءِ الكِذْبِ عَلٰى عَائِشَةَ اُمِّ المُؤْمِنِيْنَ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا بِقَذْفِهَا **عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ** جَمَاعَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَتْ حَسَّانُ بْنُ ثَابِتٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اُبَى وَمِسْطَحٌ وَحَمْنَةُ بِنْتُ جَحْشٍ **لَا تَحْسَبُوْهُ** اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ غَيْرُ العُصْبَةِ **شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ** يَاْجُرُكُمُ اللّٰهُ بِهٖ وَيُظْهِرُ بَرَاءَةَ عَائِشَةَ وَمَنْ جَاءَ مَعَهَا مِنْهُ وَهُوَ صَفْوَانُ فَاِنَّهَا قَالَتْ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ غَزْوَةٍ بَعْدَ مَا اُنْزِلَ الْحِجَابُ فَفَرَغَ مِنْهَا وَرَجَعَ وَدَنَا مِنَ الْمَدِيْنَةِ وَاٰذَنَ بِالرَّحِيْلِ لَيْلَةً فَمَشَيْتُ وَقَضَيْتُ شَانِىْ وَاَقْبَلْتُ اِلَى الرَّحْلِ فَاِذَا عِقْدِىْ اِنْقَطَعَ هُوَ بِكَسْرِ الْمُهْمَلَةِ الْقِلَادَةُ فَرَجَعْتُ اَلْتَمِسُهٗ وَحَمَلُوْا هَوْدَجِىْ هُوَ مَايُرْكَبُ فِيْهِ عَلٰى بَعِيْرِىْ يَحْسَبُوْنَنِىْ فِيْهِ وَكَانَتِ النِّسَاءُ خِفَافًا اِنَّمَا يَاْكُلْنَ الْعُلْقَةَ هُوَ بِضَمِّ الْمُهْمَلَةِ وَسُكُوْنِ اللَّامِ مِنَ الطَّعَامِ اَىِ الْقَلِيْلِ وَوَجَدْتُ عِقْدِىْ وَجِئْتُ بَعْدَ مَاسَارُوْا فَجَلَسْتُ فِى الْمَنْزِلِ الَّذِىْ كُنْتُ فِيْهِ وَظَنَنْتُ اَنَّ الْقَوْمَ سَيَفْقِدُوْنَنِىْ فَيَرْجِعُوْنَ اِلَىَّ فَغَلَبَتْنِىْ عَيْنَاىَ فَنِمْتُ وَكَانَ صَفْوَانُ قَدْ عَرَّسَ مِنْ وَّرَاءِ الْجَيْشِ فَادَّلَجَ هُمَا

بِتَشْدِيْدِ الرَّاءِ وَالدَّالِ اَیْ نَزَلَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ لِلْاِسْتِرَاحَةِ فَسَارَ مِنْهُ فَاَصْبَحَ فِي مَنْزِلِيْ فَرَاٰی سَوَادَ اِنْسَانٍ
نَائِمٍ ای شَخْصَهٗ فَعَرَفَنِيْ حِيْنَ رَاٰنِيْ وَكَانَ يَرَانِيْ قَبْلَ الْحِجَابِ فَاسْتَيْقَظْتُ بِاسْتِرْجَاعِهٖ حِيْنَ عَرَفَنِيْ اَیْ
قَوْلِهٖ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ فَخَمَّرْتُ وَجْهِيْ بِجِلْبَابِيْ اَیْ غَطَّيْتُهٗ بِالْمَلَاءَةِ وَاللّٰهِ مَا كَلَّمَنِيْ بِكَلِمَةٍ
وَلَا سَمِعْتُ مِنْهُ كَلِمَةً غَيْرَ اِسْتِرْجَاعِهٖ حِيْنَ اَنَاخَ رَاحِلَتَهٗ وَوَطِئَ عَلٰى يَدِهَا فَرَكِبْتُهَا فَانْطَلَقَ يَقُوْدُ بِيْ
الرَّاحِلَةَ حَتّٰى اَتَيْنَا الْجَيْشَ بَعْدَ مَا نَزَلُوْا مُوْغِرِيْنَ فِيْ نَحْرِ الظَّهِيْرَةِ اَیْ مِنْ اَوْغَرَ اَیْ وَاقِفِيْنَ فِيْ مَكَانِ وَغْرٍ
فِيْ شِدَّةِ الْحَرِّ فَهَلَكَ مَنْ هَلَكَ فِيَّ وَكَانَ الَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اُبَيِّ ابْنُ سَلُوْلَ اِنْتَهٰى قَوْلُهَا
رَوَاهُ الشَّيْخَانِ قَالَ تَعَالٰى **لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ** اَیْ عَلَيْهِ **مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ** فِيْ ذٰلِكَ **وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ** اَیْ
تَحَمَّلَ مُعْظَمَهٗ فَبَدَأَ بِالْخَوْضِ فِيْهِ وَاَشَاعَهٗ وَهُوَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اُبَيٍّ **لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ** ﴿۱۱﴾ هُوَ النَّارُ فِي الْآخِرَةِ **لَوْلَا** هَلَّا
اِذْ حِيْنَ **سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ** اَیْ ظَنَّ بَعْضُهُمْ بِبَعْضٍ **خَيْرًا وَّقَالُوْا هٰذَا اِفْكٌ مُّبِيْنٌ** ﴿۱۲﴾ كَذِبٌ
بَيِّنٌ فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْخِطَابِ اَیْ ظَنَنْتُمْ اَيُّهَا الْعُصْبَةُ وَقُلْتُمْ **لَوْلَا** هَلَّا **جَآءُوْ** اَیِ الْعُصْبَةُ **عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ** شَاهَدُوْهُ
فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ اَیْ فِيْ حُكْمِهٖ **هُمُ الْكٰذِبُوْنَ** ﴿۱۳﴾ فِيْهِ **وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ**
لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ اَيُّهَا الْعُصْبَةُ اَیْ خُضْتُمْ **عَذَابٌ عَظِيْمٌ** ﴿۱۴﴾ فِي الْآخِرَةِ **اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ** اَیْ يَرْوِيْهِ
بَعْضُكُمْ عَنْ بَعْضٍ وَحُذِفَ مِنَ الْفِعْلِ اِحْدَى التَّائَيْنِ وَاِذْ مَنْصُوْبٌ بِمَسَّكُمْ اَوْ بِاَفَضْتُمْ
وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا لَا اِثْمَ فِيْهِ **وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ** ﴿۱۵﴾ فِي الْاِثْمِ **وَلَوْلَا** هَلَّا **اِذْ** حِيْنَ
سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ مَا يَنْبَغِيْ **لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ** هُوَ لِلتَّعَجُّبِ هُنَا **هٰذَا بُهْتَانٌ** كَذِبٌ **عَظِيْمٌ** ﴿۱۶﴾
يَعِظُكُمُ اللّٰهُ يَنْهَاكُمْ **اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ** ﴿۱۷﴾ تَتَّعِظُوْا بِذٰلِكَ **وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ** فِي الْاَمْرِ
وَالنَّهْيِ **وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ** بِمَا يَاْمُرُ بِهٖ وَيَنْهٰى عَنْهُ **حَكِيْمٌ** ﴿۱۸﴾ فِيْهِ **اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ** بِاللِّسَانِ
فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِنِسْبَتِهَا اِلَيْهِمْ وَهُمُ الْعُصْبَةُ **لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا** بِالْحَدِّ لِلْقَذْفِ **وَالْاٰخِرَةِ** بِالنَّارِ لِحَقِّ اللّٰهِ
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنْتِفَاءَهَا عَنْهُمْ **وَاَنْتُمْ** اَيُّهَا الْعُصْبَةُ **لَا تَعْلَمُوْنَ** ﴿۱۹﴾ وُجُوْدَهَا فِيْهِمْ **وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ** اَيُّهَا الْعُصْبَةُ
وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ بِكُمْ لَعَاجَلَكُمْ بِالْعُقُوْبَةِ.

ترجمہ: بلاشبہ وہ لوگ جنہوں نے یہ بڑا بہتان باندھا ہے یعنی ام المومنین حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہا پر بہتان
لگا کر بدترین جھوٹ بولا ہے تم ہی میں کی ایک جماعت ہے یعنی مومنین کی ایک جماعت ہے (اہل افک کی تعیین میں) حضرت
عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہا نے فرمایا وہ حسان بن ثابت اور عبد اللہ بن اُبی اور مسطح اور حمنہ بنت جحش ہیں، بہتان تراشنے والوں کی
جماعت کے علاوہ اے مومنو! تم اس بہتان کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو بلکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہے اللہ تعالیٰ تم کو اس کے عوض

اجر عطا فرمائے گا اور حضرت عائشہ صدیقہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا اور ان کے ہمراہ آنے والے یعنی صفوان (ابن معطل) کی تہمت سے براءۃ ظاہر کردے گا، حضرت عائشہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے (واقعہ بیان کرتے ہوئے) فرمایا کہ میں ایک غزوہ میں نزول حجاب کے بعد آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھی، چنانچہ جب آپ ﷺ غزوہ سے فارغ ہوگئے اور آپ ﷺ واپس ہوئے اور مدینہ کے قریب پہنچے اور رات کو کوچ کرنے کا اعلان کردیا تو میں قضائے حاجت کے لئے چلی گئی اور حاجت سے فراغت کے بعد کجاوہ کی طرف متوجہ ہوئی تو اچانک مجھے معلوم ہوا کہ میرا ہار ٹوٹ کر (کہیں) گر گیا ہے عِقْدٌ عین مہملہ کے کسرہ کے ساتھ ہار کو کہتے ہیں تو میں ہار تلاش کرنے کے لئے واپس چلی گئی، حال یہ ہے کہ لوگوں نے میرا ہودج یہ سمجھتے ہوئے کہ میں ہودج میں موجود ہوں میرے اونٹ پر رکھدیا، ہودج اس کجاوہ کو کہتے ہیں جس میں سوار ہوا جاتا ہے اور عورتیں ہلکی پھلکی ہوتی تھیں اس لئے کہ کھانا کم کھاتی تھیں، عُلْقَة عین مہملہ کے ضمہ اور لام کے سکون کے ساتھ قلیل کھانے کو کہتے ہیں (ادھر یہ ہوا) کہ میرا ہار مل گیا، اور اہل قافلہ کے روانہ ہوجانے کے بعد میں (اپنی جگہ) واپس آئی، چنانچہ میں اسی جگہ (آکر) بیٹھ گئی جہاں تھی اور مجھے اس بات کا گمان غالب تھا کہ جب لوگ مجھ کو نہ پائیں گے تو میری طرف واپس آئیں گے، چنانچہ مجھ پر نیند کا غلبہ ہوگیا جس کی وجہ سے میں سوگئی، اور صفوان بن معطل لشکر کے پیچھے آخر شب میں قیام کرتے تھے چنانچہ (صفوان) رات کے آخری حصہ میں روانہ ہوئے تو صبح کے وقت میری منزل پر پہنچے۔

قَوْلُہٗ: عَرَّسَ اور اَدَّلَجَ را اور دال کے تشدید کے ساتھ ہے (عَرَّسَ کے معنی آخر شب میں استراحت کے لئے قیام کرنا اِدَّلَجَ بمعنی روانہ ہونا) تو اس نے ایک سوتے ہوئے شخص کا جثہ دیکھا چنانچہ مجھے دیکھتے ہی پہچان لیا اس لئے کہ اس نے مجھے حجاب کا حکم نازل ہونے سے پہلے دیکھا تھا، چنانچہ مجھے پہچاننے کے وقت ان کے استرجاع یعنی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھنے کی وجہ سے میں بیدار ہوئی تو میں نے اپنی چادر سے اپنا چہرہ چھپالیا، واللہ نہ تو اس نے مجھ سے کوئی بات کی اور نہ میں نے اس سے سوائے استرجاع کے کوئی بات سنی، اس نے اپنی اونٹنی بٹھادی اور اس کا ہاتھ دبالیا (تاکہ جلدی کھڑی نہ ہوجائے) جب میں اس پر سوار ہوگئی تو وہ میری اونٹنی کی نکیل پکڑ کر لیکر چلے حتی کہ ہم لشکر میں پہنچ گئے، بعد اس کے کہ وہ لوگ ٹھیک دوپہر کے وقت شدید گرمی میں داخل ہوتے ہوئے فروکش ہوچکے تھے موغرین اَوْغَرَ سے مشتق یعنی سخت گرمی کے وقت گرم جگہ میں فروکش ہونے والے تھے، چنانچہ میرے بارے میں جس کو ہلاک ہونا تھا ہلاک ہوا اور وہ شخص جس نے اس معاملہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا عبداللہ بن ابی ابن سلول تھا، حضرت عائشہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کا کلام پورا ہوا، روایت کیا ہے اس کو شیخین نے، قَالَ اللّٰہُ تعالٰی ان میں سے ہر شخص پر اتنا گناہ ہے جتنا کچھ اس نے اس معاملہ میں کیا اور اس شخص کے لئے جس نے ان میں سے (اس معاملہ میں) سب سے زیادہ حصہ لیا یعنی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا بایں طور کہ اس معاملہ میں کھود کرید کی اور اس کو شہرت دی، وہ عبداللہ بن اُبی ہے اس کے لئے بڑا عذاب ہے اور وہ آخرت میں آگ ہے جب لوگوں نے بہتان تراشی کو سنا تھا تو مسلمان مردوں اور عورتوں نے آپس میں ایک دوسرے کے لئے اچھا گمان کیوں نہ کیا؟ اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ صریح جھوٹ ہے؟ اس میں خطاب سے (غیبت کی طرف)

التفات ہے (ظَنّ المؤمنون الخ) ظننتم و قلتم ایها العصبة کے معنی میں ہے اوران لوگوں نے اس بہتان پر چار گواہ عینی کیوں پیش نہیں کئے؟ جب یہ لوگ گواہ پیش نہ کر سکے تو یہ لوگ اللہ کے نزدیک یعنی اس کے حکم میں اس معاملہ میں جھوٹے ہیں اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا دنیا و آخرت میں فضل و کرم نہ ہوتا تو جس شغل میں تم پڑے تھے یعنی کھود کرید کر رہے تھے اس کی وجہ سے تم کو آخرت میں سخت عذاب لاحق ہوتا جب کہ تم اس بہتان کو اپنی زبانوں سے نقل در نقل کر رہے تھے یعنی ایک دوسرے سے روایت کر رہے تھے، فعل (یعنی تلقونه) سے دو تاؤں میں سے ایک تا کو حذف کر دیا گیا ہے اور اِذْ مَسَّكُمْ یا اَفَضْتُمْ کی وجہ سے منصوب ہے اور تم اپنے منہ سے ایسی بات نکال رہے تھے کہ جس کے بارے میں تم کو مطلق علم نہیں تھا اور تم اس کو ایک معمولی بات کہ اس میں کوئی گناہ ہی نہ ہو سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک گناہ کے اعتبار سے بڑی بھاری بات تھی اور جب تم نے اس کو سنا تھا تو یوں نہ کہا کہ ہم کو زیبا نہیں کہ ایسی بات منہ سے بھی نکالیں معاذ اللہ یہ تو بڑا بہتان ہے سُبْحَانَكَ تعجب کے لئے ہے، اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے یعنی منع کرتا ہے کہ پھر کبھی ایسی حرکت مت کرنا اگر تم مومن ہو تو اس سے نصیحت قبول کرو گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے لئے امر و نہی کے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جس کا حکم کرتا ہے اور جس سے منع کرتا ہے اس کے بارے میں بڑا جاننے والا اور بڑا حکمت والا ہے جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی کا چرچا ہو اس بے حیائی کو ان کی طرف منسوب کر کے (اور ان چرچا کرنے والوں کی) ایک چھوٹی سی جماعت ہے، ان لوگوں کے لئے دنیا میں حد قذف کا اور آخرت میں نار کا حق اللہ ہونے کی وجہ سے دردناک عذاب ہے اللہ تعالیٰ ان سے بے حیائی کے انتفاء کو بخوبی جانتا ہے اور (اے تہمت لگانے والی) جماعت تم اس بے حیائی کے وجود کو ان میں نہیں جانتے اور اگر اے لوگو! تم پر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا اور وہ یہ کہ اللہ بڑا شفیق بڑا رحیم ہے تو وہ تم سے فوراً ہی مواخذہ کرتا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: اِنَّ الَّذِیْنَ جَاءُوْا بِالْاِفْكِ یہاں سے افک سے متعلق اٹھارہ آیتوں کا ذکر شروع ہو رہا ہے اِفْك لغت میں پلٹ دینے اور بدل دینے کو کہتے ہیں بدترین جھوٹ جو حق کو باطل سے اور باطل کو حق سے بدل دے، پاکباز متقی کو فاسق اور فاسق کو متقی و پرہیزگار بنا دے اسی جھوٹ کو افک کہتے ہیں عُصْبَة مختصر جماعت کو کہتے ہیں تعداد کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

قَوْلُهٗ: لاتحسبوه اس کے مخاطب آپ ﷺ اور ابوبکر، عائشہ و صفوان ہیں مقصد ان حضرات کو تسلی دینا ہے۔

قَوْلُهٗ: مَنْ جاء مِنْهُ مَنْ سے صفوان بن معطل السلمی مراد ہیں اور مِنْهُ کی ضمیر کا مرجع افک ہے اور جار مجرور براءة سے متعلق ہے۔

قَوْلُهٗ: فی غزوةٍ مراد غزوۂ بنی مصطلق ہے جس کو مریسیع بھی کہا جاتا ہے صحیح اور راجح قول کے مطابق ۵ھ میں پیش آیا تھا۔

قَوْلُهٗ: بعد ما انزل الحجاب حجاب سے مراد آیت حجاب یعنی وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فاسئلوْهُنَّ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ ہے۔

قِوْلَهُ: قد عَرَّسَ، تعريس، النزول فی آخر الليل للاستراحة.

قِوْلَهُ: اِدَّلَجَ وادّلاجٌ آخرشب میں سفر کرنا۔

قِوْلَهُ: هُما بتشديد الراءِ والدالِ، عَرَّسَ وَادَّلَجَ کے بارے میں لف ونشر کے طور پر اشارہ کردیا کہ عَرَّسَ میں را اور اِدَّلَجَ میں دال دونوں مشدد ہیں۔

قِوْلَهُ: اى نزل مِن آخر الليل للاستراحة یہ عرّس کی تفسیر ہے اور۔

قِوْلَهُ: فَسارَ منه، اِدَّلَجَ کی تفسیر ہے مِنْهُ ای آخر الليل ادَّلَجَ مِنه ای سارَ مِن آخر الليل حضرت عائشہ صدیقہ رَضِّحَاللّهُ تَعَالیٰ عَنْهَا کے الفاظ کی تشریح کے لئے مفسر علام نے درمیان میں تشریحی الفاظ کا اضافہ فرمایا ہے ورنہ تو اصل عبارت اس طرح ہے کان صفوان قد عَرَّسَ مِن وراء الجيش فادَّلَجَ منهُ فاصبَحَ فی منزلی.

قِوْلَهُ: موغرينَ یہ وغرٌ سے مشتق ہے وغرٌ شدید گرمی کو کہتے ہیں۔

قِوْلَهُ: بالملاءَ ة وہ چادر جو جسم کو چھپالے مُوغِرِين ای داخلين فی شدة الحر.

قِوْلَهُ: فی نحر الظهيرة ٹھیک دوپہر کے وقت۔

قِوْلَهُ: سلُول یہ عبداللہ بن ابی کی ماں کا نام ہے۔

قِوْلَهُ: لكلِّ امرئٍ مفسر علام نے عليه سے تفسیر کرکے اشارہ کردیا کہ لام بمعنی علیٰ ہے۔

قِوْلَهُ: لَوْ لَا هَلَّا اِذْ سَمِعْتُمُوْه یہ لولا توبیخیہ ہے اس لئے کہ ماضی پر داخل ہے، لولا تین قسم کا ہوتا ہے ① جب ماضی پر داخل ہو تو توبیخیہ ہوتا ہے اور جب مضارع پر داخل ہوتا ہے تو تحضیضیہ ہوتا ہے اور جب جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے تو امتناعیہ ہوتا ہے، یہاں لولا چھ جگہ استعمال ہوا ہے اول، ثانی اور رابع توبیخیہ ہے اس لئے جواب کی ضرورت نہیں اور تیسرا اور پانچواں اور چھٹا شرطیہ (امتناعیہ ہے) تیسرے اور چھٹے مقام پر جواب مذکور ہے اور پانچویں مقام پر جواب محذوف ہے۔ (صاوی)

قِوْلَهُ: بانفسهم اى ابناء جنسهم فی الايمان یعنی اپنے ایمانی بھائیوں کے بارے میں اچھا گمان کیوں نہیں کیا؟ فيه اِلتفات عن الخطاب الى الغيبة اِذ سمِعْتُمُوه کے مطابق ظَنّ المؤمنون اور قالوا کے بجائے ظننتم اور قلتم ہونا چاہئے، مذکورہ دونوں صیغوں میں دو قسم کا التفات ہوا ہے اول تو حاضر سے غائب کی جانب اور دوسرے ضمیر سے اسم ظاہر کی جانب، اس التفات کا مقصد توبیخ میں مبالغہ کرنا ہے، اس طریقہ پر کہ ایمان کا تقاضہ یہ تھا کہ تم اپنے بھائیوں کے بارے میں حسن ظن رکھتے چہ جائیکہ تم لوگوں نے طعنہ زنی اور عیب چینی شروع کردی تم کو تو اپنے بھائیوں کا اسی طرح دفاع کرنا چاہئے تھا جس طرح تم خود اپنا دفاع کرتے ہو، تقدیر عبارت یہ ہے لو لا اِذ سمعتُموهُ ظننتم ايّها المؤمنون والمؤمنات باخوانهم خيرًا وهلّا قلتُم هٰذا افكٌ مبين.

قِوْلَهُ: لولا هلّا جاء و عليه (الآية) یہ کلام سابق کا تتمہ بھی ہوسکتا ہے یعنی مومنین اور مومنات نے افتراء کرنے والوں سے افتراء پر چار گواہوں کا مطالبہ کیوں نہیں کیا؟ یعنی بہتان کو سننے کے بعد جس طرح آپس میں حسن ظن ضروری تھا

اسی طرح افتراء پردازوں سے چار گواہوں کا مطالبہ ضروری تھا ای وقالوا هلّا جاء و الخائضون باربعة شهداء علی ماقالوا دوسری صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ لولا جاء و (الآیة) جملہ استینافیہ ہو، اس صورت میں قالوا محذوف ماننے کی ضرورت نہ ہوگی۔

قِوْلُہٗ: ای فی حکمہ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کا جواب ہے، شبہ یہ ہے کہ افتراء پردازوں کو عنداللہ اس لئے کاذب کہا گیا ہے کہ وہ چار عینی شاہد پیش نہیں کر سکے حالانکہ اگر وہ چار عینی شاہد پیش بھی کر دیتے تب بھی کاذب ہی تھے، جواب یہ ہے کہ گواہ پیش نہ کرنے کی صورت میں کہ بحکم شرع کاذب تھے اور اگر وہ چار گواہ پیش کر دیتے تو اس وقت حکم شرعی میں بظاہر صادق ہوتے، اللہ تعالیٰ کو چونکہ ان کی ظاہراً اور باطناً تکذیب منظور تھی اس لئے چار گواہوں کا مطالبہ کیا تاکہ ان کا کذب خوب ظاہر ہو جائے۔

قِوْلُہٗ: لولا فضل اللّٰہ علیکم میں لولا امتناعیہ ہے اس کا جواب لَمَسَّکُمْ ہے۔

قِوْلُہٗ: فیما اَفَضْتُمْ، فی بمعنی سبب ہے ای بسبب ما اَفَضْتُمْ اور ما موصولہ ہے مراد حدیث افک ہے ای لَمَسَّکُمْ بسبب الذی خُضْتُمْ فیه وهو الإفك اور ما مصدریہ بھی ہوسکتا ہے ای لَمَسَّکُمْ بسبب خوضکم فیه ای فی الافك.

قِوْلُہٗ: وَلَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ، اِذْ، قُلْتُمْ کا ظرف مقدم ہے، یعنی تمہارے لئے یہ مناسب تھا کہ بہتان کو سنتے ہی کہہ دیتے کہ ایسی باتیں کرنا ہمارے لئے ہرگز مناسب نہیں۔

قِوْلُہٗ: یَنْهَاکُمْ اَنْ تَعُوْدُوْا الخ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ یَعِظُکُمْ فعل متعدی بعن کے معنی کو متضمن ہے پھر عن کو حذف کر دیا گیا ہے ای یَنْهَاکُمْ عن العود، أن مصدریہ ہے جس کی وجہ تَعُوْدُوْا بمعنی عَوْدٌ ہے۔

قِوْلُہٗ: تتعظون بذٰلك یہ جملہ مومنین کی صفت ہے یعنی اگر تم نصیحت قبول کرنے والے مومن ہو تو ایسی حرکت دوبارہ نہ کرو گے، جواب شرط محذوف ہے ای اِن کنتم مؤمنین فلا تعُوْدُوْا لمثلہ.

قِوْلُہٗ: باللسان اس کے اضافہ کا مقصد یہ ہے کہ افتراء پردازوں کو یہ بات پسند تھی کہ فحش بات کا زبانی چرچا ہو نہ کہ حقیقت میں فحش کی اشاعت ہو۔

قِوْلُہٗ: بنسبتها الیهم، الیهم سے مراد حضرت عائشہ اور حضرت صفوان ہیں اور وهم عصبة مراد وہ لوگ جو فحش بات کی اشاعت پسند کرتے تھے۔

قِوْلُہٗ: لهم عذابٌ الیمٌ، انّ کی خبر ہے۔

قِوْلُہٗ: وَاَنَّ اللّٰهَ رَؤُفٌ رَّحِیْمٌ کا عطف فضل اللّٰہ پر ہے اور لَعَاجَلَکُمْ، لولا کا جواب ہے، معطوف ومعطوف علیہ سے مل کر مبتداء ہے اس کی خبر محذوف ہے اور وہ موجودان ہے۔

تفسیر و تشریح

اِنَّ الَّذِیْنَ جَاءُ و بِالْاِفْکِ (الآیۃ) یہاں سے اس طوفان کا ذکر ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا پر اٹھایا گیا تھا، واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اطلاع ملی کہ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار نے مدینہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے بہت سی فوج جمع کی ہے، یہ غزوہ راجح قول کے مطابق ۲ رشعبان بروز دوشنبہ ۵ھ میں پیش آیا تھا (سیرۃ مصطفیٰ) غزوۂ بنی مصطلق کو غزوۂ مریسیع بھی کہتے ہیں، آپ ﷺ نے اس خبر کی تصدیق کے لئے بریدہ بن حُصَیب کو بھیجا، حضرت بریدہ نے آکر خبر کی تصدیق کی آپ نے صحابہ کو خروج کا حکم فرمایا مدینہ میں زید بن حارثہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا ازواج مطہرات میں سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا آپ کے ہمراہ تھیں، ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ بھی ساتھ تھیں، اس غزوہ میں بہت سا مال غنیمت حاصل ہوا جن میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں شامل تھیں، دو گھرانے قید ہوئے قیدیوں میں بنی مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی صاحبزادی جویریہ بھی تھیں جو کہ تقسیم مال غنیمت کے وقت حضرت ثابت بن قیس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے حصہ میں آئیں، حضرت ثابت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان کو مکاتب بنا دیا تھا، بدل کتابت کے سلسلہ میں جویریہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپ ﷺ نے فرمایا میں تم کو اس سے بہتر چیز بتلاتا ہوں اگر تم پسند کرو، وہ یہ کہ میں تمہاری طرف سے بدل کتابت ادا کر کے تم کو آزاد کر دوں اور اپنی زوجیت میں لے لوں، جویریہ نے عرض کیا میں اس پر راضی ہوں چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی زوجیت میں لے لیا۔ (رواہ ابوداؤد)

غزوۂ بنی المصطلق

واپسی پر آپ ایک منزل پر فروکش ہوئے، لشکر میں کوچ کرنے کا اعلان کرادیا گیا تاکہ لوگ اپنی ضروریات سے فارغ ہوجائیں، چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا بھی قضائے حاجت کے لئے لشکر سے دور چلی گئیں، جب واپس ہونے لگیں تو ہار ٹوٹ گیا جو یمانی نگینوں کا تھا، ان کے جمع کرنے میں دیر ہوگئی قافلہ تیار تھا، حجاب کا حکم چونکہ نازل ہوچکا تھا جس کی وجہ سے حضرت عائشہ ہودج میں سفر کررہی تھیں اور ہودج پر پردے پڑے ہوئے تھے، ہودج برداروں نے یہ سمجھ کر کہ ام المومنین ہودج میں ہیں ہودج کو اونٹ پر رکھ دیا اور اونٹ کو ہانک دیا، اس وقت عورتیں عموماً دبلی پتلی ہوتی تھیں خاص طور پر حضرت عائشہ صدیقہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا چونکہ صغیر السن تھیں اس وجہ سے بھی دبلی پتلی تھیں ادھر ہودج اٹھانے والے کئی افراد تھے جس کی وجہ سے ہودج کے خالی ہونے کا احساس نہ ہوسکا، حضرت عائشہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا جب ہار لیکر لشکرگاہ واپس آئیں تو لشکر روانہ ہوچکا تھا وہاں کوئی نہیں تھا، یہ خیال کرکے کہ جب آئندہ مقام پر آپ ﷺ مجھے نہ پائیں گے تو اسی جگہ میری تلاش کے لئے کسی کو روانہ فرمائیں گے، اسی جگہ چادر لپیٹ کر لیٹ گئیں، اور نیند آگئی، حضرت صفوان بن معطل رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ گرے پڑے کی خبر گیری کے لئے لشکر کے پیچھے رہا کرتے تھے، وہ صبح کے وقت اس مقام پر پہنچے جہاں حضرت عائشہ صدیقہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا سورہی تھیں دیکھا کہ کوئی پڑا سورہا ہے جب قریب آکر دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ تو حضرت عائشہ صدیقہ ہیں اور زور سے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھا حضرت عائشہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا کی اس آواز سے آنکھ کھل گئی اور چادر سے منہ ڈھانپ لیا، حضرت عائشہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا فرماتی ہیں وَاللّٰهِ ما کلمنی کلمة ولا سمعت منه کلمة غیر استرجاعه خدا کی قسم صفوان نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی اور نہ ان کی زبان سے سوائے اِنَّا لِلّٰهِ کے میں نے کوئی کلمہ سنا، حضرت صفوان رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے اپنا اونٹ قریب لاکر بٹھا دیا حضرت عائشہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا اونٹ پر سوار ہوگئیں اور حضرت صفوان رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اونٹ کی نکیل پکڑ کر پاپیادہ روانہ ہوگئے اور ٹھیک دوپہر کے وقت قافلہ سے جاملے، عبداللہ بن ابی بڑا خبیث بد باطن اور رسول اللہ ﷺ کا دشمن تھا، اسے ایک بات ہاتھ لگ گئی اور بدبخت نے واہی تباہی بکنا شروع کردیا اور بعض بھولے بھالے مسلمان بھی مثلاً مردوں میں حضرت حسان حضرت مسطح اور عورتوں میں حضرت حمنہ بنت جحش منافقوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہوکر اس قسم کے افسوسناک تذکرے کرنے لگے، تمام مسلمانوں کو اور خود آنحضرت ﷺ کو ان چرچوں سے بیحد صدمہ تھا، تقریباً ایک مہینہ تک یہی چرچہ رہا، مگر حضرت عائشہ صدیقہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا اس سے بالکل بے خبر تھیں، اسی دوران حضرت عائشہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا بیمار ہوگئیں، آپ ﷺ تشریف لاتے اور مزاج پرسی کرکے تشریف لے جاتے، رسول اللہ ﷺ کے اس تلطف میں کمی آجانے کی وجہ سے جو سابقہ بیماریوں میں مبذول رہی دل کو خلجان اور تردد تھا کہ کیا بات ہے کہ آپ گھر میں تشریف لاتے ہیں اور دوسروں سے میرا حال دریافت کرکے واپس تشریف لیجاتے ہیں مجھ سے دریافت نہیں فرماتے،

آپ ﷺ کی اس بے التفاتی کی وجہ سے میری تکلیف میں اور اضافہ ہوتا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز رات کو میں اور ام مسطح قضائے حاجت کے لئے جنگل کی طرف چلے، عرب کا قدیم دستور یہی تھا کہ بدبو کی وجہ سے گھروں میں بیت الخلاء نہیں بناتے تھے، راستہ میں ام مسطح کا پیر چادر میں الجھ گیا جس کی وجہ سے وہ گر گئیں اس وقت ام مسطح کے منہ سے نکلا تَعِسَ مسطح مسطح ہلاک ہو، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا آپ ایسے شخص کو کیوں برا کہتی ہیں جو بدری ہے، ام مسطح نے کہا اے بھولی بھالی لڑکی تم کو قصہ کی خبر نہیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے معلوم کیا کہ قصہ کیا ہے؟ ام مسطح نے پورا قصہ سنایا یہ سنتے ہی مرض میں اور شدت آگئی رات دن روتی رہتی تھیں، ایک لمحہ کے لئے بھی آنسو نہ تھمتے تھے، ہشام بن عروہ کی روایت کے مطابق بغیر قضائے حاجت کے واپس آگئیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو میں نے آپ سے اپنے والدین کے گھر جانے کی اجازت چاہی تاکہ ماں باپ کے ذریعہ اس واقعہ کی تحقیق کروں، آپ نے اجازت دیدی، میں اپنے والدین کے یہاں آگئی اور اپنی والدہ سے کہا اے اماں تم کو معلوم ہے کہ لوگ میری بابت کیا کہتے ہیں، ماں نے کہا اے بیٹی تو رنج نہ کر دنیا کا قاعدہ ہی یہ ہے کہ جو عورت خوبصورت اور خوب سیرت اور اپنے شوہر کے نزدیک بلند مرتبت ہوتی ہے تو حسد کرنے والی عورتیں اس کے ضرر کے درپے ہو جاتی ہیں، جب نزول وحی میں تاخیر ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اسامہ سے مشورہ کیا حضرت اسامہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول وہ آپ کے اہل ہیں جو آپ کی شایان شان اور منصب نبوت و رسالت کے مناسب ہیں ان کی عصمت و عفت کا پوچھنا ہی کیا ہے آپ کے حرم محترم کی طہارت و نزاہت تو اظہر من الشمس ہے اس میں رائے اور مشورہ کی کیا ضرورت ہے اور اگر آپ ہمارا ہی خیال معلوم کرنا چاہتے ہیں تو عرض یہ ہے وَمَا نعلم اِلَّا خیرًا ہمارے علم کے اعتبار سے آپ کے اہل میں خیر کے سوا کچھ نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت ﷺ کے رنج و غم کے خیال سے یہ عرض کیا یَا رسُولَ اللّٰہِ لَمْ یضیق اللہ علیكَ وَالنِسَاء سواھَا کثیرٌ وإنْ تسأل الجاریَةَ تصدقك یارسول اللہ! اللہ نے آپ پر تنگی نہیں فرمائی عورتیں اس کے سوا بہت ہیں آپ اگر گھر کی باندی سے دریافت فرمائیں تو وہ سچ سچ بتادے گی، غرض کہ آپ ﷺ نے حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلوایا اور صورت حال معلوم کی، حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا ''قسم اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دیکر بھیجا میں نے عائشہ کی کوئی بات معیوب اور قابل گرفت کبھی نہیں دیکھی الاّ یہ کہ وہ ایک کمسن لڑکی ہے، آٹا گندھا ہوا چھوڑ کر سو جاتی ہے بکری کا بچہ آکر اسے کھا جاتا ہے'' یعنی وہ تو اس قدر بے خبر اور بھولی بھالی ہے کہ اسے تو آٹے دال کی بھی خبر نہیں وہ دنیا کی ان چالاکیوں کو کیسے جان سکتی ہے۔

آپ ﷺ بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بات سن کر مسجد میں تشریف لے گئے اور منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا اول خدا کی حمد بیان

فرمائی بعدازاں عبداللہ بن ابی کا ذکر کرکے یہ ارشاد فرمایا:

''اے گروہ مسلمین کون ہے جو میری اس شخص کے مقابلہ میں مدد کرے جس نے مجھ کو میرے اہل بیت کے بارے میں ایذاء پہنچائی ہے، خدا کی قسم میں نے اپنے اہل سے سوائے نیکی اور پاک دامنی کے کچھ نہیں دیکھا اور علیٰ ھذا جس شخص کا ان لوگوں نے نام لیا ہے اس سے بھی سوائے خیر کے کچھ نہیں دیکھا''۔ (سیرت مصطفی ملخصًا)

آخرکار حضرت صدیقہ کی براءت میں خود اللہ تعالیٰ نے قرآن میں سورۂ نور کی یہ آیتیں اِنَّ الَّذِیْنَ جَاءُ و بِالإفْكِ الخ نازل فرمائیں جس پر حضرت عائشہ صدیقہ فخر کیا کرتی تھیں، مزید تفصیل کیلئے بخاری شریف کی طرف رجوع کریں۔

قَوْلُہٗ: لِكُلِّ امْرِءٍ مِنْهُمْ ای علیہ لکل میں لام بمعنی علی ہے جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ کیا ہے یعنی تہمت لگانے والی جماعت کے ہر فرد کے لئے اس کے جرم کی مقدار سزا ملے گی اوپر کی آیت میں خائضین فی الإفك کا بیان تھا، اس آیت میں ان کو نو طریقہ سے تعبیر اور توبیخ فرمائی ہے، ان میں پہلا لَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ہے اور نواں یَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّيْطٰنِ الخ ہے، لَوْلَا توبیخیہ ہے اور اِذْ ظَنَّ کا ظرف ہے۔

قَوْلُہٗ: ای ظَنَنْتُمْ اَيُّهَا العصبة و قلتم اس عبارت کا مقصد یہ بتانا ہے کہ آیت میں خطاب سے غیبت کی جانب التفات ہے اور ظَنَّ بمعنی ظَنَنْتُمْ اور قالوا بمعنی فَتَنْتُمْ ہے۔

قَوْلُہٗ: لَوْ لَا هَلَّا جاء و اس میں دو احتمال ہیں اول یہ کہ یہ جملہ مستانفہ ہے تب تو ماقبل سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا اور اگر یہ کلام ماقبل کا تتمہ ہے تو لَولَا کے تحت میں داخل ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ اس افتراء اور بہتان کو سنتے ہی بہتر گمان کرنا چاہئے تھا اور اس افتراء پر چار عینی شاہدوں کا مطالبہ کرنا چاہئے تھا۔

قَوْلُہٗ: لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ یعنی یہ طوفان تو ایسا اٹھا تھا کہ نہ معلوم کون کون اس طوفان کی زد میں آتے لیکن اللہ نے محض اپنے فضل و کرم سے تم میں سے تائبین کی توبہ کو قبول فرمایا اور بعض کو حد شرعی جاری کرکے پاک کیا اور جو زیادہ خبیث تھے ان کو ایک گونہ مہلت دی ان کے لئے آخرت میں شدید عذاب ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ طُرُقَ **الشَّيْطٰنِ** ای تَزْيِيْنَهٗ **وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ** اَیِ المتبعَ **يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ** ای القَبِيْحِ **وَالْمُنْكَرِ** شَرْعًا بِاتِّبَاعِهَا **وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ** اَيُّهَا العُصْبَةُ بما قُلْتُمْ مِنَ الإفكِ **مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا** ای مَا صَلُحَ وَطَهُرَ من هٰذا الذنبِ بِالتَّوْبَةِ منه **وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ** يُطَهِّرُ **مَنْ يَّشَآءُ** مِنَ الذَّنْبِ بِقَبُوْلِ توبَتِهٖ مِنْهُ **وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ** لما قُلْتُمْ **عَلِيْمٌ** ﴿۲۱﴾ بِمَا قَصَدْتُمْ **وَلَا يَاْتَلِ** يَحْلِفْ **اُولُوا الْفَضْلِ** ای

اَصحابُ الغِنٰی مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ لا يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ نَزَلَتْ فِي اَبِيْ بَكْرٍ حَلَفَ اَنْ لَا يُنْفِقَ عَلٰى مِسْطَحٍ وهو ابْنُ خَالَتِهِ مِسْكِيْنٌ مُهَاجِرٌ بَدْرِيٌّ لِمَا خَاضَ فِي الافكِ بَعْدَ اَنْ كَانَ يُنْفِقُ عَلَيْهِ وناسٍ مِنَ الصَّحَابَةِ اَقْسَمُوْا اَنْ لَا يَتَصَدَّقُوْا عَلٰى مَنْ تَكَلَّمَ بِشَيْءٍ مِنَ الافكِ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا عَنْهم فِي ذٰلكَ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٢﴾ لِلْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ بَلٰى اَنَا اُحِبُّ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لِيْ وَرَجَعَ اِلٰى مِسْطَحٍ مَا كَانَ يُنْفِقُهُ عَلَيْهِ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ بالزِّنَا الْمُحْصَنٰتِ العَفَائِفَ الْغٰفِلٰتِ عَنِ الفَوَاحِشِ بِاَنْ لَّا يَقَعَ فِي قُلُوْبِهِنَّ فِعْلُها الْمُؤْمِنٰتِ بِاللّٰهِ ورَسُوْلِهِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٣﴾ يَّوْمَ نَاصِبُهُ الاِسْتِقْرَارُ الَّذِيْ تَعَلَّقَ بِهٖ لَهُمْ تَشْهَدُ بِالفَوْقَانِيَةِ وَالتَّحْتَانِيَّةِ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٤﴾ مِنْ قَوْلٍ وَّفِعْلٍ وَّهُوَ يَوْمُ القِيٰمَةِ يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ يُجَازِيْهِمْ جَزَاءَهُ الوَاجِبَ عَلَيْهِمْ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿٢٥﴾ حَيْثُ حَقَّقَ لَهُمْ جَزَاءَهُ الَّذِيْ كَانُوْا يَشُكُّوْنَ فِيْهِ مِنْهُمْ عَبْدُ اللّٰهِ بنُ اُبَيٍّ وَالْمُحْصَنٰتُ هُنَا اَزْوَاجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يُذْكَرْ فِيْ قَذْفِهِنَّ تَوْبَةٌ وَمَنْ ذُكِرَ فِي قَذْفِهِنَّ اَوَّلَ سُوْرَةِ التَّوْبَةِ غَيْرُهُنَّ اَلْخَبِيْثٰتُ مِنَ النِّسَاءِ ومِنَ الكَلِمٰتِ لِلْخَبِيْثِيْنَ مِنَ النَّاسِ وَالْخَبِيْثُوْنَ مِنَ النَّاسِ لِلْخَبِيْثٰتِ مِمَّا ذُكِرَ وَالطَّيِّبٰتُ مِمَّا ذُكِرَ لِلطَّيِّبِيْنَ مِنَ النَّاسِ وَالطَّيِّبُوْنَ مِنْهُمْ لِلطَّيِّبٰتِ مِمَّا ذُكِرَ اَيِ اللَّائِقُ بِالخَبِيْثِ مِثْلُهٗ وبِالطَّيِّبِ مِثْلُهٗ اُولٰٓئِكَ الطَّيِّبُوْنَ وَالطَّيِّبَاتُ مِنَ النِّسَاءِ وَمِنْهُمْ عَائِشَةُ وَصَفْوَانُ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ اي الخَبِيْثُوْنَ وَالخَبِيْثَاتُ مِنَ النِّسَاءِ فِيْهِمْ لَهُمْ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ النِّسَاءِ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٦﴾ فِي الجَنَّةِ وَقَدِ افْتَخَرَتْ عَائِشَةُ بِاَشْيَاءَ مِنْهَا اَنَّهَا خُلِقَتْ طَيِّبَةً وَّوُعِدَتْ مَغْفِرَةً وَرِزْقًا كَرِيْمًا.

ترجمہ: اے ایمان والو تم شیطان کے نقش قدم پر مت چلو یعنی شیطان کے راستوں پر مت چلو یعنی اس کی تلبیس اور فریب میں نہ آؤ، اور جو شخص شیطان کے نقش قدم پر چلتا ہے تو وہ یعنی شیطانی راستہ پر چلنے والا شیطان کے نقش قدم پر چلنے کی وجہ سے فحش یعنی بے حیائی اور شرعاً نامعقول ہی کام کرنے کو کہے گا اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم نہ ہوتا تو اے لوگو تم میں سے کبھی کوئی پاک صاف نہ ہوتا اس وجہ سے کہ تم نے افتراء پردازی کی، یعنی توبہ کے ذریعہ نہ اس گناہ سے درست ہوتا اور نہ پاک ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے پاک صاف کردیتا ہے گناہ سے اس کی توبہ کو قبول کرکے اور اللہ تعالیٰ تمہاری باتوں کو سنتا ہے اور تمہارے ارادوں کو جانتا ہے اور قسم نہ کھائیں وہ لوگ جو تم میں سے فضل والے یعنی مالدار اور وسعت والے ہیں کہ وہ اہل قرابت کو اور مساکین کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہ دیں گے یہ

آیت حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بارے میں نازل ہوئی تھی انہوں نے قسم کھائی تھی کہ اپنے خالہ زاد بھائی مسکین، مہاجر، بدری، مسطح پر خرچ نہ کریں گے اس لئے کہ انہوں نے افتراء پردازی میں حصہ لیا تھا حالانکہ ابوبکر صدیق ان پر خرچ کرتے تھے (یعنی ان کی کفالت کرتے تھے) اور صحابہ میں سے کچھ اور لوگوں نے بھی قسم کھائی تھی کہ وہ کسی ایسے شخص پر صدقہ نہ کریں گے جس نے کچھ بھی افک کے معاملہ میں زبانی (حصہ) لیا، ان کو چاہئے کہ اس معاملہ میں ان کو معاف کریں اور درگذر کریں کیا تم کو یہ بات پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف کردے اور اللہ تعالیٰ مومنین کے لئے غفور الرحیم ہے حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا بے شک میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے چنانچہ مسطح پر جو خرچ کرتے تھے وہ جاری کردیا اور جو لوگ ایسی عورتوں کو زنا کی تہمت لگاتے ہیں جو پاکدامن ہیں اور فحش باتوں سے بے خبر ہیں بایں طور کہ ان کے دل میں کبھی فواحش کے کرنے کا خیال بھی نہیں آتا اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والی ہیں تو ایسے لوگوں پر دنیا و آخرت میں لعنت کی جاتی ہے اور ان لوگوں کے لئے اس دن بڑا عذاب ہوگا جس دن ان کے خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پیر ان کے اعمال کی گواہی دیں گے خواہ اعمال قولی ہوں یا فعلی اور وہ قیامت کا دن ہوگا یوم کا ناصب اِسْتَقَرَّ (محذوف) ہے جس سے لَهُمْ متعلق ہے یَشْهَدُ تا اور یا دونوں کے ساتھ ہے اس دن اللہ تعالیٰ ان کو پورا پورا واجبی بدلہ دے گا یعنی جو جزاء ان پر واجب ہے وہ پوری پوری دے گا، اور ان کو معلوم ہوجائے گا کہ اللہ تعالیٰ ٹھیک فیصلہ کرنے والا (بات) کا کھولنے والا ہے اس طریقہ سے کہ ان کے سامنے ہر اس عمل کی جزاء متحقق ہوجائے گی جس میں وہ شک کرتے تھے (ان شک کرنے والوں) میں عبداللہ بن ابی بھی ہے، اور محصنٰت سے یہاں آپ ﷺ کی ازواج مطہرات مراد ہیں، ازواج مطہرات کے قذف کے سلسلہ میں توبہ کا ذکر نہیں فرمایا، اور ابتداء سورت میں جن کی قذف کے سلسلہ میں توبہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ ازواج مطہرات کے علاوہ ہیں، گندی عورتیں اور گندی باتیں گندے لوگوں کے لائق ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق ہیں۔

قِوْلَہٗ: مِمَّا ذُكِرَ ای النساء او کلمات اور مذکورین میں سے پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لائق ہیں اور مذکورین میں سے ستھرے مرد ستھری عورتوں کے لائق ہیں یعنی خبیث کے لائق خبیث ہے اور پاکیزہ کے لائق پاکیزہ ہے اور یہ پاکیزہ مرد اور پاکیزہ عورتیں اور ان ہی میں حضرت عائشہ اور حضرت صفوان ہیں اس بات سے پاک ہیں جو یہ بکتے پھرتے ہیں یعنی یہ خبیث مرد اور عورتیں ان حضرات کے بارے میں جو بکتے پھرتے ہیں ان کے لئے یعنی ان پاکیزہ مرد اور عورتوں کے لئے مغفرت اور جنت میں عزت کی روزی ہے اور حضرت عائشہ چند چیزوں پر فخر فرمایا کرتی تھیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ ان کو پاکیزہ پیدا کیا گیا اور ان سے مغفرت اور باعزت روزی کا وعدہ کیا گیا۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَاتَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّیْطٰنِ، خُطْوَۃ بضم الطاء وسکونہا بمعنی قدم۔

قولہ: مَنْ یتبع خطوات الشیطان شرط ہے جواب محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے مَنْ یَتبع خطُواتِ الشَّیطان فلا یَفلَحُ.

قولہ: فَاِنَّہٗ جواب شرط کی علت ہے۔

قولہ: ای المتَّبَع اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ ہٗ ضمیر کا مرجع مَنْ ہے مراد وہ شخص ہے جو شیطان کی اتباع کرتا ہے بعض حضرات نے اِنَّہٗ کی ضمیر شیطان کی طرف بھی راجع کی ہے یہی ظاہر ہے ضمیر شان بھی ہوسکتی ہے۔

قولہ: باتباعِھما یأمر سے متعلق ہے ما زکیٰ مِنکُمْ لَوْلَا کا جواب ہے مِنَ الاِفْکِ میں مِنْ بیانیہ ہے اور مِنْ اَحدٍ میں مِنْ زائدہ ہے اور احدٌ محل میں فاعل کے ہے۔

قولہ: لایأتل ایتلاءٌ (افتعال) سے نہی مضارع واحد مذکر غائب قسم نہ کھائیں اصل میں یاتلِیْ تھا لانا ہیہ کی وجہ سے ی گرگئی یاتل ہوگیا، مادہ اِلیٌّ بمعنی قسم۔

قولہ: ای اصحابُ الغنی یہ اولوا الفضل کی تفسیر ہے مفسر علام نے یہ تفسیر بغوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی اتباع میں کی ہے اگر فضل کی تفسیر فضل فی الدین سے کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا تاکہ حضرت ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی فضیلت پر استدلال ہوسکتا، اولوا الفضل کی تفسیر اصحاب الغنی سے کرنے میں بلا وجہ تکرار بھی لازم آتا ہے اس لئے کہ والسّعۃِ سے بھی خوشحالی اور مالی وسعت مراد ہے۔

قولہ: اَنْ لا یؤتوا لا کو دلالت مقام کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے، جیسا کہ تَفْتَؤا تذکر یوسف میں لا مقدر ہے اور یہ حرف جر کی تقدیر کے ساتھ ہے ای علیٰ اَنْ لایُؤتُوا.

قولہ: وناسٍ اس کا عطف ابی بکر پر ہے ای نَزَلَتْ فی ابی بکرٍ وناسٍ مِنَ الصَّحابۃِ یَوْمَ کا ناصب محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے وعذاب عظیمٌ کائن لھُمْ یوم تَشْھَدُ الخ.

سَوال: عذابٌ مصدر کے ذریعہ منصوب کیوں نہیں ہے؟

جَواب: مصدر کے عمل کی بصریین کے نزدیک شرط یہ ہے کہ مصدر موصوف واقع نہ ہو اور یہاں عظیم کا موصوف واقع ہے لہٰذا عذاب مصدر ناصب نہیں ہوسکتا۔

قولہ: الخبیثات للخبیثین (الآیۃ) جملہ مستانفہ ہے۔

قولہ: مِنَ النساءِ ومِن الکلماتِ مفسر علام کا مقصد اس عبارت سے یہ بتانا ہے کہ الخبیثٰت کی دو تفسیریں منقول ہیں

ایک النساء اور دوسری الکلمات اور واو بمعنی اوْ ہے۔

قَوْلُہٗ: لَھُمْ مغفرۃٌ یہ جملہ مستانفہ بھی ہوسکتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اولئك کی خبر ثانی ہونے کی وجہ سے محل میں رفع کے ہو اور خبر اول مُبَرَّءُ وْنَ ہو۔

تفسیر و تشریح

یٰٓا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لاتَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّیْطٰنِ آیت کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کی چالوں اور فریب کاریوں سے ہوشیار رہا کرو، مسلمان کا یہ کام نہیں ہونا چاہئے کہ شیاطین الانس والجن کے نقش قدم پر چلے، ان ملعونوں کا تو مشن ہی یہ ہے کہ لوگوں کو بے حیائی اور برائی کی طرف لے جائیں تم جان بوجھ کر کیوں ان کی چالوں میں آتے ہو، دیکھو شیطان نے ذرا سا شوشہ چھوڑ کر کتنا بڑا طوفان کھڑا کر دیا اور کئی سیدھے سادھے مسلمان کس طرح اس کے دام فریب میں پھنس گئے۔

وَلَوْلاَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ یعنی شیطان تو سب کو بگاڑ کر چھوڑتا ایک کو بھی سیدھے راستہ پر نہ رہنے دیتا یہ تو خدا کا فضل اور اس کی رحمت ہے کہ وہ اپنے مخلص بندوں کی دستگیری فرما کر بہت سوں کو محفوظ رکھتا ہے اور بعض کو مبتلا ہونے کے بعد توبہ کی توفیق دیکر درست کر دیتا ہے۔

وَلَایَاْتَلِ اُولُوا الفَضْلِ حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا کے خلاف طوفان برپا کرنے والوں میں بعض مخلص مسلمان بھی نادانی سے شریک ہو گئے تھے، ان میں سے ایک حضرت مسطح بن اُثاثہ بھی تھے جو ایک مفلس مہاجر ہونے کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بھانجے یا خالہ زاد بھائی ہوتے تھے، حضرت ابوبکر صدیق ان کی مالی اعانت فرمایا کرتے تھے، جب حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا کی براءت آسمان سے نازل ہو چکی اور قصہ ختم ہو گیا تو حضرت ابوبکر صدیق نے قسم کھالی کہ آئندہ مسطح کی کوئی مدد نہ کریں گے، حضرت ابوبکر صدیق کو اس واقعہ سے چونکہ سخت صدمہ پہنچا تھا خاص طور پر حضرت مسطح کے اس مہم میں شریک ہونے کی وجہ سے اور بھی زیادہ رنج ہوا، اس لئے کہ جن لوگوں سے حمایت کی امید ہوتی ہے وہ بھی مخالفت پر اتر آئیں تو تقاضائے بشریت دکھ ہونا فطری بات ہے، اس فطری اور بشری تقاضہ سے حضرت صدیق قسم کھا بیٹھے کہ آئندہ مسطح کی مالی مدد نہ کروں گا، غالباً ایسی ہی صورت حال بعض دیگر صحابہ کو بھی پیش آئی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی یعنی تم میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی بزرگی اور دنیا کی وسعت عطا فرمائی ان کے لئے مناسب نہیں کہ وہ ایسی قسم کھائیں، ان کا ظرف بہت بڑا اور ان کے اخلاق بہت بلند ہونے چاہئیں، اعلیٰ قسم کی جوانمردی تو یہ ہے کہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دیا جائے محتاجوں رشتہ داروں اور خدا کے لئے وطن چھوڑنے والوں کی اعانت سے دست کش ہونا بزرگوں اور بہادروں کا کام نہیں، اگر قسم کھالی ہے تو ایسی قسم کو پورا مت کرو اس کا کفارہ ادا کر دو، تمہاری شان تو یہ ہونی چاہئے کہ خطاکاروں کی خطا سے عفو و درگذر سے کام لیں، کیا تم حق تعالیٰ سے عفو و درگذر کی خواہش اور امید نہیں رکھتے؟ اگر رکھتے ہو تو تم کو بھی اس کے بندوں کے معاملہ میں خود اختیار کرنی چاہئے، احادیث میں ہے کہ ابوبکر صدیق نے جب سنا **اَلاَ تُحِبُّوْنَ**

اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے، تو فوراً بول اٹھے بَلٰی یَا رَبَّنَا اِنَّا نُحِبُّ بے شک اے پروردگار! ہم ضرور چاہتے ہیں، یہ کہہ کر مسطح کی سابقہ امداد بدستور جاری کردی بعض روایات میں ہے کہ پہلے سے دوگنی کردی، مسطح ھو ابن اثاثۃ بن عباد بن المطلب بن عبد مناف اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ ان کا اصل نام عوف ہے اور مسطح لقب ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ اس آیت میں بظاہر وہ مضمون مکرر بیان ہوا ہے جو اس سے پہلی آیات قذف میں آچکا ہے لیکن درحقیقت ان دونوں میں ایک بڑا فرق ہے کیونکہ آیات حد قذف کے آخر میں توبہ کرنے والوں کا استثناء اور ان کے لئے مغفرت کا وعدہ ہے، اس آیت میں ایسا نہیں بلکہ دنیا و آخرت کی لعنت اور عذاب عظیم بلا استثناء مذکور ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا تعلق ان لوگوں سے ہے جنہوں نے حضرت صدیقہ عائشہ پر تہمت لگائی اور پھر اس سے توبہ نہیں کی حتی کہ قرآن کریم میں، ان کی براءت نازل ہونے کے بعد بھی وہ اپنے افتراء پر قائم رہے اور تہمت کا چرچا کرتے رہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ پر تہمت کے قضیہ میں جو بعض مسلمان بھی شریک ہوگئے تھے یہ قضیہ اس وقت کا تھا جب تک آیات براءت قرآن میں نازل نہیں ہوئی تھیں آیات براءت نازل ہونے کے بعد جو شخص حضرت صدیقہ پر تہمت لگائے، وہ بلا شبہ کافر منکر قرآن ہے، جیسا کہ شیعوں کے بعض فرقے اور بعض افراد اس میں مبتلا پائے جاتے ہیں ان کے کافر ہونے میں کوئی شک وشبہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے وہ باجماع امت کافر ہیں۔ (معارف)

اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ (الآیۃ) یعنی بدکار اور گندی عورتیں گندے اور بدکار مردوں کے لائق ہیں اسی طرح بدکار اور گندے مرد اس قابل ہیں کہ ان کا تعلق اپنے جیسی گندی اور بدکار عورتوں سے ہو، پاک اور ستھرے آدمیوں کا ناپاک، بدکاروں سے کیا تعلق؟ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا کہ پیغمبر کی عورت بدکار (زانیہ) نہیں ہوسکتی یعنی اللہ تعالیٰ ان کی ناموس کی حفاظت فرماتے ہیں، آیت کا یہ مطلب تو مشہور اور عام ترجمہ کے مطابق ہوا مگر بعض مفسرین سلف سے یہ منقول ہے کہ اَلْخَبِیْثٰتُ اور اَلطَّیِّبٰتُ سے یہاں عورتیں مراد نہیں ہیں بلکہ اقوال اور کلمات مراد ہیں یعنی گندی باتیں گندوں کے لائق اور ستھری باتیں ستھرے اور پاکباز مردوں کے لائق اچھے اور ستھرے لوگ ایسی گندی باتوں سے پاک اور بری ہوتے ہیں جیسا کہ آگے اولئك مبرء ون مما یقولون سے ظاہر ہے۔

حضرت لوط عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اور حضرت نوح عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کی ازواج کے بارے میں جو قرآن کریم میں ان کا کافر ہونا مذکور ہے تو ان کے متعلق بھی یہ ثابت ہے کہ کافر ہونے کے باوجود فسق وفجور میں مبتلا نہیں تھیں، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا مَابَغَتْ اِمْرَاَۃُ نَبِیٍّ قَطّ یعنی کسی نبی کی بیوی کافرہ ہوجائے اس کا تو امکان ہے مگر بدکار اور فاحشہ ہوجائے یہ ممکن نہیں، کیونکہ بدکاری طبعی طور پر عوام کی نفرت کی موجب ہے کفر طبعی نفرت کا موجب نہیں۔ (بیان القرآن)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا اى تَستَاذِنُوا **وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا** فَيَقُولُ الوَاحِدُ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ كَمَا وَرَدَ فِى حَدِيثٍ **ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ** مِنَ الدُّخُولِ بِغَيْرِ اِسْتِيذَانٍ **لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ** ﴿۲۷﴾ بِإِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِى الذَّالِ خَيْرِيَّتَهُ فَتَعْمَلُوْنَ بِهٖ **فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا** يَاذَنُ لَكُمْ **فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ** بَعْدَ الاِسْتِيذَانِ **ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ** اى الرُّجُوعُ **اَزْكٰى** اى خَيْرٌ **لَكُمْ** مِنَ القُعُودِ عَلَى البَابِ **وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ** مِنَ الدُّخُولِ بِإِذْنٍ وغَيْرِ اِذْنٍ **عَلِيْمٌ** ﴿۲۸﴾ فَيُجَازِيكُم عَلَيْهِ **لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ** اى مَنْفَعَةٌ **لَّكُمْ** بِاسْتِكْنَانٍ وَغَيْرِهٖ كَبُيُوتِ الرُّبُطِ وَالخَانَاتِ المُسْبَلَةِ **وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ** تُظْهِرُوْنَ **وَمَا تَكْتُمُوْنَ** ﴿۲۹﴾ تُخْفُوْنَ فِى دُخُولِ غَيْرِ بُيُوتِكُمْ مِنْ قَصْدِ صَلَاحٍ اَوْ غَيْرِهٖ وَسَيَاتِى اَنَّهُمْ اِذَا دَخَلُوا بُيُوتَهُمْ يُسَلِّمُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ **قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ** عَمَّا لَا يَحِلُّ لَهُمْ نَظَرُهُ وَمِنْ زَائِدَةٌ **وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ** عَمَّا لَا يَحِلُّ لَهُمْ فِعْلُهُ بِهَا **ذٰلِكَ اَزْكٰى** اى خَيْرٌ **لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ** ﴿۳۰﴾ بِالاَبْصَارِ وَالفُرُوجِ فَيُجَازِيهِم عَلَيْهِ **وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ** عَمَّا لَا يَحِلُّ لَهُنَّ نَظَرُهُ **وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ** عَمَّا لَا يَحِلُّ فِعْلُهُ بِهَا **وَلَا يُبْدِيْنَ** يُظْهِرْنَ **زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا** وَهُوَ الوَجْهُ وَالكَفَّانِ فَيَجُوزُ نَظَرُهُ لِاَجْنَبِيٍّ اِنْ لَمْ يَخَفْ فِتْنَةً فِى اَحَدِ الوَجْهَيْنِ وَالثَّانِى يَحْرُمُ لِاَنَّهُ مَظِنَّةُ الفِتْنَةِ وَرُجِّحَ حَسْمًا لِلْبَابِ **وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ** اى يَسْتُرْنَ الرُّؤُسَ وَالاَعْنَاقَ وَالصُّدُورَ بِالمَقَانِعِ **وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ** الخَفِيَّةَ وَهِىَ مَاعَدَا الوَجْهِ وَالكَفَّيْنِ **اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ** جَمْعُ بَعْلٍ اى زَوْجٍ **اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ** فَيَجُوزُ لَهُمْ نَظَرُهُ اِلَّا مَا بَيْنَ السُّرَّةِ وَالرُّكْبَةِ فَيَحْرُمُ نَظَرُهُ لِغَيْرِ الاَزْوَاجِ وَخَرَجَ بِنِسَائِهِنَّ الكَافِرَاتُ فَلَا يَجُوزُ لِلْمُسْلِمٰتِ الكَشْفُ لَهُنَّ وَشَمَلَ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ العَبِيدَ **اَوِ التّٰبِعِيْنَ** فِى فُضُولِ الطَّعَامِ **غَيْرِ** بِالجَرِّ صِفَةٌ وَالنَّصْبِ اِسْتِثْنَاءٌ **اُولِى الْاِرْبَةِ** اَصْحَابِ الحَاجَةِ اِلَى النِّسَاءِ **مِنَ الرِّجَالِ** بِاَنْ لَمْ يَنْتَشِرْ ذَكَرُ كُلٍّ **اَوِ الطِّفْلِ** بِمَعْنَى الاَطْفَالِ **الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا** يَطَّلِعُوا **عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ** لِلْجِمَاعِ فَيَجُوزُ اَنْ يُبْدِيْنَ لَهُمْ مَا عَدَا بَيْنَ السُّرَّةِ وَالرُّكْبَةِ **وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ** مِنْ خَلْخَالٍ يَتَقَعْقَعُ **وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ** مِمَّا وَقَعَ لَكُمْ مِنَ النَّظَرِ المَمْنُوعِ مِنْهُ وَمِنْ غَيْرِهٖ **لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ** ﴿۳۱﴾ تَنْجُوْنَ مِنْ ذٰلِكَ لِقَبُولِ التَّوْبَةِ مِنْهُ وَفِى الآيَةِ تَغْلِيبُ الذُّكُورِ عَلَى الاِنَاثِ **وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ** جَمْعُ اَيِّمٍ وَهِىَ مَنْ لَيْسَ لَهَا زَوْجٌ بِكْرًا كَانَتْ اَوْ ثَيِّبًا وَمَنْ لَيْسَ لَهُ زَوْجَةٌ وَهٰذَا فِى الاَحْرَارِ وَالحَرَائِرِ **وَالصّٰلِحِيْنَ** اى المُؤْمِنِينَ **مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ** وَعِبَادٌ مِنْ جُمُوعِ عَبْدٍ **اِنْ يَّكُوْنُوْا** اى الاَحْرَارُ **فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ** بِالتَّزَوُّجِ **مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ** لِخَلْقِهٖ **عَلِيْمٌ** ﴿۳۲﴾ بِهِمْ **وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا** اى مَا يَنْكِحُوْنَ بِهٖ مِنْ مَهْرٍ وَنَفَقَةٍ مِنَ الزِّنَا

حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ يُوَسِّعَ عَلَيْهِمْ مِنْ فَضْلِهٖ فَيَنْكِحُوْنَ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ بِمَعْنَى الْمُكَاتَبَةِ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِنَ الْعَبِيْدِ وَالْاِمَاءِ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا اى اَمَانَةً وَقُدْرَةً عَلَى الْكَسْبِ لِاَدَاءِ مَالِ الْكِتَابَةِ وَصِيْغَتُهَا مَثَلًا كَاتَبْتُكَ عَلَى اَلْفَيْنِ فِيْ شَهْرَيْنِ كُلَّ شَهْرٍ اَلْفٌ فَاِذَا اَدَّيْتَهَا فَاَنْتَ حُرٌّ فَيَقُوْلُ قَبِلْتُ ذٰلِكَ وَّاٰتُوْهُمْ اَمْرٌ لِلسَّادَةِ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ مَا يَسْتَعِيْنُوْنَ بِهٖ فِيْ اَدَاءِ مَا الْتَزَمُوْهُ لَكُمْ وَفِيْ مَعْنَى الْاِيْتَاءِ حَطُّ شَيْءٍ مِمَّا الْتَزَمُوْهُ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ اى اِمَائِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اى الزِّنَا اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا تَعَفُّفًا عَنْهُ وَهٰذِهِ الْاِرَادَةُ مَحَلُّ الْاِكْرَاهِ فَلَا مَفْهُوْمَ لِلشَّرْطِ لِّتَبْتَغُوْا بِالْاِكْرَاهِ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا نَزَلَتْ فِيْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اُبَيٍّ كَانَ يُكْرِهُ جَوَارِيَ لَهٗ عَلَى الْكَسْبِ بِالزِّنَا وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ لَهُنَّ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾ بِهِنَّ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ بِفَتْحِ الْيَاءِ وَكَسْرِهَا فِيْ هٰذِهِ السُّوْرَةِ بُيِّنَ فِيْهَا مَا ذُكِرَ اَوْ بَيِّنَةً وَّمَثَلًا اى خَبَرًا عَجِيْبًا وَهُوَ خَبَرُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ اى، مِنْ جِنْسِ اَمْثَالِهِمْ اى اَخْبَارِهِمُ الْعَجِيْبَةِ كَخَبَرِ يُوْسُفَ وَمَرْيَمَ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ الخ لَوْ لَا اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ الخ وَلَوْ لَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ الخ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا الخ وَتَخْصِيْصُهَا بِالْمُتَّقِيْنَ لِاَنَّهُمُ الْمُنْتَفِعُوْنَ بِهَا.

ع ۸

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک کہ اجازت حاصل نہ کرلو اور اہل خانہ کو سلام نہ کرلو پس ہر اجازت لینے والے کو چاہئے کہ کہے **السلام علیکم أادخل** کیا میں داخل ہوسکتا ہوں؟ جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے یہی تمہارے لئے بہتر ہے بغیر اجازت داخل ہونے سے تاکہ تم خیال رکھو اجازت کے خیر ہونے کا پھر تم اس پر عمل کرو تائے ثانیہ کو ذال میں ادغام کرکے سوا گرتم گھروں میں کسی کو نہ پاؤ کہ تم کو اجازت دے تو ان میں داخل نہ ہو جب تک کہ تم کو اجازت نہ دیدی جائے اور اگر اجازت طلب کرنے کے بعد تم سے کہہ دیا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ آیا کرو یہی لوٹ آنا تمہارے دروازہ پر بیٹھ رہنے سے بہتر ہے اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال دخول بالاذن اور دخول بغیر الاذن کی سب خبر ہے لہٰذا ان اعمال پر جزا دے گا تم کو ایسے مکانات میں (بغیر اجازت) داخل ہونے میں کوئی گناہ نہ ہوگا جو رہائشی نہ ہوں اور جن سے تمہاری بھی کچھ منفعت وابستہ ہو (مثلاً) گرمی سردی سے بچنے وغیرہ کی منفعت جیسا کہ عام سرائے کے طور پر استعمال ہونے والے مکانات اور دوکان اور جو کچھ تم علانیہ کرتے ہو اور پوشیدہ طور پر کرتے ہو دوسروں کے گھروں میں اصلاح یا غیر اصلاح کے ارادہ سے داخل ہونے کو اللہ سب جانتا ہے اور یہ (مضمون) عنقریب آرہا ہے کہ لوگ جب اپنے گھروں میں داخل ہوں تو خود کو سلام کریں آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہوں کو ان چیزوں سے نیچی رکھیں جن کا دیکھنا ان کے لئے حلال نہیں ہے، اور مِن زائدہ ہے اور اپنی شرمگاہوں کو ان افعال سے محفوظ رکھیں جن کا ارتکاب ان کے لئے

حلال نہیں ہے، یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزگی کی بات ہے یعنی بہتر ہے اللہ تعالیٰ کو سب معلوم ہے جو کچھ وہ اپنی آنکھوں اور شرمگاہوں سے کرتے ہیں اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں ان چیزوں سے کہ جن کا دیکھنا جائز نہیں ہے اور اپنی شرمگاہوں کو ان کاموں سے محفوظ رکھیں جن کا ارتکاب ان کے لئے حلال نہیں ہے اور اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیں سوائے اس کے جو ظاہر ہے اور وہ چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں اجنبی کے لئے ایک قول میں ان اعضاء کا دیکھنا جائز ہے اگر فتنہ کا خوف نہ ہو اور دوسرے قول میں حرام ہے، اس لئے کہ یہ محل فتنہ ہیں اور (دوسرے قول کو) سداً للباب راجح قرار دیا گیا ہے اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں یعنی سروں، گردنوں اور سینوں کو دوپٹوں سے ڈھانپے رہا کریں، اور اپنی پوشیدہ زینت کو ظاہر نہ ہونے دیں اور وہ چہرے اور ہتھیلیوں کے علاوہ ہے مگر اپنے شوہروں پر (بـعـول) بعْل کی جمع ہے بمعنی شوہر اور اپنے باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر یا اپنی عورتوں پر (یعنی مسلمان عورتوں پر) یا اپنی لونڈیوں پر ان لوگوں کے لئے ناف اور گھٹنے کے درمیان کے علاوہ دیکھنا جائز ہے لہٰذا ناف اور گھٹنے کے درمیانی حصہ کو شوہروں کے علاوہ کے لئے دیکھنا حرام ہے، اور نِسـائهِنَّ کی قید سے کافر عورتیں خارج ہو گئیں، لہٰذا مسلمان عورتوں کے لئے کافر عورتوں کے روبرو بے پردہ ہونا جائز نہیں ہے اور مَـا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ کا لفظ (اپنے عموم کی وجہ سے) غلاموں کو بھی شامل ہے یا ان مردوں پر جو طفیلی ہوں یعنی ایسے لوگ جو بچے ہوئے کھانے کے متلاشی ہوں ان کی اور کوئی غرض نہ ہو غیرِ جر کے ساتھ (التـابـعين) کی صفت ہوگی اور نصب استثناء کی وجہ سے ہوگا اُولِـي الاِرْبَةِ وہ مرد جو کھانے وغیرہ کے لئے عورتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں (ان کا اور کوئی مقصد نہیں ہوتا) ہر ایسا شخص کہ جس کے عضو تناسل میں انتشار نہ ہو یا ایسے لڑکوں پر جو (ابھی) عورتوں کی پردے کی یعنی جماع وغیرہ کی باتوں سے واقف نہیں ہوئے ہیں اور طفل بمعنی اطفال ہے، تو ایسے لوگوں کے لئے (مابین السرة والركبة) کے علاوہ ظاہر کرنا جائز ہے اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ ان کا مخفی زیور ظاہر ہو جائے کہ وہ بجنے والی پازیب ہے اور اے مومنو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو نظر ممنوع وغیرہ سے جو تم سے واقع ہو گئی ہے تا کہ تم فلاح پاؤ یعنی تا کہ تم اس سے (یعنی نظر ممنوع کے گناہ سے) نجات پاؤ، اللہ کے توبہ کو قبول کرنے کے ذریعہ، اور آیت میں مذکر کو مؤنث پر غلبہ ہے اور تم میں سے جو بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دیا کرو ایَـامٰی اَیِّمْ کی جمع ہے وہ وہ عورت ہے جس کا شوہر نہ ہو خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ اور وہ مرد جس کی بیوی نہ ہو اور یہ (حکم) آزاد مرد اور عورتوں کا ہے اور تم اپنے مومن غلام اور باندیوں کا بھی (نکاح کر دیا کرو) اور عِبَـاد عبدٌ کی جمع ہے اگر وہ افراد مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس نکاح کی برکت سے غنی کر دے گا اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے لئے وسعت والا ہے اور (ان کے حالات) کا جاننے والا ہے اور ایسے لوگ جو نکاح پر مہر و نفقہ نہ ہونے کی وجہ سے قدرت نہیں رکھتے ان کو چاہئے کہ زنا سے ضبط سے کام لیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے یعنی ان کو وسعت عطا فرما دے پھر وہ نکاح کر لیں اور تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتبت

کے خواہاں ہوں غلام اور باندیوں میں سے تو ان کو مکاتب بنادیا کرو اگر تم ان میں بہتری سمجھو یعنی امانت اور بدل کتابت ادا کرنے کے لئے کمانے کی قدرت اور (رہا) مکاتبت کا صیغہ تو مثلاً یوں کہے میں نے تجھ کو دو ماہ میں دو ہزار پر مکاتب بنادیا ہر ماہ میں ایک ہزار جب تو اس کو ادا کردے گا تو آزاد ہے غلام کہے کہ مجھے یہ منظور ہے اور اللہ کے اس مال میں سے جو اس نے تم کو دیا ہے ان کو بھی دو جس سے وہ اس بدل کتابت کی ادائیگی میں مدد حاصل کریں جس کو انہوں نے تمہارے لئے (اپنے اوپر) لازم کرلیا ہے، یہ سرداروں کو حکم ہے اور جو انہوں نے (اپنے اوپر) لازم کرلیا ہے اس میں سے کچھ کم کردینا یہ بھی دینے کے حکم میں ہے اور اپنی لونڈیوں کو یعنی باندیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاکدامن رہنا چاہیں یعنی زنا سے بچنا چاہیں اور یہ یعنی ارادۂ تحصن ہی محل اکراہ ہے، لہٰذا شرط کے مفہوم مخالف کا کوئی اعتبار نہیں ہے تاکہ تم اکراہ کے ذریعہ دنیوی کچھ فائدہ حاصل کرو یہ آیت عبداللہ بن ابی کے بارے میں نازل ہوئی جو کہ اپنی باندیوں کو زنا کے ذریعہ کسب کرنے پر مجبور کرتا تھا اور جو شخص ان کو مجبور کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان کے مجبور کئے جانے کے بعد ان کو بخشنے والا مہربان ہے اور بلاشبہ ہم نے تمہارے پاس اس سورت میں کھلے احکام نازل کئے (مبینٰت) میں یا کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے اس (سورت) میں وہ احکام بیان کئے گئے ہیں جو مذکور ہوئے یا (احکام کو) واضح کرنے والی آیات نازل کی ہیں اور عجیب خبر نازل کی اور وہ حضرت عائشہ رَضِحَالِلّٰہُ تَعَالیٰ عَنْهَا کا واقعہ ہے کہ جو آپ سے پہلے گذرے ہوئے لوگوں کی خبر کی جنس سے ہے (عجیب ہونے میں) یعنی ان لوگوں کی اخبار عجیبہ کی جنس سے ہے، جیسا کہ حضرت یوسف عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ و مریم علیہا السلام کی خبر اور ڈرنے والوں کے لئے نصیحت کی باتیں (نازل فرمائیں) اللہ تعالیٰ کے قول وَلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ (الآیة) میں (اور) لَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ (الآیه) میں اور وَلَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ (الآیة) میں (اور) یَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا (الآیه) میں متقین کی تخصیص اس لئے ہے کہ یہی لوگ نصیحت سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَاتَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا ای تَسْتَاْذِنُوْا سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے ستر وحجاب، عفت و پاکدامنی کے احکام بیان فرمائے، منجملہ انہی احکام کے کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل نہ ہونا ہے لہٰذا ستر وحجاب کے احکام کے بعد مسئلۂ استیذان کو بیان فرمایا، سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے گھروں میں داخل ہونے کے آداب کو بیان فرمایا اس لئے کہ اجنبی مرد وزن کا اختلاط بعض اوقات فتنہ کا سبب بن جاتا ہے۔

قَوْلُہٗ: تَسْتَاْنِسُوْا بمعنی تَسْتَاْذِنُوْا ہے یہ استیذان سے مشتق ہے اس کے معنی اجازت لینا، انسیت پیدا کرنا۔

قَوْلُہٗ: لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ یہ لَاتَدْخُلُوْا بُیُوْتًا سے بمنزلہ استثناء ہے۔

قِوْلُہٗ: اِسْتِکْنَانٌ یہ کِنٌّ سے مشتق ہے اس کے معنی چھپنے کے ہیں یعنی سردی، گرمی یا بارش وغیرہ سے چھپ کر راحت حاصل کرنا۔

قِوْلُہٗ: رُبُطٌ، رِبَاطٌ کی جمع ہے اس کے اصل معنی تو اصطبل یا بیرک کے ہیں مگر یہاں وہ سرائے اور عام مسافر خانے مراد ہیں جن میں آمد و رفت کی عام اجازت ہوتی ہے اور جو منفعت عامہ کے لئے بنائے جاتے ہیں اَلْمُسْبَلَة اس راستہ کو کہتے ہیں جو خوب چلتا ہو اسی مناسبت سے اس مکان کو بھی کہتے ہیں جس میں عام آمد و رفت کی اجازت ہو مَسْبَلَة دراصل رُبُطٌ کی صفت ہے لہٰذا اگر اس کو رُبُطٌ کے متصل ذکر کرتے تو زیادہ واضح ہوتا خطیب کی عبارت اس طرح ہے کبُیُوتِ الخَانَاتِ و الربط المسبلة (جمل) خانات خانة کی جمع دکان کو کہتے ہیں جہاں خرید و فروخت کے لئے آنے کی عام اجازت ہوتی ہے، المَسْبَلة، رُبُط اور خانات دونوں کی صفت بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

قِوْلُہٗ: بالمَقَانِع یہ مِقنَعٌ یا مِقْنعة کی جمع ہے، دوپٹہ اوڑھنی وغیرہ۔

قِوْلُہٗ: اوِ التابعینَ ای التَّابِعِیْنَ للنساءِ وہ خفیف العقل اور نیم پاگل لوگ جو کھانے وغیرہ کی جستجو میں عورتوں کے ساتھ ہولیتے ہیں خَلْخَال پازیب (ج) خلاخیل، تَقَعْقَعَ یَتَقَعْقَعُ حرکت کے ساتھ آواز نکالنا۔

قِوْلُہٗ: الصّٰلِحِیْنَ ای المؤمنین یہاں صالحین سے وہ مومنین مراد ہیں جو حقوق نکاح کے ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

قِوْلُہٗ: وَالَّذِیْنَ یَبْتَغُوْنَ الْکِتٰبَ، وَالَّذِیْنَ موصول صلہ سے مل کر مبتداء متضمن بمعنی شرط ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے، اس صورت میں فکاتبوھم اس کی خبر ہے اور مما ملکت ایمانکم، یبتغون کی ضمیر سے حال ہے، اور فعل مقدر کی وجہ سے نصب بھی جائز ہے اس صورت میں محلاً منصوب ہوگا اور باب اشتغال سے ہوگا۔

قِوْلُہٗ: ھٰذہ الإرادۃ محل الاکراہ فلا مفھوم للشرط یہ ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ اِنْ اردنَ تحصنًا حرف شرط سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر باندیاں پاکدامن رہنا چاہیں تو ان کو زنا پر مجبور نہ کیا جائے اور اگر پاکدامن رہنا نہ چاہیں تو مجبور کر سکتے ہیں، جواب یہ ہے کہ اجبار کی ضرورت ہی جب پڑے گی جب کہ وہ پاکدامن رہنا چاہیں اور اگر وہ خود ہی پاکدامن رہنا نہ چاہیں تو اجبار کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی، وہ خود اپنی مرضی سے فعل زنا کرلے گی۔

قِوْلُہٗ: اَوْبَیِّنَة بمعنی مُبَیِّنَةٍ اسم فاعل احکام کو واضح کرنے والی آیات۔

قِوْلُہٗ: مثلاً یعنی اس سورت میں یا اس قرآن میں ہم نے تمہارے لئے واضح احکام نازل کئے اور حضرت عائشہ صدیقہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کا عجیب واقعہ بھی نازل کیا جو عجیب ہونے میں گذرے ہوئے لوگوں مثلاً حضرت یوسف و مریم علیہما السلام کے واقعہ کے مشابہ ہے اس لئے کہ ان دونوں حضرات پر بھی تہمت لگائی گئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کی براءۃ بھی ظاہر فرمادی تھی۔

تفسیر وتشریح

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَدْخُلُوْا بُیُوْتًا (الآیة).

سبب نزول:

عدی بن ثابت ایک انصاری شخص سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا یارسول اللہ میں بعض اوقات گھر میں ایسی حالت میں ہوتی ہوں کہ میں پسند نہیں کرتی کہ کوئی اس حالت میں مجھے دیکھے نہ بیٹا اور نہ باپ تو اچانک کوئی آنے والا آجاتا ہے تو میں کیا کروں؟ تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

مکانات کی قسمیں:

مکانات کی چار قسمیں ہیں۔ ① اول اپنا خاص مکان یا کمرہ کہ جس میں دوسرے کے آنے کا احتمال ہی نہ ہو۔ ② دوسرے وہ مکان جس میں دیگر حضرات بھی رہتے ہوں گو وہ محارم ہی کیوں نہ ہوں یا کسی کے آجانے کا احتمال ہو۔ ③ تیسرا جس میں بالفعل کسی کا رہنا یا نہ رہنا دونوں محتمل ہوں۔ ④ چوتھا جس میں کسی خاص سکونت کا نہ ہونا متیقن ہو، جیسے مدرسہ، خانقاہ، مسجد، سرائے۔

قسم اول کا حکم تو یہ ہے کہ اس میں کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ علت استیذان جو آئندہ معلوم ہوگی منتفی ہے، دوسری اقسام کا حکم اگلی آیتوں میں مذکور ہے۔

استیذان کی مصلحت:

سب سے بڑی مصلحت تو فواحش وبے حیائی کا انسداد ہے، بلا اجازت کسی کے مکان میں داخل ہوجانے سے یہ احتمال ہے کہ غیر محرم عورتوں پر نظر پڑے اور شیطان دل میں کوئی مرض پیدا کردے، اسی مصلحت کے پیش نظر احکام استیذان کو قرآن کریم میں حد زنا اور حد قذف وغیرہ احکام کے متصل بعد بیان فرمایا ہے، ایک اہم مصلحت یہ بھی ہے کہ انسان بعض اوقات اپنے گھر میں تنہائی میں کوئی ایسا کام کررہا ہوتا ہے جس پر دوسروں کو مطلع کرنا مناسب نہیں سمجھتا، اگر ایسے وقت میں کوئی شخص بغیر اجازت گھر میں آجائے تو یہ جس چیز کو دوسروں سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے اس پر وہ شخص مطلع ہوجائے گا کسی کے پوشیدہ راز کو زبردستی معلوم کرنے کی فکر کرنا بھی گناہ اور دوسروں کے لئے موجب ایذاء ہے۔

مسئلہ: ان آیات یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا (الآیہ) میں اگرچہ خطاب مردوں کو ہے مگر عورتیں بھی اس حکم میں داخل ہیں، قرآن کا عام اسلوب بھی یہ ہے کہ خطاب مردوں کو ہوتا ہے اور عورتیں بھی اس حکم میں داخل ہوتی ہیں، بجز مخصوص مسائل کے کہ جن کی

خصوصیت مردوں کے ساتھ بیان کردی جاتی ہے، چنانچہ حضرات صحابہ کی مستورات کا بھی یہی دستور تھا کہ جب کسی کے گھر جاتیں تو داخل ہونے سے پہلے اجازت طلب کرتیں، حضرت ام ایاس فرماتی ہیں کہ ہم چار عورتیں اکثر حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس جایا کرتی تھیں اور گھر میں داخل ہونے سے پہلے استیذان کرتی تھیں، جب وہ اجازت دیدیتیں تو اندر جاتی تھیں۔

(ابن کثیر بحواله ابن ابی حاتم)

مَسْئَلَۃٌ: اسی آیت کے عموم سے معلوم ہوا کہ کسی دوسرے شخص کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے استیذان کا حکم عام ہے، عورت مرد، محرم غیر محرم سب کو شامل ہے، عورت کسی عورت کے پاس جائے یا مرد کسی مرد کے پاس جائے سب کو استیذان کرنا واجب ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی ماں بہن یا دوسری محرم عورتوں کے پاس جائے تب بھی استیذان کرنا چاہئے، امام مالک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے موطا میں مرسلاً عطاء بن یسار سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول ﷺ سے دریافت کیا أ أستاذِنُ علٰی اُمّی آپ نے فرمایا نَعَمْ اس شخص نے کہا یارسول اللہ میرے سوا اس کا کوئی خادم نہیں ہے کیا پھر بھی ہر مرتبہ داخل ہوتے وقت اجازت لوں؟ تو آپ نے فرمایا أتحبُّ أن تراھا عُرْیَانَةً کیا تجھے یہ بات پسند ہے کہ تو اپنی والدہ کو ننگی دیکھے؟ اس شخص نے جواب دیا ''لا'' تو آپ نے فرمایا فَاسْتَاذِنْ عَلَیْھَا۔ (روح المعانی)

مَسْئَلَۃٌ: جس گھر میں صرف اپنی بیوی رہتی ہو اس میں داخل ہونے کے لئے اگرچہ استیذان واجب نہیں مگر مستحب اور سنت طریقہ یہ ہے کہ وہاں بھی اچانک اور بغیر کسی اطلاع کے اندر نہ جائے بلکہ داخل ہونے سے پہلے اپنے پاؤں کی آہٹ یا کھانس کھنکار کر یا کسی اور طریقہ سے خبر کردے، حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی زوجہ محترمہ فرماتی ہیں کہ عبداللہ جب کبھی باہر سے گھر آتے تو دروازے میں کھنکار کر پہلے اپنے آنے کی خبر کردیتے تھے، تاکہ وہ ہمیں اس حالت میں نہ دیکھیں جو انہیں پسند نہ ہو۔

(معارف)

ذٰلِکُمْ اس کا مشارالیہ دخول بالاستیذان والتسلیم ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ذٰلکم سے حتی کے تحت یعنی مغیا میں مذکور دونوں فعل یعنی استیناس اور تسلیم مراد ہوں۔

خیرٌ لَّکُمْ، خیرٌ کو اگر اسم تفضیل ہی کے معنی میں رکھا جائے تو مفضل علیہ دخول بغیر اذن محذوف ہوگا جیسا کہ مفسر علام نے صراحت کی ہے، تو یہ الخلُّ اَحلٰی مِنَ العَسلِ کے قبیل سے ہوگا اور اگر خیر کو صیغہ صفت مانا جائے تو مفضل علیہ کی تقدیر کی ضرورت نہیں۔

لعلّکُمْ تذکرون یہ ایک جماعت کے نزدیک محذوف کی علت ہے ای أرشدتم الٰی ذٰلك او قیل لکم ھٰذا، کَیْ تذکرون.

استیذان کا مسنون طریقہ:

مذکورہ آیت میں بتایا گیا ہے کہ کسی کے گھر میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک کہ دو کام نہ کرلو اول استیناس اس کے لفظی معنی طلب انس کے ہیں اور جمہور کے نزدیک اس سے استیذان ہی مراد ہے یعنی اجازت حاصل کرنا استیذان کو لفظ

استیناس سے ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ داخل ہونے سے پہلے اجازت حاصل کرنے میں مخاطب مانوس ہوجاتا ہے اس کو وحشت نہیں ہوتی، دوسرا کام یہ کہ گھر والوں کو سلام کرو، بعض حضرات نے اس کا مفہوم یہ لیا ہے کہ پہلے اجازت حاصل کرو اور جب گھر میں داخل ہو تو سلام کرو قرطبی نے اسی کو اختیار کیا ہے اس مفہوم کے اعتبار سے آیت میں کوئی تقدیم و تاخیر نہیں، پہلے اجازت لی جائے اور جب اجازت مل جائے تو گھر میں جا کر سلام کریں، اور ماوردی نے اس میں یہ تفصیل کی ہے کہ اگر اجازت لینے سے پہلے گھر کے کسی آدمی پر نظر پڑ جائے تو پہلے سلام کرے پھر اجازت طلب کرے ورنہ پہلے اجازت لے اور جب گھر میں جائے تو سلام کرے مگر عام روایات حدیث سے جو مسنون طریقہ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ پہلے باہر سے سلام کرے السلام علیکم اس کے بعد اپنا نام لیکر کہے فلاں شخص ملنا چاہتا ہے، امام بخاری رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ نے ادب المفرد میں حضرت ابو ہریرہ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جو شخص سلام سے پہلے استیذان کرے اس کو اجازت نہ دو (کیونکہ اس نے مسنون طریقہ کے خلاف کیا)۔ (روح المعانی بحوالہ معارف)

ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ بنی عامر کے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے استیذان کیا، باہر سے کہا أألِجُ؟ میں گھس جاؤں، آپ نے اپنے خادم سے فرمایا یہ شخص استیذان کا طریقہ نہیں جانتا باہر جا کر اس کو طریقہ سکھاؤ کہ یوں کہے السلام علیکم أ أدخل ابھی یہ خادم باہر نہیں گیا تھا کہ اس شخص نے آپ ﷺ کے الفاظ مبارک سن لئے اور سنت کے مطابق اجازت طلب کی آپ نے اجازت دیدی، اس واقعہ میں آپ ﷺ نے دو اصلاحیں فرمائیں، ایک یہ کہ پہلے سلام کرنا چاہئے دوسرے یہ کہ أ ألِجُ کے بجائے أ أدخل کہنا چاہئے اَلِجُ وُلُوجٌ سے مشتق ہے جس کے معنی تنگ جگہ میں گھسنے کے ہیں یہ تہذیب گفتگو کے خلاف تھا، بہر حال ان روایات سے یہ معلوم ہوا کہ آیت قرآن میں جو سلام کرنے کا حکم ارشاد ہوا ہے یہ سلام استیذان ہے تا کہ اندر والا شخص متوجہ ہو جائے اور جو الفاظ اجازت طلب کرنے کے لئے کہے گا وہ سن لے گھر میں داخل ہونے کے وقت حسب معمول دوبارہ سلام کرے۔

مَسْئَلَہ: استیذان کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ اجازت لینے والا خود اپنا نام لیکر اجازت طلب کرے جیسا کہ حضرت عمر رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ نے آنحضرت ﷺ کے در مبارک پر نام لیکر اجازت طلب کی۔

قاسم بن اصبغ نے اور ابن عبدالبر نے التمہید میں ابن عباس رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ سے نقل کیا ہے، حضرت عمر رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ نے آنحضرت ﷺ سے اجازت طلب کی فقال السلام علیٰ رسولِ اللّٰہِ السلامُ عَلَیْکُمْ أیَدْخُلُ عمر؟

(روح المعانی)

مَسْئَلَہ: اول تو اپنا نام بتا کر اجازت طلب کرے اس لئے کہ بغیر نام کے بعض اوقات آنے والے کا تعارف نہیں ہوتا، اور یہ بات اور زیادہ تکلیف کا باعث ہوتی ہے کہ اندر سے صاحب خانہ معلوم کرتا ہے کہ کون صاحب ہیں تو جواب میں کہا جاتا ہے میں ہوں، یہ مخاطب کے سوال کا جواب نہیں ہے جس نے آواز سے نہیں پہچانا وہ (میں ہوں) سے کیا پہچانے گا۔

خطیب بغدادی نے اپنی جامع میں علی بن عاصم واسطی سے نقل کیا ہے کہ وہ بصرہ گئے تو حضرت مغیرہ بن شعبہ کی ملاقات کے

لئے حاضر ہوئے دروازہ پر دستک دی، حضرت مغیرہ نے اندر سے سلام کیا کون صاحب ہیں تو جواب دیا ''أنــا'' تو حضرت مغیرہ نے فرمایا میرے دوستوں میں تو کوئی بھی ایسا شخص نہیں جس کا نام أنا ہو، پھر باہر تشریف لائے اور ان کو حدیث سنائی کہ ایک روز حضرت جابر بن عبداللہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اجازت کے لئے دروازہ پر دستک دی آنحضرت ﷺ نے اندر سے پوچھا کون صاحب ہیں؟ تو جابر نے کہہ دیا أنا آپ نے زجر و تنبیہ سے فرمایا أنا أنا یعنی أنا أنا کہنے سے کیا حاصل اس سے کوئی پہچانا نہیں جاتا۔

استیذان کا مقصد بغیر اجازت گھر میں داخل نہ ہونا ہے، استیذان کے طریقے ہر زمانہ میں بدلتے رہتے ہیں ان میں سے دروازہ پر دستک اور سلام کرکے اجازت لینے کا طریقہ تو خود روایات میں موجود ہے، دروازہ پر لگی ہوئی گھنٹی بجا دینا بھی استیذان کے مقصد کو پورا کر لینا ہے بشرطیکہ گھنٹی کے بعد اپنا نام بھی بتا دے، شناختی کارڈ کے ذریعہ استیذان کا مقصد بخوبی پورا ہو جاتا ہے۔

مَسْئَلَہ: اگر استیذان کے جواب میں کہہ دیا جائے کہ اس وقت ملاقات نہیں ہو سکتی تو اس سے برا نہ ماننا چاہئے آیت میں صراحتاً مذکور ہے وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ یعنی جب آپ سے کہہ دیا جائے کہ اس وقت ملاقات نہیں ہو سکتی تو برا ماننے کی ضرورت نہیں ہے خوش دلی سے لوٹ جانا چاہئے۔

مَسْئَلَہ: اگر استیذان کے باوجود اندر سے کوئی جواب نہیں آیا تو دوبارہ استیذان کرے اگر پھر بھی جواب نہ آئے تو تیسری مرتبہ استیذان کرے اگر اب بھی جواب نہ آئے تو اس صورت میں لوٹ جانا چاہئے اور سمجھ لینا چاہئے کہ کسی مجبوری کی وجہ سے صاحب خانہ اجازت دینا نہیں چاہتا، مسلسل دستک دیتے رہنا یا وہیں جمے رہنا موجب ایذاء ہے اس سے بچنا واجب ہے ابن کثیر نے صحیح بخاری کے حوالہ سے حضرت ابو موسیٰ اشعری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اِذَا اسْتَاذَنَ اَحَدُكُمْ ثَلَاثًا فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهٗ فَلْيَرْجِعْ یعنی جب تین مرتبہ اجازت طلب کرنے کے باوجود اگر اجازت نہ ملے تو لوٹ آنا چاہئے، حضرت انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ حضرت سعد بن عبادہ کے مکان پر تشریف لے گئے اور سنت کے مطابق استیذان کے لئے باہر سے سلام کیا، حضرت سعد رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جواب تو دیا مگر آہستہ کہ حضور نہ سنیں آپ نے دوبارہ اور پھر سہ بارہ سلام کیا، حضرت سعد بن عبادہ سنتے اور آہستہ سے جواب دیتے، آپ تین مرتبہ استیذان کے بعد لوٹ گئے، جب حضرت سعد نے دیکھا کہ اب آواز نہیں آرہی تو گھر سے نکل کر پیچھے دوڑے اور یہ عذر پیش کیا کہ یا رسول اللہ میں نے ہر مرتبہ آپ کی آواز سنی اور جواب بھی دیا مگر آہستہ دیا تاکہ آپ کی زبان مبارک سے میرے بارے میں زیادہ سے زیادہ سلام کے الفاظ نکلیں وہ میرے لئے موجب برکت ہوگا (آپ ﷺ نے اپنے عمل سے سنت طریقہ سکھایا) اس کے بعد حضرت سعد آنحضرت ﷺ کو اپنے گھر لے گئے اور کچھ ضیافت بھی کی آپ نے اس کو قبول فرمایا۔

مَسْئَلَہ: بغیر استیذان کئے ہوئے اگر باہر کوئی شخص انتظار کرے کہ جب صاحب خانہ باہر نکلے گا تو اس وقت ملاقات کروں گا یہ اس میں داخل نہیں ہے یہ تو عین ادب ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تخرج اِلَيهم لكان خيرًا لَّهُمْ.

لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ مَسْکُوْنَةٍ فِیْهَا مَتَاعٌ لَّکُمْ.

مَتَاعٌ متاع کے معنی لغت میں برتنے اور استفادہ کرنے کے ہیں، اور حق استعمال کو بھی کہتے ہیں، یہ وہ عوامی مقامات ہوتے ہیں جو کسی کے لئے مخصوص نہیں ہوتے بلکہ ہر شخص کو ان سے استفادہ کرنے کا حق ہوتا ہے جیسے مسافر خانے جو رفاہ عام کے لئے بنائے جاتے ہیں اور اشتراک علت کی وجہ سے مسجدیں، خانقاہیں، دینی مدارس، ہسپتال، ڈاکخانے، ریلوے اسٹیشن وغیرہ وغیرہ بھی بُیُوْتًا غَیْرَ مَسْکُوْنَةٍ فِیْهَا مَتَاعٌ لَّکُمْ میں داخل ہیں، ابن ابی حاتم نے مقاتل سے روایت کیا کہ جب یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَاتَدْخُلُوْا (الآیة) نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا یا رسول اللہ اس ممانعت کے بعد قریش کے تجارت پیشہ لوگ کیا کریں گے؟ کیونکہ مکہ اور مدینہ سے ملک شام تک ان کے تجارتی سفر ہوتے ہیں اور اس راستہ میں ان کے جا بجا مسافر خانے بنے ہوئے ہیں جن میں یہ لوگ دوران سفر قیام کرتے ہیں، ان میں کوئی مستقل رہنے والا نہیں ہوتا وہاں استیذان کی کیا صورت ہوگی، اجازت کس سے حاصل کی جائے گی، اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ (رواہ ابن ابی حاتم، مظہری)

مَسْئَلَہ: رفاہ عام کے عمومی اداروں میں اگر منتظمین کی جانب سے داخلہ کی کچھ شرائط اور پابندیاں ہوں تو ان کی شرعاً پابندی واجب ہوگی، یا عمومی اداروں میں کچھ کمروں کو مخصوص کر لیا گیا ہو وہ کمرے بیوتًا غیر مسکونةٍ کے حکم میں نہ ہوں گے۔

(معارف)

استیذان سے متعلق چند اہم مسائل:

جب یہ معلوم ہو گیا کہ استیذان کے احکام شرعیہ کا اصل مقصد لوگوں کو ایذاء رسانی سے بچانا اور حسن معاشرت کے آداب سکھانا ہے تو اشتراک علت سے مسائل ذیل کا حکم بھی معلوم ہو گیا۔

ٹیلیفون سے متعلق بعض مسائل:

کسی شخص کو ایسے وقت ٹیلیفون کرنا جو عادۃً اس کے سونے یا دوسری ضروریات میں مشغول ہونے کا ہے بلا ضرورت شدیدہ جائز نہیں، کیونکہ اس میں بھی وہی ایذاء رسانی ہے جو گھر میں بغیر اجازت داخل ہونے اور اس کی آزادی میں خلل ڈالنے سے ہوتی ہے۔

مَسْئَلَہ: اگر کسی سے ٹیلیفون پر اکثر بات ہوتی رہتی ہو تو مناسب یہ ہے کہ اس سے پہلے دریافت کر لیا جائے کہ آپ کو ٹیلیفون پر بات کرنے میں کس وقت سہولت ہوتی ہے پھر اس کی پابندی کرے۔

مَسْئَلَہ: اگر ٹیلیفون پر طویل گفتگو کرنی ہو تو پہلے مخاطب سے دریافت کر لیا جائے کہ اگر آپ کو ذرا فرصت ہو تو میں اپنی بات عرض کروں، کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ٹیلیفون کی گھنٹی آنے پر آدمی طبعاً مجبور ہوتا ہے کہ فوراً معلوم کرے کہ کون کیا کہنا چاہتا ہے

اوراسی وجہ سے وہ کسی حال میں ہو یا کسی بھی ضروری کام میں مشغول ہو اس کو چھوڑ کر ٹیلیفون اٹھاتا ہے، اگر ایسے وقت میں کوئی لمبی بات شروع کردے تو سخت تکلیف محسوس ہوتی ہے۔

مَسْئَلَۃ: بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی رہتی ہے مگر وہ کوئی پرواہ نہیں کرتے نہ پوچھتے ہیں کہ کون صاحب ہیں اور کیا کہنا چاہتے ہیں؟ یہ اسلامی اخلاق کے خلاف اور بات کرنے والے کی حق تلفی ہے۔

مَسْئَلَۃ: اگر آپ کسی کی ملاقات کے لئے کسی کے مکان پر جائیں اور اجازت کے لئے دروازہ پر کھڑے ہوں تو دروازہ یا کھڑکی سے اندر نہ جھانکیں اور دروازہ کے بالمقابل کھڑے نہ ہوں تاکہ دروازہ کھلنے پر آپ کی نظر کسی نامحرم پر نہ پڑے۔

قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ. يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ یہ جواب امر ہے اور قُلْ کا مفعول مقدر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اِنْ تَقُلْ لَهُمْ غُضُّوْا يَغُضُّوْا بدنظری عموماً زنا کی پہلی سیڑھی ہے اسی سے بڑے بڑے فواحش کا دروازہ کھلتا ہے، قرآن کریم نے بدکاری اور بے حیائی کا انسداد کرنے کے لئے اول اسی سوراخ کو بند کرنا چاہا ہے یعنی مسلمان مرد اور عورت کو حکم دیا کہ بدنظری سے بچیں، اور اپنی شہوات کو قابو میں رکھیں، اگر ایک مرتبہ بے ساختہ کسی مرد کی کسی اجنبی عورت پر یا عورت کی کسی اجنبی مرد پر نظر پڑ جائے تو دوبارہ ارادۃً اس کی طرف نظر نہ کرے کیونکہ یہ دوبارہ دیکھنا اس کے اختیار سے ہوگا، جس میں وہ معذور نہیں سمجھا جائے گا، اگر آدمی نگاہ نیچے رکھنے کی عادت ڈال لے اور اختیار وارادہ سے ناجائز امور کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھا کرے تو بہت جلد اس کے نفس کا تزکیہ ہوسکتا ہے، پہلی نظر چوں کہ شہوت ونفسانیت سے نہیں ہوتی اس لئے حدیث شریف میں اس کو معاف رکھا گیا ہے شاید یہاں بھی مِنْ اَبْصَارِهِمْ میں مِن کو تبعیضیہ لے کر اسی کی طرف اشارہ ہو۔

وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ اس آیت کے ابتدائی حصہ میں تو وہی حکم ہے جو اس سے پہلی آیت میں مردوں کو دیا گیا ہے کہ اپنی نظریں پست رکھیں، مردوں کے اس حکم میں عورتیں بھی شامل تھیں مگر مسئلہ کی اہمیت اور نزاکت کے پیش نظر عورتوں کو مستقل حکم دیا گیا ہے، بعض علماء نے کہا ہے کہ عورتوں کے لئے مطلقاً غیر محرم مرد کو دیکھنا حرام ہے خواہ شہوت اور بری نیت سے ہو یا بغیر شہوت کے اور اس پر ام سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جس میں نابینا صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کے اچانک آنے کا واقعہ مذکور ہے، حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ آپ ﷺ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں کہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم نابینا صحابی تشریف لے آئے آپ نے دونوں ازواج سے فرمایا پردہ کرلو، حضرت ام سلمہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول وہ تو نابینا ہیں نہ ہم کو دیکھ سکتے ہیں اور نہ پہچانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا تم تو نابینا نہیں ہو۔

(رواہ ابوداؤد والترمذی)

بعض دیگر علماء نے فرمایا کہ بغیر شہوت کے غیر مرد کو دیکھنے میں عورت کے لئے کوئی مضائقہ نہیں ان کا استدلال حضرت عائشہ صدیقہ کی وہ حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ مسجد نبوی کے احاطہ میں کچھ حبشی نوجوان عید کے روز اپنا سپاہیانہ کھیل دکھا رہے تھے، آپ ﷺ بھی اس کو دیکھنے لگے اور صدیقہ عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے بھی آپ کی آڑ میں کھڑے ہو کر ان کا کھیل دیکھا اور اس وقت تک دیکھتی رہیں جب تک خود ہی اس کھیل سے اکتا نہ گئیں، اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ نظر

شہوت حرام ہے بغیر نظرِ شہوت خلاف اولیٰ ہے۔

وَلَایُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ اور عورتوں کو چاہئے کہ اپنی زیبائش کو ظاہر نہ کریں زیبائش خلقی ہو یا کسبی، خلقی زیبائش سے مراد جسم کی پیدائشی ساخت ہے اور کسبی سے پوشاک اور ظاہری ٹیپ ٹاپ جیسے مسی، سرمہ، مہندی، پاؤڈر، لپ اسٹک وغیرہ، مطلب یہ ہے کہ کسی کے سامنے کسی قسم کی زیبائش کا اظہار نہ کرے، بجز محارم کے جن کا ذکر آئندہ آیت میں آتا ہے، ہاں جس قدر زیبائش کا ظہور ناگزیر ہے اس کے کھلا رکھنے میں بدرجہ مجبوری کوئی مضائقہ نہیں، بشرطیکہ فتنہ کا خوف نہ ہو، احادیث وآثار سے معلوم ہوتا ہے کہ چہرہ اور ہتھیلیاں اِلَّا مَا ظَھَرَ میں داخل ہیں، اگر ان کو مطلقاً چھپانے کا حکم دیا جائے تو اس میں سخت قسم کی دشواری پیش آئے گی، فقہاء نے علت مشترکہ کی وجہ سے قدموں کو بھی اسی حکم میں داخل کیا ہے، خلقی زیبائش میں سب سے زیادہ نمایاں چیز سینہ کا ابھار ہے اس کے ستر کی خاص طور پر تاکید فرمائی اور جاہلیت کی رسم کو مٹانے کی صورت بھی بتلادی، جاہلیت میں عورتیں ہتی سر پر ڈال کر اس کے دونوں پلے پشت پر ڈال لیتی تھیں اس طرح سینہ کی ہیئت نمایاں رہتی تھی یہ گویا کہ حسن کا مظاہرہ تھا، قرآن کریم نے بتلادیا کہ اوڑھنی کو سر سے لاکر گریبان پر ڈالنا چاہئے تاکہ اس طرح کان، گردن، اور سینہ پوری طرح مستور ہوجائیں، اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِھِنَّ عَلٰی جُیُوْبِھِنَّ سے بیان فرمایا ہے۔

وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِھِنَّ یہ دوسرا استثناء ان مردوں کا بیان کیا گیا ہے جن سے شرعاً پردہ نہیں، اس کے دو سبب ہیں اول تو جن مردوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے ان سے عام طور سے کسی فتنہ کا خوف نہیں یہ محارم ہیں جن کی طبائع کو حق تعالیٰ نے خلقۃً ایسا بنایا ہے کہ وہ ان عورتوں کی عصمت کے محافظ ہوتے ہیں، ان سے خود کسی فتنہ کا احتمال نہیں، دوسرے ہر وقت ایک جگہ رہنے سہنے کی ضرورت بھی سہولت پیدا کرنے کی متقاضی ہے، اس آیت میں آٹھ قسم کے محرم مردوں اور چار دوسرے قسم کے پردہ سے استثناء کیا گیا ہے، سورۂ احزاب میں جو نزول میں اس سے مقدم ہے اس میں صرف سات اقسام کا ذکر ہے پانچ کا اضافہ سورۂ نور میں کیا گیا ہے جو اس کے بعد نازل ہوئی ہے، اس مقام پر ماموں اور چچا کا ذکر نہیں کیا گیا مگر جمہور علماء کے نزدیک یہ بھی ان محارم میں داخل ہیں جن کے سامنے اظہار زینت کی اجازت دی گئی ہے۔

اَوْ نِسَائِھِنَّ یہاں اپنی عورتوں سے مسلمان عورتیں مراد ہیں یہ بھی محرم کے حکم میں ہیں، بدن کا جتنا حصہ محرم کے سامنے کھول سکتی ہیں مسلمان عورتوں کے سامنے بھی کھول سکتی ہیں، علاج معالجہ کی بات الگ ہے، مسلمان عورتوں کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر عورتوں سے بھی پردہ ہے وہ غیر محرم مرد کے حکم میں ہیں، امام رازی نے فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ نِسَائِھِنَّ میں تو مسلم اور کافر سب عورتیں داخل ہیں اور سلف صالحین سے جو کافر عورتوں سے پردہ کرنے کی روایات منقول ہیں وہ استحباب پر مبنی ہیں، روح المعانی میں مفتی بغداد علامہ آلوسی نے اسی کو اختیار فرمایا ہے، فرماتے ہیں۔

هٰذا القول اَوفق بالناسِ الیوم فاِنَّهٗ لایکادُ یمکن احتجاب المسلمات عن الذمیات. (روح المعانی)

تَرْجَمَہ: یہی قول آج کل لوگوں کے مناسب حال ہے کیونکہ اس زمانہ میں مسلمان عورتوں کا کافر عورتوں سے پردہ تقریباً ناممکن سا ہوگیا ہے۔

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اوروہ جو اُن عورتوں کے مملوک ہوں آیت کے الفاظ کے عموم میں تو غلام اور باندیاں سب داخل ہیں یعنی مالکن اپنا اتنا جسم کھول سکتی ہے جتنا دیگر محارم کے سامنے امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا یہی مسلک ہے لیکن دیگر اکثر ائمہ فقہاء اس سے صرف لونڈیاں ہی مراد لیتے ہیں اور غلام کو اجنبی کے حکم میں رکھتے ہیں۔ (تفصیل کیلئے کتب فقہ کی طرف رجوع فرمائیں)۔

اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ یعنی وہ خدمت گار مراد ہیں جو محض اپنے کام سے کام رکھیں اور کھانے سونے میں غرق ہوں، شوخی نہ رکھتے ہوں یا فاتر العقل پاگل جن کے حواس وغیرہ ٹھکانے نہ ہوں محض کھانے پینے کے چکر میں گھر والوں کے پیچھے لگ لیتے ہوں (فوائد عثمانی) حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا نے فرمایا اس سے مراد وہ مغفل اور بدحواس قسم کے لوگ ہیں جن کو عورتوں کی طرف کوئی رغبت نہ ہو۔ (ابن کثیر)

اَوِ الطفل الذین لَمْ يَظْهَرُوْا (الآیة) یہ بارہ اقسام میں سے آخری قسم ہے، اس سے مراد وہ نابالغ بچے ہیں جو ابھی بلوغ کے قریب بھی نہیں پہنچے اور عورتوں کے مخصوص حالات وصفات سے بھی واقف نہیں ہیں، اور جولڑکا ان امور سے دلچسپی رکھتا ہو وہ مراہق یعنی قریب البلوغ ہے اس سے پردہ واجب ہے، پردے سے مستثنیات کا بیان ختم ہوا۔

وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ (الآیة) اور اپنے پیر زمین پر زور سے نہ رکھیں جس سے زیور کی آواز نکلے اور ان کی مخفی زینت مردوں پر ظاہر ہو، شروع آیت میں عورتوں کو اپنی زینت مردوں پر ظاہر کرنے سے منع کیا گیا تھا آخر میں اس کی مزید تاکید ہے کہ مواضع زینت سر اور سینہ وغیرہ کا چھپانا تو واجب تھا ہی اپنی مخفی زینت کا اظہار خواہ کسی ذریعہ سے ہو وہ بھی جائز نہیں، زیور خواہ خود بجنے والا ہو کہ اس میں گھونگرو وغیرہ لگے ہوں یا آپس میں ٹکرا کر بجتا ہو یا زمین پر پیر زور سے رکھنے سے بجتا ہو اور غیر محرم مرد اس آواز کو سنیں یہ سب چیزیں اس آیت کی رو سے ناجائز ہیں۔

عورت کی آواز:

کیا عورت کی آواز فی نفسہٖ ستر میں داخل ہے؟ اور غیر محرم کو آواز سنانا جائز ہے؟ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کی کتب میں عورت کی آواز کو ستر میں داخل نہیں کیا گیا ہے، حنفیہ کے بھی مختلف اقوال ہیں، ابن ہمام نے نوازل کی روایت کی بنا پر ستر میں داخل قرار دیا ہے اسی لئے حنفیہ کے نزدیک عورت کی اذان مکروہ ہے، لیکن حدیث سے ثابت ہے کہ ازواج مطہرات نزول حجاب کے بعد بھی پردے کے پیچھے سے غیر محارم سے بات کرتی تھیں، مجموعی طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جس موقع اور محل میں عورت کی آواز سے فتنہ پیدا ہونے کا خطرہ ہو وہاں ممنوع اور جہاں خطرہ نہ ہو جائز۔ (واللہ اعلم)۔

وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ بعض قراءتوں میں اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ الف کو ساقط کر کے فتحہ کے ساتھ ہے اور ابن عامر نے اَيُّهُ ہا کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، ہا کے ضمہ کو ماقبل کے تابع کر کے یعنی اے مومنو تم سب کے سب اللہ سے توبہ کرو اس آیت کے اول حصہ میں پہلے مردوں کو نظریں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا اس کے بعد عورتوں کو اسی کا حکم دیا گیا اب اس جملہ میں

سب مردوں اور عورتوں کو شامل کر کے ہدایت دی گئی ہے کہ شہوت نفسانی کا مسئلہ بڑا دقیق ہے دوسروں کو اس پر اطلاع ہونا مشکل ہے مگر اللہ تعالیٰ پر ظاہر و پوشیدہ یکساں ہے، اسلئے اگر کسی سے احکام مذکورہ میں کسی وقت کوتاہی ہوگئی ہو تو اس پر لازم ہے کہ اس سے توبہ کرے اور اظہار ندامت کرے اور آئندہ نہ کرنے کا عزم مصمم کرے۔

وَاَنْکِحُوْا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ اَیَامٰی اَیِّمٌ کی جمع ہے بے نکاح مرد اور بے نکاح عورت کو کہتے ہیں، اَیَامٰی دراصل اَیَایِمُ جمع اَیِّمٌ تھا، اس لئے کہ فَیْعَلٌ کی جمع فَعَالٰی کے وزن پر نہیں آتی، لہٰذا اس میں قلب کیا گیا میم کو مقدم کر کے تخفیفاً فتحہ دیدیا گیا اور ی کے متحرک اور ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے الف سے بدل دیا گیا، اَیَامٰی ہو گیا، کما ذھب الیہ زمخشری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی، ابن مالک نے کہا یہ جمع شاذ ہے اس میں قلب نہیں ہے۔ (روح المعانی)

اسلام ایک معتدل نظام ہے:

اسلام میں ایک طرف ناجائز شہوت رانی سے روکا گیا ہے تو دوسری طرف اس کا جائز اور صحیح اور متبادل طریقہ بھی بتایا گیا ہے اس کے علاوہ بقاء نسل کا عقلی اور شرعی تقاضا بھی یہی ہے کہ کچھ حدود کے اندر رہ کر مرد و عورت کے اختلاط کی کوئی صورت تجویز کی جائے اسی کا نام قرآن و سنت کی اصطلاح میں ''نکاح'' ہے، اس آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جن کا نکاح نہیں ہوا یا بیوہ ہوگئیں یا بیوی مرگئی اور مرد بغیر بیوی کے رہ گیا تو مناسب موقع ملنے پر نکاح کردیا کرو، ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے علی! تین کاموں میں دیر نہ کرو، نماز فرض کا جب وقت آجائے، جنازہ جب موجود ہو، اور بیوہ عورت جب اس کا جوڑ مل جائے، جو قومیں بیواؤں کے نکاح پر ناک بھوئیں چڑھاتی ہیں یا جس معاشرہ میں بیواؤں کے نکاح کو معیوب سمجھا جاتا ہے ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ ان کا ایمان سلامت نہیں۔ (فوائد عثمانی ملخصًا)

اپنے باندی اور غلام کو اگر اس لائق سمجھو کہ وہ حقوق زوجیت ادا کرسکیں گے اور نکاح ہوجانے پر مغرور ہو کر تمہاری خدمت نہ چھوڑ بیٹھیں گے تو ان کا بھی نکاح کردیا کرو، اور اس موہوم خطرہ سے کہ نکاح ہوجانے کے بعد بیوی بچوں کا بار کیسے اٹھے گا، ان کو نکاح سے مت روکو، روزی تو تمہاری اور بیوی بچوں کی اللہ کے ہاتھ میں ہے، کیا معلوم کہ خدا ان ہی کی قسمت سے تمہاری روزی میں کشادگی اور وسعت پیدا کردے، اور جن لوگوں کو فی الحال اتنا مقدور نہیں کہ نکاح کا یا نان نفقہ کا خرچ برداشت کرسکیں تو جب تک خدا ان کو قدرت و وسعت دے چاہئے کہ اپنے نفس کو قابو میں رکھیں کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس ضبط نفس اور عفت کی برکت سے ان کو غنی کردے اور نکاح کا بہتر موقع مہیا ہوجائے، اگر کوئی شخص وسائل کی کمی کی وجہ سے نکاح کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کو چاہئے کہ اسباب کی فراہمی کے لئے کوشش کرتا رہے اور فراہمی اسباب تک صبر اور ضبط نفس سے کام لے، رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخص کے لئے فرمایا کہ مسلسل روزے رکھے اس سے غلبۂ شہوت کو سکون ہوجاتا ہے، اس کے علاوہ خوش خوراکی ترک کردے نیز مہیج شہوت غذا اور عقاقیر سے اجتناب کرے، مسند احمد میں روایت ہے کہ عکاف رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا تمہاری بیوی ہے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں، پھر معلوم کیا شرعی باندی ہے؟ عرض کیا نہیں، پھر آپ نے

دریافت کیا کیا تم صاحب وسعت ہو؟ عرض کیا صاحب وسعت ہوں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا "پھر تو تم شیطان کے بھائی ہو" اور فرمایا ہماری سنت نکاح ہے، تم میں بدترین شخص وہ ہے جو بے نکاح ہو، اور تمہارے مردوں میں سب سے زیادہ رذیل وہ ہیں جو بے نکاح مر گئے (مظہری بحوالہ معارف) اس روایت کو جمہور علماء نے اس حالت پر محمول کیا ہے کہ نکاح نہ کرنے کی صورت میں گناہ کا خطرہ غالب ہو، غالباً حضرت عکاف کا حال آپ ﷺ کو معلوم ہوگا کہ وہ صبر نہیں کر سکیں گے۔

وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ یعنی اپنے غلام اور باندیوں میں جو صالح ہوں ان کے نکاح کرادیا کرو، اس جگہ صالحین کا لفظ اپنے لغوی معنی میں ہے یعنی ان میں جو نکاح کی صلاحیت اور استطاعت رکھتا ہو اور صلاحیت سے مراد یہی ہے کہ حقوق زوجیت ونفقہ ومہر معجّل ادا کرنے کے قابل ہوں اور اگر صالحین کے معروف معنی لئے جائیں جیسا کہ علامہ محلی نے الصالحين کی تفسیر المومنين سے کر کے یہی معنی لئے ہیں تو پھر ان کی تخصیص اس وجہ سے ہوگی کہ نکاح کا اصل مقصد حرام سے بچنا ہے اور وہ صالحین میں ہو سکتا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ عبید واماء اگر صالح ہوں گے تو ان کے مالکوں کو ان سے محبت ہوگی اور وہ ان کو اپنی اولاد کی جگہ سمجھ کر ان کی خیر خواہی کریں گے خیر خواہی میں ان کا نکاح بھی داخل ہے۔

نكاحًا ای ما ينكحُوْنَ بِهٖ، نكاحًا کی تفسیر ما ينكحون به الخ سے کر کے اشارہ کیا ہے کہ نکاح بمعنی آلۂ نکاح ہے جیسا کہ مفسر علام نے من مهر ونفقة کا اضافہ کر کے صراحت بھی کر دی ہے، اس لئے کہ نکاحٌ بروزن فعالٌ یہ اسم آلہ کا وزن ہے، جیسے کہ اِزَارٌ.

فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا یہ بھی غلاموں اور باندیوں کے ساتھ حسن سلوک کی ایک صورت ہے اس آیت میں آقاؤں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ اگر باندی اور غلام مکاتبت کا معاملہ کرنا چاہیں تو ان کی اس خواہش کو پورا کر دینا چاہئے اور آقاؤں کے لئے یہ افضل اور مستحب ہے، مکاتبت کی صورت یہ ہے کہ مملوک اپنے آقا سے کہے کہ آپ مجھ پر کچھ رقم مقرر کر دیں یا میں آپ کو اتنی رقم کما کر ادا کر دوں، تو میں آزاد ہو جاؤں اور آقا اس کو قبول کر لے یا خود آقا اپنے غلام یا باندی سے کہے کہ اگر تو مجھے اتنی رقم کما کر لا کر دیدے تو تو آزاد ہے اور غلام اس کو قبول کر لے تو یہ معاملۂ مکاتبت تام ہو گیا اب آقا کو اس کے فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہے تا آنکہ غلام خود بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز ہونے کا اقرار نہ کر لے، اگر غلام بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو جائے اور مولی سے معذرت کر دے تو وہ پھر غلام ہو جائیگا۔

اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا "خیر" سے مراد اکثر حضرات ائمہ نے قوت کسب لی ہے یعنی جس شخص میں یہ دیکھو کہ اگر اس کو مکاتب بنادیا تو بدل کتابت ادا کر سکے گا اور صاحب ہدایہ نے خیر سے مراد یہ لیا ہے کہ اس کے آزاد ہونے کے بعد اس سے مسلمانوں کو کوئی خطرہ نہ ہو، دونوں چیزیں بھی مراد لی جا سکتی ہیں۔

وَآتُوْهُمْ مِنْ مَالِ اللّٰهِ الَّذِیْ آتٰكُمْ یہ دولت مند مسلمانوں کو فرمایا کہ ایسے غلام اور باندی کی مدد کرو خواہ زکوٰۃ کے مال سے ہو یا صدقات وخیرات کے مال سے، مصارف زکوٰۃ میں جو "وفي الرقاب" کی ایک مد مذکور ہے وہ یہی ہے کہ مکاتبوں کی بدل کتابت ادا کرنے میں مدد کی جائے، خلفاء راشدین کے زمانہ میں بیت المال سے ایسے غلاموں کی مدد کی جاتی تھی اور اگر

مالک بدل کتابت کا کچھ حصہ کم کردے تو یہ بھی بڑی امداد ہے۔

وَلَاتُکْرِھُوْا فَتَیَاتِکُمْ یعنی باندیوں کو اس پر مجبور نہ کرو کہ وہ زنا کے ذریعہ مال کما کر تمہیں دیا کریں زمانہ جاہلیت میں بہت سے لوگ باندیوں کو اسی کام کے لئے استعمال کرتے تھے، اسلام نے جب زنا پر سخت سزائیں جاری کیں، آزاد اور غلام سب کو اس کا پابند کیا تو ضروری تھا کہ جاہلیت کی اس رسم کو مٹانے کے لئے خاص احکام دے۔

امام مسلم اور ابوداؤد نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن ابی کے پاس دو باندیاں تھیں، ایک کا نام مَسیکۃ اور دوسری کا نام اُمَیْمَہ تھا وہ اس بدکاری کو ناپسند کرتی تھیں اور عبداللہ بن ابی ان کو زنا کے ذریعہ کسب پر مجبور کرتا تھا، تو ان دونوں نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

کہا گیا ہے کہ اس لعین عبداللہ بن ابی کے پاس چھ باندیاں تھیں معاذہ، مسیکہ، امیمہ، عمرہ، اروی، قتیلہ، عبداللہ بن ابی ان کو زنا پر مجبور کرتا تھا اور ان کے اوپر مال کی کچھ مقدار لازم کردی تھی ان میں سے دو نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی)

اِنْ اَرَدْنَ تحصنًا اس کی تشریح تحقیق وترکیب کے زیر عنوان گذر چکی ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

فَاِنَّ اللّٰہَ مِنْ بَعْدِ اِکْرَاھِھِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اس کا مطلب یہ ہے کہ باندیوں کو زنا پر مجبور کرنا حرام ہے اگر کسی نے ایسا کیا اور وہ آقا کے جبر واکراہ سے مجبور ومغلوب ہو کر زنا میں مبتلا ہوگئی تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو معاف فرما دیں گے اور اس کا پورا گناہ مجبور کرنے والے پر ہوگا۔ (مظہری)

آیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ بفتح الیاء وکسرھا ای واضحاتٍ او موضحاتٍ.

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ای مُنَوِّرُھُمَا بالشَّمْسِ والقَمَرِ مَثَلُ نُوْرِہٖ ای صِفَتُہٗ فِی قَلْبِ المُؤمِنِ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ ہِیَ القِنْدِیْلُ وَالمِصْبَاحُ السِّرَاجُ ای الفَتِیْلَۃُ المَوْقُوْدَۃُ وَالمِشْکٰوۃُ الطَّاقَۃُ غَیْرُ النَّافِذَۃِ ای الاُنْبُوْبَۃُ فِی القِنْدِیْلِ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا وَالنُّوْرُ فِیْھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ ای مُضِیْءٌ بِکَسْرِ الدَّالِ وَضَمِّھَا مِنَ الدَّرْءِ بِمَعْنَی الدَّفْعِ لِدَفْعِہِ الظَّلَامَ وَبِضَمِّھَا وَتَشْدِیْدِ الیَاءِ مَنْسُوْبٌ اِلَی الدُّرِّ اللُّؤْلُؤِ یُّوْقَدُ المِصْبَاحُ بِالمَاضِیْ وَفِیْ قِرَاءَۃٍ بِمُضَارِعِ اَوْقَدَ مَبْنِیًّا لِلْمَفْعُوْلِ بِالتَّحْتَانِیَّۃِ وَفِیْ اُخْرٰی بِالفَوْقَانِیَّۃِ ای الزُّجَاجَۃُ مِنْ زَیْتِ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّاشَرْقِیَّۃٍ وَّلَاغَرْبِیَّۃٍ بَلْ بَیْنَھُمَا فَلَا یَتَمَکَّنُ مِنْھَا حَرٌّ وَلَا بَرْدٌ مُضِرَّیْنِ یَّکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ لِصَفَائِہٖ نُوْرٌ بِہٖ عَلٰی نُوْرٍ بِالنَّارِ وَنُوْرُ اللّٰہِ ای ھُدَاہُ لِلْمُؤْمِنِ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرِ الاِیْمَانِ یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ ای دِیْنِ الاِسْلَامِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَضْرِبُ یُبَیِّنُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ تَقْرِیْبًا لِاَفْھَامِھِمْ لِیَعْتَبِرُوْا فَیُؤْمِنُوْا وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۳۵﴾ مِنْہُ ضَرْبُ الاَمْثَالِ فِیْ بُیُوْتٍ مُتَعَلِّقٌ بِیُسَبِّحُ الآتِیْ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ تُعَظَّمَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ بِتَوْحِیْدِہٖ یُسَبِّحُ بِفَتْحِ المُوَحَّدَۃِ وَکَسْرِھَا ای یُصَلِّیْ لَہٗ فِیْھَا بِالْغُدُوِّ مَصْدَرٌ بِمَعْنی

الغدواتِ ای البُکَرِ وَالْاٰصَالِ العَشَایَا مِن بعد الزَّوالِ رِجَالٌ فاعلُ یُسَبِّحُ بکَسرِ الباء وَعَلیٰ فَتحِهَا نَائِبُ الفَاعِلِ لَهٗ ورجالٌ فاعلُ فعلٍ مقدّرٍ جوابُ سؤالٍ مقدرٍ کانه قیل مَنْ یُسَبِّحه لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ ای شِرَاءٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ حُذِفَ هَاءُ اِقَامَةٍ تَخفِیفًا وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوةِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ تَضطَرِبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ مِنَ الخَوفِ القُلُوبُ بَیْنَ النجاة والهَلَاکِ والابصار بَیْنَ نَاحِیَتَیِ الیَمِینِ والشِّمَالِ هو یَومُ القِیٰمةِ لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا ای ثَوَابَهٗ وَاَحسَنَ بمعنی حَسَنَ وَیَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ یقال فُلَانٌ یُنفِقُ بغَیْرِ حِسَابٍ ای یُوَسِّعُ کَاَنَّهٗ لایَحْسِبُ مَا یُنفِقُهٗ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ کَسَرَابٍ بِقِیْعَةٍ جَمْعُ قَاعٍ ای فی فَلَاةٍ وہو شُعَاعٌ یُرٰی فِیهَا نصف النَّهارِ فِی شِدَّةِ الحَرِّ یَشبَهُ المَاءَ الجَارِیَ یَّحْسَبُهُ یظنه الظَّمْاٰنُ ای العَطشَانُ مَآءً حَتّٰٓی اِذَا جَآءَهٗ لَمْ یَجِدْهُ شَیْئًا مِمَّا حَسِبَهٗ کَذٰلِكَ الکَافِرُ یَحْسَبُ اَنَّ عَمَلَهٗ کَصَدَقَةٍ تَنفَعُهٗ حَتّٰی اِذَا مَاتَ وقَدِمَ عَلٰی رَبِّهٖ لَم یَجِدْ عَمَلَهٗ ای لَم یَنفَعْهُ وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِندَ عَمَلِهٖ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ای اَنَّهٗ جَازَاهُ عَلَیْهِ فِی الدُّنیَا وَاللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ای المُجَازَاةِ اَوْ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَعْمَالُهُمُ السَّیِّئَةُ کَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ عَمِیقٍ یَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ ای المَوجُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ ای المَوجِ الثانی سَحَابٌ ای غَیمٌ ہذه ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ظُلمَةُ البَحرِ وظُلمَةُ المَوجِ الاَوَّلِ وظُلمَةُ المَوجِ الثانی وظُلمَة السَّحَابِ اِذَآ اَخْرَجَ النَّاظِرُ یَدَهٗ فی ہذه الظُّلُمٰتِ لَمْ یَکَدْ یَرٰىهَا ای لم یَقرُبُ مِن رُؤیَتِهَا وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ای مَن لَم یَهدِهِ اللّٰهُ لَم یَهتَد.

ترجمہ: اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے یعنی ان دونوں کو شمس وقمر کے ذریعہ منور کرنے والا ہے اور اس کے نور کی مثال یعنی اس کی صفت قلب مومن میں ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے اس میں ایک چراغ ہے اور وہ چراغ ایک قندیل میں ہے زُجَاجَةٌ بمعنی قندیل اور المصباح بمعنی چراغ یعنی جلتی ہوئی بتی (شعلہ) اور المشکوٰة بمعنی طاق جو آر پار نہ ہو یعنی قندیل کی نلکی (پائپ) اور وہ قندیل حال یہ کہ اس میں نور ہو ایسا ہے جیسا کہ روشن ستارہ دال کے کسرہ کے ساتھ اور دال کے ضمہ کے ساتھ (اس وقت) دِرْءٌ سے مشتق ہوگا اور معنی دفع کرنے کے ہوں گے اس کے تاریکی کو دفع کرنے کی وجہ سے، اور دال کے ضمہ اور یا کی تشدید کے ساتھ (دُرِّیٌّ) دُرٌّ کی طرف منسوب ہوگا اور معنی ہوں گے موتی تَوَقَّدَ ماضی (تفعّل) ای توَقَّدَ المصباحُ اور ایک قراءت میں اَوْقَدَ سے مضارع مجہول ہے یُوْقَدُ (اس وقت نائب فاعل المصباح ہوگا) اور تیسری قراءت میں تا کے ساتھ ہے ای تُوْقَدُ اس وقت نائب فاعل الزجاجة ہوگا، روشن کیا جاتا ہے وہ چراغ ایک مبارک درخت کے تیل سے جو کہ وہ زیتون کا ہے وہ درخت نہ شرقی اور نہ غربی بلکہ ان کے درمیان میں واقع ہے چنانچہ وہ گرمی اور سردی اس (درخت) پر مضر ہو کر واقع نہیں ہوتی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تیل اپنی صفائی کی وجہ

سے جل اٹھے گا اگرچہ اس کو آگ نہ چھوئے وہ زیت آگ کی وجہ سے نُورٌ علٰی نورٍ ہے اللہ جس کو چاہتا ہے اپنے نور یعنی دین اسلام تک رہنمائی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے مثال بیان فرماتا ہے ان کی عقلوں سے قریب کرنے کے لئے تاکہ عبرت حاصل کریں اور ایمان لائیں اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے اور اسی (علم) میں سے مثالیں بیان کرنا بھی ہے اور ان گھروں میں اس کی تسبیح بیان کی جاتی ہے جن کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کی تعظیم کی جائے اور ان میں اس کی توحید کے ساتھ اس کا نام لیا جائے فِی بُیُوتٍ آنے والے یُسَبِّحُ کے متعلق ہے یُسَبِّحُ کی یاء کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ اور یُسَبِّحُ کے معنی یُصَلّی کے ہیں صبح کے وقت الغُدُوُّ مصدر بمعنی غَدَوات کے ہے بمعنی تڑکے اور شام کے وقت زوال کے بعد رجالٌ یُسَبِّحُ کا فاعل ہے باکے کسرہ کی صورت میں اور اگر باکے فتحہ کے ساتھ ہو تو لہٗ میں ہٗ ضمیر اس کا نائب فاعل ہوگی، اور رجالٌ فعل مقدر کا فاعل ہوگا، اور سوال مقدر کا جواب ہوگا، گویا کہ سوال کیا گیا کون تسبیح بیان کرے؟ تو جواب دیا گیا، رِجَالٌ وہ ایسے لوگ ہیں کہ جن کو اللہ کے ذکر سے اور اقامت صلوٰۃ سے اور اداء زکوٰۃ سے نہ خرید غفلت میں ڈالتی ہے اور نہ فروخت اِقَامِ کے آخر سے ۃ کو تخفیفاً حذف کر دیا گیا ہے (اصل میں اقامۃ تھا) وہ ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں خوف کی وجہ سے مضطرب ہوں گے، قلوب نجات اور ہلاک کے درمیان مضطرب ہوں گے اور آنکھیں دائیں بائیں جانب مضطرب ہوں گی اور وہ قیامت کا دن ہوگا (اور وہ) ایسا اس لئے کریں گے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا اچھا بدلہ عطا فرمائے، یعنی اعمال کا ثواب اور اَحسَنَ بمعنی حسن ہے اور ان کو اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دے گا اور اللہ جس کو چاہے بے حساب دیتا ہے کہا جاتا ہے فلاں بے حساب خرچ کرتا ہے یعنی خرچ میں اس قدر فراخی کرتا ہے گویا کہ وہ جو کچھ خرچ کرتا ہے اس کا حساب نہیں کرتا اور جو لوگ کافر ہیں ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت قِیعة جمع قاعٍ بقِیعَةٍ بمعنی فی فلاۃٍ، فلاۃ بمعنی صحرا، چٹیل میدان سراب ان شعاعوں کو کہتے ہیں جو دوپہر کے وقت سخت گرمی میں بہتے ہوئے پانی کے مانند نظر آتی ہیں اور اس سراب کو پیاسا پانی سمجھتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا تو اس کو کچھ بھی نہ پایا جس کو وہ پانی سمجھتا تھا، اسی طرح کافر سمجھتا ہے کہ اس کا عمل مثلاً صدقہ اس کو نفع پہنچائے گا حتی کہ جب مر جائے گا اور اپنے رب کے پاس پہنچے گا تو اپنے عمل کو نہ پائے گا یعنی اس کا عمل اس کو کوئی نفع نہیں دے گا، اور اللہ کو اپنے عمل کے پاس پایا کہ اس نے اس کا پورا پورا حساب چکا دیا یعنی (اللہ نے) اس (کافر) کے عمل کی جزا دنیا ہی میں پوری پوری دیدی، اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب کرنے والا ہے یعنی جلدی جزا دینے والا ہے یا کافروں کے اعمال سیئہ کی مثال ایسی ہے جیسا کہ گہرے سمندر کی تاریکی جس کو ایک بڑی موج نے ڈھانپ لیا ہو اور اس موج کے اوپر ایک اور موج ہو اور اس دوسری موج کے اوپر بادل ہو، یہ تاریکیاں تہہ بہ تہہ بہت سی تاریکیاں ہیں دریا کی تاریکی موج اول کی تاریکی موج ثانی کی تاریکی اور بادل کی تاریکی اگر دیکھنے والا ان تاریکیوں میں اپنا ہاتھ نکالے تو اس کو نہ دیکھ سکے، یعنی اس (ہاتھ) کے دیکھنے کا امکان ہی نہیں اور جس کو اللہ ہی نور نہ دے تو اس کو نور نہیں جس کو اللہ نے ہدایت نہ دی اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہ جملہ مستانفہ ماقبل کی تاکید کے لئے ہے اللّٰہ مبتداء اور نور السمٰوات والارض اس کی خبر، نور کا حمل ذات باری پر یا تو مبالغۃً ہے، جیسے زیدٌ عدلٌ میں یا پھر مضاف محذوف ہے ای اللّٰہُ ذُوْ نُوْرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یا نُوْرٌ مصدر اسم فاعل مُنَوِّرٌ کے معنی میں ہے جیسا کہ علامہ محلی نے اختیار کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: مَثَلُ نورہٖ بترکیب اضافی مبتداء کمشکوۃ فیھا مصباحٌ اس کی خبر، مشکوٰۃ سے پہلے نور مضاف محذوف ہے ای صفتہ نورہ تعالیٰ فی قلب المؤمن کنور مشکوٰۃ فیھا مصباح.

قَوْلُہٗ: زُجاجۃ بالتثلیث شیشہ، شیشہ کا برتن، قندیل بھی چونکہ شیشہ کا ہوتا ہے لہٰذا قندیل کو بھی کہا جا سکتا ہے۔

قَوْلُہٗ: الموقودۃ صحیح المُوْقَدَۃُ ہے۔

قَوْلُہٗ: الاَنْبُوْبَۃُ وہ نلکی جس میں بتی ہوتی ہے یہ مشکوٰۃ کی دوسری تفسیر ہے مناسب تھا کہ مفسر علام او الْاَنبوبۃ فرماتے۔

قَوْلُہٗ: توقد المصباحُ توقد میں تین قراءتیں ہیں ① فعل ماضی تَوَقَّدَ بروزن تَفَعَّلَ، المصباح اس کا فاعل ہے ② یُوْقَدُ اَوْقَدَ سے مضارع مجہول واحد مذکر غائب المصباح نائب فاعل ③ تُوْقَدُ بالتاء اَوْقَدَ سے مضارع مجہول، نائب فاعل الزجاجۃ حذف مضاف کے ساتھ ای فتیلۃ الزجاجۃ.

قَوْلُہٗ: زیتونۃٍ یہ شجرۃ سے بدل ہے یہی اظہر ہے یا عطف بیان ہے کوفیین کے نزدیک اس لئے کہ نکرات میں کوفیین عطف بیان کو جائز کہتے ہیں، شجرۃ موصوف مبارکۃ صفت موصوف صفت سے مل کر مبدل منہ زیتونۃ بدل، بدل مبدل منہ سے مل کر مضاف الیہ زیتٌ مضاف محذوف کا مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور جار مجرور سے مل کر متعلق ہوا توقد کے۔

قَوْلُہٗ: لاشرقیۃٍ ولا غربیۃٍ، شجرۃٍ کی صفت ہے۔

قَوْلُہٗ: مُضِرَّیْنِ یہ حَرٌّ ولا بَرْدٌ سے حال ہے۔

قَوْلُہٗ: وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نارٌ شرط ہے اس کا جواب محذوف ہے ای لَأَضَاءَ نورٌ بہٖ ای بالزیت.

قَوْلُہٗ: علٰی نورٍ ای مع نورِ ایمان خود ایک نور ہے، ایمان کے ساتھ ساتھ دیگر اعمال صالحہ کی توفیق و ہدایت یہ نورٌ علٰی نور ہے، اللہ تعالیٰ تقریب الی الفہم کے لئے معقولات کو محسوسات کے ذریعہ مثال دے کر سمجھاتا ہے تاکہ عبرت حاصل کریں اور ایمان لائیں۔

تَنْبِیْہٌ: آیت کریمہ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ (الآیۃ) اس میں تشبیہ معقول بالمحسوس ہے، نور اللہ سے اَدِلّٰہ یا قرآن، یا توحید والشرائع، یا ہدایت مراد ہیں اور یہ مشبہ ہے اور نور مشکوٰۃ مع اپنی صفات کے مشبہ بہ ہے، تشبیہ کے لئے مشبہ بہ کا اشہر ہونا کافی ہے، اقوی ہونا ضروری نہیں ہے لہٰذا تشبیہ مذکور درست ہے، مشبہ بہ میں چونکہ اجزاء نہیں ہیں کہ جس سے وجہ شبہ کو منتزع کیا جائے اور اس کی وجہ سے تشبیہ کو مرکب یا مفرق (مفرد) کہا جائے۔ (روح المعانی)

نیز بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر نورٌ بمعنی ہدایت ہو جس پر آیات مبینات دلالت کرتی ہیں تو اس صورت میں تشبیہ مرکب عقلی ہوگی اس لئے کہ اس صورت میں مشبہ سے ہیئۃ منتزعہ کو تشبیہ اس ہیئۃ منتزعہ سے ہے جو مشبہ بہ سے انتزاع کی گئی ہے اس لئے کہ لفظ نور اگرچہ مفرد ہے مگر دال علی المتعدد ہے اس لئے کہ نور سے مراد متعدد چیزیں ہیں مثلاً ادلہ، قرآن، توحید و شرائع، ہدایت وغیرہ اسی طرح مشبہ بہ میں بھی متعدد چیزیں مراد ہیں، مشبہ بہ قلب مومن ہے جس کو اللہ نے نور ہدایت سے منور کیا ہے جو کہ علوم و معارف ہیں۔ (روح المعانی)

قولہ: بل بینھما یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ درخت نہ انتہائی مشرق میں ہے اور نہ مغرب میں بلکہ درمیان میں ہے، جس کو مشرق وسطیٰ کہتے ہیں، ملک شام بھی اسی علاقہ میں واقع ہے مشرق وسطیٰ کی آب و ہوا چونکہ معتدل ہے نہ زیادہ گرم ہے اور نہ زیادہ سرد، اس لئے وہاں کے زیتون کا تیل نہایت صاف شفاف ہوتا ہے بخلاف انتہائی مشرق و مغرب کے کہ ان میں گرمی سردی زیادہ ہوتی ہے جو کہ مضر ہیں۔

قولہ: فی بیوت اس کا تعلق آئندہ آنے والے یُسَبِّحُ سے ہے اس صورت میں ظرف یعنی (فیہا) تاکید کے لئے مکرر ہوگا، مفسر علام کا بھی یہی مختار ہے، اور محذوف کے متعلق بھی ہوسکتا ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی سبحوا ربکم فی بیوت اس صورت میں علیمٌ پر وقف ہوگا، اور یہ بھی درست ہے کہ فی بیوت کائن وغیرہ محذوف کے متعلق ہو کر مشکوٰۃٌ یا مصباح یا زجاجۃ کی صفت ہو یا تُوقدُ کے متعلق ہو، ان چاروں صورتوں میں علیمٌ پر وقف نہ ہوگا۔

قولہ: اذن اللہ أن ترفعَ یہ جملہ بیوت کی صفت ہے اَنْ ترفع الخ بتاویل مصدر ہو کر باحرف جار مقدر کا مجرور ہے تقدیر عبارت یہ ہے اَمَرَ اللّٰہُ بِرَفْعِھَا، یُسَبِّحُ کو اگر فتح باء کے ساتھ پڑھا جائے تو لَهُ نائب فاعل ہوگا، اور رجال فعل محذوف کا فاعل ہوگا اور وہ فعل مقدر سوال مقدر کا جواب ہوگا جب کہا گیا یُسَبَّحُ لَهٗ تو سوال پیدا ہوا مَنْ یُسَبِّحُ قال رجالٌ لاتلھیھم تجارۃ.

قولہ: لیجزیھم میں لام عاقبت کا ہے ای عاقِبَةُ امرھم الجزاءُ الحسن، یسبح سے بھی متعلق ہوسکتا ہے ای یُسَبِّحُوْنَ لاجل الجزاء اور محذوف کے متعلق بھی ہوسکتا ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی فَعَلُوْا ذٰلک لِیَجزِیَھُم اللّٰہ.

قولہ: وَالَّذِینَ کفرُوْا اعمالُھُمْ کسَرابٍ بِقِیْعَةٍ والذین کفروْا موصول صلہ سے مل کر مبتداء اول ہے اَعْمَالُھم مبتداء ثانی ہے کسرابٍ کائن کے متعلق ہو کر مبتداء ثانی کی خبر ہے مبتداء ثانی اپنی خبر سے مل کر مبتداء اول والذین کی خبر ہے، اور یہ بھی درست ہے کہ اعمالُھم والَّذینَ کفرُوْا سے بدل الاشتمال ہو اور کسرابٍ، الذین کی خبر۔

قولہ: بقیْعَةٍ باء جارہ ہے اور قیعةٌ قاع کی جمع ہے چٹیل میدان کو کہتے ہیں۔

قولہ: ظمآن، ظمآن کی شدت حاجت کی وجہ سے تخصیص کی گئی ہے ورنہ تو ظمآن اور غیر ظمآن سب کو دوپہر کے وقت ریت دھوپ میں سراب (جاری پانی) نظر آتا ہے۔

قولہ: اَوْ کظلماتٍ، او تقسیم کے لئے ہے یعنی کافر کے اعمال دو قسم کے ہیں ایک وہ جو سراب کے مانند ہوں گے یہ ان کے

وہ اعمال صالحہ ہوں گے جو انہوں نے دنیا میں صدقہ وخیرات یا صلہ رحمی کی شکل میں کیے ہوں گے یہ بظاہر اعمال صالحہ ہیں مگر آخرت میں چونکہ ان کا کوئی صلہ نہیں اس لئے ان کی حیثیت کچھ نہیں دوسرے ان کے اعمال سیئہ ہوں گے ان کی مثال ظلمات کی سی ہے، ظلمات کا عطف کسراب پر ہے حذف مضاف کے ساتھ، تقدیر عبارت یہ ہے او کذی ظلماتٍ.

تنبیہ: اَوْ کَظُلُمٰتٍ الخ میں تشبیہ مرکب بالمرکب ہے آیت میں تین قسم کی ظلمتوں کو تین قسم کی ظلمتوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے ظلمت اعتقاد، ظلمت قول، ظلمت فعل کو تشبیہ دی گئی ہے ظلمت بحر، ظلمت امواج، ظلمت سحاب کے ساتھ۔

تفسیر وتشریح

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اس آیت کو اہل علم ''آیت نور'' لکھتے ہیں اس آیت میں نور ایمان اور ظلمت کفر کو بڑی تفصیل سے مثال کے ذریعہ سمجھایا گیا ہے۔

نور کی تعریف:

ایک تعریف تحقیق وترکیب کے زیر عنوان تحریر کی جاچکی ہے یہ دوسری تعریف ہے، امام غزالی نے نور کی تعریف اس طرح بیان فرمائی ہے النور الظاهر بنفسه والمظهر لغيره یعنی خود اپنی ذات میں ظاہر اور روشن ہو اور دیگر اشیاء کو ظاہر اور روشن کرنے والا ہو، اور تفسیر مظہری میں ہے کہ نور دراصل اس کیفیت کا نام ہے جس کو انسان کی قوت باصرہ پہلے ادراک کرتی ہے اور پھر اس کے ذریعہ ان تمام چیزوں کا ادراک کرتی ہے جو آنکھ سے دیکھی جاتی ہیں، جیسے آفتاب اور چاند کی شعاعیں اپنے مقابل اجسام کثیفہ پر پڑ کر اول اس چیز کو روشن کر دیتی ہیں پھر اس سے شعاعیں منعکس ہو کر دوسری چیزوں کو روشن کر دیتی ہیں، اس سے معلوم ہوا لفظ نور کا اطلاق اپنے لغوی اور عرفی معنی کے اعتبار سے حق تعالیٰ شانہ کی ذات پر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ جسم اور جسمانیات سے بری اور پاک ہے اس لئے آیت مذکورہ میں جو حق تعالیٰ کے لئے لفظ نور کا اطلاق ہوا ہے اس کے معنی باتفاق ائمہ تفسیر مُنَوِّر یعنی روشن کرنے والے کے ہیں یا پھر مبالغہ کے طور پر صاحب نور کو نور سے تعبیر کر دیا گیا ہے جیسے صاحب عدل کو عدل کہہ دیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کی تمام مخلوق کو منور کرنے والے، نور بخشنے والے ہیں اور نور سے نور ہدایت مراد ہے، ابن کثیر نے حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے اس کی تفسیر میں نقل کیا ہے ''اللّٰهُ هادى اهل السّمٰوات والارضِ''.

نور مؤمن:

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ (الآیة) اللہ تعالیٰ کا نور ہدایت جو قلب مومن میں آتا ہے یہ اس کی ایک عجیب مثال ہے، ابن جریر نے حضرت ابی بن کعب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے اس کی تفسیر میں نقل کیا ہے هو المؤمن الذى جعل اللّٰه الايمان والقرآن فى صدره فَضَرَبَ اللّٰه مثله فقال اللّٰهُ نورُ السمٰوات والارضِ فبدأ بنور نفسه ثمَّ ذكرَ نور المؤمنِ فقال مَثَلُ

نور مَنْ آمَنَ بِہٖ فکان ابی بن کعبٍ یقرأھا مثَلُ نورِ مَنْ آمَنَ بِہٖ. (ابن کثیر)

یعنی یہ مثال اس مومن کی ہے جس کے دل میں اللہ نے ایمان اور قرآن کا نور ہدایت ڈالدیا ہے اس آیت میں پہلے تو اللہ نے خود اپنے نور کا ذکر فرمایا اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ پھر قلب مومن کے نور کا ذکر فرمایا مَثَلُ نورِہٖ اور اس آیت کی قراءت بھی حضرت ابی بن کعب کی مثلُ نورِہٖ کے بجائے مَثَلُ نور مَنْ آمَنَ بہٖ کی ہے۔

مَثَلُ نورِہٖ کی ضمیر کے متعلق ائمہ تفسیر کے دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ اللہ کا نورِ ہدایت جو مومن کے قلب میں فطرۃً رکھا گیا ہے اس کی مثال کمشکوٰۃ الخ ہے یہ حضرت ابن عباس رَضِوَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا کا قول ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ضمیر مومن کی طرف راجع ہے جس پر سیاق کلام دلالت کررہا ہے اس لئے حاصل اس مثال کا یہ ہے کہ مومن کا سینہ ایک طاق کی مثل ہے اس میں اس کا دل ایک قندیل کی مثل ہے اس میں نہایت شفاف روغن زیتون فطری نور ہدایت کی مثل ہے جو مومن کی فطرت میں ودیعت رکھا گیا ہے جس کا خاصہ خود بخود ہی قبول حق کا ہے پھر جس طرح روغن زیتون آگ کے شعلہ سے روشن ہوکر دوسروں کو روشن کرنے لگتا ہے اسی طرح فطری نور ہدایت جو قلب مومن میں رکھا گیا ہے جب وحی الٰہی اور علم الٰہی کے ساتھ اس کا اتصال ہوجاتا ہے تو روشن ہوکر عالم کو روشن کرنے لگتا ہے یہ نور ہدایت اگرچہ آغاز تخلیق میں ہر فرد کے قلب میں ودیعت رکھا گیا ہے، مومن کے ساتھ خاص نہیں ہے مگر چونکہ اس کا فائدہ مومن کو ہوتا ہے اس لئے مثال میں قلب مومن کو خاص فرمایا ہے، ایک حدیث سے بھی اس عموم کی تائید ہوتی ہے کل مولود یولد علی الفطرۃ یعنی ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اس کو فطرت کے تقاضوں سے ہٹا کر غلط راستوں پر ڈالدیتے ہیں، اس فطرت سے مراد ہدایت ایمان ہے۔ (معارف)

نور نبی کریم ﷺ:

امام بغوی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابن عباس رَضِوَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا نے کعب احبار سے جو توریت وانجیل کے بڑے مسلمان عالم تھے، انہوں نے فرمایا کہ یہ مثال رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک کی بیان کی گئی ہے مشکوٰۃ آپ کا سینہ ہے زجاجۃ (قندیل) آپ کا قلب مبارک ہے اور مصباح (چراغ) نبوت ہے، اور اس نور نبوت کا خاصہ یہ ہے کہ نبوت کے اظہار واعلان سے پہلے ہی اس میں لوگوں کے لئے روشنی کا سامان ہے پھر جب وحی الٰہی اور اس کے اعلان کا اس کے ساتھ اتصال ہوجاتا ہے تو یہ ایسا نور ہوتا ہے کہ سارے عالم کو روشن کرنے لگتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے اظہار نبوت، بعثت بلکہ آپ کی پیدائش سے بھی پہلے جو بہت سے عجیب وغریب واقعات عالم میں ایسے پیش آئے جو آپ کی نبوت کی بشارت دینے والے تھے جن کو اصطلاح محدثین میں ''ارہاصات'' کہا جاتا ہے، جن کو بہت سے علماء نے مستقل کتاب کے طور پر جمع کردیا ہے، ان ارہاصات کو شیخ جلال الدین سیوطی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے خصائص کبریٰ میں، اور ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں جمع کردیا ہے۔

فِي بُيُوتٍ اَذِنَ اللّٰهُ (الآية) سابقہ آیت میں حق تعالیٰ نے قلب مومن میں اپنا نور ہدایت ڈالنے کی ایک خاص مثال بیان فرمائی تھی، اور آخر میں یہ فرمایا تھا کہ اس نور سے فائدہ وہی لوگ اٹھاتے ہیں جن کو اللہ توفیق عطا فرماتے ہیں، اس آیت میں ایسے مومن کا محل اور مستقر بیان فرمایا گیا ہے کہ ایسے مومنین کا اصل مقام و مستقر جہاں وہ اکثر اوقات رہتے ہیں خصوصاً پانچ وقت نمازوں کے اوقات میں دیکھے جاتے ہیں وہ بیوت (مساجد) ہیں جن کے لئے اللہ کا حکم یہ ہے کہ ان کو بلند و بالا رکھا جائے اور ان میں اللہ کا نام ذکر کیا جائے۔

آیت کی اس تقریر کی بنا اس پر ہے کہ نحوی ترکیب میں فی بیوتٍ کا تعلق (یھدی اللّٰہ لنورہٖ) کے ساتھ ہو اَذِنَ اللّٰهُ ان تُرفَعَ، اَذِنَ اِذْنٌ سے مشتق ہے اس کے معنی اجازت دینے کے ہیں اور تُرفَعَ رفعٌ سے مشتق ہے جس کے معنی بلند کرنا اور تعظیم کرنے کے ہیں آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ مساجد کی تعظیم کی جائے یعنی ان میں لغو کام اور لغو کلام کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (ابن کثیر)

عکرمہ اور مجاہد امام تفسیر نے فرمایا، رفع سے مراد مسجد بنانا ہے جیسے بناء کعبہ کے متعلق قرآن میں آیا ہے اِذْ یَرفَعُ اِبْرَاهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ اس آیت میں رفع قواعد سے مراد بناء قواعد ہے اور حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا رفع مساجد سے مراد مساجد کی تعظیم ہے۔

يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ الْغُدُوّ غداۃٌ کی جمع ہے یا مصدر ہے اس کا اطلاق وقت کے لئے ہوا ہے اور آصال اصیل کی جمع ہے جیسے شریف کی جمع اشراف ہے، ایک جماعت نے اسکو اختیار کیا ہے حالانکہ فعیل کی جمع افعال قیاسی نہیں ہے، آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمام مناسب اوقات میں خدا کو یاد کرتے ہیں، بعض مفسرین نے غُدُوٌّ سے صبح کی نماز مراد لی ہے، اور آصال میں باقی چار نمازیں داخل کی ہیں اس لئے کہ اصیل زوال شمس سے صبح تک کے اوقات کو کہتے ہیں۔

لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ اس میں اُن مومنین کی ایک خاص صفت بیان کی گئی ہے جو اللہ کے نور ہدایت کے خاص مقامات اور مساجد کو آباد رکھتے ہیں، اس میں رجال کی تعبیر میں اس طرف اشارہ ہے کہ مساجد کی حاضری دراصل مردوں ہی کے لئے ہے عورتوں کی نماز ان کے گھروں میں افضل ہے، مسند احمد اور بیہقی میں حضرت ام سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خیرُ مساجِدِ النِّساءِ قَعْرُ بُيُوتِهِنَّ یعنی عورتوں کی بہترین مساجد ان کے گھر کے تنگ و تاریک گوشے ہیں، اس آیت میں مومنین صالحین کی یہ صفت بھی بیان کی گئی ہے کہ ان کو تجارت، خرید و فروخت اور لین دین کا مشغلہ اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ یہ آیت بازار والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور ان کے صاحبزادے حضرت سالم نے فرمایا کہ ایک روز حضرت عبداللہ بن عمر بازار سے گذرے تو نماز کا وقت ہو گیا تھا لوگوں کو دیکھا کہ دکانیں بند کر کے مسجد کی طرف جا رہے ہیں تو فرمایا انہی لوگوں کے بارے میں قرآن کا یہ ارشاد ہے رِجَالٌ لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ.

عہد رسالت میں دو صحابی تھے، ایک تجارت کرتے تھے اور دوسرے لوہار کا کام کرتے اور تلوار بنا کر بیچتے تھے، پہلے صحابی کی تجارت کا یہ حال تھا کہ اگر سودا تولنے کے وقت اذان کی آواز کان میں پڑ گئی تو ترازو کو پٹک کر نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے، اور دوسرے بزرگ کا یہ عالم تھا کہ اگر گرم لوہے پر ہتھوڑے کی ضرب لگا رہے ہیں اور کان میں اذان کی آواز آگئی تو اگر ہتھوڑا مونڈھے پر اٹھائے ہوئے ہیں تو ہتھوڑا مونڈھے کے پیچھے ڈال کر نماز کو چل دیتے تھے، اٹھائے ہوئے ہتھوڑے کی ضرب سے کام لینا بھی گوارا نہیں تھا، ان کی مدح میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (قرطبی)

يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ اس آیت کا مطلب یہ ہے اس روز دل وہ باتیں سمجھ لیں گے جو ابھی تک نہیں سمجھتے تھے، اور آنکھیں وہ ہولناک واقعات دیکھیں گی جو کبھی نہ دیکھے تھے، یا مطلب یہ ہے کہ قلوب میں کبھی نجات کی توقع پیدا ہوگی اور کبھی ہلاکت اور خوف کا اندیشہ اور آنکھیں کبھی داہنی جانب دیکھیں گی اور کبھی بائیں جانب کہ کس طرف سے پکڑے جائیں گے؟ یا اعمال نامے کس جانب سے ملتے ہیں؟ دائیں جانب سے یا بائیں جانب سے؟

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ (الآیہ) کافر دو قسم کے ہیں ایک وہ جو اپنے خیال اور عقیدے کے اعتبار سے کچھ اچھے کام کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد یہ کام آئیں گے، حالانکہ اگر کوئی کام بظاہر اچھا بھی ہو تو وہ کفر کی نحوست سے عند اللہ مقبول و معتبر نہیں، ان فریب خوردہ کافروں کی مثال ایسی سمجھو کہ دوپہر کے وقت جنگل میں ایک پیاسے کو دور سے پانی دکھائی دیا اور وہ حقیقت میں چمکتی ہوئی ریت تھی پیاسا شدت تشنگی سے بیتاب ہو کر وہاں پہنچا تو پانی وانی کچھ نہیں، ہاں ہلاکت کی گھڑی سامنے کھڑی تھی، اور اللہ تعالیٰ عمر بھر کا حساب لینے کے لئے وہاں موجود تھا چنانچہ اضطراب و حسرت کے وقت اللہ تعالیٰ نے اس کا حساب ایک دم میں چکا دیا کیونکہ وہاں حساب کرتے کیا دیر لگتی ہے، کافر کی دوسری قسم وہ ہے جو سر سے پاؤں تک دنیا کے مزوں میں غرق اور کفر و جہل، ظلم و عصیان کی اندھیریوں میں پڑے غوطے کھا رہے ہیں ان کی مثال آگے بیان فرمائی، ان کے پاس روشنی کی اتنی بھی چمک نہیں جتنی کہ سراب سے دھوکا کھانے والے کو نظر آتی تھی، یہ لوگ خالص اندھیریوں میں اور تہ بہ تہ ظلمات میں بند ہیں کسی طرف سے روشنی کی شعاع اپنے تک نہیں پہنچنے دیتے، نعوذ باللہ منہا، کافروں کی اسی قسم کو اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ (الآیۃ) سے بیان فرمایا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ومِنَ التَّسْبِيحِ صَلٰوةٌ **وَالطَّيْرُ** جَمْعُ طَائِرٍ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالاَرْضِ **صٰٓفّٰتٍ** حَالٌ بَاسِطَاتٍ اَجْنِحَتَهُنَّ **كُلٌّ قَدْ عَلِمَ** اللّٰهُ **صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَ** فِيهِ تَغْلِيبُ العَاقِلِ **وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** خَزَائِنُ المَطَرِ وَالرِّزْقِ وَالنَّبَاتِ **وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ** المَرْجِعُ **اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا** يَسُوقُهُ بِرِفْقٍ **ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ** يَضُمُّ بَعْضَهُ اِلٰى بَعْضٍ فَيَجْعَلُ القِطَعَ المُتَفَرِّقَةَ قِطْعَةً وَّاحِدَةً **ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا** بَعْضَهُ فَوْقَ بَعْضٍ **فَتَرَى الْوَدْقَ** المَطَرَ **يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ** مَخَارِجِهِ **وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ** زَائِدَةٌ **جِبَالٍ فِيْهَا** فِي السَّمَاءِ بَدَلٌ بِاِعَادَةِ

الجار مِنْ بَرَدٍ ای بعضه فَيُصِيبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ يَكَادُ يقرب سَنَا بَرْقِهٖ لمعانه يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾ النَّاظِرةِ له اَن يَخطِفَها يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ای یاتی بکلٍّ منهما بدلَ الآخر اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ التقلیبِ لَعِبْرَةً دلالةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾ لِاَصحابِ البصائرِ علی قُدرةِ اللّٰهِ تعالٰی وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ ای حیوانٍ مِّنْ مَّآءٍ ای نُطفةٍ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِیْ عَلٰی بَطْنِهٖ کالحیّاتِ والهوامّ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِیْ عَلٰی رِجْلَيْنِ کالانسان والطیر وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِیْ عَلٰی اَرْبَعٍ کالبهائمِ والانعام يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَا اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ای بیّناتٍ ہی القرآن وَاللّٰهُ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ طریقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾ ای دینِ الاسلام وَيَقُوْلُوْنَ ای المنافقون اٰمَنَّا صدّقنا بِاللّٰهِ بتوحیدِه وَبِالرَّسُوْلِ محمّدٍ وَاَطَعْنَا ہما فیما حکما به ثُمَّ يَتَوَلّٰی یُعرِض فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عنه وَمَا اُولٰٓئِكَ المعرِضون بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ المعهودین الموافقِ قلوبُهم لِالسنتِهم وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ المبلّغ عنه لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾ عن المجیْ الیه وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ مسرعین طائعین اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ کفرٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا ای شکّوا فی نبوّتِه اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ فی الحکم ای یُظلَموا فیه بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ بالاعراضِ عنه.

ترجمہ: کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ کی سب پاکی بیان کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور تسبیح (پاکی) میں نماز بھی داخل ہے اور پرندے (بھی) آسمان اور زمین کے درمیان حال یہ ہے کہ پر پھیلائے ہوئے ہیں طیر طائر کی جمع ہے، صَافَّاتٍ حال ہے یعنی حال یہ ہے کہ اپنے بازو کھولے ہوئے ہیں سب کو اپنی دعاء اور تسبیح معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں کے سب افعال کا پورا علم ہے، اس میں ذوی العقول کو (غیر ذوی العقول پر) غلبہ ہے اور اللہ ہی کی حکومت ہے آسمانوں اور زمین میں اور اللہ ہی کی مِلک ہیں بارش اور رزق اور نباتات کے خزانے اور اللہ ہی کی طرف مرجع ہے کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ بادلوں کو چلاتا ہے یعنی نرمی سے چلاتا ہے پھر ان بادلوں کو باہم ملا دیتا ہے یعنی بعض کو بعض کے ساتھ ملا دیتا ہے چنانچہ متفرق ٹکڑوں کو (ملا کر) ایک ٹکڑا کر دیتا ہے پھر ان کو تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے پھر تو بارش کو دیکھتا ہے اس کے درمیان سوراخوں سے نکلتی ہے اور بادل سے یعنی بادل کے پہاڑ جیسے (بڑے بڑے) ٹکڑوں سے کچھ اولے برساتا ہے فیها ای فی السماء، فیها اعادۂ جار کے ساتھ السماء سے بدل ہے اور مِنَ السَّمَاءِ میں من زائدہ ہے پھر ان کو جن پر چاہتا ہے گراتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اس کو ہٹا دیتا ہے اس بادل کی بجلی کی چمک سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی سلب کر لے گی چمک کو دیکھنے والی آنکھوں کی روشنی کو، یعنی اچک لے گی اور اللہ تعالیٰ رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے یعنی ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کے بدلے میں لاتا ہے بلاشبہ اس ادل بدل میں اصحاب علم و دانش کے لئے اللہ کی قدرت پر دلالت ہے اور اللہ نے ہر چلنے والے یعنی جاندار کو پانی یعنی نطفہ سے پیدا کیا تو ان میں سے بعض ایسے ہیں جو پیٹ کے بل سرکتے ہیں جیسا کہ سانپ اور حشرات الارض اور

بعض ان میں سے وہ ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں جیسا کہ انسان اور پرندے اور بعض ان میں سے چار پیروں پر چلتے ہیں جیسا کہ مویشی اور چوپائے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہر شی پر قادر ہے اور بلاشبہ ہم نے واضح کرنے والی آیات نازل کیں وہ قرآن ہے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے راہ مستقیم یعنی دین اسلام کی طرف ہدایت فرماتا ہے اور یہ منافقین دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم اللہ پر یعنی اس کی توحید اور اس کے رسول محمد ﷺ پر ایمان لے آئے، یعنی (دل سے) تصدیق کی اور ان دونوں نے جو حکم کیا اس کی ہم نے اطاعت کی پھر اس کے بعد ان میں کی ایک جماعت اس (حکم) سے اعراض کرتی ہے اور یہ اعراض کرنے والے بالکل مومن نہیں ہیں یعنی ایسا عہد کرنے والے نہیں ہیں کہ جس میں ان کے قلب و لسان میں مطابقت ہو اور جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے وہ رسول جو خدا کی طرف سے مبلغ ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو ان میں کا ایک گروہ آپ کے پاس آنے سے اعراض کرتا ہے اور اگر ان کا (کسی پر) حق ہو تو فوراً سر تسلیم خم کئے ہوئے چلے آتے ہیں آیا ان کے دلوں میں مرض کفر ہے؟ یا یہ آپ کی نبوت کے بارے میں شک میں پڑے ہیں، یا ان کو یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول فیصلے میں ان پر ظلم کرے گا؟ یعنی ان پر فیصلے میں ظلم کیا جائے گا؟ نہیں یہ بات نہیں بلکہ یہی ظالم ہوئے ہیں حکم سے اعراض کرکے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہمزہ تقریر کے لئے ہے اور رویت سے رویت قلبی مراد ہے اس لئے کہ تسبیح کا تعلق بصر و نظر سے نہیں ہے بلکہ قلب و بصیرت سے ہے، مطلب یہ ہے اے محمد ﷺ آپ کو بخوبی معلوم ہے کہ آسمانوں اور زمین کی مخلوق اللہ کی تسبیح و تقدیس بیان کرتی ہے اور پرند بھی فضاء میں پر پھیلائے ہوئے اللہ کی تسبیح کرتے ہیں مَنْ کا استعمال ذوی العقول کو غیر ذوی العقول پر غلبہ دینے کے اعتبار سے ہے ورنہ تو مخلوق میں دس حصوں میں سے ایک حصہ ذوی العقول ہیں جن میں انسان، جن و ملائکہ سب داخل ہیں اور باقی غیر ذوی العقول ہیں۔

قَوْلُهٗ: ومِنَ التَّسبيح صلوٰةٌ کے اضافہ کا مقصد یہ ہے کہ تسبیح سے مراد انقیاد و خضوع ہے اور صلوٰۃ بھی منجملہ انقیاد و خضوع کے افراد میں سے ایک فرد ہے، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے قول کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وتسبيحهٗ کے لئے توطیہ و تمہید بھی ہے طَيْرٌ طائرٌ کی جمع ہے، جیسے رَكْبٌ رَاكِبٌ کی جمع ہے طَيْر کا عطف مَنْ فى السَّمٰوٰتِ ومَن فى الْاَرْضِ پر ہے۔

سُوَال: اس عطف سے عطف الشئ علیٰ نفسہ لازم آتا ہے، اس لئے کہ مَن فى السَّمٰوٰتِ ومَن فى الارضِ میں طیر بھی داخل ہیں، لہٰذا معطوف اور معطوف علیہ ایک ہی ہوئے بَيْنَ السَّمَاءِ والارضِ سے مذکورہ اعتراض کا جواب دینا مقصد ہے۔

جَوَاب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ ایک نہیں ہیں بلکہ ان میں مغایرت ہے اس لئے کہ معطوف علیہ سے آسمانوں اور زمین کی مخلوق مراد ہے اور پرندے جب پر پھیلائے فضاء میں پرواز کرتے ہوئے ہوتے ہیں تو اس وقت وہ نہ زمین

میں ہوتے ہیں اور نہ آسمان میں، لہٰذا عطف الشئ علیٰ نفسہٖ کا شبہ ختم ہوگیا۔

قَوْلُہٗ: صافّاتٍ، طیرٌ سے حال ہے، الطیرُ، مَنْ پر عطف کی وجہ سے مرفوع ہے اور صافاتٍ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے (اس میں اور ترکیبیں بھی ہوسکتی ہیں مگر سہل ترین اور راجح یہی قول ہے) کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صلا تَہٗ و تسبیحہٗ، عَلِمَ صلاتَہ اور تسبیحہٗ تینوں کی ضمیروں میں اقوال مختلف ہیں، ایک قول یہ ہے کہ تینوں ضمیروں کا مرجع کلٌّ ہے ای کُلٌّ عَلِمَ صلاتَہٗ وتسبیحَہٗ یہ صورت توافق ضمائر کی وجہ سے سب سے بہتر ہے، دوسرا قول عَلِمَ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہو اور صلاتَہٗ وتسبیحَہٗ کی ضمیریں کلٌّ کی طرف راجع ہوں۔ (جمل)

قَوْلُہٗ: ثُمَّ یُؤَلِّفُ بینَہٗ یہاں یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ بَینَ متعدد کے درمیان استعمال ہوتا ہے، اور یہاں سحاب کے لئے استعمال ہوا ہے، حالانکہ سحاب واحد ہے مفسر علام نے اپنے قول یضم بعضہ الی بعض کا اضافہ کرکے مذکورہ اعتراض کے جواب کی طرف اشارہ کردیا، ای قِطَعَ سَحَابٍ یعنی مضاف محذوف ہے (قِطَعَ جمع قطیعۃٍ) خیال رہے کہ مذکورہ جواب کی ضرورت اس وقت پیش آئے گی جب سحاب کو مفرد مانا جائے اور اگر سحابٌ کو سَحَابَۃٌ کی جمع یا اسم جنس مان لیا جائے تو نہ کوئی اعتراض واقع ہوگا اور نہ کسی جواب کی ضرورت پڑے گی۔

قَوْلُہٗ: یُزْجِیْ، ازْجاءً سے مضارع واحد مذکر غائب ہے وہ نرمی کے ساتھ چلاتا ہے۔

قَوْلُہٗ: رُکامًا یہ اسم ہے بمعنی تہہ بہ تہہ یَخْرُجُ مِنْ خِلَالِہٖ یہ جملہ الوَدْقُ سے حال ہے۔

قَوْلُہٗ: خِلَالٌ کو بعض حضرات نے مفرد کہا ہے بروزن حِجَابٌ اور بعض حضرات نے جمع کہا ہے خلال جمع خلل بروزن جبَالٌ جمع جبلٍ بمعنی سوراخ۔

قَوْلُہٗ: یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِیْھَا مِنْ بَرَدٍ، مِنَ السَّمَاءِ مِن ابتدائیہ ہے ای مبتدأٌ من السَّحابِ فَاِنَّ کُلَّ ما عَلَاکَ فَھُوَ سماءٌ.

قَوْلُہٗ: مِنْ جِبَالٍ ای قِطَعٍ عِظَامٍ تُشْبِہُ الجِبَالَ فی العَظْمِ.

قَوْلُہٗ: فِیھا ای فی السَّمآء والجار والمجرور فی موضَع الصفۃ.

قَوْلُہٗ: مِنْ بردٍ میں مِن تبعیضیہ ہے، ای یُنَزِّلُ مُبتدأً مِنَ السَّحابِ من جِبالٍ کائِنَۃٍ فیھا بعض بردٍ (او) بردًا.

تَرْجَمَہٗ: پہاڑ جیسے بادلوں کے بڑے بڑے ٹکڑوں سے اولے برساتا ہے جو کہ بادلوں میں ہوتے ہیں ای وینزل من السحاب الذی ھو کامثال الجبال بردًا. مذکورہ آیت میں مِن تین مرتبہ استعمال ہوا ہے، پہلا یعنی من السماء میں یہ باتفاق مفسرین ابتدائیہ ہے، اور دوسرا مِنْ جِبَالٍ میں کہا گیا ہے زائدہ، کہا گیا ہے تبعیضیہ، کہا گیا ہے ابتدائیہ اور جبال من السماءِ سے اعادۂ جار کے ساتھ بدل ہے اور تیسرا مِنْ بردٍ میں مذکورہ تینوں اقوال کے علاوہ ایک چوتھا قول بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ من بیانیہ ہے، یعنی بیان جنس کے لئے ہے، ای من جنس البرد کما یقال ھذا خاتمٌ فی یدی من حدیدٍ ای خاتم حدید فی یدی.

قِوْلَهُ: منهم مَنْ يَمْشِىْ هم ضمیر کل کی طرف راجع ہے باعتبار معنی کے، پیٹ کے بل سرکنے والے کو مشاکلت کے طور ماشی سے تعبیر کیا گیا ہے اس لئے کہ حقیقتاً ماشی کا ذکر بعد میں آرہا ہے، ورنہ تو پیٹ کے بل سرکنے والے کو زاحفٌ کہتے ہیں۔

قِوْلَهُ: وَلَقَدْ انزلنا میں لام قسمیہ ہے، قسم محذوف ہے ای واللّٰہِ لقد انزلنا اَطَعْنَا کے بعد هُما ضمیر کا اضافہ یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ اَطَعْنَا کا مفعول محذوف ہے۔

قِوْلَهُ: عنه ای عن القول.

قِوْلَهُ: المُبَلِّغُ عنه یہ اس سوال مقدر کا جواب ہے کہ لِيَحْكُمَ میں ضمیر کو مفرد کیوں لائے؟ جبکہ ماقبل میں اللہ اور رسول دو کا ذکر ہے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حکم اگرچہ حقیقت میں اللہ ہی کا ہے مگر مباشر بالحکم اور مبلغ بالحکم رسول ہی ہے اللہ کا ذکر تو تفخیمًا و تعظیمًا ہے۔

قِوْلَهُ: اِذَا فریقٌ منهم معرضون اِذَا مفاجاتیہ قائم مقام فاء کے ہے جو کہ جواب شرط کو شرط کے ساتھ ربط دینے کے لئے ہے، یعنی اِذَا دُعُوْا شرط ہے اور اِذَا فریقٌ منهم جزاء۔

قِوْلَهُ: اِلَيْهِ ای المبلّغ یعنی اگر غیر کا حق ان کے اوپر ہوتا ہے تو آپ ﷺ کے پاس آنے سے اعراض کرتے ہیں، یہ آیت بشر نامی ایک منافق کے بارے میں نازل ہوئی جبکہ اس کا ایک یہودی کے ساتھ زمین کے معاملہ میں نزاع ہوا تھا، یہودی چاہتا تھا کہ فیصلہ آپ ﷺ کے پاس لیجائے اور منافق چاہتا تھا کہ کعب بن اشرف کے پاس لیجائے اور منافق کہتا تھا کہ محمد ﷺ ہمارے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

قِوْلَهُ: اَفِى قلوبِهِمْ مرضٌ (الآیة) اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ منشاء اعراض مذکورہ تین چیزوں میں سے ایک ہے۔

تفسیر و تشریح

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهُ (الآیة) اے محمد ﷺ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر مخلوق اللہ کی تسبیح و تقدیس میں مشغول ہے اس تسبیح کا مفہوم حضرت سفیان ثوری نے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہر شئ آسمان، زمین، آفتاب، ماہتاب اور ستارے اور سیارے اور زمین کے عناصر آگ، پانی، مٹی، ہوا سب کو خاص خاص کاموں کے لئے پیدا فرمایا ہے اور جس کو جس کام کے لئے پیدا فرمایا ہے وہ برابر اس کام پر لگا ہوا ہے اس سے سرمو انحراف نہیں کرتا، اسی طاعت وانقیاد کو ان چیزوں کی تسبیح فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ان کی تسبیح مقالی نہیں ہے بلکہ حالی ہے کہ ہم اللہ کو پاک اور برتر سمجھ کر اس کی اطاعت میں لگے ہوئے ہیں۔

زمخشری اور دیگر مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز کے اندر اتنا فہم و شعور رکھا ہے جس سے وہ اپنے خالق اور مالک کو پہچانے اور اس میں بھی کوئی بعد نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو خاص قسم کی گویائی عطا فرمائی ہو اور خاص قسم کی تسبیح و عبادت ان کو

سکھائی ہو جیسا کہ مختلف حیوانات اپنے مافی الضمیر کو اپنے ہم جنسوں کو سمجھاتے ہیں جس کا رات دن مشاہدہ ہوتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر شئی کو اس کے حساب سے شعور عطا فرمایا ہو اور اسی حساب سے ان کو ان کی عبادت کا طریقہ بتایا ہو، کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ (الآیۃ) میں اسی مضمون کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِیْهَا یہاں ''سماء'' سے مراد بادل ہیں اور ''جبال'' سے بڑے بڑے بادل مراد ہیں اور بردٌ اولے کو کہتے ہیں اس آیت کا ایک مطلب یہ ہے کہ آسمانوں میں اولوں کے پہاڑ ہیں جن سے وہ اولے برساتا ہے (ابن کثیر) دوسرا مطلب یہ ہے کہ سماءٌ بلندی کے معنی میں ہے اور جبال کے معنی ہیں پہاڑوں جیسے بڑے بڑے ٹکڑے یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں سے بارش ہی نہیں برساتا بلکہ بلندیوں سے جب چاہتا ہے برف کے ٹکڑے بھی نازل فرماتا ہے، یا پہاڑ جیسے بڑے بڑے بادلوں سے اولے برساتا ہے۔

ویقولون آمَنَّا بِاللّٰهِ اس سے پہلی آیت میں ان لوگوں کا ذکر تھا جن کو اللہ نے ایمان کی توفیق اور کار خیر کی ہدایت فرمائی، اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو دولت ایمان سے محروم رہے اور نفاق کا طریقہ اختیار کیا۔

شانِ نزول:

مقاتل نے کہا کہ یہ آیت بشر نامی ایک منافق کے بارے میں نازل ہوئی، حضرت ابن عباس رَضِحَاللہُتَعَالیٰعَنْہُمَا کا بھی قول یہی ہے کہ یہ آیت بشر نامی منافق کے بارے میں نازل ہوئی تھی، واقعہ اس طرح تھا کہ بشر اور ایک یہودی کے درمیان زمین کے معاملہ میں خصومت تھی بشر ناحق پر تھا اور یہودی حق پر، یہودی نے کہا فیصلے کے لئے محمد ﷺ کے پاس چلو مگر بشر منافق نے کہا کہ کعب بن اشرف کے پاس چلو (جو ایک یہودی سردار تھا) یہودی نے محمد ﷺ کے پاس جانے کے لئے اصرار کیا چنانچہ یہ دونوں آپ ﷺ کے پاس گئے آپ نے یہودی کے حق میں فیصلہ فرمایا جب یہ دونوں آپ ﷺ کے پاس سے نکلے تو منافق نے کہا عمر رَضِحَاللہُتَعَالیٰعَنْہُ کے پاس چلو ان سے فیصلہ کرائیں گے، چنانچہ دونوں عمر رَضِحَاللہُتَعَالیٰعَنْہُ کے پاس پہنچے، یہودی نے کہا ہم دونوں محمد ﷺ کے پاس گئے تھے آپ ﷺ نے میرے حق میں فیصلہ فرمایا مگر یہ شخص آپ ﷺ کے فیصلہ پر راضی نہیں ہے، اب یہ چاہتا ہے کہ آپ سے فیصلہ کرائے، حضرت عمر رَضِحَاللہُتَعَالیٰعَنْہُ نے منافق سے فرمایا أَکَذَالِكَ؟ کیا بات ایسی ہی ہے؟ منافق نے کہا ''نعم'' ہاں، حضرت عمر رَضِحَاللہُتَعَالیٰعَنْہُ نے دونوں سے فرمایا رویدا حتی اخرجَ الیکما میرے آنے تک انتظار کرو، چنانچہ حضرت عمر رَضِحَاللہُتَعَالیٰعَنْہُ گھر کے اندر گئے اور تلوار لیکر واپس تشریف لائے اور منافق کو ایک ہی وار میں ٹھنڈا کر دیا، اور حضرت عمر رَضِحَاللہُتَعَالیٰعَنْہُ نے فرمایا ھٰکَذَا اقضِی بَیْنَ مَنْ لَمْ یَرْضَ بِقَضَاءِ اللّٰهِ وقضَاءِ رَسُوْلِهٖ جو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کو تسلیم نہ کرے میں اس کا فیصلہ اس طرح کرتا ہوں، تو یہ آیت نازل ہوئی وقال جبرائیل اِنَّ عمر فرَّق بینَ الحَقِّ والباطلِ فسمی الفاروق حضرت جبرائیل نے فرمایا عمر نے حق اور باطل کے درمیان فرق کر دیا تو حضرت عمر کا نام ''فاروق'' رکھا۔

(جمل)

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اى بالقول اللائق بهم اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا بالاجابة وَاُولٰٓئِكَ حينئذ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ الناجون وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ يخافه وَيَتَّقْهِ بسكون الهاء وكسرها بان يطيعه فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ بالجنة وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ غايتها لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ بالجهاد لَيَخْرُجُنَّ قُلْ لهم لَّا تُقْسِمُوْا طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ للنبي خير من قسمكم الذي لاتصدقون فيه اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ من طاعتكم بالقول ومخالفتكم بالفعل قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا عن طاعته بحذف احدى التائين خطاب لهم فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ من التبليغ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ من طاعته وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ اى التبليغ البين وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ بدلا عن الكفار كَمَا اسْتَخْلَفَ بالبناء للفاعل والمفعول الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ من بنى اسرائيل بدلا عن الجبابرة وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وهو الاسلام بان يظهره على جميع الاديان ويوسع لهم فى البلاد فيملكوها وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ بالتخفيف والتشديد مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ من الكفار اَمْنًا وقد انجز الله وعده لهم بما ذكره واثنى عليهم بقوله يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْئًا هو مستانف فى حكم التعليل وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ الانعام منهم به فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ واول من كفر به قتلة عثمان رضى الله عنه فصاروا يقتتلون بعد ان كانوا اخوانا وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ اى رجاء الرحمة لَا تَحْسَبَنَّ بالفوقانية والتحتانية والفاعل الرسول الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ لنا فِى الْاَرْضِ بان يفوتونا وَمَاْوٰىهُمُ مرجعهم النَّارُ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ المرجع هى.

ترجمہ: ایمان والوں کا قول تو یہ ہے کہ جب انہیں اس لئے بلایا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان میں فیصلہ کر دے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا (عملاً) مان لینا، یعنی ایسا کہنا ہی مومنین کی شان کے لائق ہے اور ایسے ہی لوگ اس قول کی وجہ سے فلاح پائیں گے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ کا خوف رکھے اور اس (کے عذاب) سے ڈرے یَتَّقْهِ ہا کے سکون اور اس کے کسرہ کے ساتھ ہے یعنی اس کی اطاعت کرے پس ایسے ہی لوگ جنت پا کر بامراد ہوں گے اور وہ نہایت پختگی کے ساتھ اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ اگر آپ ان کو جہاد کا حکم فرمائیں تو وہ ضرور نکل کھڑے ہوں، آپ کہہ دیجئے کہ قسمیں نہ کھاؤ معروف طریقہ سے نبی کی طاعت بہتر ہے تمہاری ایسی قسموں سے جن میں تم سچے نہیں ہو اللہ تعالیٰ تمہارے عمل سے جو کہ قولاً اطاعت اور عملاً مخالفت ہے بخوبی واقف ہے آپ کہہ دیجئے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو پھر بھی اگر تم لوگ اس کی طاعت سے روگردانی کرو گے تَوَلَّوْا میں ایک تا کے حذف کے ساتھ ان ہی کو خطاب ہے (تو اس کا کوئی نقصان

نہیں) (یہ جواب شرط محذوف ہے) اس لئے کہ رسول کے ذمہ وہی تبلیغ کا کام ہے جو ان کے ذمہ رکھا گیا ہے اور تمہارے ذمہ وہ اطاعت ہے جو تمہارے اوپر لازم کی گئی ہے اور اگر تم نے اس کی اطاعت کی تو ہدایت پا جاؤ گے اور رسول کے ذمہ صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے کہ یقیناً ان کو کافروں کے بجائے زمین کا خلیفہ بنائے گا جس طرح ان کو خلیفہ بنایا جو ان سے پہلے تھے بنی اسرائیل میں سے ظالموں کے بدلے استخلَفَ معروف اور مجہول (دونوں ہیں) اور جس دین کو ان کے لئے پسند کیا ہے یقیناً ان کے لئے ان کے اس دین کو قوت بخشے گا اور وہ اسلام ہے (اس طرح قوت بخشے گا) کہ اس کو تمام ادیان پر غالب کر دے گا، اور ان کے لئے ملکوں میں وسعت دے گا تو وہ ان کے مالک ہو جائیں گے، اور کافروں سے ان کے اس خوف کے بعد اس (خوف) کو امن سے بدل دے گا لَیُبَدِّلَنَّهُمْ تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنے مذکورہ وعدہ کو پورا فرما دیا اور ان کی اپنے قول یعبدوننی لا یُشرِکون بیْ شیئًا سے تعریف فرمائی اور یہ جملہ مستانفہ ہے علت کے حکم میں ہے اور ان میں کا جو شخص اس انعام کے بعد اس کی ناشکری کرے گا تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں اور سب ۔ سے پہلے جنہوں نے اس انعام کی ناشکری کی وہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ ہیں، چنانچہ باوجودیکہ آپس میں بھائی بھائی تھے قتل وقتال کرنے لگے اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور رسول کی اطاعت کیا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے یعنی رحمت کی امید رکھتے ہوئے آپ کافروں کی نسبت یہ خیال ہرگز نہ کرنا کہ زمین میں ہم سے بچ کر ہمیں ہرا دیں گے تحسَبَنَّ تا فوقانیہ اور یا تحتانیہ کے ساتھ ہے اور فاعل رسول اللہ ﷺ ہیں اور ان کا ٹھکانہ مرجع دوزخ ہے اور وہ (نہایت) برا ٹھکانہ مرجع ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَهُ: اِنَّمَا کَانَ قولَ المؤمنِینَ جمہور نے قول پر، کان کی خبر قرار دینے کی وجہ سے نصب پڑھا ہے اور اَنْ یَّقُوْلُوْا الخ کو بتاویل مصدر کان کا اسم قرار دیا ہے، اور علی اور حسن اور ابن ابی اسحٰق نے قولُ کو اسم کان قرار دے کر رفع پڑھا ہے اور اَنْ یَّقُوْلُوْا کو بتاویل مصدر کان کی خبر قرار دیا ہے، اول قراءت کو جمہور نے راجح قرار دیا ہے۔

قِوْلَهُ: اَنْ یَّقُوْلُوْا الخ اگرچہ جملہ خبریہ ہے مگر اس سے ادب شرعی کی تعلیم مقصود ہے اس لئے جملہ انشائیہ کے حکم میں ہے۔

قِوْلَهُ: یَتَّقْهِ اصل میں یَتَّقِیْهِ تھا جزم کی وجہ سے یا حذف ہوگئی اور قاف کا کسرہ باقی رہ گیا پھر قاف کے کسرہ کو تخفیفاً خلاف قیاس حذف کر دیا اس لئے کہ جو صیغہ فَعِلَ کے وزن پر ہو اس کے عین کلمہ کو ساکن کر دیا جاتا ہے جیسے کَتْفٌ کَتِفٌ میں۔

قِوْلَهُ: جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ، جَهْدَ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے غایَتَها محذوف سے اسی کی طرف اشارہ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے یَجْهَدُوْنَ اَیْمَانَهم جهدًا بعض حضرات نے حال ہونے کی وجہ سے منصوب کہا ہے ای مجتهدِینَ فی اَیْمانِهِمْ.

قِوْلَہٗ: لَيَخْرُجُنَّ جواب قسم ہے۔

قِوْلَہٗ: طاعةٌ معروفةٌ بترکیب توصیفی مبتداء ہے اور خیرٌ الخ اس کی خبر ہے مفسر علام نے خیرٌ مقدر مان کر اسی کی طرف اشارہ کیا ہے، طاعة معروفة مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے بھی مرفوع ہوسکتا ہے ای طاعتُهُمْ طاعةٌ معروفةٌ.

قِوْلَہٗ: اِنَّ اللّٰهَ خبيرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ یہ ماقبل کے جملہ کی علت ہے۔

قِوْلَہٗ: فَاِنْ تَوَلَّوْا میں مامورین کو خطاب ہے یعنی اطيعوا اللّٰهَ واطيعوا الرسولَ میں جو لوگ مخاطب ہیں وہی تَوَلَّوْا کے مخاطب ہیں، قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ الخ میں آنحضرت ﷺ کو خطاب تھا فَاِنْ تَوَلَّوْا میں مامورین کو خطاب ہے۔

قِوْلَہٗ: فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ یہ جواب شرط ہے اور ایک قول میں جواب شرط محذوف ہے اور فَاِنَّمَا عَلَيْهِ ماحُمِّلَ اس جواب کی علت ہے جیسا کہ ترجمہ کے زیر عنوان بیان کیا گیا ہے۔

قِوْلَہٗ: ما علی الرسول الخ ماقبل جملہ کی تاکید ہے۔

قِوْلَہٗ: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ، وَعَدَ کا مفعول اول ہے اور مفعول ثانی محذوف ہے اور وہ الإستخلاف في الارض وتمكين دينهم وتبديل خوفهم بالامن، یہ سب معطوفات مل کر وَعَدَ کا مفعول ثانی ہے اور لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ قسم مقدر کا جواب ہے، تقدیر یہ ہے وَاللّٰهِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ اور یہ جواب قسم مفعول ثانی کے حذف پر دال ہے۔

قِوْلَہٗ: كما اِسْتَخْلَفَ میں ما مصدر یہ ہے ای اِسْتَخْلافًا كَاِسْتَخْلافِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ.

قِوْلَہٗ: بِمَا ذَكَرَ اس کا تعلق وعدہ سے ہے اور مَا ذَكَرَ سے امور ثلاثہ مذکورہ مراد ہیں۔

قِوْلَہٗ: يَعْبُدُوْنَنِيْ یہ جملہ مستانفہ ہے مفسر علام نے هو مستانف کہہ کر اسی کی طرف اشارہ کیا ہے، اس میں مختلف تراکیب ہوسکتی ہیں مگر مفسر علام نے اسی کو راجح قرار دیا ہے، یہ جملہ گویا کہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، کہا گیا ما بالُهُمْ يَسْتَخْلِفُوْنَ ويؤمِنُوْنَ، فاجيب يعبدُوْنَنِيْ مذکورہ جملہ مبتداء محذوف کی خبر بھی ہوسکتا ہے اس صورت میں بھی جملہ مستانفہ رہے گا، تقدیر یہ ہوگی هم يعبُدُوْنَنِيْ.

قِوْلَہٗ: لايشركونَ بي شيئًا جملہ مستانفہ بھی ہوسکتا ہے اور یعبدوننی کی ضمیر فاعل سے حال بھی ہوسکتا ہے، ای يعبدُونني موَحِّدِيْنَ.

قِوْلَہٗ: منهُمْ یہ مَنْ سے حال ہے اور هم ضمیر للذين آمنُوْا کی طرف راجع ہے۔

قِوْلَہٗ: بهٖ کی ضمیر انعام کی طرف راجع ہے، ای الانعام بما ذَكَرَ من الامور الثلثة اور کفر سے مراد کفران نعمت ہے نہ کہ ایمان کی ضد، اسی وجہ سے اُولٰئكَ هم الفاسِقُوْنَ کہا ہے، اولئك هم الكافرون نہیں کہا۔

قِوْلَہٗ: واقيموا الصَّلٰوةَ یہ جملہ مقدر پر عطف ہے جس کا سیاق تقاضہ کرتا ہے ای فآمنوا واقيموا الصَّلٰوةَ الخ.

قولہ: لاتحسبنّ اس کا فاعل الرسول ہے اور الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مفعول اول ہے اور معجزین مفعول ثانی ہے اور یَحْسَبَنَّ بالیاء کی صورت میں مفعول اول محذوف ہوگا ای لایَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کفرُوْا اَنْفُسَهُمْ اور معجزین مفعول ثانی ہوگا، اور اَلَّذِیْنَ کفرُوْا لایَحْسَبَنَّ کا فاعل ہوگا۔

قولہ: معجزینَ ای فائتینَ یعنی بچ کر نکل جانا۔

تفسیر وتشریح

اِنَّمَا کانَ قولَ المؤمنینَ (الآیة) ماقبل کی آیت میں اہل کفر ونفاق کے کردار کا بیان تھا، یہاں سے اہل ایمان کے کردار وعمل کا بیان ہے، یعنی فلاح وکامرانی کے مستحق صرف وہ لوگ ہوں گے جو اپنے تمام معاملات میں اللہ اور رسول کے فیصلہ کو خوش دلی سے قبول کرتے ہیں اور انہی کی اطاعت کرتے ہیں اور خشیت الٰہی اور تقویٰ کی صفت سے متصف ہیں، نہ کہ دوسرے لوگ جو ان صفات سے محروم ہیں۔

علامہ بغوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا کہ منافقین کی یہ عادت تھی کہ بڑی زوردار قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ ہم ہر حال میں آپ کا ساتھ دیں گے اور ہر آڑے وقت میں کام آئیں گے اور آپ جہاں ہوں گے ہم بھی وہیں ہوں گے، اگر آپ نکلیں گے تو ہم بھی نکلیں گے اور آپ قیام کریں گے تو ہم بھی قیام کریں گے، اور اگر آپ ہم کو جہاد کا حکم فرمائیں گے تو ہم جہاد کریں گے، گویا کہ وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ جہاں آپ کا پسینہ گرے گا ہم وہاں اپنا خون بہائیں گے، اور یہ سب زبانی جمع خرچ تھا۔ (مظہری)

اس پر یہ آیت نازل ہوئی زیادہ قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ معروف طریقہ پر اطاعت بہتر ہے بغیر عملی اطاعت کے جھوٹی قسمیں کھانے سے، مطلب یہ ہے کہ تمہارا معاملہ طاعت معروفہ ہونا چاہئے، جس طرح مسلمان کرتے ہیں پس تم بھی ان کے مثل ہو جاؤ۔ (ابن کثیر)

اور بعض حضرات نے یہ مطلب بیان کیا ہے جس طرح تم جھوٹی قسمیں کھاتے ہو تمہاری اطاعت بھی نفاق پر مبنی ہے۔

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ پیغمبر خدا پر خدا کی طرف سے تبلیغ کی ذمہ داری رکھی گئی ہے تو اس نے اپنی ذمہ داری کو پوری طرح ادا کر دیا، اور تم پر جو بات لازم کی گئی ہے وہ تصدیق اور قبول حق کی ہے اور یہ کہ اس کے حکم کے مطابق چلو، اگر تم اپنی ذمہ داری محسوس کر کے اس کے احکام کی تعمیل کرو گے تو دارین کی کامرانی وکامیابی تمہارے قدم چومے گی، ورنہ پیغمبر کا کچھ نقصان نہیں، تمہاری شرارت اور سرکشی کا خمیازہ تم ہی کو بھگتنا پڑے گا، پیغمبر تو اپنا فرض ادا کر کے عند اللہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکے، آگے کی آیات میں رسول کی اطاعت کے بعض ثمرات کا بیان ہے، جن کا سلسلہ دنیا ہی میں شروع ہو جائے گا۔

(فوائد عثمانی)

وَعَدَ اللّٰهُ الذین آمنوا (الآیة) بعض حضرات نے اس وعدۂ الٰہی کو صحابۂ کرام یا خلفاء راشدین کے ساتھ خاص قرار دیا

ہے لیکن اس تخصیص کی کوئی دلیل نہیں ہے الفاظ قرآنی عام ہیں اور ایمان وعمل صالح کے ساتھ مشروط ہیں البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ عہد خلافت راشدہ اور خیر القرون میں اس وعدۂ الٰہی کا ظہور ہوا، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو زمین میں غلبہ عطا فرمایا، اپنے پسندیدہ دین کو عروج دیا، اور مسلمانوں کے خوف کو امن سے بدل دیا۔

وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ یہاں کفر سے ناشکری مراد ہے نہ کہ ایمان کی ضد کفر، اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے کیا ہوا وعدہ پورا کردے، مسلمانوں کو حکومت قوت اور امن واطمینان اور دین کو استحکام حاصل ہو جائے، اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص خدا کے انعامات کی ناشکری کرے کہ اسلامی حکومت کی اطاعت سے گریز کرے تو ایسے لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

علامہ بغوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے فرمایا کہ علماء تفسیر نے فرمایا ہے کہ قرآن کے اس جملہ کے سب سے پہلے مصداق وہ لوگ ہوئے جنہوں نے خلیفۂ وقت حضرت عثمان غنی کو قتل کیا اور جب وہ اس جرم عظیم کے مرتکب ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے مذکورہ انعامات میں کمی آگئی، آپس کے قتل وقتال سے خوف وہراس میں مبتلا ہو گئے، بغوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن سلام کا یہ خطبہ نقل کیا ہے جو انہوں نے حضرت عثمان غنی رَضِيَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے خلاف شورش کے وقت دیا تھا، خطبہ کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے:

''اللہ کے فرشتے تمہارے شہر کے گرد احاطہ کئے ہوئے حفاظت میں اس وقت سے مشغول ہیں جب سے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ میں تشریف فرما ہوئے اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے خدا کی قسم اگر تم نے عثمان کو قتل کر دیا تو یہ فرشتے واپس چلے جائیں گے اور پھر کبھی نہ لوٹیں گے، خدا کی قسم تم میں سے جو شخص ان کو قتل کرے گا وہ اللہ کے سامنے دست بریدہ حاضر ہوگا اس کے ہاتھ نہ ہوں گے اور سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کی تلوار اب تک میان میں تھی، خدا کی قسم اگر وہ تلوار میان سے نکل آئی تو پھر کبھی میان میں داخل نہ ہوگی کیونکہ جب کوئی نبی قتل کیا جاتا ہے تو اس کے بدلے ستر ہزار آدمی قتل کئے جاتے ہیں اور جب کسی خلیفہ کو قتل کیا جاتا ہے تو پینتیس ہزار آدمی مارے جاتے ہیں'' (مظہری) چنانچہ قتل عثمان سے جو باہمی خونریزی کا سلسلہ شروع ہوا تھا امت میں چلتا ہی رہا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ من العَبِيدِ والاِمَاءِ **وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ** من الاَحْرَارِ وَعَرَفُوا اَمرَ النِّسَاءِ **ثَلٰثَ مَرّٰتٍ** في ثَلٰثةِ اَوْقَاتٍ **مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ** اي وَقْتَ الظُّهرِ **وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ** بالرَّفعِ خبرُ مُبتدأٍ مُقدَّرٍ بَعْدَهُ مُضافٌ وَقامَ المضافُ اِلَيهِ مَقامَهُ اي هِيَ اَوْقاتٌ وبالنَّصبِ بتَقدِيرِ اَوْقاتٍ مَنصُوبًا بَدَلاً مِن مَحَلِّ ما قَبلَهُ قامَ المُضافُ اِلَيهِ مقامَهُ وهِيَ لِاِلْقاءِ الثِّيابِ فِيهَا تَبدُوا فِيهَا العَوْرَاتُ **لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ** اي المَمالِيكِ والصِّبيانِ **جُنَاحٌ** في الدُّخُولِ عَلَيكُم بغَيرِ اسْتِئذانٍ **بَعْدَهُنَّ** اي بَعْدَ الاَوْقاتِ الثَّلٰثةِ هُم **طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ** لِلخِدمةِ **بَعْضُكُمْ** طائفٌ **عَلٰى بَعْضٍ** والجُملَةُ مُؤكِّدَةٌ لِما قَبلَها **كَذٰلِكَ** كما بَيَّنَ ما ذُكِرَ **يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ** اي الاَحكامَ **وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ**

بأمُور خلقِهِ حَكِيْمٌ بما دَبَّرَهُ لَهُم وآيةُ الإستِئذَان قِيلَ مَنْسُوخَةٌ وقِيلَ لَاوَلكِنْ تَهاوَنَ النّاسُ في تركِ الإسْتِئذَان وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمُ أيُّها الاحرارُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوْا في جميع الاوْقاتِ كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اى الاحْرارُ الكِبارُ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ قَعَدْنَ عَنِ الحَيْضِ وَالوَلدِ لِكِبَرِهِنَّ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا لِذٰلِكَ فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ مِنَ الجِلْبَابِ وَالرِّدَاءِ والقِنَاعِ فَوقَ الخِمَارِ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ مُظْهِرَاتٍ بِزِيْنَةٍ خفِيّةٍ كقِلادَةٍ وسِوَارٍ وخَلْخَالٍ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ بِأنْ لا يَضَعْنَها خَيْرٌ لَّهُنَّ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ لِقَولِكُم عَلِيْمٌ بما في قُلُوبِكُم لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلا عَلَى المَرِيضِ حَرَجٌ فِي مُؤاكَلَةِ مُقَابِلِيهِم وَّلَا حرجَ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْ بُيُوْتِكُمْ اى بُيُوتِ أولادِكُم اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اى خَزَنْتُمُوهُ لِغَيْرِكُم اَوْ صَدِيْقِكُمْ وهُوَ مَنْ صَدَقَكُم فِي مَوَدَّتِهِ المَعْنَى يَجُوزُ الأكْلُ مِن بُيُوتِ مَنْ ذُكِرَ وإنْ لَم يَحْضُرُوا اى إذَا عُلِمَ رِضَاءُهُم بِهٖ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا مُجتَمِعِينَ اَوْ اَشْتَاتًا مُتَفَرِّقِينَ جَمْعُ شَتٍّ نَزَلَ فِيمَنْ تَحَرَّجَ أنْ يَأكُلَ وَحْدَهٗ وَإذَا لَمْ يَجِدْ مَنْ يُّؤاكِلُهٗ يَتْرُكُ الأكْلَ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا لَكُم لَا اَهْلَ فِيهَا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ قُولُوا السَّلامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِينَ فَإنَّ المَلائِكَةَ تَرُدُّ عَلَيْكُم وإنْ كَانَ بِهَا أهْلٌ فَسَلِّمُوا عَلَيهِم تَحِيَّةً مَصْدَرُ حَيِّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً مُثَابٌ عَلَيْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ اى يُفَصِّلُ لَكُم مَعَالِمَ دِيْنِكُم لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ لِكَي تَفْهَمُوا ذٰلِكَ .

ع ۸ ۱۴

ترجمہ: اے ایمان والو تمہارے مملوکوں کو یعنی غلام اور باندیوں کو اور ان کو جو تم میں سے حد بلوغ کو نہیں پہنچے آزادوں میں سے، مگر عورتوں کے معاملہ سے واقف ہو گئے ہیں تین مرتبہ یعنی تین اوقات میں اجازت لینی چاہئے، صبح کی نماز سے پہلے اور دوپہر میں یعنی دوپہر کے وقت جب تم اپنے کپڑے اتار دیتے ہو اور نماز عشاء کے بعد یہ تین اوقات تمہارے پردے کے ہیں (ثلٰثُ) کے رفع کے ساتھ اس وجہ سے کہ مبتداء محذوف کی خبر ہے اور مبتداء کے بعد مضاف محذوف ہے، اور مضاف الیہ مضاف کے قائم مقام ہو گیا ہے، ای ھی اوقات ثلٰثِ عوراتٍ لکم اور (ثلٰثَ) نصب کے ساتھ، اس کے قبل اوقات کو مقدر مان کر، حال یہ ہے کہ اپنے ماقبل (یعنی من قبل صلٰوۃ الفجر) کے محل سے بدل ہونے کی وجہ سے منصوب ہو اور (اوقات) مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ (یعنی عورات) کو مضاف کے قائم مقام کر دیا، اور یہ تینوں اوقات (ایسے ہیں کہ) ان میں کپڑے اتار دینے کی وجہ سے ستر کھل جاتا ہے، ان تینوں اوقات کے علاوہ میں نہ تم پر کوئی الزام ہے اور

نہ ان پر یعنی مملوکوں اور بچوں پر، بغیر اجازت تمہارے پاس چلے آتے ہیں، وہ بکثرت تمہارے پاس خدمت کے لئے چکر لگاتے رہتے ہیں بعض بعض کے پاس آتے رہتے ہیں اور (یہ) جملہ اپنے ماقبل جملہ کی تاکید ہے، اسی طرح جیسا کہ مذکورہ احکام بیان کئے، اللہ تعالیٰ تمہارے لئے احکام کھول کھول کر بیان کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے حالات سے واقف ہے اور جو اس کے لئے تدبیر کرتا ہے اس میں حکمت والا ہے، آیت استیذان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ منسوخ ہے اور کہا گیا ہے کہ منسوخ نہیں ہے لیکن لوگ استیذان میں سستی کرنے لگے ہیں (ترک کا لفظ غالباً سہو ہے) ورنہ تو مطلب یہ ہوگا کہ استیذان میں سستی ترک کرنے لگے ہیں۔

تنبیہ: حالانکہ یہ خلاف مقصود ہے اور جب تمہارے لڑکے اے آزادلوگو! حد بلوغ کو پہنچ جائیں تو تمام اوقات میں ان کو بھی اسی طرح اجازت لینی چاہئے جیسا کہ ان کے ماقبل مذکور لوگ اجازت لیتے ہیں یعنی بالغ آزاد، اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اسی طرح احکام بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے، اور بڑی بوڑھی عورتیں جو اولاد اور حیض سے اپنے بڑھاپے کی وجہ سے مایوس ہوگئی ہوں اور اسی (بڑھاپے کی وجہ سے) نکاح کی امید (خواہش) نہ رکھتی ہوں تو ان پر اپنے (زائد) کپڑے اتار دینے میں کوئی گناہ نہیں مثلاً برقع، چادر، دوپٹہ جو سر بند کے اوپر ہوتا ہے بشرطیکہ مخفی زینت کا مظاہرہ نہ کریں جیسا کہ گلوبند، کنگن، پازیب، اور (اگر) اس سے بھی احتیاط رکھیں تو ان کے لئے اور زیادہ بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی باتوں کو سننے والے ہیں اور قلوب کے خطرات کو جاننے والے ہیں نہ تو نابینا شخص کے لئے کچھ مضائقہ ہے اور نہ لنگڑے کے لئے کچھ حرج ہے اور نہ مریض پر کوئی گناہ ہے، اپنے مقابلوں (غیر معذوروں) کے ساتھ کھانے میں اور نہ خود تمہارے لئے کچھ حرج ہے اس بات میں کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنی اولاد کے گھروں سے یا اپنے باپوں کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان کے گھروں سے جن کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہیں یعنی اس میں سے جس کی تم غیر کے لئے حفاظت کرتے ہو، یا اپنے دوستوں کے گھروں سے اور دوست وہ ہے جو تمہارے ساتھ دوستی میں مخلص ہو، آیت کے معنی یہ ہیں کہ مذکورین کے گھروں (اموال) سے ان کی غیر موجودگی میں کھانا جائز ہے، یعنی جبکہ کھانے کے لئے ان کی رضامندی کا علم ہو جائے اور تمہارے لئے (اس بات) میں کوئی حرج نہیں کہ سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ یعنی متفرق طریقہ پر اَشْتَاتًا شتٌّ کی جمع ہے یہ آیت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو تنہا کھانے میں حرج محسوس کرتا تھا، اور اگر ساتھ کھانے والا کسی کو نہ پاتا تو کھانا ہی نہ کھاتا اور جب تم اپنے ایسے گھروں میں داخل ہوا کرو کہ جن میں کوئی نہیں ہے تو خود کو سلام کرلیا کرو یعنی کہا کرو السلام علینا وعلیٰ عباد اللّٰہِ الصَّالِحِینَ اس لئے کہ فرشتے تم کو اس کا جواب دیں گے اور اگر ان میں اہل خانہ ہوں تو ان کو دعاء کے طور پر سلام کرلیا کرو، تحیۃً حَیّٰی کا مصدر ہے جو خدا کی طرف سے مقرر ہے برکت والی عمدہ چیز ہے اس پر اجر دیا

جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے احکام بیان فرماتا ہے یعنی تمہارے دین کے احکام کو واضح طریقہ پر بیان فرماتا ہے تاکہ تم ان احکام کو سمجھو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: ثَلٰثَ مرّاتٍ، ثلٰث کے منصوب ہونے کی دو وجہ ہیں اول یہ کہ لِیَسْتَاذِنْکُمْ کا مفعول فیہ ہے ای لیستاذنوا فی ثلٰثة اوقات فی الیوم واللیلة مفسر علام نے فی ثلٰث اوقاتٍ کا اضافہ کرکے اشارہ کردیا کہ ثلٰث مرّاتٍ ظرف ہے اور مرّات بمعنی اوقاتٍ ہے، ای لِیَسْتَاذنکُمْ ثلٰثة اوقاتٍ اس کے بعد من قبل صلٰوة الفجر سے من بعد صلٰوةِ العشاءِ تک ثلٰث اوقات کی تفسیر ہے۔

ثلٰثَ مراتٍ کے منصوب ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ لِیَستاذنکم کا مفعول مطلق ہے ای استاذنوا ثلٰثَ استیذاناتٍ.

قِوْلُہٗ: ثلٰثُ عوراتٍ لکم ثلٰثُ مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے مبتداء محذوف کے بعد اوقات مضاف محذوف ہے مضاف کو حذف کرکے مضاف الیہ یعنی عوراتٌ کو اس کے قائم مقام کردیا ہے، اس صورت میں وقف العشاء پر ہوگا، ای ھِیَ ثلاثةُ اوقاتٍ کائنةٍ لکم اوقات مذکورہ کو عوراتٌ کہا گیا ہے حالانکہ اوقات ثلٰثہ عوراتٍ نہیں ہیں لیکن چونکہ مذکورہ تینوں اوقات عدم تستر (خلل) عورات کے ہیں، مظروف بول کر ظرف مراد لیا گیا ہے (تسمیة الشیئ باسم مایقعُ فیه) اور ثلٰث عوراتٍ کے منصوب ہونے کی صورت میں ثلٰث عوراتٍ اپنے ماقبل یعنی من قبل صلٰوةِ الفجر کے محل سے بدل ہے اور مضاف الیہ مضاف کے قائم مقام ہے چونکہ مذکورہ تینوں اوقات میں (زائد) کپڑے اتار دینے کی وجہ سے پوشیدہ حصہ ظاہر ہوجاتا ہے، اسی وجہ سے ان اوقات کو عورات کہا گیا ہے۔

قِوْلُہٗ: ھِیَ مبتداء ہے تبدو فیھا العورات خبر ہے لالقاءِ الثیابِ الخ تبدو کی علت مقدمہ ہے اور اوقات کا عورات نام رکھنے کی علت کی طرف اشارہ بھی ہے۔

قِوْلُہٗ: بعضکم علٰی بعض یہ جملہ سابق جملہ طوافون علیکم کی تاکید ہے۔

قِوْلُہٗ: متبرّجٰتٍ کی تفسیر مظھراتٍ کرکے اشارہ کردیا کہ بزینةٍ میں با تعدیہ کے لئے ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ بزینةٍ میں با بمعنی لام ہے ای مظھرات لزینةٍ.

قِوْلُہٗ: جلباب بڑی چادر برقعہ وغیرہ جس میں پورا بدن چھپ جائے (جمع) جلابیب آتی ہے۔

قِوْلُہٗ: فوق الخمار کا تعلق قناعُ سے ہے دوپٹہ وغیرہ کو کہتے ہیں۔

قِوْلُہٗ: فی مُواکلة مقابلیھم مُواکلة مصدر ہے اپنے مفعول کی جانب مضاف ہے ای فی اکلِھِمْ مع مقابلیْھِمْ (ای السالمین من ھٰذہ النقائص الثلٰثة).

قولہ: وَلَا عَلٰی اَنفسِکُمْ یہ جملہ مستانفہ ہے۔

قولہ: صدیقکم صدیق کا اطلاق واحد اور جمع دونوں پر ہوتا ہے۔

قولہ: مِنْ بیوت مَن ذُکرَ ماقبل میں گیارہ بیوت کا ذکر کیا گیا ہے یہ تعداد عادت اور عرف کے اعتبار سے ہے۔

قولہ: ای اذا علم رضاءَ ھم بہٖ یہ رضامندی صراحۃً ہو یا کسی ایسے قرینہ کی وجہ سے ہو جو رضامندی پر دلالت کرتا ہو، اور مذکورہ اجازت عام کھانے پینے کی چیزوں میں ہے جیسے روٹی سالن وغیرہ یہ اجازت ایسی چیزوں میں نہیں ہے جو مخصوص طریقہ پر اہتمام کے ساتھ بنائی جاتی ہیں نیز اجازت کھانے کی حد تک ہے ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں ہے، اسی طرح غیر ماکول اشیاء میں بھی تصرف کی اجازت نہیں ہے جب تک کہ صریح اجازت نہ ہو۔

قولہ: تحیۃً یہ فعل مقدر کا مفعول مطلق ہے ای فَحَیُّوْا تحیۃً فسَلِّمُوْا کا معمول بھی ہوسکتا ہے اس لئے سلِّمُوْا اور تحیۃً کے معنی قریب قریب ہیں، اس صورت میں قعدتُ جلوسًا کے قبیل سے ہوگا۔

قولہ: من عند اللہِ اس کا تعلق تحیۃً کی صفت محذوف سے بھی ہوسکتا ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی، تحیۃً صادرۃً من عند اللہِ اور خود تحیۃ کے متعلق بھی ہوسکتا ہے۔

قولہ: یُثَابُ علیھا یہ مبارکۃ کی تفسیر ہے۔

تفسیر وتشریح

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لِیَسْتَاذِنْکُمُ الَّذِیْنَ مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ. (الآیۃ)

اقارب ومحارم کے لئے خاص اوقات میں استیذان کا حکم:

آداب معاشرت اور ملاقات کے آداب اسی سورت کی آیت ۲۷/ ۲۸/ ۲۹ میں بیان ہوئے ہیں کہ کسی کی ملاقات کے لئے جاؤ تو بغیر اجازت ان کے گھروں میں داخل نہ ہو، گھر زنانہ ہو یا مردانہ آنے والا مرد ہو یا عورت، سب کے لئے اجازت لینا ضروری قرار دیا گیا ہے، مگر یہ احکام استیذان اجانب کے لئے تھے جو باہر سے ملاقات کے لئے آئے ہوں۔

شان نزول:

مذکورہ آیت کے شان نزول میں متعدد واقعات ذکر کئے گئے ہیں:

❶ ابن عباس رَضِحَاللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک انصاری لڑکے کو جس کا نام مدلج بن عمر تھا دوپہر کے وقت عمر بن خطاب کے پاس بھیجا تا کہ عمر کو بلالائے، لڑکا گھر میں اچانک داخل ہو گیا اور حضرت عمر کو ایسی حالت میں دیکھ لیا جس کو دیکھنا عمر رَضِحَاللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ پسند نہیں کرتے تھے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

❷ کہا گیا ہے کہ اسماء بنت مرشد کے بارے میں نازل ہوئی اس کا ایک بالغ غلام تھا وہ ایک روز اسماء کے پاس اچانک چلا گیا جس کو اسماء نے ناپسند کیا اسماء نے اس واقعہ کا ذکر آپ ﷺ سے کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ان آیات میں ایک دوسرے استیذ ان کے احکام کا بیان ہے جن کا تعلق ان اقارب ومحارم سے ہے جو عموماً ایک گھر میں رہتے ہیں اور ہر وقت آتے جاتے رہتے ہیں، اور ان سے عورتوں کا پردہ بھی نہیں ہے ایسے لوگوں کے لئے بھی اگرچہ گھر میں داخل ہونے کے وقت اس کا حکم ہے کہ اطلاع کر کے یا کم از کم قدموں کی آہٹ کر کے یا کھانس کھنکار کر گھر میں داخل ہوں اور یہ استیذ ان مستحب ہے، یہ حکم تو گھر میں داخل ہونے سے پہلے کا تھا لیکن گھر میں داخل ہونے کے بعد ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں ان کے لئے تین خاص اوقات میں جو عام طور پر ہر شخص کے لئے خلوت اور آزادی کے اوقات ہیں ایک اور استیذ ان کا حکم ہے جو ان آیات میں دیا گیا ہے وہ تین اوقات صبح کی نماز سے پہلے دوپہر کو آرام کرنے کے وقت، اور عشاء کی نماز کے بعد کے اوقات ہیں، ان اوقات میں محارم واقارب کو حتی کہ سمجھدار نابالغ بچوں اور مملوکہ باندیوں کو بھی اس کا پابند بنایا گیا ہے کہ ان تین اوقات میں کسی کی خلوت گاہ میں اجازت کے بغیر نہ جائیں، ان احکام کے بعد فرمایا:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ یعنی ان اوقات کے علاوہ کوئی مضائقہ نہیں کہ ایک دوسرے کے پاس بلا اجازت چلے جایا کریں، یہ حکم بچوں کو نہیں بلکہ دراصل بڑوں کو ہے کہ بچوں کو تربیت کے طور پر سمجھا دیا کریں کہ ان تین اوقات میں کسی کی خلوت گاہ میں بغیر اجازت کے نہ جانا چاہئے۔

آیت میں الذین ملکت ایمانکم اگرچہ عام ہے جس کے معنی مملوک کے ہیں جس میں باندی اور غلام دونوں شامل ہیں ان میں مملوک غلام جو بالغ ہو وہ تو شرعاً اجنبی غیر محرم کے حکم میں ہے اس سے مالکن کو پردہ کرنا واجب ہے اس کا بیان پہلے گذر چکا ہے، اس لئے یہاں اس لفظ سے باندیاں مراد ہیں یا پھر وہ غلام جو ابھی بالغ نہ ہوئے ہوں، جو ہر وقت گھر میں آتے جاتے رہتے ہیں۔

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ خاص استیذ ان اقارب کے لئے واجب ہے یا مستحب اور اب یہ حکم باقی ہے یا منسوخ ہو گیا، جمہور فقہاء کے نزدیک یہ حکم غیر منسوخ ہے اور وجوب کے لئے ہے، اگر کسی طریقہ سے یہ معلوم ہو جائے کہ مذکورہ تین اوقات میں صاحب خانہ اپنی خلوت گاہ میں اپنے اعضاء مستورہ کو کھولے ہوئے نہیں ہے یا اپنی بیوی کے ساتھ خلوت میں نہیں ہے تو اس صورت میں استیذ ان واجب نہیں ہے، حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ استیذ ان کی آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ لوگ اس پر عمل کرنے میں سستی کرنے لگے ہیں۔

والقواعد من النساء یہ استثناء عورت کی شخصی حالت کے اعتبار سے ہے کہ جو عورت اتنی بوڑھی ہو جائے کہ اس کی طرف کسی کو رغبت نہ ہو تو اس کے لئے پردہ کے احکام میں سہولت دیدی گئی ہے کہ اجانب بھی اس کے حق میں مثل محارم کے ہو جاتے

ہیں جن اعضاء کا چھپانا محرموں سے ضروری نہیں ہے بوڑھی عورتوں کے لئے غیر مردوں سے بھی چھپانا ضروری نہیں ہے مگر ایسی بوڑھی عورتوں کے لئے بھی ایک قید تو یہ ہے کہ جو اعضاء محرم کے سامنے کھولے جائیں غیر محرم کے سامنے بھی کھول سکتی ہے بشرطیکہ بن سنور کر زینت اختیار نہ کرے۔

اور آخر میں دوسری بات یہ فرمائی وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّھُنَّ یعنی اگر بوڑھی عورتیں غیر محرموں کے سامنے آنے سے بالکل ہی بچیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہے۔

لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ مفسرین نے آیت مذکورہ کے شان نزول کے سلسلہ میں چند واقعات تحریر کئے ہیں کسی نے کسی واقعہ کو آیت کا شان نزول قرار دیا ہے اور کسی نے کسی کو، اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ یہ سب ہی واقعات نزول آیت کا سبب بنے ہوں۔

آیت کا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو کام تکلیف کے ہیں وہ ماقبل میں مذکور معذورین کے لئے معاف ہیں مثلاً جہاد، حج، جمعہ اور جماعت میں حاضری (کذا فی الموضح) یا یہ مطلب ہے کہ ان معذور محتاج لوگوں کو تندرستوں کے ساتھ کھانے میں کچھ حرج نہیں، جاہلیت میں اس قسم کے محتاج معذور آدمی مالداروں اور تندرستوں کے ساتھ کھانے سے جھجک محسوس کرتے تھے انہیں خیال گذرتا تھا کہ شاید لوگوں کو ہمارے ساتھ کھانے سے نفرت ہو اور ہماری بعض حرکات اور اوضاع سے ایذاء پہنچتی ہو اور واقعی بعض کو نفرت و وحشت ہوتی بھی تھی، نیز بعض مومنین کو غایت اتقاء کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہوا کہ ایسے معذوروں اور مریضوں کے ساتھ کھانے میں شاید اصول عدل و مساوات قائم نہ رہ سکے، اندھے کو سب کھانے نظر نہیں آتے، لنگڑا ممکن ہے دیر میں پہنچے اور مناسب نشست سے نہ بیٹھ سکے، مریض کا تو پوچھنا ہی کیا ہے، اس بناء پر ساتھ کھلانے میں احتیاط کرتے تھے تاکہ ان کی حق تلفی نہ ہو۔

کبھی یہ صورت حال بھی پیش آتی تھی کہ یہ معذورین اور محتاجین کسی کے پاس اپنی ضرورت لیکر جاتے وہ شخص استطاعت نہ رکھتا تھا از راہ بے تکلفی وہ اس معذور کو اپنے عزیز و اقارب کے گھر لیجاتے اس پر ان حاجت مندوں کو خیال ہوتا تھا کہ ہم تو آئے تھے اس کے پاس اور یہ دوسرے کے یہاں لے گیا کیا معلوم وہ ہمارے کھلانے سے ناخوش تو نہیں، ان تمام خیالات کی اصلاح کے لئے یہ آیت نازل ہوئی کہ خواہی نخواہی اس طرح کے اوہام میں مت پڑو اللہ نے ان سب معاملات میں وسعت رکھی ہے پھر تم خود اپنے اوپر تنگی کیوں کرتے ہو؟ (فوائد عثمانی)

اس زمانہ میں عرب میں چونکہ عرف و عادت تھی کہ آپس میں بلا تکلف اپنے عزیز و اقارب اور دوست و احباب کے گھر جا کر کھا پی لیتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی ساتھ لیجاتے تھے اس لئے کوئی ناخوشی یا ناگواری کا اظہار نہیں کرتا تھا چنانچہ آج بھی اگر کہیں اس قسم کا عرف و عادت ہو تو اجازت ہوگی اور اگر عرف و عادت نہ ہو تو صریح اجازت کی ضرورت ہوگی، جیسا کہ ہمارے یہاں اس قسم کا عرف نہیں ہے لہٰذا اجازت کی ضرورت ہوگی۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَإِذَا كَانُوْا مَعَهٗ اى الرَّسُوْلِ عَلٰٓى أَمْرٍ جَامِعٍ كَخُطْبَةِ الْجُمُعَةِ لَمْ يَذْهَبُوْا لِعُرُوْضِ عُذْرٍ لَّهُمْ حَتّٰى يَسْتَأْذِنُوْهُ إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَأْذِنُوْنَكَ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ أَمْرِهِمْ فَأْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ بِالْإِنْصِرَافِ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٢﴾ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا بِأَنْ تَقُوْلُوْا يَا مُحَمَّدُ بَلْ قُوْلُوْا يَا نَبِيَّ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فِي لِيْنٍ وَتَوَاضُعٍ وَخَفْضِ صَوْتٍ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا اى يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْمَسْجِدِ فِي الْخُطْبَةِ مِنْ غَيْرِ اسْتِيْذَانٍ خُفْيَةً مُسْتَتِرِيْنَ بِشَيْءٍ وقد لِلتَّحقيق فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ أَمْرِهٖٓ اى اللّٰهِ او رَسُوْلِهٖ أَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ بَلَاءٌ أَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴿٦٣﴾ فى الآخِرَةِ أَلَآ إِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ مِلْكًا وخَلْقًا وَعَبِيْدًا قَدْ يَعْلَمُ مَآ أَنْتُمْ أَيُّهَا الْمُكَلَّفُوْنَ عَلَيْهِ مِن الإِيْمَانِ وَالنِّفَاقِ وَ يعلم يَوْمَ يُرْجَعُوْنَ إِلَيْهِ فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْخِطَابِ اى مَتٰى يَكُوْنُ فَيُنَبِّئُهُمْ فيه بِمَا عَمِلُوْا مِنَ الْخَيْرِ وَالشَّرِّ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مِنْ أَعْمَالِهِمْ وَغَيْرِهَا عَلِيْمٌ ﴿٦٤﴾

ع ۹ ۱۵

ترجمہ: بس مومن تو وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں، اور جب وہ اس کے ساتھ یعنی رسول کے ساتھ کسی اہم معاملہ میں جمع ہوتے ہیں جیسا کہ جمعہ کا خطبہ تو عذر پیش آنے کی صورت میں بھی اس وقت تک نہیں جاتے جب تک کہ آپ سے اجازت نہ لے لیں، جو لوگ آپ سے اجازت لے لیتے ہیں بس وہ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں تو جب یہ لوگ اپنے کسی کام کے لئے آپ سے اجازت طلب کریں تو ان میں سے آپ جس کو چاہیں جانے کی اجازت دیدیں اور آپ ان کے لئے اللہ سے مغفرت کی دعاء کیجئے بلاشبہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے تم لوگ رسول کے بلانے کو ایسا مت سمجھو جیسا تم میں ایک دوسرے کو بلا لیتا ہے اس طریقہ سے کہ کہو اے محمد! بلکہ یا نبی اللہ، یا رسول اللہ نرمی اور تواضع اور پست آواز سے کہو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جانتا ہے جو تم میں سے آڑ میں ہو کر کھسک جاتے ہیں یعنی مسجد سے خطبہ کی حالت میں چپکے سے کسی چیز کی آڑ لے کر نکل جاتے ہیں، اور قد تحقیق کے لئے ہے سو جو لوگ اللہ کے اور اس کے رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو اس سے ڈرنا چاہئے کہ ان پر کوئی آفت آن پڑے یا ان پر آخرت میں کوئی دردناک عذاب نازل ہو جائے، یاد رکھو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ملکیت کے اعتبار سے تخلیق کے اعتبار سے مملوک ہونے کے اعتبار سے سب اللہ ہی کا ہے اللہ تعالیٰ اس حالت کو بھی جانتا ہے اے مکلفو (مخاطبو) جس حالت پر تم ہو یعنی ایمان و نفاق کی حالت اور اس دن کو بھی جانتا ہے جس میں سب اس کے پاس لائے جائیں گے اس میں خطاب سے غیبت کی طرف التفات ہے، یعنی جانتا ہے کہ رجوع کا دن کب ہوگا (ای

یعلم) متی یکونُ یوم الرجوعِ سو وہ ان کو اس دن سب جتلا دے گا جو کچھ انہوں نے خیر و شر کیا ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال وغیرہ سب سے واقف ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ مبتداء ہے اَلَّذِیْنَ اسم موصول آمَنُوْا الخ معطوف علیہ وَاِذَا کَانُوْا مَعَہٗ الخ معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر صلہ الذین کا الذین اسم موصول صلہ سے مل کر خبر مبتداء کی۔

قَوْلُہٗ: علٰی امرٍ جامعٍ میں اسناد مجازی ہے، اس لئے کہ امر سبب جمع ہے اور جمع مسبب ہے گویا سبب کی نسبت مسبب کی جانب ہے۔

قَوْلُہٗ: لَاتَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ ای لاتُنَادُوْہُ باسمہٖ فتقولوا یا محمد ﷺ ولا بکُنْیَتِہٖ فقولوا یا ابا القاسم، بل نادُوْہُ بالتعظیم بان تقولوا یا رسول اللہ یا نبی اللہ آنحضرت ﷺ کا نام مبارک جس طرح آپ کی حیات مبارکہ میں تعظیم سے لینا ضروری تھا بعد وفات بھی ضروری ہے آپ کی شان مبارک میں تخفیف کرنے والا کافر و ملعون ہے۔

قَوْلُہٗ: لِوَاذًا (مفاعلہ) کا مصدر ہے ایک دوسرے کی آڑ لینا، لِوَاذًا یا تو یَتَسَلَّلُوْنَ کے ہم معنی ہونے کی وجہ سے مصدر ہے ای یَتَسَلَّلُوْنَ لِوَاذًا یا فعل محذوف کا مصدر ہے ای یُلَاوِذُوْنَ لِوَاذًا نیز مصدر موضع حال میں واقع ہونے کی وجہ سے بھی منصوب ہو سکتا ہے ای یَتَسَلَّلُوْنَ مُتلاوِذِیْن.

قَوْلُہٗ: اَنْ تصِیْبَھُمْ فِتْنَۃٌ بتاویل مصدر ہو کر فَلْیَحْذرْ کا مفعول ہے، ای اِصَابَۃُ فِتْنَۃٍ.

قَوْلُہٗ: وَیَوْمَ یُرْجَعُوْنَ کا یَعْلَمُ کے معمول یعنی مَا اَنْتُمْ پر عطف ہے جیسا کہ مفسر علام نے یعلم مقدر مان کر اشارہ کر دیا ہے۔

تفسیر و تشریح

اوپر کی آیات میں آنے کے وقت اجازت طلب کرنے کا ذکر تھا، یہاں جانے کے وقت اجازت لینے کی ضرورت کا ذکر ہے، یعنی کامل الایمان وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے بلانے پر حاضر ہوتے ہیں اور جب کسی اجتماعی کام میں شریک ہوں مثلاً جمعہ و عیدین، جہاد، اور مجلس مشاورت وغیرہ میں تو بغیر اجازت کے اٹھ کر نہیں جاتے، یہی لوگ ہیں جو کامل الایمان اور صحیح معنی میں اللہ اور رسول کے ماننے والے ہیں۔

شان نزول:

یہ آیت غزوۂ احزاب کے موقع پر نازل ہوئی ہے جب کہ مشرکین عرب اور دوسری جماعتوں کے متحدہ محاذ نے یکبارگی مدینہ پر حملہ کیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے بمشورۂ صحابہ دشمنوں کے حملہ سے بچاؤ کے لئے خندق کھودی تھی اس لئے اس غزوہ کو غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں یہ غزوہ شوال ۵ھ میں ہوا تھا۔ (قرطبی)

بیہقی اور ابن اسحق کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ بذات خود اور تمام صحابہ خندق کھودنے میں مصروف تھے مگر منافقین اول تو آنے میں سستی کرتے اور آکر بھی دکھانے کے لئے تھوڑا بہت کام کر لیتے اور موقع پا کر چپکے سے کھسک جاتے تھے، صحابہ کرام کی یہ عادت تھی کہ اگر کسی کو آپ کی مجلس سے کسی ضرورت کی وجہ سے کبھی جانے کی ضرورت پیش آتی تو اجازت لیکر جاتا اور طریقہ اجازت کا یہ ہوتا کہ آپ کے سامنے اس طرح کھڑا ہوتا کہ آپ کی نظر اس پر پڑ جائے اور انگشت شہادت سے اشارہ کر کے اجازت طلب کرتا آپ اگر چاہتے تو اجازت دیدیتے، منافقین موقع سے فائدہ اٹھاتے اور اس مومن کی آڑ لیکر چپکے سے کھسک جاتے، اس قصہ کو ابوداؤد نے مراسیل میں مقاتل سے نقل کیا ہے۔ (حاشیہ جلالین)

اس کے برخلاف مومنین سب کے سب محنت کے ساتھ لگے رہتے اور اگر کوئی مجبوری یا ضرورت پیش آجاتی تو آنحضرت سے اجازت لے کر جاتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بغیر اجازت چلے جانے کی حرمت عام مجلس کا حکم نہیں ہے، بلکہ اس مجلس کا حکم ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کسی اہم ضرورت کے پیش نظر لوگوں کو جمع کیا ہو جیسا کہ واقعۂ خندق میں ہوا تھا، امرٍ جامع سے اسی کی طرف اشارہ ہے، امر جامع کے سلسلہ میں اقوال مختلف ہیں مگر واضح اور صاف بات یہ ہے کہ امر جامع سے مراد ہر وہ کام ہے جس کے لئے آپ ﷺ لوگوں کو جمع کرنا ضروری خیال فرمائیں اور کسی اہم اور ضروری کام کے لئے جمع فرمائیں، جیسے غزوۂ احزاب میں خندق کھودنے کا کام تھا۔ (مظہری)

اس آیت میں دوسرا حکم آیت کے آخری حصہ میں یہ دیا گیا ہے لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ اس کی ایک تفسیر تو وہ ہے جو ترجمہ کے ضمن میں کی گئی ہے کہ دعاء رسول سے مراد رسول اللہ ﷺ کا لوگوں کو بلانا ہے، جو نحوی قاعدہ سے اضافت الی الفاعل ہے، اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ لوگوں کو جب بلائیں تو اس کو عام لوگوں کے بلانے کی طرح نہ سمجھیں کہ اس میں آنے نہ آنے کا اختیار رہتا ہے، بلکہ اس وقت آنا فرض ہو جاتا ہے اور بغیر اجازت جانا حرام ہو جاتا ہے، آیت کے سیاق وسباق سے یہ تفسیر زیادہ مناسبت رکھتی ہے، اسی لئے مظہری اور بیان القرآن نے اس کو اختیار

کیا ہے، اس کی ایک دوسری تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رَضَوَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے ابن کثیر اور قرطبی وغیرہ نے یہ نقل کی ہے کہ دُعَاءَ الرَّسُولِ سے مرادلوگوں کا رسول اللہ ﷺ کو کسی ضرورت کے لئے پکارنا اور بلانا ہے۔ (نحوی ترکیب کے اعتبار سے یہ اضافت الی المفعول ہوگی)۔

اس تفسیر کی بناء پر آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ جب تم رسول اللہ ﷺ کو کسی ضرورت سے بلاؤ تو عام لوگوں کی طرح آپ کا نام لیکر ''یا محمد'' نہ کہو یہ بے ادبی ہے بلکہ تعظیمی القاب کے ساتھ یا رسول اللہ یا نبی اللہ وغیرہ کہا کرو، اس کا حاصل رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و توقیر کا مسلمانوں پر واجب ہونا اور ہر ایسی چیز سے بچنا ہے جو ادب کے خلاف ہو، یہ حکم ایسا ہی ہے جیسا کہ سورۂ حجرات میں اسی طرح کے کئی حکم دیئے گئے ہیں مثلاً **و لاتجهروا له بالقول كجهر بعضكم لبعض** یعنی جب آنحضرت ﷺ سے بات کرو تو ادب کی رعایت رکھو ضرورت سے زیادہ اونچی آواز سے باتیں نہ کرو جیسے لوگ آپس میں کیا کرتے ہیں اور مثلاً یہ کہ جب آپ گھر میں تشریف فرما ہوں تو باہر سے آواز دے کر نہ بلاؤ بلکہ آپ کے باہر تشریف لانے کا انتظار کرو **اِنَّ الذين ينادونك من وراء الحجرات** میں اسی کا بیان ہے۔

سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سَبْعٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مكِّيَّةٌ اِلَّا وَالَّذِيْنَ لا يدعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ الٰهًا آخر الٰى رحيمًا فمَدَنِيٌّ وهى سبع وسبعُوْنَ آيةً.

سورۂ فرقان مکی ہے سوائے الذین لایدعونَ مع اللّٰہِ الٰھًا آخرتا رحیمًا مدنی ہے کل ستتر آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ تَبٰرَكَ تعالٰى الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ القُراٰنَ لِاَنَّهٗ فَرَّقَ بَيْنَ الحَقِّ وَالبَاطِلِ عَلٰى عَبْدِهٖ مُحَمَّدٍ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ اى الاِنْسِ وَالجِنِّ دُوْنَ المَلٰئِكَةِ نَذِيْرًا ۙ﴿١﴾ مُخَوِّفًا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ اِلَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَىْءٍ مِنْ شَانِهٖ اَنْ يُّخْلَقَ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ﴿٢﴾ سَوَّاه تَسْوِيَةً وَاتَّخَذُوْا اى الكُفَّارُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اى اللّٰهِ اى غَيْرِهٖ اٰلِهَةً هِىَ الاَصْنَامُ لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا اى دَفْعَهٗ وَّلَا نَفْعًا اى جَرَّهٗ وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً اى اِمَاتَةً لِاَحَدٍ واِحْيَاءً لِاَحَدٍ وَّلَا نُشُوْرًا ﴿٣﴾ اى بَعْثًا لِلاَمْوَاتِ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اى مَا القُرْاٰنُ اِلَّآ اِفْكُ كِذْبٌ اِفْتَرٰىهُ مُحَمَّدٌ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ وهم مِنْ اَهْلِ الكِتَابِ قال تعالٰى فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۚ﴿٤﴾ كُفرا و كذبًا اى بِهِما وَقَالُوْٓا ايضًا هو اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اَكَاذِيْبُهُمْ جَمْعُ اُسْطُوْرَةٍ بالضَّمِّ اكْتَتَبَهَا اِنْتَسَخَهَا مِنْ ذٰلِكَ القَوم بغيره فَهِىَ تُمْلٰى تُقْرَأُ عَلَيْهِ لِيَحْفَظَهَا بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿٥﴾ غُدْوَةً وعَشِيًّا قال تعالٰى ردًّا عَلَيهم قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِىْ يَعْلَمُ السِّرَّ الغَيْبَ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا لِلْمُؤْمِنِيْنَ رَّحِيْمًا ﴿٦﴾ بِهِم وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِىْ فِى الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ هَلَّا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۙ﴿٧﴾ يُصَدِّقُه اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ مِنَ السَّمَاءِ يُنْفِقُهٗ ولَايَحْتَاجُ اِلَى المَشْيِ فى الاَسْوَاقِ لِطَلَبِ المَعَاشِ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ بُسْتَانٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ اى مِن ثِمَارِهَا فَيَكْتَفِى بِها وفِى قِراءَةٍ نَاكل بالنُّونِ اى نَحْنُ فَيَكُوْنُ له مَزِيَّةٌ علينا بِها

معانقۃ اعناد المتاخرین

وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ ای الکافِرُوْنَ للمُؤمِنِیْنَ اِنْ ما تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا مَسْحُوْرًا مخدوعًا مغلوبًا علی عَقلِهٖ قال تعالیٰ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ بالمَسْحُوْرِ والمُحتَاجِ الی مَایُنفِقُه والی مَلَك یَقُوْمُ معه بالاَمرِ فَضَلُّوْا بذٰلِكَ عن الهُدیٰ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا طَرِیْقًا اِلیه.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان اور نہایت رحم والا ہے، برکت والی برتر ہے وہ ذات جس نے فرقان یعنی قرآن اپنے بندے محمد ﷺ پر نازل کیا قرآن کو فرقان اس لئے کہا گیا ہے کہ اس نے حق و باطل کے درمیان فرق کر دیا، تاکہ عالم والوں یعنی انسانوں اور جنوں کے لئے نہ کہ فرشتوں کے لئے ڈرانے والا ہو یعنی اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا ہو ایسی ذات کہ اس کے لئے آسمانوں اور زمین کی حکومت حاصل ہے اور اس نے کسی کو اولاد قرار نہیں دیا اور نہ ملک میں اس کا کوئی شریک ہے اور اس نے ہر اس شئی کو پیدا کیا جس کی شان مخلوق ہونا ہے پھر اس کو اچھی طرح درست کیا اور کفار نے اللہ کو چھوڑ کر اس کے غیر کو معبود بنا لیا وہ بت ہیں وہ کسی چیز کے خالق نہیں بلکہ وہ خود مخلوق ہیں اور وہ خود اپنے لئے نہ کسی نقصان یعنی اس کو دفع کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی نفع کا یعنی اس کو حاصل کرنے کا اور نہ کسی کے مرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ جینے کا یعنی نہ کسی کو مارنے کا اور نہ کسی کو زندہ کرنے کا اور دوبارہ زندہ کرنے کا یعنی نہ مردوں کو زندہ کرنے کا اور کافر لوگ قرآن کے بارے میں یوں کہتے ہیں یہ قرآن کچھ بھی نہیں نرا جھوٹ ہے جس کو اس شخص محمد ﷺ نے گھڑ لیا ہے اور دوسرے لوگوں نے اس گھڑنے میں اس کی مدد کی ہے اور وہ اہل کتاب میں سے بعض لوگ ہیں سو یہ لوگ بڑے ظلم اور جھوٹ کے مرتکب ہوئے کفر اور کذب کے، یعنی دونوں کا ارتکاب کیا اور یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن پہلے لوگوں کے خرافاتی قصے ہیں یعنی جھوٹ کا پلندہ ہے (اَسَاطِیر) اُسْطُوْرَةٌ بالضم کی جمع ہے ان خرافاتی قصوں کو اس قوم (یہود) سے کسی دوسرے کے ذریعہ نقل کرا لیتے ہیں پھر وہی خرافاتی قصے اس کو صبح و شام پڑھ کر سنائے جاتے ہیں تاکہ ان کو محفوظ کر لے، ان پر رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کہہ دیجئے اس (قرآن) کو تو اس ذات پاک نے نازل کیا ہے جس کو آسمانوں اور زمین کی مغیبات کا علم ہے واقعی اللہ تعالیٰ مومنین کے لئے غفور ان کے لئے رحیم ہے اور یہ کافر لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہوا کہ وہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا؟ وہ اس کے ساتھ رہ کر (لوگوں) کو ڈراتا اس کی نبوت کی تصدیق کرتا یا آسمان سے اس کے پاس کوئی خزانہ آپڑتا جس سے اس کو فائدہ ہوتا اور طلب معاش کے لئے بازاروں میں (مارا مارا) نہ پھرتا یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا کہ اس سے یعنی اس کے پھلوں کو کھاتا اور اس پر اکتفا کرتا، اور ایک قراءت میں (یَاْکُلُ) کے بجائے نَاْکُلُ نون کے ساتھ ہے یعنی ہم کھاتے، جس کی وجہ سے ہم پر اس کو ایک قسم کی فوقیت حاصل ہوتی اور یہ ظالم کافر مومنین سے یوں کہتے ہیں کہ تم لوگ ایک سحر زدہ فریب خوردہ مغلوب العقل شخص کے پیچھے چل رہے ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا دیکھو تو سہی یہ لوگ آپ کے لئے کیسی عجیب عجیب باتیں کرتے ہیں سحر زدہ ہونے کی، خرچہ کا محتاج ہونے کی اور فرشتہ کا محتاج ہونے کی تاکہ اس

کے ساتھ ذمہ داری میں شریک ہو، اسی (ضرب الامثال کی وجہ سے) راہ ہدایت سے گمراہ ہو گئے کسی طرح راہ حق پر نہیں آ سکتے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

سورۂ فرقان مکی ہے مگر تین آیتیں (یہ سورۃ) ہجرت سے پہلے نازل ہوئی تھی تمام سورتوں کے نام اور ان کی ترتیب اور آیات کی ترتیب توقیفی ہے البتہ آیات کی تعداد توقیفی نہیں ہے، یہ سورۃ توحید اور احوال معاد کے مضامین پر مشتمل ہے۔ (جمل)

قَوْلُہٗ: الی رحیمًا یہ کل تین آیتیں ہیں۔

قَوْلُہٗ: تعالیٰ یہ تَبَارَكَ کی تفسیر ہے یعنی اللہ اپنی ذات وصفات اور افعال میں اپنے ماسوا سے برتر ہے تَبَارَكَ (تفاعل) کی ماضی ہے اس کا مضارع اسم فاعل اور مصدر مستعمل نہیں ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کے لئے مستعمل ہے، برکت کے معنی نمو اور زیادتی کے ہیں خواہ حسًا ہو یا معنًی۔ (جمل)

قَوْلُہٗ: لِاَنَّہٗ فَرَّقَ بین الحق و الباطل یہ قرآن کو ''فرقان'' کہنے کی علت ہے قرآن نے چونکہ حق و باطل کے درمیان فرق کر دیا ہے اس لئے اس کا نام فرقان رکھا گیا ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ فرقان اس لئے کہا جاتا ہے کہ قرآن متفرق طور پر تیئیس سال کی مدت میں نازل ہوا ہے اسی وجہ سے قرآن کے بارے میں نَزَّلَ کہا گیا ہے جو کہ تکثیر تفریق پر دلالت کرتا ہے۔ (جمل)

قَوْلُہٗ: لِیَکُوْنَ یہ نزول کی علت ہے اس کے اندر جو ضمیر ہے وہ عبدٌ کی طرف راجع ہے اس لئے کہ وہ قریب ہے، فرقان کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے اور منزِل یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے۔

قَوْلُہٗ: للعلمین، نَذِیرًا کے متعلق ہے فواصل کی رعایت کی وجہ سے مقدم کر دیا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: مِن شانہٖ اَنْ یُّخلَقَ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ذات باری تعالیٰ کو مخلوق ہونے سے خارج کرنا ہے اس لئے کہ ذات باری تعالیٰ شی ہے اس لئے کہ اگر شی نہ مانا جائے تو لاشی ماننا ہوگا ورنہ تو ارتفاع نقیضین لازم آئے گا لہٰذا شی ماننا ضروری ہے جب ذات باری تعالیٰ کا شی ہونا ثابت ہو گیا تو خَلَقَ کل شیءٍ میں داخل ہو گیا اور جب خَلَقَ کل شیءٍ میں داخل ہو گیا تو ذات باری کا مخلوق ہونا ثابت ہو گیا اور یہ محال ہے، اسی اعتراض کو دفع کرنے کے لئے مفسر علام نے مِن شانہٖ اَنْ یُخلَقَ کا اضافہ فرمایا ہے۔

جَوَابٌ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ تخلیق کہتے ہیں عدم سے وجود میں لانے کو اور عدم سے وجود میں وہ شیٔ آ سکتی ہے جو معدوم ہو اور اللہ تعالیٰ کی شان معدوم ہونا نہیں ہے، اس لئے کہ ذات باری پر کبھی بھی عدم طاری نہیں ہوا، لہٰذا ذات باری مخلوق ہونے سے خارج ہو گئی۔

قَوْلُہٗ: سَوَّاہ تَسْوِیَۃً اس عبارت کے اضافہ کا مقصد بھی ایک اعتراض کا دفعیہ ہے، اعتراض یہ ہے کہ وخَلَقَ کُلَّ شیءٍ

فَقَدَّرَهٗ تقدیرًا میں قلب ہے اس لئے کہ اصل میں وَقَدَّرَهٗ تقدیرًا فَخَلَقَ کُلَّ شئٍ ہونا چاہئے، اس لئے کہ تقدیر ازلی ہے اور تخلیق حادث ہے، اس لئے کہ تقدیر کے معنی مقدر کرنا اندازہ کرنا، پلاننگ کرنا اور خلق کے معنی بنانا، ظاہر ہے کہ تقدیر اور پلاننگ پہلے ہوتی ہے اور اس کے مطابق بعد میں تخلیق ہوتی ہے جیسے کہ مکان کا نقشہ پہلے بنتا ہے مکان بعد میں بنتا ہے، نہ یہ کہ مکان پہلے بنتا ہے اور نقشہ بعد میں، تو معلوم ہوا آیت میں رعایت فواصل کے لئے قلب ہوا ہے۔

جَوَابٌ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ آیت میں قلب نہیں ہے بلکہ قَدَّرَهٗ تقدیرًا سَوَّاهُ تَسْوِیَةً کے معنی میں ہے اور تَسْوِیَه کہتے ہیں کسی شئ کے بنانے کے بعد درست کرنا کمی اور کجی کو دور کرنا، مضبوط کرنا، یعنی نوک پلک درست کرنا، اور یہ تخلیق کے بعد ہوتا ہے، لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قَوْلُهٗ: بِهِمَا اس سے اشارہ ہے کہ ظلمًا وزورًا بنزع الخافض منصوب ہے، تقدیر عبارت اس طرح تھی جاءو بظلمٍ وزُوْرٍ حرف جار کو حذف کر دیا جس کی وجہ سے منصوب ہو گیا، شارح رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور بعض حضرات کے نزدیک جاءَ واَتیٰ متعدی بنفسہ بھی ہیں، اس صورت میں ظلماً وزورًا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوں گے۔

قَوْلُهٗ: هُوَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اساطیر الاولین، هو مبتداء محذوف کی خبر ہے جیسا کہ شارح نے اختیار کیا ہے اور اِکْتَتَبَهَا محل میں حال کے ہے، اور یہ بھی صحیح ہے کہ اَسَاطِیْرُ الاَوّلین مبتداء ہو اور اِکْتَتَبَهَا اس کی خبر۔

قَوْلُهٗ: مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ، لِهٰذَا کے لام کو الگ لکھا گیا ہے جو کہ عام عربی رسم الخط کے خلاف ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کا رسم الخط مصحف عثمانی کے مطابق ہے لہٰذا اس میں تغیر نہیں کیا جا سکتا۔

قَوْلُهٗ: فَیَکُوْنَ یہ چونکہ لولا بمعنی هلاّ (جس کا حکم استفہام کا ہے) کا جواب ہے اس لئے منصوب ہے۔

قَوْلُهٗ: وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو ان کی صفت ظلم کو اجاگر کرنے کے لئے لایا گیا ہے ورنہ تو وَقَالُوْا کہنا بھی کافی ہوتا۔

تفسیر وتشریح

''فرقان'' کے معنی ہیں فیصلہ کن، فرقان قرآن کریم ہی کا لقب ہے، قرآن کریم حق و باطل میں فیصلہ کرنے والی آخری کتاب ہے، اور تمام جہان کی ہدایت واصلاح کی کفیل ہے اور ان کو خیر کثیر اور غیر منقطع برکت عطا کرنے کا سامان بہم پہنچانے والی ہے۔

علیٰ عبدہٖ یہاں آپ کا نام لینے کے بجائے عبدہٖ فرمایا چونکہ آپ ﷺ اپنی صفت عبدیت میں کامل واکمل تھے اس لئے گویا کہ عبداللہ آپ کا لقب ہی ہو گیا، قرآن کریم سارے جہان کو کفر وعصیان کے انجام بد سے آگاہ کرنے والا ہے، چونکہ اس سورت میں مکذبین ومعاندین کا ذکر بکثرت ہوا ہے شاید اسی لئے یہاں صفت نذیر کو بیان فرمایا، بشیر کا ذکر نہیں کیا۔

آپ ﷺ کی بعثت:

قرآن کریم نے آپ ﷺ کی بعثت کو عالمین کے لئے فرمایا ہے، یہ بات تو متفق علیہ ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت انبیاء سابقین کے برخلاف سارے جہان کے لئے ہے انبیاء سابقین کی بعثت علاقائی یا قومی تھی مگر آپ ﷺ کی بعثت علاقائی یا قومی نہیں ہے بلکہ عالمگیر ہے، اور آپ تمام جنوں اور انسانوں کے لئے ہادی اور رہنما بنا کر بھیجے گئے ہیں، قرآن کریم میں سورۂ اعراف میں فرمایا گیا **قُلْ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا** اور حدیث میں بھی فرمایا **بُعِثْتُ الی الاحمر والاسود** (صحیح مسلم کتاب المساجد) مجھے احمر واسود سب کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔

آپ ﷺ کی بعثت ملائکہ کی طرف:

اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ آپ کی بعثت جن وانس کے لئے ہے اختلاف اس بات میں ہے کہ آپ کی بعثت ملائکہ کی طرف ہے یا نہیں، اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ آپ کی بعثت ملائکہ کی طرف نہیں ہے علامہ جلال الدین محلی کی بھی یہی رائے ہے جیسا کہ تفسیر سے ظاہر ہے، حلبی اور بیہقی نے بھی یہی فرمایا ہے، امام رازی نے اسی آیت کی تفسیر میں اسی رائے پر اجماع نقل کیا ہے، البتہ امام سبکی نے کہا ہے کہ عالم ماسوی اللہ کو کہتے ہیں جس میں جن وانس وملائکہ سب داخل ہیں لہٰذا عالمین کا لفظ ملائکہ کو بھی شامل ہوگا، ملائکہ کو خارج کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

وَلَمْ یتخذ ولدًا سے یہود ونصاریٰ پر رد ہے اور **وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ** سے مشرک اور بت پرستوں پر رد ہے **فَقَدَّرَهٗ تقدیرًا** ہر شئ کو ایک خاص انداز میں رکھا کہ اس سے وہی خواص افعال ظاہر ہوتے ہیں جن کے لئے پیدا کی گئی ہے، اپنے دائرہ سے باہر قدم نہیں نکال سکتی اور نہ اپنی حدود میں عمل وتصرف کرنے سے قاصر رہتی ہے **وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اٰلِهَةً** کس قدر ظلم اور تعجب وحیرت کا مقام ہے کہ ایسے قادر مطلق مالک الکل، حکیم علی الاطلاق کی زبردست ہستی کو کافی نہ سمجھ کر دوسرے معبود اور حاکم تجویز کر لئے گئے، حالانکہ ان بیچاروں کا خود اپنا وجود بھی اپنے گھر کا نہیں وہ ایک ذرہ کے پیدا کرنے کا بھی اختیار نہیں رکھتے، اور نہ مارنا جلانا ان کے قبضہ میں ہے اور نہ اپنے مستقل اختیار سے کسی کو ادنیٰ نفع ونقصان پہنچا سکتے ہیں، ایسی عاجز اور مجبور ہستیوں کو خدا کا شریک ٹھہرانا کس قدر سفاہت اور بے حیائی ہے۔

ربط:

یہ تو قرآن نازل کرنے والے کی صفات کا ذکر تھا اور اس کے متعلق مشرکین جو بے تمیزیاں کر رہے تھے ان کی تردید تھی، آگے خود قرآن اور حامل قرآن کی نسبت سفیہانہ نکتہ چینیوں کا جواب ہے، **وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنْ هٰذَا اِلَّا اِفْكُ اِفْتَرٰهُ** الآیة مطلب یہ ہے کہ محمد ﷺ کا یہ کہنا کہ یہ خدا کا نازل کردہ کلام ہے اور میں اس کا نبی ہوں سب کہنے کی باتیں ہیں، حقیقت یہ ہے

کہ محمد نے چند یہودیوں کی مدد سے ایک کلام تیار کرلیا ہے اور اس کو خدا کی طرف منسوب کردیا ہے اور کچھ لوگ اس کے ساتھ لگ گئے ہیں جنہوں نے اس کی تشہیر شروع کردی ہے اس قول کا قائل نضر بن حارث تھا، مشرکین کے اس قول کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے بڑھ کر اور ظلم وجھوٹ کیا ہوگا کہ ایسے کلام معجز کو کہ جس کی عظمت وصداقت آفتاب سے زیادہ روشن ہے کذب وافتراء کہا جائے، کیا چند یہودی غلاموں کی مدد سے ایسا کلام بنایا جاسکتا ہے جس کے مقابلہ سے تمام دنیا کے فصیح وبلیغ، عالم وحکیم بلکہ جن وانس ہمیشہ کے لئے عاجز ہو جائیں۔

مشرکین کا یہ بھی کہنا تھا محمد ﷺ نے اہل کتاب سے کچھ خرافاتی قصے سن کر نوٹ کرالئے ہیں وہی باتیں ان کے سامنے شب وروز پڑھی اور رٹی جاتی ہیں، نئے نئے اسلوب سے ان ہی کی الٹ پھیر کرتے رہتے ہیں اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ الآية یعنی آپ فرمادیجئے کہ یہ کتاب کسی ایک انسان یا کمیٹی کی بنائی ہوئی نہیں ہے، بلکہ اس خدا کی اتاری ہوئی کتاب ہے جس کے احاطۂ علمی سے زمین وآسمان کی کوئی چیز باہر نہیں ہوسکتی۔ (فوائد عثمانی)

سابقہ آیات میں مشرکین کا وہ کلام ذکر کیا گیا ہے جو وہ قرآن کے بارے میں کہا کرتے تھے اور اب وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ سے ان خرافات کا بیان ہے جو آپ ﷺ کی شان میں کہا کرتے تھے مشرکین کا یہ طعن آپ ﷺ کی بشریت پر ہے کیونکہ ان کے خیال میں بشریت عظمتِ رسالت کی متحمل نہیں تھی اس لئے انہوں نے کہا یہ کیسا رسول ہے یہ تو کھاتا پیتا ہے اور بازاروں میں گھومتا پھرتا ہے اور ہمارے ہی جیسا بشر ہے یعنی ہم پر بھی اس کو کوئی فضیلت وفوقیت حاصل نہیں ہے مطلب یہ کہ نہ ملک ہے اور نہ ملِک، تو یہ رسول کیسے ہوسکتا ہے؟

لَوْ لَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ یعنی فرشتوں کی فوج نہ سہی کم ازکم ایک فرشتہ ان کی نبوت کی شہادت دینے کے لئے ساتھ رہتا جسے دیکھ کر خواہ مخواہ لوگوں کو جھکنا پڑتا، یہ کیا کہ کس مپرسی کی حالت میں اکیلے ہی دعوائے نبوت کرتے پھر رہے ہیں، یا اگر فرشتہ بھی ہمراہ نہ ہو تو کم ازکم آسمان سے سونے چاندی کا کوئی غیبی خزانہ مل جاتا کہ لوگوں پر بے دریغ خرچ کر کے ہی اپنی طرف کھینچ لیا کرتے، اور خیر یہ بھی نہ سہی معمولی رئیسوں اور زمینداروں کی طرح انگوروں اور کھجوروں وغیرہ کا ایک باغ تو ان کی ملک میں ہوتا، دوسروں کو نہ دیتے مگر کم ازکم خود تو بے فکری سے کھایا پیا کرتے جب اتنا بھی نہیں تو کس طرح یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ نے رسالت کے عہدۂ جلیلہ کے لئے معاذ اللہ ایسی معمولی شخصیت کو منتخب کیا ہے؟

قَالَ الظّٰلِمُوْنَ مطلب یہ ہے کہ میاں کی یہ پوزیشن اور حیثیت؟ اور اتنے اونچے دعوے؟ بجز اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ عقل کھوئی گئی ہے، یا کسی نے جادو کے زور سے عقل مختل کردی ہے جو ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)۔

(فوائد عثمانی)

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ یعنی کبھی کہتے ہیں کہ یہ خدا پر افتراء ہے، کبھی کہتے ہیں کہ دوسروں سے پڑھ سیکھ کر لوگوں کو سناتے ہیں، اور کبھی آپ کو سحر زدہ کہتے ہیں اور کبھی ساحر اور کبھی کاہن تو کبھی شاعر تو کبھی مجنون، یہ اضطراب خود بتلا رہا ہے کہ ان میں سے کوئی بات آپ پر منطبق نہیں اور یہ محض الزام ہی الزام ہے، لہٰذا جو لوگ نبی کی شان میں گستاخیاں کر کے گمراہ

ہو گئے ہیں ان کے راہ راست پر آنے کی کوئی توقع نہیں۔

تَبٰرَكَ تکاثر خیرًا **الَّذِیْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ** الذی قالوا من الکنز والبستان **جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ** ای فی الدنیا لانّہ شاء ان یعطیہ ایاہا فی الاخرۃ **وَیَجْعَلْ** بالجزم **لَّكَ قُصُوْرًا**⑩ ایضا وفی قراءۃ بالرفع استینافا **بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ** القیامۃ **وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِیْرًا**⑪ نارًا مسعرۃ ای مشتدۃ **اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَیُّظًا** غلیانًا کالغضبان اذا غلا صدرہ من الغضب **وَّزَفِیْرًا**⑫ صوتًا شدیدًا او سماع التغیظ رؤیتہ وعلمہ **وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَیِّقًا** بالتشدید والتخفیف بان یضیق علیہم ومنہا حال من مکانا لانّہ فی الاصل صفۃ لہ **مُّقَرَّنِیْنَ** مصفدین قد قرنت ایدیہم الی اعناقہم فی الاغلال والتشدید للتکثیر **دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا**⑬ ہلاکا فیقال لہم **لَا تَدْعُوا الْیَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِیْرًا**⑭ لعذابکم **قُلْ اَذٰلِكَ** المذکور من الوعید وصفۃ النار **خَیْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِیْ وُعِدَ** ہا **الْمُتَّقُوْنَ كَانَتْ لَهُمْ** فی علمہ تعالٰی **جَزَآءً** ثوابا **وَّمَصِیْرًا**⑮ مرجعًا **لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ خٰلِدِیْنَ** حال لازمۃ **كَانَ** وعدہم ما ذکر **عَلٰی رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا**⑯ فیسألہ من وعد بہ ربّنا واٰتنا ما وعدتنا علی رسلك او یسألہ لہم الملائکۃ ربّنا وادخلہم جنات عدن التی وعدتّہم **وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ** بالنون والتحتانیۃ **وَمَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** ای غیرہ من الملائکۃ وعیسٰی وعزیر والجن **فَیَقُوْلُ** تعالٰی بالتحتانیۃ والنون للمعبودین اثباتًا للحجۃ علی العابدین **ءَاَنْتُمْ** بتحقیق الہمزتین وابدال الثانیۃ الفًا وتسہیلہا وادخال الف بین المسہلۃ والاخرٰی وترکہ **اَضْلَلْتُمْ عِبَادِیْ هٰٓؤُلَآءِ** اوقعتموہم فی الضلال بامرکم ایاہم بعبادتکم **اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِیْلَ**⑰ طریق الحق بانفسہم **قَالُوْا سُبْحٰنَكَ** تنزیہا لك عما لا یلیق بك **مَا كَانَ یَنْۢبَغِیْ** یستقیم **لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ** ای غیرك **مِنْ اَوْلِیَآءَ** مفعول اول ومن زائدۃ لتاکید النفی وما قبلہ الثانی فکیف نامر بعبادتنا **وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ** من قبلہم باطالۃ العمر وسعۃ الرزق **حَتّٰی نَسُوا الذِّكْرَ** ترکوا الموعظۃ والایمان بالقراٰن **وَكَانُوْا قَوْمًاۢ بُوْرًا**⑱ ہلکٰی قال تعالٰی **فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ** ای کذّب المعبودون **بِمَا تَقُوْلُوْنَ** بالفوقانیۃ الٰہۃ **فَمَا تَسْتَطِیْعُوْنَ** بالفوقانیۃ والتحتانیۃ ای لاہم ولاانتم **صَرْفًا** دفعًا للعذاب عنکم **وَّلَا نَصْرًا** منعًا لکم منہ **وَمَنْ یَّظْلِمْ** یشرك **مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِیْرًا**⑲ شدیدًا فی الاخرۃ **وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَیَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَیَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ** فانت مثلہم فی ذلك وقد قیل لہم کما قیل لك **وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً** بلیۃ ابتلی الغنی بالفقیر والصحیح بالمریض والشریف بالوضیع یقول

الثانی فی کل مَالِی لا اَکونُ کالاَوَّلِ فِی کُلٍ اَتَصْبِرُوْنَ علی مَا تَسمعون مِمَّن اُبْتُلِیتُم بِهم اِستِفهامٌ بمَعْنٰی الامر ای اِصبِروا وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا بمَنْ يَصْبِرو بمن يَجْزَعُ.

ع ١١ / ١٧

تَرْجَمَہ: اللہ کی ذات تو بڑی عالی شان ہے یعنی خیر کثیر والی ہے اگر وہ چاہے تو ان کے بیان کردہ باغ اور خزانہ سے بہتر باغات عطا کردے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں یعنی دنیا میں (عطا کردے) اس لئے کہ آخرت میں ایسے باغات آپ ﷺ کو عطا کرنا تو اس کی مشیت میں ہے ہی، اور آپ کو بہت سے محل (بھی) دیدے یَجْعَلْ لام کے جزم کے ساتھ اور ایک قراءت میں (یَجْعَلُ) رفع کے ساتھ ہے، جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے بلکہ یہ لوگ قیامت کو جھوٹ سمجھ رہے ہیں اور قیامت کو جھوٹ سمجھنے والوں کے لئے ہم نے دہکتی ہوئی شدید آگ تیار کر رکھی ہے جب ان کو وہ آگ دور سے دیکھے گی تو وہ لوگ اس کا جوش خروش سنیں گے یعنی غضبناک کے مانند اس کا جوش جبکہ غضبناک کا سینہ غضب کی وجہ سے جوش مارے زَفِيْرًا شدید آواز کو کہتے ہیں یا غیظ کو سننے سے مطلب اس کا دیکھنا اور جاننا ہے اور جب وہ اس (جہنم) کی کسی تنگ جگہ میں ہاتھ پاؤں جکڑ کر ڈالدیئے جائیں گے ضَيِّقًا یا کی تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے اس طریقہ سے کہ وہ مکان ان پر تنگ ہوجائے گا اور مِنْهَا مکانًا سے حال ہے اس لئے کہ منها اصل میں مکانًا کی صفت ہے مُقَرَّنِيْنَ بمعنی مُصَفَّدِيْنَ ایسے بندھے ہوئے کہ ان کے ہاتھوں کو ان کی گردن کے ساتھ طوق میں باندھ دیا گیا اور تشدید معنی کی کثرت کو بیان کرنے کے لئے ہے، تو وہاں موت کو پکاریں گے تو ان سے کہا جائے گا ایک موت کو نہ پکارو عذاب کی وجہ سے بہت سی موتوں کو پکارو آپ کہئے یہ وعید اور صفت نار کی حالت جس کا ذکر ہوا اچھی ہے؟ یا ہمیشہ کی وہ جنت جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے کہ یہ (جنت الخلد) ان کے لئے اللہ کے علم میں جزاء ثواب (صلہ) ہے اور ان کا ٹھکانا ہے، اور ان کو وہاں وہ سب چیزیں ملیں گی جو وہ چاہیں گے وہ ہمیشہ رہیں گے (خٰلِدِيْنَ) حال لازمہ ہے، ان سے کیا ہوا مذکورہ وعدہ تیرے رب کے ذمہ ہے لہٰذا جس سے وعدہ کیا گیا ہے وہ اس سے مطالبہ کر سکتا ہے (یعنی سائل اپنے سوال میں کہہ سکتا ہے) رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ اے ہمارے پروردگار تو ہم کو وہ چیز عطا فرما جس کا تو نے اپنے رسول کی زبانی وعدہ فرمایا، یا اس وعدہ کے ایفاء کا، ان کے لئے فرشتے اس طرح سوال کریں گے ربنا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ نِ التی وعدتهم اے ہمارے پروردگار تو ان کو قیام کے قابل اس جنت میں داخل فرما، جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور جس روز اللہ تعالیٰ ان کو نحشرهم نون کے ساتھ اور یاء کے ساتھ ہے اور جن کو وہ خدا کے سوا پوجتے تھے جمع کرے گا غیر اللہ سے مراد ملائکہ اور عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور جن ہیں پھر معبودین سے عابدین پر حجت تام کرنے کے لئے پوچھے گا کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا؟ ان کو اپنی عبادت کا حکم دے کر تم نے ان کو گمراہی میں ڈالا تھا؟ یا وہ خود ہی راہ حق سے بھٹک گئے تھے؟ فَيَقُوْلُ یا اور نون کے ساتھ ہے ءَ اَنْتُمْ دونوں ہمزوں کی تحقیق اور ثانی کو الف سے بدل کر اور ثانی کی تسہیل اور مسہلہ اور دوسرے کے درمیان الف داخل کر کے اور ترک ادخال الف کر کے تو وہ عرض

کریں گے معاذ اللہ تیرے لئے ہر اس چیز سے پاکی ہے جو تیری شان کے لائق نہیں ہے ہمارے لئے یہ ہرگز درست نہیں تھا کہ ہم تیرے علاوہ کسی کو کارساز بنائیں مِنْ اَوْلِیاء مفعول اول ہے اور مِن زائدہ نفی کی تاکید کے لئے ہے اور اس کے ماقبل مفعول ثانی ہے تو پھر ہم کیسے اپنی عبادت کا حکم کرسکتے تھے؟ لیکن آپ نے ان کو اور ان کے باپ دادوں کو جوان سے پہلے گذر چکے ہیں درازی عمر اور وسعت رزق کے ذریعہ آسودگی عطا فرمائی یہاں تک کہ یاد کو بھلا بیٹھے یعنی نصیحت اور قرآن پر ایمان کو ترک کردیا یہ لوگ تھے ہی ہلاک ہونے والے اللہ تعالیٰ فرمائے گا لو انہوں نے تو تم کو تمہاری تمام باتوں میں جھٹلا دیا یعنی تمہارے معبودوں نے تمہاری تکذیب کردی، تقولون تائے فوقانیہ کے ساتھ (یعنی) تمہارے اس قول میں کہ وہ معبود ہیں اب نہ تو تم میں (اور نہ ان میں) عذاب کو دفع کرنے کی طاقت ہے اور نہ مدد کی یعنی اس عذاب سے اپنی مدد کرنے کی تم میں سے جس جس نے ظلم یعنی شرک کیا ہے ہم ان کو بڑا عذاب یعنی آخرت میں شدید عذاب چکھائیں گے اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے سب کے سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے بھی تھے لہٰذا آپ ان ہی جیسے ہیں ان باتوں میں، اور آپ سے وہی سب کچھ کہا جا رہا ہے جو ان سے کہا گیا تھا اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کو دوسرے کی آزمائش کا ذریعہ بنا دیا غنی کو فقیر کے ذریعہ آزمایا گیا اور تندرست کو مریض کے ذریعہ اور شریف کو رذیل کے ذریعہ، ثانی ہر بات میں کہتا ہے کیا وجہ ہے کہ میں ہر معاملہ میں اول جیسا نہیں ہوں؟ کیا تم ان باتوں پر صبر کرو گے جن کو تم ان لوگوں سے سنتے ہو جن کے ذریعہ تم کو آزمایا گیا ہے استفہام بمعنی امر ہے یعنی صبر کرو، تیرا رب سب کچھ دیکھنے والا ہے کہ کون صبر کرتا ہے؟ اور کون بے صبری کرتا ہے؟

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: تَبٰرَكَ "تبارک" ایسا وصف ہے جو تمام اوصاف کمال کو جامع اور تمام صفات نقص کی نفی کو مستلزم ہے اسی وجہ سے موقع کی مناسبت سے اس کی تفسیر مختلف کی گئی ہے، ابتداء سورت میں چونکہ مقام تنزیہ تھا لہٰذا وہاں تعالیٰ سے تفسیر کی گئی اور یہاں چونکہ مقام عطا ہے اس لیے کثرت خیر سے تفسیر کی گئی اور آخر سورت میں چونکہ مقام عظمت و کبریاء ہے لہٰذا تعَاظَمَ سے تفسیر کی گئی ہے۔

قولہ: تَبٰرَكَ فعل ماضی اَلَّذِیْ حذفِ مضاف کے ساتھ تبارك کا فاعل، ای تَبَارَكَ خَیْرُ الَّذِیْ.

قولہ: جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ، خیرًا سے بدل ہے، اور خیر اور بہتر ہونے کی وجہ ظاہر ہے اس لئے کہ مشرکین نے جس باغ کے بارے میں کہا تھا وہ مطلق تھا اس میں تعدد اور جریان انہار کسی کی قید نہیں تھی، اور بعض حضرات کے نزدیک خَیْرًا سے عطف بیان بھی ہوسکتا ہے، اور بعض حضرات نے اعنی مقدر کی وجہ سے جَنّٰتٍ کو منصوب قرار دیا ہے اور تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ، کو جَنّٰتٍ کی صفت قرار دیا ہے۔

قولہ: لِاَنَّهٗ الخ مفسر علام لِاَنَّهٗ سے فی الدنیا کی قید کے ساتھ مقید کرنے کی علت بیان کر رہے ہیں، علت کا خلاصہ یہ ہے کہ اِنْ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا میں خیریت کو مشیئت پر معلق کرنا دنیا کے اعتبار ہی سے صحیح ہے، ورنہ تو آخرت میں تو محقق ہے ہی۔

قَوْلُہٗ: یَجْعَلْ جزم کے ساتھ جَعَلَ کے محل پر عطف کرتے ہوئے جو کہ شرط کی جزاء واقع ہے لہٰذا مجزوم پر جس کا عطف ہوگا وہ بھی مجزوم ہوگا وفی قراءۃ بالرفع جواب شرط پر عطف کرتے ہوئے جواب شرط کو استیناف کی وجہ سے مرفوع مانتے ہوئے شرط جب ماضی ہو تو جزاء میں رفع اور جزم دونوں جائز ہوتے ہیں، لہٰذا جزاء پر جو معطوف ہوگا اس میں بھی دونوں اعراب جائز ہوں گے اس لئے کہ شرط جب ماضی ہوتی ہے تو صرف شرط کی تاثیر جزاء میں کمزور ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے جزاء میں جزم اور رفع دونوں جائز ہو جاتے ہیں، ابن مالک نے کہا ہے وبعد ماض رفْعُكَ الجزاء اَحْسَنُ جزم اور رفع کی دونوں قراءتیں سبعیہ ہیں۔

قَوْلُہٗ: غلیانا، تَغَيُّظًا کی تفسیر غلیانًا سے کرنے کا مقصد ایک اعتراض کا جواب دینا ہے، اعتراض یہ ہے کہ غیظ تو سننے کی چیز نہیں ہے وہ تو دیکھنے کی چیز ہے، جواب دیا یہاں غیظ سے مراد غلیان (جوش مارنا) جو سنا جا سکتا ہے لہٰذا اعتراض ختم ہو گیا۔

قَوْلُہٗ: وسماع التغیظ رؤیته وعلمهٗ مذکورہ اعتراض کا یہ دوسرا جواب ہے، اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ سماع تغیظ سے مراد رویت اور علم ہے جو تغیظ میں ممکن ہے، بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ تقدیر عبارت اس طرح ہے سَمِعُوْا وَرَأَوْا تغیظًا وزفیرًا لہٰذا رَأَوا کا تعلق تغیظ سے اور سمعوا کا تعلق زفیرًا سے ہوگا، بعض حضرات نے سماع مطلقا ادراک کے معنی میں لیا ہے اس صورت میں سمِعُوْا کا تعلق تغیظ اور زفیر دونوں سے صحیح ہوگا۔ (جمل)

قَوْلُہٗ: القوا منها مکانًا، مِنْهَا مَكَانًا کی صفت ہے اور نکرہ کی صفت کو جب مقدم کر دیا جاتا ہے تو وہ حال ہو جاتی ہے۔

قَوْلُہٗ: مُقَرَّنِيْنَ، أُلْقُوْا کی ضمیر سے حال ہے مُصَفَّدِيْنَ اور مُصْفَدِيْنَ (ض) دونوں درست ہیں اس کے معنی باندھنے جکڑنے، مشکیں کسنے کے ہیں، صَفَاد بیڑی کو کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: دَعَوْا هُنَالِكَ، إِذَا أُلْقُوْا کی جزاء ہے هُنَالِكَ سے مراد مقام ضیق ہے۔

قَوْلُہٗ: ثبورًا فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے ای ثبرنا ثبورًا بعض حضرات نے کہا ہے دَعَوْا کا مفعول لہ ہے۔

قَوْلُہٗ: لِعذابکُم ای لاجل دوام عذابکم و کثرته ینبغی ان یکون دعائکم علی حسبه یعنی جس طرح تمہارا عذاب دائمی اور متعدد قسم کا ہے اسی حساب سے تم اپنی ہلاکت کو پکارتے رہو، اور بعض نسخوں میں کعذابکم ہے، یہ کثرت میں تشبیہ ہے، اور دعاء ثبور سے مراد موت کی تمنا کرنا ہے۔

قَوْلُہٗ: هَا صله چونکہ جملہ ہے اس لئے مفسر علام نے هَا ضمیر کو مقدر مان کر رابط کی طرف اشارہ کر دیا۔

قَوْلُہٗ: اَذٰلك خیرٌ اَمْ جنةُ الخلد وعید اور نار زیادہ بہتر ہے یا جنۃ الخلد، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نار میں بھی خیر ہے حالانکہ اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔

جَوَابٌ: قرآن کریم میں خیرٌ اسم تفضیل اکثر اسم فاعل کے معنی میں مستعمل ہے لہٰذا کوئی شبہ نہیں، دوسرا جواب یہ ایسا ہی ہے کہ سید اپنے غلام کو کچھ رقم دے جس کی وجہ سے غلام شرارت اور سرکشی شروع کر دے، جس کے نتیجے میں سید غلام کو مارتے ہوئے کہے هذا خیرٌ اَمْ ذَاك.

سُوَال: جنة، دار الخلد ہی کو کہتے ہیں تو پھر خلد کی قید کا کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: اضافت کبھی تو تبیین کے لئے ہوتی ہے، اور کبھی صفات کمال کے بیان کے لئے ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول الخالق البارئ یہ اسی قبیل سے ہے۔

قَوْلُهٗ: فی علمہٖ تعالیٰ اس عبارت سے اس شبہ کا جواب مقصود ہے کہ جزاء اور مصیر آئندہ حشر ونشر کے بعد ہوں گے تو پھر ان کو ماضی کے صیغہ سے کیوں تعبیر کیا ہے؟ اس کا ایک جواب مفسر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے فی علمہٖ تعالیٰ سے دیا ہے کہ اللہ کے علم میں چونکہ مقدر ہو چکا ہے اس لئے ماضی کے صیغہ سے تعبیر کر دیا، دوسرا جواب کہ جس کا ہونا یقینی ہوتا ہے اس کو ماضی سے تعبیر کر دیتے ہیں۔

قَوْلُهٗ: حالٌ لازمةٌ، خٰلِدِیْنَ، لَھُمْ کی ضمیر سے یا یشاء ون کے واؤ سے حال ہے، حال لازمہ کا مطلب ہے کہ جو معنی ماسبق سے مفہوم ہو رہے ہیں اسی کی تاکید ہے۔

قَوْلُهٗ: وَعْدُھم کے اضافہ کا مقصد کانَ کے اسم کو ظاہر کرنا ہے یعنی وُعِدَ المتقون سے جو وَعْدٌ مفہوم ہوتا ہے وہی کان کا اسم ہے، بعض حضرات نے ما یشاء ون میں جو ما ہے اس کو کان کا اسم قرار دیا ہے۔

قَوْلُهٗ: ویَوْمَ یحشرھم یہ اذکر فعل محذوف کا ظرف ہے اور قُلْ پر عطف ہے، نَحْشُرُھُمْ کی مفعولی ضمیر سے غیر اللہ کی عبادت کرنے والے مراد ہیں اور ومایعبدون کا عطف ھم ضمیر پر ہے۔

قَوْلُهٗ: اِثْبَاتًا للحُجةِ علی العابدین یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو علام الغیوب ہے ماضی مستقبل اس کے لئے سب حال ہے تو پھر معبودین سے ءَاَضْلَلْتُمْ؟ کے ذریعہ سوال کرنے کا کیا مقصد ہے؟

جَوَاب: یہ سوال برائے استفہام نہیں ہے بلکہ لاجواب اور ساکت کرنے کے لئے ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ سے سوال کیا جائے گا، أأَنْتَ قلتَ للناس اتخذونی وامی اِلٰھَیْنِ مِنْ دُون اللہ اسی طرح وَاِذَا الموء ودة سئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ میں بھی سوال تبکیت ولاجواب کرنے کے لئے ہے۔

قَوْلُهٗ: بُوْرًا جمع بائر بمعنی ھَلْکٰی ھَلِیْکٌ کی جمع ہے۔

قَوْلُهٗ: اِنَّھُمْ آلِھَةٌ یہ تقولون کا مقولہ ہے اور مَا سے بدل بھی ہو سکتا ہے فَمَا یَسْتَطِیْعُوْنَ میں چونکہ حاضر اور غائب دونوں قراءتیں ہیں اس لئے مفسر علام نے لَاھُمْ وَلَا اَنْتُمْ فرمایا تاکہ دونوں قراءتوں کی رعایت ہو جائے۔

قَوْلُهٗ: اِلَّا اِنَّھُمْ بقول ابن الانباری کے یہ جملہ حال ہونے کی وجہ سے محل میں نصب کے ہے تقدیر عبارت یہ ہے اِلَّا وَاِنَّھم اس کے نزدیک محذوف ہے، جمہور نے اِلَّا اِنَّھُمْ ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، اَنَّ کی خبر پر لام داخل ہونے کی وجہ سے اگر اَنّ کی خبر پر لام داخل ہو جائے تو جمہور کے نزدیک اِنَّ بکسر الھمزة متعین ہے، اگرچہ بعض حضرات نے اَنَّ بھی جائز کہا ہے، مگر یہ درست نہیں ہے۔ (فتح القدیر شوکانی)

تفسیر و تشریح

تَبَارَكَ الَّذِیْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ (الآیة) مطلب یہ ہے کہ اللہ کے خزانہ میں کیا کمی ہے وہ چاہے تو ایک باغ کیا بہت سے باغ اس سے بہتر عنایت فرمادے جس کا یہ لوگ مطالبہ کرتے ہیں، بلکہ اس کو قدرت ہے کہ آخرت میں جو باغات اور نہریں اور حور وقصور ملنے والے ہیں وہ سب آپ کو ابھی دنیا میں عطا کردے لیکن حکمت الٰہی ابھی اس کی متقضی نہیں، اور بے شمار حکمتوں کا تقاضہ یہ ہے کہ انبیاء کی جماعت کو مادی اور دنیوی مال ودولت سے الگ ہی رکھا جائے اور خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے لئے اسی کو پسند فرمایا جیسا کہ ترمذی میں حضرت ابوامامہ باہلی کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھ سے فرمایا کہ میں آپ کے لئے پورے بطحا اور اس کے پہاڑوں کو سونا بنادیتا ہوں تو میں نے عرض کیا نہیں اے میرے پروردگار مجھے تو یہ پسند ہے کہ مجھے ایک روز پیٹ بھر کھانا ملے اور ایک روز بھوکا رہوں، آپ ﷺ کا یہ فقر واحتیاج اختیاری تھا، اس کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر معاندین کے تمام مطالبات اور فرمائشیں بھی پوری کردی جائیں تب بھی یہ حق وصداقت کو قبول کرنے والے نہیں ہیں، باقی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے جو دلائل ومعجزات پیش کئے جاچکے ہیں، وہ کافی سے زیادہ ہیں، بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ جن چیزوں کا مطالبہ کررہے ہیں فی الحقیقت طلب حق کی نیت سے نہیں محض شرارت اور تنگ کرنے کے لئے ہے، اور شرارت کا سبب یہ ہے کہ انہیں ابھی تک قیامت اور سزا وجزا پر یقین نہیں آیا، سو یاد رکھنا چاہئے ان کے جھٹلانے سے کچھ نہیں ہوتا، قیامت آکر رہے گی اور ان مکذبین کے لئے آگ کا جو جیل خانہ تیار کیا گیا ہے اس میں ضرور رہنا پڑے گا، اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِیْدٍ یعنی دوزخ کی آگ محشر میں جہنمیوں کو دور سے دیکھ کر جوش میں بھر جائے گی اور اس کی غضبناک آوازوں اور خوفناک پھنکاروں سے بڑے بڑے دلیروں کے پتے پانی ہوجائیں گے اور کافروں کو اپنے دامن میں لینے کیلئے چلائے گی اور جھنجھلائے گی، جہنم کا دیکھنا اور چلانا حقیقت ہے مجاز یا استعارہ نہیں ہے، اللہ کیلئے اس کے اندر احساس وادراک کی قوت پیدا کردینا مشکل نہیں اہل سنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے معتزلہ چونکہ رویت وتکلم چیخ وپکار حیات کا خاصہ قرار دیتے ہیں اس لئے مذکورہ صفات کے حقیقی معنی کا انکار کرتے ہیں اور مجاز واستعارہ پر محمول کرتے ہیں۔

كَانَ عَلٰی رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا یعنی ایسا وعدہ جو یقیناً پورا ہوکر رہے گا، اسی طرح اللہ نے اپنے ذمہ وعدہ واجب کرلیا ہے جس کا اہل ایمان اس سے مطالبہ کرسکتے ہیں، یہ محض اس کا فضل وکرم ہے کہ اس نے اہل ایمان کے لئے اس حسن جزاء کو اپنے لئے ضرور قرار دے لیا ہے، دنیا میں اللہ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی رہی ہے، اور کی جاتی رہے گی، ان میں جمادات (پتھر، لوہا، لکڑی، سونا، چاندی اور دیگر دھاتوں سے بنی ہوئی مورتیاں) بھی ہیں، جو غیر عاقل ہیں اور اللہ کے نیک بندے بھی ہیں جو عاقل ہیں مثلاً حضرت عزیر حضرت مسیح علیہما السلام اور دیگر بہت سے نیک بندے اسی طرح فرشتے اور جنات کے پجاری بھی ہوں گے اللہ تعالیٰ غیر عاقل جمادات کو بھی شعور وادراک اور گویائی کی قوت عطا فرمائے گا اور ان سب معبودوں سے معلوم کرے گا، بتلاؤ تم نے میرے بندوں کو اپنی عبادت کا حکم دیا تھا یا یہ اپنی مرضی سے تمہاری بندگی کرکے

گمراہ ہوئے تھے؟ تو وہ جواب دیں گے کہ جب ہم خود تیرے سوا کسی کو کارساز نہیں سمجھتے تھے تو پھر ہم اپنی بابت کس طرح لوگوں سے کہہ سکتے تھے کہ تم اللہ کے بجائے ہمیں اپنا ولی اور کارساز سمجھو۔

وَجعلنا بعضکم لبعض فتنۃ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ کو قدرت تو سب کچھ تھی وہ سارے انسانوں کو یکساں مالدار بنا دیتا، سب کو تندرست رکھتا، سب کو عزت وجاہ کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز کر دیتا، کوئی ادنیٰ اور کوئی اعلیٰ نہ ہوتا مگر نظام عالم میں اس کی وجہ سے بڑے رخنے پیدا ہوتے اس لئے حق تعالیٰ نے کسی کو مالدار بنایا کسی کو غریب، کسی کو قوی کسی کو ضعیف کسی کو تندرست، کسی کو بیمار، کسی کو صاحب عزت اور کسی کو گمنام، اس اختلاف میں ہر طبقہ کا امتحان اور آزمائش ہے غنی کے شکر کا، غریب کے صبر کا امتحان ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ جب تمہاری نظر کسی ایسے شخص پر پڑے جو مال و دولت میں تم سے زیادہ ہو یا صحت وقوت اور عزت وجاہ میں تم سے بڑا ہو تو فوراً ایسے لوگوں پر نظر کرو جو ان چیزوں میں تم سے کم حیثیت رکھتے ہوں تاکہ تم حسد کے گناہ سے بھی بچ جاؤ اور اپنی موجودہ حالت میں اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے کی توفیق ہو۔ (مظہری)

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لا يخافون البعث **لَوْلَآ** ہلّا **اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ** فكانوا رُسُلا الينا **اَوْ نَرٰى رَبَّنَا** فيُخبِرُنا بانَّ محمدا رسول اللّٰهِ قال تعالٰى **لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا** تكبَّرُوا **فِيْٓ** شأنِ **اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا** طَغَوْا **عُتُوًّا كَبِيْرًا**﴿۲۱﴾ بطَلَبِهِمْ رُؤيَةَ اللّٰهِ فى الدُّنيا وعتَوا بالواوِ على اَصلِه بخلافِ عُتى بالإبدال فى مَرْيَمَ **يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ** فى جملة الخلائق ہو يومُ القِيٰمَةِ ونَصبُه بأذكُرْ مُقدَّرًا **لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ** اى الكافِرِينَ بخلافِ المؤمنينَ فَلَهُم البُشرى بالجَنَّةِ **وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا**﴿۲۲﴾ على عادَتِهم فى الدُّنيا اذا نَزلتْ بهم شِدَّةٌ اى عَوذًا مُعاذًا يَسْتَعِيذُون من الملائكة قال تعالٰى **وَقَدِمْنَآ** عَمَدْنا **اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ** من الخير كصَدقةٍ وصِلةِ رَحِمٍ وقِرى ضَيفٍ واغاثةِ ملهوفٍ فى الدُّنيا **فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا**﴿۲۳﴾ ہو ما يُرى فى الكُوى الَّتى عليها الشمسُ كالغُبارِ المُفرَّقِ اى مثلَهُ فى عَدمِ النَّفعِ بِهِ اِذْ لَا ثَوابَ فِيهِ لِعَدمِ شَرطِهِ ويُجَازونَ عليه فى الدُّنيا **اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ** يومَ القيٰمةِ **خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا** من الكافرينَ فى الدُّنيا **وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا**﴿۲۴﴾ منهم اى موضعَ قائلةٍ فيها وہى الاِستِراحةُ نِصفَ النَّهار فى الحَرِّ واُخِذ مِنْ ذٰلكَ اِنْقِضاءُ الحِساب فى نِصفِ نَهارٍ كما ورَدَ فى حديثٍ **وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ** اى كُلُّ سَماءٍ **بِالْغَمَامِ** اى مَعه وہو غَيمٌ اَبيضُ **وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ** من كُلِّ سَماءٍ **تَنْزِيْلًا**﴿۲۵﴾ ہو يوم القيٰمةِ ونصبُه باذكُر مُقدرًا وفى قِراءَةٍ بتَشديد شِينِ تشَّقَّقُ بادغام التاء الثانية فى الاصلِ فيها وفى أخرىٰ نُنْزِل بنونينِ الثانيةُ ساكنةٌ وضَمّ اللّامِ ونَصبِ المَلائكةِ **اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ** لايشركه فيه اَحدٌ **وَكَانَ** اليومُ **يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا**﴿۲۶﴾ بخلافِ المؤمنينَ **وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ** المُشرِكُ عقبةُ بن ابى مُعَيْط كان نطق بالشَّهادتَين ثم رجع رِضاءً لِأُبَىّ بن خَلَفٍ

عَلٰى يَدَيْهِ نَدَمًا وَتَحَسُّرًا في يومِ القيمةِ يَقُوْلُ يَا للتّنبيهِ لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ محمدٍ سَبِيْلًا ﴿٢٧﴾ طريقًا اِلى الهُدىٰ يٰوَيْلَتٰى اَلِفُه عِوَضٌ عن ياءِ الاِضافةِ اى وَيْلتي ومعناه هَلَكَتِي لَيْتَنِي لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا اى اُبَيًّا خَلِيْلًا ﴿٢٨﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ اى القُراٰنِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِي بِاَنْ رَدَّنِي عَنِ الاِيمان به قال تعالىٰ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ الكافِرِ خَذُوْلًا ﴿٢٩﴾ بِاَنْ يتركَه ويَتَبَرَّءَ مِنْه عند البَلاء وَقَالَ الرَّسُوْلُ مُحَمَّدٌ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي قُريشًا اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿٣٠﴾ متروكًا قال تعالىٰ وَكَذٰلِكَ كما جَعَلْنَا لك عدوًّا من مُشْرِكي قومِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ قبلك عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ المشركين فاصبر كما صَبَرُوْا وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا لَّكَ وَّنَصِيْرًا ﴿٣١﴾ نَاصِرًا لك عَلٰى اَعْدَائِكَ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا هَلَّا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كالتَّوْرٰةِ والاِنْجِيْلِ والزَّبُوْرِ قال تعالىٰ نَزَّلْنَاه كَذٰلِكَ اى مُتَفَرِّقًا لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ نُقَوِّيَ قَلْبَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿٣٢﴾ اى اَتَيْنَا بِه شَيْئًا بَعْدَ شَيْءٍ بِتَمَهُّلٍ وتُؤَدَةٍ لِيَتَيَسَّرَ فَهْمُه وحِفْظُه وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ في اِبْطَالِ اَمْرِكَ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ الدّافِعِ لَه وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿٣٣﴾ بَيَانًا هُمُ الَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اى يُسَاقُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا هُوَ جَهَنَّمُ وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿٣٤﴾ اَخْطَأُ طَرِيْقًا مِنْ غَيْرِهِم وهُوَ كُفْرُهُم۔

ع ۱۵ وقف غفران النبی ع۔ ع ۱۴ ۳

ترجمہ: جولوگ ہمارے سامنے پیش ہونے سے اندیشہ نہیں کرتے یعنی بعث (بعد الموت) کا خوف نہیں رکھتے وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے؟ کہ ہماری طرف رسول ہوں یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیتے پھر ہمیں وہ یہ بات بتاتے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے کہا ان لوگوں نے اپنے دلوں میں اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ لیا ہے اور دنیا ہی میں اللہ کی رویت کا مطالبہ کر کے بڑی سرکشی کی ہے اور عَتَوْا واو کے ساتھ اپنی اصل پر ہے بخلاف عُتِیًّا کے ابدال کے ساتھ سورۂ مریم میں جس روز یہ منجملہ خلائق کے فرشتوں کو دیکھیں گے اور (یَومَ) کا نصب اُذْکُر فعل مقدر کی وجہ سے ہے، اس روز مجرموں یعنی کافروں کے لئے کوئی خوشخبری نہ ہوگی، بخلاف مؤمنین کے، ان کے لئے جنت کی خوشخبری ہوگی اور کہیں گے کہ پناہ ہے پناہ ہے (بچاؤ بچاؤ) اپنی عادت کے مطابق دنیا میں جب ان پر کوئی مصیبت آپڑتی، یعنی پناہ پناہ چلائیں گے اور ملائکہ سے پناہ چاہیں گے، اللہ تعالیٰ کہے گا، اور ہم ان کے ان اچھے کاموں کی طرف جو وہ دنیا میں کر چکے ہیں متوجہ ہوں گے، مثلاً صدقہ اور صلہ رحمی، مہمان نوازی اور مظلوم کی فریاد رسی تو ہم ان (اعمال) کو پراگندہ ذروں کی طرح کر دیں گے هَبَاءً منثورًا ان ذروں کو کہتے ہیں جو اس سوراخ میں نظر آتے ہیں جس پر دھوپ پڑتی ہے جیسا کہ منتشر غبار یعنی (ان کے اعمال کو) بے فائدہ ہونے میں غبار منتشر کے مانند کر دیں گے، اس لئے کہ ان اعمال کا کوئی اجر نہ ہوگا، اجر کی شرط مفقود ہونے کی وجہ سے اور اس کی جزاء دنیا ہی میں دیدیئے جائیں گے، اہل جنت اس دن یعنی قیامت کے دن قیام گاہ میں بھی دنیا میں کافروں سے اچھے رہیں گے اور

آرام گاہ میں بھی ان سے اچھے رہیں گے یعنی جنت میں قیلولہ (آرام) کرنے کی جگہ، اور قیلولہ دوپہر کو گرمی میں آرام کرنے کو کہتے ہیں اور اسی (احسن مقیلاً) سے لیا گیا ہے کہ حساب دوپہر تک پورا ہو جائے گا جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے اور جس روز آسمان یعنی ہر آسمان مع بادل کے پھٹ جائے گا اور وہ سفید بادل ہے، اور ہر آسمان سے فرشتے بکثرت اتارے جائیں گے اور وہ دن قیامت کا دن ہوگا اور یوم اُذْکُرْ محذوف کی وجہ سے منصوب ہے، اور ایک قراءت میں تشَّقَّقُ کی شین کی تشدید کے ساتھ، اصل میں (یعنی تا کو شین سے بدلنے اور شین کو شین میں ادغام کرنے سے پہلے) تائے ثانیہ کو شین میں ادغام کرکے، اور دوسری قراءت میں نُنْزِلُ دونونوں کے ساتھ، دوسرا نون ساکن اور لام کے ضمہ کے ساتھ اور ملائکہ کے نصب کے ساتھ اس روز حقیقی حکومت رحمٰن کی ہوگی اس دن اس کا کوئی شریک نہ ہوگا اور وہ دن کافروں کے لئے بڑا سخت ہوگا بخلاف مومنین کے اور جس روز ظالم مشرک عقبہ بن ابی معیط جس نے شہادتین کا اقرار کر لیا تھا اور پھر ابی بن خلف کو خوش کرنے کے لئے پھر گیا، اپنے ہاتھوں کو ندامت اور حسرت کے ساتھ قیامت کے دن کاٹ کھائے گا اور کہے گا کیا اچھا ہوتا کہ میں رسول محمد ﷺ کے ساتھ ہدایت کے راستہ پر لگ لیتا ہائے میری کمبختی وَیْلَتَا کا الف یائے اضافت کے عوض میں ہے (اصل میں) وَیْلَتِیْ تھا اور اس کے معنی میری ہلاکت کے ہیں کاش میں فلاں یعنی اُبی بن خلف کو دوست نہ بناتا اس نے مجھے نصیحت یعنی قرآن سے اس کے میرے پاس آنے کے بعد بہکا دیا اس طریقہ سے کہ اس پر ایمان لانے کے بعد مجھے واپس کر دیا، اور شیطان تو کافر انسان کو (وقت پر) دھوکا دینے ہی والا ہے اس طریقہ پر کہ مصیبت کے وقت اس کو چھوڑ دیتا ہے اور اس سے اظہار بیزاری کر دیتا ہے اور رسول یعنی محمد ﷺ کہیں گے اے میرے پروردگار میری قوم قریش نے اس قرآن کو متروک کر دیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اسی طرح جس طرح تیری قوم کے مشرکوں کو تیرا دشمن بنا دیا تم سے پہلے ہر نبی کا بعض مجرمین مشرکین کو دشمن بنا دیا لہٰذا جس طرح انہوں نے صبر کیا تم بھی صبر کرو، آپ کی رہنمائی کرنے اور مدد کرنے کے لئے تیرا رب کافی ہے یعنی تیرے دشمنوں کے خلاف تیری مدد کرنے کے لئے کافی ہے اور کافروں نے کہا اس پر پورا قرآن ایک ساتھ کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ جس طرح کہ تورات اور انجیل اور زبور اتاری گئیں اور اس طرح یعنی متفرق نزول اس لئے ہے کہ ہم اس کے ذریعہ آپ کے قلب کو قوی کریں گے اور ہم نے اس کو بہت ٹھہر ٹھہر کر اتارا ہے، یعنی ہم نے اس کو تھوڑا تھوڑا کرکے وقفہ اور آہستگی کے ساتھ اتارا ہے تاکہ اس کا سمجھنا اور یاد کرنا آسان ہو اور یہ لوگ کیسا ہی عجیب سوال آپ کے معاملہ کو باطل کرنے کے لئے آپ کے سامنے پیش کریں مگر ہم ٹھیک جواب جو اس سوال کو دفع کرنے والا ہو اور بیان کے اعتبار سے خوب واضح ہو عنایت کر دیتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے چہروں کے بل جہنم کی طرف گھسیٹے جائیں گے یہ لوگ مکان کے اعتبار سے بھی بدترین ہیں اور وہ (مکان) جہنم ہے اور طریقہ میں بھی سب سے زیادہ گمراہ ہیں یعنی دوسروں سے زیادہ گمراہ ہیں اور وہ (طریقہ) ان کا کفر ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: لَا یخافون یہ تِھَامَه کی لغت میں لَا یَرْجون کی تفسیر ہے، لَا یَرْجونَ کو اپنے حقیقی معنی میں استعمال کرنا اولیٰ ہے، اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا لَا یَامَلُوْنَ لِقَاءَ مَا وَعَدَنَا علی الطَّاعةِ من الثَّوابِ اور یہ بات ظاہر ہے کہ جو ثواب کی امید نہیں رکھتا وہ عذاب سے بھی نہیں ڈرتا لقد استکبر میں لام قسمیہ ہے۔

قَوْلُہٗ: وعَتَوْا علٰی اصلہ عَتَوْا اپنی اصل پر ہے واؤ یا سے تبدیل کئے بغیر، بخلاف سورۂ مریم کے کہ وہاں فواصل کی رعایت کی وجہ سے واؤ یا سے بدل دیا گیا ہے۔ (مزید تحقیق سورۂ مریم میں دیکھ لی جائے)۔

قَوْلُہٗ: لا بُشریٰ یہ جملہ قول مضمر کا معمول ہے، ای یَرَوْنَ الملائکة یقولون لا بُشریٰ.

قَوْلُہٗ: حِجْرًا مصدر بمعنی استعاذہ ہے اور مَحْجُوْرًا اس کی تاکید ہے جیسا کہ عرب کہتے ہیں حرام مُحرَّم یا کہتے ہیں المحرم الحرام.

قَوْلُہٗ: عمدنا، قدمنا کی تفسیر عمدنا سے کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قدوم کا اطلاق اللہ پر درست نہیں ہے اس لئے کہ قدوم جسمانیات کی صفت ہے۔

قَوْلُہٗ: ملھوف مظلوم فریاد خواہ کو کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: کُویٰ کاف کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ، اس سوراخ کو کہتے ہیں جس سے سورج کی روشنی داخل ہوتی ہو۔

قَوْلُہٗ: هَبَاءً ان ذرات کو کہتے ہیں جو سوراخ سے آنے والی روشنی میں اڑتے ہوئے نظر آتے ہیں اگر کوئی ان کو ہاتھ میں پکڑنا چاہے تو یہ ممکن نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: خیرٌ مستقرًا من الکافرین یعنی مومنین کا مستقر جنت میں دنیا میں کافروں کے مستقر سے بہتر ہے، یہاں اسم تفضیل خیرٌ اپنے معنی میں ہے من الکافرین فی الدنیا کہہ کر مفسر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے گویا کہ یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ اہل نار کے مستقر (جہنم) میں کوئی خیر نہیں ہے مگر خیر اسم تفضیل سے معلوم ہو رہا ہے کہ کافروں کے مستقر میں بھی خیر ہے مگر اہل جنت کے مستقر سے کم خیر ہے اور یہ مطلب بھی صحیح ہے کہ مستقر سے دونوں فریقوں کا آخرت میں مستقر مراد ہو اس صورت میں خیرٌ سے اسم تفضیل کے معنی مراد نہ ہوں بلکہ کفار کی محض تقریع و توبیخ مراد ہوگی اور یہ عرب کے قول (العَسلُ اَحْلٰی من الخَلِّ) کے قبیل سے ہوا حالانکہ خل میں کوئی حلاوۃ نہیں ہوتی، اس سے معلوم ہوتا ہے اسم تفضیل کے لئے مفضل منہ کا ہمیشہ ہونا ضروری نہیں، لہٰذا اعتراض دفع ہوگیا۔

قَوْلُہٗ: اُخِذَ من ذٰلك الخ یعنی احسن مَقیلاً سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے میدان محشر میں حساب کتاب نصف النہار سے قبل ہی ختم ہو جائے گا اس لئے کہ جنت کے آرام کے لئے مقیلا کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کے معنی دوپہر کو قیلولہ کرنے کے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حساب کتاب سے فراغت دوپہر سے قبل ہی ہو جائے گی، حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

کی روایت ہے کہ قیامت کے روز اہل جنت جنت میں اور اہل دوزخ دوزخ میں قیلولہ کریں گے، گویہ نصف یوم مومنین کے لئے بقدر ایک نماز کے معلوم ہوگا اور کافروں کو بہت طویل عرصہ معلوم ہوگا۔

قِوْلُہٗ: یَوْمَ تَشَقَّقُ السماءُ، یوْمَ اُذکر محذوف کی وجہ سے منصوب ہے کل سماء سے اشارہ اس بات کی جانب ہے کہ السماء میں الف لام استغراق اور مَعَهٗ سے اشارہ با بمعنی مع ہے باسببیہ اور بمعنی عن بھی ہوسکتی ہے۔

قِوْلُہٗ: اَلْمُلْكُ یَوْمَئِذٍ الحقُّ للرحمٰنِ، الملكُ مبتداء ہے الحق اس کی صفت للرحمن خبر، ای الملك الثابتُ الذی لایزول للرحمن یومئذٍ.

قِوْلُہٗ: الظالم، المشرك مفسر علام نے ظالم کی تفسیر مشرک عقبہ بن ابی معیط سے کرکے اشارہ کردیا ہے کہ یہ آیت ایک خاص مشرک کے بارے میں نازل ہوئی جس کا نام عقبہ بن ابی معیط تھا۔

قِوْلُہٗ: یقول یا لَیْتَنی جملہ یَعَضُّ کی ضمیر سے حال ہے یٰلَیْتَنِیْ میں یا تنبیہ کے لئے ہے نہ کہ ندا کے لئے اس لئے کہ منادیٰ کے لئے اسم ہونا شرط ہے اور اگر یا کو ندا کے لئے مانیں تو منادیٰ محذوف ماننا ہوگا ای یا قوم.

قِوْلُہٗ: لَقَدْ اَضَلَّنِیْ میں لام قسمیہ ہے ایْ واللّٰہ لَقَدْ اَضَلَّنِیْ.

قِوْلُہٗ: قال تعالیٰ سے اشارہ ہے کہ یہ جملہ مستانفہ ہے ظالم کا کلام اِذْ جاءَ نِیْ پر پورا ہوگیا۔

قِوْلُہٗ: لَوْ لا نُزِّلَ علیہ القرآنُ جملۃ واحدۃً یہاں نُزِّلَ بمعنی اُنْزِلَ ہے اس لئے کہ نُزِّلَ کے معنی ہیں تھوڑا تھوڑا اتارنا اور اُنْزِلَ کے معنی ہیں ایک ساتھ اتارنا لہٰذا نُزِّلَ اور جملةً واحدةً میں تعارض ہوگا اس لئے کہا جائے گا کہ نُزِّلَ معنی میں اُنْزِلَ کے ہے نَزَّلْنَا کذٰلِکَ نَزَّلْنا محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ کذٰلِكَ فعل محذوف کا مفعول ہے اور لِنُثَبِّتَ بہٖ سے قرآن کو متفرق طور پر اتارنے کی تین حکمتوں کا بیان ہے۔

قِوْلُہٗ: وَاَحْسَنَ کا عطف الحقِّ پر ہے، احسن محلًا مجرور ہے۔

قِوْلُہٗ: اَلَّذِیْنَ یُحْشَرُوْنَ، هُمْ مبتداء محذوف کی خبر ہے جیسا کہ مفسر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے ظاہر کردیا ہے۔

تفسیر و تشریح

وَقَالَ الَّذِیْنَ لَایَرْجُوْنَ لِقَائَنَا الآیۃ رَجا کے معنی عام طور پر کسی محبوب و مرغوب چیز کی امید کرنے کے آتے ہیں اور کبھی یہ لفظ خوف کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ ابن الانباری نے کتاب الاضداد میں لکھا ہے، اس جگہ بھی یہی خوف کے معنی زیادہ واضح ہیں، یعنی وہ لوگ جو ہمارے سامنے پیشی سے نہیں ڈرتے حِجْرًا مَحْجورًا حِجر کے لفظی معنی محفوظ جگہ کے ہیں اور محجور اس کی تاکید ہے یہ لفظ محاورہ عرب میں اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی مصیبت سامنے ہو اس سے بچنے کے لئے لوگوں سے کہتے تھے کہ پناہ ہے پناہ ہے یعنی ہمیں اس مصیبت سے پناہ دو قیامت کے روز بھی جب کفار فرشتوں کو سامان عذاب لاتا ہوا دیکھیں گے تو دنیا کی عادت کے مطابق یہ لفظ کہیں گے، اور حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے اس

لفظ کے معنی حَــرَامًـا مَـحْـرَمًـا منقول ہیں اور مراد یہ ہے کہ قیامت کے روز جب یہ لوگ فرشتوں کو عذاب کے ساتھ دیکھیں گے اور ان سے معاف کرنے اور جنت میں جانے کی درخواست کریں گے تو فرشتے ان کے جواب میں کہیں گے حِجْرًا مَحْجُورًا یعنی جنت کافروں پر حرام اور ممنوع ہے۔ (مظہری)

وَقَـدِمْنَا عَمَدْنَا اِلٰی مَا عَمِلُوْا یہاں کارِ خیر سے وہ کارِ خیر مراد ہیں جن کا وجود نیت پر موقوف نہیں ہے جیسے مہمان نوازی، صلہ رحمی، حسن معاشرت، مظلوم کی مدد اور فریاد رسی، اس قسم کے اعمال خیر کا بدلہ، دنیا ہی میں مثلاً صحت وتندرستی، مالداری، خوشحالی، حسن وخوبصورتی، عقل ودانشمندی کے صورت میں دیدیا جاتا ہے، کافروں نے بزعم خویش دنیا میں اعمال کئے ہونگے اور آخرت میں ان کے اجر کی توقع رکھتے ہونگے وہ قیامت کے دن ان ذروں کے مانند کہ جو سورج کی کرنوں میں محسوس ہوتے ہیں بے حیثیت ہوں گے، یہاں کافروں کے اعمال خیر کو جس طرح بے حیثیت ذروں کے مثل کہا گیا ہے، اسی طرح دوسرے مقامات پر کہیں راکھ سے، کہیں سراب سے اور کہیں صاف چکنے پتھر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

تشقق السماء بالغمام ای عن الغمام معنی یہ ہیں کہ آسمان شق ہو کر اس میں سے ایک رقیق بادل اترے گا جس میں فرشتے ہوں گے، یہ ابر بشکل سائبان آسمان سے آئے گا اور اس میں حق تعالیٰ کی تجلی ہوگی اور اس کے گرداگرد ملائکہ ہوں گے، یہ حساب شروع ہونے کا وقت ہوگا اور اس وقت آسمان کا پھٹنا صرف کھلنے کے طور پر ہوگا، اس لئے کہ یہ نزول غمام جس کا ذکر آیت میں ہے نفخۂ ثانیہ کے بعد ہوگا جب کہ سب زمین وآسمان درست ہو چکے ہوں گے۔

يَـقُـوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اتخذ فلانًا خليلًا یہ آیت ایک خاص واقعہ میں نازل ہوئی ہے مگر حکم عام ہے، واقعہ یہ تھا کہ عقبہ ابن ابی معیط مکہ کے مشرک سرداروں میں سے تھا اس کی عادت تھی کہ جب کسی سفر سے واپس آتا تو شہر کے معزز لوگوں کی دعوت کرتا تھا اور رسول اللہ ﷺ سے اس کے تعلقات تھے ایک مرتبہ اس نے حسب عادت معززین شہر کی دعوت کی اور رسول اللہ ﷺ کو بھی بلایا جب اس نے آپ کے سامنے کھانا رکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارا کھانا اس وقت تک نہیں کھا سکتا، جب تک تم اس کی گواہی نہ دو کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، عقبہ نے یہ کلمہ پڑھ لیا اور آپ ﷺ نے شرط کے مطابق کھانا تناول فرمالیا۔

عقبہ کا ایک جگری دوست تھا اس کا نام ابی بن خلف تھا جب اس کو معلوم ہوا کہ عقبہ مسلمان ہو گیا تو بہت برہم ہوا، عقبہ نے عذر کیا کہ قریش کے معزز مہمان محمد ﷺ میرے گھر پر آئے تھے اگر وہ بغیر کھانا کھائے میرے گھر سے واپس چلے جاتے تو میرے لئے بڑی رسوائی کی بات تھی اس لئے میں نے ان کی خاطر یہ کلمہ پڑھ لیا، ابی بن خلف نے کہا میں تیری ایسی باتوں کو قبول نہیں کروں گا جب تک تو جا کر ان کے منہ پر نہ تھوکے، یہ کمبخت دوست کے کہنے سے اس گستاخی پر آمادہ ہو گیا اور کر گذرا، اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی ان دونوں کو ذلیل کیا کہ غزوۂ بدر میں دونوں مارے گئے (بغوی) اور آخرت میں ان کے لئے عذاب کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے کہ جب آخرت کا عذاب سامنے دیکھے گا تو اس وقت ندامت وافسوس سے اپنے ہاتھ کاٹنے لگے گا اور کہے گا کاش میں فلاں یعنی ابی بن خلف کو دوست نہ بناتا۔ (مظہری)

نکتہ: آنحضرت ﷺ کے کھانا کھانے کے لئے کلمہ پڑھنے کی شرط لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کام کے لئے اخلاقی دباؤ ڈالنا درست ہے جیسا کہ بعض اوقات مبلغین حضرات دعوت قبول کرنے کے لئے خدا کے راستہ میں نکلنے کی شرط لگا دیتے ہیں۔

اس واقعہ سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ برے شخص کی دوستی اور صحبت سے بھی اجتناب کرنا چاہئے اس لئے کہ بری صحبت کا اثر جلدی ہوتا ہے، مسند احمد، ترمذی وغیرہ نے حضرت ابو سعید خدری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **لا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا وَلَا یَاکُلُ مَالَكَ الاتقی** غیر مومن کو اپنا دوست نہ بناؤ اور تمہارا مال (بطور دوستی) صرف متقی آدمی کھائے یعنی غیر متقی سے دوستی نہ کرو اور حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **اَلْمرءُ علٰی دینِ خلیْلِہٖ فلینظُرْ من یخالل** ہر آدمی (عادۃ) اپنے دوست کے طریقہ پر چلا کرتا ہے اس لئے دوست بنانے سے پہلے خوب غور کر لیا کرو کہ کس کو دوست بنا رہے ہو۔

وَقَالَ الرسول یٰرَبِّ اِنَّ قومی اتخذوا ھٰذا القرآن مھجورًا یعنی آپ ﷺ اپنے پروردگار سے شکایت کریں گے اے میرے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو مہجور متروک کر دیا، آنحضرت ﷺ کی یہ شکایت قیامت کے روز ہوگی یا اسی دنیا میں اس میں مفسرین کا اختلاف ہے احتمال دونوں ہیں اگلی آیت بظاہر اس کا قرینہ ہے کہ یہ شکایت دنیا ہی میں پیش فرمائی تھی جس کے جواب میں آپ کو تسلی دینے کے لئے اگلی آیت میں فرمایا **کَذٰلِكَ جَعَلْنَا لکلِّ نبِیٍّ** (الآیۃ)

وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ (الآیۃ) اللہ اور رسول کے دشمن لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے بے سر و پا اور نہایت غیر معقول اعتراض کرتے تھے، کہتے تھے کہ صاحب دوسری کتابوں کی طرح پورا قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہ اتارا گیا؟ برسوں میں جو تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا، کیا اللہ کو کچھ سوچنا پڑتا ہے؟ اس سے تو شبہ ہوتا ہے کہ خود محمد ﷺ سوچ سوچ کر بناتے ہیں پھر موقع مناسب دیکھ کر تھوڑا تھوڑا سناتے رہتے ہیں۔

قرآن کو بتدریج نازل کرنے کی حکمت:

اول حکمت تو یہ بیان فرمائی کہ بتدریج نازل کرنے میں یہ حکمت ہے کہ وقتاً فوقتاً قرآن کے نزول سے آپ کے قلب کو تقویت رہے اور دربار خداوندی سے مسلسل رابطہ رہے، دوم یہ کہ بتدریج نزول کی وجہ سے یاد کرنے میں آسانی ہو، تیسرے یہ کہ اگر کفار آپ پر کوئی نیا اعتراض کریں تو اس کا جواب بروقت نازل کر دیا جائے اور آپ کو تسلی بھی دیدی جائے، اور اگر پورا قرآن ایک ہی دفعہ آگیا ہوتا اور اس خاص اعتراض کا جواب اور آپ کے لئے تسلی نازل ہو بھی گئی ہوتی تو بہر حال اس کو قرآن میں تلاش کرنے کی ضرورت پڑتی اور بروقت اس کی طرف ذہن کا متوجہ ہونا بھی ضروری نہیں، ان حکمتوں کے علاوہ بھی حکمتیں ہو سکتی ہیں ان میں انحصار ضروری نہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ التَّورٰةَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿۳۵﴾ مُعِيْنًا فَقُلْنَا اذْهَبَا اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ای القِبطِ فِرعَونَ وقَومِهٖ فَذَهَبَا اِلَيهِم بِالرِّسَالَةِ فَكَذَّبُوهُمَا فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿۳۶﴾ اَہلَكنَاہم اِہلاكًا وَ اذكُر قَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ بِتَكذِيبِهِم نُوحًا لِطُولِ لُبثِهٖ فِيهِم فَكَاَنَّهٗ رُسُلٌ اَو لِاَنَّ تَكذِيبَهٗ تَكذِيبٌ لِبَاقِي الرُّسُلِ لِاشتِرَاكِهِم فِي المَجِيئِ بِالتَّوحِيدِ اَغْرَقْنٰهُمْ جَوَابُ لما وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ بَعدَہم اٰيَةً عِبرَةً وَاَعْتَدْنَا فِي الاٰخِرَةِ لِلظّٰلِمِيْنَ الكَافِرِينَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۷﴾ مُؤلِمًا سِوَى مَا يَحُلُّ بِهِم فِي الدُّنيَا وَ اذكر عَادًا قَومَ ہُودٍ وَّثَمُوْدَا قومَ صالحٍ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ اِسمُ بِئرٍ ونَبِيُّهم قِيلَ شعيبٌ وقيل غيره كانوا قُعودًا حَولَها فانهارَتْ بهم وبمنازِلِهِم وَقُرُوْنًا اَقوامًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿۳۸﴾ اى بين عادٍ واصحٰبِ الرَّسِّ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ فِي اِقامةِ الحُجّةِ عليهم فلم نُهلِكْهم الا بعدَ الاِنذارِ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿۳۹﴾ اَہلكنا اِہلاكًا بتكذيبهم انبياءَ ہم وَلَقَدْ اَتَوْا مَرُّوا اى كفارُ مكّةَ عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ مصدرُ ساء اى بالحجارةِ وہى عُظمٰى قُرى قَومِ لوطٍ فاَہلَكَ اللّٰهُ اَہلَہا لِفِعلِهم الفاحشةَ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا فِي سَفَرِہم الى الشَّامِ فيعتبرون والاستفهام للتقريرِ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ يَخافُونَ نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾ بَعثًا فلا يؤمنون وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ ما يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا مَهزُوًّا بِهٖ يقولون اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۴۱﴾ فِي دَعواهُ مُحتَقِرِينَ له عَنِ الرِّسَالَةِ اِنْ مخفّفةٌ مِنَ الثَّقِيلَةِ واسمُها محذوفٌ اى انه كَادَ لَيُضِلُّنَا يُصرِفُنا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا لَصَرَفَنا عنها قال تعالىٰ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ عِيَانًا في الاٰخرةِ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ اَخطأُ طريقًا اَہم اَم المُؤمِنُونَ اَرَءَيْتَ اَخبِرنِي مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ اى مَہوِيَّہ قُدِّمَ المفعولُ الثاني لِاَنَّه اَہمُّ وجملةُ من اتَّخذ مفعولٌ اَوَّلٌ لرايت والثاني اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿۴۳﴾ حافظًا تحفظه عن اِتِّباعِ ہواہ لا اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ سَمَاعَ تَفَہُّمٍ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ما تقول لهم اِنْ ما هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۴﴾ اَخطأُ طريقًا منها لاَنها تنقاد لمن يَتَعَهَّدُہا وَہُم لا يُطِيعُونَ مولاہم المُنعِمَ عليهم۔

ع ۲

ترجمہ: اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب تورات عطا کی اور اس کے ساتھ اس کے بھائی ہارون کو وزیر (یعنی) معین بنادیا اور ہم نے دونوں کو حکم دیا کہ ان لوگوں کے پاس جاؤ جنہوں نے ہماری دلیلوں کو جھٹلایا ہے یعنی قبطیوں کی طرف جو کہ فرعون اور اس کی قوم ہے چنانچہ (یہ دونوں) پیغام لے کر ان کے پاس گئے مگر ان لوگوں نے دونوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو تہس نہس کردیا (یعنی) پوری طرح ہلاک کردیا اور قوم نوح کا تذکرہ کیجئے جبکہ انہوں نے (تمام) رسولوں کی تکذیب کی نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی تکذیب کرکے، نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے ان کے درمیان زمانہ دراز تک قیام کرنے کی وجہ سے، گویا کہ

حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کئی رسول تھے (یعنی بمنزلہ کئی رسولوں کے تھے) یا اس لئے (رُسُلْ جمع کا صیغہ استعمال کیا) کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب گویا کہ باقی رسولوں کی تکذیب ہے اس لئے کہ توحید کے لانے میں سب مشترک ہیں تو ہم نے ان کو غرق کر دیا اور بعد کے لوگوں کے لئے نشانِ عبرت بنا دیا اور ہم نے آخرت میں ظالموں کافروں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے یعنی تکلیف دہ، اس عذاب کے علاوہ جو دنیا میں ان پر نازل ہوگا اور ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم عاد کا اور صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم ثمود کا اور اصحاب الرس کا تذکرہ کیجئے، رَسّ ایک کنوئیں کا نام ہے اور ان کے نبی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ شعیب تھے اور کہا گیا ہے کہ ان کے علاوہ تھے، کنوئیں کے اطراف میں بود و باش رکھتے تھے وہ کنواں ان کے اور ان کے مکانوں کے ساتھ دھنس گیا اور ان کے بیچ بیچ میں بہت سی قوموں کا یعنی عاد اور اصحاب الرس کے درمیان اور ہم نے ہر ایک کے لئے عمدہ عمدہ مضامین بیان کئے ان پر حجت قائم کرنے کے لئے ہم نے ان کو تنبیہ کے بعد ہی ہلاک کیا، پھر ہم نے ہر ایک کو پوری طرح ہلاک کر دیا، ان کے اپنے انبیاء کی تکذیب کرنے کی وجہ سے اور وہ یعنی کفار مکہ اس بستی کے پاس سے گذرتے ہیں جس پر بدترین بارش برسائی گئی السَّوْءِ سَاءَ کا مصدر ہے یعنی پتھروں کی بارش برسائی گئی اور وہ بستی قوم لوط کی بستیوں میں سب سے بڑی بستی (سدوم) تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس بستی والوں کو ان کی بدفعلی کی وجہ سے ہلاک کر دیا تو کیا یہ لوگ اپنے شام کے سفر میں اس (بستی) کو نہیں دیکھتے کہ عبرت حاصل کریں اور استفہام تقریری ہے، بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ مرنے کے بعد زندہ ہونے کا اندیشہ ہی نہیں رکھتے یہی وجہ ہے کہ ایمان نہیں لاتے اور جب یہ لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ کا تمسخر کرنے لگتے ہیں یعنی آپ کا مذاق بناتے ہیں، کہتے ہیں کہ کیا یہی ہیں وہ صاحب جن کو اللہ نے بزعم خویش رسول بنا کر بھیجا ہے (مرتبۂ) رسالت سے آپ کو کمتر سمجھتے ہوئے اِنْ ثقیلہ سے مخففہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے ای اَنَّـهٗ اس شخص نے تو ہم کو ہمارے معبودوں سے پھیر ہی دیا ہوتا اگر ہم ان پر جمے نہ رہتے تو یقیناً ہم ان سے پھر جاتے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جلدی ہی ان کو معلوم ہو جائے گا جب وہ عذاب کو آخرت میں کھلی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ کون شخص گمراہ تھا؟ یعنی غلط راستہ پر تھا وہ یا مومنین؟ کیا آپ نے اس شخص (کی حالت) دیکھی کہ جس نے خواہشات نفسانی یعنی پسند کی چیزوں کو اپنا معبود بنا لیا؟ مفعول ثانی کو اہم ہونے کی وجہ سے مقدم کر دیا گیا ہے اور مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ جملہ ہو کر رأیتَ کا مفعول اول ہے اور اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيلًا مفعول ثانی ہے، کیا آپ ایسے شخص کے ضامن ہو سکتے ہیں؟ یعنی کیا آپ ایسے ہوا پرست کی اتباع ہوا سے حفاظت کی ذمہ داری لے سکتے ہیں؟ نہیں کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ان میں سے اکثر سمجھنے کے لئے سنتے ہیں یا جو آپ ان سے کہتے ہیں اسے سمجھتے ہیں یہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں یعنی جانوروں سے بھی ان کا برا حال ہے اس لئے کہ جو شخص ان (جانوروں) کی نگہداشت کرتا ہے اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں اور یہ اپنے مولائے محسن کی اطاعت نہیں کرتے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: وَلَقَدْ آتینا ای وباللّٰہِ لَقَدْ آتینا وَزِیْرًا وِزْرٌ صفت مشبہ، مددگار، ناصر، معین۔

قولہ: ای القبط، القبط، القوم سے بدل ہونے کی وجہ سے مجرور ہے، فرعون وقومہٗ قبط کا بیان ہے۔

قولہ: فدمّرناھم کا عطف فَذَھَبَا الیھم محذوف پر ہے، جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ فرمایا ہے، شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے قوم نوح کو اذکر فعل محذوف کا مفعول قرار دیا ہے، اور لمّا کو شرطیہ مان کر اغرقنٰھم کو جواب شرط قرار دیا ہے، اور اگر لمّا کو ظرفیہ مانا جائے تو یہ ما اضمر عاملہٗ علی شریطۃ التفسیر کے قبیل سے بھی ہوسکتا ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی اَغرقنا قوم نوح لمّا کذبوا الرُّسلَ اغرقنٰھم اگر لمّا کو شرطیہ مانیں تو ما اضمر کے قبیل سے نہیں ہوگا اس لئے کہ جواب لمّا کسی کے لئے مفسر نہیں ہوا کرتا۔ (جمل)

قولہ: لطول لبثہٖ فیھم یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ کَذَّبُوا الرُّسُلَ میں رُسُلُ کو جمع کیوں لائے ہیں حالانکہ نوح عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ تو ایک (واحد) ہے، شارح نے اس کے دو جواب دیئے ہیں اول یہ ہے کہ حضرت نوح عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کی نبوت ورسالت کا زمانہ اس قدر طویل ہے کہ اتنی مدت میں کئی نبی اور رسول آتے تو گویا کہ حضرت نوح عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ زمانہ کے اعتبار سے کئی نبیوں کے قائم مقام ہیں، اور دوسرا جواب یہ دیا کہ تمام انبیاء توحید کے مسئلہ میں متفق ہیں اور توحید تمام انبیاء کا اجماعی مسئلہ ہے، لہٰذا ایک کی تکذیب وہ سب کی تکذیب ہے۔

قولہ: جَعَلْنٰھم ای اِغراقھم اَو قصّتھم.

قولہ: للظّٰلِمین، وُضِعَ الظاھر موضع المضمر، تسجیلًا علیھم بوصف الظلم ورنہ تو عبارت یوں ہوتی وَاعْتَدْنَا لَھُم.

قولہ: وکُلًّا یہ عامل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے اور ما اضمر کے قبیل سے ہے اور ضربنا کے ہم معنی فعل کُلًّا سے پہلے محذوف ہے، مثلاً انذرنا کُلًّا ضربنَا لَہُ الاَمْثَالَ اَمثال ان قصص عجیبہ اور عمدہ مضامین کو کہتے ہیں جو غرابت میں امثال کے مانند ہوں۔

قولہ: مرّوا شارح کا مقصد اس اضافہ سے ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے، اعتراض یہ ہے کہ اَتَوْا متعدی بنفسہٖ ہوتا ہے یا پھر اس کا صلہ الیٰ آتا ہے اور یہاں اس کا صلہ علیٰ استعمال ہوا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: جواب یہ ہے کہ اَتَوْا مَرُّوا کے معنی پر مشتمل ہے لہٰذا اس کا صلہ علیٰ لانا درست ہے، کما اشار الیہ الشارح۔

قولہ: مَطَرَ السَّوء، اُمْطِرت کا مفعول مطلق ہے معنی میں الامطار کے ہے، اصل عبارت یہ ہے اُمْطِرَتِ القومُ مَطَرَ السوءِ والسّوْء بمعنی حجارۃ ہے ای رُمِیَتْ بالحجارۃِ.

قولہ: مَھْزوًّا بہٖ یہ اشارہ ہے کہ ھُزُوًا مصدر بمعنی اسم مفعول ہے۔

قَوْلُہٗ: لصَرَفنا عَنْهَا یہ لَوْلَا کا جواب ہے جومحذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: مَنْ اَضَلُّ سَبِیْلًا، مَن استفہامیہ مبتداء اَضَلُّ اس کی خبراور سَبِیْلًا اس کی تمیز، یہ سب جملہ ہوکر قائم مقام **یعلمون** کے دومفعولوں کے ہے **یعلمون** کوعمل سے معلق کردیا گیا ہے تاکہ من استفہامیہ کی صدارت باطل نہ ہوجائے۔

قَوْلُہٗ: أرَأیتَ اَخبِرنِیْ مَن اتَّخَذَ اِلٰھَهٗ ھَوَاہ اہمیت کے پیش نظر مفعول ثانی کومقدم کردیا گیا ہے، اصل عبارت یہ ہے مَنْ اِتَّخَذَ ھَوَاہُ اِلٰھًا۔ کما تقولُ علمتُ منطلقاً زیدًا اصل میں تھا علمتُ زیدًا منطلقًا.

تفسیر وتشریح

اَلَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ تم دونوں ان لوگوں کے پاس جاؤ کہ جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ہے، یہاں تکذیب آیات سے کیا مراد ہے؟ ظاہر ہے کہ آیات سے تورات تو مراد ہونہیں سکتی، اس لئے کہ تورات کا نزول غرق فرعون کے بعد ہوا ہے، لہٰذا آیات سے مراد یا تو توحید کے دلائل عقلیہ ہیں جو پوری کائنات میں پھیلے ہوئے ہیں، جو ہرانسان کو اپنی عقل کے مطابق سمجھ میں آسکتے ہیں، ان میں غور نہ کرنے کو تکذیبِ آیات فرمایا، یا تکذیب سے مراد کتب سابقہ اورانبیاء سابقین کی تکذیب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا کَذَّبُوا الرُّسُلَ یہاں رُسُل سے ایک توجیہ کے اعتبار سے انبیاء سابقین مراد ہیں جوکہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے گذر چکے تھے جیسے کہ حضرت شیث علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام، اسی طرح یہاں بھی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے انبیاء کی تکذیب مراد ہے، اور تکذیب سے مراد ان پر ایمان نہ لانا ہے۔

قَوْمَ نُوحٍ لَمَّا کَذَّبُوا الرُّسُلَ قوم نوح کا بہت رسولوں کو جھٹلانے سے مراد یہ ہے کہ قوم نوح نے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصول دین مثلاً توحید، بعث بعد الموت وجزاء وسزا کی تکذیب کی اور اصول دین چونکہ تمام انبیاء کے مشترک ہیں اس لئے ایک نبی کی تکذیب تمام انبیاء کی تکذیب ہے۔

اَصْحٰبُ الرَّسِّ رسّ کچے کنوئیں کو کہتے ہیں جس کی مَن پختہ نہ بنی ہو، **اصحٰبُ الرس** کے حالات کی تفصیل نہ تو قرآن میں مذکور ہے اور نہ صحیح احادیث میں ان کا تذکرہ ہے، اسرائیلی روایات اس میں مختلف ہیں، راجح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ قوم ثمود کے کچھ باقی ماندہ لوگ تھے جو کسی کنوئیں کے اطراف میں آباد تھے اور بت پرستی کیا کرتے تھے، ان کی طرف جس نبی کو مبعوث کیا گیا تھا ان کا نام بعض حضرات نے شعیب اور بعض نے حنظلہ بن صفوان بتایا ہے، ان کے نبی نے ان کو بہت اچھی طرح قسم قسم کی مثالیں دے کر سمجھایا مگر کسی نے نہ مانا اس کے برخلاف نبی کی ایذاء رسانی پر کمربستہ ہوگئے جب یہ لوگ کسی طرح اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کا تختہ الٹ دیا اور یہ سب کے سب مع مال ودولت اور مویشیوں کے زمین میں دھنسا دیئے گئے۔

یہ اہل مکہ ملک شام آتے جاتے قوم نوح، عاد وثمود کی بستیوں کے کھنڈرات وخرابات پر ہو کر گذرتے ہیں مگر ان قوموں کے حالات سے عبرت حاصل نہیں کرتے، عبرت کہاں سے حاصل ہو؟ جبکہ عبرت کی نظر سے ان خرابات کو دیکھتے ہی نہیں ہیں اور عبرت ونصیحت کی نظر سے تو وہ شخص دیکھتا ہے جس کو مرنے کے بعد آخرت کی زندگی کا تصور ہو، جس کے نزدیک مرنے کے بعد زندہ ہونے کا تصور ہی نہ ہو اس کو عبرت کیسے حاصل ہو سکتی ہے، عبرت حاصل کرنا تو دور کی بات ہے ان کا مشغلہ یہ ہے کہ پیغمبر کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں، چنانچہ یہ لوگ آپ کو دیکھ کر استہزاء کرتے ہوئے کہتے ہیں کیا یہی بزرگ ہیں جن کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ بھلا یہ حیثیت اور منصب رسالت؟ کیا ساری خدائی میں یہی رسول بننے کے لئے رہ گئے تھے، ہاں یہ بات ضرور ہے کہ ان کی تقریر جادو کا اثر رکھتی ہے، قوت فصاحت اور زور تقریر سے رنگ تو ایسا جمایا تھا کہ قریب تھا کہ اس کی باتیں ہم کو ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر دیتیں وہ تو ہم پکے ایسے تھے کہ برابر جمے رہے اور ان کی کسی بات کا اثر قبول نہ کیا ورنہ یہ ہم سب کو بھی گمراہ کر کے چھوڑتے۔ (العیاذ باللہ)۔

عذاب الٰہی کو جب یہ اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھیں گے تب ان کو معلوم ہوگا کہ حقیقت میں کون گمراہ تھا؟ آپ ایسے ہوا پرستوں کو راہ ہدایت پر لے آنے کی کیا ذمہ داری لے سکتے ہیں جن کا معبود ہی محض خواہش ہو جدھر خواہش لے گئی ادھر منہ اٹھا کر چل دیئے جو بات خواہش کے موافق ہوئی قبول کر لی اور جو مخالف ہوئی رد کر دی آج ایک پتھر اچھا معلوم ہوا اسے پوجنے لگے، کل دوسرا اس سے خوبصورت مل گیا پہلے کو پھینک دیا اور دوسرے کے آگے سر جھکانے لگے۔

اَمْ تَحْسَبُ آپ انہیں کیسی ہی نصیحتیں سنایئے یہ تو جانور ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں انہیں سننے اور سمجھنے سے کیا واسطہ، بلکہ چوپائے تو بہر حال اپنی نگہداشت کرنے والے مالک کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں اور اپنے محسن کو پہچانتے ہیں اس کی آواز پر دھیان دیتے ہیں، لیکن ان بدبختوں کا حال یہ ہے کہ نہ اپنے خالق ومالک کا حق پہچانا اور نہ اس کے احسانات کو سمجھا، اگر ذرا بھی عقل وفہم سے کام لیتے تو اس کارخانۂ قدرت میں بے شمار نشانیاں تھیں جو نہایت واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی توحید اور تنزیہ اور اصول دین کی صداقت وحقانیت کی طرف رہبری کر رہی ہیں جن میں سے بعض نشانیوں کا ذکر آئندہ آیات میں کیا گیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ تنظُرْ **اِلٰى** فِعلِ **رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ** مِن وَقتِ الإسفَارِ الى وقتِ طُلوعِ الشمسِ **وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا** مُقِيمًا لايَزُوْلُ بطُلوعِ الشمسِ **ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ** اى الظلِّ **دَلِيْلًا** فلولا الشمسُ ماعُرف الظِلُّ **ثُمَّ قَبَضْنٰهُ** اى الظِلَّ الممدودَ **اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا** خفيا بطُلوع الشمسِ **وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا** ساترًا كاللباس **وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا** راحةً للابدانِ بقَطعِ الاعمالِ **وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا** مَنشورا فيه لِابْتِغَاءِ الرِّزقِ وغيره **وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ** وفي قراءة الريح **نُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ** اى مُتفرِّقَةً قُدامَ المطرِ وفي قِراءةٍ بسُكونِ الشِّينِ تخفيفا وفي قراءةٍ بسُكونِها وفتحِ النُّونِ مصدرًا وفي أُخرىٰ بسُكونِها وضمِّ الموحدة بَدَلَ النُّونِ اى مُبَشِّراتٍ ومُفرد الأُولى والثانية نشور كرسول والاخيرة بَشير **وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا** مُطهِّرا

لِنُحْیِیَ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا بالتخفیف یستوی فیه المُذکر والمؤنّث اَوْ ذکّرهٗ باعتبار المکان وَنُسْقِیَهٗ ای الماء مِمَّا خَلَقْنَا اَنْعَامًا اِبلا وبقرا وغنما وَّاَنَاسِیَّ كَثِیْرًا ﴿۴۹﴾ جمع انسان واَصلهٗ اَنَاسِین فأبدلت النون یاءً وأُدغمت فیها الیاءُ او جمع اِنسِی وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ ای الماء بَیْنَهُمْ لِیَذَّكَّرُوْا اَصلُه یتذکّروا اُدغِمَت التاءُ فی الذّالِ وفی قراءةٍ لیذْکروا بسکُون الذّال وضم الکافِ ای نعمةَ اللّٰهِ به فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾ جحُودًا للنِعمة حیث قالوا مُطرنا بنَوء کذا وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ نَّذِیْرًا ﴿۵۱﴾ یُخوّف اہلها ولکن بعثناك اِلٰی اَہلِ القُری کلِّها نذیرا لیَعظُم اَجرُك فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ فی ہواہم وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ ای القراٰن جِهَادًا كَبِیْرًا ﴿۵۲﴾ وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ اَرسلهما متجاوِرَین هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ شدیدُ العَذُوبة وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ شدیدُ الملوحة وَجَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا حاجزا لا یختلطُ احدُہما بالاخر وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾ ای سِترا ممنوعًا به اختلاطُهما وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا من المنی انسانا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا ذا نسب وَّصِهْرًا ذا صِہرٍ بأن یتزوجَ ذکرًا کان او انثٰی طلبًا للتناسُل وَكَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا ﴿۵۴﴾ قادرا علی مَا یَشاء وَیَعْبُدُوْنَ ای الکفارُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُهُمْ بعبادتِه وَلَا یَضُرُّهُمْ بترکِها وہو الاصْنام وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰی رَبِّهٖ ظَهِیْرًا ﴿۵۵﴾ مُعینا للشیطان بطاعتِه وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا بالجنة وَّنَذِیْرًا ﴿۵۶﴾ مخوفا من النار قُلْ مَاۤ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ ای علی تبلیغ ما اُرسلتُ بهٖ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا لکِنْ مَنْ شَآءَ اَنْ یَّتَّخِذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیْلًا ﴿۵۷﴾ طریقا بانفاقِ مالٍ فی مَرضاتِه تعالٰی فلا اَمنعُه مِن ذٰلك وَتَوَكَّلْ عَلَی الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ وَسَبِّحْ مُتلبّسا بِحَمْدِهٖ ای قل سُبحان اللّٰه والحمد للّٰهِ وَكَفٰی بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِیْرًا ﴿۵۸﴾ عالما تعلّق به بذنوب ہو اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ مِن اَیّامِ الدُّنیا ای فی قدرِہا لانّه لم یکن ثَمَّ شَمْس ولو شاء لخلَقهن فی لَمحةٍ والعُدول عنه لِتَعلیمِ خَلْقِه التَّثَبُّتَ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ہو فی اللُّغة سَریر المَلِك اَلرَّحْمٰنُ بَدلٌ من ضمیرِ استَوی ای استواءً یَلیق به فَسْئَلْ ایها الاِنْسان بِهٖ بالرحمن خَبِیْرًا ﴿۵۹﴾ یُخبرك بصفاتِه وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ لکفارِ مکة اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا بالفوقانیةِ والتحتانیة والآمِرُ محمد ولانعرفه لا وَزَادَهُمْ ہٰذا القول لہم نُفُوْرًا ﴿۶۰﴾ عن الایمان.

مع ع ۱۵ / ۱۶ السجدة ۷

ترجمہ: کیا تو اپنے رب کی صنعت کو نہیں دیکھتا وقت اسفار سے طلوع شمس کے وقت تک اگر وہ چاہتا تو اس کو ایک حالت پر ٹھہرا ہوا رکھتا، یعنی ساکن رکھتا جو طلوع شمس سے زائل نہ ہوتا پھر ہم نے سورج کو اس سایہ پر دلیل بنایا اگر سورج نہ ہوتا تو سایہ کی شناخت نہ کی جاتی پھر ہم نے اس کو یعنی پھیلے ہوئے سایہ کو اپنی طرف بتدریج سمیٹ لیا یعنی طلوع شمس کی وجہ سے شیئًا فشیئًا اور وہ ایسا ہے کہ اس نے تمہارے لئے رات کو لباس یعنی لباس کے مانند ساتر بنایا اور نیند کو قطع کرنے والی یعنی جسموں کے لئے اعمال کو موقوف کر کے راحت کی چیز بنایا اور دن کو منتشر ہونے کا وقت بنایا اس میں رزق وغیرہ حاصل کرنے

کے لئے اور وہ ایسا ہے کہ اپنی باران رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ خوش کر دیتی ہیں اور ایک قراءت میں (الریاح کے بجائے) الریح ہے یعنی بارش سے پہلے پھیلتی ہوئی (ہوائیں) اور ایک قراءت میں نُشْرًا میں شین کے سکون کے ساتھ ہے تخفیف کے لئے اور ایک قراءت میں شین کے سکون اور نون کے فتحہ کے ساتھ ہے (نَشْرًا) مصدر ہے اور دوسری قراءت میں شین کے سکون اور نون کے بجائے با کے ضمہ کے ساتھ (یعنی بُشْرًا) ہے خوشخبری دینے والی، (پہلی قراءت یعنی نُشُرًا) کا مفرد نشورٌ ہے، جیسا کہ رُسُلٌ کا واحد رَسُوْلٌ ہے (اور اسی طرح ثانی قراءت یعنی نُشْرًا) کا مفرد ہے، اور قراءت اخیرہ یعنی بُشْرًا کا واحد بشیرٌ ہے اور ہم آسمان سے پاک یعنی پاک اور پاک کرنے والا پانی برساتے ہیں تاکہ ہم اس کے ذریعہ خشک زمین کو سرسبز اور شاداب کریں مَیْتًا تخفیف کے ساتھ ہے، بَلْدَةً میں مذکر اور مؤنث دونوں برابر ہیں، یا بَلْدَةً کی صفت مَیْتًا کو اس لئے مذکر لایا گیا ہے کہ بلدة کو مکان کی تاویل میں کرلیا ہے اور ہم وہ پانی اپنی مخلوق میں سے (بہت سے) چوپایوں (مثلاً) اونٹ، گائے، اور بکریوں کو اور بہت سے انسانوں کو پلاتے ہیں، اَنَاسِیّ انسان کی جمع ہے اَنَاسِیّ کی اصل اَنَاسِین تھی نون کو یا سے بدلا اور یا کو یا میں ادغام کر دیا اَنَاسِیٌّ ہو گیا، یا پھر اَنَاسِی اِنْسِیٌّ کی جمع ہے اور ہم اس پانی کو مخلوق کے درمیان تقسیم کر دیتے ہیں تاکہ لوگ غور و فکر کریں یَذَّكَّرُوْا کی اصل یَتَذَكَّرُوْا تھی تا کو ذال میں ادغام کر دیا اور ایک قراءۃ میں لِيَذْكُرُوْا ذال کے سکون اور کاف کے ضمہ کے ساتھ ہے یعنی تاکہ بارش (پانی) کے سبب سے اللہ کی نعمتوں کو یاد کریں پھر اکثر لوگ ناشکری ہی کرتے رہے یعنی نعمت کے منکر رہے، اس طرح سے کہ وہ کہتے تھے کہ فلاں ستارے کے طلوع (یا غروب) ہونے کی وجہ سے ہم کو بارش دی گئی اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ڈرانے والا (پیغمبر) بھیج دیتے جو اس بستی والوں کو ڈراتا لیکن ہم نے آپ کو تمام بستی والوں کی جانب نذیر بنا کر بھیجا تاکہ آپ کا اجر زیادہ ہو لہٰذا آپ کافروں کا ان کی خواہشات میں اتباع نہ کریں اور آپ ان کے ساتھ قرآن کے ذریعہ پوری طاقت سے جہاد کریں اور وہ ایسا ہے کہ جس نے دو دریا ملا کر جاری کئے ہیں جن میں ایک میٹھا مزیدار یعنی نہایت شیریں ہے اور دوسرا نمکین اور کڑوا یعنی نہایت شور ہے اور ان دونوں کے درمیان ایک حجاب آڑ ہے تاکہ ایک دوسرے سے نہ مل سکے اور قوی مانع رکھ دیا یعنی ایسا مانع کہ جس کی وجہ سے ان دونوں دریاؤں کا ملنا ممنوع ہو گیا وہ ایسی ذات ہے کہ جس نے انسان کو پانی یعنی منی سے پیدا کیا پھر اس کو صاحب نسب (خونی رشتہ والا) اور صاحب صہر (سسرالی رشتوں والا) بنایا بایں طور کہ وہ افزائش نسل کے لئے نکاح کرتا ہے مذکر ہو یا مؤنث، اور تیرا پروردگار بڑی قدرت والا ہے جو وہ چاہے اس پر قادر ہے اور یہ لوگ یعنی کافر اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی بندگی کرتے ہیں کہ جو ان کی بندگی کی وجہ سے نہ ان کو نفع پہنچانے پر قادر ہیں اور نہ ترک بندگی پر نقصان پہنچانے پر قادر ہیں، اور وہ بت ہیں اور کافر تو اپنے رب کی مخالفت میں شیطان کا مددگار ہے ہی شیطان کی اطاعت کر کے اور ہم نے آپ کو صرف اس لئے بھیجا ہے کہ آپ جنت کی خوشخبری سنائیں اور نار جہنم سے ڈرائیں آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس چیز کی تبلیغ پر جس کو میں دیکر بھیجا گیا ہوں کوئی معاوضہ نہیں چاہتا مگر یہ کہ جو چاہے اپنے رب کی مرضیات میں مال خرچ کر کے اپنے رب تک (رسائی) کا

راستہ اختیار کرے تو میں اس کو اس سے منع نہیں کرتا اور آپ اس حی لا یموت پر توکل رکھئے اور اس کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کیجئے یعنی سبحان اللہ وبحمدہٖ کہئے، اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے بخوبی واقف ہے، بذنوب خبیرًا سے متعلق ہے اور وہ ایسی ذات ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں پیدا کیا دنیا کے دنوں کے حساب سے یعنی ان کی مقدار میں اس لئے کہ اس وقت سورج نہیں تھا، اور اگر وہ چاہتا تو ان کو ایک لحہ میں پیدا کر دیتا، اب رہا اپنی اس قدرت سے عدول تو یہ اپنی مخلوق کو جلدی نہ کرنے (اور نرمی) کی تعلیم کے لئے ہے پھر وہ عرش پر مستوی ہو گیا عرش لغت میں تخت شاہی کو کہتے ہیں وہ رحمٰن ہے رحمٰن، استوی کی ضمیر سے بدل ہے، اور استویٰ سے وہ استواء مراد ہے جو اس کی شایان شان ہے تو رحمٰن (کی شان) کے بارے میں کسی واقف کار سے دریافت کر وہ تجھے اس کی صفات کے بارے میں بتائے گا اور جب کفار مکہ سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں رحمٰن کیا چیز ہے؟ کیا ہم اس کو سجدہ کریں جس کو تو سجدہ کرنے کا حکم دے رہا ہے تامرنا تا اور یا دونوں کے ساتھ ہے اور فاعل محمد ہیں، حال یہ ہے کہ ہم اس (رحمٰن) کو نہیں جانتے، ہم ایسا نہیں کریں گے، اس قول نے ان کو ایمان سے اور زیادہ نفرت کرنے والا بنا دیا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اَلَمْ تَرَ، تنظر، تَنْظُر سے رویت بصری کی طرف اشارہ ہے نیز اس کی تائید الیٰ سے بھی ہو رہی ہے اس لئے کہ رویت بصری کا صلہ الیٰ آتا ہے۔

قَوْلُہٗ: اِلٰی ربكَ میں مضاف محذوف ہے اس لئے کہ ذات باری کی رویت دنیا میں ممکن نہیں ہے اس لئے تقدیر عبارت یہ ہوگی اَلَمْ تَرَ اِلٰی صنیعِ رَبّكَ اور بعض حضرات نے رویت سے رویت قلبی بھی مراد لی ہے اور اَلَمْ تَرَ معنی میں اَلَمْ تعلَمْ کے لیا ہے اور مخاطب آنحضرت ﷺ اور ہر وہ شخص ہے جو کائنات عالم میں غور و فکر کی صلاحیت رکھتا ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان آیات میں اپنے منفرد بالالوہیۃ ہونے پر پانچ دلیلیں از قبیل محسوسات بیان فرمائی ہیں ① اَلَمْ تَرَ کیفَ مَدَّ الظِّلَّ ② ھو الَّذِیْ جَعَلَ لکُمُ اللَّیل لباسًا ③ ھو الَّذِی اَرسَلَ الرِّیاحَ ④ ھو الَّذِیْ مرجَ البحرینِ ⑤ ھو الَّذِی خلقَ من الماءِ بشرًا.

قَوْلُہٗ: من وقت الاسفار الی وقت طلوعِ الشمس مفسر رَحِمَٓہُ اللہُ تَعَالٰی کے لئے زیادہ مناسب تھا کہ ای من طلوع الفجرِ الی طلوعِ الشمس کہتے اور اگر مطلق رکھتے اور کسی بھی قید کے ساتھ مقید نہ کرتے تو اور زیادہ بہتر ہوتا اس لئے کہ رات میں تو زمین کا ظل ہوتا ہے دن میں اشجار وغیرہ کا ظل ہوتا ہے، اسفار کو شاید سہانا وقت ہونے کی وجہ سے خاص کیا ہو، کَیْفَ مَدَّ الظِّلّ کی تفسیر میں مفسرین کے تین قول ہیں ① من الفجرِ الی الشمسِ ② من المغرب الی طلوعِ الشمس ③ من طلوع الشمسِ الی زوال الشمس صاحب بحر نے پہلے قول کو جمہور کا قول نقل کیا ہے، اور مفسر علام نے جو تفسیر

فرمائی ہے وہ دیگر مفسرین کے موافق نہیں ہے۔ (صاوی وجمل)

قولہ: جَعَلَ لَکُمُ اللَّیْلَ لِبَاسًا اس میں لیل کولباس سے تشبیہ دی ہے وجہ شبہ ساتر ہونا ہے حرف تشبیہ اور وجہ شبہ کو حذف کر دیا ہے اس کو تشبیہ بلیغ کہتے ہیں، جیسے زیدٌ اسدٌ میں تشبیہ بلیغ ہے۔

قولہ: بُشْرًا اس میں چند قراءتیں ہیں، مفسر علام کے سامنے قرآن کریم کا وہ نسخہ ہے کہ جس میں بُشْرًا کے بجائے نُشْرًا ہے اس میں چار قراءتیں ہیں نُشُرًا، نُشْرًا، نَشْرًا، بُشْرًا پہلی اور دوسری نَشُورٌ کی جمع ہیں جیسا کہ رَسُولٌ کی جمع رُسُلٌ اور رُسْلٌ آتی ہے اور تیسری یعنی نَشْرًا یہ مصدر ہے جس میں واحد اور جمع برابر ہیں اور چوتھی یعنی بُشْرًا بشیرٌ کی جمع ہے خوشخبری دینے والا۔

قولہ: مفرد الاولیٰ والثانیة یعنی مفسر علام کو اولی کے ساتھ والثانیة بھی کہنا چاہئے تھا اس لئے کہ پہلی اور دوسری قراءت کا واحد ایک ہی ہے اور وہ ہے نَشورٌ اور چوتھی قراءت یعنی بُشْرًا کا واحد بشیرٌ ہے۔

قولہ: مَیْتًا مَیْت اور مَیِّتٌ میں فرق یہ ہے کہ مَیْت اس کو کہتے ہیں جو مر چکا ہو اور میت اسے کہتے ہیں جو مرنے والا ہو یا مرنے کے قریب ہو۔

قولہ: یستوی فیه المذکر والمؤنث یہ اس اعتراض کا جواب ہے کہ بَلْدَةً موصوف اور مَیْتًا اس کی صفت ہے مَیْتًا کے بجائے مَیْتَةً ہونا چاہئے تھا تاکہ موصوف اور صفت میں مطابقت ہو جاتی، اس کا ایک جواب تو یہ دیا کہ مَیْت کا اطلاق مذکر اور مؤنث دونوں پر ہوتا ہے، دوسرا جواب وَذَکَّرَهٗ باعتبار المکان مفسر علام کو واو کے بجائے اَوْ کہنا چاہئے تھا تاکہ دوسرے جواب کی طرف اشارہ ہو جاتا، دوسرے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ بَلْدَةً، مکان کی تاویل میں ہے لہٰذا میتًا لانا درست ہے۔

قولہ: ونُسْقِیَه اس کا عطف نُحییٰ پر ہے۔

قولہ: اَنْعَامًا یہ نُسْقِیهٗ کا مفعول ثانی ہے اور خَلَقْنَا، اَنْعَامًا پر مقدم ہونے کی وجہ سے حال ہے ورنہ تو خَلَقْنَا اَنْعَامًا کی صفت ہے، قاعدہ ہے کہ موصوف اگر نکرہ ہو اور اس کی صفت کو مقدم کر دیا گیا ہو تو وہ حال ہو جاتی ہے۔

قولہ: اَنَاسِیَّ یہ انسانٌ کی جمع ہے یہ سیبویہ کا مذہب اور یہی راجح ہے اور بعض نے کہا ہے اِنسِیّ کی جمع ہے یہ فراء کا مذہب ہے اور یہ اعتراض سے خالی نہیں ہے اس لئے کہ اِنسِیٌّ میں یا نسبتی ہے اور جس میں یا نسبتی ہوتی ہے اس کی جمع فَعَالِیٌّ کے وزن پر نہیں آتی، جیسا کہ ابن مالک نے فرمایا وَاجْعَلْ فَعَالِیٌّ لغیرِ ذِی نَسَب.

قولہ: وَلَقَدْ صَرَّفْنَاهُ ای وَاللّٰهِ لقد صرّفناهُ ای الماء مفسر علام نے صَرَّفْنَاهُ کی ہٗ ضمیر کا مرجع ماءٌ قرار دیا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہم نے بارش کو مختلف شہروں اور علاقوں میں مقدار کے اعتبار سے تقسیم کر دیا اسی طرح صفت کے اعتبار سے بھی تقسیم کر دیا کہ بارش کہیں موسلا دھار ہوتی ہے تو کہیں ہلکی، اسی طرح مختلف اوقات میں تقسیم کر دیا، حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا سے یہی تفسیر منقول ہے، بعض حضرات نے صَرَّفْنَاهُ کی ہٗ ضمیر کا مرجع قرآن کو قرار دیا ہے اور اس کا قرینہ

جاھدھُمْ بہٖ کوقرار دیا ہے اور بعض حضرات نے المطر کو مرجع قرار دیا ہے، صاحب جلالین نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، قرآن کو مرجع قرار دینے کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے اس قرآن میں مختلف امثال وعنوان سے عمدہ عمدہ مضامین بیان کئے اور مختلف حجج وبراہین سے لوگوں کو سمجھایا تا کہ وہ غور وفکر کریں۔ (صفوة التفاسير ملخصًا)

قِوْلَہٗ: اَلنَّوْءُ اس کی جمع اَنْواء آتی ہے اس کے معنی مائل ہونے اور ساقط ہونے کے ہیں یقال نَاءَ بِہٖ الجملُ ای اَثْقلَهٗ وَاَمَالَهٗ بوجھ نے اس کو گراں بار کر دیا اور جھکا دیا زمانہ جاہلیت میں عرب کواکب کو موثر حقیقی مانتے تھے اور سردی گرمی نیز بارش وغیرہ کی نسبت بعض نجوم کے طلوع یا غروب کی طرف کرتے تھے ان کا عقیدہ تھا کہ آخر شب میں جب ایک مخصوص تارہ جانب مغرب میں غروب ہوتا ہے اور اس کے بالمقابل مشرق میں اس کا حریف طلوع ہوتا ہے تو بارش ہوتی ہے، یہ لوگ اللہ کو موثر حقیقی نہ مان کر نجوم وکواکب کو موثر حقیقی مانتے تھے اسی لئے اس کو کفران سے تعبیر کیا ہے۔ (روح البيان ملخصًا)

قِوْلَہٗ: مَرَجَ (ماضی باب نصر) مُرُوْجٌ آزاد چھوڑنا، جاری کرنا، فُرَات بہت شیریں خوش ذائقہ تسکین بخش (ک) الرَّحْمٰنُ رحمٰن کے مرفوع ہونے کی تین وجہ ہوسکتی ہیں ① اَلَّذِیْ خَلَقَ الخ مبتداء کی خبر ہو ② ھو مبتداء محذوف کی خبر ہو ③ استوٰی کی ضمیر سے بدل ہو مفسر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

قِوْلَہٗ: فأسأل بہٖ خبيرًا، بہٖ خبيرًا سے متعلق ہے، رعایت فواصل کی وجہ سے مقدم کر دیا گیا ہے ای فسأل خبيرًا بہٖ یا اسئل سے متعلق ہے ای اِسئل عنهُ خبيرًا یعنی رحمٰن کی صفات کے بارے میں عالم سے معلوم کرلے۔

قِوْلَہٗ: یُخْبِرُكَ بِصِفَاتِہٖ یہ جواب امر ہے۔

تفسیر وتشریح

اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ یہاں اللہ تعالیٰ پھر توحید کے دلائل کا آغاز فرمارہے ہیں، صبح صادق کے بعد سے طلوع شمس تک سب جگہ سایہ رہتا ہے یعنی اس وقت دھوپ نہیں ہوتی اگر حق تعالیٰ سورج کو طلوع نہ ہونے دیتا تو یہ سایہ ہی قائم رہتا، مگر اس نے اپنی قدرت سے سورج نکالا جس کی وجہ سے دھوپ پھیلنی شروع ہوئی اور سایہ بتدریج ایک طرف سمٹنے لگا اگر دھوپ نہ آتی تو ہم سایہ کو نہ سمجھ سکتے اس لئے کہ شئ اپنی ضد ہی سے پہچانی جاتی ہے اور ہمیشہ سایہ ہی قائم رہ جاتا ہے۔

وَھو الَّذی جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ الخ یعنی رات کی تاریکی چادر کی طرح سب پر محیط ہوجاتی ہے جس میں لوگ کاروبار چھوڑ کر آرام کرتے ہیں، جب دن کا اجالا ہوجاتا ہے تو لوگ نیند سے اٹھ کر ادھر ادھر چلنے پھرنے لگتے ہیں، اسی طرح موت کی نیند کے بعد قیامت کی صبح آئے گی جس میں سارا جہاں اٹھ کھڑا ہوگا، اور یہی حالت اس وقت پیش آتی ہے جب انبیاء کرام وحی والہام کی روشنی سے دنیا میں اجالا کرتے ہیں تو جہل وغفلت کی نیند میں سوئی ہوئی مخلوق ایک دم آنکھیں ملتی ہوئی اٹھ بیٹھتی ہے۔

وَھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ یعنی اول برساتی ہوائیں بارش کی خوشخبری لاتی ہیں پھر آسمان کی طرف سے پانی برستا ہے جو کہ

خود پاک اور دوسروں کو پاک کرنے والا ہے، پانی پڑتے ہی مردہ زمین میں جان پڑ جاتی ہے کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں اور کتنے جانور اور انسان بارش کا پانی پی کر سیراب ہوتے ہیں۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَاهُ بعض نے صَرَّفْنَاهُ میں ہُ ضمیر کا مرجع قرآن قرار دیا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہم نے قرآن میں عمدہ اور اعلیٰ قسم کے مضامین اور ضرب الامثال اور نصیحتیں مختلف عنوان سے بار بار بیان فرمائی ہیں تاکہ اہل عقل و دانش اس میں غور کریں اور خدا کی توحید کے قائل ہو جائیں اور بعض حضرات نے ہٗ کا مرجع بارش کو قرار دیا ہے، جیسا کہ مفسر علام کی رائے بھی یہی ہے مطلب یہ ہے کہ بارش کو ہم پھیر پھیر کر برساتے ہیں یعنی کبھی ایک علاقہ میں اور کبھی دوسرے علاقہ میں حتیٰ کہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ شہر کے ایک حصہ میں بارش ہوتی ہے اور دوسرے حصہ میں نہیں ہوتی کبھی ایک علاقہ میں زیادہ ہوئی اور دوسرے علاقہ میں کم، اور کبھی اس کا برعکس ہوتا ہے، یہ سب اس کی حکمت اور مصلحت پر مبنی ہوتا ہے اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ لوگ، اس کی وحدت اور قدرت کے قائل ہو جائیں اور اس کی نعمت کے شکر گذار ہوں، لیکن بہت سے لوگ پھر بھی نہیں سمجھتے اور نعمت الٰہی کا شکر یہ ادا نہیں کرتے، الٹے کفر اور ناشکری پر اتر آتے ہیں، مثلاً یہ کہ بارش کو مشیت الٰہی کے بجائے ستاروں کی گردش یا کسی ستارے کے غروب و طلوع کا نتیجہ قرار دیتے ہیں جیسا کہ اہل جاہلیت کیا کرتے تھے۔

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا الخ مطلب یہ ہے کہ نبی کا آنا کوئی تعجب کی بات نہیں اللہ اگر چاہے تو اب بھی نبیوں کی کثرت کر دے کہ ہر بستی میں علیحدہ علیحدہ نبی ہو مگر اس کو منظور ہی یہ ہوا کہ اب آخر میں سارے جہان کے لئے اکیلے محمد ﷺ کو نبی بنا کر بھیجے تاکہ تمام نبیوں کا اجر آپ ہی کو ملے سو آپ کافروں کی احمقانہ طعن و تشنیع اور سفیہانہ نکتہ چینیوں کی طرف التفات نہ کریں، اپنا کام پوری قوت اور تندہی سے انجام دیئے جائیں اللہ آپ کو کامیاب کرنے والا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ لفظ مَرَجَ آزاد چھوڑنے کے معنی میں آتا ہے، اسی وجہ سے مَرَج چراگاہ کو کہتے ہیں جہاں جانور آزادی سے چل پھر کر چر سکیں، عَذْبٌ میٹھے پانی کو کہتے ہیں فرات خوش ذائقہ اور خوشگوار تسکین بخش کو کہتے ہیں مِلْحٌ نمکین کو کہتے ہیں اُجَاج تیز اور تلخ کو کہتے ہیں۔

حق تعالیٰ نے اپنے فضل اور حکمت بالغہ سے دنیا میں دو قسم کے پانی پیدا فرمائے ہیں، بحر محیط جو کہ زمین کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے، زمین جو کہ کرۂ ارض کا تقریباً ایک چوتھائی حصہ ہے اور باقی تین حصہ پانی ہے بحر محیط کا پانی بتقاضائے حکمت نہایت نمکین اور بدمزہ ہے زمین کے آباد حصہ پر بارش کے پانی کے چشمے، ندیاں، نہریں اور بڑے بڑے دریا ہیں یہ سب میٹھے خوشگوار اور خوش ذائقہ ہیں انسان کو اپنے پینے اور روزمرہ کے استعمال کے لئے شیریں پانی کی ضرورت ہے، جس کو حق تعالیٰ نے زمین کے آباد حصہ میں مختلف صورتوں میں مہیا فرمایا ہے، لیکن بحر محیط کا پانی اگر شیریں ہوتا تو پوری دنیا میں تعفن پیدا ہو جاتا اور تمام جاندار تعفن اور بدبو کی وجہ سے مرجاتے، اسلئے کہ میٹھے پانی کا خاصہ ہے کہ بہت جلد سڑ جاتا ہے خصوصاً سمندر کہ جس کی مخلوق خشکی کی مخلوق سے کہیں زیادہ ہیں جو سمندر ہی میں مرتے گلتے سڑتے ہیں اور تمام روئے زمین سے بہہ کر جانے والی گندگیاں سب

سمندر میں جا کر مل جاتی ہیں اگر سمندر کا پانی میٹھا ہوتا تو دو چار روز ہی میں سڑ جاتا جس کی بدبو سے نہ صرف یہ کہ اہل زمین کو بدبو کی وجہ سے رہنا مشکل ہو جاتا بلکہ فضاء کی آلودگی کی وجہ سے کسی جاندار کا زندہ رہنا ممکن نہ ہوتا، اس لئے حکمت خداوندی نے سمندری پانی کو اتنا نمکین اور کڑوا اور تیز بنا دیا کہ دنیا بھر کی گندگیاں اس میں جا کر بھسم ہو جاتی ہیں خود اس میں رہنے والی مخلوق جو اسی میں مرتی ہیں وہ بھی سڑنے نہیں پاتیں۔

وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وہ ایسی قدرت والا ہے جس نے دو دریاؤں کو (صورۃً) ملایا جن میں ایک کا پانی نہایت شیریں تسکین بخش ہے اور دوسرے کا نمکین اور کڑوا، اختلاط صوری کے باوجود اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایک حجاب اور قوی مانع رکھ دیا ہے، ان دو دریاؤں سے وہ مواقع مراد ہیں جہاں شیریں ندیاں سمندر میں جا کر گرتی ہیں، باوجودیکہ دونوں کی اوپری سطح ایک معلوم ہوتی ہے لیکن قدرت الٰہیہ نے ان کے درمیان ایک ایسی حد فاصل رکھ دی ہے کہ ملتقی کی ایک جانب اگر پانی لیا جائے تو شیریں اور دوسری جانب جو کہ اول جانب سے بالکل قریب ہے پانی لیا جائے تو تلخ دنیا میں جہاں بھی شیریں پانی کی ندیاں سمندر میں گرتی ہیں اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ میلوں دور تک شیریں اور کھارا پانی الگ الگ چلتے ہیں ان ہی مقامات میں سے ایک مقام ارکان اور چاٹگام تک ہے وہاں پر دریا کی شان یہ ہے کہ اس کی دو جانبین بالکل الگ الگ نوعیت کے دو دریا نظر آتے ہیں، ایک کا پانی سفید ہے اور ایک کا سیاہ، سیاہ میں سمندری تلاطم اور تموج ہوتا ہے اور سفید بالکل ساکن رہتا ہے دونوں کے درمیان ایک دھاری سی برابر چلی گئی ہے جو دونوں کا ملتقی ہے۔ (معارف القرآن ملخصًا)

فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا نسب سے وہ رشتہ داریاں مراد ہیں جو باپ یا ماں کی طرف سے ہوتی ہیں اور صہر سے وہ قرابتداریاں مراد ہیں جو شادی کے بعد بیوی کی طرف سے ہوں جس کو عرف میں سسرالی رشتے کہتے ہیں۔

قُلْ مَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجیے کہ ایمان کی دعوت اور اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے کا میں تم سے کوئی صلہ نہیں چاہتا اور نہ اس میں میرا کوئی ذاتی فائدہ ہے، اگر میرا کوئی فائدہ ہے تو یہ کہ تم رب کا راستہ اختیار کر لو، اور یہ بات ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص راہ مستقیم اختیار کر لے تو یہ اسی کا فائدہ ہے، اس فائدہ کو اپنا فائدہ قرار دینا یہ پیغمبرانہ شفقت کی طرف اشارہ ہے کہ میں تمہارے فائدہ کو اپنا فائدہ سمجھ رہا ہوں، اور یہ بھی احتمال ہے اس کو اپنا فائدہ اس لحاظ سے فرمایا ہو کہ اس کا اجر آپ ﷺ کو ملے گا جیسا کہ احادیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی کو نیک کاموں کی ہدایت کرتا ہے اور وہ اس کے کہنے کے مطابق نیک عمل کرے تو اس کے عمل کا ثواب خود کرنے والے کو بھی پورا پورا ملے گا اور اتنا ہی ثواب ہدایت کرنے والے شخص کو بھی۔

(مظہری)

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ رحمٰن اور رحیم اللہ کی صفات اور اسماء حسنیٰ میں سے ہیں لیکن عرب اللہ کو ان ناموں سے نہیں جانتے تھے، جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب نبی کریم ﷺ نے معاہدہ کے آغاز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھوایا تھا تو مشرکین مکہ نے کہا تھا کہ ہم رحمٰن و رحیم کو نہیں جانتے، باسمك اللّٰهمّ لکھو۔

قال تعالیٰ تَبٰرَكَ تَعظَّمَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا اثنی عشر الحملَ ، والثورَ ، والجوزاءَ ، والسرطانَ ، والاَسدَ ، والسُّنبلةَ ، والميزانَ ، والعقربَ ، والقوسَ ، والجَدْیَ ، والدَّلْوَ ، والحوتَ ، وہی منازل الکَواکبِ السَّبْعةِ السیارۃ المرّیخ ولہ الحَمَلُ والعَقْربُ والزہرۃ ولہا الثورُ والمیزانُ وعُطاردُ ولہ الجوزاءُ والسُّنبُلةُ والقمر ولہ السرطان والشمس ولہ الاَسَدُ والمشتری ولہ القَوسُ والحُوتُ وزُحَل ولہ الجَدْیُ والدَّلوُ وَّجَعَلَ فِيْهَا ایضا سِرٰجًا ہو الشَّمسُ وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ﴿۶۱﴾ وفی قراءۃ سُرُجًا بالجمع ای نَیِّراتٍ وخُصّ القمرُ منہا بالذکرِ لنوعِ فَضِیْلَةٍ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً ای یخلِفُ کلٌّ منہما الآخر لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ بالتَّشدید والتخفیف کما تَقَدم مافاتہ فی احدِہما من خیر فیفعلُه فی الآخر اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾ ای شکرًا لنعمة ربّہ علیہ فیہما وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ مبتدأ وما بعدہ صفاتٌ لہ الی اولٰئِك یُجزون غیرَ المعترض فیہ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا ای بسَکینةٍ وتواضُعٍ وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ بما یکرہُونه قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ ای قولاً یَسلَمون فیہ من الإثم وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا جمع ساجدٍ وَّقِيَامًا ﴿۶۴﴾ بمعنی قائمین ای یُصلون باللیل وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿۶۵﴾ ای لازما اِنَّهَا سَآءَتْ بئست مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۶۶﴾ ہی ای موضعَ استقرار واقامةٍ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا علی عِیالِہم لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا بفتح اوّلہ وضمہ مع کسرۃ التاء ای یضیقوا وَكَانَ إنفاقُہم بَيْنَ ذٰلِكَ الإسْرافِ والاقتار قَوَامًا ﴿۶۷﴾ وسْطا وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ قتلَہا اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ای واحدا مِن الثَّلثة يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾ ای عقوبةً يُّضٰعَفْ وفی قراءۃ یضعّف بالتَّشدید لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ بجزم الفِعلین بدَلاً وبرفعہما اِستینافا مُهَانًا ﴿۶۹﴾ حالٌ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا منہم فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ المذکورۃَ حَسَنٰتٍ فی الآخرۃ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾ ای لم یزَل متصفا بذٰلك وَمَنْ تَابَ مِن ذُنوبہِ غیرُ من ذُکر وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾ ای یَرجع الیہ رُجوعا فیُجازیہ خیرا وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ای الکَذِبَ والباطِلَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ من الکلام القبیح وغیرہ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿۷۲﴾ معرضِیْنَ عنہُ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا وُعِظُوا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ ای القراٰن لَمْ يَخِرُّوْا یسقطوا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾ بل خروا سامعینَ ناظِرینَ مُنتَفعِین وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا بالجمع والاِفراد قُرَّةَ اَعْيُنٍ لنا بان نَراہم مُطیعین لك وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾ فی الخیرِ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ الدَّرجَة فی الجنة بِمَا صَبَرُوْا علی طاعةِ اللّٰہِ وَيُلَقَّوْنَ بالتشدید والتخفیف مع فتح الیاءِ فِيْهَا فی الغرفة تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿۷۵﴾ من الملائکة خٰلِدِيْنَ فِيْهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾ موضعَ اقامةٍ لہم واولٰئِك ومابَعدہ خبرُ عِباد الرحمٰن المبتدأ قُلْ

یا محمد لاہل مکّۃ مَا نافیۃ یَعْبَؤُا یکترث بِکُمْ رَبِّیْ لَوْلَا دُعَآؤُکُمْ ایاہ فی الشّدائد فیکشفہا فَقَدْ ای فکیف یعبؤابکم وقد کَذَّبْتُمْ الرسولَ والقراٰنَ فَسَوْفَ یَکُوْنُ العذابُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾ مُلازما لکم فی الاٰخرۃ بَعد ما یحُل بِکم فی الدُّنیا فقُتل منہم یَومَ بدرِ سبعون وجوابُ لو لا دَلَّ علیہ ما قبلَہا۔

ترجمہ: وہ ذات بڑی عالی شان ہے جس نے آسمانوں میں بارہ برج بنائے ① حَمَلْ ② ثور ③ الجوزاء ④ السرطان ⑤ الاسد ⑥ السنبلہ ⑦ المیزان ⑧ العقرب ⑨ القوس ⑩ الجدی ⑪ الدلو ⑫ الحوت یہ سبع سیارہ کی منزلیں ہیں (اور وہ سبع سیارہ یہ ہیں) ① المریخ: اس کی منزل حمل اور عقرب ہے ② زھرہ: اس کی منزل ثور اور میزان ہے ③ عطارد: اس کی منزل جوزاء اور سنبلہ ہے ④ القمر: اس کی منزل سرطان ہے ⑤ الشمس: اس کی منزل اسد ہے ⑥ المشتری: اس کی منزل قوس اور حوت ہیں ⑦ زحل: اس کی منزل جدی اور دلو ہے، اور اس نے آسمان میں چراغ بھی بنایا اور وہ سورج ہے اور نورانی چاند بنایا اور ایک قراءت میں سُرُجًا جمع کے صیغہ کے ساتھ ہے یعنی روشن کواکب بنائے اور کواکب میں سے خصوصیت کے ساتھ قمر کا ذکر ایک قسم کی فضیلت کی وجہ سے ہے اور وہ ایسی ذات ہے کہ جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والا بنایا یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے پیچھے آتا ہے اس شخص کے لئے جو سمجھنا چاہے اس (کار) خیر کو جو اس سے ان دونوں (رات ودن) میں سے کسی میں فوت ہوگیا ہو تو اس کار خیر کو دوسرے میں کرلے، اور شکر کرنا چاہے یَذَّکَّرُ تشدید اور تخفیف دونوں کے ساتھ ہے جیسا کہ ماسبق میں گذر چکا ہے یعنی اپنے اوپر لیل ونہار میں اپنے رب کی نعمتوں کا شکر کرنا چاہئے، عِبَادُ الرحمن مبتداء ہے اور اس کا مابعد جملہ معترضہ کے علاوہ اس کی صفات ہیں اُولٰئِكَ یُجْزَوْنَ تک (یعنی یجزون کے ماقبل تک) اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی یعنی سکون اور تواضع کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے ایسی بات کے ساتھ مخاطب ہوتے ہیں کہ جس کو وہ ناپسند کرتے ہیں تو وہ صاحب سلام کہہ دیتے ہیں یعنی ایسی بات کہہ دیتے ہیں جس میں وہ گناہ سے محفوظ رہتے ہیں اور جو راتوں کو اپنے رب کے سامنے سجدے اور قیام میں لگے رہتے ہیں سُجَّدًا ساجِدٌ کی جمع ہے اور قِیَامًا قائمینَ کے معنی میں ہے یعنی رات کو نماز پڑھتے ہیں اور جو اپنے رب سے یہ دعا کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار تو ہم سے جہنم کے عذاب کو دور رکھنا کیونکہ اس کا عذاب چمٹ کر رہ جانے والا ہے یعنی لازم ہو جانے والا ہے بے شک وہ ٹھہرنے اور رہنے کے لحاظ سے بدترین جگہ ہے یعنی استقرار اور اقامت کے لئے نہایت بری جگہ ہے اور جب وہ اپنے عیال پر خرچ کرتے ہیں تو اسراف نہیں کرتے اور نہ تنگی کرتے ہیں یَقْتُرُوْا یا کے فتحہ کے ساتھ (مع تا کے کسرہ کے) اور ضمہ یا کے ساتھ (مع کسرۂ تا) لم یقتروا ای لم

یُضَیِّقُوا اوران کا خرچ کرنا اسراف اور تنگی کے درمیان اعتدال کے ساتھ ہوتا ہے اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی بندگی نہیں کرتے اور جس نفس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے ہاں مگر حق کے ساتھ، اور وہ زنا کے مرتکب نہیں ہوتے اور جو کوئی (مذکورہ تینوں کاموں میں سے ایک کام بھی کرے گا) تو اس کو سزا سے سابقہ پڑے گا اَثَامًا ای عقوبتہ اور اس کو قیامت کے دن دوہرا عذاب دیا جائے گا اور وہ ذلت وخواری کے ساتھ ہمیشہ اس میں رہے گا اور ایک قراءت میں یُضَعَّفُ تشدید کے ساتھ ہے دونوں فعل (یعنی یُضٰعَفُ اور یَخْلُدُ) مجزوم ہیں (یَلْقَ سے بدل الاشتمال) واقع ہونے کی وجہ سے اور (مذکورہ دونوں فعل) رفع کے ساتھ بھی ہیں استیناف کی وجہ سے مُهَانًا یَخْلُدُ کی ضمیر سے حال ہے مگر ان میں سے جو توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے مذکورہ گناہوں کو آخرت میں نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے یعنی اس صفت کے ساتھ ہمیشہ متصف ہے اور جو شخص یہ شخص اس کے علاوہ ہے جس کا ذکر اَمَّا مَنْ تَابَ و آمَنَ میں ہوا ہے، تو بہ کرتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے تو ایسا شخص (حقیقت میں) اللہ کی طرف سچا رجوع کرتا ہے یعنی صحیح معنی میں رجوع کرتا ہے تو ایسے شخص کو (اللہ تعالیٰ) بہتر جزاء عطا فرمائیں گے اور وہ بیہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے (دوسرا ترجمہ) (اور وہ جھوٹی اور باطل گواہی نہیں دیتے) اور جب لغو چیزوں یعنی بیہودہ کلام وغیرہ پر ان کا گذر ہوتا ہے تو شرافت سے گذر جاتے ہیں یعنی (بے توجہی کیساتھ) اس سے اعراض کرتے ہوئے گذر جاتے ہیں اور وہ ایسے ہیں کہ جب ان کو اللہ کی آیتوں یعنی قرآن کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے تو ان پر سے بہروں اور اندھوں کی طرح نہیں گزرتے بلکہ بگوش قبول سنتے ہوئے اور بچشم عبرت دیکھتے ہوئے استفادہ کرتے ہوئے گذرتے ہیں، اور وہ ایسے ہیں کہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیبیوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما ذُرِّیَّاتِنَا جمع اور افراد کے ساتھ ہے، بایں طور کہ ہم ان کو تیرا فرمانبردار دیکھیں اور ہم کو متقیوں کا خیر میں پیشوا بنا ایسے ہی لوگوں کو جنت میں بلند بالاخانے عطا کئے جائیں گے ان کے اللہ کی طاعت پر ثابت قدم رہنے کی وجہ سے جہاں ان کو ملائکہ کی طرف سے (دائمی) بقا کی (خوشخبری) اور سلامتی کی دعا دی جائے گی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے وہ بہت ہی اچھی جگہ اور عمدہ مقام ہے یعنی ان کی قیام گاہ ہے اور اُولٰئِكَ اور اس کا مابعد عباد الرحمن مبتداء کی خبر ہے اے محمد ﷺ آپ اہل مکہ سے کہہ دیجئے میرا رب تمہاری کوئی پرواہ نہ کرے گا اگر تم اس کو مصائب میں نہ پکارو گے کہ وہ ان کو زائل کر دے یعنی کیسے تمہاری پرواہ کرے گا تم تو رسول اور قرآن کو جھٹلا چکے ہو، عنقریب عذاب تم سے چسپاں ہو کر رہے گا (یعنی) دنیا میں تم پر عذاب نازل ہونے کے علاوہ آخرت میں تم پر عذاب لازم ہو کر رہے گا، چنانچہ ان میں سے یوم بدر میں ستر قتل کئے گئے، لَوْلَا کا جواب (محذوف ہے) جس پر لولا کا ماقبل (یعنی مایَعْبَؤُا بکم) دلالت کر رہا ہے (تقدیر عبارت یہ ہوگی لَوْلَا دعاؤکُمْ مَا یَعْبَؤُا بِکُمْ رَبِّی.

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: بُرُوْجًا یہ برج کی جمع ہے منزل کو کہتے ہیں، سات سیاروں کی بارہ منزلیں ہیں، سات سیاروں میں سے پانچ کی دو دو منزلیں ہیں اس طرح پانچ سیاروں نے دس منزلیں لے لیں باقی سیاروں یعنی شمس اور قمر نے ایک ایک منزل لے لی اس طرح سات سیاروں پر بارہ منزلیں تقسیم ہوگئیں، زحل ساتویں آسمان پر ہے اور مشتری چھٹے پر اور مریخ پانچویں پر اور شمس چوتھے پر اور زہرہ تیسرے پر اور عطارد دوسرے پر، اور قمر پہلے آسمان پر ہے، مفسر علام نے سبع سیارات کی جو ترتیب بیان کی ہے قدیم علم ہیئت کے معلم اول ارسطو کے نزدیک عالم کا مرکز زمین ہے سیارات وثوابت بلکہ سارا جہان اس کے گرد گھوم رہا ہے، اکثر قدما نے اس کی تقلید کی بطلیموس اسی کا سرخیل ہے یہ رائے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال تک مسلم رہی۔

جدید علم ہیئت کا بانی مشہور فلکی کوپرنیکس پولنڈی م۱۴۷۲ء و۱۵۴۳ء سمجھا جاتا ہے، مشہور ہے کہ یہ پہلا شخص ہے جس نے مرکزیت آفتاب کا نظریہ پیش کیا۔　　(بحوالہ فلکیات جدیدہ ص ۲۵)

نقشہ
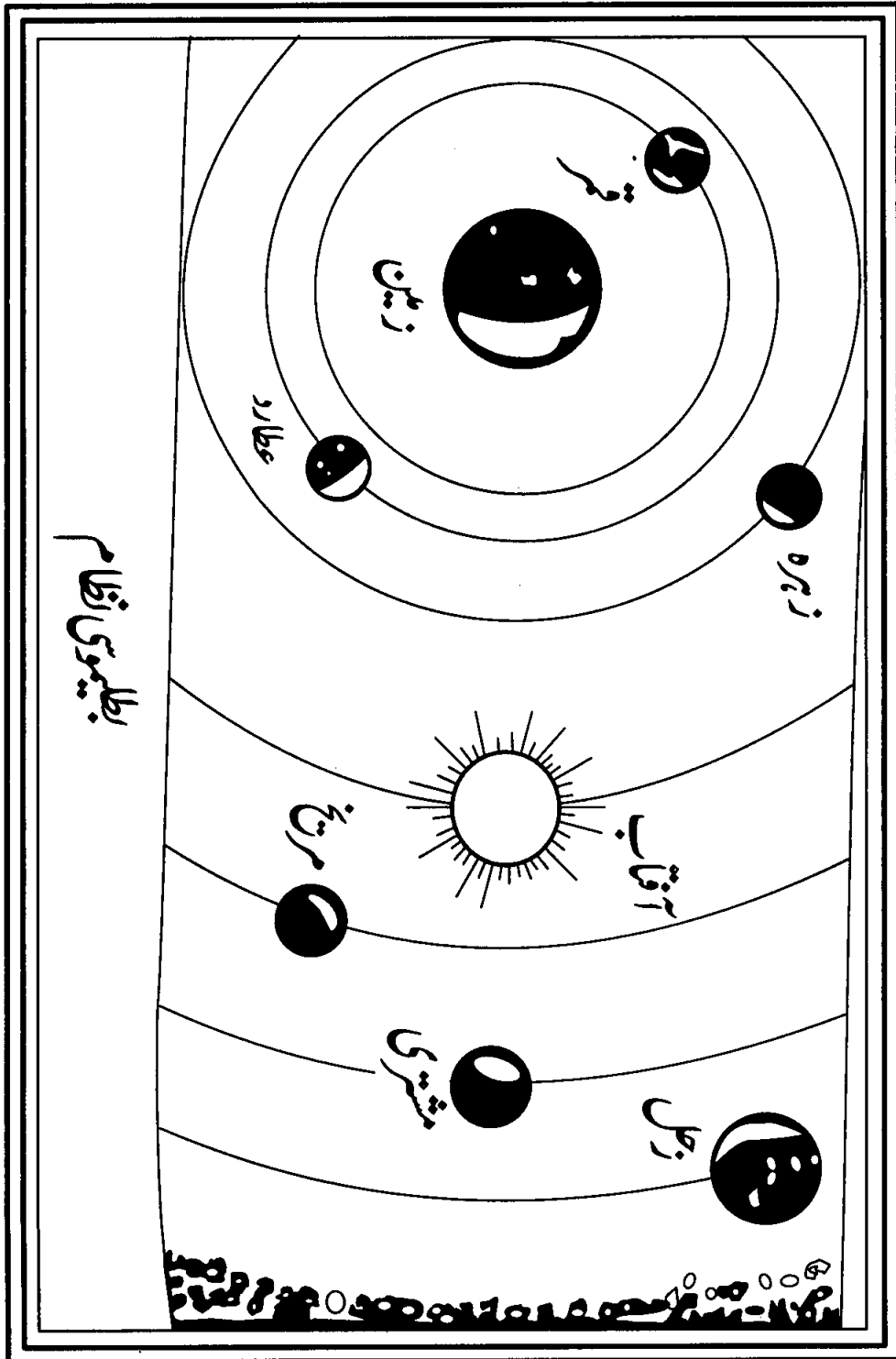
نظریہ کوپرنیکس کے بنیادی اصول دو ہیں:

اول: کواکب عالم کی روزانہ کی گردش کی اصلی وجہ اپنے محور کے گرد اگرد زمین کی روزانہ گردش ہے۔

دوم: تمام سیارے سورج کے گرد گھومتے ہیں، زمین بھی ان میں سے ایک سیارہ ہے، نظام کوپرنیکی میں سیاروں کی ترتیب مرکز ''آفتاب'' سے شروع ہو کر یہ ہے۔

① عطارد ② زہرہ ③ ارض ④ مریخ ⑤ مشتری ⑥ زحل ⑦ یورینس ⑧ نیپچون ⑨ پلوٹو۔ (بحواله فلکیات جدیده، ص۲٦)

قِوْلَہٗ: وجَعَلَ فیھا ای فی السماء سماء سے اصطلاحی سماء مراد نہیں ہے بلکہ جانب فوق مراد ہے کل ما هو فوق رأسكَ فهو السماء سیارات فضاء میں معلق ہیں آسمان میں پیوست نہیں ہیں، سیارات سبعہ کا جو سات آسمانوں میں ہونا بتایا گیا ہے یہ ان کی حرکت دوری کی منزلیں ہیں ان ہی کو بروج بھی کہا جاتا ہے، مثلاً قمر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ پہلے آسمان پر ہے اور عطارد دوسرے آسمان پر ہے زہرہ تیسرے آسمان پر ہے اور شمس چوتھے آسمان پر ہے علی هٰذا القیاس جَعَلَ فیهَا میں فیھا کی ضمیر کو اگر بروج کی طرف لوٹایا جائے تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے جیسا کہ محشی کی بھی یہی رائے ہے، اگر سماء سے سماء اصطلاحی حقیقی مراد لیا جائے تو بہت سے اعتراضات ہو سکتے ہیں، پھر اس کے بعد قمرًا کا سُرُجًا پر عطف کیا، یہ عطف الشئ علی نفسهٖ کے قبیل سے کہلائے گا جو کہ درست نہیں ہے وَخُصَّ القمر الخ سے اسی اعتراض کا جواب ہے، عرب کے نزدیک چونکہ قمر کی ایک اہمیت اور فضیلت اس لئے ہے کہ ان کے یہاں سال کا حساب قمری مہینوں ہی سے ہوتا ہے نیز اس کے علاوہ بعض عبادتوں کا دارومدار بھی قمری مہینوں پر ہے اس لئے تخصیص بعد التعمیم کے قبیل سے قمر کا خاص طور پر ذکر کیا ہے، جیسا کہ حافظوا علی الصلوٰات والصَّلوٰةِ الوُسطٰی میں ہے۔

قِوْلَہٗ: وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً، خِلْفَةً مصدر ہے، بیان نوع کے لئے جیسے جِلْسَةً یعنی خاص نوعیت سے یکے بعد دیگرے آنا بایں طور کہ ایک دوسرے کے قائم مقام ہو جائے خِلفَةً نہ تو جَعَلَ کا مفعول ثانی ہو سکتا ہے اگر جَعَلَ بمعنی صَیَّرَ لیا جائے اور نہ جَعَلَ کے مفعول سے حال واقع ہو سکتا ہے اگر جَعَلَ بمعنی خَلَقَ لیا جائے، حالانکہ خِلفة کا مفعول یا حال ہونا ضروری ہے ورنہ تو معنی درست نہ ہوں گے، لہٰذا خلفة سے پہلے مضاف محذوف ماننا ضروری ہوگا، ای ذو خِلفة اس صورت میں مصدر بمعنی اسم فاعل ہو جائے گا، خلفة بمعنی خلیفة ہو کر معنی درست ہو جائیں گے، ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ قاموس میں ہے کہ خِلْفة بمعنی مختلفةً ہے اس صورت میں مضاف محذوف ماننے کی ضرورت نہ ہوگی اور معنی ہوں گے جَعَلَهُما مُخْتَلِفَیْنِ اب رہا یہ سوال کہ خِلفةً جب مختلفین تثنیہ کے معنی میں ہے تو خِلفة کو واحد کیوں لایا گیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ خلفة چونکہ مصدر کا ہم وزن ہے اور

مصدر میں واحد تثنیہ جمع سب برابر ہوتا ہے، اس لئے خلفة کو واحد لایا گیا ہے، اسی جواب کی طرف مفسر علام نے یَخْلُفُ کلٌّ مِنهما الآخر سے اشارہ کیا ہے۔

قِوْلَہُ: مَا فَاتَهُ، يَذَّكَّرَ کا مفعول محذوف ہے جس کو مفسر رَحِمَٙہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے ظاہر کر دیا ہے۔

قِوْلَہُ: اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا میں اَوْ تقسیم وتنویع کے لئے ہے نہ کہ تخییر کے لئے یعنی مانعۃ الخلو مراد ہے، جس میں دونوں جمع بھی ہو سکتے ہیں شُكورًا مصدر ہے بمعنی شكرًا.

قِوْلَہُ: عِبَادُ الرحمٰن یہ جملہ مستانفہ ہے مخلص اور برگزیدہ بندوں کے اوصاف بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے، عباد الرحمٰن مبتداء موصوف ہے اور موصولات ثمانیہ جن میں پہلا الذین یمشون ہے اور آخری والذین یقولون ہے یہ تمام موصولات اپنے صلات سے ملکر مبتداء موصوف کی صفت ہے اور اُولٰٓئِكَ يجزَون الخ مبتداء کی خبر ہے، مبتداء اور خبر کے درمیان تین آیتیں جملہ معترضہ ہیں وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا سے مُقَامًا تک هَوْنًا یہ هانَ کا مصدر ہے نرمی کرنا، سکینت اور وقار کے ساتھ چلنا۔

قِوْلَہُ: سُجّدًا، یبیتون کی ضمیر سے حال ہے اور لِرَبِّهِمْ سُجّدًا کے متعلق ہے، سُجّدًا کو قیاماً پر فواصل کی رعایت کی وجہ سے مقدم کر دیا گیا ہے۔

قِوْلَہُ: وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا (الآية) یعنی خالق اور مخلوق کے ساتھ حسن معاملہ کے باوجود وہ اللہ کے عذاب سے خوف زدہ رہتے ہیں اپنے اعمال پر اعتماد اور بھروسہ کر کے بے خوف نہیں ہو جاتے اور یوں دعا کرتے رہتے ہیں رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا. (الآية)

قِوْلَہُ: اِنَّ عذابَهَا كَانَ غرَامًا اور سَاءَتْ مستقرًا ومقامًا یہ دونوں رَبَّنَا اصرِفْ عَنَّا (الآية) کی علت ہیں۔

قِوْلَہُ: سَاءَتْ، بئسَتْ ساءَتْ کی تفسیر بئسَتْ سے کرنے کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ساءَت افعال ذم میں سے ہے اس کا فاعل اس میں ضمیر مستتر مبہم ہے اور مستقرًا اس کی تمیز ہے جو ضمیر مبہم کی تفسیر کر رہی ہے اور مخصوص بالذم محذوف ہے اور وہ هِیَ ہے جس کو شارح نے ظاہر کر دیا ہے بعض حضرات نے سَاءَتْ بمعنی اَحْزَنَتْ لیا ہے، اس وقت یہ افعال متصرفہ میں سے ہوگا اور مفعول کو نصب کرے گا جو کہ یہاں محذوف ہے، اور وہ اَصْحَابَهَا یا دَاخِلِيْهَا ہے، اور تقدیر عبارت یہ ہوگی اِنَّهَا (ای جهنم) اَحْزَنَتْ اَصْحَابَهَا وَدَاخِلِيْهَا اور مستقرًا تمیز یا حال واقع ہو سکتا ہے قول اول کو ترجیح دینے کے لئے مفسر علام نے ساءت کی تفسیر بئست سے کر دی تاکہ اشارہ ہو جائے کہ ساءَتْ اَحْزَنَتْ کے معنی میں نہیں ہے، مفسر علام کے نزدیک مستقر اور مقام دونوں ایک ہی چیز ہیں، بعض مفسرین نے دونوں میں فرق کیا ہے، مستقر عصاة مومنین کے لئے ہے یعنی دائمی نہیں ہے مقامًا کافروں کے لئے ہے جو کہ دائمی ہے۔

قِوْلَہُ: يَقتُروا یا کے فتحہ وکسرة التاء ای يقتِرُوْا اور ضمہ یا اور کسرہ تا کے ساتھ ای يُقتِرُوْا اور فتحہ یا اور ضمہ تا کے ساتھ کوفیین کے نزدیک ای يَقْتُرُوْا يقال قَتَرَ علٰی عيالِه ای ضَيَّقَ عَلَيْهم فی النفقة. (بابہ ضرب ونصر)

قَوْلُہٗ: والذین لا یدعون مع اللّٰہِ الخ بیان اطاعت کے بعد اجتناب عن المعصیۃ کو بیان فرمایا یُضٰعَفْ اور یَخْلُدْ دونوں فعل یَلْقَ سے بدل اشتمال واقع ہونے کی وجہ سے مجزوم ہیں، اور جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے ان کو مرفوع بھی پڑھا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: اِلَّا مَنْ تَابَ، یَلْقَ کی ضمیر مستتر سے مستثنیٰ متصل ہے اَیْ اِلَّا مَنْ تَابَ فَلا یَلْقَ اَثَامًا بعض حضرات نے مستثنیٰ متصل بھی قرار دیا ہے، مگر ابوحیان نے کہا ہے کہ مستثنیٰ متصل درست نہیں ہے، اس لئے کہ مستثنیٰ منہ پر مضاعف کا حکم لگایا گیا ہے تو اس صورت میں تقدیر یہ ہوگی اِلَّا مَنْ تَابَ وآمَنَ وعمِلَ عملاً صالحًا فلا یُضاعف لہ العذاب اور عذاب مضاعف کے انتفاء سے عذاب غیر مضاعف کا انتفاء لازم نہیں آتا لہٰذا مستثنیٰ منقطع اولیٰ ہے اور الا بمعنی لکن ہے۔ (فتح القدیر)

قَوْلُہٗ: مُهَانًا یخلد کی ضمیر سے حال ہے بعض حضرات نے وَمَنْ تابَ وعمِلَ صالحًا فانہٗ یتوبُ الی اللّٰہِ متابًا اتحاد شرط و جزاء کا شبہ کیا ہے جو کہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ مَنْ تابَ فانہٗ یتوبُ نہیں کہا جاتا، بعض حضرات نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ شرط سے زبانی توبہ مراد ہے اور جزاء عمل کے ساتھ مؤکد توبہ مراد ہے اسی وجہ سے جزاء کو مصدر متابا سے مؤکد کیا ہے اور آیت کے معنی یہ بتائے ہیں من اراد التوبۃ وعزم علیھا فلیتب الی اللّٰہ خبر بمعنی امر ہے۔

(فتح القدیر، شوکانی)

قَوْلُہٗ: غیرُ مَنْ ذُکِرَ سے اشارہ ہے کہ عطف مغایرت کے لئے ہے یعنی پہلی آیت میں مَنْ تابَ سے مراد کافر ہیں اور دوسری میں مومن اور بعض حضرات نے تخصیص بعد التعمیم کے قبیل سے قرار دیا ہے۔

قَوْلُہٗ: لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ اگر لَا یَشْهَدُوْنَ لایَحضرُوْن کے معنی میں ہو جیسا کہ مفسر علام نے اسی معنی میں لیا ہے تو زُوْرَ مفعول بہ ہوگا اور اگر یَشْهَدُوْنَ شہادت کے معنی میں ہو تو زور بنزع الخافض منصوب ہوگا، ای لَا یَشْهَدُوْنَ بِالزُّوْرِ.

قَوْلُہٗ: قُرَّةَ اَعْیُنٍ، قرۃ العین سُرُوْرُهَا قرۃُ العین سے مراد اہل وعیال کی نیکی اور فرمانبرداری کو دیکھ کر خوشی اور مسرت کا حاصل ہونا ہے، اسی کو آنکھوں کی ٹھنڈک سے تعبیر کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: وَاجْعلنا للمتقین اِمَامًا، امام مفرد اور جمع سب کے لئے بولا جاتا ہے اس لئے اِجْعَلْنَا کی جمع متکلم کی ضمیر کے لئے امامًا مفرد لانا صحیح ہے۔

قَوْلُہٗ: اُولٰٓئِكَ یُجْزَوْنَ، اُولٰٓئِكَ سے ان عباد الرحمٰن کی طرف اشارہ ہے جو موصولات ثمانیہ کے تحت آنے والی صفات سے متصف ہوں الغرفۃ اسم جنس ہے اس سے مراد غرفات ہیں۔

قَوْلُہٗ: اُولٰٓئِكَ یُجْزَوْنَ اور اس کا مابعد عِبادُ الرحمن مبتداء کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: لَوْ لَا دُعَاءُ کُمْ، لَوْلَا کا جواب محذوف ہے اور ماقبل لَوْلا محذوف جواب پر دلالت کر رہا ہے ای لو لا دعاؤکم مَا یَعْبَؤا بکم.

تفسیر و تشریح

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَاءِ بُرُوْجًا، بُرُوْجٌ بُرْجٌ کی جمع ہے، سلف کی تفسیر میں بروج سے بڑے بڑے ستارے مراد لئے گئے ہیں، اور اس مراد پر کلام کا نظم واضح ہے کہ بابرکت ہے وہ ذات کہ جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے اور سورج اور چاند بنائے اور بعد کے مفسرین نے بروج سے اہل نجوم کے مصطلحہ بروج مراد لئے ہیں، اور یہ بارہ برج ہیں اور یہ سات بڑے بڑے سیاروں کی منزلیں یعنی ان کے مدار ہیں۔ (تفصیل تحقیق وترکیب کے زیر عنوان گذر چکی ہے)۔

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً رات اور دن آپس میں ایک دوسرے کے خلیفہ ہیں یعنی رات جاتی ہے تو دن آتا ہے اور جب دن آتا ہے تو رات چلی جاتی ہے، دونوں بیک وقت جمع نہیں ہوتے، اس کے فوائد ومصالح محتاج وضاحت نہیں۔ حیوانات اور نباتات کی بقا اسی آمد ورفت پر موقوف ہے، بعض حضرات نے خلفۃً کے معنی مخالف کے کئے ہیں یعنی رات تاریک ہے اور دن روشن۔

لِمَنْ اَرَادَ یہ جَعَلَ کے متعلق ہے اَنْ یَتَذَکَّرَ ایک مطلب تو یہ ہے کہ یہ لیل ونہار کا اختلاف اور یہ گردش ایام اس شخص کے لئے سامان عبرت ونصیحت ہیں ان میں غور وفکر کرنا چاہئے ورنہ تو یہ پورا کارخانۂ قدرت اس کے لئے بازیچۂ اطفال ہے، دوسرا مطلب جو مفسر علام نے اختیار کیا وہ یہ ہے کہ لیل ونہار کے اختلاف کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کام کو ایک رات یا دن میں کرنا بھول جائے یا کسی وجہ سے نہ کر سکے تو اس فوت شدہ کو دوسرے وقت میں پورا کر سکے، مفسر کے قول مافاته کا تعلق یتذکر سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی مخصوص صفات:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے مخصوص اور مقبول بندوں کی تیرہ صفات وعلامات کا ذکر آیا ہے جن میں عقائد کی درستی اور اپنے ذاتی اعمال میں خواہ وہ بدن سے متعلق ہوں یا مال سے سب میں اللہ کے اور اس کے رسول کے احکام اور مرضی کی پابندی، دوسرے انسانوں کے ساتھ معاشرت اور تعلقات کی نوعیت رات دن کی عبادت گذاری کے ساتھ خوف خدا، تمام گناہوں سے بچنے کا اہتمام اور اپنے ساتھ اولاد وازواج کی اصلاح کی فکر وغیرہ شامل ہیں۔

پہلا وصف:

عبد ہونا ہے۔ عبد کا ترجمہ ہے بندہ جو اپنے آقا کا مملوک ہو، اس کا وجود اور اس کے تمام اختیارات واعمال آقا کے حکم ومرضی پر دائر ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا بندہ کہلانے کا درحقیقت وہی شخص مستحق ہو سکتا ہے جو اپنے عقائد وخیالات کو اور اپنے ہر ارادہ اور خواہش کو اور اپنی ہر حرکت اور سکون کو اپنے رب کے حکم اور مرضی کے تابع رکھے، ہر وقت گوش برآواز رہے کہ جس کام کا حکم ہو بجالاؤں۔

دوسرا وصف:

یمشون علی الارض ھونًا ہے یعنی وہ زمین پر تواضع کے ساتھ چلتے ہیں یعنی سکونت اور وقار کے ساتھ چلتے ہیں، یعنی ان کی رفتار سے بھی بندگی ٹپکتی ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ اکڑ کر متکبرانہ انداز سے نہیں چلتے، بہت آہستہ چلنا اور بلا ضرورت تکلف کے ساتھ چلنا خلاف سنت ہے شمائل نبویہ میں منقول ہے کہ آپ کا چلنا بہت آسان نہیں ہوتا تھا بلکہ قدرے تیزی کے ساتھ ہوتا تھا۔

تیسرا وصف:

واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلامًا یعنی جب جہالت والے ان سے خطاب کرتے ہیں تو وہ صاحب سلام کہہ دیتے ہیں یہاں سلام سے عرفی سلام مراد نہیں ہے بلکہ ایسی بات جس سے فتنہ برپا نہ ہو، قرطبی نے نحاس سے نقل کیا ہے کہ اس جگہ سلام تسلیم سے مشتق نہیں ہے بلکہ تسلُّم سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں سلامت رہنا، حاصل یہ ہے کہ بے وقوف اور جاہلانہ باتیں کرنے والوں سے یہ لوگ انتقامی معاملہ نہیں کرتے بلکہ ان سے امن اور سلامتی کی بات کرکے درگذر کرتے ہیں۔

چوتھا وصف:

والذین یبیتون لربھم سجّداً وقیاماً یعنی ان کی رات کا اکثر حصہ عبادت گذاری میں گذرتا ہے یعنی اللہ کے دیگر بندے جس وقت خواب غفلت میں محو ہوتے ہیں اللہ کے یہ مخصوص بندے جبین نیاز زمین پر رکھ کر سجدہ ریز ہوتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ان کے لیل ونہار خدا کی بندگی میں گذرتے ہیں۔

پانچواں وصف:

والذین یقولون ربّنا اصرف عنا عذاب جھنم انّ عذابھا کان غرامًا یعنی یہ مقبولین بارگاہ شب وروز عبادت میں مصروف رہنے کے باوجود بے خوف ہو کر نہیں بیٹھتے بلکہ ہر وقت خدا کا خوف اور آخرت کی فکر رکھتے ہیں جس کے لئے عمل کی کوشش بھی جاری رہتی ہے اور اللہ سے دعا بھی۔

چھٹا وصف:

وَالذین اذا انفقوا یعنی اللہ کے مقبول بندے مال خرچ کرنے کے وقت نہ اسراف اور فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخل وکوتاہی بلکہ اعتدال پر قائم رہتے ہیں آیت میں ''اسراف'' اور اس کے بالمقابل ''اقتار'' کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، اسراف

کے لغوی معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں اور اصطلاح شرع میں حضرت ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور ابن جریج رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک اللہ کی معصیت میں خرچ کرنا اسراف ہے اگرچہ ایک پیسہ ہی کیوں نہ ہو، اور بعض حضرات نے فرمایا جائز اور مباح کاموں میں ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا کہ جو تبذیر یعنی فضول خرچی کے حکم میں داخل ہو جائے وہ بھی اسراف کے حکم میں ہے۔

اور اقتار کے معنی خرچ میں تنگی اور بخل کرنے کے ہیں اور اصطلاح شرع میں اس کے معنی یہ ہیں کہ جن کاموں میں اللہ اور اس کے رسول نے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے ان میں خرچ کرنے میں تنگی برتنا یہ تفسیر حضرت ابن عباس اور قتادہ وغیرہ سے منقول ہے۔ (مظہری) اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے مِن فقهِ الرجلِ قصدهُ فی معیشتهٖ یعنی انسان کی دانشمندی کی علامت یہ ہے کہ خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرے نہ اسراف میں مبتلا ہو اور نہ بخل میں۔

(رواه الامام احمد عن ابی الدرداء، ابن کثیر)

ایک دوسری حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا مَا عَالَ مَنْ اقتصَدَ یعنی جو شخص خرچ میں میانہ روی اور اعتدال پر قائم رہتا ہے وہ کبھی فقیر و محتاج نہیں ہوتا۔ (رواه احمد، ابن کثیر)

ساتواں وصف:

والذین لایدعون مع اللّٰه الخ پہلی چھ صفات میں اطاعت و فرمانبرداری کے اصول بیان کئے گئے ہیں، اب معصیت اور نافرمانی سے اجتناب کے اصول کو بیان فرمایا ہے، جن میں پہلی چیز عقیدہ سے متعلق ہے کہ یہ لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور کو عبادت میں شریک نہیں کرتے۔

آٹھواں اور نواں وصف:

لا یقتلون النفس الخ یہ عملی گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ ہے یعنی اللہ کے نیک بندے گناہ کبیرہ کے پاس تک نہیں جاتے کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے، زنا کا ارتکاب نہیں کرتے، آگے فرمایا جو شخص ان گناہوں کا مرتکب ہوگا وہ اس کی سزا پائے گا ابوعبیدہ نے اس جگہ لفظ ''اثام'' کی تفسیر سزائے گناہ سے کی ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اثام جہنم کی ایک وادی ہے جو نہایت شدید عذابوں سے پُر ہے آگے اس عذاب کا بیان ہے جو جرائم مذکورہ کے کرنے والوں پر ہوگا، آیات کے سیاق و سباق سے یہ بات متعین ہے کہ یہ عذاب ان کفار کے لئے مخصوص ہے کہ جنہوں نے شرک و کفر بھی کیا اور قتل و زنا کے مرتکب بھی ہوئے، مگر وہ لوگ کہ جنہوں نے سچی توبہ کر لی اور اعمال صالحہ اختیار کئے ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا، اس سے معلوم ہوا کہ سچی توبہ سے ہر قسم کا گناہ معاف ہو سکتا ہے اور سورۂ نساء کی آیت ۹۳ میں جو مومن کے قتل کی سزا جہنم بتلائی گئی ہے وہ اس صورت پر محمول ہوگی جب قاتل نے توبہ نہ کی ہو یا حلال سمجھ کر قتل کیا ہو، ورنہ تو حدیث میں آتا ہے کہ سو آدمیوں کے قاتل نے بھی خالص توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرما دیا۔ (صحیح مسلم، کتاب التوبه)

سیئات کو حسنات سے بدلنے کا مطلب:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حسن بصری، سعید بن جبیر، مجاہد رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ ائمہ تفسیر سے یہ مطلب مروی ہے کہ اگر وہ توبہ کرلیں اور نیک عمل کرنے لگیں تو اللہ تعالیٰ ان کے سیئات کو حسنات سے تبدیل کردیں گے، بایں طور کہ توبہ کے بعد ان کے اعمال نامہ میں صرف حسنات ہی حسنات رہ جائیں گی، کیونکہ شرک و کفر سے توبہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ یہ ہے کہ بحالت شرک وکفر جتنے گناہ کئے ہوں ایمان قبول کرنے کے بعد پچھلے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور ان معاصی اور سیئات کی جگہ اعمال صالحہ اور حسنات نے لے لی۔

ابن کثیر نے اس کی ایک دوسری تفسیر یہ بھی نقل کی ہے کہ انہوں نے جتنے گناہ زمانہ کفر میں کئے تھے ایمان لانے کے بعد ان سب گناہوں کے بجائے نیکیاں لکھ دی جائیں گی، اس تفسیر کی دلیل میں بعض حضرات نے ایک روایت بھی پیش کی ہے۔

عن ابی ذر قال قال رسول اللّٰہ ﷺ یُؤتیٰ بالرَّجُلِ یومَ القِیامَۃِ فیقال اعرضوا علیہ صِغارَ ذنوبِہٖ وینحی عن کبارھا فیقال: عملتَ یومَ کذَا و کذَا و کذَا وھو یقر لا ینکر وھو مشفقٌ من الکبائر فیقال: اعطوہ مکان کل سیئۃ عمِلھا حسنۃ فیقول: اِن لی ذنوبًا لم اَرَھا ھُنا قال: ولقد رأیت رسول اللّٰہ ﷺ ضحِكَ حتی بدت نواجذہٗ۔

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّہٗ یَتُوْبُ اِلَی اللّٰہِ مَتَابًا یہ بظاہر اسی مضمون سابق کی تکرار ہے جو اس سے پہلی آیت یعنی اِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا میں آیا ہے اور قرطبی نے قفال سے یہ نقل کیا ہے کہ یہ توبہ پہلی توبہ سے مختلف ہے کیونکہ پہلا معاملہ کفار اور مشرکین کا تھا جو قتل اور زنا میں بھی مبتلا ہوئے تھے پھر ایمان لے آئے تو ان کی سیئات حسنات سے بدل دی گئیں، اور اس آیت میں مسلمان گنہگاروں کی توبہ کا ذکر ہے اسی لئے پہلی توبہ کے ساتھ آمَنَ کا ذکر ہے، دوسری توبہ میں ایمان لانے کا ذکر نہیں ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان لوگوں کی توبہ کا ذکر ہے جو مومن تھے مگر غفلت سے قتل و زنا میں مبتلا ہوگئے تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی کہ ایسے لوگ توبہ کرلینے کے بعد صرف زبانی توبہ پر اکتفانہ کریں بلکہ آئندہ کے لئے اپنے اعمال کو درست اور صالح بنالیں تو ان کا توبہ کرنا درست اور صحیح سمجھا جائے گا، اسی لئے بطور شرط توبہ کرلینے کے ابتدائی حال کا ذکر کرنے کے بعد اس کی جزاء میں دوبارہ یتوب کا ذکر کرنا صحیح ہوگیا، کیونکہ شرط میں جس توبہ کا ذکر ہے وہ صرف زبانی توبہ ہے اور جزاء میں جس توبہ کا ذکر ہے وہ عمل صالح پر مرتب ہے لہٰذا شرط و جزاء کے متحد ہونے کا اعتراض ختم ہوگیا، اس آیت کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان غفلت کی وجہ سے گناہ میں مبتلا ہوگیا اور توبہ کرلی اور توبہ کے بعد اپنے عمل کی ایسی اصلاح کرلی کہ اس کے عمل سے توبہ کا ثبوت ملنے لگے تو یہ توبہ عنداللہ مقبول ہوگی اور بظاہر اس کا قاعدہ بھی وہی ہوگا جو پہلی آیت میں بتلایا گیا ہے کہ اس کی سیئات کو حسنات سے بدل دیا جائے گا۔

اللہ کے مقبول اور مخصوص بندوں کی خاص صفات کا بیان چل رہا تھا درمیان میں گناہوں کے بعد توبہ کر لینے کے احکام کا بیان آیا اس کے بعد باقی صفات کا بیان ہے۔

دسواں وصف:

والذین لا یشهدونَ الزُّورَ یعنی مخصوص بندے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ جھوٹ اور باطل کی مجلسوں میں شریک نہیں ہوتے، سب سے بڑا جھوٹ اور باطل تو شرک اور کفر ہے، اس کے بعد عام جھوٹ اور گناہ کے کام ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا مقام زور میں ۔ سری کا مطلب مشرکین کی عیدیں اور میلے ٹھیلے ہیں، حضرت مجاہد اور محمد ابن حنفیہ نے فرمایا کہ اس سے مراد گانے بجانے کی مجلسیں ہیں، اور اگر مذکورہ سب ہی مقامات مراد لئے جائیں تو تب بھی کوئی استبعاد نہیں ہے۔

بعض حضرات نے یشهَدُوْنَ الزُّوْرَ سے جھوٹی گواہی مراد لی ہے اور یشهدون کو شهادة سے مشتق مانا ہے، بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی شہادت کو اکبر الکبائر گناہ قرار دیا ہے۔

گیارہواں وصف:

وإذا مرُّوْا باللغوِ مرُّوْا کراماً یعنی لغو اور بیہودہ مجلسوں پر کبھی اتفاقاً ان کا گذر ہو جائے تو سنجیدگی اور شرافت کے ساتھ نظریں نیچی کر کے گذر جاتے ہیں۔

بارہواں وصف:

وَالَّذین اذَا ذُکِّرُوا بِاٰیٰتِ رَبِّهِم لَمْ یخِرُّوْا علَیها صُمًّا وعُمیانًا.

لَمْ یخِرُّوا جمع مذکر غائب، مضارع منفی مجزوم بمعنی ماضی خرورٌ مصدر (ض) وہ نہیں گر پڑتے، اس آیت کے مفہوم متعین کرنے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، ایک قول یہ ہے کہ ان بندگان خدا کی شان یہ ہے کہ جب ان کو اللہ کی آیات اور آخرت کی یاد دلائی جاتی ہے تو وہ ان آیات کی طرف اندھوں اور بہروں کی طرح متوجہ نہیں ہوتے بلکہ سمیع و بصیر انسان کی طرح ان میں غور کرتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں، اس آیت میں دو چیزیں مذکور ہیں ایک آیات الٰہیہ پر ٹوٹ پڑنا یعنی اہتمام کے ساتھ متوجہ ہونا یہ تو امر محمود اور مقصود ہے اور بہت بڑی نیکی ہے، دوسرے اندھوں اور بہروں کی طرح گرنا کہ قرآنی آیات پر توجہ تو دیں مگر یا تو اس پر عمل کرنے میں معاملہ ایسا کریں کہ گویا انہوں نے سنا اور دیکھا ہی نہیں، یا قرآنی آیات پر عمل بھی کریں مگر ان کو اصول صحیحہ اور تفسیر صحابہ و تابعین کے خلاف اپنی رائے یا سنی سنائی باتوں کے تابع کر کے غلط مطلب نکالیں یہ بھی ایک طرح اندھے بہرے

ہو کر ہی گرنا ہے۔ (معارف القرآن ملخصًا)

بعض حضرات نے لَمْ یَخِرُّوْا کا ترجمہ لَمْ یُعْرِضُوْا عنهَا بل سمِعُوْهَا بآذانٍ واعية وقلوبٍ وجلةٍ سے کیا ہے یعنی وہ آیات سے اعراض (روگردانی) نہیں کرتے بلکہ ان کو محفوظ رکھنے والے کانوں اور خوف زدہ دلوں سے سنتے ہیں (صفوۃ التفاسیر) قال ابن قتيبة: المعنى لَمْ يتغافلُوْا عَنْها كأنَّهُمْ صُمٌّ لم يَسْمَعُوْهَا وعُمْيٌ لَمْ يُبْصِرُوْهَا ابن جریر نے کہا یہاں خرور بمعنی (سقوط) مراد نہیں ہیں بلکہ یہ قَعَدَ یَبْکِی کے قبیل سے ہے (فتح القدیر شوکانی) جیسا کہ اردو میں کہتے ہیں رونے بیٹھ گیا، یہ مطلب نہیں ہے کہ کھڑا تھا رونے کے لئے بیٹھ گیا، مطلب یہ ہے کہ رونا شروع کر دیا، اب آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ بندگان خدا آیات کو سنکر اندھے بہرے نہیں بن جاتے بلکہ گوش ہوش سے سنتے ہیں اور چشم عبرت سے دیکھتے ہیں۔

تیرہواں وصف:

وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا الخ اس میں اپنی اولاد اور ازواج کے لئے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی ہے کہ ان کو میرے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دے یعنی ان سے مجھے خوشی اور مسرت حاصل ہو، حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی تفسیر کے مطابق مطلب یہ ہے کہ ان کو اللہ کی عبادت میں مشغول دیکھے، مطلب یہ ہے کہ خدا کے نیک بندے صرف اپنی اصلاح پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اپنی اولاد اور ازواج کی اصلاح اعمال کی فکر کرتے ہیں، اور فکر میں اللہ تعالیٰ سے دعا بھی داخل ہے۔

وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا اس میں بظاہر اپنے لئے جاہ و منصب اور بڑائی حاصل کرنے کی دعا ہے جو دوسری قرآنی نصوص کی رو سے ممنوع ہے، اس لئے بعض حضرات نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ ہر شخص قدرتی طور پر اپنے اہل و عیال کا پیشوا ہی ہوتا ہے اس لئے اس دعا کا حاصل یہ ہوگیا کہ ہماری آل و اولاد کو متقی بنا دیجئے، اور جب وہ متقی ہو جائیں گے تو خود بخود یہ شخص متقیوں کا امام اور پیشوا کہلائے گا، بعض حضرات جن میں ابراہیم نخعی اور حضرت مکحول شامی بھی شامل ہیں نے فرمایا کہ اس دعا میں اپنے لئے کوئی ریاست اور پیشوائی کی طلب مقصود نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ ہم کو ایسا بنا دیجئے کہ لوگ دین و عمل میں ہماری اقتداء کریں اور ہمارے علم سے ان کو نفع پہنچے تا کہ اس کا ثواب ہمیں حاصل ہو، قرطبی نے دونوں قول نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ دونوں کا حاصل ایک ہی ہے کہ ریاست و امامت کی طلب جو دین کے لئے ہو وہ مذموم نہیں ہے بلکہ جائز ہے، اور جن نصوص میں اپنے لئے جاہ و منصب کی طلب سے ممانعت آئی ہے وہ دنیوی عزت و جاہ ہے، یہاں تک عباد الرحمٰن یعنی مخصوص بندگان خدا کی صفات کا بیان پورا ہوگیا، آگے ان کی جزاء اور آخرت کے درجات کا ذکر ہے۔

اُولٰٓئِكَ یُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ "غرفہ" کے لغوی معنی بالا خانہ کے ہیں یعنی مخصوص بندگان خدا کو بہشت میں اعلیٰ درجہ کے

بالاخانے عطا کئے جائیں گے اور یہ دنیا میں ان کے صبر اور اطاعت نیز ترک لذات کی جزاء ہوگی، اور فرشتوں کی طرف سے یا دوست واحباب کی طرف سے سلام اور مبارکبادی ہوگی، سابقہ آیات میں تو مخصوص بندگان خدا کا ذکر تھا، اب آخری آیت میں پھر کفار ومشرکین کو عذاب سے ڈرا کر سورت کو ختم کیا گیا۔

قُلْ مَا یَعْبَؤُا بِکُمْ رَبِّیْ لَوْ لَا دُعَاؤُکُمْ اس آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں زیادہ واضح اور سہل یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک تمہاری کوئی حیثیت اور وقعت نہ ہوتی اگر تمہاری طرف سے اللہ کو پکارنا اور اس کی بندگی کرنا نہ ہوتا کیونکہ انسان کی تخلیق کا منشا ہی یہی ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کرے، یہ ایک عام ضابطہ کا بیان تھا کہ بغیر عبادت کے انسان کی کوئی قدر وقیمت نہیں، اس کے بعد کفار ومشرکین کو جو کہ عبادت اور رسالت کے منکر ہیں خطاب ہے،

فَقَدْ کَذَّبْتُمْ یعنی تم نے سب چیزوں کو جھٹلا ہی دیا ہے اب تمہاری کوئی وقعت اللہ کے نزدیک نہیں۔

فسوف یکون لزامًا یعنی اب یہ تکذیب اور کفر تمہارے گلے کا ہار بن چکے ہیں اور تمہارے ساتھ لگے رہیں گے یہاں تک کہ جہنم کے دائمی عذاب میں مبتلا کر کے چھوڑیں گے وَنعوذُ بِاللّٰہِ من حال اھلِ النَّارِ.

تَمَّتْ بِحَمْدِ اللّٰہِ سُوْرَۃُ الْفُرْقَان

سُوْرَةُ الشُّعَرَآءِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَانِ وَسَبْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّاِحْدٰى عَشَرَ رُكُوْعًا

سُوْرَةُ الشُّعَرَآءِ مَكِّيَّةٌ اِلَّا والشُعَراءُ، اِلٰى آخِرِهَا فَمَدَنِيٌّ وَهِيَ مِائَتَانِ وَسَبْعٌ وعِشْرُوْنَ آيَةً.

سورۂ شعراء مکی ہے مگر والشعراء سے آخر تک مدنی ہے، اور وہ دوسو ستائیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ طٰسٓمّٓ ① اللهُ اعلم بمرادِه بذٰلِكَ تِلْكَ اى هٰذِه الآيات اٰيٰتُ الْكِتٰبِ القرآنِ الإضافةُ بمعنى مِنْ الْمُبِيْنِ ② المُظْهِرِ الحقَّ مِن الباطلِ لَعَلَّكَ يا محمدُ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ قاتِلُها غمًّا مِنْ اَجْلِ اَلَّا يَكُوْنُوْا اى اهلُ مكةَ مُؤْمِنِيْنَ ③ ولَعَلَّ هُنا لِلإشفاقِ اى اَشْفِقْ عليها بتخفيفِ هٰذا الغمِّ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ بمعنى المضارعِ اى تَدُوْمُ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ④ فيؤمنون ولمَّا وُصِفَتِ الأعناقُ بالخُضوعِ الذى هو لِأَرْبابِها جُمِعَتِ الصفةُ منه جمعَ العقلاءِ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ قرآنٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ صفةٌ كاشفةٌ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ⑤ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِه فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا عَواقِبُ مَا كَانُوْا بِه يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑥ اَوَلَمْ يَرَوْا يَنظُروا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا اى كثيرًا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ⑦ نوعٍ حَسَنٍ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً دلالةً على كمالِ قُدرتِه تعالى وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑧ فى عِلْمِ اللّٰهِ وكان قال سِيبويه زائدةٌ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ ذو العِزَّةِ يَنْتَقِمُ مِنَ الكافرين الرَّحِيْمُ ⑨ يَرْحَمُ المؤمنين.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے، طٰسٓمّٓ اس کی مراد اللہ ہی بہتر جانتا ہے یہ یعنی یہ آیات کتاب مبین (یعنی) قرآن کی آیتیں ہیں جو حق کو باطل سے ممتاز کرنے والی ہیں، اور اٰیٰتُ الکِتٰبِ میں اضافت بمعنی مِنْ ہے شاید اے محمد آپ تو اس غم کے سبب سے کہ اہل مکہ ایمان نہیں لاتے اپنی جان کھودیں گے، اور لَعَلَّ کے یہاں اشفاق کے معنی ہے یعنی اس غم میں تخفیف کرکے اپنے اوپر رحم کیجئے، اگر ہم چاہتے تو ان پر آسمان سے کوئی ایسی

نشانی اتارتے کہ جس کے سامنے ان کی گردنیں جھک جائیں ظَلَّتْ بمعنی مضارع ہے ای تَدُوْمُ پھر وہ ایمان لے آئیں، جبکہ (وصف) خضوع کی نسبت اَعْنَاق کی طرف کی گئی جو کہ (درحقیقت) ارباب اعناق کا وصف ہے، تو وصف خضوع کو ذوی العقول کی جمع کے طور پر لایا گیا اور ان کے پاس رحمٰن کی طرف سے کوئی تازہ نصیحت ایسی نہیں آئی جس سے یہ بے رخی نہ کرتے ہوں، مُحدثٌ، ذکرٍ کی صفت کاشفہ ہے تو ان لوگوں نے اس نصیحت کو جھٹلا دیا سو عنقریب ان کے پاس اس بات کا انجام آجائے گا جس کا یہ مذاق اڑایا کرتے تھے کیا یہ لوگ زمین کو نہیں دیکھتے کہ ہم نے اس میں کس کثرت سے ہر قسم کے عمدہ گل بوٹے اگائے؟ بلاشبہ اس میں اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کی نشانی ہے اور ان میں کے اکثر لوگ مومن نہیں ہیں اللہ کے علم میں اور سیبویہ نے کہا ہے کہ کَانَ زائدہ ہے بلاشبہ آپ کا رب غالب ہے یعنی ایسے غلبہ والا ہے جو کافروں سے انتقام لے گا، رحیم ہے یعنی مومنین پر رحم کرنے والا ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: طٰسٓمّٓ عبداللہ بن مسعود کی قراءت میں ط، س، م، الگ الگ ہیں۔

قِوْلُہٗ: بَاخِعٌ اسم فاعل (ف) غم یا غصہ کی وجہ سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے والا، بَخْعًا حرام مغز تک کاٹ ڈالنا بَخْعٌ حرام مغز لَعَلَّكَ لَعَلَّ حرف ترجی ہے مگر چونکہ یہاں ترجی کے معنی نہ درست ہیں اور نہ مراد لہٰذا لَعَلَّ کو اِشفاق کے معنی میں لیا جس کے معنی خوف کے ہیں، اور اللہ تعالیٰ چونکہ خوف سے منزہ ہے اس لئے مخاطب کا خوف مراد ہے، ترجی امر یعنی اَشْفِقْ ای اِرحم کے معنی میں ہے اس لئے کہ یہاں خوف کی کوئی بات ہی نہیں ہے، اِشفاق (افعال) جب متعدی بمن ہوتا ہے تو خوف کے معنی ہوتے ہیں اور جب متعدی بعلیٰ ہوتا ہے تو اس کے معنی رحمت اور شفقت کے ہوتے ہیں۔

قِوْلُہٗ: نُنَزِّل، اِنْ حرف شرط ہے اور نشأ فعل شرط ہے اور نُنَزِّلْ جواب شرط ہے۔

قِوْلُہٗ: فَظَلَّتْ فا کے ذریعہ جواب شرط نُنزل پر عطف ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے، جبکہ بذریعہ فا ماضی (یعنی ظلت) کا ترتب مضارع یعنی نُنَزِّلْ پر درست نہیں ہے اس لئے ماضی کو مضارع کی تاویل میں کر لیا گیا تاکہ عطف درست ہو جائے۔

قِوْلُہٗ: وَلَمَّا وُصِفَت الاعناقُ الخ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ اعناق غیر ذوی العقول کی جمع ہے جو کہ واحد مؤنث کے حکم میں ہے لہٰذا اس کی صفت خاضعۃ آنی چاہئے نہ کہ خاضعین جو کہ جمع مذکر کی صفت ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ خضوع ذوی العقول کی صفت ہے جب اس کی نسبت غیر ذوی العقول کی طرف کر دی گئی تو غیر ذوی العقول کو ذوی العقول کا درجہ دیتے ہوئے اس کی صفت جمع مذکر کے صیغہ یعنی واؤ نون کے ساتھ لانا درست ہو گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول رَأیتُھم لی ساجدین، ایک جواب یہ بھی دیا ہے کہ ظَلَّتْ اَعْنَاقُھُمْ معنی میں ظَلَّتْ اَصْحَابُ اَعْنَاقِھم کے ہے، یعنی مضاف محذوف ہے پھر مضاف کو حذف کر کے خبر کو اس کے قائم مقام کر دیا۔

قَوْلُہٗ: مِن ذِکرٍ میں من زائدہ ہے اور من الرحمٰن میں من ابتدائیہ ہے۔

قَوْلُہٗ: محدثٍ یہ ذکرٍ کی صفت کاشفہ ہے اس لئے کہ ما یاتیھم من ذکر سے جو معنی حدثی سمجھ میں آتے ہیں اسی معنی کی محدثٍ سے تاکید کی ہے۔

قَوْلُہٗ: اِنّ فـــی ذٰلك لآیة لآیةً اِنّ کا اسم مؤخر ہے، اور اس پر لام زائدہ ہے، یہ آیت اس سورت میں آٹھ مرتبہ ذکر کی گئی ہے۔

قَوْلُہٗ: مَا کَانَ اکثرُھُمْ مؤمِنِیْنَ، کی تفسیر فی علم اللّٰہ سے کر کے ایک شبہ کا جواب دیا ہے، شبہ یہ ہے کہ آیت کا مقصد کافروں کے آئندہ ایمان نہ لانے کی خبر دینا ہے تو کان ماضی سے تعبیر کرنا کیسے درست ہے اس کا ایک جواب فی علم اللّٰہ سے دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہ ایمان نہ لائیں گے اسی کو ماضی سے تعبیر کر دیا ہے یہ جواب کان کو اصلی مان کر ہے دوسرا جواب قال سیبویہ سے دیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کان زائدہ ہے لہٰذا اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

تَنْبِیْہ: وکَانَ قَالَ سِیْبویہ زائدةٌ میں ابہام ہے، صحیح تعبیر اس طرح ہونی چاہئے، قال سیبویہ، کان زائدةً.

تفسیر و تشریح

سورۂ شعراء میں بھی دیگر مکی سورتوں کے مانند اصول دین اور عقائد یعنی توحید، رسالت، بعث بعد الموت وغیرہ کو اہتمام کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ اور عبادت اصنام کے سلسلہ میں ان کا موقف بیان کرتے ہوئے حجج قاطعہ اور براہین ساطعہ کے ذریعہ بت پرستی کو خلاف فطرت اور خلاف عقل ثابت کیا ہے، اس سورت میں چونکہ شعراء کے کچھ اوصاف کا ذکر ہے اس لئے اس سورت کا نام سورۂ شعراء رکھا گیا ہے، مشرکین مکہ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ یہ شاعر ہے اور جو کچھ بیان کرتا ہے وہ شعر ہے، اللہ تعالیٰ نے اس پر رد کرتے ہوئے شعراء کی مذمت بایں الفاظ فرمائی "والشعراء یتبعھم الغاوٗن المر ترَ انّھُمْ فی کل وادٍ یھیمون وأنھم یقولون ما لا یفعلون".

طٰسٓمٓ تلكَ ایٰتُ الکتابِ المبین یعنی اس کا اعجاز کھلا ہوا ہے اور احکام واضح ہیں اور یہ کتاب حق و باطل میں واضح طور پر امتیاز کرنے والی ہے، اور ان بدبختوں کے غم میں خود کو اس قدر گھلانے کی ضرورت نہیں کہ ان کی فکر میں آپ اپنی جان ہلاک کر ڈالیں، دلسوزی اور شفقت کی بھی آخر ایک حد ہوتی ہے لَعَلَّكَ باخِعٌ الخ اگرچہ صورۃً جملہ خبریہ ہے مگر حقیقت میں نہی کے معنی میں ہے، علامہ عسکری نے فرمایا کہ اس جیسے مقامات میں اگرچہ صورت جملہ خبریہ کی ہے مگر حقیقت میں مراد اس سے نہی ہے، مطلب یہ ہے کہ اے پیغمبر، اپنی قوم کے کفر اور اسلام سے انحراف کے سبب اتنا رنج و غم نہ کیجئے کہ جان ہی گھلنے لگے۔

اِنْ نَشَأْ نُنَزِّلْ عَلَیْھِمْ مِنَ السَّمَاءِ آیَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُھُمْ لَھَا خَاضِعِیْنَ علامہ زمخشری نے فرمایا کہ اصل کلام فَظَلُّوْا لَھَا خَاضِعِیْنَ ہے یعنی کفار اس بڑی نشانی کو دیکھ کر تابع ہو جائیں اور جھک جائیں، لیکن یہاں اعناق کا لفظ یہ ظاہر کرنے کے

لئے لایا گیا ہے کہ موضع تواضع ظاہر ہوجائے، اس لئے کہ عاجزی اور تواضع کا اثر پہلے گردن پر ظاہر ہوتا ہے، شیخ سعدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے بھی اس مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ؂

تواضع زگردن فرازاں نکوست گداگر تواضع کند خوئے اوست

خلاصہ یہ ہے کہ یہ دنیا ابتلاء اور آزمائش کا گھر ہے جہاں بندوں کو اختیار تمیزی دیکر بندوں کے انقیاد اور تسلیم کو آزمایا جاتا ہے، اسی لئے حکمت الٰہی متقاضی نہیں کہ ان کا اختیار بالکل سلب کرلیا جائے، ورنہ اگر خدا چاہتا تو کوئی ایسا آسمانی نشان ظاہر فرماتا کہ اس کے آگے زبردستی سب کی گردنیں جھک جاتیں، جیسا کہ بنی اسرائیل کے سروں پر پہاڑ کو معلق ومسلط کردیا تھا، مگر ایسا اس لئے نہیں کیا کہ حکمت خداوندی اس بات کی متقاضی تھی کہ یہ احکام اور معارف بدیہی نہ ہوں بلکہ نظری رہیں تاکہ انسان ان میں غور وفکر کریں اور یہی غور وفکر انسان کی آزمائش ہے اور اسی پر ثواب وعقاب مرتب ہوتا ہے، بدیہی چیزوں کا اقرار تو ایک طبعی اور ضروری امر ہے، اس میں تعبد اور اطاعت کی شان نہیں۔ (معارف ملخصًا)

وَ اذكر يا محمدُ لقومِك **اِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى** ليلة راى النارَ والشجرة **اَنِ** اى بانَ **ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠﴾** رسولاً **قَوْمَ فِرْعَوْنَ** معَهُ ظَلَمُوْا انْفُسَهُمْ بالكُفر باللهِ وبَنِىْ اسرائيلَ باسْتِعْبَادِهِمْ **اَلَا** الهمزةُ للاستفهام الإنكاريّ **يَتَّقُوْنَ ﴿١١﴾** اللّٰه بطَاعَتِهِ فيُوَحِّدُوْنه **قَالَ رَبِّ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿١٢﴾ وَيَضِيْقُ صَدْرِىْ** مِنْ تكذيبهم لِىْ **وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِىْ** بـاداءِ الرّسالة لِلْعُقْدَةِ التى فيه **فَاَرْسِلْ اِلٰى** اَخِىْ **هٰرُوْنَ ﴿١٣﴾** معِىْ **وَلَهُمْ عَلَىَّ ذَنْۢبٌ** بقتلِى القِبْطِىَّ منهم **فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿١٤﴾** به **قَالَ** تعالى **كَلَّا** اى لا يقتلونك **فَاذْهَبَا** اى انت واخوك فَفِيه تغليبُ الحاضر على الغائب **بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿١٥﴾** ما تقولون وما يُقال لَكُمْ أُجرِيَا مُجرى الجماعة **فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا** اى كُلاً مِنّا **رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦﴾** اِليك **اَنْ** اى بانْ **اَرْسِلْ مَعَنَا** اِلى الشامِ **بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿١٧﴾** فَاتياه فقالا لَهُ ماذُكِرَ **قَالَ** فرعونُ لموسى **اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا** فِىْ مَنَازِلِنَا **وَلِيْدًا** صغيرًا قريبًا من الوِلادةِ بعد فطامِه **وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿١٨﴾** ثلاثين سَنَةً يَلْبَسُ مِنْ مَلَابِسِ فرعونَ ويركبُ مِنْ مَرَاكِبِهِ وكان يُسَمّٰى ابنه **وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِىْ فَعَلْتَ** هى قتلُه القِبْطِىَّ **وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٩﴾** الجاحِدِيْنَ لِنِعْمَتِىْ عليك بالتَّرْبِيَةِ وعَدَمِ الاسْتِعْبَادِ **قَالَ** موسٰى **فَعَلْتُهَآ اِذًا** اى حينئذٍ **وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٢٠﴾** عَمَّا اٰتانِىَ اللّٰهُ بعدها من العلم والرسالةِ **فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِىْ رَبِّىْ حُكْمًا** عِلْمًا **وَّجَعَلَنِىْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٢١﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَىَّ** اصلُه تمُنُّ بها **اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿٢٢﴾** بيانٌ لِتِلْكَ النِّعْمةِ اى اتَّخذْتَهم عَبِيْدًا ولم تَسْتَعْبِدْنِىْ لانِعْمَةَ لَكَ بذٰلِكَ لِظُلْمِكَ بِاسْتِعْبَادِهِم وَقَدَّر بعضُهم اَوَّلَ الكلامِ همزةَ استفهامٍ لِلْاِنكار **قَالَ فِرْعَوْنُ** لِمُوسٰى **وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٣﴾** الذى قلتَ اِنَّك رسولُه اى اىُّ شىءٍ هو ولَمَّا لم يكن سبيلٌ لِلْخَلْقِ الى مَعْرِفةِ حقيقتِه تعالى وانّما

یَعْرِفونه بصِفاتِه اَجابَ موسٰی علیه الصَّلٰوةُ والسلامُ ببَعْضِها قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا اى خالقُ ذٰلك اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾ بِاَنَّهٗ تعالٰی خالقُه فاٰمِنُوا به وَحْدَهٗ قَالَ فرعونُ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ مِن اَشْرافِ قومِه اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾ جَوابَه الّذی لم يُطابِق السُّؤالَ قَالَ موسٰی رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۶﴾ وهٰذا واِنْ كان داخلاً فيما قَبْلَه يُغِيْظُ فرعونَ ولِذٰلِكَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾ قَالَ موسٰی رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ انه كذٰلك فاٰمِنُوا به وحده قَالَ فرعونُ لِمُوسٰی لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۲۹﴾ كان سِجْنُه شديدًا يُحْبَسُ الشخصُ في مكان تحت الارضِ وحدَه لا يبصر ولايسمع فيه احدًا قَالَ له موسٰی اَوَلَوْ اى اَتَفْعَلُ ذٰلِكَ وَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ اى بُرْهانٍ بَيِّنٍ على رِسالتی قَالَ فرعونُ له فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ فيه فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۳۲﴾ حَيَّةٌ عظيمةٌ وَّنَزَعَ يَدَهٗ اَخْرَجَها مِن جَيْبِه فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ ذاتُ شُعاعٍ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ خلافَ ما كانتْ عليه مِنَ الْاُدْمَةِ.

ع ۲۴ ۶

ترجمہ: اور اے محمد ﷺ اپنی قوم کو اس وقت کا واقعہ یاد دلایئے کہ جب تیرے رب نے موسیٰ کو حکم دیا اس رات میں جبکہ موسیٰ نے آگ اور درخت کو دیکھا کہ تو ظالم قوم کے پاس رسول بن کر جا قوم فرعون کے پاس مع فرعون کے انہوں نے اللہ کے ساتھ کفر کر کے اور بنی اسرائیل کو غلام بنا کر اپنے اوپر ظلم کیا ہے اَلَا یتقون میں ہمزہ استفہام انکاری کے لئے ہے کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو کہ اس کی طاعت اختیار کر کے اس کی توحید کے قائل ہو جاؤ تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا اے میرے پروردگار مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ میری تکذیب کریں گے اور ان کے میری تکذیب کی وجہ سے میرا دل تنگ ہو جائے، اور اداء رسالت کے لئے میری زبان اس گرہ کی وجہ سے نہ چل سکے جو اس میں ہے لہٰذا میرے ساتھ ساتھ میرے بھائی ہارون کے پاس بھی جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیج دیجئے اور میرے ذمہ ان لوگوں کا ایک جرم بھی ہے ان میں سے میرے ایک قبطی کو قتل کرنے کی وجہ سے لہٰذا مجھے اندیشہ ہے کہ اس کے بدلہ میں مجھے قتل کر دیں ارشاد ہوا ہرگز نہیں یعنی تجھ کو قتل نہیں کر سکتے سو تم دونوں میری آیتیں لیکر جاؤ یعنی تم اور تمہارا بھائی، اس میں غائب پر حاضر کو غلبہ ہے ہم تمہارے ساتھ ہیں اور جو تم کہو گے اور جو وہ تم سے کہیں گے ہم اس کو سنتے ہیں، دو کو جماعت کے قائم مقام کر دیا ہے، تو اب دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے کہو ہم دونوں یعنی ہم میں سے ہر ایک پروردگار عالم کا تیری طرف رسول ہے کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ شام کی طرف جانے دے چنانچہ یہ دونوں حضرات فرعون کے پاس آئے اور جو کچھ ماقبل میں مذکور ہوا اس سے کہہ دیا فرعون نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا کیا ہم نے تیری بچپن میں اپنے گھروں میں پرورش نہیں کی؟ (یعنی) بچپن میں ولادت کے قریب دودھ چھڑانے کے بعد اور تم اپنی عمر کے کئی سال ہمارے یہاں رہے یعنی تیس سال (اس مدت میں) فرعون ہی کے کپڑے پہنتے تھے اور اسی کی سواریوں پر سوار

ہوتے تھے اوران (موسیٰ) کو ''ابن فرعون'' کہا جاتا تھا، اور تو نے اپنی وہ حرکت بھی کی تھی جو تو نے کی تھی اور وہ قبطی کا قتل تھا اور تم بڑے ناسپاس ہو یعنی اپنے اوپر میری تربیت اور غلام نہ بنانے کے انعام (احسان) کی ناشکری کرنے والوں میں سے ہو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا جس وقت میں نے وہ حرکت کی تھی میں اس وقت (یعنی تیرے پاس قیام کے دوران) اس چیز سے ناواقف تھا جو بعد میں اللہ نے مجھے (اس کا علم) عطا فرمایا یعنی علم اور رسالت (عطا فرمائی) جب مجھے تم سے خوف ہوا تو میں تمہارے یہاں سے فرار ہو گیا، پھر مجھے میرے رب نے حکم یعنی علم عطا فرمایا اور مجھے پیغمبروں میں شامل فرمایا یہ ہے وہ نعمت جس کا تو مجھ پر احسان جتا رہا ہے (تَمُنُّها) کی اصل تَمُنُّ بِهَا تھی کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے یہ **تلك النعمة** کا بیان ہے یعنی تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے اور مجھے آزاد چھوڑ رکھا ہے یہ تیرا کوئی احسان نہیں ہے اس ظلم کی وجہ سے کہ ان کو تو نے غلام بنا رکھا ہے اور بعض حضرات نے کلام کے شروع میں ہمزہ استفہام انکاری مقدر مانا ہے فرعون نے موسیٰ سے معلوم کیا کہ رب العالمین کیا چیز ہے؟ جس کے بارے میں تو کہتا ہے کہ میں اس کا رسول ہوں، یعنی اس کی کیا حقیقت ہے؟ جب مخلوق کے لئے باری تعالیٰ کی حقیقت کی معرفت کی کوئی صورت نہیں تھی، اس کو تو صرف اس کی صفات کے ذریعہ ہی پہچانا جا سکتا ہے، تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باری تعالیٰ کی بعض صفات کو بیان کر کے جواب دیتے ہوئے فرمایا وہ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب یعنی خالق ہے اگر تمہیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اس (کائنات) کا خالق ہے تو اس وحدہ (لاشریک) پر ایمان لے آؤ، تو فرعون نے اپنے اردگرد کے لوگوں یعنی اپنی قوم کے سرداروں سے کہا کیا تم اس کا جواب جو سوال کے مطابق نہیں ہے سن نہیں رہے ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ وہ تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادا کا رب ہے یہ (تعریف) اگرچہ ماقبل (کی تعریف) میں داخل ہے (مگر یہ تعریف) فرعون کو غصہ دلانے والی ہے اور اسی وجہ سے (فرعون) نے (غصہ میں) کہا بلاشبہ تمہارا رسول جس کو تمہارے پاس بھیجا گیا ہے یقیناً پاگل ہے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مشرق و مغرب کا اور جو ان کے درمیان ہے ان کا (بھی) رب ہے اگر تم کو اسبات کا یقین ہے کہ وہ ایسا ہی ہے تو اس وَحْدَهٗ لاشریكَ پر ایمان لے آؤ، فرعون نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا اگر تم میرے علاوہ کوئی اور معبود تجویز کرو گے تو میں تم کو یقیناً حوالۂ زنداں کر دوں گا، اس کا جیل خانہ بڑا سخت تھا وہ انسان کو تہہ خانہ میں تنہا قید کر دیتا تھا کہ وہ نہ کسی کو دیکھ سکے اور نہ کسی کی (بات) سن سکے، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرعون سے کہا کیا اگر میں کوئی صریح دلیل پیش کروں تب بھی تو ایسا کرے گا یعنی اگر اپنی رسالت پر کوئی واضح دلیل پیش کروں (تب بھی) فرعون نے موسیٰ سے کہا اگر تو دعوائے رسالت میں سچا ہے تو دلیل پیش کر تو اسی وقت (موسیٰ نے) اپنا عصا ڈال دیا تو وہ دفعۃً واضح طور پر اژدہا بن گیا اور اپنے ہاتھ کو نکالا یعنی ہاتھ کو اپنے گریبان سے نکالا تو وہ اسی وقت دیکھنے والوں کو سفید چمکدار نظر آنے لگا یعنی سابقہ گندمی رنگ کے خلاف نظر آنے لگا۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: اَنْ ای بِاَنْ اس تفسیر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اَنْ مصدر یہ ہے اور اس سے پہلے باحرف جر مقدر ہے اور بعض حضرات نے اَنْ کو تفسیر یہ بھی کہا ہے اس لئے کہ نادیٰ قالَ کے معنی میں ہے۔

قِوْلَہٗ: رسولاً یہ اٰیٰتِ کی ضمیر سے حال ہے قوم فرعون میں فرعون بطریق اولیٰ شامل ہے، نیز قوم فرعون کے پاس بھیجنا فرعون کے پاس بطریق اولیٰ بھیجنا ہے اس لئے کہ اصل سرکشی اور فساد کا سرچشمہ تو فرعون ہی تھا۔

قِوْلَہٗ: وبنی اسرائیلَ کا عطف انفسھم پر ہے، استعباد کا مطلب ہے غلاموں جیسا معاملہ کرنا یعنی ان سے ذلت اور محنت شاقہ کے کام لینا، نہ کہ حقیقت میں غلام بنانا۔

قِوْلَہٗ: اَلاَ الھمزۃ للاستفھام الانکاری، صحیح یہ ہے کہ ہمزہ تعجب کے لئے ہے نہ کہ انکار کے لئے جیسا کہ مفسر علام نے صراحت کی ہے اس لئے کہ لا تتقون حرف نفی کی وجہ سے منفی ہے اور جب اس پر ہمزہ انکاری داخل ہوگا تو نفی النفی اثباتٌ کے قاعدہ سے اثبات ہوجائے گا جو کہ فاسد ہے اس لئے کہ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے "اے موسیٰ تو قوم فرعون کے پاس جا اس لئے کہ وہ (اللہ) سے ڈرتی ہے" اور یہ معنی سراسر خلاف واقعہ ہیں۔

قِوْلَہٗ: قالَ موسیٰ اِنّی اَخافُ (الآیۃ) موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم خداوندی کے جواب میں تین عذر پیش کئے ① مجھے تکذیب کا اندیشہ ہے ② تکذیب سے میرا دل تنگی محسوس کرے گا ③ میری زبان میں سلاست نہیں ہے، یہ تینوں اعذار امتثال امر سے باز رہنے کے لئے بیان نہیں فرمائے بلکہ رسالت کے بارگراں سے اظہار عاجزی اور بیان حقیقت، نیز طلب معونت کے طور پر تھے۔

قِوْلَہٗ: ویضیقُ صدری یا تو جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے یعنی اس کا ماقبل سے تعلق نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی حالت کا بیان ہے، یا پھر اِنّی اَخافُ میں اِنَّ کی خبر اَخافُ پر عطف ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔

قِوْلَہٗ: اُجریا مجری الجماعۃ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ حضرت موسیٰ وہارون دو تھے ان کے لئے تثنیہ کا صیغہ لانا چاہئے تھا ای اِنّا معکُما حالانکہ مَعَکُمْ جمع کا صیغہ لایا گیا ہے، جواب یہ ہے کہ تثنیہ کو تعظیماً جماعت کے قائم مقام کردیا ہے۔

قِوْلَہٗ: ای کُلاًّ مِنَّا اس عبارت سے بھی ایک سوال کا جواب مقصود ہے، سوال یہ ہے کہ اِنَّا کے اسم وخبر میں مطابقت نہیں ہے اس لئے کہ رسول خبر ہے جو کہ مفرد ہے اور مخبر عنہ اِنّا کی ضمیر ہے جو کہ جمع ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اِنَّا، کُلاًّ مِنَّا کے معنی میں ہے جو کہ مفرد کے حکم میں ہے لہٰذا اِنَّ کے اسم وخبر میں مطابقت موجود ہے۔

قِوْلَہٗ: فَاَتِیَاہُ اس عبارت کے مقدر ماننے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ قالَ فرعون کا ترتب فعل محذوف پر ہے۔

قِوْلَہٗ: قریباً من الولادۃ بعدَ فطامِہٖ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد بھی ایک سوال کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ ولید

نومولود شیرخوار بچہ کو کہتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی شیر خواری کے زمانہ میں تو اپنی والدہ کے پاس تھے، تو پھر فرعون کی تربیت کا کیا مطلب ہے؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ولید سے دودھ چھڑانے کے فوراً بعد کا زمانہ مراد ہے، مگر زیادہ بہتر ہے کہ آیت کو اپنے ظاہر پر ہی رکھا جائے تاویل کرنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام شیر خوارگی کے زمانہ میں اگرچہ اپنی والدہ کے پاس تھے مگر نگرانی اور نفقہ فرعون ہی کا تھا، لہٰذا فرعون کا نُرَبِّكَ فینا و لیدًا کہنا درست ہے۔

قِوْلَهُ: مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ مِن تبعیضیہ ہے مِنْ عمرك سنین کی صفت ہے جو کہ مقدم ہونے کی وجہ سے حال ہو کر محلاً منصوب ہے، اس لئے کہ نکرہ کی صفت کو جب مقدم کر دیا جاتا ہے تو وہ حال ہو جاتی ہے۔

قِوْلَهُ: ففررتُ مِنکم لَمَّا خِفْتُکم یعنی جب مجھے تمہاری جانب سے ایذاء رسانی کا اندیشہ ہوا تو میں بھاگ کھڑا ہوا، اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایذاء رسانی کا علم اس وقت ہوا کہ جب آپ سے یہ کہا گیا اِنَّ الملاء یاتمرون بك لیقتلوكَ (سورۂ قصص آیت ٢٠) منکم میں ضمیر جمع لانے کی وجہ اسی سے معلوم ہوتی ہے ورنہ تو ففررت منكَ کا موقع تھا اس لئے کہ گفتگو فرعون سے ہو رہی ہے نہ کہ سب سے۔

قِوْلَهُ: تِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ (الآیة) تلك کا مشارٌ الیہ تربیت ہے جو کہ اَلَمْ نربك سے مفہوم ہے تلك مبتداء موصوف تمنها جملہ ہو کر صفت، موصوف باصفت مبتداء کی خبر مبتداء باخبر مُبَيَّن اَنْ عَبَّدْتَّ عطف بیان تَمُنُّهَا اصل میں تَمُنُّ بها تھا حرف جر کو حذف کر کے ضمیر کو فعل سے متصل کر دیا، گویا کہ یہ حذف و اتصال کے باب سے ہے، مطلب یہ ہے کہ تیرا مجھے غلام نہ بنانا مجھ پر کوئی احسان نہیں ہے اس لئے کہ میری قوم کے دوسرے افراد کو تو نے غلام بنا رکھا ہے جو کہ ظلم ہے لہٰذا تو زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے تجھ کو غلام بنا کر تجھ پر ظلم نہیں کیا اور ظلم نہ کرنا یہ کوئی احسان کی بات نہیں بلکہ ظلم سے مامون رہنا تو ہر فرد کا بنیادی حق ہے اور بعض حضرات نے وتلكَ سے پہلے ہمزہ مقدر مان کر اصل عبارت اس طرح بتائی ہے اَوَتِلْكَ کیا اس کو نعمت کہا جا سکتا ہے جس کا تو مجھ پر احسان جتا رہا ہے کہ مجھے آزاد چھوڑ کر میری پوری قوم کو غلام بنا رکھا ہے جن سے تو ذلت آمیز اور محنت شاقہ کے کام لیتا ہے اور توہین آمیز برتاؤ کرتا ہے۔

قِوْلَهُ: فآمنوا به شارح نے یہ عبارت مقدر مان کر اشارہ کر دیا ہے کہ اِنْ کُنْتُمْ مُوقِنِيْنَ کی جزاء محذوف ہے قَالَ فِرعَونُ وَمَا رَبُّ العَالَمِيْنَ فرعون نے رب العالمین کے بارے میں ما کے ذریعہ سوال کیا جو کہ شئ کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے آتا ہے اس لئے اَیُّ کے ذریعہ سوال کرنا چاہئے تھا جو کہ صفات سے سوال کرنے کے لئے آتا ہے مگر فرعون نے اپنی غباوت کی وجہ سے مَا هُوَ سے سوال کیا، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی غباوت پر تنبیہ کرنے کے لئے جواب میں صفات کو بیان کیا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تجھ کو ما کے ذریعہ رب العالمین کی حقیقت سے سوال کرنے کے بجائے اَیُّ شئٍ سے اس کی صفات کے بارے میں سوال کرنا چاہئے، اس لئے کہ رب العالمین کی کنہہ اور حقیقت اس دنیا میں معلوم نہیں ہو سکتی۔

قِوْلَهُ: وَمَا بَيْنَهُمَا میں هُمَا تثنیہ سے سموات اور ارض مراد ہیں، حالانکہ سموات جمع ہے اس لئے بَيْنَهُنَّ لانا چاہئے تھا، جواب یہ ہے سموات ایک جنس ہے اور ارض ایک جنس ہے لہٰذا دونوں جنسوں کے لئے تثنیہ کا صیغہ لایا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: قال فرعون لِمَنْ حوله اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ فرعون نے اپنے اس قول سے اپنی قوم کے اشراف کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ مدعی نبوت میں تو سوال سمجھنے کی بھی صلاحیت نہیں ہے لہٰذا اس کا دعوائے نبوت صحیح نہیں ہے میں نے مَا هُوَ سے ربُّ العالمینَ کی حقیقت سے سوال کیا اور یہ جواب میں حقیقت بیان کرنے کے بجائے صفات بیان کرر ہے ہیں، مگر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ما هُوَ کے جواب میں صفات کو بیان کرکے اس طرف تعریض کی کہ جس شخص کو سوال کرنے کا سلیقہ بھی نہ ہو بھلا اس کے دعوائے ربوبیت میں کیا صداقت ہوسکتی ہے؟

قَوْلُہٗ: قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبائِكُمُ الاولين یہ دوسرا جواب اگر چہ پہلے جواب رب السمٰوات والارض وما بينهما میں داخل ہے مگر فرعون کو غصہ دلانے کے لئے دوسرا جواب دیا کہ وہ صرف آسمانوں اور زمین اور وما بينهما ہی کا خالق نہیں ہے بلکہ تیرا اور تیرے باپ دادا کا بھی خالق ہے چنانچہ فرعون نے غضبناک ہوکر کہا اِنَّ رسولكم الذي اُرْسِلَ اِلَيْكم لمجنون مفسر علام نے یہی مطلب بیان کیا ہے، مگر تفسیر کبیر میں علامہ فخر الدین رازی نے فرمایا کہ خالقیت سمٰوات والارض کے ذریعہ تعریف سے عدول کرنے کی یہ وجہ تھی کہ ہوسکتا ہے کہ فرعون یہ کہہ دیتا کہ زمین اور آسمان واجب لذاتہٖ ہیں لہٰذا وہ خالق اور مؤثر سے مستغنی ہیں، یہ بات کسی عاقل کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنے اور اپنے آباء کے بارے میں کہہ دے کہ یہ واجب لذاتہٖ ہیں اس لئے کہ مشاہدہ اس بات کا شاہد ہے کہ عدم کے بعد ان کا وجود ہوا ہے اور پھر عدم ہوجائے گا، اور جس چیز پر عدم طاری ہو وہ حادث ہوگا اس کے لئے موثر کا ہونا ضروری ہے، دوسری تعریف پہلی تعریف سے واضح ہے۔

قَوْلُہٗ: رب المشرق والمغرب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فوراً ہی تیسری تعریف کی طرف عدول کیا جو کہ دوسری سے بھی واضح ہے، مشرق سے طلوع شمس اور مغرب سے غروب شمس مراد ہے، ہر دن کا مشرق اور مغرب مختلف ہوتا ہے اور یہ طلوع وغروب کروڑوں سال سے سرمو تبدیلی یا خلل کے بغیر پوری یکسانیت کے ساتھ رونما ہوتا رہتا ہے یہ کسی مؤثر کے بغیر ممکن نہیں ہے اور وہ مؤثر ہی رب العالمین ہے۔

قَوْلُہٗ: اَلْاُدْمَةُ گندم گوں، گندمی رنگ۔

تفسیر وتشریح

اِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰى، یہ اس ندا کا ذکر ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مدین سے اپنی اہلیہ کے ہمراہ واپس مصر آرہے تھے، تاریک اور ٹھنڈی رات میں راستہ بھول گئے تھے، تاپنے کے لئے ان کو آگ کی ضرورت محسوس ہوئی، کوہ طور کی جانب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آگ نظر آئی آگ اور رہنمائی کرنے والے کی تلاش میں کوہ طور پر پہنچ گئے جہاں ندائے غیبی نے ان کا استقبال کیا اور انہیں نبوت سے سرفراز کردیا گیا اور ظالموں کو اللہ کا پیغام پہنچانے کا فریضہ بھی سونپا گیا۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنَ ان آیات مبارکہ سے ثابت ہوا کہ کسی حکم کے بجالانے کے لئے کچھ ایسی چیزوں کی درخواست کرنا کہ جو تعمیل حکم میں مددگار ثابت ہوں کوئی بہانہ جوئی نہیں ہے بلکہ جائز ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم خداوندی

پا کر اس کی بجا آوری کو سہل اور مفید کرنے کے لئے خداوند قدوس سے درخواست کی۔

قَالَ فَعَلْتُهَا اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّالِّیْنَ فرعون کے اس سوال کے جواب میں کہ تم نے اے موسیٰ ایک قبطی کو قتل کیا تھا، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہاں میں نے قتل ضرور کیا تھا لیکن وہ قتل ارادۃً اور قصداً نہ تھا بلکہ اس قبطی کو اس کی خطا پر متنبہ کرنے کے لئے گھونسہ مارا تھا جس سے وہ ہلاک ہو گیا، فرعون کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ تمہارا نبوت کا دعویٰ کرنا درست نہیں ہے اس لئے کہ تم ایک بے گناہ کو قتل کر چکے ہو جو کہ نبوت کے منافی ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ نبوت کے منافی قتل عمد ہے اور یہ قتل خطاء تھا، یہاں ضلال کا مطلب بے خبری ہے ضلال کے معروف معنی یعنی گمراہی مراد نہیں ہیں، جیسا کہ حضرت قتادہ اور ابن زید کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

قَالَ فرعون وَمَا رب العالمین اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ خدائے ذوالجلال کی کنہ اور حقیقت کا جاننا ممکن نہیں کیونکہ فرعون کا سوال خدا کی حقیقت اور ماہیت کے متعلق تھا، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بجائے ماہیت بتانے کے خداوند کے اوصاف بیان فرمائے جس سے اشارہ فرمادیا کہ خدا کی کنہ اور حقیقت کا ادراک ناممکن ہے اور ایسا سوال کرنا بھی بیجا اور غباوت پر مبنی ہے۔

اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بنی اسرائیلَ بنی اسرائیل شام کے باشندے تھے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں مصر آئے تھے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام بارہ بھائی تھے ان کی نسل میں بہت زیادہ ترقی اور اضافہ ہوا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ان کی تعداد چھ لاکھ تیس ہزار تھی، بنی اسرائیل کو مصر میں رہتے ہوئے چار سو سال گذر چکے تھے، یہ لوگ مصر میں نہایت ذلت اور غلامی کی زندگی گذار رہے تھے، یہ لوگ اپنے وطن واپس جانا چاہتے تھے مگر فرعون اپنی خدمت گذاری اور بیگار لینے کی ضرورت کی وجہ سے جانے نہیں دیتا تھا، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیغام حق پہنچانے کے ساتھ ساتھ بنی اسرائیل پر جو ظلم اس نے کر رکھا تھا اس سے باز آنے اور ان کو اپنے ملک جانے دینے کی ہدایت کی۔ (قرطبی)

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِیْنَا وَلِیْدًا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرعون کے یہاں کتنی مدت رہے اس میں مختلف اقوال ہیں ایک مشہور قول جس کو صاحب جلالین نے بھی نقل کیا ہے کہ تیس سال فرعون کے یہاں رہے اور دس سال مدین میں حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہاں رہے اس طرح چالیس سال ہو گئے اس کے بعد کوہ طور پر نبوت ملی، اس کے بعد واپس فرعون کے پاس آئے اور اس کو تیس سال تک دعوت دی اور فرعون کے غرق ہونے کے بعد پچاس سال حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بقید حیات رہے اس حساب سے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر ایک سو بیس سال ہوئی ایک قول یہ بھی ہے کہ ابتداءً فرعون کے یہاں بارہ سال رہے، قتل قبطی کے بعد مدین تشریف لے گئے اور معاہدہ کے مطابق دس سال تک حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بکریاں چراتے رہے دس سال کی مدت پوری ہونے پر حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صاحبزادی سے نکاح کیا اس کے بعد اٹھارہ سال مزید قیام فرمایا بعد ازاں آپ حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اجازت سے مصر کے لئے روانہ ہوئے جبکہ آپ کی عمر چالیس سال تھی، اسی سفر کے دوران آپ کو منصب نبوت پر سرفراز کیا گیا۔ (روح المعانی)

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دوبارہ قیام کے دوران فرعون سے مناظرہ بھی ہوا جس کو قرآن کریم نے بالتفصیل ذکر کیا ہے

جب فرعون لاجواب ہوگیا اور اس سے کوئی معقول جواب نہ بن پڑا تو اپنے مصاحبین اور سرداروں کو ابھارنا اور بھڑکانا شروع کردیا، اور آخر میں یہ دھمکی بھی دے ڈالی کہ اگر تم میرے علاوہ کسی اور کو معبود تسلیم کروگے تو میں تم کو حوالۂ زنداں کردوں گا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں کوئی ایسی چیز یا معجزہ دکھاؤں کہ جس سے ظاہر ہوجائے کہ میں واقعی خدا کا سچا رسول ہوں تب بھی تو میری صداقت کو تسلیم نہ کرے گا، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دلیل نبوت کے طور پر اپنا عصا زمین پر ڈالدیا جو اژدہا بن کر پھنکارنے لگا، قرآن کریم میں بعض جگہ ثعبان کو حیة اور بعض جگہ جانٌّ کہا گیا ہے ثعبان بڑے سانپ کو کہتے ہیں جسے اژدہا کہا جاتا ہے، اور جانّ چھوٹے سانپ کو کہتے ہیں اور حیة مطلقاً ہر چھوٹے بڑے سانپ کو کہتے ہیں، ان میں تطبیق کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ وہ ابتداءً تو جان (چھوٹا) سانپ بنتا ہو اور بعد میں ثعبان (بڑا سانپ) ہوجاتا ہو، اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جسم اور جثہ کے اعتبار سے تو وہ اژدہا تھا مگر نقل وحرکت کے اعتبار سے جان کے مانند تھا، یعنی عام طور پر اژدہا سریع الحرکت نہیں ہوتا وہ تو ایک ہی جگہ پڑا رہتا ہے مگر وہ ایسا اژدہا تھا کہ سریع الحرکت تھا گویا کہ وہ جان تھا۔

وَنَزَعَ يَدَهُ روایت ہے کہ فرعون نے جب عصا کا معجزہ دیکھا تو کہا هَلْ لَكَ غيرها کیا تیرے پاس اس کے علاوہ کچھ اور ہے، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ آستین سے نکالا اور اپنی بغل میں داخل کرکے نکالا تو وہ نہایت چمکدار اور نورانی تھا قریب تھا کہ آنکھیں چندھیا جائیں۔

تنبیہ: اَنَا رَبُّكُمُ الاعلىٰ فرعون کا رب اعلیٰ کہنا اپنی قوم کو خوف زدہ اور مرعوب کرنے کے لئے تھا، اس کا یہ اعتقاد نہیں تھا اور یہ اعتقاد بظاہر بعید بھی معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف تھا کہ اس کا وجود عدم کے بعد ہوا ہے، اور دنیا پر ہزارہا سال ایسے گذر چکے ہیں کہ وہ موجود ہی نہیں تھا، اور اس کے زیر حکمرانی صرف ملک مصر ہی تھا، اسی وجہ سے حضرت شعیب علیہ السلام نے جب موسیٰ علیہ السلام مدین تشریف لے گئے تھے فرمایا تھا لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ (روح المعانی) بعض حضرات نے کہا ہے کہ وہ اللہ کی ذات سے ناواقف محض تھا اس کے باوجود وہ خود کو خالق السمٰوات والارض وما بینهما نہیں سمجھتا تھا، بلکہ وہ دہریہ خدا کا منکر تھا اور افلاک کا وجود وجوب لذاتہٖ مانتا تھا اور افلاک کی حرکت کو حوادث کے وجود کا سبب مانتا تھا اور اس بات کا قائل تھا کہ جو شخص ملک کا مالک اور حکمراں ہوتا ہے وہ اپنے اہل وطن کے لئے مستحق عبادت ہوتا ہے اور ان کا رب ہوتا ہے۔ (روح المعانی، ج ۱۱، ص ۱۰۹)

قَالَ فرعونُ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿٣٤﴾ فائقٌ في عِلمِ السِّحْرِ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿٣٥﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ اَخِّرْ اَمْرَهُمَا وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿٣٦﴾ جامِعِينَ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿٣٧﴾ يَفْضُلُ موسٰى في عِلمِ السحرِ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٣٨﴾ وهو وقتُ الضُّحٰى مِن يومِ الزِّينَةِ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿٣٩﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿٤٠﴾ الاستفهام لِلْحَثِّ على الاجتماعِ والتَّرَجِّي على تقديرِ غَلَبَتِهم لِيَسْتَمِرُّوْا على دينهم فلا يَتَّبِعُوْا موسٰى

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ بتحقيق الهمزتين وتسهيل الثانية وادخال الف بينهما على الوجهين لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا حِينئذٍ لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى بعد ماقالوا له اِمَّا اَنْ تُلقِيَ وامَّا اَنْ نَكُونَ نَحْنُ المُلقِينَ اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾ فالامر منه لِلاذن بتقديم القائهم توسُّلًا به اِلى اِظهار الحق فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ بحذف اِحدى التائين من الاصل تبتلِعُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾ يُقلِبُونَهُ بتمويههم فيَتخيَّلُونَ حبالهم وعِصِيَّهم انَّها حيَاتٌ تَسعٰى فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾ لِعلمِهم بانَّ ما شاهَدُوهُ مِن العَصا لا يَتاَتّٰى بالسِحر قَالَ فرعونُ اٰمَنْتُمْ بتحقيق الهمزتين وابدال الثانية الفا لَهٗ لِموسٰى قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ انا لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فعلمكم شيئًا منه وغلبكم باخر فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۚ۬ ما ينالُكم مِنِّي لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ اى يَدَ كُلِّ واحدٍ اليُمنٰى ورِجلَهُ اليُسرٰى وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۹﴾ قَالُوْا لَا ضَيْرَ لا ضَرَرَ علينا في ذلك اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا بعد موتِنا باىِّ وَجهٍ كان مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ راجعُونَ في الأخرةِ اِنَّا نَطْمَعُ نرجُو اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ اى بان كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۱﴾ في زمانِنا.

ترجمہ: فرعون اپنے اردگرد موجود مصاحبین سے کہنے لگا یہ تو کوئی بڑا دانا جادوگر ہے یعنی علم سحر میں بڑا فائق ہے یہ تو یہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے ذریعہ تمہیں تمہاری سرزمین سے نکال دے سو تم کیا مشورہ دیتے ہو؟ درباریوں نے کہا آپ اس کو اور اس کے بھائی کو (کچھ) مہلت دیجئے یعنی ان کے معاملہ کو فی الحال مؤخر کردیجئے اور شہروں میں (جادوگروں کو) جمع کرنے والے بھیج دیجئے جو آپ کے پاس ہر ذی علم ماہر جادوگر کو لے آئیں جو موسیٰ پر علم سحر میں فائق ہوں پھر ایک معین دن کے مقررہ وقت پر جادوگر جمع کرلئے گئے اور وہ عید کے دن کا چاشت کا وقت تھا (یعنی یوم عاشوراء کا) اور لوگوں سے کہا گیا کہ کیا تم جمع ہوجاؤ گے؟ تاکہ ہم جادوگروں کی اتباع کریں اگر وہ غالب رہیں، استفہام اجتماع پر آمادہ کرنے کے لئے ہے، اور ترجی جادوگروں کے غلبہ کی صورت میں ان کے دین پر قائم رہنے کے لئے ہے تاکہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اتباع نہ کریں، چنانچہ جب جادوگر آگئے تو فرعون سے کہنے لگے اگر ہم غالب آگئے تو کیا ہم کو کوئی بڑا انعام ملے گا؟ أئِــنَّ میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کی تسہیل اور دونوں صورتوں میں دونوں ہمزوں کے درمیان الف داخل کرکے، فرعون نے کہا ضرور، اور تم اس صورت میں مقربین میں داخل ہوگے، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعد اس کے کہ جادوگروں نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا آیا آپ پہلے وار کریں گے یا ہم پہلے وار کریں ان سے کہا جو تمہیں ڈالنا ہے ڈالو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب سے (القاء) کا حکم ان کے پہلے ڈالنے کی اجازت کے لئے ہے تاکہ اجازت اظہار حق کا ذریعہ ہو چنانچہ جادوگروں نے اپنی رسیوں اور لکڑیوں کو ڈال دیا اور پکار اٹھے فرعون کی عزت کی قسم یقیناً ہم ہی غالب رہیں گے پھر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا عصا ڈال دیا تو ڈالتے ہی اُس نے ان کے

بناوٹی کرتب کو نگلنا شروع کر دیا تَلَقَّفُ میں اصل سے دو تاؤں میں سے ایک تاء کو حذف کر کے اور وہ ان چیزوں کو اپنی نظر بندی کے ذریعہ بدل رہے تھے اور لوگ ان کی رسیوں اور لکڑیوں کو دوڑتے ہوئے سانپ محسوس کر رہے تھے یہ دیکھتے ہی جادوگر بے اختیار سجدہ میں گر گئے (جادوگروں نے صاف) کہہ دیا کہ ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے (یعنی) موسیٰ وہارون کے رب پر ان کے اس بات سے واقف ہو جانے کی وجہ سے کہ انہوں نے عصا سے جو کچھ مشاہدہ کیا ہے وہ جادو کے ذریعہ نہیں ہو سکتا، فرعون نے کہا کیا تم میری اجازت کے بغیر اس پر یعنی موسیٰ پر ایمان لے آئے؟ ءَآمنتم میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کو الف سے بدل کر یقیناً یہی تم سب کا گرو ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے چنانچہ تم کو جادو کا کچھ حصہ سکھا دیا اور دوسرے کے ذریعہ (جس کو تم سے چھپا کر رکھا) تم پر غالب آگیا، ابھی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ میری طرف سے تم کو کیا پیش آتا ہے میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا یعنی ہر ایک کا داہنا ہاتھ اور بایاں پیر اور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا سب نے جواب دیا کچھ حرج نہیں ہمارا اس میں کوئی نقصان نہیں ہے ہم تو مرنے کے بعد جس طرح بھی موت آئے اپنے رب کے پاس آخرت میں جا پہنچیں گے ہم امید رکھتے ہیں یہ کہ ہمارا رب ہماری خطاؤں کو معاف فرمائے گا اس سبب سے کہ ہم اپنے زمانہ میں سب سے پہلے ایمان لے آئے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: اَلْمَلَأُ اسم جنس ہے سرداروں کی جماعت (جمع) اَمْلَاءٌ، اَرْجِهْ اِرْجَاءٌ سے امر کا واحد مذکر حاضر ہے، ہ ضمیر مفعولی ہے ڈھیل دے، مہلت دے۔

قولہ: تَاْمُرُوْنَ اصل میں تَاْمُرُوْنَنِیْ تھا۔

قولہ: یَاْتُوْكَ جواب امر کی وجہ سے مجزوم ہے۔

قولہ: وادخال الْاَلِفِ بَیْنَهُمَا علی الوجهین یہاں مناسب تھا وعلٰی ترك الادخال علی الوجهین بھی فرماتے تا کہ چار قراءتیں ہو جاتیں۔

قولہ: فالأمرُ فیه الخ یہ اس اعتراض کا جواب ہے کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے اَلْقُوْا ما اَنْتُمْ مُلْقُوْنَ کہہ کر جادو یعنی ایک قبیح اور کفریہ عمل کا حکم فرمایا اس لئے کہ جادو کفر اور عمل قبیح ہے اور نبی کے لئے یہ ہرگز مناسب نہیں کہ کسی کو کفریہ عمل کرنے کا حکم دے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حکم نہیں تھا بلکہ بصورت امر اجازت تھی اس لئے کہ جادوگروں نے کہا تھا کہ اول تم وار کرو یا ہم کو اجازت دو کہ ہم وار کریں موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کو اول وار کرنے کی اَلْقُوْا مَا اَنْتُمْ مُلْقُوْنَ کہہ کر اجازت دیدی، لہٰذا اعتراض کی کوئی بات نہیں ہے، مگر اس جواب پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ کفریہ عمل کی اجازت بھی رضا پر دلالت کرتی ہے اور رضا بالکفر کفر ہے لہٰذا اجازت دینا بھی مناسب نہیں تھا، اس شبہ کا جواب بھی اسی عبارت میں موجود

ہے کہ اظہار حق کے لئے ضروری تھا کہ جادوگروں کو اجازت دیدی جائے تا کہ وہ اپنا کرتب دکھائیں اور عصا معجزہ کے ذریعہ اژدہا بن کر ان کے اس باطل اور بناوٹی کرتب کو حاضرین کے روبرو نگل جائے اور لوگوں پر حق و باطل میں فرق واضح ہو جائے جیسا کہ حق ظاہر ہو گیا یہ ایسا ہی ہے کہ مسجد کو منہدم کرنا اگرچہ قبیح ہے مگر تعمیر نو کے لئے انہدام قبیح نہیں بلکہ مستحسن ہے لہٰذا یہ تخریب برائے تعمیر تھی نہ کہ تخریب برائے تخریب۔

قَوْلَہٗ: وَإبدال الثانية الفًا والصحيح ابدال الثالثة الفًا اس لئے کہ تیسرا ہمزہ ہی الف سے بدلا ہوا ہے۔

قَوْلَہٗ: ربِّ موسٰی وهارونَ یہ رب العالمین سے بدل ہے۔

قَوْلَہٗ: یَأْفِكُوْنَ، اِفْكٌ (ض) سے جمع مذکر غائب پلٹ رہے تھے، فَأُلْقِیَ السَّحَرَةُ یعنی بے اختیار سجدہ میں گر پڑے۔

تفسیر و تشریح

قَالَ لِلْمَلَإِ حَوْلَهُ إِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ فرعون بجائے اس کے کہ ان معجزات کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کرتا اور ایمان لاتا اس نے تکذیب اور عناد کا راستہ اختیار کیا اور حضرت موسیٰ کی بابت کہا یہ تو کوئی بڑا افنکار جادوگر ہے، نیز اپنی قوم کو بھڑکانے کے لئے کہا کہ وہ ان شعبدے بازیوں کے ذریعہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال کر خود اس پر قابض ہونا چاہتے ہیں، اب بتلاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ یعنی اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ قوم کے سرداروں نے یہ مشورہ دیا کہ ان دونوں کو فی الحال اپنے حال پر چھوڑ دو اور تمام شہروں سے تمام جادوگروں کو جمع کر کے ان کا باہمی مقابلہ کرایا جائے تا کہ ان کے کرتب اور شعبدے بازی کا جواب دیا جائے، چنانچہ جادوگروں کی ایک بہت بڑی تعداد مصر کے اطراف و جوانب سے جمع کر لی گئی، ان کی تعداد میں مختلف اقوال ہیں، ۱۲ ہزار، ۱۷ ہزار، ۱۹ ہزار، ۳۰ ہزار، ۸۰ ہزار اصل تعداد اللہ ہی بہتر جانتا ہے کسی مستند ماخذ میں تعداد کا ذکر نہیں ہے، بہر حال مقابلہ کا دن اور وقت طے ہو گیا، اور عوام کو بھی تاکیدی حکم جاری کر دیا گیا کہ سب کو معرکہ دیکھنے کے لئے ضرور آنا ہے، جب دونوں فریق آمنے سامنے آ گئے تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تم ہی پہلے اپنا کرتب دکھاؤ قَالَ لَهُمْ مُوْسٰی اَلْقُوْا مَا اَنْتُمْ مُلْقُوْنَ اس پر بادی النظر میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جادو کا حکم دے رہے ہیں جو کہ فعل قبیح کا حکم ہے اور یہ نبی کی شان سے بعید ہے، اس شبہ کا جواب تحقیق کے زیر عنوان تفصیل سے گذر چکا ہے وہاں ملاحظہ کر لیا جائے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر غور سے دیکھا جائے، تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے، کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب سے جادو دکھانے کا حکم نہیں تھا بلکہ جو کچھ وہ کرنے والے تھے اس کا ابطال مقصود تھا مگر اس کو باطل کرنا بغیر اس کے ظاہر کرنے کے ناممکن تھا اس لئے آپ نے ان کو جادو کے اظہار کا حکم دیا۔

چنانچہ جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں میدان میں ڈال دیں جو لوگوں کو نظر بندی کی وجہ سے دوڑتے بھاگتے سانپ معلوم ہونے لگے تھے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی طبعی طور پر خوف محسوس کیا جس کو قرآن کریم نے فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ

خیفة موسٰی سے تعبیر کیا ہے (طٰہٰ ٦٧) چنانچہ ان جادوگروں کو اپنی کامیابی اور برتری کا پورا یقین تھا جیسا کہ ان کے قول قالوا لفرعون ائِنَّ لَنا لَاَجرًا اِن کنّا نحنُ الغلبینَ سے معلوم ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی دی کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے ذرا اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دو اور پھر دیکھو! چنانچہ لاٹھی کا زمین پر ڈالنا تھا کہ اس نے ایک خوفناک اژدہے کی شکل اختیار کرلی اور ایک ایک کرکے ان کے سارے کرتبوں کو نگل گیا جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔

فرعون کے لئے یہ واقعہ بڑا عجیب اور حیرت ناک تھا جن جادوگروں کے ذریعہ وہ فتح اور غلبے کی آس لگائے بیٹھا تھا وہی نہ صرف یہ کہ مغلوب ہوگئے بلکہ موقع پر ہی سب کے سامنے رب العالمین پر ایمان لے آئے، لیکن بجائے اس کے کہ فرعون خود بھی غور وفکر سے کام لیتا اس نے مکابرہ اور عناد کا راستہ اختیار کیا اور جادوگروں کو ڈرانا دھمکانا شروع کردیا اور کہا کہ تم سب اسی کے شاگرد معلوم ہوتے ہو اور تمہارا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سازش کے ذریعہ تم ہمیں یہاں سے بے دخل کردو۔

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی بعدَ سنینَ اَقامَہا بَیْنَہم یدعوہم بِاٰیاتِ اللّٰہِ الی الحقِّ فلَمْ یزیدُوا الا عُتُوًّا اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْٓ بنی اسرائیل وفی قراءۃ بکسر النون ووصلِ ہمزۃِ اسرِ من سری لغۃ فی اسری ای سِرِبہم لیلا الی البحر اِنَّکُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ یَتَّبِعُکُمْ فرعونُ وجنودُہ فیلجُوْنَ ورائَکم البحرَ فأُنجیکم واُغرقُہم فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ حین أُخبرَ بِسَیْرِہم فِی الْمَدَآئِنِ قیل کان لہ اَلفُ مدینۃٍ واثنتا عشرۃ اَلفَ قَرْیَۃٍ حٰشِرِیْنَ ﴿۵۳﴾ جامعینَ الجَیْشَ قائِلاً اِنَّ ہٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَۃٌ طائفۃ قَلِیْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ قیل کانوا ستَّمِائَۃِ الفٍ وسبعین اَلفًا ومُقدمۃُ جَیْشِہٖ سبعُمِائَۃِ اَلفٍ فَقَلَّلَہم بالنّظر الی کثرۃ جیشِہٖ وَاِنَّہُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ فاعلون ما یُغیظُنا وَاِنَّا لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ مُتیقِّظُونَ وفی قراءۃٍ حَاذِرُوْنَ مُسْتَعِدُّون قال تعالیٰ فَاَخْرَجْنٰہُمْ ای فرعونَ وجنودَہ من مصرَ لِیلحقوا موسٰی وقومَہ مِّنْ جَنّٰتٍ بَساتِین کانت علی جانبی النیل وَّعُیُوْنٍ ﴿۵۷﴾ اَنہارٍ جاریۃٍ فی الدُّور من النّیل وَّکُنُوْزٍ اموالٍ ظاہرۃٍ من الذہب والفضۃ وسُمِّیَتْ کُنوزًا لِاَنَّہ لم یُعطَ حَقُّ اللّٰہِ تعالیٰ منہا وَّمَقَامٍ کَرِیْمٍ ﴿۵۸﴾ مجلسٍ حسنٍ لِلاُمَراءِ وَالوُزَراءِ یُحفِہ اَتْباعُہم کَذٰلِکَ ای اِخْراجُنا کما وَصَفنا وَاَوْرَثْنٰہَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۵۹﴾ بَعْدَ اغراقِ فرعونَ وقومِہٖ فَاَتْبَعُوْہُمْ لَحِقُوْہُمْ مُّشْرِقِیْنَ ﴿۶۰﴾ وقتَ شُرُوقِ الشمس فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ ای رأی کلٌّ منہما الاٰخرَ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓی اِنَّا لَمُدْرَکُوْنَ ﴿۶۱﴾ یُدرِکُنا جمعُ فرعونَ ولا طاقۃ لنا بہٖ قَالَ موسٰی کَلَّا ای لَنْ یُدرِکُونا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ بنصرہٖ سَیَہْدِیْنِ ﴿۶۲﴾ طریقَ النجاۃِ قال تعالیٰ فَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاکَ الْبَحْرَ فضرَبَہٗ فَانْفَلَقَ اِنشقَّ اثنَیْ عَشَرَ فِرْقًا فَکَانَ کُلُّ فِرْقٍ کَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ ﴿۶۳﴾ الجَبَلِ الضَّخمِ بَیْنَہا مسالکُ سَلکوہا لم یَبْتَلَّ منہا سَرْجُ الراکب ولا لِبْدُہ وَاَزْلَفْنَا قَرَّبْنا ثَمَّ ہُنالکَ الْاٰخَرِیْنَ ﴿۶۴﴾ فرعونَ وقومَہ حتی سَلَکُوا مسالِکَہم وَاَنْجَیْنَا مُوْسٰی وَمَنْ مَّعَہٗٓ اَجْمَعِیْنَ ﴿۶۵﴾ بِاِخْراجِہِمْ من البحرِ علی ہَیْئَتِہٖ المذکورۃ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۶۶﴾ فرعونَ وقومَہ بِاِطْباقِ البَحْرِ علیہم لَمّا تمّ

دخولهم البحرَ وخروجُ بني اسرائيلَ منه اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اي اغراقِ فرعونَ وقومِه لَاٰيَةً عِبرةً لِمَنْ بعدَهم وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۶۷﴾ باللّٰهِ لم يؤمِنْ منهم غيرُ اٰسيةَ امْرأةِ فرعونَ وحِزقيلَ مؤمنُ اٰلِ فرعونَ ومريمَ بنتِ نَا مُوسٰى الَّتِيْ دلَّتْ على عِظامِ يُوسُفَ عليه السلام وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ فانتقمَ مِنَ الكافرينَ باغراقِهم الرَّحِيْمُ ﴿۶۸﴾ بالمؤمنين فانجاهم من الغرقِ . ع ۱۷ / ۸

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا بعد اس کے کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے درمیان سالہا سال مقیم رہے (اور) اللہ کی آیات کے ذریعہ دعوت حق دیتے رہے مگر ان کی سرکشی ہی میں اضافہ ہوتا رہا، کہ میرے بندوں بنی اسرائیل کو راتوں رات نکال لیجا، اور ایک قراءت میں نون کے کسرہ اور اَسْرِ کے ہمزہ وصل کے ساتھ ہے اَسْریٰ میں ایک لغت سَرَیٰ بھی ہے، یعنی راتوں رات ان کو بحر (قلزم) کی طرف لے جا، یقیناً تمہارا تعاقب کیا جائے گا یعنی فرعون اور اس کا لشکر تمہارا تعاقب کرے گا چنانچہ وہ تمہارے پیچھے دریا میں داخل ہو جائیں گے سو میں تم کو نجات دوں گا اور ان کو غرق کر دوں گا جس وقت فرعون کو بنی اسرائیل کے رات کو چلے جانے کی خبر دی گئی تو فرعون نے شہروں میں لشکر کو جمع کرنے والے بھیج دیئے بیان کیا گیا ہے کہ اس کے زیر تسلط ایک ہزار شہر اور بارہ ہزار دیہات تھے، یہ کہتے ہوئے کہ ان لوگوں کی ایک چھوٹی سی جماعت ہے کہا گیا ہے ان کی تعداد چھ لاکھ اور ستر ہزار تھی، اور اس کے مقدمۃ الجیش کی تعداد سات لاکھ تھی، اپنے لشکر کی کثرت کے مقابلہ میں بنی اسرائیل کو قلیل قرار دیا (ورنہ تو فی نفسہٖ وہ کثیر تھے) اور یہ کہ ان لوگوں نے ہم کو غصہ دلایا ہے یعنی ایسی حرکت کی ہے جس نے ہم کو غضبناک کر دیا ہے بلاشبہ ہم سب چوکنے ہیں یعنی بیدار مغز ہیں (غافل نہیں ہیں) اور ایک قراءت حَاذِرُوْنَ ہے یعنی مستعد ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا چنانچہ ان کو یعنی فرعون اور اس کے لشکر کو مصر کے باغوں سے جو کہ (دریائے) نیل کے دونوں کناروں پر تھے اور چشموں سے یعنی ان نہروں سے جو نیل سے ان کے گھروں میں جاری تھیں، اور خزانوں سے یعنی سونے چاندی کے اموال ظاہرہ سے اور کنز کو کنز اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہیں کیا گیا اور امراء اور وزراء کی عمدہ مجلسوں سے کہ جن مجلسوں کو ان کے خدام گھیرے ہوئے تھے نکال لائے، بیان کردہ طریقہ کے مطابق ہمارا نکالنا ہوا، فرعون اور اس کی قوم کے غرق ہونے کے بعد ہم نے بنی اسرائیل کو ان تمام چیزوں کا وارث بنا دیا چنانچہ قبطی طلوع شمس کے وقت اسرائیلیوں سے جا ملے، پس جب دونوں فریقوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھی کہنے لگے ہم تو پکڑے گئے یعنی فرعون کے لشکر نے ہم کو پکڑ لیا اور ہم میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہرگز نہیں یعنی وہ ہم کو ہرگز نہیں پکڑ سکتے (اس لئے) کہ یقین مانو میرے رب کی نصرت میرے ساتھ ہے، وہ عنقریب مجھ کو نجات کا راستہ بتا دے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنی لاٹھی دریا پر ماریں چنانچہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لاٹھی ماری، اسی وقت دریا بارہ حصوں میں

منقسم ہوگیا ہر حصہ عظیم پہاڑ کے مانند تھا اور ان بارہ حصوں کے درمیان راستے تھے جن میں وہ چلتے تھے اور بارہ قبیلوں میں سے نہ کسی سوار کے گھوڑے کی زین تر ہوئی اور نہ نمدہ، اور ہم نے دوسروں یعنی فرعون اور اس کی قوم کو اس موقع کے قریب پہنچا دیا حتی کہ وہ بھی ان کے راستوں میں داخل ہوگئے اور ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے تمام ساتھیوں کو ہیئت مذکورہ کے ساتھ دریا سے نکال کر نجات دیدی، بعد ازاں دوسروں کو غرق کر دیا یعنی فرعون اور اس کی قوم کو جب دریا میں ان کا دخول اور اسرائیلیوں کا دریا سے خروج مکمل ہوگیا تو ان پر دریا کو ملا کر غرق کر دیا بلاشبہ اس میں یعنی فرعون اور اس کی قوم کے غرق کرنے میں بعد والوں کے لئے عبرت کی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان نہیں لائے یعنی فرعون کی بیوی آسیہ اور آل فرعون کا ایک فرد حزقیل اور مریم بنت ناموسیٰ جس نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہڈیوں کی نشاندہی کی تھی، کے علاوہ کوئی ایمان نہیں لایا اور بلاشبہ آپ کا رب غالب ہے چنانچہ کافروں سے ان کو غرق کرکے انتقام لے لیا اور مومنین پر بڑا مہربان ہے چنانچہ ان کو غرق سے بچا لیا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: شِرْذِمة چھوٹی جماعت (جمع) شَرَاذِم لشرذمة قليلون قیاس کا تقاضہ یہ تھا کہ لشرذمة قليلة ہوتا، اس لئے کہ قليلة شرذمة کی صفت ہے مگر چونکہ شرذمة اسباط پر مشتمل تھا اور ہر سبط ان میں سے قلیل تھا اس لئے جمع کو مذکر لایا گیا۔ (روح المعانی) اور قليلون، اِنَّ کی خبر ثانی بھی ہوسکتی ہے۔

قَوْلُہٗ: لجميعٌ بمعنی جمعٌ ای جماعة یہ کلمہ الفاظ تاکید میں سے نہیں ہے کہ یہ اعتراض ہوسکے کہ حرف تاکید تابع ہوکر ہی استعمال ہوتا ہے اور یہاں تابع ہوکر استعمال نہیں ہوا، جواب کا ماحصل یہ ہے کہ یہ کلمات تاکید میں سے نہیں بلکہ جماعت کے معنی میں ہیں لہٰذا کوئی اعتراض نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: وفي قراءة حاذرون ابوعبید نے کہا ہے حَذِرُون اور حَاذِرُون دونوں کے ایک ہی معنی ہیں ہوشیار، بیدار مغز، چوکنا، بعض حضرات نے یہ فرق بیان کیا ہے حَذِرٌ کے معنی متیقظ کے ہیں اور حاذر کے معنی خائف کے ہیں اور بعض حضرات نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ حَذِرُون اس مخلوق کو کہتے ہیں جو پیدائشی طور پر چوکنے ہوتے ہیں جیسے کوّا، اور حاذِر اس کو کہتے ہیں کہ جو پیدائشی طور پر تو چوکنا نہ ہو مگر بعد میں چالاک و ہوشیار ہوگیا ہو۔

قَوْلُہٗ: مقام كريم "مقام کریم" سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، بعض حضرات نے عمدہ مکانات مراد لئے ہیں، اور بعض نے امراء ورؤساء کی مجالس مراد لی ہیں، جیسا کہ علامہ محلی نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: كذٰلك محل نصب میں بھی ہوسکتا ہے تقدیر یہ ہوگی اَخرجناهم مثل ذٰلك الاخراج الذي وصفنا اور مقام کریم کی صفت ہونے کی وجہ سے محل جر میں بھی ہوسکتا ہے ای مقام كريم مثل ذٰلك المقام الذي كان لهم اور مبتداء

محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع بھی ہوسکتا ہے ای الامر کذٰلک.

قَوْلُہٗ: واَوْرَثناھا کا عطف فاخرجنا پر ہے۔

قَوْلُہٗ: وَمَا کان اکثرھم مؤمنین ، اکثرھم ان لوگوں کا اکثر مراد نہیں جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعاقب میں گئے تھے اس لئے کہ وہ تو سب کے سب غرق کر دیئے گئے بلکہ اکثر سے وہ لوگ مراد ہیں جو فرعون کے مسلک اور اس کے عقیدہ پر تھے اور فرعون کی طرف منسوب تھے، ان میں سے بعض لوگ ایمان بھی لائے تھے، جیسا کہ حزقیل اور فرعون کی بیٹی، اس کی بیوی آسیہ اور مریم بنت ناموسیٰ جس نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر کی نشاندہی کی تھی اور سیبویہ نے کان کو زائدہ کہا ہے۔

تفسیر وتشریح

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰی جب بلاد مصر میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قیام طویل ہو گیا اور ہر طرح سے انہوں نے فرعون اور اس کے درباریوں پر حجت قائم کر دی لیکن اس کے باوجود وہ ایمان لانے کے لئے آمادہ نہیں ہوئے تو اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ انہیں عذاب ونکال سے دوچار کر کے سامان عبرت بنا دیا جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ راتوں رات بنی اسرائیل کو یہاں سے لیکر نکل جائیں اور فرمایا کہ فرعون تمہارے پیچھے آئے گا گھبرانا نہیں۔

اسرائیلیوں کو فرعون نے شِرْذِمَۃٌ قلیلونَ تحقیر کے لئے کہا تھا ورنہ ان کی تعداد چھ لاکھ سے بھی زیادہ تھی وَاِنَّھُمْ لَنَا لَغَائِظُوْنَ ، لَنَا کی تقدیم حصر اور رعایت فواصل کے لئے ہے، اصل میں انھم غائظون لنا ہے، یعنی اول تو یہ میری اجازت کے بغیر چلے گئے، دوسری بات یہ ہے کہ قبطیوں کے زیورات دھوکے سے لے گئے یہ دونوں حرکتیں ایسی ہیں کہ جس نے ہم کو غیظ وغضب میں مبتلا کر دیا ہے۔

فاخرجنا ھم من جنّٰتٍ وعیون یعنی فرعون اور اس کا لشکر بنی اسرائیل کے تعاقب میں کیا نکلا کہ پھر پلٹ کر اپنے گھروں اور باغات میں آنا ہی نصیب نہ ہوا، یوں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور مشیت سے انہیں تمام نعمتوں سے محروم کر کے ان کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا، بعض حضرات نے اَوْرَثْنٰھَا بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ہم نے مصر جیسا اقتدار اور دنیوی جاہ وجلال بنی اسرائیل کو بھی عطا کیا، کیونکہ بنی اسرائیل مصر سے نکل جانے کے بعد مصر واپس نہیں آئے نیز سورۂ دخان میں فرمایا گیا ہے وَاَوْرَثْنٰھَا قومًا آخرین کہ ہم نے اس کا وارث کسی دوسری قوم کو بنا دیا (ایسر التفاسیر) بعض اہل علم یہ کہتے ہے کہ قومًا آخرین میں قوم کا لفظ اگرچہ عام ہے لیکن یہاں یعنی سورۂ شعراء میں جب بنی اسرائیل کو وارث بنانے کی صراحت موجود ہے تو اس سے مراد بھی قوم بنی اسرائیل ہی ہوگی، مگر قرآن کی صراحت کے مطابق مصر سے نکلنے کے بعد بنی اسرائیل کو ارض مقدس میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا اور ان کے انکار پر چالیس سال کے لئے یہ داخلہ مؤخر کر کے میدان تیہ میں بھٹکایا گیا پھر وہ ارض مقدس میں داخل ہوئے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر حدیث اسراء کے مطابق بیت المقدس کے قریب ہی ہے، اس لئے صحیح معنی یہی ہیں کہ جیسی نعمتیں آل فرعون کو مصر میں حاصل تھیں ویسی ہی

نعمتیں اب بنواسرائیل کو عطا کی گئیں، لیکن مصر میں نہیں فلسطین میں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

جب صبح کو فرعون کو معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل یہاں سے راتوں رات نکل گئے ہیں تو اس کے پندار اقتدار کو بڑی ٹھیس پہنچی اور سورج نکلتے ہی ان کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا، جب فرعونی لشکر بالکل قریب آگیا تو پوری قوم بنی اسرائیل چلا اٹھی اِنا لمدرکون ہم تو یقیناً پکڑے گئے اور پکڑے جانے میں شبہ ہی کیا تھا آگے سمندر ہے اور پیچھے لشکر فرعون اور یہ صورت حال حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی پوشیدہ نہیں تھی مگر وہ کوہ استقامت اللہ کے وعدہ پر یقین کئے ہوئے تھے اس وقت بڑی خود اعتمادی کے ساتھ فرمایا کَلَّا ہرگز ہم پکڑے نہیں جاسکتے، اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ اِنَّ مَعِیَ رَبِّی سَیَهْدِیْنِ میرے ساتھ میرا پروردگار ہے جو مجھے عنقریب راستہ دے گا، ایمان کا امتحان ایسے ہی موقعوں میں ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ذرا بھی خوف و ہراس نہیں تھا وہ گویا کہ بچنے کا راستہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، بعینہ اسی طرح کا واقعہ ہجرت کے وقت غار ثور میں چھپنے کے وقت رسول کریم ﷺ کو پیش آیا تھا دشمن جو آپ کے تعاقب میں تھے اس غار کے دہانے پر آکھڑے ہوئے ذرا نیچے نظریں کریں تو آپ پر ان کی نظریں پڑ جائیں، اس وقت ابو بکر صدیق کو گھبراہٹ ہوئی تو آپ نے بعینہ یہی جواب دیا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا "غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ" ہے ان دونوں واقعات میں ایک خاص بات یہ ہے کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم کو تسلی دینے کے لئے اِنَّ مَعِیَ رَبِّی فرمایا اور رسول اللہ ﷺ نے اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فرمایا، یہ امت محمدیہ کی خصوصیت ہے کہ اس کے افراد بھی اپنے رسول کے ساتھ معیت الٰہیہ سے سرفراز ہیں، چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس طرح رہنمائی فرمائی کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ اپنی لاٹھی سمندر پر مارو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لاٹھی ماری تو پانی دونوں طرف رک گیا اور ان دونوں کے بیچ میں بارہ قبیلوں کے اعتبار سے بارہ راستے بن گئے، غرضیکہ فرعون مع اپنے لشکر کے غرق دریا ہوگیا اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مع اپنی قوم کے نجات پاگئے، یہ سب کچھ تائید الٰہی سے ہوا تائید الٰہی کے بغیر ممکن نہ تھا، اس واقعہ میں یقیناً بڑی عبرت ہے مگر پھر بھی اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ ای کفار مکة نَبَاَ خبر اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ ویُبْدَلُ منه اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا صَرَّحُوْا بالفِعْلِ لِيَعْطِفُوْا علیه فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿۷۱﴾ ای نُقِيْمُ نهارًا علی عِبادَتِها زَادُوْہ فی الجواب افتخارًا به قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ حین تَدْعُوْنَ ﴿۷۲﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اِنْ عَبَدْتُموهم اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿۷۳﴾ كُمْ اِنْ لَمْ تعبدوهم قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ ای مثل فِعْلِنا قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۵﴾ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ لا اَعْبُدُهم اِلَّا لکن رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۷﴾ فانّی اَعْبُدُه الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ﴿۷۸﴾ الی الدین وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ﴿۷۹﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿۸۰﴾ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ ای اَرْجُوا اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۸۲﴾ ای الجزاء رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا عِلْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ ای النَّبِیِّیْن وَاجْعَلْ لِّيْ

لِسَانَ صِدْقٍ ثناءً حَسنًا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۸۴﴾ الذين ياتون بَعْدِىْ الى يوم القيمة وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴿۸۵﴾ اى مِمَّنْ يُعطَاهَا وَاغْفِرْ لِاَبِيْۤ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۸۶﴾ بِاَنْ تَتُوبَ عليه وهٰذا قبل ان يَتَبَيَّنَ له انّه عَدُوُّ اللّٰهِ كما ذُكر في سورة بَرَاءَة وَلَا تُخْزِنِيْ تَفضَحْنِىْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ اى الناسُ قال تعالٰى فيه يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ احدًا اِلَّا لكن مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۹﴾ مِن الشرك والنفاق وهو قلبُ المؤمن فانّه يَنْفَعُه ذلك وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ قُرِّبتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۹۰﴾ فيرَوْنَها وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ اُظْهِرتْ لِلْغٰوِيْنَ ﴿۹۱﴾ الكافرين وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اى غيرِه من الاصنام هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ بِدَفْعِ العذابِ عنكم اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ بِدَفعِه عن اَنفسِهم لَا فَكُبْكِبُوْا القُوا فِيْهَا هُمْ وَالْغٰوٗنَ ﴿۹۴﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَتْبَاعُه ومَنْ اَطَاعَه مِن الجنّ والانس اَجْمَعُوْنَ ﴿۹۵﴾ قَالُوْا اى الغاوُنَ وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۹۶﴾ مَعَ مَعبودِيهم تَاللّٰهِ اِنْ مُخفّفةٌ من الثقيلةِ واسمها محذوف اى اِنَّهٗ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۷﴾ بَيِّنٍ اِذْ حيثُ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾ في العِبادةِ وَمَآ اَضَلَّنَآ عن الهُدٰى اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۹۹﴾ اى الشياطينُ او اَوَّلُوْنَ الذين اقْتَدَيْنَا بهم فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ كما للمؤمنين من الملائكةِ والنَّبيِّيْنَ والمؤمنين وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ اى يُهِمُّه اَمْرُنا فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً رَجْعَةً الى الدنيا فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ لَوْهنا للتمنّي ونَكُونَ جوابُه اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ المذكور من قصةِ ابراهيمَ وقومِه لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ ع

ترجمہ: اور کفار مکہ کو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ (بھی) سنایئے اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ، نَبَاَ اِبراھیمَ سے بدل الاشتمال ہے جبکہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے والد صاحب اور اپنی قوم سے کہا تم کس چیز کی بندگی کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا بتوں کی بندگی کرتے ہیں فعل کی صراحت کی، تا کہ اس پر فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِيْنَ کا عطف کرسکیں ہم تو دن بھران کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں یعنی ہم پابندی سے دن بھران کی عبادت کرتے ہیں، اور انہوں نے جواب میں (فَنَظَلُّ) کا اضافہ (بتوں کی) عبادت پر فخر کے طور پر کیا تو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کیا یہ تمہاری سنتے بھی ہیں جب تم ان کو پکارتے ہو؟ یا تمہارے ان کی عبادت کرنے کی صورت میں تم کو نفع یا عبادت نہ کرنے کی صورت میں نقصان پہنچاتے ہیں؟ انہوں نے کہا (ہم کچھ نہیں جانتے) ہم نے تو اپنے باپ دادوں کو اسی طرح کرتے پایا ہے یعنی جس طرح ہم کرتے ہیں (ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے فرمایا کیا تم اور تمہارے اگلے باپ دادے جن (بتوں) کی بندگی کرتے ہو کبھی ان کی حالت میں غور کیا؟ یہ سب میرے دشمن ہیں میں ان کی بندگی نہیں کرتا لیکن رب العالمین کی بندگی کرتا ہوں جس نے مجھے پیدا کیا سو وہی دین کی طرف میری رہبری فرماتا ہے وہی ہے جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہو جاؤں تو مجھے شفا عطا فرماتا ہے اور وہی مجھے موت دے گا اور پھر مجھے زندہ کرے گا اور وہی ہے جس سے امید کرتا ہوں کہ روز جزاء وہ میری خطاؤں کو معاف کردے گا اے میرے پروردگار مجھے علم عطا فرما اور مجھ کو

صالحین یعنی نبیوں کے زمرہ میں شامل فرما اور بعد والوں میں میری نیک شہرت عطا فرما یعنی ان لوگوں میں جو میرے بعد قیامت تک آئیں گے اور مجھ کو جنت النعیم کے وارثوں میں شامل فرما یعنی ان لوگوں میں جن کو جنت عطا کی جائے گی اور میرے والد کو معاف فرما بلاشبہ وہ راستہ سے بھٹکے ہوئے ہیں، اس طریقہ سے تو ان کی توبہ قبول فرما کہ ان کی مغفرت کردی جائے، اور یہ (دعاء) اس سے پہلے کی بات ہے کہ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام پر اس کے دشمن خدا ہونے کی حقیقت واضح ہوئی، جیسا کہ سورۂ براءت میں ذکر کیا گیا ہے اور لوگوں کو دوبارہ زندہ کئے جانے کے دن مجھے رسوا نہ کر اللہ تعالیٰ نے اس دن کے بارے میں فرمایا جس دن مال واولاد کسی کے کچھ کام نہ آئیں گے لیکن جو شخص شرک ونفاق سے سالم دل لے کر آئے گا اور وہ مومن کا قلب ہوگا یہ چیزیں اس کے لئے سودمند ہوں گی اور متقیوں کے لئے جنت بالکل قریب کردی جائے گی کہ وہ اس کو دیکھیں گے اور کافروں کے لئے جہنم ظاہر کردی جائے گی اور ان سے پوچھ ہوگی کہ جن کی تم اللہ کے سوا پوجا کیا کرتے تھے وہ کہاں ہیں؟ یعنی اللہ کے علاوہ بتوں کی، کیا وہ تم سے عذاب دفع کرکے تمہاری مدد کرسکتے ہیں؟ یا خود اپنا ہی دفاع کرسکتے ہیں؟ نہیں پس وہ اور گمراہ لوگ اور ابلیس کا لشکر اور اس کے متبعین اور جن وانس میں سے جس نے اس کی اطاعت کی ہوگی سب کو جہنم میں اوندھے منہ کرکے ڈال دیا جائے گا اور کفار جہنم میں اپنے معبودوں کے ساتھ جھگڑتے ہوئے کہیں گے اللہ کی قسم بلاشبہ ہم کھلی گمراہی میں تھے اِنْ مخففہ عن المثقلہ ہے اس کا اسم محذوف ہے ای اِنَّـہٗ جبکہ ہم تم کو عبادت میں رب العالمین کے برابر ٹھہرا رہے تھے اور ہمیں تو سوائے ان بدکاروں کے ہدایت سے کسی نے گمراہ نہیں کیا یعنی شیاطین نے یا ان پہلے لوگوں نے جن کی ہم نے اقتداء کی، اب ہمارا کوئی سفارشی بھی نہیں، جیسا کہ مومنین کے لئے ملائکہ اور انبیاء اور مومنین سفارشی ہیں، اور نہ کوئی سچا غمخوار دوست جس کو ہماری حالت غمگین کردے کاش کہ ہمیں ایک مرتبہ پھر دنیا میں واپس جانا مل جاتا تو ہم ایمان لے آتے، لَوْ یہاں تمنی کے لئے ہے اور تَکُوْنَ اس کا جواب ہے بلاشبہ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام اور ان کے مذکورہ قصہ میں بعد والوں کے لئے نشان (عبرت) ہے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں یقیناً آپ کا پروردگار ہی غالب مہربان ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَاتْلُ عَلَیْھِمْ نَبَاَ ابراھِیْمَ واؤ عاطفہ ہے اور (ماسبق میں) اذکر مقدر پر عطف ہے جو کہ اِذْ نَادٰی رَبُّکَ مُوْسٰی میں عامل ہے یہ عطف قصہ علی القصہ ہے۔

قَوْلُہٗ: اِذ قالَ لِاَبیہِ وَقومِہٖ مَا تَعْبُدُوْنَ، نَبَاَ ابراھِیْمَ سے بدل مفصل عن المجمل ہے۔

قَوْلُہٗ: صَرَّحوا بالفعل لِیَعْطِفُوْا علیہ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ مَا تَعْبُدُوْنَ کے جواب میں قیاس کا تقاضہ یہ تھا کہ (فقط) اَصْنَامًا کہتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول وَیَسْئَلونَك مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ

العَفْوَ میں، اس لئے کہ جب سوال میں فعل مذکور ہوتا ہے تو جواب میں فعل کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہتی، جواب یہ ہے کہ فعل نَعْبُدُ ذکر کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِيْنَ کا عطف درست ہو جائے ورنہ تو فعل کا عطف اسم پر لازم آتا۔

قَوْلُهُ: نُقِيمُ نَهَارًا یہ نَظَلُّ کے معنی کا بیان ہے اب رہی یہ بات کہ فَنَظَلُّ لها عاكِفِين کہنے کی کیا ضرورت پیش آئی تو اس کا جواب یہ ہے چونکہ مشرکوں کو بت پرستی پر فخر تھا وہ اس کو معیوب سمجھنے یا اس پر نادم ہونے کی بجائے اس پر فخر کرتے تھے اس لئے انہوں نے فنظلُّ لها عاكفينَ کہا کہ ہم تو دن بھر یعنی ہمہ وقت ان کے سامنے جھکے رہتے ہیں اور یہ ہمارے لئے باعث فخر ہے نہ کہ باعث ندامت۔

قَوْلُهُ: هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ یہاں مضاف محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے هَلْ يَسْمَعُوْنَ دُعَاءَ كُم اس لئے کہ ذوات کے سننے کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: اَفَرَاَيْتُمْ میں ہمزہ فعل محذوف پر داخل ہے فا عاطفہ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَتَاَمَلْتُمْ فَاَبْصَرْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ.

قَوْلُهُ: وَآبَائُكُمْ کا عطف تعبدون کے اندر ضمیر مرفوع متصل پر ہے اسی وجہ سے ضمیر مرفوع منفصل اَنْتُمْ کے ذریعہ تاکید لائی گئی ہے۔

قَوْلُهُ: فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْ وہ میرے دشمن ہیں عداوت کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی طرف کی ہے یہ تعریض ہے اور باب نصیحت میں تعریض تصریح سے ابلغ ہے یعنی بجائے اس کے کہ یوں کہتے فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لَّكُمْ، فانهم عَدُوٌّلِّی کہا۔

قَوْلُهُ: اِلَّا لٰكن رب العٰلمِينَ اِلَّا کی تفسیر لٰكنّ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہ استثناء منقطع ہے، معنی یہ ہیں لٰكنّ ربّ العٰلَمِينَ ليسَ بِعَدُوِّیْ بَلْ هو وَلِيِّ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخرةِ.

قَوْلُهُ: اَلَّذِیْ خلقنِیْ یہ یا تو رب العالمین کی صفت ہے یا بدل ہے یا عطف بیان ہے یا هُوَ مبتداء محذوف کی خبر ہے اور اس کا مابعد اس پر معطوف ہے۔

قَوْلُهُ: وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنَ اس میں مرض کی نسبت اپنی طرف کی ہے نہ کہ اللہ کی طرف، ایسا غایت ادب کی وجہ سے کیا ہے۔

قَوْلُهُ: لِسانَ صِدْقٍ یہ اضافت موصوف الی الصفت ہے ای اللسان الصدق.

قَوْلُهُ: قال تعالىٰ فيه ای فی شان ذٰلكَ اليوم بعض حضرات نے کہا ہے کہ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ یہ بھی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام ہے اور يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ سے بدل ہے، پہلی صورت میں بھی بدل کہا مگر وہ اعتراض سے خالی نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: اِلَّا لکن مَن اتی اللّٰہَ بقلبٍ سلیم شارح نے اِلَّا کی لکن سے تفسیر کرکے اشارہ کردیا کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے لیکن اَحدًا مفعول (محذوف) کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ مستثنیٰ متصل ہو دونوں میں تضاد معلوم ہوتا ہے تطبیق کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ مستثنیٰ منہ اگر مالٌ و لابنُوْنَ کو قرار دیا جائے تو مستثنیٰ منقطع ہوگا اور اگر مستثنیٰ منہ اَحدًا کو قرار دیا جائے تو مستثنیٰ متصل ہوگا، اس لئے کہ مَن اَتی اللّٰہ مستثنیٰ منہ اَحدًا کی جنس سے ہے اور پہلی صورت میں مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: اَیْنَمَا کنتم تعْبُدُوْنَ، اینَ خبر مقدم ہے اور مَا مبتداء مؤخر بمعنی الّذی ہے اور کنتم تعبدون مَا کا صلہ ہے عائد محذوف ہے ای تعبدونہٗ اور مِن دونِ اللّٰہِ حال ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی مَا کنتُم تعبدُونہٗ اینَ.

قَوْلُہٗ: فَلَوْاَنَّ لَنَا کَرَّۃً بالفارسیۃ پس کاش مارا یک بار رجوع باشد، کاش ہم کو ایک مرتبہ دنیا میں واپس جانا مل جاتا۔

قَوْلُہٗ: لوْ، ھُنَا لِلتمنی، فنکونَ مِنَ المؤمنین اس کا جواب ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ لَوْ شرطیہ ہے اس کا جواب محذوف ہے اور فَنکُونَ، کَرَّۃً پر معطوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے لَوْ اَنَّ لَنَا کَرَّۃً فنکونَ مِنَ المؤمنین لَرَجَعْنَا عَمَّا کُنَّا علیہ یا جواب لخلَصْنَا مِنَ العَذَابِ ہوسکتا ہے۔

تفسیر و تشریح

وَاتْلُ عَلَیْھِمْ نَبَاَ اِبْرَاھِیْمَ مشرکین مکہ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی نسل سے ہیں اور ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام ان کے جد امجد ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جارہا ہے کہ آپ ان کو ان کے جد امجد ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا واقعہ سنائیے اور بتائیے کہ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے بت پرستی کے خلاف کس قدر جدوجہد کی اور کس قدر تکلیفیں برداشت کیں اور بت شکنی کا فرض انجام دیا اور تم ان کی نسل سے مدعی ہونے کے باوجود بت پرستی میں مبتلا ہو۔

واقعہ کا آغاز اس طرح فرماتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے والد اور اپنی قوم سے پوچھا کہ تم کس چیز کی بندگی کرتے ہو، حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا سوال اس لئے نہیں تھا کہ ان کو معلوم نہیں تھا کہ میرے والد صاحب اور میری قوم کس چیز کی پوجا کرتی ہے؟ بلکہ مقصد یہ تھا کہ جو کچھ یہ لوگ جواب دیں گے میں اپنی دلیل کے مقدمات انہی کے مسلمات کو بناؤں گا، چنانچہ قوم نے جواب دیا نَعْبُدُ اَصْنَامًا جب قوم نے اقرار کرلیا کہ ہم تو انہی خود تراشیدہ شجر و حجر و مدر کے بتوں کی پوجا کرتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے انہی کے اقرار پر اپنی دلیل کی بنیاد رکھتے ہوئے فرمایا "تو کیا یہ تمہاری پکار سنتے بھی ہیں؟ یا تمہیں یہ نفع نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں؟" حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے اس سوال کا قوم کے پاس کوئی جواب نہیں تھا، لاجواب ہوگئے جھنجلا کر کہنے لگے ہم کچھ نہیں جانتے ہم نے تو اپنے باپ دادوں کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے لہٰذا ہم بھی اسی طرح کرتے ہیں، پھر حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا اَفَرَاَیْتُمْ مَا کُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ یعنی جن چیزوں کی تم پوجا پاٹ کرتے ہو تم نے کبھی ان کی حقیقت میں غور کیا؟ آیا ان کے اندر کوئی ایک صفت بھی ایسی ہے جس کی وجہ سے ان کو مستحق عبادت قرار دیا جاسکے؟ ان کی

پوجا پاٹ کرنا ایک پرانی حماقت ہے، ورنہ جس کے قبضہ میں ذرہ برابر نفع، نقصان نہ ہوان کی بندگی کیسی؟ لو میں ابھی تمہارے سامنے علی الاعلان کہتا ہوں کہ یہ میرے دشمن ہیں میری ان سے لڑائی ہے میں ان کی گت بنا کر رہوں گا، اگر ان کے اندر کوئی طاقت ہے تو مجھ کو نقصان پہنچا کر دکھائیں تَـاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ (انبیاء) لہٰذا ان کی عبادت اور بندگی سراسر ضرر اور نقصان ہے، البتہ اللہ رب العالمین وہ دشمن نہیں بلکہ وہ تو دنیا و آخرت میں میرا اولی اور دوست ہے، میں تو اسی کی بندگی کرتا ہوں اور اسی نے مجھے پیدا کیا اور وہی میری رہنمائی کرتا ہے اور وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے اور بیمار ہونے کی صورت میں شفا دیتا ہے اور وہی موت دے گا اور وہی زندہ کرے گا، مذکورہ تمام صیغوں میں یائے متکلم کو فواصل کی رعایت کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے مثلاً يَهْدِينِ اصل میں يَهْدِيْنِي تھا یائے متکلم کو حذف کر دیا گیا۔

وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَلِيْ انبیاء علیہم السلام اگرچہ معصوم ہوتے ہیں اس لئے ان سے کسی بڑے گناہ کا صدور ممکن نہیں، پھر بھی اپنے بعض افعال کو کوتاہی پر محمول کرتے ہوئے بارگاہ الٰہی میں طالب عفو ہوں گے وَاجْـعَـلْ لِيْ لِسَانَ صِدْقٍ یعنی جو لوگ میرے بعد آئیں وہ میرا ذکر اچھے لفظوں میں کرتے رہیں، اس سے معلوم ہوا کہ نیکیوں کی جزاء اللہ تعالیٰ دنیا میں ذکر جمیل اور ثناء حسن کی صورت میں عطا فرماتا ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر خیر ہر مذہب کے لوگ کرتے ہیں۔

وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ جس شخص کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہو کہ اس کی موت کفر پر ہوئی ہے تو ایسے شخص کے لئے دعاء مغفرت جائز نہیں اس لئے کہ قرآن کریم نے صراحت کے ساتھ اس سے ممانعت فرمائی ہے مَـا كَـانَ لِلـنَّـبِيِّ وَالَّـذِيْنَ آمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِي قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ.

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے والد کے لئے دعائے مغفرت اس وقت کی تھی جب تک ان پر یہ واضح نہیں تھا کہ مشرک کے لئے دعاء مغفرت جائز نہیں، جب اللہ نے یہ واضح کر دیا تو انہوں نے اپنے باپ سے بیزاری کا اظہار کر دیا فَلَـمَّـا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ. (توبہ)

بِاَنْ تَتُوْبَ، بِاَنْ تَتُوْبَ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اپنے والد کی زندگی میں کی تھی اس لئے کہ توبہ کی توفیق اور اس کے لئے دعا تو زندگی ہی میں ہو سکتی ہے اور شارح کے قول هٰذا قَبْلَ اَنْ يَّتَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا اپنے والد کے لئے انتقال کے بعد کی تھی اس لئے کہ کفر پر مرنا انتقال کے بعد ہی معلوم ہو سکتا ہے، تفسیر کبیر میں تطبیق اس طرح دی ہے، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد نے پوشیدہ طور پر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا تھا کہ میں تیرے ہی دین پر ہوں گو مصلحتاً وتقیۃً نمرود کے دین پر ہوں، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بات کو حقیقت سمجھتے ہوئے دعاء فرمائی لیکن جب حقیقت اس کے خلاف معلوم ہوئی تو اس سے براءت ظاہر کر دی، اور یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی دعاء میں كان من الضالين فرمایا، اگر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ اعتقاد نہ ہوتا کہ وہ فی الحال ضالین میں سے نہیں ہے تو وہ كان من الضالين نہ فرماتے۔ (حاشیہ جلالین)

وَلا تخزنی یوم یُبْعَثُوْنَ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا لا تخزِنی یوم یُبْعَثُوْنَ فرمانا خدا کی عظمت وجلال کے سامنے تواضع وانکساری کا اظہار تھا ورنہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی جلالت شان سے کون واقف نہیں وہ تو اولوا العزم پیغمبروں میں سے ہیں، نیز اس سے امت کو تعلیم بھی مقصود ہے، ایک حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس رسوائی اور ذلت سے بچنے کی دعا حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمائی ہے اس میں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ میرے والد محترم کو عذاب میں گرفتار کرنے کی وجہ سے جو رسوائی اور ذلت ہوگی اس سے میری حفاظت فرما، حدیث کا مضمون یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام قیامت کے دن اپنے والد کو برے حال میں دیکھیں گے تو ایک مرتبہ پھر اللہ کی بارگاہ میں ان کے لئے دعاء مغفرت کی درخواست کریں گے اور فرمائیں گے یا اللہ! اس سے زیادہ میرے لئے رسوائی اور کیا ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرمائیگا میں نے جنت کافروں پر حرام کردی ہے پھر ان کے والد کو نجاست میں لتھڑے ہوئے بجّو کی شکل میں جہنم میں ڈالدیا جائے گا۔

(صحیح بخاری سورۃ الشعراء و کتاب الانبیاء، باب قول اللّٰہ واتخذ اللّٰہُ ابراھیمَ خلیلاً)

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ اَحَدًا اِلَّا لٰکن مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ بعض حضرات نے اس آیت میں استثناء منقطع قرار دیکر یہ تفسیر کی ہے کہ کسی کو اس روز اس کا مال کام نہ آئے گا نہ اولاد، البتہ کام آئے گا تو اپنا قلب سلیم کام آئے گا یعنی ایسا قلب کہ جو کفر وشرک ونفاق کی بیماری سے محفوظ ہوگا، خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ روز قیامت کسی کا مال واولاد کام نہ آئے گا، کام صرف اپنا ایمان اور عمل صالح آئے گا، جس کو قلب سلیم سے تعبیر کیا گیا ہے، جمہور مفسرین نے اس کو استثناء متصل قرار دیکر یہ معنی کئے ہیں مال اور اولاد قیامت کے روز کسی شخص کے کام نہ آئیں گے بجز اس شخص کے جس کا قلب سلیم ہوگا، یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس جگہ قرآن کریم نے وَلَا بَنُوْنَ فرمایا ہے جس کے معنی نرینہ اولاد کے ہیں عام اولاد کا ذکر غالباً اس لئے نہیں کیا کہ آڑے وقت میں کام آنے کی توقع دنیا میں بھی نرینہ اولاد یعنی لڑکوں ہی سے ہوتی ہے عام طور پر لڑکیوں سے یہ توقع نہیں ہوتی، اس لئے قیامت میں بھی بالتخصیص لڑکوں کے غیر نافع ہونے کا ذکر کیا گیا ہے جس سے دنیا میں نفع کی توقع رکھی جاتی تھی۔

متقیوں کے لئے جنت بالکل قریب کردی جائے گی اور گمراہ لوگوں کے لئے دوزخ ظاہر کردی جائے گی مطلب یہ ہے کہ جنتیوں کے جنت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے یہ دونوں چیزیں ان کے روبرو کردی جائیں گی جس سے کافروں کے غم میں اور مومنوں کے سرور میں اضافہ ہوجائے گا۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِالْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٠٥﴾ بِتَكْذِيْبِهِمْ له لِاشتراكِهم فی المجیئ بالتَّوحیدِ او لِاَنَّهٗ لِطولِ لُبثِه فیهم كَاَنَّهٗ رسلٌ وتانيثُ قومٍ باعتبار معناه وتذكيرُه باعتبار لفظِه اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نَسَبًا نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٠٦﴾ اللّٰهَ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٠٧﴾ عَلٰی تَبليغِ ما اُرسِلتُ به فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٠٨﴾ فيما اٰمُرُكم به مِنْ توحيدِ اللّٰهِ وطاعتِه وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ علی تَبليغِه مِنْ اَجْرٍ اِنْ ما اَجْرِیَ ای ثَوابی اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١١٠﴾ كرَّره تاكيدًا قَالُوْا اَنُؤْمِنُ نُصَدِّقُ لَكَ لقولِك وَاتَّبَعَكَ وفی قراءةٍ واَتْبَاعُك جمعُ تابعٍ مبتدأٌ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿١١١﴾ السَّفلة

كَالحَاكَةِ والاَسَاكِفَةِ قَالَ وَمَا عِلْمِي اى عِلم لى بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١١٢﴾ إِنْ ما حِسَابُهُمْ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّي فيُجازيهم لَوْ تَشْعُرُونَ ﴿١١٣﴾ تعلمُونَ ذلك ما عِبتُمُوهم وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٤﴾ إِنْ ما أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿١١٥﴾ بَيِّنُ الإِنذارِ قَالُوا لَئِن لَّمْ تَنتَهِ يَا نُوحُ عَمّا تقولُ لنا لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ ﴿١١٦﴾ بالحِجَارَةِ او بالشَّتمِ قَالَ نوحٌ رَبِّ إِنَّ قَوْمِي كَذَّبُونِ ﴿١١٧﴾ فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا اى احكُمْ وَنَجِّنِي وَمَن مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٨﴾ قال تعالى فَأَنجَيْنَاهُ وَمَن مَّعَهُ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿١١٩﴾ المَملُوءِ من الناس والحيوان والطير ثُمَّ أَغْرَقْنَا بَعْدُ اى بعد انجائِهم الْبَاقِينَ ﴿١٢٠﴾ من قومِه إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٢١﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٢٢﴾

النصف ع ١٨

ترجمہ: قوم نوح نے حضرت نوح کی تکذیب کر کے تمام رسولوں کی تکذیب کا ارتکاب کیا ان سب کے توحید کے لانے میں مشترک ہونے کی وجہ سے یا ان کے اپنی قوم میں طویل زمانہ تک قیام کرنے کی وجہ سے گویا کہ وہ کئی رسولوں کے قائم مقام تھے (لفظ) قوم اپنے معنی کے اعتبار سے مؤنث ہے اور اپنے لفظ کے اعتبار سے مذکر جبکہ ان سے ان کے نسبی بھائی نوح نے فرمایا کیا تم اللہ کے عذاب سے ڈرتے نہیں ہو؟ میں تمہاری طرف اللہ کا امانت دار رسول ہوں اس پیغام کے پہنچانے میں جس کو مجھے دیکر بھیجا گیا ہے لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور اللہ کی توحید اور اس کی طاعت میں جس کا میں تم کو حکم کروں میری اطاعت کرو میں تم سے اس پر یعنی اس کی تبلیغ پر کوئی معاوضہ نہیں چاہتا میرا اجر یعنی میرا ثواب تو صرف رب العالمین پر ہے اللہ سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت کرو بطور تاکید اس کو مکرر ذکر کیا ہے قوم نے جواب دیا کیا ہم تجھ پر ایمان لے آئیں یعنی تیرے قول کی تصدیق کریں حالانکہ تیری اتباع رذیل لوگوں نے کی ہے یعنی کم حیثیت لوگوں نے مثلاً جولاہوں اور موچیوں نے اور ایک قراءت میں اِتَّبَعَكَ کے بجائے اَتْبَاعُكَ ہے جو کہ تابع کی جمع ہے (اور) مبتداء ہے (اور ارذلون اس کی خبر ہے) حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا مجھے ان کے پیشوں سے کیا غرض؟ (یعنی مجھے ان کے پیشے سے کوئی مطلب نہیں خواہ ان کا پیشہ رذیل ہو یا شریف، اب رہا یہ احتمال کہ ان کا ایمان دل سے نہیں ہے تو اس کا حساب اللہ پر ہے) ان کا حساب تو میرے رب کے ذمہ ہے سو وہی ان کو جزاء دے گا، اگر یہ حقیقت تمہاری سمجھ میں آجاتی تو تم عیب جوئی نہ کرتے میں ایمان والوں کو دھکا دینے والا نہیں میں تو صاف طور پر ڈرانے والا ہوں یعنی کھلم کھلا ڈرانے والا، وہ لوگ کہنے لگے اے نوح اگر تم باز نہ آئے ان باتوں سے جو تم ہم سے کہتے ہو تو یقیناً سنگسار کر دیئے جاؤ گے پتھروں کے ذریعہ یا گالی گلوچ کے ذریعہ (تو پھر مجبور ہو کر) نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا کی اے میرے پروردگار میری قوم نے میری تکذیب کر دی سو آپ میرے اور ان کے درمیان (قطعی) فیصلہ کر دیجئے اور مجھے اور جو میرے ساتھ با ایمان لوگ ہیں نجات دیجئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا چنانچہ ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو بھری ہوئی کشتی میں نجات دی، یعنی انسانوں اور حیوانوں اور پرندوں سے بھری ہوئی کشتی میں ان کو نجات دینے کے بعد اس کی قوم کے باقی لوگوں کو غرق کر دیا یقیناً اس میں بہت بڑی عبرت ہے ان میں سے اکثر لوگ

ایمان لانے والے تھے ہی نہیں بے شک آپ کا پروردگار ہی زبردست رحم کرنے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: بتکذیبِهِم لَهُ الخ اس اضافہ کا مقصد اس شبہ کی توجیہ ہے کہ نوح کے لئے مرسلین جمع کا صیغہ لانے کا کیا مقصد ہے حالانکہ وہ ایک فرد تھے، شارح نے اس کے دو جواب دیئے ہیں اول جواب کا خلاصہ یہ ہے تمام انبیاء ومرسلین اصول دین یعنی توحید و رسالت، بعث بعد الموت اور آخرت میں جزا وسزا جیسے بنیادی امور میں متفق ہوتے ہیں لہٰذا ایک کی تکذیب سب کی تکذیب شمار ہوگی اَوْ لِاَنَّہٗ سے دوسرا جواب ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے، حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کا زمانہ نہایت طویل ہے عام طور پر اتنی مدت میں کئی رسول مبعوث ہو سکتے تھے مگر تنہا حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی نے اس طویل زمانہ میں فرائض رسالت انجام دیئے اس لئے بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ متعدد رسولوں کے قائم مقام ہیں، جیسا کہ بجّو کو اس کے کئی افراد کے برابر کھانے کی وجہ سے حضاجر کہہ دیا جاتا ہے۔

قَوْلُهُ: تانیث قوم، کَذَّبت قومُ نوحٍ میں قوم کو مؤنث مان کر فعل کو مؤنث لائے ہیں اس لئے کہ لفظ قوم اپنے معنی کے اعتبار سے مؤنث اور لفظ کے اعتبار سے مذکر ہے قوم کی تصغیر قُوَیْمَۃٌ آتی ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ لفظ قوم معنی کے اعتبار سے مؤنث ہے، یہی حال ہر اس اسم جمع کا ہے جس کا واحد نہیں ہے جیسے رَهْطٌ ونَفَرٌ یہی وجہ ہے کہ ضمائر مثلاً لَهُمْ، اَخُوْهُمْ، تَتَّقُوْنَ میں معنی کی رعایت کی گئی ہے۔

قَوْلُهُ: مِنْ اَجْرٍ من مفعول پر زائدہ ہے۔

قَوْلُهُ: اتباعُكَ مبتداء ہے اَرْذَلُوْنَ خبر، جملہ ہو کر اَنُوْمِنُ کی ضمیر سے حال ہے مفسر علام جہاں وفی قراءة اخریٰ فرماتے ہیں اس سے قراءت سبعہ مراد ہوتی ہے مگر ان کا یہ طریقہ اغلبی ہے کلی نہیں، اس لئے کہ یہاں اتباعُكَ والی قراءت سبعہ نہیں ہے یہ قراءت یعقوب کی ہے عشرہ میں سے اَلسَّفَلَۃُ سافِلَۃٌ کی جمع ہے، بے حیثیت یا کم حیثیت لوگ کہتے ہیں الحائك (نورباف) قال فی القاموس، حاكَ الثوبَ حوكًا وحِيَاكًا نَسَجَهُ فهُوَ حَائِكٌ الاساكِفَة جمع اِسْكَافٍ کفش دوز (موچی)۔

قَوْلُهُ: وَمَا عِلْمِيْ اس میں دو صورتیں ہیں اول ما استفہامیہ انکاریہ مبتداء اور علمی خبر اور با علمی سے متعلق ہے تقدیر عبارت یہ ہے اَیُّ شَیْءٍ عِلْمِي؟ دوسری صورت ما نافیہ اس صورت میں بھی با علمی سے متعلق ہوگی، مفسر علام نے اَیُّ عِلْمٍ لی کہہ کر اول صورت کی طرف اشارہ کیا ہے عِلْمِيْ کی اصل عِلْمٌ بِیْ ہے تخفیفاً حذف کر دیا گیا۔

قَوْلُهُ: اَیْ اُحْكُمْ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے فَافْتَحْ انفتاحة سے مشتق ہے جس کے معنی حکومت کے ہیں الفتّاح ای الحاکم، یفتح المغلق من الامور۔

تفسیر وتشریح

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحِ نِ الْمُرسلين قوم نوح نے اگر چہ صرف ایک رسول حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب کی تھی مگر چونکہ ایک رسول کی تکذیب تمام رسولوں کی تکذیب کے مترادف اور اس کو مستلزم ہے اس لئے فرمایا کہ قوم نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رسولوں کی تکذیب کی، حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کا بھائی اس لئے کہا کہ حضرت نوح اسی قوم کے ایک فرد تھے۔

طاعات پر اجرت لینے کا حکم:

وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اجْرٍ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم وتبلیغ پر اجرت لینا درست نہیں ہے اس لئے سلف صالحین نے تعلیم وتبلیغ وغیرہ دینی امور پر اجرت لینے کو ناجائز کہا ہے، لیکن متاخرین نے بحالت مجبوری اس کو جائز قرار دیا ہے۔

شرافت کا تعلق اعمال واخلاق سے ہے نہ کہ نسب سے:

قَالُوْا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ، اَرْذَلون، ارذل کی جمع ہے، جاہ ومال نہ رکھنے والے اور اس کی وجہ سے معاشرہ میں کمتر سمجھے جانے والے اور ان ہی میں وہ لوگ بھی آجاتے ہیں جو عرف میں حقیر پیشوں سے تعلق رکھتے ہیں، اس آیت میں قوم نوح نے ایمان نہ لانے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ چونکہ آپ پر ایمان لانے والے رذیل اور بے حیثیت لوگ ہیں ہم باعزت اور شریف لوگ ان کے ساتھ کیسے شامل ہو جائیں، حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے جواب میں فرمایا مجھے ان کے پیشہ ورانہ کاموں سے کیا مطلب؟ مطلب یہ کہ تم لوگ خاندانی شرافت یا مال و دولت کو شرافت کی بنیاد سمجھتے ہو یہ غلط ہے بلکہ عزت وذلت یا شرافت ورذالت کا دارومدار دراصل اعمال واخلاق ہیں، تم نے جن پر یہ حکم لگایا ہے کہ یہ سب رذیل ہیں یہ تمہاری جہالت ہے چونکہ ہم ہر شخص کے اعمال واخلاق کی حقیقت سے واقف نہیں، اس لئے ہم کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے کہ حقیقت میں کون رذیل اور کون شریف ہے؟

وَمَا اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ یہ ان کی اس خواہش کا جواب ہے کہ اگر کمتر حیثیت کے لوگوں کو اپنے پاس سے الگ کر دو تو ہم تمہاری جماعت میں شامل ہو جائیں گے، اس کے جواب میں حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں ایمان والوں کو جدا کرنے والا نہیں ہوں، قریش نے بھی اسی قسم کا سوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موالی اور فقراء صحابہ کے بارے میں کیا تھا۔

حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساڑھے نو سو سالہ تبلیغ کے باوجود ان کی قوم کے لوگ بداخلاقی اور اعراض پر قائم رہے بالآخر مجبور ہو کر حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے لئے بددعاء کی جس کے نتیجہ میں اہل ایمان کے علاوہ سب غرق دریا ہو گئے حتی کہ بیوی اور بیٹے کو بھی جو ایمان نہیں لائے تھے غرق کر دیا گیا۔

كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٢٣﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ هُودٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٢٤﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٢٥﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٢٦﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ ما أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٢٧﴾ أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ مكان مرتفع آيَةً بناءً علمًا لِلمارّة تَعْبَثُونَ ﴿١٢٨﴾ بمن يمرّ بكم وتسخرون منهم والجملة حال من ضمير تبنون وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لِلماء تحت الارض لَعَلَّكُمْ كأنكم تَخْلُدُونَ ﴿١٢٩﴾ فيها لا تموتون وَإِذَا بَطَشْتُمْ بضرب او قتل بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ ﴿١٣٠﴾ من غير رأفة فَاتَّقُوا اللَّهَ في ذلك وَأَطِيعُونِ ﴿١٣١﴾ فيما أمرتكم به وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ أنعم عليكم بِمَا تَعْلَمُونَ ﴿١٣٢﴾ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ ﴿١٣٣﴾ وَجَنَّاتٍ بساتين وَعُيُونٍ ﴿١٣٤﴾ انهار إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٣٥﴾ في الدنيا والآخرة إن عصيتموني قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا مستو عندنا أَوَعَظْتَ أَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوَاعِظِينَ ﴿١٣٦﴾ اصلاً اي لا نرعوي لوعظك إِنْ ما هَٰذَا الذي خوّفتنا به إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٣٧﴾ اي اختلاقهم وكذبهم وفي قراءة بضم الخاء واللام اي ما هذا الذي نحن عليه من أن لا بعث إلا خُلُقُ الأوّلين اي طبيعتهم وعادتهم وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ﴿١٣٨﴾ فَكَذَّبُوهُ بالعذاب فَأَهْلَكْنَاهُمْ في الدنيا بالريح إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٣٩﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٤٠﴾

ع ۸ / ۱۱

ترجمہ: عادیوں نے بھی نبیوں کو جھٹلایا جبکہ ان سے ان کے بھائی ہود نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ میں تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو میں اس پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے کیا تم ہر اونچے مقام پر عمارت بناتے ہو یعنی مسافروں کے لئے نشانی حال یہ ہے کہ تم اپنے پاس سے گذرنے والوں کے ساتھ کھلواڑ کرتے ہو اور ان کے ساتھ تمسخر کرتے ہو (تَعْبَثُوْنَ) جملہ ہوکر تَبْنُوْنَ کی ضمیر سے حال ہے اور زمین کے نیچے پانی کے ٹینک بناتے ہو گویا کہ دنیا میں تم کو ہمیشہ رہنا ہے مرنا نہیں ہے اور جب تم کسی پر ضرب و قتل کے ذریعہ دارو گیر کرتے ہو تو بغیر نرمی کے ظالموں کے مانند دارو گیر کرتے ہو اس معاملہ میں اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو جس چیز کا میں تم کو حکم کروں اور اس سے ڈرو جس نے تمہاری مدد کی یعنی تمہارے اوپر ان چیزوں کا انعام فرمایا مویشیوں سے اور بیٹوں سے اور باغوں سے اور چشموں یعنی نہروں سے مجھے تو تمہارے بارے میں دنیا اور آخرت میں بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے اگر تم میری نافرمانی کرو گے تو ان لوگوں نے کہا ہمارے نزدیک سب برابر ہے خواہ آپ نصیحت کریں یا اصلاً نصیحت نہ کریں، ہم تیرے وعظ کی وجہ سے باز نہیں آسکتے یہ بات جس سے تم ہم کو ڈراتے ہو محض پہلوں کی گھڑی ہوئی بات ہے اور ان کا کذب ہے اور ایک قراءت میں خا اور لام کے ضمہ کے ساتھ ہے، یعنی وہ عقیدہ جس پر ہم قائم ہیں وہ یہ کہ مرنے کے بعد زندہ ہونا نہیں ہے، گذشتہ لوگوں کی عادت اور ان کی طبیعت ہے اور ہم کو ہرگز عذاب نہیں دیا جائے گا، چنانچہ ان لوگوں نے عذاب کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو آندھی کے ذریعہ دنیا میں ہلاک کردیا، بلاشبہ اس میں

نشانی ہے اور ان میں سے بہت سے لوگ ماننے والے نہیں تھے بے شک آپ کا رب ہی غالب مہربان ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہُ: کَذَّبَتْ عَادٌ ''عاد'' قبیلہ کے معنی میں ہونے کی وجہ سے مؤنث ہے اسی لئے فعل کو مؤنث لایا گیا ہے، عاد قوم عاد کے جد ابعد کا نام ہے اسی کی طرف یہ قوم منسوب ہے، عاد حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحبزادے سام کی نسل سے تھے۔

(جمل)

قِوْلَہُ: اِذْ قَالَ لَھُمْ اَخُوْھُمْ ھُوْدٌ ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ ان کی نسل اور خاندان سے تعلق رکھتے تھے اسی وجہ سے ان کو اخوھم کہا ہے حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نہایت ہی حسین و جمیل اور پیشہ کے اعتبار سے تاجر تھے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے چارسو چونسٹھ سال بقید حیات رہے۔ (جمل)

قِوْلَہُ: بِکُلِّ رِیْعٍ کسرہ اور فتحہ دونوں درست ہیں مکان مرتفع کو کہتے ہیں جیسے پہاڑ ٹیلہ وغیرہ، ابوعبید نے کہا ہے راستہ کو کہتے ہیں أَتَبْنُوْنَ بِکُلِّ رِیعٍ میں استفہام توبیخ کے لئے ہے اور محل توبیخ تَعْبَثُوْنَ جملہ حالیہ ہے، مطلب یہ ہے کہ اونچی جگہ پر عمارت بنانا مذموم نہیں ہے بلکہ بے فائدہ اور فضول بنانا مذموم ہے، وتتخذون کا عطف تبنُونَ پر ہے اور اسی طرح وَاِذَا بَطَشتم کا بھی، مطلب یہ ہے کہ قوم ہود کو تین مذموم باتوں پر توبیخ کی گئی ہے۔

قِوْلَہُ: فاتقوا اللّٰہ فی ذٰلك الخ انہی تین باتوں کی طرف اشارہ ہے ① البناء ② الاتخاذ المذکور ③ التجبُّر.

قِوْلَہُ: اَمَدَّکُمْ بِاَنْعَامٍ وبنینَ اس میں دو صورتیں ہیں ① جملہ ثانیہ جملہ اولیٰ کا بیان ہے ② بِاَنعامٍ بما تعملونَ اعادۂ فعل کے ساتھ بدل ہے جیسا کہ اتبِعُوا المرسلینَ اتبعُوا من لا یسألکم اجرًا میں اور بعض حضرات بدل کے بجائے تکرار قرار دیتے ہیں۔

قِوْلَہُ: سَوَاءٌ عَلَيْنَا خبر مقدم ہے اور اَوَعَظْتَ بتاویل مفرد ہو کر مبتداء مؤخر ہے ای اَلْوَعْظُ وَعَدَمُہٗ سَوَاءٌ عَلَيْنَا نَرْعَوِی اِرْعَوَاءٌ سے بمعنی باز ماندن اِلَّا خُلُقُ الاولین مثلاً شیث علیہ الصلوٰۃ والسلام ونوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اِنْ ھٰذا اِلَّا خلُق الاوّلین یہ ماقبل کی علت ہے مطلب یہ ہے کہ ہم تمہارے وعظ و نصیحت کو اس لئے قبول نہیں کریں گے کہ یہ گذشتہ لوگوں کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں۔

تفسیر و تشریح

کَذَّبَتْ عَادُ نِ المرسلین عاد ان کے جد اعلیٰ کا نام تھا جن کے نام پر قوم کا نام پڑ گیا یہاں عاد کو قبیلہ تصور کرکے کَذَّبَتْ مؤنث کا صیغہ لایا گیا ہے ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی عاد کا بھائی اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ اپنی قوم ہی کے ایک فرد تھے۔

اَتَبْنُوْنَ بكلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تعبثُوْنَ رِيعٌ، ريعةٌ کی جمع ہے ٹیلہ، بلند جگہ، پہاڑ، گھاٹی، راستہ کو کہتے ہیں، یہ ان گذرگاہوں یا بلند مقامات پر اونچی اونچی عمارتیں تعمیر کرتے تھے لیکن ان کا مقصد ان میں رہنا نہیں ہوتا تھا بلکہ کھیل کود یا ایک دوسرے پر فخر ہوتا تھا حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منع فرمایا کہ یہ تم ایسا کام کرتے ہو، جس میں وقت اور وسائل کا بھی ضیاع ہے اور اس کا مقصد بھی ایسا ہے کہ جس سے دین و دنیا کا کوئی مفاد وابستہ نہیں بلکہ اس کے بیکار محض اور عبث ہونے میں کوئی شک نہیں، اسی طرح وہ بڑی مضبوط اور عالی شان رہائشی عمارتیں تعمیر کرتے تھے جیسے وہ ہمیشہ ان ہی محلات میں رہیں گے۔

بلاضرورت عمارت بنانا مذموم ہے:

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ بغیر ضرورت کے مکان بنانا اور تعمیرات میں وسائل ضائع کرنا شرعاً برا ہے، اور یہی مطلب اس حدیث کا ہے جو امام ترمذی نے حضرت انس سے روایت کی ہے النفقة كُلُّهَا في سبيْلِ اللّٰهِ الا البناء فلا خيرَ فيه یعنی وہ عمارت جو بلاضرورت بنائی گئی ہو اس میں کوئی بہتری اور بھلائی نہیں اس معنی کی تصدیق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے اِنّ كلَّ بناءٍ وبالٌ علٰى صاحبِهٖ اِلّا مالا يعني اِلّا مالابدَّ منهُ (ابوداؤد) یعنی ہر تعمیر صاحب تعمیر کے لئے مصیبت ہے مگر وہ عمارت جو ضرورت کے لئے ہو وہ وبال نہیں ہے، روح المعانی میں فرمایا بغیر غرض صحیح کے بلند عمارت بنانا شریعت محمدیہ میں مذموم اور برا ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ ما اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اى من الخير اٰمِنِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿۱۴۸﴾ لَطِيفٌ لَيِّنٌ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَطِرِيْنَ وفي قراءة فارِهِيْنَ حاذِقِيْن فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾ فيما اُمِرُكم به وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ بالمَعَاصِي وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ بطاعةِ اللّٰهِ تعالٰى قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ الذين سُحِرُوا كثيرًا حتى غَلَبَ على عقلهم مَآ اَنْتَ ايضا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۴﴾ في رِسالتِكَ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ نصيبٌ من الماء وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾ بِعَظَمِ العذاب فَعَقَرُوْهَا اى عَقَرها بعضهم برضاهم فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ على عَقرِها فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ الموعودُ به فهلكوا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾

ع ۸ ۱۲

ترجمہ: ثمود نے (بھی) رسولوں کو جھٹلایا جبکہ ان کے بھائی صالح نے ان سے کہا کیا تم کو (خدا کا) خوف نہیں

ہے، میں تمہارا امانت دار رسول ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اس پر کچھ صلہ نہیں چاہتا، میرا صلہ تو رب العالمین پر ہے، کیا تم کو ان (راحت کی) چیزوں میں بے فکری کے ساتھ رہنے دیا جائے گا جو یہاں (دنیا میں) موجود ہیں (یعنی) باغوں اور چشموں اور کھیتوں اور کھجوروں میں جن کے شگوفے نرم و نازک ہیں (یا) (جن کے شگوفے گتھے ہوئے ہیں) اور تم پہاڑوں کو تراش کر فخریہ طور پر گھر بناتے ہو ایک قراءۃ میں فَارِهِيْن ہے یعنی ماہرانہ انداز سے سو اللہ سے ڈرو اور جس کام کے لئے میں تم سے کہوں اس میں میرا کہنا مانو اور بے باک حد سے تجاوز کرنے والوں کی بات نہ مانو جو معاصی کے ذریعہ ملک میں فساد برپا کرتے ہیں اور خدا کی اطاعت کر کے اصلاح نہیں کرتے تو ان لوگوں نے کہا تم پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو کر دیا ہے (یعنی) تم ان لوگوں میں سے ہو کہ جن پر زبردست جادو کر دیا گیا ہو حتی کہ ان کی عقل مغلوب ہو گئی ہو تم بھی ہم جیسے انسان ہو لہٰذا اگر تم اپنے دعوائے رسالت میں سچے ہو تو کوئی معجزہ پیش کرو (صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے فرمایا یہ ایک اونٹنی ہے، پانی کی ایک دن کی باری اس کی اور ایک دن پانی کا تمہارے لئے مقرر (خبردار) اس کو بری نیت سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ تو ایک بڑے بھاری دن کا عذاب تم کو گرفت میں لے لے گا عذاب کے بھاری ہونے کی وجہ سے پھر انہوں نے اس (اونٹنی) کو ہلاک کر دیا پھر وہ اس کے ہلاک کرنے پر پشیمان ہو گئے چنانچہ ان کو عذاب موعود نے آدبوچا جس کے نتیجے میں ہلاک ہو گئے یقیناً اس (واقعہ) میں بڑی عبرت ہے ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائے بلاشبہ آپ کا رب بڑا زبردست بہت مہربان ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: كَذَّبَتْ ثمودُ، كذّبت فعل کو مؤنث لایا گیا ہے اس لئے کہ ثمود قبیلہ کے معنی میں ہے ''ثمود'' قوم ثمود کے جداعلیٰ کا نام ہے ان ہی کے نام پر قوم کا نام رکھا گیا ہے، نسب اس طرح ہے ثمود بن عبید بن عَوْص بن عاد بن اِرم بن سام بن نوح، ثمود حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت ہے حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوسو اسی سال عمر پائی حضرت صالح اور حضرت ہود علیہما السلام کے درمیان سو سال کا وقفہ ہے۔ (حاشیہ جلالین)

قَوْلُہٗ: فيما هٰهنا من الخير، هٰهُنَا اى فى الدنيا، من الخير، مَا کا بیان ہے مراد اس سے دنیوی آرام و راحت کا سامان ہے آمِنِيْنَ تتركون کی ضمیر فاعل سے حال ہے۔

قَوْلُہٗ: فى جنّٰتٍ الخ یہ اعادۂ جار کے ساتھ فيما هٰهُنَا سے تفصیل کے لئے بدل ہے۔

قَوْلُہٗ: طَلْعُهَا، طَلْعٌ ابتداء نمودار ہونے والا شگوفہ، پھر بَلَحٌ پھر بُسر پھر رطبٌ پھر تمر۔ هَضِيْمٌ نرم، نازک۔

قَوْلُہٗ: الذِيْنَ يُفسِدونَ فى الارْضِ، مُسْرِفِيْنَ کی صفت کاشفہ ہے اس لئے کہ یہاں مسرفین کے معروف معنی مراد نہیں ہیں۔

تفسیر وتشریح

قوم ثمود کا مسکن حجر تھا جو حجاز کے شمال میں واقع ہے آج کل اس کو مدائن صالح کہتے ہیں (ایسر التفاسیر) یہ عرب تھے نبی کریم ﷺ کا تبوک جاتے ہوئے ان کی بستیوں سے گذر ہوا تھا آپ ﷺ ان کی بستیوں سے ان کے معذب ہونے کی وجہ سے تیزی سے سر جھکائے ہوئے گذر گئے تھے اَتترکون فیما ھٰھُنا آمنین یعنی یہ نعمتیں کیا تمہیں ہمیشہ حاصل رہیں گی نہ تمہیں موت آئے گی اور نہ عذاب؟ یہ استفہام انکاری توبیخی ہے یعنی ایسا نہیں ہوگا بلکہ عذاب یا موت کے ذریعہ جب اللہ چاہے گا تم ان نعمتوں سے محروم ہو جاؤ گے اس میں اس بات کی طرف ترغیب ہے کہ تم اللہ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرو اور اس پر ایمان لاؤ اور ترہیب ہے کہ اگر ایمان وشکر کا راستہ اختیار نہیں کیا تو پھر تباہی و بربادی تمہارا مقدر ہے۔

قال ھٰذہ ناقۃ یہ اونٹنی تھی جوان کے مطالبہ پر پتھر کی ایک چٹان سے بطور معجزہ ظاہر ہوئی تھی، پانی کے لئے ایک دن اونٹنی کا اور ایک دن دیگر تمام جانوروں کے لئے مقرر کر دیا گیا تھا نیز ان سے یہ بھی کہہ دیا گیا تھا کہ اس کو بری نیت سے ہاتھ نہ لگانا نہ اس کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرنا یہ اونٹنی ان کے درمیان ایک مدت تک رہی لیکن کچھ عرصہ کے بعد ان لوگوں نے اس کے قتل کا منصوبہ بنالیا اور ایک روز رات کی تاریکی میں قدار نامی ایک شخص نے قوم کی رضامندی سے اس کو ہلاک کر دیا یہ اونٹنی باوجودیکہ اللہ کی قدرت کی نشانی اور صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی ایک واضح دلیل تھی مگر قوم ثمود اس پر ایمان نہیں لائی اور کفر وشرک کے راستہ پر گامزن رہی جب اونٹنی کو قتل کر دیا گیا تو حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اب تمہیں صرف تین دن کی مہلت ہے چوتھے دن تمہیں ہلاک کر دیا جائے گا، اونٹنی کو سہ شنبہ کو ہلاک کیا گیا اور وہ لوگ شنبہ کے روز ہلاک کر دیئے گئے، حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نزول عذاب کی کچھ علامتیں مقرر فرمادی تھیں ان کا ظہور اس طرح ہوا کہ چہار شنبہ کو ان کے چہرے زرد ہو گئے پھر پنجشنبہ کو سرخ ہو گئے پھر بروز جمعہ سیاہ ہو گئے ہفتہ کے روز سخت زلزلہ اور شدید چنگھاڑ کے ذریعہ ہلاک کر دیئے گئے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِالْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٦٠﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٦١﴾ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٦٢﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٦٣﴾ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ مَا اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦٤﴾ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦٥﴾ اى الناس وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اى اقبالهن بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿١٦٦﴾ مُتَجاوزونَ الحَلالَ الى الحَرام قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ عَن اِنكارِكَ علينا لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿١٦٧﴾ مِن بَلْدَتِنا قَالَ لوط اِنِّىْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿١٦٨﴾ المُبغضين رَبِّ نَجِّنِىْ وَاَهْلِىْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦٩﴾ اى من عذابه فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٧٠﴾ اِلَّا عَجُوْزًا اِمرأتَه فِى الْغٰبِرِيْنَ ﴿١٧١﴾ الباقين اَهلكناها ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿١٧٢﴾ اَهلكناهم وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا حجارةً من جُملةِ الاهلاكِ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿١٧٣﴾ مطرهم اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٧٤﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٧٥﴾

ترجمہ: قوم لوط نے (بھی) نبیوں کو جھٹلایا جب کہ ان کے بھائی لوط (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے ان سے کہا کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں ہو؟ میں تمہارا امانتدار رسول ہوں، سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں چاہتا بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے کیا تم اہل عالم یعنی انسانوں میں سے مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو؟ اور تمہاری بیبیوں کی جو چیز یعنی ان کی شرمگاہیں تمہارے لئے پیدا (حلال) کی گئی ہیں ان کو چھوڑے ہوئے ہو، اپنی بیبیوں کی شرمگاہوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو، یہ تفسیر اور ترجمہ اس صورت میں ہوگا جب کہ مِــن کو تبعیضیہ مانا جائے اور اگر من بیانیہ لیا جائے تو من ازواجکم ما کا بیان ہوگا، مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے جو چیز یعنی عورت تمہارے لئے حلال کی ہے اس کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ ہم جنسی کرتے ہو جو کہ حرام ہے بلکہ تم حد یعنی حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرنے والے ہو (قوم کے) لوگوں نے جواب دیا اے لوط اگر تم ہمارے اوپر نکیر کرنے سے باز نہ آؤ گے تو یقیناً ہمارے شہر سے نکال دیئے جاؤ گے حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا میں تمہاری حرکت سے سخت ناخوش ہوں، اے میرے پروردگار مجھے اور میرے اہل کو ان کے اعمال کے عذاب سے نجات دیجئے سو ہم نے ان کو اور ان کے تمام متعلقین کو نجات دی بجز ایک بڑھیا کے جو کہ ان کی بیوی تھی پیچھے رہ جانے والوں میں رہ گئی جس کو ہم نے ہلاک کر دیا پھر ہم نے باقی اور سب کو (بھی) ہلاک کر دیا پھر ہم نے ان پر ایک خاص قسم (یعنی) پتھروں کا مینہ برسایا من جملہ ہلاک کرنے کے طریقوں میں سے سو بہت برا مینہ تھا جو ان لوگوں پر برسا جن کو ڈرایا گیا تھا بلاشبہ اس میں عبرت ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، اور بے شک آپ کا رب بڑی قدرت والا رحمت والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اخوھم لوط لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قوم لوط سے نہ تو نسبی تعلق تھا اور نہ دینی مشارکت اس لئے کہ حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے برادر زادہ تھے اور بلاد مشرق میں بابل کے باشندہ تھے، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہجرت کر کے تشریف لائے تھے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شام میں مقام خلیل میں قیام فرمایا اور لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے قریب یعنی ایک دن کی مسافت کی دوری پر اہل سدوم میں بود و باش اختیار کر لی تھی اور مصاہرت کا رشتہ بھی ان ہی لوگوں سے قائم ہو گیا تھا اسی وجہ سے حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کا بھائی کہا گیا ہے۔

قولہ: مَاخَلَقَ لَکُمْ ای اَحَلَّ لَکُمْ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ یہ مَا کا بیان ہے، شارح علام نے مِنْ اَزْوَاجِکُمْ کی تفسیر اَقْبَالِھِنَّ سے کر کے دو باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے اول یہ کہ مَا خَلَقَ لَکُمْ میں مَا کی رعایت مقصود ہے، اگر مَا کے بجائے مَنْ ہوتا تو اس کی تفسیر مِنْ اَزْوَاجِکُمْ کافی تھی اَقْبَالِھِنَّ کی ضرورت نہیں تھی، دوم یہ کہ اَقْبَالِھِنَّ سے اشارہ کر دیا کہ تمہاری بیبیوں کے تمہارے حلال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی قبل ہی تمہارے لئے حلال ہے دبر حلال نہیں ہے، اس لئے کہ قبل ہی موضع حرث

ہے نہ کہ دبر وہ تو موضع فرث ہے۔

قِوْلَہُ: عَادُون، عادٍ کی جمع ہے جس کے معنی حد سے تجاوز کرنے والا یعنی حق کو چھوڑ کر باطل کو اور حلال کو چھوڑ کر حرام کو اختیار کرنے والا۔

قِوْلَہُ: مِنَ القَالِينَ، قالين القالی کی جمع ہے مادہ قَلْوٌ یا قَلْیٌ ہے اس کے معنی میں نفرت اور بیزاری کا مفہوم بھی شامل ہے، اصل معنی پھینکنے اور بھوننے کے ہیں، مِنَ القَالِينَ قالٍ محذوف کے متعلق ہو کر اِنَّ کی خبر ہے۔

قِوْلَہُ: مِنْ عذابہ یہ مضاف محذوف کی طرف اشارہ ہے ای مِن عذابِ مِمَّا یعملون اس لئے کہ ان کے جیسے عمل سے بچانے کا کوئی مطلب نہیں ہے اس لئے کہ نبی تو اعمال قبیحہ سے محفوظ ہوتا ہی ہے، مطلب یہ ہے کہ ان کے اعمال بد کی پاداش میں جو عذاب نازل ہونے والا ہے اس سے مجھے اور میرے متعلقین کی حفاظت فرما۔

قِوْلَہُ: اِلَّا عجُوزًا لفظاً اہل میں شامل ہونے کی وجہ سے مستثنیٰ متصل ہے اور اس اعتبار سے کہ وہ اہل ایمان میں سے نہیں تھی اور حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام کے اہل حقیقت میں اہل ایمان ہی تھے اس اعتبار سے مستثنیٰ منقطع ہوگا، اِمرأتُہٗ، عجُوزًا سے بدل ہے، حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام کی کافرہ بیوی کا نام واعلہ تھا اور تفسیر روح البیان میں والِھہ لکھا ہے، لوط علیہ الصلاۃ والسلام کی ایک بیوی مومنہ بھی تھی، کافرہ بیوی چوں کہ قوم کے ہم خیال تھی اور ان کی بے حیائی سے راضی تھی اس لئے اس کو بھی قوم کے ساتھ ہلاک کر دیا گیا قوم لوط پر زمین کو پلٹنے اور پتھروں کی بارش برسانے اور مختلف عذابوں کے ذریعہ ان کو ہلاک کر دیا گیا۔

تفسیر وتشریح

حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے بھائی ہاران کے بیٹے تھے ان کو حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی زندگی میں نبی بنا دیا گیا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ ہجرت فرمائی تھی، حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم سدوم اور عمور یہ میں رہتی تھی، یہ بستیاں شام کے علاقہ میں تھیں۔

أتذرونَ مَا خلقَ لکُمْ الخ ہم جنسی قوم لوط کی بری عادت تھی اس خباثت کی ابتداء اسی قوم سے ہوئی تھی اسی لئے اس فعل بد کو ''لواطت'' کہتے ہیں یعنی وہ فعل جس کا آغاز قوم لوط سے ہوا، اب یہ بدفعلی پوری دنیا میں عام ہے بلکہ یورپ کے بعض ممالک میں اس فعل کو قانوناً جائز تسلیم کر لیا گیا ہے یعنی ان کے یہاں اب یہ فعل قانوناً اور اخلاقاً کوئی جرم ہی نہیں ہے بلکہ مرد آپس میں ایک دوسرے سے باقاعدہ شادی کر سکتے ہیں. (اَعاذنا اللّٰہ منہ)

قَالوا لئِنْ لَمْ تنتَہِ لوط علیہ الصلاۃ والسلام کے وعظ ونصیحت کے جواب میں ان کی قوم نے کہا تو بڑا پاکباز بنا پھرتا ہے اگر تو ہمارے کاموں پر نکیر کرنے سے باز نہ آیا تو یاد رکھ ہم تجھے اپنی بستی سے نکال باہر کریں گے، آج بھی بدی کا اس قدر زور اور غلبہ ہے کہ نیکی منہ چھپائے پھرتی ہے اور نیکوں کے لئے عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا ہے، ایک وقت ایسا بھی آنے والا ہے کہ سر راہ زنا کرنے والے سے یہ کہنے والا کہ ایک طرف راستہ سے ہٹ کر کر لو، بڑا نیک اور صالح سمجھا جائے گا۔

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ وفي قراءةٍ بحذفِ الهمزةِ والقاءِ حركَتِها على اللامِ وفتحِ الهاءِ هي غَيضةُ شجرٍ قُربَ مَدْيَنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٧٦﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ لم يَقُلْ اَخُوهم لِاَنَّهُ لم يكنْ منهم اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٧٧﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٧٨﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٧٩﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ ما اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٨٠﴾ اَوْفُوا الْكَيْلَ اي اَتِمُّوهُ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿١٨١﴾ النَّاقِصِينَ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ﴿١٨٢﴾ الميزانِ السَّوِيِّ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ لاتَنقُصُوهم من حَقِّهم شيئًا وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿١٨٣﴾ بالقتلِ وغيرِه مِنْ عَثِيَ بكسرِ المُثَلَّثَةِ اَفْسَدَ ومُفْسِدِينَ حالٌ مُؤَكِّدَةٌ لِمعنٰى عامِلِها تَعْثَوا وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الخَلِيقَةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٨٤﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿١٨٥﴾ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ مُخَفَّفَةٌ من الثَّقِيلَةِ واسمُها محذوف اي اِنَّهُ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿١٨٦﴾ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا بِسُكُونِ السينِ وفتحِها قِطعَةً مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٨٧﴾ في رِسالَتِكَ قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٨٨﴾ فيُجازِيكُم به فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ هي سحابةٌ اَظَلَّتهم بعدَ حَرٍّ شديدٍ اَصابَهم فَاَمطَرَتْ عليهم نارًا فاحتَرَقُوا اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٨٩﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٩٠﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٩١﴾ ع ١٠ ١٦

ترجمہ: ایکہ والوں نے (بھی) رسولوں کی تکذیب کی ایک قراءت میں حذف ہمزہ اور اس کی حرکت لام کو دینے اور ۃ کے فتحہ کے ساتھ ہے وہ (ایکہ) مدین کے قریب درختوں کی جھاڑی تھی جبکہ ان سے حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا (یہاں) اخوھم نہیں کہا اس لئے کہ شعیب علیہ الصلاۃ والسلام ان میں سے نہیں تھے کیا تم کو خوف نہیں؟ میں تمہارا امانتدار رسول ہوں اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو میں اس پر تم سے کوئی صلہ نہیں چاہتا میرا صلہ تو بس پروردگار عالم پر ہے، ناپ پورا بھرا کرو کم دینے والوں میں شامل نہ ہو صحیح ترازو سے تولا کرو، ایسی ترازو جس میں پاسنگ نہ ہو لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو یعنی ان کے حق میں سے کچھ بھی کم نہ کیا کرو اور ملک میں قتل وغیرہ کے ذریعہ سرکشی کے ساتھ فساد پھیلاتے ہوئے مت پھرا کرو عَثِیَ ثا کے کسرہ کے ساتھ بمعنی اَفْسَدَ ہے، مُفْسِدِیْنَ اپنے عامل تَعْثَوْا سے معنًا حال ہے اس سے ڈرو جس نے تم کو اور (دیگر) پہلی مخلوق کو پیدا کیا ان لوگوں نے کہا تو ان لوگوں میں سے ہے جن پر جادو کر دیا گیا ہے اور تو تو ہم جیسا ہی انسان ہے اور ہم تو تجھ کو جھوٹوں میں سمجھتے ہیں اِنْ مخففہ من الثقیلہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے اَیْ اِنَّہٗ سو اگر تو اپنے (دعوائے رسالت) میں سچا ہے تو ہمارے اوپر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے کِسَفًا میں سین کے سکون اور اس کے فتحہ کے ساتھ بمعنی ٹکڑا (شعیب علیہ الصلاۃ والسلام نے) کہا میرا رب تمہارے اعمال سے بخوبی واقف ہے سو وہ تم کو اس کا بدلہ دے گا سو وہ لوگ شعیب کو برابر جھٹلاتے رہے سو ان کو سائبان والے دن کے عذاب نے آ پکڑا، وہ ایک بدلی تھی، ان کے شدید گرمی میں مبتلا ہونے کے بعد ان پر سایہ فگن ہو گئی تھی بعد ازاں اس بدلی نے ان پر آگ برسائی جس کی وجہ سے وہ جل کر خاک ہو گئے، بلاشبہ وہ بڑے بھاری دن کا عذاب تھا بلاشبہ اس

میں بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر مومن نہیں تھے اور یقیناً تیرا رب ہی غلبہ والا مہربانی والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اَیْکَةَ ایک قراءت میں لَیْکَةَ بھی ہے، اَیْکَة گھنے جنگل کو کہتے ہیں اَصْحَابُ الْاَیْکَةِ سے حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم اور مدین کے اطراف کے باشندے مراد ہیں، بیان کیا گیا ہے کہ اَیْکَةُ گھنے درخت کو بھی کہتے ہیں غَیْضَة غین کے فتحہ کے ساتھ جنگل اور جھاڑی کو کہتے ہیں، مدین حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بستی کا نام ہے مدین بن ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس شہر کو بسایا تھا اس لئے ان ہی کے نام ہی سے موسوم ہو گیا، مدین اور مصر کے درمیان آٹھ روز کی مسافت ہے۔

قولہ: مفسدین، تعثوا کے معنی سے حال مؤکدہ ہے حال وذوالحال کے لفظ اگرچہ مختلف ہیں مگر معنی متحد ہیں اس لئے کہ تَعْثَوْا عَثِیَ سے مشتق ہے جس کے معنی فساد کرنے کے ہیں۔

قولہ: الجبلّة اور جبلّ مخلوق کے معنی میں ہے دوسرے مقام پر فرمایا وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا اس (شیطان) نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا۔

قولہ: فَاَسْقِطْ الخ کو بعض نے ان کنت من الصادقین کا جواب مقدم قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے جواب شرط محذوف مانا ہے جس پر جملہ فاسقط دلالت کر رہا ہے۔ (روح المعانی)

تفسیر و تشریح

قصہ ہفتم اصحاب الایکہ:

کَذَّبَ اَصْحَابُ الْاَیْکَةِ "ایکہ" جنگل کو کہتے ہیں اس سے حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم اور مدین کے اطرف کے باشندے مراد ہیں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایکہ گھنے درخت کو کہتے ہیں جس کو دُوْم بھی کہا جاتا ہے ایسا ہی ایک درخت مدین کی نواحی آبادی میں تھا جس کی لوگ پوجا پاٹ کرتے تھے، وہاں کے باشندوں کو اصحاب الایکہ کہا جاتا تھا، حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دائرۂ نبوت اور حدود دعوت و تبلیغ مدین سے لے کر اس نواحی آبادی تک تھا جہاں ایکہ درخت کی پوجا ہوتی تھی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب ایکہ اور اہل مدین کے پیغمبر ایک یعنی شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی تھے، ایکہ چونکہ قوم نہیں تھی بلکہ درخت تھا اس لئے اخوت نسبی کا یہاں ذکر نہیں کیا، البتہ جہاں مدین کے ضمن میں حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام لیا گیا ہے، وہاں ان کی اخوت نسبی کا ذکر بھی ملتا ہے کیونکہ مدین قوم کا نام ہے وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا (اعراف ۸۵) بعض مفسرین نے ایکہ اور مدین کو الگ الگ بستی قرار دیکر کہا ہے کہ یہ مختلف دو امتیں ہیں جن کی طرف حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا تھا ایک مرتبہ ایکہ کی طرف اور دوسری مرتبہ مدین کی طرف، ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ صحیح بات یہی ہے کہ یہ ایک ہی امت ہے اَوْفُوا الْكَيْلَ

والمِيزَانَ کا جو وعظ اہل مدین کو کیا گیا یہی وعظ یہاں اصحاب ایکہ کو کیا جارہا ہے جس سے صاف واضح ہے کہ یہ ایک ہی امت ہے دو نہیں۔

وَزِنُوا بالقسطاس المستقيم ''قسطاس'' کو بعض حضرات نے رومی لفظ قرار دیا ہے جس کے معنی عدل وانصاف کے ہیں بعض نے عربی مان کر قسط سے ماخوذ قرار دیا ہے قسط کے معنی بھی انصاف کے ہیں، مراد یہ ہے کہ ترازو اور دیگر ناپنے تولنے کے آلات درست رکھو اور صحیح طور پر استعمال کرو یعنی ڈنڈی نہ مارو اور نہ پاسنگ رکھو۔

وَلَا تَبْخَسُوا اشياءَ هُمْ یعنی لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو، اور اشیاء میں کمی نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس کا جتنا حق ہے اس میں کمی نہ کرو خواہ ناپنے تولنے کی چیز ہو یا کوئی دوسری چیز اس سے معلوم ہوا کہ کوئی ملازم یا مزدور اپنے مقررہ وقت میں چوری کرتا ہے یعنی وقت کم لگاتا ہے وہ بھی اس وعید میں داخل ہے، امام مالک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے مؤطا میں روایت نقل فرمائی ہے کہ حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز عصر میں شریک نہیں ہوا وجہ معلوم کی تو اس نے کچھ عذر بیان کیا تو حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے فرمایا طَفَّفْتَ یعنی تو نے تولنے میں کمی کر دی چونکہ نماز کوئی تولنے کی چیز نہیں اسلئے یہ حدیث نقل فرما کر امام مالک نے فرمایا وَفاو تطفيفٌ یعنی حق کے مطابق یا کم کرنا ہر چیز میں ہے صرف ناپ تول ہی میں نہیں ہے۔

فَاَخَذَهُمْ عذابُ يومِ الظُّلَّة یوم الظُّلَّة کے عذاب کا واقعہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت شعیب عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ کی قوم پر سات روز تک سخت گرمی مسلط فرما دی نہ گھر میں چین اور نہ باہر پھر ان کے قریبی جنگل میں ایک گہرا بادل بھیج دیا جس کے نیچے ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی پوری قوم اس بادل کے نیچے جمع ہو گئی جب پوری قوم اس بادل کے نیچے جمع ہو گئی تو اس بادل نے پانی کے بجائے آگ برسا دی جس سے سب لوگ جل کر خاکستر ہو گئے (کذا رواہ ابن عباس) (روح، معارف) اہل مدین کو قوم ثمود کی طرح چیخ کے ذریعہ اور اصحاب ایکہ کو ظُلّہ (سائبان) کے عذاب کے ذریعہ ہلاک کیا گیا، اہل مدین کے عذاب کے بارے میں سورۂ ہود میں فرمایا گیا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَة اہل مدین کو ایک چیخ نے پکڑ لیا۔ (جس کی وجہ سے ان کے کلیجے پھٹ گئے)۔

وَاِنَّهٗ ای القرآن لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ ای جبریلُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾ بَيِّنٍ وفی قراءةٍ بتشدید نزل ونصبِ الرُّوح والفاعلُ اللّٰهُ وَاِنَّهٗ ای ذِكْرَ القراٰنِ المُنْزَلِ على محمد لَفِيْ زُبُرِ كُتُبِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ كالتَّوراةِ والاِنجيلِ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ لِكُفَّارِ مَكَّةَ اٰيَةً على ذٰلك اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۹۷﴾ كَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ سَلَامٍ واصحابِه مِمَّنْ اٰمَنُوْا فانَّهُم يُخْبِرُوْنَ بذٰلك ويَكُن بالتَّحْتَانِيَّةِ ونَصْبِ اٰيَةٍ وبالفَوْقَانِيَّةِ ورَفْعِ اٰيَةٍ وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿۱۹۸﴾ جَمْعُ اَعْجَمَ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ ای كُفَّارِ مَكَّةَ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ اَنَفَةً مِن اِتِّبَاعِهِ كَذٰلِكَ ای مثلَ اِدْخَالِنَا التكذيبَ به بقراءةِ الاَعْجَمِ سَلَكْنٰهُ اَدْخَلْنَا التكذيبَ به فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۰۰﴾ ای كفارِ مَكَّةَ بقِرَاءَةِ النبی لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۲۰۱﴾

فَيَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۲۰۲﴾ فَيَقُولُوا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُونَ ﴿۲۰۳﴾ لِنُؤْمِنَ فيقالُ لهم لاَ قالوا مَتٰى هٰذا العذابُ قال تعالى أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿۲۰۴﴾ أَفَرَأَيْتَ أخبِرْنِي إِنْ مَتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ جَاءَهُمْ مَا كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿۲۰۶﴾ مِنَ العَذابِ مَا استفهاميَّةٌ بمعنى أيّ شيءٍ أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يُمَتَّعُونَ ﴿۲۰۷﴾ في دَفْعِ العذابِ او تخفيفِه اي لَمْ يُغْنِ وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنْذِرُونَ ﴿۲۰۸﴾ رُسُلٌ تُنْذِرُ اهلَها ذِكْرَىٰ عِظَةً لهم وَمَا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۲۰۹﴾ في اهلاكهم بعدَ إنذارِهم ونَزَلَ رَدًّا لِقولِ المشركين وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ بالقرآنِ الشَّيَاطِينُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا يَنْبَغِي يَصلُحُ لَهُمْ ان يَنْزِلُوا به وَمَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿۲۱۱﴾ ذلك إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لِكلامِ المَلائكةِ لَمَعْزُولُونَ ﴿۲۱۲﴾ مَحْجُوبُونَ بالشُّهُبِ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَتَكُونَ مِنَ الْمُعَذَّبِينَ ﴿۲۱۳﴾ إنْ فعلتَ ذلك الذي دَعَوْكَ اليه وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿۲۱۴﴾ وهُم بَنُو هاشِمٍ وبنو المُطَّلِبِ وقد أنذَرَهُم جِهارًا رواه البخاري ومسلم وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ أَلِنْ جانِبَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۱۵﴾ المُوَحِّدِينَ فَإِنْ عَصَوْكَ اي عَشِيرَتُكَ فَقُلْ لهم إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۲۱۶﴾ مِنْ عِبادةِ غيرِ اللهِ وَتَوَكَّلْ بالواوِ والفاءِ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿۲۱۷﴾ اللهِ اي فَوِّضْ اليهِ جميعَ أُمُورِكَ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ﴿۲۱۸﴾ الى الصلوةِ وَتَقَلُّبَكَ في أركانِ الصلوةِ قائمًا وقاعِدًا وراكِعًا وساجِدًا فِي السَّاجِدِينَ ﴿۲۱۹﴾ اي المُصَلِّينَ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۲۲۰﴾ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ اي كُفّارَ مَكَّةَ عَلَىٰ مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ﴿۲۲۱﴾ بحذفِ احدى التّائينِ مِنَ الأصلِ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ كذّابٍ أَثِيمٍ ﴿۲۲۲﴾ فاجرٍ مثلِ مُسَيْلِمَةَ وغيرِه من الكَهَنَةِ يُلْقُونَ اي الشَّياطِينُ السَّمْعَ اي ما سَمِعُوه من الملائكةِ الى الكَهَنَةِ وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ ﴿۲۲۳﴾ يَضُمُّونَ الى المَسْمُوعِ كِذْبًا كثيرًا وكان هٰذا قبلَ أنْ حُجِبَتِ الشياطينُ عن السماءِ وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ﴿۲۲۴﴾ في شِعْرِهم فيقُولُونَ به ويَرْوُونَ عنهم فهُم مَذْمُومُونَ أَلَمْ تَرَ تَعلَمْ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ مِنْ أوْدِيَةِ الكلامِ وفُنُونِهِ يَهِيمُونَ ﴿۲۲۵﴾ يَمْضُونَ فيُجاوِزُونَ الحَدَّ مَدحًا وهِجاءً وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ فَعَلْنا مَا لَا يَفْعَلُونَ ﴿۲۲۶﴾ اي يَكْذِبُونَ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ الشُّعَراءِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا اي لم يَشْغَلْهم الشِّعْرُ عَنِ الذِّكْرِ وَانْتَصَرُوا بهَجْوِهِمْ من الكفّارِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا بهَجْوِ الكفّارِ لهم في جُملَةِ المؤمنين فلَيْسُوا مَذْمُومِينَ قال الله تعالى لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بالسُّوْءِ مِنَ القَوْلِ إلَّا مَنْ ظُلِمَ فمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا من الشُّعَراءِ وغيرِهم أَيَّ مُنْقَلَبٍ مَرجِعٍ يَنْقَلِبُونَ ﴿۲۲۷﴾ يَرجِعُونَ بَعْدَ المَوْتِ.

ترجمہ: بلاشبہ یہ یعنی قرآن رب العالمین کا نازل فرمودہ ہے اس کو روح الامین یعنی جبرائیل آپ کے قلب پر لے کر اترے ہیں صاف عربی زبان میں تاکہ آپ ڈرانے والوں میں ہو جائیں اور ایک قراءت میں نَـزَّلَ تشدید اور روح کے نصب کے ساتھ ہے اور فاعل اللہ ہے اور بلاشبہ محمد ﷺ پر نازل شدہ قرآن کی خبر پہلے لوگوں کی کتابوں مثلاً تورات و انجیل

میں ہے کیا ان کے لئے قرآن کی صداقت کی یہ نشانی کافی نہیں کہ اس کو بنی اسرائیل کے علماء بھی جانتے ہیں؟ جیسا کہ عبداللہ بن سلام اور ان کے وہ ساتھی جو ایمان لائے، وہ اس کی حقانیت کی خبر دیتے ہیں اور یَکُنْ یا کے ساتھ اور آیۃً کے نصب کے ساتھ اور تا کے ساتھ اور آیۃٌ کے رفع کے ساتھ اور اگر بالفرض ہم اس قرآن کو کسی عجمی شخص پر نازل کرتے اور وہ اس قرآن کو کفار مکہ کو پڑھ کر سناتا تب بھی یہ لوگ اس کے اتباع سے تکبر کرتے ہوئے اس پر ایمان نہ لاتے اَعْجَمِیْنَ اعجم کی جمع ہے اسی طرح یعنی جس طرح عجمی کی قراءت کی وجہ سے قرآن کی تکذیب ہم نے (ان کے قلوب میں) داخل کردی مجرمین یعنی کفار مکہ کے قلوب میں نبی کی قراءت کی وجہ سے (بھی) تکذیب داخل کردی، یہ لوگ اس قرآن پر ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں پھر وہ عذاب ان پر اچانک آجائے اور ان کو اس کی خبر بھی نہ ہو، پھر کہیں گے کہ کیا ہم کو مہلت دی جائے گی؟ تاکہ ہم ایمان لے آئیں تو ان کو جواب دیا جائے گا کہ نہیں، ان لوگوں نے سوال کیا یہ عذاب کب آئے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا یہ لوگ ہمارے عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں؟ اچھا یہ بتاؤ اگر ہم نے ان کو کئی سال بھی فائدہ اٹھانے دیا پھر اس کے بعد ان پر وہ عذاب آجائے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا تو وہ سالہا سال کی سودمندی ان سے عذاب کے دفع کرنے میں یا اس کے ہلکا کرنے میں کیا کام آئے گی؟ اور ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر یہ کہ اس کے لئے ڈرانے والے ایسے انبیاء موجود تھے جو ان کو نصیحت کے طور پر ڈراتے تھے اور ڈرانے کے بعد ان کو ہلاک کرنے میں ہم ظالم نہیں تھے اور مشرکین کے قول کو رد کرنے کے لئے (یہ آیت) نازل ہوئی (یعنی) اس قرآن کو شیاطین نہیں لائے، اور نہ وہ اس کے قابل کہ اس کو لیکر نازل ہوں اور نہ ان میں اس کی مجال (بلکہ) بلاشبہ وہ تو فرشتوں کے کلام کو سننے سے بھی محروم کردیئے گئے ہیں یعنی شعلوں کے ذریعہ روک دیئے گئے ہیں پس تو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکار ورنہ تو تو سزا پانے والوں میں ہو جائے گا اگر تو نے وہ کام کرلیا جس کی طرف تجھ کو بلایا ہے اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے، اور وہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ہیں اور ان کو کھلم کھلا ڈرایا، روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے اور مومنین یعنی موحدین میں سے جس نے آپ کی پیروی اختیار کرلی ہے تو آپ ان کے ساتھ فروتنی سے پیش آیئے اور اگر تیرے اہل خاندان تیری نافرمانی کریں تو ان سے کہہ دیجئے کہ میں تمہارے اعمال یعنی غیر اللہ کی بندگی سے بری ہوں اور پورا بھروسہ غالب مہربان اللہ پر رکھئے وَتَوَكَّلْ واو اور فاء (دونوں) کے ساتھ ہے یعنی اپنے تمام کام اسی کو سونپ دیجئے، جو کہ آپ کے نماز کے لئے کھڑا ہونے کو اور ارکان صلوٰۃ میں آپ کی نشست و برخاست کو (یعنی) قیام وقعود ورکوع وسجود کی حالت کو سجدہ کرنے والوں میں یعنی نماز پڑھنے والوں میں دیکھتا ہے بے شک وہی سننے والا اور جاننے والا ہے اے کفار مکہ کیا میں تم کو بتاؤں کہ شیاطین کس شخص پر اترتے ہیں؟ اصل میں دو تاؤں میں سے ایک تا کو حذف کرکے (سن لو) شیاطین ہر جھوٹے گنہگار فاجر جیسا کہ کاہنوں میں سے مسیلمہ کذاب وغیرہ، اور شیاطین سنی ہوئی بات کو یعنی جس کو ملائکہ سے سن لیتے ہیں کاہنوں پر القاء کردیتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہیں اس سنی ہوئی بات میں بہت سا جھوٹ ملا دیتے ہیں اور یہ شیاطین کو آسمان پر جانے سے

روکے جانے سے پہلے تھا اور شاعروں کی پیروی ان کے شعر میں گمراہ لوگ کرتے ہیں تو وہ شعر پڑھتے ہیں اور شعراء سے نقل کرتے ہیں سو یہی ہیں مذموم (قابل مذمت) کیا آپ نہیں جانتے کہ یہی لوگ کلام اور اس کی اصناف کی ہر وادی میں بھٹکتے رہتے ہیں (یعنی) متحیر پھرتے رہتے ہیں، چنانچہ مدح اور ہجو میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں اور وہ بات کہتے ہیں جو کرتے نہیں یعنی جھوٹ بولتے ہیں سوائے ان شاعروں کے جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے اور بکثرت اللہ کا ذکر کیا یعنی شعر نے ان کو ذکر سے غافل نہیں کیا اور کافروں سے ان کی ہجو کر کے اپنی مظلومی کے بعد انتقام لیا ان کافروں کے فی الجملہ مومنین کی ہجو کرنے کی وجہ سے لہٰذا یہ لوگ قابل مذمت نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ برائی کے ساتھ آواز بلند کرنے کو پسند نہیں فرماتا مگر مظلوم کو اجازت ہے سو جس نے تمہارے اوپر ظلم کیا تو تم بھی اس کے اوپر اتنا ہی ظلم کر سکتے ہو، اور عنقریب ظلم کرنے والے ان شعراء وغیرہ کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ موت کے بعد کس کروٹ الٹتے ہیں۔ (یعنی کس ٹھکانہ میں)۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہُ: بِلسانٍ عربيٍ، بہٖ کی ضمیر سے اعادہ جار کے ساتھ بدل ہے، اور المنذرینَ کے متعلق بھی ہو سکتا ہے یعنی تاکہ آپ ان رسولوں میں سے ہو جائیں جو عربی زبان میں ڈرایا اور خوشخبری دیا کرتے تھے، جیسا کہ ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام وصالح علیہ الصلوٰۃ والسلام وشعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

قِوْلَہُ: ای ذکر القرآن اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کا جواب ہے، شبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول اِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ سے معلوم ہوتا کہ قرآن بنفس نفیس سابقہ کتابوں میں موجود ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

جَوَابُ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن سابقہ کتب میں بنفس نفیس موجود نہیں ہے بلکہ قرآن کا ذکر اور اس کی صفت کتب سابقہ میں موجود ہے۔

قِوْلَہُ: کعبداللّٰہ بن سلام و اصحابہٖ عبداللہ بن سلام کے ساتھی جو کہ یہودیت سے مسلمان ہوئے تھے عبداللہ بن سلام کے علاوہ چار ساتھی اور تھے ① اسد ② اُسَید ③ ثعلبة ④ ابن یامین یہ پانچوں حضرات علماء یہود میں سے تھے بعد میں اسلام لائے اور بہت خوب لائے۔

قِوْلَہُ: یَکُنْ بالتحتانیة ونصبِ آیةً آیةً، یکن کی خبر مقدم ہے اس کا اسم اَنْ یَعْلَمَهٗ ہے اور آیةٌ کے رفع کے ساتھ تکن کا اسم ہے اور لَهُمْ خبر مقدم ہے اور اَنْ یعلمهٗ اسم سے بدل ہے اگر تکن تامہ ہو تو آیةٌ اس کا فاعل ہوگا اور اَنْ یعلمهٗ اس سے بدل ہوگا۔

قِوْلَہُ: جمع اعجم یعنی اَعجمین اَعْجَمُ کی جمع ہے۔

سُوَالٌ: اَفْعَل فُعْلاءُ کی جمع واؤ نون اور یا نون کے ساتھ نہیں آتی لہٰذا اَعْجَمِیْن اَعْجَمُ کی جمع صحیح نہیں ہے۔

جَوَابٌ: اصل میں اَعْجَمِیٌّ ہے یائے نسبتی کو تخفیف کے لئے حذف کر دیا گیا ہے لہٰذا اَعْجَمِیٌّ کی اعجمین جمع لانا درست ہے۔

قَوْلُہٗ: کذٰلکَ یہ سلکناہ کا معمول ہے اور سلکناہُ میں ہٗ ضمیر کا مرجع قرآن ہے حذف مضاف کے ساتھ، ای سلکنا تکذیبہٗ.

قَوْلُہٗ: اَفَرَاَیْتَ کا عطف فیقولوا پر ہے، درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔

قَوْلُہٗ: اِلَّا لَھَا مُنذرونَ یہ جملہ ہو کر قریۃ کی صفت ہے اور قریۃ سے حال بھی ہو سکتا ہے۔

قَوْلُہٗ: من قریۃ میں مِن مفعول پر زائدہ ہے اور یہ سابق میں نفی ہونے کی وجہ سے جائز ہے۔

سُوَال: یہاں اِلَّا کے جملہ سے واؤ کو کیوں ترک کر دیا؟ حالانکہ وَمَا اَھْلَکْنَا من قریۃٍ اِلَّا ولھا کتابٌ معلومٌ میں واؤ موجود ہے۔

جَوَابٌ: اصل ترک واؤ ہے اس لئے کہ جملہ قریۃ کی صفت ہے اور موصوف صفت کے درمیان واؤ نہ ہونا اصل ہے اور اگر کہیں واؤ لایا جاتا ہے تو وصل صفت بالموصوف کی تاکید کے لئے لایا جاتا ہے جیسا کہ سبعۃ وثامنھم کلبھم. (جمل)

لَھَا محذوف سے متعلق ہو کر خبر مقدم ہے اور منذرون مبتداء مؤخر ہے مبتداء خبر مقدم سے مل کر جملہ ہو کر یا تو قَرْیَۃ کی صفت یا حال ہے خبر ہونے کی صورت میں تقدیر عبارت یہ ہے قد اَنْذَرَ اَھْلَھَا منذرونَ حال ہونے کی صورت میں تقدیر عبارت یہ ہے اِلَّا کائنًا لھا منذرون.

قَوْلُہٗ: ذِکْرٰی یا تو منذرون کی ضمیر سے حال ہے ای منذرون ذَوِیْ ذِکْرٰی یا مذکرین ذکرٰی اور اگر اپنے ظاہر پر باقی رکھا جائے تو مبالغۃً حمل ہوگا جیسے زیدٌ عدلٌ یا ذکرٰی منصوب ہے مصدریت کی بنا پر اس صورت میں منذرون مذکّرون کے معنی میں ہوگا تقدیر عبارت یہ ہوگی مذکرون ذکرٰی ای تذکرۃً ذکرٰی منذورن کی علت یعنی مفعول لہٗ بھی ہو سکتا ہے ای تنذرُھم لاجل تذکیرھِمُ العواقِبَ اور ذِکْرٰی مبتداء محذوف کی خبر بھی ہو سکتا ہے ای ھذہٖ ذکرٰی اس صورت میں جملہ معترضہ ہوگا۔

قَوْلُہٗ: ردًّا لِقَوْلِ المشرکین قول کا مقولہ محذوف ہے اور یہ ہے اِنَّ الشیٰطینَ یُلْقُوْنَ القرآنَ الیہِ.

قَوْلُہٗ: شُھُبٌ، شِھابٌ کی جمع ہے بمعنی آگ کی چمک، ٹوٹا ہوا تارہ۔

قَوْلُہٗ: فتکون مِنَ المعذبین شرط محذوف کی جزاء مقدم ہے جیسا کہ شارح نے اِنْ فَعَلْتَ ذٰلکَ سے اشارہ کر دیا ہے۔

قَوْلُہٗ: بالواؤ والفاء یعنی توکل میں دو قراءتیں ہیں واؤ کے ساتھ اور فاء کے ساتھ واؤ کے ساتھ ہونے کی صورت میں اَنْذِرْ پر عطف ہوگا اور فاء کی صورت میں جواب شرط یعنی فَقُلْ اِنِّیْ بَرِیْءٌ سے بدل ہوگا۔

قَوْلُہٗ: تَقَلُّبَكَ، يَرَاكَ کے کاف پر معطوف ہے۔

قَوْلُہٗ: فی الساجدينَ میں فی بمعنی مع ہے۔

قَوْلُہٗ: عَلٰی مَنْ، تَنَزَّلُ کے متعلق ہے اگر أُنَبِّئُكُمْ متعدی بسہ مفعول ہو تو جملہ تَنَزَّلُ الشياطين قائم مقام دومفعولوں کے ہوگا یعنی ثانی اور ثالث کے اور اول مفعول ضمیر كُمْ ہے اور اگر متعدی بدو مفعول ہو تو جملہ مفعول ثانی کے قائم مقام ہوگا۔

قَوْلُہٗ: مثل مسيلمة، مسیلمہ کا مثال میں پیش کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا اس لئے کہ اول تو مسیلمہ نے آپ ﷺ کی بعثت کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا جبکہ شیاطین کی آسمانوں پر آمد و رفت بند کردی گئی تھی لہٰذا اس کو شیطانوں کا آسمانی خبروں کا دینا صحیح نہیں ہے دوسری بات یہ ہے کہ مسیلمہ کاہنوں میں سے نہیں تھا وہ مفتری اور کذاب تھا لہٰذا مفسر علام کا من الكهنة کہنا درست معلوم نہیں ہوتا وغیرہ جیسا کہ سطیح یہ کاہن تھا کاہن آئندہ کی خبر دینے والے کو کہتے ہیں اور عراف امور ماضیہ کی خبر دینے والے کو کہتے ہیں۔ (جمل)

قَوْلُہٗ: ای كفار مكة میں ای ندائیہ بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور تفسیر یہ بھی ہوسکتا ہے اس صورت میں مُفَسَّرْ أُنَبِّئُكُمْ میں كُمْ ضمیر ہوگی۔

قَوْلُہٗ: يَهِيْمُوْنَ انَّ کی خبر ہے اور فی كُلِّ وادٍ اس سے متعلق ہے۔

قَوْلُہٗ: اِلَّا الذينَ آمَنُوْا الخ یہ مَذْمُوْمُوْنَ محذوف سابق سے استثناء ہے۔

تفسیر و تشریح

اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ العَالَمِيْنَ یہاں سے اللہ تعالیٰ قرآن کی اور اس کے نازل کرنے والے کی اور جس پر نازل کیا گیا ہے مدح فرمارہے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ کفار مکہ نے قرآن کے وحی الٰہی اور منزل من اللہ ہونے کا انکار کیا اور اسی بنا پر رسالت محمدیہ ﷺ اور دعوت محمدیہ ﷺ کا انکار کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کے واقعات بیان کرکے یہ واضح کیا کہ یہ قرآن یقیناً وحی الٰہی ہے اور محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ پیغمبر جو نہ پڑھ سکتا ہے اور نہ لکھ سکتا ہے گذشتہ انبیاء اور قوموں کے واقعات کس طرح بیان کرسکتا تھا؟ اس لئے یہ قرآن یقیناً رب العالمین ہی کی طرف سے نازل کردہ ہے جسے ایک امانتدار فرشتہ یعنی جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام لے کر آئے۔

بلسان عربی مبين اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن وہی ہے جو عربی زبان میں ہو قرآن کا ترجمہ خواہ کسی زبان میں ہو قرآن نہیں کہلائے گا لیکن اِنَّهٗ لَفِي زبر الاولينَ سے بظاہر اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ یہ بات ظاہر ہے کہ کتب سابقہ عربی زبان میں نہیں تھیں لہٰذا قرآن کے سابقہ کتابوں میں ہونے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ قرآن کے معانی اور مضامین سابقہ کتب میں موجود تھے؟ دونوں باتوں میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے، اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ صرف مضامین قرآن کو بھی بعض اوقات توسُّعاً قرآن کہہ دیا جاتا ہے اس لئے کہ اصل مقصود کسی کتاب کا اس کے

مضامین ہی ہوتے ہیں۔ (معارف)

دوسرا جواب یہ ہے اِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی خبر اور اس کی صفت اور اس کے نزول کی خوشخبری کتب سابقہ میں موجود ہے (جمل) لہٰذا معلوم ہوا کہ قرآن الفاظ اور معانی دونوں کے مجموعہ کا نام ہے اسی وجہ سے امت کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز میں الفاظ قرآن کی قراءت کے بجائے ان کا ترجمہ خواہ کسی بھی زبان میں ہو بدون اضطرار کے کافی نہیں، بعض ائمہ سے جو اس میں توسع کا قول منقول ہے ان سے بھی اپنے اس قول سے رجوع ثابت ہے۔

ترجمہ قرآن کو قرآن کہنا جائز نہیں:

اسی طرح قرآن کا صرف ترجمہ بغیر عربی متن کے لکھا جائے تو اس کو قرآن کہنا درست نہیں ہے مثلاً اردو کا قرآن یا فارسی یا انگریزی کا قرآن کہہ دیتے ہیں یہ جائز نہیں، اور نہ محض قرآن کے ترجمہ کو قرآن کے نام سے شائع کرنا جائز ہے۔

اَوَلَمْ یَکُنْ لَّهُمْ آیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ کفار مکہ مذہبی معاملات میں یہود کی طرف رجوع کرتے تھے چنانچہ جب محمد ﷺ نے دعوائے نبوت فرمایا تو مشرکین مکہ کی ایک جماعت تحقیق کے لئے مدینہ علماء یہود کے پاس گئی تھی علماء یہود نے علامت کے طور پر تین سوال سکھائے تھے کہ اگر ان کا جواب دیدیں تو نبی ہیں ورنہ نہیں، حضرت سلمان فارسی رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کو بھی ایک یہودی عالم نے آخری نبی محمد ﷺ کی تین علامتیں بتائی تھیں اول یہ کہ وہ صدقہ قبول نہیں کرے گا، ہدیہ قبول کرے گا، اور یہ کہ اس کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی چنانچہ حضرت سلمان فارسی نبی آخر الزمان کی تلاش میں مدینہ تشریف لائے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مذکورہ تینوں علامتوں کی تصدیق کرنے کے بعد ایمان لائے، عناد اور دشمنی کی وجہ سے اگرچہ یہودی علماء آپ ﷺ کی نبوت کا کھلم کھلا اعلان و اقرار نہیں کرتے تھے مگر نجی مجلسوں میں اور دل میں آپ کی نبوت کے معترف تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا **یعرفونه کما یعرفون ابناء هم**.

مشرکین مکہ جب اپنے دیگر مذہبی معاملات میں علماء یہود پر اعتماد کرتے ہیں تو آپ کی نبوت و رسالت کے بارے میں کیوں اعتماد نہیں کرتے؟ حالانکہ بڑے علماء یہود جو ایمان لا چکے تھے وہ صراحت اور وضاحت کے ساتھ کہتے تھے کہ محمد ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں یہ وہی نبی ہیں جن کی خوشخبری توریت و انجیل میں دی گئی ہے، مطلب یہ ہے کہ کیا یہ بات کہ علماء بنی اسرائیل قرآن کی صداقت اور حقانیت کی شہادت دے رہے ہیں مشرکین مکہ کے ایمان لانے اور قرآن کو آسمانی کتاب باور کرنے کے لئے کافی نہیں ہے؟ مگر ضد اور عناد کی وجہ سے قبول نہیں کرتے۔

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ پیغمبروں کی دعوت صرف رشتہ داروں کے لئے نہیں بلکہ پوری قوم کے لئے ہوتی ہے اور محمد ﷺ تو پوری نسل انسانی کے لئے ہادی اور رہبر بن کر آئے تھے، قریبی رشتہ داروں کو دعوت ایمان، دعوت عام کے منافی نہیں بلکہ اس کا ایک حصہ یا ایک ترجیحی پہلو ہے جس طرح حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے بھی سب سے پہلے اپنے والد آزر کو توحید کی دعوت دی تھی، چنانچہ نبی ﷺ اس حکم کے نازل ہونے کے بعد صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور یا صباحاہ کہہ کر آواز دی، یہ کلمہ اس وقت

بولا جاتا تھا جب دشمن اچانک حملہ کردے، یہ کلمہ سن کر لوگ جمع ہو گئے آپ نے قریش کے مختلف قبیلوں کے نام لے لے کر فرمایا یا معشرَ قریش اِشْتَرُوْا اَنْفُسَکُمْ لَا اغنِی عنکُمْ من اللّٰہِ شیئًا یا بنی عبد المطّلب لا اغنِی عنکم منَ اللّٰہِ شیئًا یا صفیة عمة رسول اللّٰہِ لا اغنِی عنكِ شیئًا یا فاطمة بنتِ رسول اللّٰہ سلینی ماشئتِ من مالی لا اغنِی عنكِ من اللّٰہِ شیئًا (خازن بحوالہ جمل) اور آپ نے فرمایا بتاؤ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر دشمن کا لشکر موجود ہے جو تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو کیا تم سچ مانو گے؟ سب نے کہا ہاں یقیناً ہم تصدیق کریں گے، اس کے بعد آپ نے فرمایا ''اللہ نے مجھے نذیر بنا کر بھیجا ہے میں تمہیں ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں'' اس پر ابولہب نے کہا تبًّا لكَ اَمَا دَعَوْتَنَا اِلَّا لِهٰذَا تیرے لئے ہلاکت ہو، کیا تو نے ہمیں اسی لئے بلایا تھا؟ اس کے جواب میں سورۂ تبت نازل ہوئی۔

اَلَّذِیْ یَرَاكَ حِیْنَ تَقُوْمُ وَتَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ یعنی آپ جب تنہا تہجد وغیرہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اس وقت بھی وہ آپ کو دیکھتا ہے اور جب آپ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اس وقت بھی دیکھتا ہے۔

شعر کی تعریف:

وَالشُّعَرَاءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ''شعر'' لغت میں ہر اس کلام کو کہا جاتا ہے جس میں محض خیالی غیر حقیقی مضامین بیان کئے گئے ہوں جس میں کوئی بحر، وزن، ردیف، اور قافیہ کچھ شرط نہیں، فن منطق میں بھی ایسے ہی مضامین کو ادلہ شعریہ اور قضایا شعریہ کہا جاتا ہے، اصطلاحی شعر وغزل میں بھی چونکہ عموماً خیالات ہی کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے اصطلاح شعراء میں کلام موزون و مقفٰی کو شعر کہنے لگے ہیں۔ (معارف)

جب مذکورہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عبداللہ بن رواحہ، حسان بن ثابت، اور کعب بن مالک رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ جو شعراء صحابہ میں مشہور ہیں روتے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول اللہ ذوالجلال نے یہ آیت نازل فرمائی ہے اور ہم بھی شعر کہتے ہیں، آپ نے فرمایا آیت کے آخری حصہ کو پڑھو، مقصد یہ تھا کہ تمہارے اشعار بیہودہ اور غلط مقصد کے لئے نہیں ہوتے لہٰذا تم اس استثناء میں داخل ہو جو آیت کے آخری حصہ میں مذکور ہے، اس لئے مفسرین نے فرمایا کہ ابتدائی آیت میں مشرکین شعراء مراد ہیں، مشرکین مکہ محفل مشاعرہ قائم کرتے جس میں اسلام کا تمسخر کرتے مسلمانوں اور آپ ﷺ کی ہجو کرتے اور سامعین خوب داد دیتے اور ہجو کے اشعار کو یاد کر لیتے اور خوب شہرت دیتے آیت میں یہی شعراء اور ان کی اتباع کرنے والے مراد ہیں۔

لطیفہ: ایک رئیس کے دربار میں چند شعراء انعام واکرام کی غرض سے حاضر ہوئے ایک شخص جو کہ شاعر نہیں تھا وہ بھی طفیلی بن کر شعراء کے ساتھ چلا گیا شاعروں نے اپنے اپنے انداز سے رئیس کی بہت تعریف کی جب شعراء اپنا اپنا کلام سنا چکے اور انعام واکرام حاصل کر چکے تو رئیس نے اس طفیلی سے بھی اشعار پڑھنے کے لئے کہا طفیلی چونکہ شاعر تو تھا نہیں اشعار کیا سناتا؟ برجستہ جواب دیا کہ شعراء تو یہ حضرات ہیں میں تو یتبعُهُمُ الغاوٗن میں سے ہوں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے والشعراء یتبعُهُمُ الغاوٗن رئیس بہت ہنسا اور اس کو بھی خوب انعام دیا، آیت میں اگرچہ مشرکین شعراء مراد ہیں مگر چونکہ شاعروں

کی اکثریت ایسی ہوتی ہے کہ وہ مدح وذم میں اصول وضابطہ کے بجائے ذاتی پسند وناپسند کے مطابق اظہار رائے کرتے ہیں، علاوہ ازیں اس قدر غلو اور مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں کہ نہ صرف یہ کہ کذب بیانی اور دروغ گوئی کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ ایمان اور عقیدہ کی حدود کا بھی خیال نہیں رکھتے فرزدق نے سلیمان بن عبدالملک کی مجلس میں چند اشعار پڑھے جن میں ایک شعر یہ بھی تھا:

فَبِتْنَ کَأَنَّهُنَّ مُصَرَّعَاتٌ وبِتُّ افُضُّ اغلاق الختام

''دوشیزاؤں نے اس طرح رات گذاری گویا کہ وہ پچھاڑی ہوئی ہیں اور میں نے اس طرح رات گذاری کہ میں سر بند مہروں کو توڑ رہا ہوں''، سلیمان نے کہا تیرے اوپر حد واجب ہوگئی، فرزدق نے کہا حد میرے اوپر سے ساقط ہوگئی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا وانهم يقولون ما لا يفعلون چنانچہ اس کو معاف کردیا۔

شاعروں کی گپ کا نمونہ:

اے رشک مسیحا تیری رفتار کے قرباں ٹھوکر سے میری لاش کئی بار جلادی
اے باد صبا ہم تجھے کیا یاد کریں گے اس گل کی خبر تو نے کبھی ہم کو نہ لادی

ایک شاعر اپنے ممدوح کے حقہ کی تعریف کرتا ہوا کہتا ہے:

حقہ نہیں عصا ہے یہ موسیٰ کے ہاتھ میں بے جان بولتا ہے یہ مسیحا کے ہاتھ میں

مبالغہ کے چند اور نمونے ملاحظہ فرمایئے:

رونے پہ چشم تر مری باندھے اگر کمر کیسی زمیں، فلک پہ ہو پانی کمر کمر

گھوڑے کی برق رفتاری کے لئے:

یک جست میں جو خوف نہ رکھتا خدا سے وہ جاتا نکل احاطۂ علم خدا سے وہ
کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے رن ایک طرف، چرخ کہن کانپ رہا ہے
ہر شیر نیستان زمن کانپ رہا ہے رستم کا بدن زیر کفن کانپ رہا ہے
شمشیر بکف دیکھ کے حیدر کے پسر کو جبرئیل لرزتے ہیں سمیٹے ہوئے پر کو

اس قسم کے شاعر چونکہ شاعرانہ تخیلات کی تلاش میں خیالی دنیا میں ادھر ادھر بھٹکتے رہتے ہیں اسی لئے ان کے بارے میں کہا گیا ہے فی کل وادٍ یھیمون تخیلات کی وادی میں سرمارتے پھرتے ہیں۔

مذکورہ آیت سے جو شعر وشاعری کی سخت مذمت اور ان کا عند اللہ مبغوض ہونا معلوم ہوتا ہے وہ مطلق نہیں ہے بلکہ جس شعر میں خدا تعالیٰ کی نافرمانی یا اللہ کی یاد سے غفلت یا جھوٹ ناحق کسی انسان کی مذمت وتوہین ہو فحش کلام اور فواحش کے لئے محرک ہو وہ مذموم اور مکروہ ہے اور ایسا شاعر قابل مذمت ہے، اور جن شعراء کے اشعار ان معاصی اور مکروہات سے پاک ہوں ان کو اللہ تعالیٰ نے الا الذین آمنوا وعملوا الصّٰلحٰتِ کے ذریعہ مستثنیٰ فرمادیا ہے، بلکہ بعض اشعار تو حکیمانہ مضامین اور وعظ ونصیحت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے طاعت اور ثواب میں داخل ہیں جیسا کہ حضرت ابی بن کعب کی روایت ہے اِنّ بعض الشعر لحکمة (بخاری) اس کی مزید تائید مندرجہ ذیل روایات سے بھی ہوتی ہے عمرو بن الشرید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھ سے امیہ بن ابی صلت کے سو قافیہ تک اشعار سنے (معارف) مطرف فرماتے ہیں کہ میں نے کوفہ سے بصرہ تک حضرت عمر بن حصین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ساتھ سفر کیا اور ہر منزل پر وہ شعر سناتے تھے، امام بخاری فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا شعر کہا کرتی تھیں، ابو یعلی نے ابن عمر سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ شعر ایک کلام ہے اگر اس کا مضمون اچھا اور مفید ہے تو شعر اچھا ہے اور اگر مضمون برا ہے یا گناہ ہے تو برا ہے دار قطنی نے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے حضور ﷺ سے شعر کے بارے میں سوال کیا، آپ نے فرمایا ھو کلام، فحسنهٗ حسنٌ وقبیحهٗ قبیحٌ بلکہ اگر اشعار خدا اور اس کے رسول کی محبت بڑھانے والے اور موت وآخرت کو یاد دلانے والے یا بغرض نصرت وانتقام مؤمنین وابطال باطل واحقاق حق ہوں تو مستحب ہیں، حضرت حسان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ آپ کی جانب سے مشرکین مکہ کی ہجو کا جواب دیا کرتے تھے آپ نے حضرت حسان کے لئے کفار کی ہجو کا جواب دینے پر دعا فرمائی اَجب عنی اَللّٰھُمَّ اَیِّدہٗ بروح القُدُسِ اے حسان ہماری طرف سے کفار کو جواب دو اے اللہ تو جبرائیل کے ذریعہ حسان کی مدد فرما۔ (خلاصة التفاسیر تائب لکھنوی)

آنحضرت ﷺ نے شرید سے جو آپ کے پیچھے سوار تھے فرمایا کہ امیہ بن ابی صلت کے کچھ اشعار یاد ہوں تو سناؤ، شرید فرماتے ہیں میں نے پڑھا آپ نے فرمایا اور پڑھو میں نے پڑھا پھر فرمایا اور پڑھو یہاں تک کہ میں نے سو اشعار پڑھے، آپ ہر بار فرماتے اور پڑھو، اور آپ نے یہ بھی فرمایا گویا کہ وہ اپنے شعر سے اسلام ظاہر کرتا ہے یا گویا کہ اسلام لانا چاہتا ہے، اور ایسے ہی آپ نے فرمایا شعراء کے کلام میں راست ترین لبید کا یہ شعر ہے۔

اَلَاکُلُّ شيءٍ ماخلا اللّٰه باطلٌ.. (رواہ مسلم خلاصة التفاسیر تائب)

سُوْرَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثٌ اَوْ اَرْبَعٌ اَوْ خَمْسٌ وَتِسْعُوْنَ آيَةً.

سورۂ نمل مکی ہے اور ترانوے یا چورانوے یا پچانوے آیات پر مشتمل ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ طٰسٓ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ تِلْكَ هٰذِهِ الْاٰيَاتُ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ اي اٰيَاتٌ مِنه وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ① مُظْهِرِ الْحَقِّ مِنَ الْبَاطِلِ عَطْفٌ بِزِيَادَةِ صِفَةٍ هُوَ هُدًى اي هَادٍ مِنَ الضَّلَالَةِ وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ② الْمُصَدِّقِيْنَ بِه بِالْجَنَّةِ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ يَاْتُوْنَ بِهَا عَلٰى وَجْهِهَا وَيُؤْتُوْنَ يُعْطُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ③ يَعْلَمُوْنَهَا بِالْاِسْتِدْلَالِ وَاُعِيْدَ هُمْ لِمَا فُصِلَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْخَبَرِ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ الْقَبِيْحَةَ بِتَرْكِيْبِ الشَّهْوَةِ حَتّٰى رَاَوْهَا حَسَنَةً فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ④ يَتَحَيَّرُوْنَ فِيْهَا لِقُبْحِهَا عِنْدَنَا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ اَشَدُّهُ فِي الدُّنْيَا الْقَتْلُ وَالْاَسْرُ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ⑤ لِمَصِيْرِهِمْ اِلَى النَّارِ الْمُؤَبَّدَةِ عَلَيْهِمْ وَاِنَّكَ خِطَابٌ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ اي يُلْقٰى عَلَيْكَ بِشِدَّةٍ مِنْ لَّدُنْ مِنْ عِنْدِ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ⑥ فِيْ ذٰلِكَ اُذْكُرْ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖ زَوْجَتِهٖ عِنْدَ مَسِيْرِهٖ مِنْ مَدْيَنَ اِلٰى مِصْرَ اِنِّيْ اٰنَسْتُ اَبْصَرْتُ مِنْ بَعِيْدٍ نَارًا سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ عَنْ حَالِ الطَّرِيْقِ وَكَانَ قَدْ ضَلَّهَا اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ بِالْاِضَافَةِ لِلْبَيَانِ وَتَرْكِهَا اي شُعْلَةِ نَارٍ فِيْ رَاْسِ فَتِيْلَةٍ اَوْ عُوْدٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ⑦ وَالطَّاءُ بَدَلٌ مِنْ تَاءِ الْاِفْتِعَالِ مِنْ صَلِيَ بِالنَّارِ بِكَسْرِ اللَّامِ وَفَتْحِهَا تَسْتَدْفِئُوْنَ مِنَ الْبَرْدِ فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْ اي بِاَنْ بُوْرِكَ اي بَارَكَ اللّٰهُ مَنْ فِي النَّارِ اي مُوْسٰى وَمَنْ حَوْلَهَا اَيِ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوِ الْعَكْسُ وَبَارَكَ يَتَعَدّٰى بِنَفْسِهٖ وَبِالْحَرْفِ وَيُقَدَّرُ بَعْدَ فِيْ مَكَانٍ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ⑧ مِنْ جُمْلَةِ مَا نُوْدِيَ وَمَعْنَاهُ تَنْزِيْهُ اللّٰهِ مِنَ السُّوْءِ يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗ اي الشَّانُ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑨ وَاَلْقِ عَصَاكَ فَاَلْقَاهَا فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ تَتَحَرَّكُ كَاَنَّهَا جَآنٌّ حَيَّةٌ خَفِيْفَةٌ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ يَرْجِعْ قَالَ تَعَالٰى يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ مِنْهَا اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ عِنْدِيْ الْمُرْسَلُوْنَ ⑩ مِنْ حَيَّةٍ وَغَيْرِهَا اِلَّا لٰكِنْ مَنْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا اَتَاهُ بَعْدَ سُوْٓءٍ اي تَابَ فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑪ اَقْبَلُ التَّوْبَةَ وَاَغْفِرُلَهٗ وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ طَوْقِ الْقَمِيْصِ تَخْرُجْ خِلَافَ لَوْنِهَا

مِنَ الادمة **بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ** بَرَصٍ لها شُعَاعٌ يَغْشى البَصَرَ آيَةً **فِي تِسْعِ اٰيٰتٍ** مُرْسَلاً بها **اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ**⑫ **فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً** اي مُضِيئَةً وَاضِحَةً **قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ**⑬ بَيِّنٌ ظَاهِرٌ **وَجَحَدُوْا بِهَا** اي لم يُقِرُّوا وَ قَدْ **اسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ** اي تَيَقَّنُوا اَنَّهَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ **ظُلْمًا وَّعُلُوًّا** تَكَبُّرًا عَنِ الايمَانِ بِمَا جَاءَ بِهِ مُوسٰى رَاجِعٌ الى الجَحْدِ **فَانْظُرْ** يَا مُحَمَّدُ **كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ**⑭ اَلَّتِي عَلِمْتَهَا مِنْ اِهْلاَكِهِمْ.

ترجمہ: طٰسٓ اس کی مراد اللہ ہی بہتر جانتا ہے یہ آیتیں ہیں قرآن کی اور کتاب مبین کی یعنی حق کو باطل سے ممتاز کرنے والی کتاب کی، زیادتی صفت کے ساتھ (القرآن) پر عطف ہے، وہ ہدایت ہے یعنی گمراہی سے ہدایت کرنے والی ہے اور مومنین یعنی اس کی تصدیق کرنے والوں کو جنت کی خوشخبری ہے، وہ (مومن) جو نماز قائم کرتے ہیں یعنی نماز کو اس کے طریقہ کے مطابق ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں (یعنی) دلیل کے ساتھ اس پر یقین رکھتے ہیں، اور (ھم) مبتداء اور اس کی خبر (یوقنون) کے درمیان (بالآخرة) کے فصل کی وجہ سے ھم کا اعادہ کیا گیا ہے جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے لئے ان کے اعمال قبیحہ کو مزین کر دیا ہے، خواہش نفس کی آمیزش کی وجہ سے حتی کہ وہ برے اعمال کو بھی اچھے سمجھتے ہیں سو وہ بھٹکتے پھرتے ہیں (یعنی) وہ ان اعمال میں متحیر ہیں ہمارے نزدیک قبیح ہونے کی وجہ سے یہی ہیں وہ لوگ جن کے لئے بڑا عذاب ہے یعنی دنیا میں سخت عذاب ہے (وہ) قتل وقید ہے اور وہ لوگ آخرت میں بھی سخت خسارہ میں ہیں ان کے دائمی عذاب کی طرف لوٹنے کی وجہ سے یقیناً آپ کو حکمت والے علم والے کی طرف سے قرآن مشقتوں کے ساتھ دیا جا رہا ہے اس وقت کو یاد کیجئے کہ جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اہل (یعنی) بیوی سے مدین سے مصر واپسی کے وقت کہا تھا، میں نے دور سے آگ دیکھی ہے وہاں سے یا تو راستہ کی کوئی خبر لیکر آیا (اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام) راستہ بھول گئے تھے یا کوئی جلتا ہوا شعلہ ہی لے آؤں (بِشِهَابٍ قَبَسٍ) اضافت بیانیہ کے ساتھ، اور ترک اضافت کے ساتھ بھی ہے، یعنی لکڑی یا رسی کے سرے میں آگ کا شعلہ تا کہ تم تاپو اور طا افتعال کی تا سے بدلی ہوئی ہے اور (تَصْطَلُوْنَ) صَلِيَ بالنار کسرۂ لام اور فتحہ لام سے مشتق ہے، سردی سے بچاؤ حاصل کیا جب وہاں پہنچے تو آواز دی گئی بابرکت ہے وہ جو اس آگ میں ہے یعنی موسیٰ اور وہ بھی جو اس کے پاس ہے یعنی ملائکہ یا اس کے برعکس اور بَارَكَ متعدی بنفسہ ہے اور متعدی بالحرف بھی، اور فی کے بعد (لفظ) مکان محذوف ہے اور اللہ رب العالمین پاک ہے (یہ جملہ) بھی منجملہ ان جملوں کے ہے جن کے ذریعہ ندا دی گئی، اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ جملہ عیوب سے پاک ہے اے موسیٰ بات یہ ہے کہ میں اللہ ہوں زبردست حکمت والا اور تم اپنا عصا ڈالو چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عصا ڈال دیا سو جب موسیٰ نے اس کو اس طرح حرکت کرتے دیکھا گویا کہ وہ سنپولیا ہے یعنی پتلا سانپ ہے تو وہ (موسیٰ) پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پلٹ کر بھی نہ دیکھا ارشاد ہوا اے موسیٰ اس سے ڈرو نہیں

ہمارے حضور پیغمبر سانپ وغیرہ سے ڈرا نہیں کرتے ہاں مگر جس نے اپنے اوپر ظلم کیا پھر برائی کے بعد برائی کی جگہ نیکی کرے یعنی توبہ کرے تو میں مغفرت والا رحمت والا ہوں توبہ کو قبول کروں گا اور اس کی مغفرت کردوں گا اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں یعنی (اپنی) قمیص کے گریبان میں داخل کیجئے اپنے گندمی رنگ کے برخلاف وہ بلا کسی مرض کے چمکدار ہو کر نکلے گا یعنی برص وغیرہ کے بغیر اس میں ایسی چمک ہوگی کہ آنکھوں کو خیرہ کردے گا (یہ دو معجزے) ان نو معجزوں میں سے ہیں جن کو لیکر فرعون اور اس کی قوم کے پاس بھیجا جا رہا ہے وہ بلا شبہ حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے ہیں جب ان لوگوں کے پاس ہمارے آنکھیں کھولنے والے واضح اور روشن معجزے پہنچے تو وہ لوگ کہنے لگے یہ صریح یعنی کھلا ہوا جادو ہے اور ان کا انکار کردیا یعنی اقرار نہیں کیا حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے یعنی ان کو اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور یہ بما جاء به موسٰی سے انکار ایمان سے ظلم اور تکبر کے طور پر تھا بما جاء به موسٰی کا تعلق الجحد سے ہے پس آپ دیکھ لیجئے ان مفسدوں کا کیسا انجام ہوا جیسا کہ آپ ان کی ہلاکت سے واقف ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: عطفٌ بزیادةِ صفةٍ اس عبارت سے مفسر علام کا مقصد ایک سوال کا جواب دینا ہے سوال یہ ہے کہ کتاب کا عطف القرآن پر عطف الشئ علی نفسہ کے قبیل سے ہے اسلئے کہ دونوں ہم معنی ہیں لہٰذا اس عطف کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

جواب: جب معطوف کسی صفت زائد پر مشتمل ہو تو عطف فائدہ سے خالی نہیں ہوتا یہاں معطوف یعنی کتاب صفت مبین کے ساتھ متصف ہے یہ عطف بلا فائدہ نہ ہوا۔

قولہ: یُؤتُونَ، ایتاءٌ سے مضارع جمع مذکر غائب معروف ہے وہ دیتے ہیں۔

قولہ: وَهُمْ بالآخرةِ هُمْ يُوْقِنُونَ، هم مبتداء يُوقِنُونَ اس کی خبر بالآخرة، يوقنونَ کا متعلق مقدم مبتداء اور خبر کے درمیان جار مجرور کا فصل ہونے کی وجہ سے هم کا اعادہ کیا گیا ہے تاکہ خبر کا مبتداء کے ساتھ صورۃً اتصال ہو جائے، مفسر علام نے واُعِیْدَ هم الخ کا اضافہ اسی مقصد کے لئے کیا ہے۔

قولہ: یَعْمَهُوْنَ، عَمَهٌ سے مشتق ہے جس کے معنی حیرت اور تردد کے ہیں۔

قولہ: لِقُبْحِهَا عندنا اس عبارت سے یہ شبہ دور کرنا ہے کہ کافروں کے اپنے افعال میں متحیر اور متردد ہونے کا کیا مطلب ہے؟ جبکہ وہ سوچ سمجھ کر اپنے اختیار تمیزی کے ساتھ کفر اور اعمال کفریہ کو اختیار کرتے ہیں۔

جواب: ہمارے نزدیک متحیر ہیں نہ کہ اپنے نزدیک مطلب یہ ہے کہ تزئین شیطان اور اخبار رحمٰن میں تعارض کی وجہ سے متحیر ہیں اور ان کے اندر اتنی بصیرت نہیں کہ حسن اور قبیح کے درمیان فرق کرسکیں اور وہ اس میں بھی متحیر رہتے ہیں کہ کفر اور اعمال کفریہ پر ہی قائم و دائم رہیں یا ترک کردیں، مگر یہ تفسیر خلجان اور شبہ سے خالی نہیں ہے اس لئے کہ جب کفار اپنے اعمال

کو حسن سمجھتے ہیں تو پھر ان کے متحیر ہونے کے کوئی معنی نہیں ہیں اس لئے بہتر تفسیر وہ ہے جو دیگر حضرات نے کی ہے وہ یہ کہ یَعْمَهُوْنَ یَسْتَمِرُّوْنَ ویداوِمُوْن علَیْهَا کے معنی میں ہے (کماذکرہ ابوسعود) اور ابن عباس رَضَاللهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا اور قتادہ نے یَعْمَهُوْنَ کی تفسیر یَلْعبُوْنَ سے کی ہے۔ (جمل ملخصًا)

قَوْلُہٗ: لِمَصِيْرِهِم یہ اَخسرُوْنَ کی علت ہے، اَخسَرُ اسم تفضیل مبالغہ کے لئے ہے نہ کہ تشریک کے لئے اس لئے کہ مومنون کے لئے خسران نہیں ہے وَهُمْ فی الآخرةِ هُمُ الاَخسَرُوْنَ کا اعراب وہی ہے جو هُمْ بالآخرةِ هم یُوقنونَ کا ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ مفضل علیہ خود کفار ہی ہیں مگر زمان و مکان کے اختلاف کے ساتھ یعنی کفار دنیا کے اعتبار سے آخرت میں زیادہ خسارہ میں ہوں گے۔

قَوْلُہٗ: لَتُلَقّٰی تجھے تلقین کیا جاتا ہے، تجھے سکھلایا جاتا ہے، واحد مذکر حاضر مضارع مجہول، اصل میں تُتَلَقّٰی تھا ایک تا کو حذف کر دیا گیا ہے، یہ متعدی بدو مفعول ہے پہلا مفعول قائم مقام فاعل ہے اور دوسرا مفعول القرآن ہے۔

قَوْلُہٗ: بِشِدَّةٍ اس لئے کہ اس میں تکالیف شاقہ ہیں یعنی نزول کے وقت بھی مشقت ہوتی ہے اور عمل کے وقت بھی۔

قَوْلُہٗ: بالاضافةِ پیش نظر نسخہ جلالین میں ترک اضافت کے ساتھ ہے لہٰذا اس صورت میں قبَسٍ بمعنی مقبوس شِهابٍ سے بدل ہے یا نعت ہے اور اگر اضافت کے ساتھ ہو جیسا کہ موجودہ نسخہ میں ہے تو یہ اضافت بیانیہ ہوگی۔

قَوْلُہٗ: شُعلةِ نارٍ یہ مضاف اور مضاف الیہ دونوں کی تفسیر ہے یعنی شهاب بمعنی شعلہ اور قبس بمعنی نارٍ۔

قَوْلُہٗ: فتیلة بتی، بٹی ہوئی چیز۔

قَوْلُہٗ: نُودِیَ اس کا نائب فاعل موسیٰ عَلَیْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ہیں، اس صورت میں اَنْ تفسیریہ ہے اس لئے کہ ماقبل میں نودِیَ بمعنی قیل موجود ہے، مطلب یہ ہے اَن تفسیریہ مراد لینے کے لئے ضروری ہے کہ ماقبل میں قول یا قول سے مشتق کوئی صیغہ ہو یا قول کے معنی دینے والا کوئی صیغہ ہو، چنانچہ اَن تفسیریہ سے پہلے اگرچہ قول یا اس کے مشتقات میں سے کوئی نہیں ہے مگر نودِیَ جو کہ قول کے ہم معنی ہے موجود ہے، لہٰذا یہ اَنْ تفسیریہ ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ مخففہ عن الثقیلہ ہو اور اس کا اسم ضمیر شان ہو اور بورِكَ اس کی خبر ہو، اور اَنْ مصدریہ بھی ہو سکتا ہے حذف حرف جر کے ساتھ ای بأن اور مدخول اَن مصدر کے معنی میں ہو، ای نودِیَ ببَرکَةِ مَنْ فی النَّارِ بَارَكَ متعدی بنفسہٖ بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے بارك الله یہ متعدی بنفسہٖ کی مثال ہے یا بارك الرجلَ آدمی کے لئے برکت کی دعا کی اور حرف یعنی لام و فی و علیٰ کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے متعدی بالحرف کی مثالیں بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ، بارَكَ اللّٰهُ فِيكَ، بَارَكَ الله علَيْكَ.

قَوْلُہٗ: مِن جملةِ مانُوْدِیَ مطلب یہ ہے کہ جس چیز کی نداء دی گئی اس میں جملہ تنزیہیہ بھی ہے یعنی سبحان الله رب العالمين.

قَوْلُہٗ: تَهتزُّ یہ رآهَا کی ضمیر مفعولی سے حال ہے وَلّٰی مُدْبِرًا، لمّا کا جواب ہے۔

قَوْلُہٗ: اِلَّا لکنّ مَن ظَلَمَ مفسر علام نے اِلَّا کی تفسیر لکنّ سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے مطلب یہ ہے کہ مَنْ ظَلَمَ سے مراد غیر مرسلین ہیں۔

قَوْلُہٗ: مَنْ ظَلَمَ مبتداء ہے اور فاِنّی غفور رّحیم اس کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: مُبْصِرَۃً آیات سے حال ہے اور آیات کی جانب مُبصِرۃ کی اسناد مجازی ہے اس لئے کہ آیات دیکھنے والی نہیں ہوتیں بلکہ ان کی روشنی میں دیکھا جاتا ہے جیسا کہ نھرٌ جارٍ میں اسناد مجازی ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ مُبصِرۃ اسم فاعل بمعنی اسم مفعول ہے جیسے دافِقٌ بمعنی مَدْفوقٌ.

قَوْلُہٗ: اِسْتَیْقَنَتْھَا اَنْفُسُھُمْ یہ جَحَدُوْا کے واؤ سے بتقدیر قد حال ہے۔

قَوْلُہٗ: ای تَیَقّنُوا اس سے اشارہ کردیا ہے کہ اِسْتَیْقَنَتْھَا میں سین زائدہ ہے۔

قَوْلُہٗ: ظلمًا وعُلُوًّا اس کا تعلق جَحَدُوْا سے ہے یعنی ظلمًا وعلوًّا انکار کی علت ہے۔

قَوْلُہٗ: کَیْفَ کانَ عاقبۃ المفسدین، کَیْفَ، کانَ کی خبر مقدم ہے اور عاقبۃ المفسدین اسم مؤخر ہے اور پورا جملہ اُنْظُر بمعنی تفکر سے متعلق ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔

تفسیر وتشریح

طٰسٓ اس کی حقیقی مراد تو اللہ ہی کو معلوم ہے، اس سورت میں چونکہ چیونٹیوں کا ایک واقعہ مذکور ہے اور چیونٹی کو عربی میں نملٌ کہتے ہیں اس لئے اس سورت کا نام سورۂ نمل رکھا گیا ہے اس سورۃ کا دوسرا نام سورۂ سلیمان بھی ہے۔ (روح المعانی)

زَیَّنَّا لَھُمْ اَعْمالَھُم یہ گناہوں کی نحوست اور وبال ہی ہے کہ برائیاں اچھی معلوم ہونے لگتی ہیں، آخرت پر عدم ایمان اس کا بنیادی سبب ہے زَیَّنَّا میں نسبت باری تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے یہ اس لئے ہے کہ کوئی بھی کام باری تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادہ کے بغیر نہیں ہوسکتا مگر مشیت اور ارادہ کے لئے رضامندی ضروری نہیں ہے جیسا کہ کڑوی دوا انسان اپنے ارادہ سے تو پیتا ہے مگر رضا اور خوش دلی سے نہیں، تاہم اللہ تعالیٰ کا دستور یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نیک اور بد دونوں راستے واضح فرمادیئے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَھَدَیْنَاہُ النَّجْدَیْنِ البتہ انسان اپنے ارادہ اور اختیار سے جو راستہ بھی اختیار کرتا ہے خواہ نیک ہو یا بد اللہ تعالیٰ اس کے لئے وہی راستہ آسان فرمادیتے ہیں۔

وَ اذکر اذ قالَ موسٰی لِاَھلِہٖ یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مدین سے اپنی اہلیہ کو ساتھ لیکر واپس مصر آرہے تھے، تاریک رات میں راستہ بھول گئے تھے اور سردی کا موسم تھا سردی سے بچاؤ کے لئے آگ کی ضرورت تھی، دور سے آپ کو کوہ طور پر آگ کے شعلے نظر آئے تو آپ اس خیال سے کہ آگ کے پاس اگر کوئی شخص ہوا تو اس سے راستہ معلوم کرلوں گا ورنہ آگ تو لے ہی آؤں گا تاکہ اس کے ذریعہ سردی سے بچاؤ حاصل کیا جاسکے چنانچہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آگ کے شعلوں کے قریب پہنچے تو ایک سرسبز درخت سے شعلے بلند ہوتے نظر آئے یہ شعلے حقیقت میں آگ نہیں تھے یہ اللہ کا نور تھا۔

فَلَمَّا جَاءَ هَا نُوْدِيَ اَنْ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ چنانچہ جب موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام آگ کے پاس پہنچے تو ندا آئی کہ مبارک ہے وہ جو آگ میں ہے اور وہ جو اس کے آس پاس ہے، نودِیَ کا نائب فاعل حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام ہیں پکارنے والے حق تعالیٰ شانہ بھی ہوسکتے ہیں اور ملائکہ بھی، بورِکَ بمعنی تبارکَ ہے مَنْ فی النار میں مَنْ سے مراد حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام بھی ہوسکتے ہیں جیسا کہ مفسر علام کی رائے ہے اور وہ درخت بھی مراد ہوسکتا ہے جس پر آگ نظر آئی تھی نور الٰہی اور ذات حق شانہ تعالیٰ بھی ہوسکتی ہے (خلاصۃ التفاسیر) نــــار سے نور مراد ہے ابن کثیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ درخت پر آگ نہیں تھی بلکہ نور تھا جس کی چمک بڑھتی جاتی تھی، اگر مَنْ فی النار سے حق تعالیٰ شانہ یا اس کا نور یا درخت مراد ہو تو حَوْلَهٗ سے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور ملائکہ مراد ہوں گے اور اگر مَنْ فی النّار سے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام مراد ہوں تو مَنْ حَوْلَهٗ سے ملائکہ مراد ہوں گے اور یہی روایت اولیٰ معلوم ہوتی ہے، اور موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا داخل نور ہونا یا تو باعتبار کمال قرب تھا یا فنائے صادق (معالم، بحوالہ خلاصۃ التفاسیر) مذکورہ توجیہات میں سے بعض سے خدا کے لئے جسم اور صفت حادث سے متصف ہونے کا یا حلول کا شبہ پیدا ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا سبحٰنَ اللّٰہِ ربِّ العٰلمین اللہ تعالیٰ تمام تخیلات وممکنات وحوادثات سے منزہ اور پاک ہے، آواز سننے کی جو کیفیت تفسیر بحر محیط میں ابوحیان نے اور روح المعانی میں آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کی ہے وہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے آواز اس طرح سنی کہ ہر جانب سے یکساں آرہی تھی جس کی کوئی جہت متعین نہیں ہوسکتی تھی، اور سننا بھی ایک عجیب انداز سے ہوا کہ صرف کان نہیں بلکہ جسم کے تمام اعضاء سن رہے تھے جو ایک معجزہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

وَاَلْقِ عَصَاكَ (الآیۃ) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر عالم الغیب نہیں ہوتے ورنہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اپنی ہاتھ کی لاٹھی سے نہ ڈرتے، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ طبعی خوف نبوت کے منافی نہیں ہے جب موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے دیکھا کہ ان کی لاٹھی سانپ بن کر جھوم رہی ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگے اور مڑ کر بھی نہ دیکھا، یہ خوف طبعی تھا جانٌّ ہلکے سانپ کو کہتے ہیں کہیں پر جان کہا گیا ہے اور کہیں پر ثــعبانٌ، ثعبان بڑے سانپ (اژدہے) کو کہتے ہیں، دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے اس لئے ابتداءً جانّ اور انتہاءً ثعبان ہوگیا تھا، یا جسم وجثہ کے اعتبار سے ثعبان تھا مگر سرعت حرکت کے اعتبار سے جانٌّ تھا۔

اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْءٍ فَاِنِّي غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اس سے پہلی آیت میں حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے معجزۂ عصا کا ذکر تھا جس میں حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے ڈر کے مارے پیٹھ پھیر کر بھاگنے کا ذکر ہے اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے دوسرے معجزے ید بیضاء کا ذکر ہے درمیان میں اس استثناء کا ذکر کس لئے کیا ہے؟ اور یہ استثناء منقطع ہے یا متصل؟ اس میں حضرات مفسرین کے اقوال مختلف ہیں بعض حضرات نے استثناء کو منقطع قرار دیا ہے اس صورت میں آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ پہلی آیت میں انبیاء کرام پر خوف نہ ہونے کا ذکر تھا بر سبیل تذکرہ ان لوگوں کا بھی ذکر آگیا جن پر خوف طاری ہونا چاہئے، یعنی وہ لوگ جن سے کوئی خطا سرزد ہوئی پھر توبہ کر کے نیک اعمال اختیار کر لئے ایسے حضرات کی اگرچہ اللہ تعالیٰ خطا معاف کر دیتے ہیں مگر معافی کے بعد بھی گناہ کے بعض آثار باقی رہنے کا احتمال ہے اس سے یہ حضرات ہمیشہ خائف رہتے ہیں، اور اگر اس استثناء

کو متصل قرار دیں تو معنی آیت کے یہ ہوں گے کہ اللہ کے رسول ڈرا نہیں کرتے بجز ان کے کہ جن سے کوئی خطا (یعنی کوئی لغزش سرزد ہوگئی ہو) پھر اس سے بھی توبہ کرلی ہو تو اس توبہ سے یہ لغزش معاف ہوجاتی ہے اور صحیح تر بات یہ ہے کہ انبیاء سے جو لغزش سرزد ہوئی ہے، وہ درحقیقت گناہ ہی نہیں ہے نہ کبیرہ نہ صغیرہ البتہ صورت گناہ کی تھی ورنہ درحقیقت خطائے اجتہادی تھی، اس مضمون میں اس طرف بھی اشارہ پایا گیا کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو قبطی کو قتل کرنے کی لغزش ہوگئی تھی وہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادی مگر اس کا یہ اثر رہا کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر خوف طاری ہوگیا اگر یہ لغزش نہ ہوئی ہوتی تو یہ وقتی خوف بھی نہ ہوتا۔

(قرطبی بحوالہ معارف)

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ اِبْنَهٗ **عِلْمًا** بِالْقَضَاءِ بَیْنَ النَّاسِ وَمَنْطِقِ الطَّیْرِ وَغَیْرِ ذٰلِكَ **وَقَالَا** شُكْرًا لِلّٰهِ **الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا** بِالنُّبُوَّةِ وَتَسْخِیْرِ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالشَّیَاطِیْنِ **عَلٰی كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ**⑮ **وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ** النُّبُوَّةَ وَالْعِلْمَ **وَقَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ** ای فَهْمَ اَصْوَاتِهٖ **وَاُوْتِیْنَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ** یُؤْتَاهُ الْاَنْبِیَاءُ وَالْمُلُوْكُ **اِنَّ هٰذَا** الْمُؤْتٰی **لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِیْنُ**⑯ الْبَیِّنُ الظَّاهِرُ **وَحُشِرَ** جُمِعَ **لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّیْرِ** فِی مَسِیْرٍ لَهٗ **فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ**⑰ یُجْمَعُوْنَ ثُمَّ یُسَاقُوْنَ **حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰی وَادِ النَّمْلِ** هُوَ بِالطَّائِفِ اَوْ بِالشَّامِ نَمْلُهٗ صِغَارٌ اَوْ كِبَارٌ **قَالَتْ نَمْلَةٌ** مَلِكَةُ النَّمْلِ وَقَدْ رَأَتْ جُنْدَ سُلَیْمَانَ **یٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا یَحْطِمَنَّكُمْ** یَكْسِرَنَّكُمْ **سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ**⑱ بِهَلَاكِكُمْ نُزِّلَ النَّمْلُ مَنْزِلَةَ الْعُقَلَاءِ فِی الْخِطَابِ بِخِطَابِهِمْ **فَتَبَسَّمَ** سُلَیْمَانُ اِبْتِدَاءً **ضَاحِكًا** اِنْتِهَاءً **مِّنْ قَوْلِهَا** وَقَدْ سَمِعَهٗ مِنْ ثَلٰثَةِ اَمْیَالٍ حَمَلَتْهُ الرِّیْحُ اِلَیْهِ فَحَبَسَ جُنْدَهٗ حِیْنَ اَشْرَفَ عَلٰی وَادِیْهِمْ حَتّٰی دَخَلُوْا بُیُوْتَهُمْ وَكَانَ جُنْدُهٗ رُكْبَانًا وَمُشَاةً فِی هٰذَا الْمَسِیْرِ **وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ** اَلْهِمْنِیْ **اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ** بِهَا **عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ**⑲ الْاَنْبِیَاءِ وَالْاَوْلِیَاءِ **وَتَفَقَّدَ الطَّیْرَ** لِیَرٰی الْهُدْهُدَ الَّذِیْ یَرَی الْمَاءَ تَحْتَ الْاَرْضِ وَیَدُلُّ عَلَیْهِ بِنَقْرِهٖ فِیْهَا فَتَسْتَخْرِجُهُ الشَّیَاطِیْنُ لِاِحْتِیَاجِ سُلَیْمَانَ اِلَیْهِ لِلصَّلٰوةِ فَلَمْ یَرَهٗ **فَقَالَ مَا لِیَ لَاۤ اَرَی الْهُدْهُدَ** ای اَعَرَضَ لِیْ مَا مَنَعَنِیْ مِنْ رُؤْیَتِهٖ **اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِیْنَ**⑳ فَلَمْ اَرَهٗ لِغَیْبَتِهٖ فَلَمَّا تَحَقَّقَهَا قَالَ **لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا** ای تَعْذِیْبًا **شَدِیْدًا** بِنَتْفِ رِیْشِهٖ وَذَنَبِهٖ وَرَمْیِهٖ فِی الشَّمْسِ فَلَا یَمْتَنِعُ مِنَ الْهَوَامِّ **اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗۤ** بِقَطْعِ حُلْقُوْمِهٖ **اَوْ لَیَاْتِیَنِّیْ** بِنُوْنٍ مُشَدَّدَةٍ مَكْسُوْرَةٍ اَوْ مَفْتُوْحَةٍ یَلِیْهَا نُوْنٌ مَكْسُوْرَةٌ **بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ**㉑ بُرْهَانٍ بَیِّنٍ ظَاهِرٍ عَلٰی عُذْرِهٖ۔

ترجمہ: اور ہم نے داؤد اور اس کے بیٹے سلیمان کو لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کا علم عطا کیا اور پرند وغیرہ کی بولی سکھائی اور ان دونوں حضرات نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہم کو نبوت کے ذریعہ اور جن وانس وشیاطین کی تسخیر کے ذریعہ اپنے مومن بندوں میں سے بہت سوں پر فضیلت عطا فرمائی اور سلیمان

علیہ الصلوٰۃ والسلام نبوت اور علم میں داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وارث ہوئے اور سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا اے لوگو! ہم کو پرندوں کی بولی یعنی ان کی آواز کی سمجھ سکھائی اور ہم کو ہر وہ شئ عطا فرمائی جو انبیاء اور ملوک کو عطا کی جاتی ہے (یعنی جس کی ان کو حاجت ہوتی ہے) بلاشبہ واقعی یہ عطا کردہ شئ اس کا بڑا فضل ہے (کھلا ہوا فضل ہے) اور سلیمان کے سامنے ایک سفر میں ان کا لشکر جمع کیا گیا جو کہ جن وانس اور پرند پر مشتمل تھا ان کو جمع کیا جاتا تھا پھر اسے چلایا جاتا تھا یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کے میدان میں پہنچے وہ میدان طائف میں یا شام میں تھا، وہ چیونٹیاں چھوٹی (نسل کی) تھیں یا بڑی، ایک چیونٹی نے جو کہ چیونٹیوں کی رانی تھی کہا اور اس نے سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لشکر کو دیکھ لیا تھا اے چیونٹیو! اپنے سوراخوں میں داخل ہو جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور ان کا لشکر تم کو بے خبری میں روند ڈالے یعنی ان کو تمہاری ہلاکت کی خبر بھی نہ ہو، چیونٹیوں کو خطاب میں، ان سے خطاب کرتے ہوئے بمنزلہ عقلاء کے اتارلیا گیا، سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کی بات سنکر مسکرا کر ہنس دیئے یعنی ابتداءً مسکرائے اور آخر کار ہنس دیئے اور سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چیونٹی کی بات تین میل سے سن لی تھی، ہوا نے اس بات کو حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچا دیا تھا، چنانچہ سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام جب وادی کے قریب پہنچے تو اپنے لشکر کو روک لیا، یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے سوراخوں میں داخل ہو گئیں، اور حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لشکر اس سفر میں سوار اور پیادہ پر مشتمل تھا (حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام) اللہ سے یہ دعا کرنے لگے کہ اے میرے پروردگار آپ مجھے الہام کیجئے (توفیق دیجئے) کہ تیری ان نعمتوں کا شکریہ ادا کروں جو تو نے میرے اور میرے والدین کو عطا فرمائی ہیں اور یہ کہ میں ایسے اعمال کرتا رہوں کہ جن سے تو خوش رہے اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں یعنی انبیاء واولیاء میں داخل فرما اور آپ نے پرندوں کی جانچ پڑتال کی تاکہ ہدہد کو دیکھیں جو پانی کو زیر زمین دیکھ لیتا ہے اور زمین پر اپنی چونچ مار کر اس کی نشاندہی کر دیتا ہے اور شیاطین پانی کو سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز (وغیرہ) کی ضرورت کے لئے نکال لیتے (تھے) چنانچہ (حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے ہدہد کو نہ پایا تو (حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام) فرمانے لگے کیا بات ہے کہ ہدہد مجھے نظر نہیں آرہا؟ یعنی کیا کوئی چیز میرے سامنے آڑے آگئی ہے؟ جو مجھے اس کے دیکھنے سے مانع ہو گئی ہے کیا واقعی وہ غیر حاضر ہے کہ میں اس کو اس کی غیر حاضری کی وجہ سے نہیں دیکھ رہا ہوں جب اس کی غیر حاضری متحقق ہو گئی تو حضرت سلیمان فرمانے لگے کہ میں اس کو سخت سزا دوں گا اس کے پروں کو نوچ کر اور اس کی دم کو اکھاڑ کر اور اس کو دھوپ میں ڈال کر، جس کی وجہ سے وہ کیڑے مکوڑوں سے محفوظ نہ رہ سکے گا یا اس کا گلا کاٹ کر ذبح کر دوں گا، یا میرے سامنے کوئی واضح دلیل (عذر) پیش کرے لَيَاتِيَنِّي میں نون مشدد مکسورہ کے ساتھ یا نون مفتوحہ جس کے ساتھ نون مکسورہ ملا ہو یعنی اپنے عذر کی کوئی واضح دلیل پیش کرے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: آتَيْنَا بمعنی اَعْطَيْنَا طَيْرٌ طائر کی جمع ہے پرندہ قَالَ يٰاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنے لئے جمع کا صیغہ استعمال کرنا یہ سیاسۃً شاہانہ طرز خطاب ہے نہ کہ تکبرًا (روح البیان میں ہے) اَلنُّوْنُ نُوْنُ

الواحد المطاع على عادةِ الملوكِ فَاِنَّهُمْ يتكلّمونَ مثل ذٰلك رعايةً لقاعدة السياسة اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ عُلِّمْنَا ای أنا و أبی مگر یہ تاویل حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پرندوں کی بولی سمجھنے کے اختصاص کے منافی ہے جیسا کہ مشہور ہے اگرچہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پرندوں کے علاوہ دیگر حیوانات کی بولی سمجھنے کا معجزہ عطا فرمایا گیا تھا مگر چونکہ پرندے ہمہ وقت آپ پر سایہ فگن رہتے تھے اس لئے پرندوں کا تذکرہ خاص طور پر کیا گیا ہے مَنْطِقَ کا عطف قضاء پر ہے با کے تحت میں ہونے کی وجہ سے مجرور ہے ای عِلمًا بالقضاءِ و بمنطقِ الطيرِ.

قَوْلُہٗ: وغيرَ ذٰلكَ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پرندوں کی بولی سمجھنے کے علاوہ اور دیگر حیوانات کی بولی سمجھنے کا علم بھی عطا کیا گیا تھا۔

قَوْلُہٗ: حَتّٰى اِذَا اَتَوْا یہ محذوف کی غایت ہے تقدیر عبارت یہ ہے فَسَارُوْا حَتّٰى اِذَا اَتَوْا اور بعض حضرات نے يُوْزَعُوْنَ کی غایت قرار دیا ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی فَهُمْ يَسِيْرُوْنَ ممنوعًا بعضهم من مفارقةِ بعض حتّٰى اِذَا اَتَوْا علٰى وادِي النملةِ.

قَوْلُہٗ: في عِبَادكَ الصالحين ای في جملةِ عبَادِكَ الصالحين حذف مضاف کے ساتھ اور صالحین سے کامل صالحین مراد ہیں جو کہ انبیاء ہی ہوتے ہیں لہٰذا یہ شبہ ختم ہوگیا کہ نبی کا صالحین میں شامل ہونے کی دعاء سے کیا مقصد ہے؟ جبکہ انبیاء رتبہ کے اعتبار سے اعلیٰ ہوتے ہیں۔

تفسیر و تشریح

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوٗدَ وسُلَيْمَانَ ابنَهٗ عِلْمًا حق سبحانہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ بیان کرنے کے بعد داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ بیان فرماتے ہیں، یہ قصے اور ان سے ماقبل و مابعد کے قصے دراصل وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى القرآنَ مِن لَّدُنْ حكيمٍ عليمٍ کے لئے بمنزلہ تائید و تقریر کے ہیں، اس لئے کہ ایک امی کے لئے جس کا اہل کتاب سے بھی کوئی ربط و تعلق نہیں ہے گذشتہ ہزاروں سال کے واقعات کو من و عن صحیح بیان کرتا ہے اس کی معلومات کا ذریعہ وحی الٰہی کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے؟ گویا کہ ان واقعات کو سنانے اور بیان کرنے کا صاف اور صریح مقصد وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى القرآنَ مِنْ لَّدُنْ حكيمٍ عليمٍ کی تائید و تقریر ہے عِلْمًا میں تنوین یا تو نوع کے لئے ہے یا پھر تعظیم کے لئے ہے یعنی علمًا کثیــــرًا علم کا راست مصداق تو وہی علوم ہیں جو نبوت و رسالت سے متعلق ہوتے ہیں، مگر اس کے عموم میں دیگر علوم و فنون بھی شامل ہوں تو بعید نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زرہ سازی کی صنعت سکھائی تھے حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام و سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام زمرۂ انبیاء میں ایک خاص امتیاز یہ رکھتے ہیں کہ ان کو رسالت اور نبوت کے ساتھ ساتھ سلطنت بھی عطا کی گئی تھی اور سلطنت بھی ایسی بے نظیر کہ صرف انسانوں پر نہیں بلکہ جنات اور جانوروں پر بھی ان کی حکمرانی تھی، ان عظیم الشان نعمتوں میں سے سب سے پہلے نعمت علم کا ذکر فرمانے سے اشارۃ النص کے طور پر اس طرف اشارہ ہوگیا کہ نعمت علم تمام دیگر نعمتوں سے

فائق اور بالاتر ہے وقَالَا الحمدُ للّٰہِ میں واؤ عطف کے لئے ہے اور معطوف علیہ محذوف ہے اس لئے کہ یہ مقام فا کا ہے تقدیر عبارت یہ ہے وَلَقَدْ آتَيْنَاهُمَا عِلمًا فعمِلَا وقَالَا الحمد للّٰہِ.

انبیاء کے ہاں میں وراثت نہیں ہوتی، وَوَرِثَ سلیمٰنُ داوٗدَ میں وراثت سے وراثت علم ونبوت مراد ہے نہ کہ مالی، آپ ﷺ نے فرمایا نحنُ معاشر الانبیاء لا نَرِثُ ولَا نُورَثُ یعنی انبیاء نہ وارث ہوتے ہیں اور نہ مورث، حضرت ابوالدرداء سے ترمذی اور ابوداؤد میں روایت ہے العلماءُ ورَثَةُ الانبیاءِ وان الانبیاءَ لَمْ یُوَرِّثوا دینارًا ولا دِرْهمًا ولکن وَرَّثُوا العلمَ فمَنْ اخذهٗ اَخذَ بحظٍ وافرٍ یعنی علماء انبیاء کے وارث ہیں لیکن انبیاء میں وراثت علم نبوت کی ہوتی ہے مال کی نہیں، حضرت ابوعبداللہ کی روایت اس مسئلہ کو اور زیادہ واضح کردیتی ہے، حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وارث ہوئے اور آنحضرت ﷺ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وارث ہوئے (روح عن الکلینی بحوالہ معارف) عقلی طور پر بھی یہاں وراثت مالی مراد نہیں ہوسکتی اس لئے کہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انیس صاحبزادے تھے اگر وراثت مالی مراد ہوتی تو سب لڑکے وارث ہوتے حضرت سلیمان کی تخصیص کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وراثت سے وراثت علم ونبوت مراد ہے، ان دلائل کے بعد طبری کی وہ روایت غلط ہوجاتی ہے جس میں انہوں نے بعض ائمہ اہل بیت کے حوالہ سے مالی وراثت مراد لی ہے۔ (روح، معارف)

حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات اور خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کے درمیان ایک ہزار سات سو سال کا فاصلہ ہے اور یہود یہ فاصلہ ایک ہزار چار سو سال بتاتے ہیں، سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر پچاس سال سے کچھ زیادہ ہوئی ہے اور حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک سو سال ہوئی ہے، حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آپ ﷺ کو وارث قرار دینا وراثت علمی ہی کی صورت میں ہوسکتا ہے اس لئے کہ وراثت مالی کی مستحق تو حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ اولاد ہے جو سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد بقید حیات رہی۔

بخاری اور دیگر ائمہ حدیث نے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا لا نورث ما ترکناہ صدقة ہم وارث نہیں بنائے جاتے جو چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے، آیت میں وراثت اصطلاحی مراد نہیں ہے، بلکہ مجازی معنی خلافت اور جانشینی مراد ہے جیسا کہ قرآن میں آیا ہے یَرِثُونَ الفردوسَ اور حدیث شریف میں آیا ہے العلماء ورثة الانبیاء نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے بازار میں آواز لگائی ''چلو مسجد میں میراث رسول اللہ تقسیم ہورہی ہے'' لوگ دوڑے ہوئے مسجد میں گئے مسجد میں کچھ نہ پایا، البتہ ایک جماعت تعلیم وتعلم میں مصروف تھی، لوگوں نے کہا مال کہاں ہے؟ فرمایا یہی ہے میراث رسول، اور اگر میراث مجازاً مراد نہ ہو بلکہ وراثت مالی ہی مراد ہو جیسا کہ بعض روافض کا قول ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انیس بیٹوں میں سے دوسرے کیوں محروم کردیئے گئے؟ اس کا یہ جواب کہ عدم ذکر کے لئے نفی لازم نہیں، یہ خلاف سیاق ہے اس لئے کہ اگر حضرت سلیمان کی تخصیص مقصود نہ ہو تو معمولی ذکر سے کیا فائدہ؟ ہر بیٹا باپ کا وارث ہوتا ہی ہے، اور اگر نبوت اور علم مراد ہے جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے تو اس میں میراث، خلافت وجانشینی کے اعتبار سے ہوگی اس لئے

کہ یہ اوصاف نہ مملوک ہوتے ہیں اور نہ بعینہٖ منتقل ہوتے ہیں اور جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ انبیاء کی میراث خلافت وجانشینی کی ہوتی ہے تو اس سے روافض کے اس قول کا رد بھی ہوگیا جو کہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا کو وارث باغ فدک سمجھے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بطور نفقہ حضور کے متعلقین کے لئے تھا نہ کہ مملوک، اس لئے کہ متروکاتِ انبیاء میراث نہیں ہوتے وقالَ یا أیُّھا الناس عُلمنا منطق الطَّیرِ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بات لوگوں سے تحدیث نعمت کے طور پر کہی، علم مَنْطِق الطَّیْرِ سے مراد پرندوں کی بولی سمجھنا ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ دیگر حیوانوں کی بولی کی سمجھ بھی عطا فرمائی گئی اور پرندوں کی بولی کی فہم کی تخصیص نہیں تھی، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ پرندوں کی بولی کی ہی فہم عطا فرمائی گئی تھی دیگر حیوانوں کی بولی کی فہم عطا نہیں کی گئی تھی، بعض اوقات خاص طور پر جبکہ چیونٹی کی عمر دراز ہوجائے تو پر نکل آتے ہیں یہ چیونٹی بھی پردار تھی لہٰذا کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا۔

اُوتِینا وعُلِّمْنَا حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مراد خود اپنی ذات ہی ہے اور ان دونوں صیغوں میں نونِ عظمت ہے جس کو ملوک وسلاطین سیاسۃً استعمال کیا کرتے ہیں۔

فِی مسیرۃٍ سے علامہ محلی کا اشارہ اس طرف ہے کہ کسی خاص سفر میں کہیں جانے کے لئے انسانوں، جنوں، چرندوں وپرندوں کا یہ لاؤ لشکر جمع کیا گیا تھا۔

یُوْزَعُوْنَ اگر وَزَعَ یَزَعُ وزعًا سے مشتق ہو تو اس کے معنی روکنے کے ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لشکر اتنی بڑی تعداد میں تھا کہ راستہ میں روک روک کر ان کو درست کیا جاتا تھا تاکہ شاہی لشکر بدنظمی اور انتشار کا شکار نہ ہو اسی مادہ سے ہمزۂ سلب کا اضافہ کرکے اَوْزِعْنِیْ بنایا گیا ہے جو اگلی آیت (١٩) میں آرہا ہے، اور بعض حضرات نے یُوْزَعُوْنَ کو تَوْزِیْعٌ سے مشتق مانا ہے جس کے معنی تفریق کے ہیں، مطلب یہ ہوگا کہ سب کو الگ الگ جماعتوں میں تقسیم کردیا جاتا تھا، مثلاً انسانوں کا گروہ، جنوں کا گروہ، پرندوں اور حیوانات کا گروہ وغیرہ وغیرہ، ایسا فوجی نظام کے ماتحت کیا جاتا تھا اور ہر گروہ کا الگ ذمہ دار مقرر کردیا جاتا تھا، نملۃٌ مذکر اور مؤنث دونوں کے لئے مستعمل ہے اس کی جمع نَملٌ آتی ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ جس چیونٹی کی آواز حضرت سلیمان نے سنی وہ مؤنث تھی اور دلیل قالت نملۃٌ میں فعل کی تانیث کو پیش کیا ہے، ابوحیان نے اس کا انکار کیا ہے۔ (فتح القدیر)

حَتّٰی اِذَا اَتَوْا عَلٰی وادِ النَّملِ (الآیۃ) اس سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں ① یہ کہ حیوانات میں بھی ایک خاص قسم کا شعور ہوتا ہے گو انسان سے بہت کم ہو ② یہ کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام اتنی عظمت اور فضیلت کے باوجود عالم الغیب نہیں تھے اسی لئے چیونٹیوں کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں بے خبری میں ہم روند نہ دیئے جائیں ھُدھُد کے واقعہ میں اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِہٖ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام عالم الغیب نہیں تھے ③ یہ کہ حیوانات بھی اس عقیدۂ صحیحہ سے بہرہ ور ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں ④ یہ کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام پرندوں کے علاوہ دیگر حیوانات کی بولی بھی سمجھتے تھے، یہ علوم حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بطور اعجاز عطا ہوئے تھے۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ، تَفَقَّدَ کے معنی جانچ پڑتال کرنا، حاضر وغیر حاضر کی تحقیق کرنا ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاکم کو رعایا کی خبر گیری کرنی چاہئے اور ان کی حالت سے واقفیت کے طریقوں کو استعمال کرنا چاہئے یہ اس کے فرائض میں داخل ہے آپ ﷺ کی بھی عادت شریفہ تھی کہ صحابہ کرام کی حالت سے باخبر رہنے کا اہتمام فرماتے تھے جو شخص غیر حاضر ہوتا اور مسجد میں نظر نہ آتا اس کے بارے میں دریافت فرماتے اگر بیمار ہوتا تو عیادت کے لئے تشریف لیجاتے اور اگر کسی پریشانی میں مبتلا ہوتا تو اس کے ازالہ کی تدبیر فرماتے۔

فَمَكَثَ بِضَمِّ الكَافِ وفَتحِهَا غَيْرَ بَعِيْدٍ اي يَسِيرًا مِنَ الزَّمَانِ وحَضَرَ لِسُلَيمَانَ مُتَوَاضِعًا بِرَفْعِ رَأسِهٖ وإرْخَاءِ ذَنْبِهٖ وجَنَاحَيْهِ فَعَفَا عَنْهُ وسَألَهُ عَمَّا لَقِيَ في غَيْبَتِهٖ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ اي اطَّلَعْتُ عَلىٰ مَا لم تَطَّلِعْ عليه وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بالصَّرْفِ وتَرْكِهٖ قَبِيلَةٌ بِاليَمَنِ سُمِّيَتْ بِاسْمِ جَدٍّ لَهم بِاِعْتِبَارِهٖ صُرِفَ بِنَبَاٍ بِخَبَرٍ يَّقِيْنٍ ﴿۲۲﴾ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ اي هي مَلِكَةٌ لَهُم اِسْمُهَا بِلْقِيسُ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ تَحْتَاجُ اليه المُلُوْكُ مِنَ الاٰلَةِ والعُدَّةِ وَّلَهَا عَرْشٌ سَرِيْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ طُوْلُهُ ثَمَانُوْنَ ذِرَاعًا وعَرْضُهُ اَرْبَعُوْنَ ذِرَاعًا وارْتِفَاعُهُ ثَلٰثُوْنَ ذِرَاعًا مَضْرُوْبٌ مِنَ الذَّهَبِ وَالفِضَّةِ مُكَلَّلٌ بِالدُّرِّ واليَاقُوْتِ الاَحْمَرِ والزَّبَرْجَدِ الاَخْضَرِ والزُّمُرُّدِ وقَوَائِمُهُ مِنَ اليَاقُوْتِ الاَحْمَرِ والزَّبَرْجَدِ الاَخْضَرِ والزُّمُرُّدِ عليه سَبْعَةُ بُيُوْتٍ على كُلِّ بَيْتٍ بَابٌ مُغْلَقٌ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ طَرِيقِ الحَقِّ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ اي اَنْ يَّسْجُدُوا له فَزِيْدَتْ لَا وَاُدْغِمَ فيها نُوْنُ اَنْ كما في قوله تعالىٰ لِئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الكِتٰبِ والجُمْلَةُ في مَوْضِعِ مَفْعُوْلِ يَهْتَدُوْنَ بِاِسْقَاطِ الى الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ مَصْدَرٌ بمعنى المَخْبُوْءِ مِنَ المَطَرِ والنَّبَاتِ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ في قُلُوْبِهم وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾ بِاَلْسِنَتِهِم اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۲٦﴾ اِسْتِيْنَافٌ جُمْلَةُ ثَنَاءٍ مُشْتَمِلٌ عَلىٰ عَرْشِ الرَّحْمٰنِ في مُقَابَلَةِ عَرْشِ بِلْقِيسَ وبَيْنَهُمَا بَوْنٌ عَظِيْمٌ قَالَ سُلَيْمَانُ لِلْهُدْهُدِ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ فيما اَخْبَرْتَنَا به اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ اي مِنْ هٰذَا النَّوْعِ فهو اَبْلَغُ مِنْ اَمْ كَذَبْتَ فيه ثم دَلَّهُمْ على المَاءِ فَاسْتُخْرِجَ وارْتَوَوا وَتَوَضَّأُوْا وصَلَّوْا ثم كَتَبَ سُلَيْمَانُ كِتَابًا صُوْرَتُهُ مِنْ عَبْدِاللّٰهِ سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوٗدَ الى بِلْقِيسَ مَلِكَةِ سَبَاٍ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ السَّلَامُ على مَنِ اتَّبَعَ الهُدىٰ اما بعدُ فَلَا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ثم طَبَعَهُ بِالمِسْكِ وخَتَمَهُ بِخَاتَمِهٖ ثم قَالَ لِلْهُدْهُدِ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ اي بِلْقِيسَ وَقَوْمِهَا ثُمَّ تَوَلَّ اِنْصَرِفْ عَنْهُمْ وَقِفْ قَرِيبًا مِنْهُم فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ يَرُدُّوْنَ مِنَ الجَوَابِ فَاَخَذَهُ وَاَتَاهَا وحَوْلَهَا جُنْدُهَا فَاَلْقَاهُ فِي حِجْرِهَا فَلَمَّا رَأَتْهُ ارْتَعَدَتْ وَخَضَعَتْ خَوْفًا ثم قَالَتْ لِاَشْرَافِ قَوْمِهَا يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا بِتَحْقِيقِ الهَمْزَتَيْنِ وتَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ بِقَلْبِهَا

السجدة

واوًا مكسورة إِنِّيْ أُلْقِيَ إِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾ مختوم إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَإِنَّهُ اى مضمونه بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳۰﴾ أَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَأْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ ع ۱۷

ترجمہ: فَمَكُثَ کاف کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ، چنانچہ تھوڑی دیر گذری تھی کہ (اس نے آکر) کہا یعنی تھوڑا ہی وقت گذرا تھا کہ بازو اور دم لٹکائے ہوئے اور سر اٹھائے ہوئے عاجزانہ طریقہ پر حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا، چنانچہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو معاف کر دیا اور زمانہ غیبوبت میں پیش آنے والے واقعہ کے بارے میں معلوم کیا تو اس نے کہا میں ایسی خبر لایا ہوں کہ آپ کو اس کی خبر نہیں یعنی میں ایسی خبر پر مطلع ہوا ہوں کہ آپ کو اس کی اطلاع نہیں اور میں (قوم) سبا کی سچی خبر آپ کے پاس لایا ہوں سَبَأٍ منصرف اور غیر منصرف دونوں ہے، سبا یمن میں ایک قبیلہ کا نام ہے جو کہ ان کے جد ابعد کے نام پر رکھا گیا ہے اور اسی وجہ سے یہ منصرف ہے (اور اگر قبیلہ کا نام ہو تو علمیۃ اور تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہوگا) میں نے دیکھا کہ ان پر ایک عورت حکومت کر رہی ہے یعنی وہ ان کی ملکہ ہے اس کا نام بلقیس ہے اور اس کے پاس ہر قسم کا ساز و سامان ہے جس کی بادشاہوں کو ضرورت ہوتی ہے، یعنی ہتھیار اور دیگر سامان اور اس کا ایک عظیم الشان تخت بھی ہے جس کی لمبائی اسی ہاتھ اور چوڑائی چالیس ہاتھ اور اونچائی تیس ہاتھ ہے، سونے چاندی سے جڑا ہوا ہے، موتیوں اور یاقوت سرخ اور زَبَرْجَدْ اور زَمُرُّدْ سے آراستہ ہے اور اس کے پائے یاقوت احمر اور زبرجد اخضر اور زمرد کے ہیں، اور اس پر سات کمرے ہیں اور ہر کمرے پر بند دروازہ ہے میں نے اس کو اور اس کی قوم کو اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہوئے پایا اور شیطان نے ان کے اعمال ان کی نظر میں آراستہ کر کے پیش کر دیئے ہیں جس کی وجہ سے ان کو (شیطان) نے راہ حق سے روک دیا ہے پس وہ ہدایت پر نہیں آتے یہ کہ اللہ کو سجدہ کریں لَا زائدہ ہے اس میں اَنْ کو مدغم کر دیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول لِئَلَّا یَعْلَمَ اَهْلُ الكتاب حرف اِلٰی کو حذف کر کے یهتدونَ کے مفعول کی جگہ میں ہے وہ (اللہ) کہ جو زمین اور آسمانوں کی مخفی چیزوں یعنی بارش اور نباتات کو باہر نکالتا ہے اَلْخبأ مصدر مَخْبُوْءٌ کے معنی میں ہے اور جن چیزوں کو تم اپنے دلوں میں چھپاتے ہو اور جن چیزوں کو اپنی زبان سے ظاہر کرتے ہو وہ جانتا ہے وہی معبود برحق ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ عرش عظیم کا مالک ہے یہ جملہ مستانفہ ثنائیہ ہے، بلقیس کے تخت کے مقابلہ میں رحمٰن کے تخت پر مشتمل ہے حالانکہ ان کے درمیان بونِ بعید ہے (بڑا فرق ہے) سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اب ہم دیکھیں گے کہ آیا تم نے اس بات میں جس کی تم نے ہم کو خبر دی سچ بولا یا تم جھوٹوں میں سے ہو یعنی جھوٹوں کی قسم سے ہو یہ جملہ اَمْ كَذَبْتَ فِيْهِ سے زیادہ بلیغ ہے، پھر (ہُدہُد) نے ان کے لئے پانی کی نشاندہی کی، چنانچہ سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پانی نکلوایا، سب لوگ سیراب ہوئے وضو کیا نماز پڑھی، پھر سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک خط لکھا جس کا متن (حسب ذیل) ہے، اللہ کے بندے سلیمان بن داؤد کی طرف سے سبا کی ملکہ بلقیس کے نام، بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم السلام على مَنْ اتَّبَعَ الهدى اما بعد! میرے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو اور تابع فرمان ہو کر میرے پاس چلی آؤ پھر اس خط کو مشک سے سر بند کر دیا اور اس پر اپنی مہر بھی لگا دی، پھر ہُدہُد سے فرمایا میرا یہ خط لیجا اور ان یعنی بلقیس اور اس کی قوم کو

پہنچادے پھران کے پاس سے ہٹ جانا اوران کے قریب ہی کھڑے ہوجانا، اور دیکھنا کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں؟ چنانچہ ہُد ہُد نے وہ خط لیا اور بلقیس کے پاس آیا، حال یہ ہے کہ بلقیس کے گرداگرد لشکر تھا چنانچہ ہُد ہُد نے وہ خط بلقیس کی گود میں ڈال دیا جب بلقیس نے وہ خط دیکھا تو لرزہ براندام ہوگئی اور عاجزی کرنے لگی، اپنی قوم کے شرفاء سے کہنے لگی اے سردارو میری طرف ایک باوقعت یعنی سربمہر خط ڈالا گیا ہے دونوں ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ اور ثانی کی تسہیل یعنی واؤ مکسورہ سے بدل کر جو سلیمان کی طرف سے ہے جس کا مضمون یہ ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ کہ میرے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو اور فرمانبردار ہو کر میرے پاس چلی آؤ۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اَبْلَغُ مِنْ اَنْ كَذَبْتَ فيه یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اَمْ كَذَبْتَ مختصر بھی ہے اور مشہور اور کثیر الاستعمال بھی پھر اخصر کو چھوڑ کر اَمْ كنتَ من الكاذبينَ کو جو کہ طویل بھی اور غیر معروف بھی کیوں اختیار فرمایا؟

جَوَابٌ: اَمْ كَذَبْتَ صدور كذب احْيانًا پر دلالت کرتا ہے اور ام كنت من الكاذبين دوام کذب اور عادت کذب پر دلالت کرتا ہے اس لئے اخصر کو چھوڑ کر اطول کو اختیار کیا۔

قَوْلُہٗ: فانظر (الآية) انظر بمعنی انتظر ہے اور ما بمعنی الذی ہے، صلہ چونکہ جملہ ہے اس لئے عائد محذوف ہے تقدیر عبارت انتظر الذی یرجعونه ہے وتسهيل الثانية بقلبها واوًا مكسورًا یہاں تسہیل سے معروف تسہیل مراد نہیں ہے بلکہ ہمزہ ثانیہ کو واؤ سے بدلنا مراد ہے یعنی یـاَیُّهَا الْمَلَأُ ونِیْ اُلْقِیَ اِلَیَّ کتابٌ کریمٌ سے مہر لگا ہوا خط مراد ہے، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا کرمُ الکتابِ ختمهٗ خط کا باوقار ہونا اس کا مختوم ہونا ہے۔

قَوْلُہٗ: انهٗ مِنْ سليمان جملہ مستانفہ ہے یعنی سوال مقدر کا جواب ہے جب بلقیس نے کہا اِنِّی اُلْقِیَ اِلَیَّ کتابٌ کریمٌ سوال ہوا مَاهُوَ؟ جواب دیا اِنَّهٗ مِن سليمان الخ.

قَوْلُہٗ: اَلَّا تعلوا عَلَیَّ یا تو کتابٌ سے بدل ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے یا مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اَیْ مضمونه اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ واْتونِیْ مسلمینَ.

تفسیر و تشریح

حاکم کو اپنی رعیت اور مشائخ کو اپنے مریدوں اور استاد کو اپنے شاگردوں کی خبر گیری ضروری ہے

آیت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ حضرت سلیمان عَلٰیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اپنی رعایا کے ہر طبقہ پر نظر رکھتے تھے اور ان کے حالات سے اتنے باخبر رہتے کہ ہدہد جو طیور میں کمزور اور چھوٹا بھی ہے وہ حضرت سلیمان کی نظر سے اوجھل نہیں ہوا، اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے

کہ حاکم کو خاص طور پر کمزور رعایا کی خبر گیری کا زیادہ اہتمام کرنا چاہئے، صحابہ کرام میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اس سنت انبیاء کو پوری طرح جاری کیا، راتوں کو مدینہ منورہ کی گلیوں میں گشت لگاتے تھے تا کہ سب لوگوں کے حالات سے باخبر رہیں، اگر کسی کو کسی مصیبت و پریشانی میں گرفتار پاتے تو اس کی مدد فرماتے جس کے بہت سے واقعات ان کی سیرت میں مذکور ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے ''اگر دریائے فرات کے کنارے پر بھیڑیئے نے کسی بکری کے بچہ کو پھاڑ ڈالا تو اس کا بھی عمر سے سوال ہوگا''۔ (قرطبی، معارف)

یہ تھے وہ اصول جہانبانی اور حکمرانی جو انبیاء علیہم السلام نے لوگوں کو سکھائے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان کو عملاً جاری کر کے دکھلایا، جس کے نتیجے میں پوری مسلم و غیر مسلم رعایا امن و اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھی، اور ان کے بعد زمین و آسمان نے ایسے عدل و انصاف اور عام دنیا کے امن و سکون اور اطمینان کا منظر نہیں دیکھا۔

''سبا'' ایک شخص کے نام پر ایک قوم کا نام بھی تھا اور ایک شہر کا نام بھی تھا یہاں شہر مراد ہے، یہ صنعاء (یمن) سے تین دن کے فاصلہ پر ہے اور مآرب یمن کے نام سے مشہور ہے۔

اِنِّی وَجَدْتُّ اِمْرَأَةً تملکھم یعنی ہدہد کے لئے یہ امر باعث تعجب تھا کہ سبا میں ایک عورت حکمران ہے، اس کے برخلاف آج کہا جاتا ہے کہ عورتیں بھی ہر معاملہ میں مردوں کے برابر ہیں، اگر مرد حکمران ہوسکتا ہے تو عورت کیوں نہیں ہوسکتی؟ حالانکہ یہ نظریہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے بعض لوگ ملکہ سبا (بلقیس) کے اس ذکر سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عورت کی سربراہی جائز ہے، حالانکہ قرآن کریم نے ایک واقعہ کے طور پر اس کا ذکر کیا ہے، اس سے اس کے جواز یا عدم جواز کا کوئی تعلق نہیں ہے، عورت کی سربراہی کے عدم جواز پر قرآن و حدیث میں واضح دلائل موجود ہیں۔

اَلَّا یَسْجُدُوْا لِلّٰہِ لَا زائدہ اور لایھتدون اس میں عامل ہے یعنی ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ سجدہ صرف اللہ کو کریں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اَلَّا یَسْجُدُوْا کا تعلق زَیَّنَ کے ساتھ ہو یعنی شیطان نے یہ بھی ان کے لئے مزین کر دیا کہ وہ اللہ کو سجدہ نہ کریں۔

ہدہد نے چونکہ توحید کا وعظ اور شرک کا رد کیا ہے اور اللہ کی عظمت شان کو بیان کیا ہے اس لئے حدیث شریف میں آیا ہے چار جانوروں کو قتل نہ کرو چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد، صرد (یعنی لٹورا) اس کا سر بڑا اور پیٹ سفید اور پیٹھ سبز ہوتی ہے یہ چھوٹے چھوٹے پرندوں کا شکار کرتا ہے۔ (مسند احمد ۱/۳۳۲، ابوداؤد کتاب الادب)

اِذْھَبْ بکتابِیْ ھٰذَا حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ملکہ سبا کے نام خط بھیجنے کو اس پر اتمام حجت کے لئے کافی سمجھا اور اسی پر عمل فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ عام معاملات میں تحریر و خط قابل اعتبار ثبوت ہے، فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ صرف ان مواقع پر خط کو کافی نہیں سمجھتے جہاں شہادت شرعیہ کی ضرورت ہے، کیونکہ خط اور ٹیلیفون وغیرہ کے ذریعہ شہادت نہیں لی جاسکتی، شہادت کا مدار شاہد کا عدالت کے سامنے آکر بیان دینے پر رکھا گیا ہے، جس میں بڑی حکمتیں مضمر ہیں یہی وجہ ہے کہ آج کل بھی دنیا کی کسی عدالت میں خط اور ٹیلیفون پر شہادت کو کافی نہیں سمجھا جاتا۔

قَالَتْ يَآيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ بتحقيق الهمزتين وتسهيل الثانية بقلبها واوًا اى اشيروا عليّ فِيْٓ اَمْرِيْ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا قاضية حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ تحضرون قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ اصحاب شدة في الحرب وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ نطعك قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا بالتخريب وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ اى مرسلوا الكتاب وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ من قبول الهديّة أو ردِّها إن كان ملكًا قبلها أو نبيًّا لم يقبلها فارسلت خدمًا ذكورًا وإناثًا ألفًا بالسويّة وخمسمائة لبنة من الذهب وتاجًا مكللاً بالجواهر ومسكًا وعنبرًا وغير ذلك مع رسولٍ بكتابٍ فأسرع الهدهد الى سليمان يخبره الخبر فأمر أن تضرب لبنات الذهب والفضة وأن تُبسط من موضعه الى تسعة فراسخ ميدانا وأن يبنوا حوله حائطا مشرّفا من الذهب والفضة وان يؤتى بأحسن دوابّ البر والبحر مع اولادِ الجن عن يمين الميدان وشماله فَلَمَّا جَآءَ الرسول بالهدية ومع اتباعه سُلَيْمٰنَ قَالَ سليمان اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ من النبوة والملك خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ من الدُّنيا بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ لفخركم بزخارف الدنيا اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ بما اتيتَ به من الهدية فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لا طاقة لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ من بلدهم سبا سُميت باسم ابى قبيلتهم اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ اى إن لم يأتوني مسلمين فلمّا رجع اليها الرّسول بالهدية جعلت سريرها داخل سبعة ابواب داخل قصرها وقصرُها داخل سبعة قصور وأغلقت الابواب وجعلت عليها حرسا وتجهزت للمسير الى سليمان لتنظر ما يامرُها به فارتحلت في اِثني عشر الف قيلٍ مع كل قيلٍ الوف كثيرة الى ان قربت منه على فرسخ شعر بها قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ في الهمزتين ماتقدم يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ اى منقادين طائعين فلِيَ اخذه قبل ذلك لا بعده قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ هو القوى الشديد اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ الذى تجلس فيه للقضاء وهو من الغداة الى نصف النهار وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اى على حمله اَمِيْنٌ اى على ما فيه من الجواهر وغيرها.

ترجمہ: اے درباریو! تم میرے اس معاملہ میں مجھے مشورہ دو میں کسی معاملہ میں اس وقت تک قطعی فیصلہ نہیں کرتی جب تک تم میرے پاس موجود نہ ہو اَلْمَلَؤُا افتونی میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور ثانی کی تسہیل یعنی واؤ سے بدل کر ای وَفْتُونی ان سب نے جواب دیا کہ ہم بڑے طاقتور اور بڑے لڑنے والے ہیں یعنی جنگ میں بڑی شدت والے ہیں آگے آپ کو اختیار ہے آپ خود ہی غور فرمالیں کہ ہم کو کیا حکم دینا چاہتی ہیں؟ ہم آپ کی اطاعت کریں گے، بلقیس نے کہا بادشاہ جب

کسی بستی میں (فاتحانہ) طور پر داخل ہوتے ہیں تو اسے تخریب کے ذریعہ اجاڑ دیتے ہیں اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں اور یہ خط بھیجنے والے بھی ایسا ہی کریں گے (میں سردست) ان لوگوں کے پاس کچھ ہدیہ بھیجتی ہوں پھر دیکھوں گی کہ قاصد کیا جواب لیکر لوٹتے ہیں؟ آیا وہ ہدیہ قبول کرتے ہیں یا واپس کر دیتے ہیں اگر بادشاہ ہوں گے تو ہدیہ قبول کر لیں گے اور اگر نبی ہوں گے تو قبول نہ کریں گے، چنانچہ بلقیس نے ایک ہزار خدام بھیجے جن میں پانچ سو لڑکے اور پانچ سو لڑکیاں تھیں، اور پانچسو سونے کی اینٹیں اور ایک جواہرات سے جڑا ہوا تاج اور مشک وعنبر وغیرہ، قاصد کے ہمراہ مع ایک خط کے بھیجے، چنانچہ ہدہد نے جلدی واپس آ کر حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صورت حال کی خبر دی، لہٰذا حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سونے اور چاندی کی اینٹیں بنانے کا حکم دیا اور یہ کہ سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محل سے لیکر نو فرسخ تک میدان میں بچھا دی جائیں اور اس کے میدان کے اردگرد سونے چاندی کی اونچی دیوار بنادی جائے (دوسرا ترجمہ) میدان کے اردگرد ایک دیوار بنادی جائے جس کے کنگورے سونے اور چاندی کے ہوں اور یہ کہ خشکی وتری کے بہترین جانور (خدمت کے لئے) مع جنوں کے بچوں کے میدان کی دائیں وبائیں جانب (کھڑے کر دیئے جائیں) چنانچہ جب قاصد ہدیہ لیکر وفد کے دیگر ارکان کے ساتھ سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کیا تم مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو؟ اللہ نے نبوت اور ملک جو مجھے عطا فرمایا ہے وہ تمہاری اس دنیا سے بہت بہتر ہے جو تم کو عطا کی ہے، ہاں تم ہی ہدیہ کے لین دین پر فخر کرتے ہو گے، اس لئے کہ دنیا کی زیب وزینت پر تم ہی فخر کرتے ہو (ایک ترجمہ یہ بھی کیا گیا ہے) تم ہی اپنے ہدیہ پر خوش رہو (یعنی تمہارا ہدیہ تم ہی کو مبارک مجھے ضرورت نہیں) حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (امیر وفد سے) کہا اپنا ہدیہ لیکر ان ہی (ہدیہ بھیجنے والوں) کے پاس واپس تشریف لیجاؤ، ہم ان کے مقابلہ کے لئے ایسا لشکر لیکر آئیں گے کہ ان میں اس لشکر کے مقابلہ کی طاقت نہ ہوگی اور ہم ان کو یقیناً اس کے شہر یعنی سبا سے ذلیل وخوار کر کے نکالدیں گے اگر وہ تابعدار ہو کر میرے پاس نہ آئے، ابو قبیلہ کے نام پر شہر کا نام سبا رکھا گیا چنانچہ جب قاصد ہدیہ لیکر بلقیس کے پاس واپس گیا تو بلقیس نے اپنے تخت کو اپنے محل کے اندر جو کہ سات محلوں کے اندر تھا سات کمروں کے اندر بند کر دیا اور دروازوں کو مقفل کر دیا نیز دروازوں پر پہرے دار بٹھا دیئے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس یہ دیکھنے کے لئے جانے کی تیاری شروع کر دی کہ وہ اس سے کیا کہتے ہیں، چنانچہ بلقیس بارہ ہزار سرداروں کے ساتھ روانہ ہوئی اور ہر سردار کے ساتھ ہزار ہا افراد تھے، یہاں تک کہ بلقیس حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اتنے قریب پہنچ گئی کہ صرف ایک فرسخ کا فاصلہ باقی رہ گیا، تو حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کی (آمد) کا علم ہوا۔

قَالَ يٰاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے میرے سردارو! تم میں کون ہے ہمزتین میں حسب سابق قراءتیں ہیں جو ان کے مسلمان ہو کر میرے پاس پہنچنے سے پہلے اس کا تخت مجھے لادے یعنی مطیع اور فرمانبردار ہو کر آنے سے پہلے، اس کے مسلمان ہونے سے پہلے میرے لئے اس تخت کا لینا جائز ہے بعد میں نہیں ایک قوی ہیکل جن کہنے لگا (حال یہ کہ) وہ بڑا قوی اور شدید تھا میں آپ کے اپنی مجلس سے اٹھنے سے پہلے ہی اس کو آپ کے پاس لا دیتا ہوں وہ مجلس کہ جس میں

آپ مقدمات کے فیصلے کرنے کے لئے بیٹھتے ہیں اور وہ صبح سے دوپہر تک تھی، یقین مانئے کہ میں اس پر یعنی اس کے اٹھانے پر قادر ہوں امین بھی ہوں یعنی جو کچھ ہیرے جواہرات وغیرہ اس میں لگے ہوئے ہیں میں ان پر امین ہوں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: ماذا تأمرین، ماذا، تامرین کا مفعول ثانی ہے مفعول اول محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے تأمریننا.

قَوْلُہٗ: نُطِعْكَ یہ فانظری امر کا جواب محذوف ہے اور جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔

قَوْلُہٗ: بِمَ یرجِعُون، بِمَ، یرْجع کے متعلق ہے۔

قَوْلُہٗ: مِن قبولِ الهدیةِ، بِمَ میں ما کا بیان ہے فَنَاظِرَةٌ کا عطف مرسِلَةٌ پر ہے بِمَ کا تعلق بعض حضرات نے ناظِرَةٌ سے کیا ہے مگر یہ درست نہیں ہے اس لئے کہ ما استفہامیہ صدارت کو چاہتا ہے جو اس صورت میں فوت ہو جائے گی۔

قَوْلُہٗ: اَذِلَّةً وهُمْ صَاغِرُوْنَ اَذِلَّةً هُمْ سے حال اول ہے اور وهُمْ صَاغِرُوْنَ حال ثانی مؤکدہ ہے۔

قَوْلُہٗ: ای اِنْ لَمْ یأتونِیْ مسلِمِیْنَ کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ وَلَنُخرِجَنَّهُمْ شرط محذوف مؤخر کی جزاء ہے اور اہل سبا کو سبا سے نکالنا بلقیس کے تابع فرمان ہو کر نہ آنے کی شرط کے ساتھ مشروط ہے۔

تفسیر وتشریح

اہم امور میں مشورہ کرنا سنت ہے:

قَالَتْ یاَیُّهَا المَلَاُ (الآیة) اَفْتُوْنِیْ، فتویٰ سے مشتق ہے جس کے معنی کسی خاص مسئلہ کا جواب دینا، یہاں مشورہ دینا مراد ہے، روح المعانی کی ایک روایت کے مطابق بلقیس کے تین سو بارہ مشیران خاص تھے اور ہر مشیر کے ماتحت ایک ایک ہزار افراد تھے اس سے بھی کہیں زیادہ تعداد کی روایتیں مذکور ہیں، یہ تمام روایتیں مبالغہ سے خالی نہیں ہیں، علامہ آلوسی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے ان روایات کو صدق کے بجائے کذب کے زیادہ قریب قرار دیا ہے۔

ملکہ بلقیس کے پاس جب حضرت سلیمان عَلٰیہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ کا خط پہنچا تو اس نے اپنے ارکان سلطنت کو جمع کر کے اس واقعہ کا اظہار کیا اور ان سے اس معاملہ میں مشورہ طلب کیا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے ان کی دل جوئی کے لئے ان سے رائے طلب کرنے سے پہلے یہ بھی کہا کہ میں کسی بھی اہم معاملہ کا قطعی فیصلہ تمہاری موجودگی اور رائے ومشورہ کے بغیر نہیں کرتی، اسی کا نتیجہ تھا کہ تمام مشیروں نے یک زبان ہو کر کہا نَحْنُ اُولوا قُوَّةٍ واُولوا باسٍ شَدِیْدٍ والاَمرُ اِلَیْكِ ہم بڑے طاقتور اور بڑے جنگ جو ہیں ہم ہمہ وقت ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار ہیں ڈرنے یا دبنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے باقی آخری فیصلہ آپ ہی کو کرنا ہے ہم تو خدام اور تابع ہیں جیسا حکم ہوگا بجالانے کے لئے تیار ہیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہم معاملات میں مشورہ کرنے کا دستور بہت پرانا ہے، اسلام نے بھی مشورہ کو خاص اہمیت دی ہے اور ذمہ داران حکومت کو مشورہ کا پابند کیا ہے، یہاں تک کہ خود آنحضرت ﷺ جو کہ مہبط وحی تھے جس کی وجہ سے آپ کو کسی رائے اور مشورہ کی درحقیقت کوئی ضرورت نہیں تھی مگر مشورہ کی سنت قائم کرنے کے لئے آپ کو بھی حکم دیا گیا وشاورھم فی الامر یعنی آپ اہم امور میں صحابہ سے مشورہ کرلیا کریں، اس میں صحابہ کرام کی دلجوئی بھی ہے اور ہمت افزائی بھی۔

مکتوب سلیمانی کے جواب میں ملکہ بلقیس کا ردعمل:

مشورہ کے بعد بلقیس نے خود ہی ایک رائے قائم کی جس کا حاصل یہ تھا کہ وہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا امتحان لے کہ وہ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو ان کے حکم کا اتباع کیا جائے، یا وہ ایک ملک گیری کے خواہشمند بادشاہ ہیں اور ہم کو اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں تو پھر غور کیا جائے کہ ان کا مقابلہ کس طرح کیا جائے، اس امتحان کا طریقہ اس نے یہ تجویز کیا کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس کچھ ہدیے تحفے بھیجے اگر وہ ہدیے تحفے لیکر راضی ہو گئے تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ وہ ایک بادشاہ ہی ہیں، اور اگر وہ واقع میں نبی اور رسول ہیں تو وہ ایمان اور اسلام کے بغیر کسی چیز پر راضی نہ ہوں گے یہ مضمون ابن جریر نے متعدد اسانید کے ساتھ حضرت ابن عباس اور مجاہد وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ (معارف) یہی مضمون اس آیت میں ہے وَاِنِّی مُرسِلَۃٌ اِلَیْھِمْ بِھَدِیَّۃٍ یعنی میں حضرت سلیمان کے پاس ایک ہدیہ بھیجتی ہوں پھر دیکھوں گی کہ جو قاصد ہدیہ لیکر جائیں گے کہ وہ آکر کیا صورت حال بیان کرتے ہیں؟

بلقیس کے قاصدوں کی دربار سلیمانی میں حاضری:

تاریخی اسرائیلی روایات میں بلقیس کی طرف سے آنے والے قاصدوں اور تحفوں کی اور خود وفد کی بڑی تفصیلات مذکور ہیں جو بقول صاحب روح المعانی سچ سے دور اور جھوٹ سے قریب ہیں، اتنی بات پر تمام روایات متفق ہیں کہ تحفہ میں کچھ سونے کی اینٹیں تھیں کچھ جواہرات، غلاموں اور کنیزوں کی تعداد روایات میں مختلف بیان ہوئی ہے، صاحب جلالین نے پانچ سو غلام اور پانچ سو کنیز بیان کی ہیں اور سونے کی اینٹوں کی تعداد بھی پانچ سو بتائی ہے اور ہیرے جواہرات سے جڑے ہوئے ایک تاج کا بھی ذکر کیا ہے ساتھ میں بلقیس نے ایک خط بھی دیا تھا ادھر حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی وفد کے استقبال کی تیاری عجیب وغریب شاہانہ انداز سے کی جو کہ مبالغہ سے خالی نہیں ہے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم دیا کہ نو فرسخ تقریباً تیس میل کی مسافت تک سونے چاندی کی اینٹوں کا فرش بنا دیا جائے اور راستہ میں دوطرفہ عجیب الخلقت جانوروں کو کھڑا کر دیا جائے اسی طرح اپنے دربار کو بھی خاص اہتمام سے آراستہ کیا غرضیکہ یمنی وفد نے جب حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان وشوکت کو دیکھا تو حیرت زدہ رہ گئے اور اپنے ہدیہ کو قلیل سمجھ کر شرمانے لگے، بعض روایات میں ہے کہ اپنی سونے کی اینٹوں کو وہیں ڈال دیا، جب حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات ہوئی تو آپ نہایت ہی خندہ پیشانی سے پیش آئے اور ان کی شایان شان ضیافت کا انتظام کیا مگر ان کے تحفے واپس کر دیئے (ملخصاً از

تفسیر قرطبی) اور کہہ دیا کہ تمہارا ہدیہ تم ہی کو مبارک ہو مجھے اس کی ضرورت نہیں میرے پاس اللہ کا دیا ہوا سب کچھ ہے۔

کافر کے ہدیہ کو قبول کرنے کا حکم؟

حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بلقیس کا ہدیہ قبول نہیں فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنا درست نہیں ہے، مگر تحقیق اس مسئلہ کی یہ ہے کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنا اگر اپنی یا مسلمانوں کی مصلحت کے خلاف ہو یا ان کے حق میں رائے کمزور ہوتی ہو تو ان کا ہدیہ قبول کرنا درست نہیں (روح المعانی) اس کے برعکس اگر کوئی دینی ضرورت ہدیہ کے قبول کرنے کی داعی ہو تو قبول کرنے کی گنجائش ہے، آپ ﷺ کی اس معاملہ میں سنت یہی رہی ہے کہ بعض کفار کا ہدیہ قبول فرمالیا اور بعض کا رد فرمادیا، عمدۃ القاری شرح بخاری کتاب الھبہ میں اور سیر کبیر میں حضرت کعب بن مالک سے روایت ہے کہ براء کا بھائی عامر بن ملک مدینہ طیبہ میں کسی ضرورت سے آیا جبکہ وہ مشرک تھا اور اس نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں دو گھوڑے اور دو جوڑے کپڑے کا ہدیہ پیش کیا آپ نے اس کا ہدیہ یہ کہہ کر واپس فرمادیا کہ ہم مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتے، اور عیاض بن حمار مجاشعی نے آپ کی خدمت میں ایک ہدیہ پیش کیا تو آپ نے اس سے سوال فرمایا تم مسلمان ہو؟ اس نے کہا نہیں! آپ نے اس کا ہدیہ بھی یہ کہہ کر رد فرمادیا کہ مجھے اللہ نے مشرک کا ہدیہ لینے سے منع فرمایا ہے، اس کے بالمقابل یہ روایت بھی موجود ہے کہ آپ ﷺ نے بعض مشرکین کے ہدایا کو قبول فرمایا ہے، ایک روایت میں ہے کہ ابوسفیان نے بحالت شرک آپ کو ایک چمڑا ہدیہ میں بھیجا، آپ نے قبول فرمالیا اور ایک نصرانی نے ایک ریشمی رومال ہدیہ میں پیش کیا آپ نے قبول فرمالیا۔

شمس الائمہ اس کو نقل کرکے فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سبب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کو جن کا ہدیہ رد کرنے میں اس کے اسلام کی طرف مائل ہونے کی امید نہیں تھی وہاں رد کردیا، اور جن کا ہدیہ قبول کرنے میں اس کے مسلمان ہونے کی امید تھی تو قبول کرلیا۔ (عمدۃ القاری کتاب الھبہ)

اور بلقیس نے جو رد ہدیہ کو نبی ہونے کی علامت قرار دیا تھا اس کا سبب یہ نہ تھا کہ نبی کے لئے مشرک کا ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں بلکہ سبب یہ تھا کہ اس نے اپنا ہدیہ درحقیقت ایک رشوت کی حیثیت سے بھیجا تھا کہ اس کے ذریعہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حملہ سے محفوظ رہے۔ (معارف)

بلقیس کی دربار سلیمان میں حاضری:

اِرْجِعْ اِلَیْهِمْ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہدایا کی واپسی کے ساتھ فَلَنَاْتِیَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا کہہ کر اعلان جنگ بھی کردیا۔

قرطبی نے تاریخی روایات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بلقیس کے قاصد خود بھی مرعوب اور مبہوت ہوکر واپس ہوئے اور حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اعلان جنگ سنایا تو بلقیس نے اپنی قوم سے کہا کہ پہلے بھی میرا خیال تھا کہ سلیمان دنیا کے بادشاہوں کی

طرح بادشاہ نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے ان کو کوئی خاص منصب بھی ملا ہوا ہے لہٰذا ان سے لڑنا اللہ کا مقابلہ کرنا ہے جس کی ہم میں طاقت نہیں، یہ کہہ کر بڑے ساز وسامان کے ساتھ حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کی خدمت میں حاضری کی تیاری شروع کر دی، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ بلقیس کے تین سو بارہ مشیر تھے اور ہر مشیر کے ماتحت دس دس ہزار افراد تھے اس حساب سے تین کروڑ بیس لاکھ افراد ہوئے اور تین سو بارہ مشیر مزید۔ (روی ذلک عن قتادۃ، روح المعانی)

ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مشیران خاص کی تعداد بارہ ہزار تھی اور ہر مشیر کے ماتحت ایک ایک لاکھ افراد تھے، اس حساب سے بارہ سو کروڑ یعنی ایک ارب ۲۰ کروڑ افراد ہوئے، نیز خود ملکہ بلقیس کے ماتحت چار سو بادشاہ تھے اور ہر بادشاہ کے ماتحت اربع مأۃ الف مقاتل چار سو ہزار مقاتل تھے، صاحب روح المعانی مذکورہ تعداد کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں ھٰذہ الاخبار الی الکذب اقرب منھا الی الصدق آگے تحریر فرماتے ہیں **لَعَمری أن اَرْضَ الیمن لتکاد تضیق عن العدد الذی تضمنہ الخَبرانِ اخیرانِ ولیت شعری مامقدار عدد رَعِیتھا الباقین الذین تحتاج الی ھٰذا العسکر والقواد والوزراء لسیاستِھِمْ وضبطِ امورھم وتنظیم احوالھم.**

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ تعداد مبالغہ آرائی پر مبنی ہے، یمن ایک بہت چھوٹا سا ملک ہے اس زمانہ میں کل آبادی بھی اتنی نہ ہوگی جتنی کہ مشیروں اور ماتحتوں کی تعداد بیان کی گئی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اپنے قیمتی اور مشہور زمانہ تخت شاہی کو محفوظ مکان میں مقفل کر کے حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کی خدمت میں حاضری کی تیاری شروع کر دی، تخت کی لمبائی چوڑائی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کا طول ۸۰ ہاتھ اور عرض ۴۰ ہاتھ اور اونچائی ۳۰ ہاتھ تھی اور اس میں موتی، سرخ یاقوت اور سبز زمرد جڑے ہوئے تھے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ایک روز حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام نے دور سے غبار اڑتا ہوا دیکھا تو معلوم کیا کہ یہ کیا ہے؟ حاضرین نے جواب دیا اے نبی اللہ ملکہ بلقیس اپنے ساتھیوں کے ساتھ آرہی ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس وقت ایک فرسخ یعنی تقریباً تین میل کے فاصلہ پر تھی۔ (معارف)

اس وقت حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے جنود وعسا کر کو مخاطب کر کے فرمایا **یٰاَیُّھَا الْمَلَؤُا اَیُّکُمْ یَاْتِیْنِی بِعَرْشِھَا قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ** جب حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کو معلوم ہوا کہ بلقیس مطیع وتابع فرمان ہو کر آرہی ہے تو ارادہ فرمایا کہ شاہانہ قوت وشوکت کے ساتھ ایک پیغمبرانہ معجزہ بھی دیکھ لے تو اس کے ایمان لانے کے لئے زیادہ معاون ومؤثر ہوگا، حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کو حق تعالیٰ نے تسخیر جنات کا معجزہ بھی عطا فرمایا تھا، باشارۂ الٰہی آپ نے ارادہ فرمایا کہ کسی طرح بلقیس کا تخت شاہی اس کے دربار میں پہنچنے سے پہلے پہلے حاضر ہو جائے اس لئے حاضرین کو جن میں جنات بھی تھے تخت کو لانے کے لئے فرمایا جس کو سات محلات شاہی کے وسط میں ایک محفوظ محل کے اندر مقفل کر کے رکھا تھا اور اس کے اوپر پہرہ بھی بٹھا دیا تھا

جس کی وجہ سے تخت تک خود اس کے آدمیوں کی بھی رسائی نہیں تھی، اس کا بغیر دروازہ اور قفل توڑے ہوئے منتقل ہو جانا اور اتنی مسافت بعیدہ پر پہنچ جانا حق تعالیٰ شانہٗ کی قدرت کاملہ ہی سے ہو سکتا ہے، تو ایک قوی ہیکل جن نے کہا کہ میں اس تخت کو آپ کے پاس آپ کے اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے لا سکتا ہوں۔

قال سليمان أُريد اسرعَ من ذٰلك **قَالَ الَّذِىْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ** المنزّلِ وہو اٰصف بنُ بَرخِيا كان صِدِّيقًا يعلم اسمَ اللّٰه الاعظمَ الذى اذا دُعى به اجاب **اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ** اذا نظرتَ به الى شيءٍ ما قال له أُنظر الى السماء فَنظر اليها ثم رَدَّ بطرفه فوَجَده مَوْضُوعًا بين يَديه ففى نظره الى السّماء دَعا اٰصفُ بالِاسمِ الاَعظمِ ان ياتى اللّٰه به فحصل بان جرى تحت الارض حتى اِرتفَع عند كُرسيّ سُليمانَ **فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا** اى ساكِنا **عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا** اى الإتيانُ لى به **مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ لِيَبْلُوَنِيْ** ليختبرنى **ءَاَشْكُرُ** بتحقيقِ الهمزتين وابدالِ الثانية الفا وتسهيلِها وادخالِ الفٍ بين المسهلة والاخرى وتركِه **اَمْ اَكْفُرُ** النِّعمةَ **وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ** اى لَاجلِها لانّ ثوابَ شكرِه له **وَمَنْ كَفَرَ** النِّعمةَ **فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ** عن شُكرِه **كَرِيْمٌ** ﴿۴۰﴾ بالِافضال على من يكفرها **قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا** اى غَيِّروه الى حال تُنكره اذا رأته **نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ** الى معرفتِه **اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ** ﴿۴۱﴾ الى مَعرفةِ ما تَغيَّر عليهم قَصد بذٰلك اِختبارَ عقلِها لِمَا قيل له اِنَّ فيه شيئًا فغَيَّرُوْهُ بزيادةٍ او نقصٍ او غير ذٰلك **فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ** لها **اَهٰكَذَا عَرْشُكِ** اى امثلُ هٰذا عرشُكِ **قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ** اى فعرفته وشَبَّهت عليهم كما شَبّهوا عليها اذ لم يَقل اهٰذا عَرشُكِ ولو قيل هٰذا قالت نعم قال سليمان لما راٰى لها معرفةً وعلما **وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ** ﴿۴۲﴾ **وَصَدَّهَا** عن عبادةِ اللّٰه **مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اى غيره **اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ** ﴿۴۳﴾ **قِيْلَ لَهَا** ايضا **ادْخُلِي الصَّرْحَ** ہو سَطح من زُجاجٍ ابيضَ شفَّافٍ تحته مَاءٌ جارٍ فيه سَمَك اِصطنعه سليمان لما قيل له ان ساقيها ورِجليها كقدمى حِمار **فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً** من الماء **وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا** لتخوضه وكان سليمانُ على سريره فى صدر الصَّرح فراٰى ساقيها وقدميها حِسانا **قَالَ** لها **اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ** مُملَّس **مِّنْ قَوَارِيْرَ** اى زجاجٍ ودَعاها الى الإسلام **قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ** بعبادةِ غيرك **وَاَسْلَمْتُ** كائنةً **مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** ﴿۴۴﴾ واراد تَزوُّجها فكره شَعرَ ساقيها فعَمِلت له الشياطينُ النورةَ فازَالته بها فتزوجها وأَحبَّها واقرَّها على مُلكِها وكانَ يزورها كلَّ شهرٍ مَرةً ويُقيمُ عندها ثلٰثة ايامٍ وانقضٰى مُلكُها بانقضاءِ مُلك سليمانَ روى انه مَلك وہو ابنُ ثلاث عشرة سنةً ومات وہو ابن ثلاثٍ وخمسين سنةً فسبحان من لا اِنقضاءَ لدوام مُلكه۔

ترجمہ: سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا میں اس سے بھی جلدی چاہتا ہوں جس کے پاس نازل کردہ کتاب کا علم تھا وہ بولا اور وہ آصف بن برخیا تھا وہ مقام صدیقیت پر فائز تھا، وہ اللہ کے اسم اعظم سے واقف تھا وہ اسم اعظم کہ اگر اس کے ذریعہ دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ قبول فرمالیں میں اس تخت کو آپ کے پاس آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے لے آؤں گا جب کہ آپ اپنی نظر سے کسی شئ کو دیکھیں (آصف بن برخیا) نے حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام سے عرض کیا آپ آسمان کی طرف دیکھیں چنانچہ (حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام) نے آسمان کی طرف دیکھا پھر نظر کو پھرایا تو تخت کو اپنے سامنے رکھا ہوا پایا، حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کے آسمان کی طرف نظر کرنے کے دوران آصف نے اسم اعظم پڑھ کر دعا کی کہ اے اللہ تو اس کو لے آ، چنانچہ دعا قبول ہوگئی بایں طور کہ تخت زمین کے نیچے نیچے روانہ ہوا اور حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کی کرسی کے سامنے نمودار ہوگیا جب سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام نے تخت کو اپنے روبرو موجود دیکھا فرمایا یہ یعنی اس کو میرے لئے لانا میرے رب کا فضل ہے تا کہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر گذاری کرتا ہوں یا نعمت کی ناشکری (ءَ اَشْکُرُ) میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور ثانی الف سے بدل کر اور ثانی کی تسہیل کے ساتھ اور مسہلہ اور دوسرے کے درمیان الف داخل کر کے اور ترک ادخال کے ساتھ شکر گذار اپنے ہی فائدہ کے لئے شکر گذاری کرتا ہے اس لئے کہ اس کی شکر گذاری کا اجر اسی کے لئے ہے اور جس نے نعمت کی ناشکری کی تو بلاشبہ میرا رب اس کے شکریئے سے مستغنی (اور) کریم ہے بسبب نعمتوں کی ناشکری کرنے والے پر بھی فضل فرمانے کے (حضرت) سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام نے حکم دیا کہ اس کے تخت میں کچھ ردوبدل کردو یعنی اس کو اتنا بدل دو کہ جب وہ اس کو دیکھے تو پہچان نہ سکے، (تا کہ) ہم دیکھیں کہ آیا وہ اس کو پہچان پاتی ہے یا نہ پہچاننے والوں میں رہتی ہے اس (تخت) کی معرفت میں جس میں ان کے لئے ترمیم کردی ہے، اس ردوبدل کا مقصد اس کی عقل کی آزمائش تھی، اس لئے کہ حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام سے کہا گیا تھا کہ اس کی عقل میں کچھ کمی ہے چنانچہ تخت میں قدرے کمی بیشی وغیرہ کے ذریعہ پھیر بدل کردیا، جب وہ آگئی اس سے دریافت کیا گیا کیا تیرا تخت بھی ایسا ہی ہے؟ یعنی کیا تیرا تخت بھی اس جیسا ہی ہے تو بلقیس نے جواب دیا یہ تو گویا کہ وہی ہے یعنی اس نے تخت کو پہچان لیا، اس نے (بھی) ان کو مغالطہ دیا جیسا کہ انہوں نے اس کو مغالطہ دیا تھا، اس لئے (اس سے) یہ نہیں کہا کیا یہ تیرا تخت ہے؟ اور اگر یہ کہا جاتا تو وہ نعم کہدیتی، جب سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام نے اس میں علم و معرفت دیکھی تو فرمایا کہ ہمیں تو اس واقعہ سے پہلے ہی بتادیا گیا تھا (کہ ملکہ سبا تابع فرمان ہوکر حاضر خدمت ہوگی) اور ہم مسلمان تھے۔

نوٹ: مفسر ابن کثیر نے وَاُوْتِیْنَا الْعِلْمَ (الآیۃ) کو حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کا قول قرار دیا ہے علامہ محلی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، دیگر مفسرین نے بلقیس کا قول قرار دیا ہے اور ترجمہ یہ کیا ہے ہم تو اس واقعہ سے پہلے ہی سمجھ گئے تھے کہ آپ اللہ کے نبی ہیں اور آپ کے مطیع اور تابع فرمان ہوگئے تھے اور اس کو اللہ کی عبادت سے غیر اللہ کی عبادت کرنے نے روک رکھا تھا

(صدها کا فاعل ماکانت تعبد ہے) یقیناً وہ کافر قوم میں سے تھی بلقیس سے یہ بات بھی کہی گئی کہ محل میں تشریف لے چلئے (اور) وہ صاف شفاف شیشہ کی سطح (فرش) تھی جس کے نیچے پانی جاری تھا اس میں مچھلیاں بھی تھیں، اور یہ شیشہ کا محل (یا حوض) اس لئے بنوایا تھا کہ حضرت سلیمان سے کہا گیا تھا کہ اس کی دونوں پنڈلیاں اور دونوں پیر گدھے کے پیر جیسے ہیں جب بلقیس نے محل کو دیکھا تو یہ سمجھ کر کہ یہ گہرا پانی ہے اپنی پنڈلیاں کھولدیں تا کہ اس میں داخل ہو جائے، اور سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام محل کے سامنے تخت پر تشریف فرما تھے چنانچہ اس کی پنڈلیوں اور قدموں کو خوبصورت پایا تو حضرت سلیمان نے اس سے کہا یہ تو چکنے چمکدار شیشہ کا محل ہے یعنی کانچ کا اور بلقیس کو اسلام کی دعوت دی، کہنے لگی یقیناً میں نے اے میرے رب تیرے غیر کی بندگی کر کے اپنے اوپر ظلم کیا اور میں سلیمان کے ساتھ ہو کر رب العالمین پر ایمان لاتی ہوں اور سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام نے اس سے نکاح کا ارادہ فرمایا، لیکن اس کی پنڈلیوں کے بالوں کو ناپسند کیا چنانچہ شیاطین نے اس کے لئے نورہ (یعنی بال صفا) بنایا بعد ازیں بلقیس نے اس سے بال صاف کئے اس سے بعد سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام نے اس سے نکاح کر لیا اور اس کو اس کے ملک پر برقرار رکھا، اور حضرت سلیمان ہر ماہ میں اس سے ایک مرتبہ ملاقات کیا کرتے تھے اور اس کے پاس تین روز قیام فرمایا کرتے تھے، حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کے ملک کے اختتام کے ساتھ ہی اس کا ملک بھی اختتام پذیر ہو گیا، روایت کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام جب تیرہ سال کے تھے تو بادشاہ بنے تھے اور جب ترپن سال کے تھے تو انتقال فرمایا، اللہ پاک ہے کہ جس کے ملک کے دوام کے لئے زوال نہیں ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَهُ: قال عفریت من الجن اس جن کا نام ذکوان یا صخر تھا۔

قِوْلَهُ: آصف بن برخیا کہا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کا خالہ زاد بھائی تھا اور کبار اولیاء اللہ میں سے تھا، اس کے ہاتھ پر خوارق عادت بہت ظاہر ہوتے تھے۔

قِوْلَهُ: ثُمَّ رَدَّ بطرفهٖ، بطرفهٖ میں با زائدہ ہے۔

قِوْلَهُ: بالافضالِ علٰی مَنْ یَکْفُرُهَا یعنی وہ اپنی عام نعمتوں کو کفر اور ناشکری کی وجہ سے سلب نہیں کرتا قال نکِّروا لها اس کا عطف قال هٰذا من فضل ربی پر ہے۔

قِوْلَهُ: نَنْظُرْ جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔

قِوْلَهُ: فکرِهَ شَعْرَ سَاقَیْهَا یہ تفسیر ماقبل کی تفسیر فرای ساقَیْهَا و قَدَمَیْهَا حِسَانًا سے متعارض ہے، بعض حضرات نے یہ توجیہ کی ہے کہ بالوں سے قطع نظر کرتے ہوئے اس کے قدم اور پنڈلیاں حسین تھیں، مگر یہ توجیہ دل کو لگتی نہیں ہے۔

قِوْلَهُ: مُمَرَّدٌ، تمرید سے مشتق اس کے معنی چکنے کے ہیں امرد اسی سے ہے۔

تفسیر وتشریح

مگر سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں اس سے بھی جلدی چاہتا ہوں، تو جس کے پاس علم کتاب تھا بول اٹھا کہ میں اس کو پلک جھپکنے سے پہلے ہی آپ کے پاس پہنچا سکتا ہوں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ یقیناً جن ہی تھا جنوں کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے مقابلہ میں غیر معمولی قوتوں سے نوازا ہے، اس لئے کہ کسی انسان کے لئے خواہ وہ کتنا بھی زور آور کیوں نہ ہو یہ ممکن نہیں کہ وہ بیت المقدس سے مآرب یمن (سبا) جائے وہاں سے تخت شاہی اٹھالائے اور ڈیڑھ ہزار میل کا یہ فاصلہ اگر دوطرفہ شمار کیا جائے تو تین ہزار میل کا فاصلہ چشم زدن میں طے کرلے۔

یہ کون شخص تھا جس نے چشم زدن میں تخت لانے کا وعدہ کیا؟ اور یہ کتاب جس کا اسے علم دیا گیا تھا وہ کونسی کتاب تھی؟ اور یہ علم کیا تھا؟ جس کے زور پر یہ دعویٰ کیا گیا اس میں مختلف اقوال ہیں، حقیقت حال اللہ بہتر جانتا ہے، ایک احتمال تو یہ ہے کہ خود حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں، اس لئے کہ کتاب کا علم سب سے زیادہ ان ہی کے پاس تھا اس صورت میں یہ پورا معاملہ بطور معجزہ ہوا، اور یہی مقصود تھا، مگر اکثر ائمہ تفسیر قتادہ سے ابن جریر نے نقل کیا ہے اور قرطبی نے اس کو جمہور کا قول قرار دیا ہے کہ یہ کوئی شخص حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب میں سے تھا ابن اسحٰق نے اس کا نام آصف بن برخیا بتایا ہے اس شخص کو اسم اعظم کا علم تھا، جس کا خاصہ یہ ہے کہ اس کو پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے جو بھی دعا کی جائے قبول ہوتی ہے، یہ کام اگر چہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام خود بھی انجام دے سکتے تھے مگر ہوسکتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مصلحت اسی میں سمجھی ہو کہ یہ کارنامہ ان کے کسی امتی کے ہاتھ سے انجام پائے، اس صورت میں یہ آصف بن برخیا کی کرامت ہوگی۔

معجزہ اور کرامت میں فرق:

جس طرح معجزہ میں اسباب طبعیہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ معجزہ براہ راست حق تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا ہے وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى اسی طرح کرامت میں بھی اسباب طبعیہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا اور یہ دونوں صاحب معجزہ اور صاحب کرامت کے اختیار میں بھی نہیں ہوتے، ان دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ ایسا کوئی خارق عادت کام اگر کسی صاحب وحی کے ہاتھ پر ہو تو معجزہ کہلاتا ہے اور اگر غیر نبی کے ہاتھ پر ظہور ہو تو کرامت کہلاتی ہے۔

جب ملکہ بلقیس کا شاہی تخت دربار سلیمانی میں آگیا تو حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم دیا کہ اس میں ردوبدل کردو تاکہ بلقیس اسے آسانی سے نہ پہچان سکے حضرت سلیمان کے حکم کے مطابق ردوبدل کردیا گیا، جب بلقیس آئی تو اس سے معلوم کیا کہ کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے؟ جواب دیا كَاَنَّهٗ هُوَ گویا وہی ہے، چونکہ تخت میں کافی حد تک ردوبدل کردیا گیا تھا اس لئے صاف الفاظ میں اپنے ہونے کا اقرار بھی نہیں کیا اور نہ صاف انکار کیا بلکہ ایسی گول بات کہہ دی کہ جس میں نہ انکار ہے اور نہ اقرار چونکہ سائل نے اشتباہ میں ڈالنے کے لئے مغالطہ سے کام لیا تھا، بلقیس نے بھی جیسا سوال تھا ویسا ہی جواب دیدیا۔

اُوْتِینا العِلْمَ مِنْ قبلِهَا اس کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ بلقیس کا قول ہے یا سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا، ابن حجر نے اس کو بلقیس کا مقولہ قرار دیا ہے اور سابق کلام کا تتمہ فرمایا ہے یعنی بلقیس نے عرض کیا کہ ہم لوگوں کو تو اس واقعہ سے پہلے ہی آپ کی نبوت کی تحقیق ہو چکی ہے، اور ہم اسی وقت سے دل سے مطیع ہو چکے ہیں جب قاصد سے آپ کے کمالات معلوم ہوئے تھے، اس معجزہ کی چنداں حاجت نہیں تھی، اور ابن جریر نے مجاہد سے نقل کیا ہے یہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقولہ ہے مطلب یہ ہے کہ سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ہمیں (بذریعہ وحی) پہلے یہ بتا دیا گیا کہ ملکہ سبا تابع فرمان ہو کر حاضر خدمت ہوگی۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ من القَبيلة **صٰلِحًا اَنِ** اى بَاَن **اعْبُدُوا اللّٰهَ** وحِّدُوه **فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ**﴿۴۵﴾ فى الدِّين فريق مؤمنون من حين اِرساله اليهم وفريق كافرونَ **قَالَ** للمُكذبين **يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ** اى بالعذابِ قبل الرَّحمةِ حيث قُلتم ان كان ما اتيتنا به حقًّا فأتِنا بالعذاب **لَوْلَا** هلَّا **تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ** من الشِّرك **لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ**﴿۴۶﴾ فلا تُعذبون **قَالُوا اطَّيَّرْنَا** اصله تطيَّرنا أُدغمت التاء فى الطَّاءِ واجتلبت همزة وصل اى تشاءَ منا **بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ** اى المُؤمِنِيْنَ حَيْثُ قُحِطُوا المَطَرَ وجَاعُوْا **قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ** اَتاكم به **بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ**﴿۴۷﴾ تُختَبرُوْن بِالخَيرِ والشَّرِّ **وَكَانَ فِى الْمَدِيْنَةِ** مَدِيْنَةِ ثَمُوْدَ **تِسْعَةُ رَهْطٍ** اى رِجَالٍ **يُّفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ** بالمَعَاصِىْ منها قَرْضُهم الدَّنَانِيْرَ وَالدَّرَاهِمَ **وَلَا يُصْلِحُوْنَ**﴿۴۸﴾ بالطَّاعَةِ **قَالُوْا** اى قَالَ بَعْضُهم لِبَعْضٍ **تَقَاسَمُوْا** اَى احْلِفُوْا **بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ** بالنُّونِ وَالتَّاءِ وضَمِّ التَّاءِ الثَّانيةِ **وَاَهْلَهٗ** اى مَنْ اٰمَنَ به اى نَقْتُلُهُمْ لَيلاً **ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ** بالنُّونِ والتَّاءِ وضمِّ اللَّامِ الثَّانيةِ **لِوَلِيِّهٖ** اى وَلِيِّ دَمِهٖ **مَا شَهِدْنَا** حَضَرْنَا **مَهْلِكَ اَهْلِهٖ** بِضَمِّ المِيْمِ وفَتْحِهَا اى اِهْلاكِهم او هَلاكِهم فلَا نَدرِى مَنْ قَتَلَهٗ **وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ**﴿۴۹﴾ **وَمَكَرُوْا** فى ذٰلك **مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا** اى جَازَيْنَاهُمْ بِتَعْجِيْلِ عُقُوْبَتِهم **وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ**﴿۵۰﴾ **فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ** اَهْلَكْنَاهُمْ **وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ**﴿۵۱﴾ بِصَيْحَةِ جِبْرِيْلَ او بِرَمْيِ المَلائِكَةِ بِحِجَارَةٍ يَرَوْنَهَا وَلَا يَرَوْنَهُمْ **فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً** خَالِيَةً ونَصْبُهٗ عَلَى الحَالِ والعَامِلُ فيها مَعْنَى الاِشَارَةِ **بِمَا ظَلَمُوْا** بِظُلْمِهِمْ اى كُفرِهم **اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً** لَعِبْرَةً **لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ**﴿۵۲﴾ قُدرَتَنَا فَيَتَّعِظُوْنَ **وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** بصَالِحٍ وهم اَرْبَعَةُ اٰلافٍ **وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ**﴿۵۳﴾ الشِّرْكَ **وَلُوْطًا** مَنْصُوْبٌ بِاُذْكُرْ مُقَدَّرًا قَبْلَهٗ ويُبْدَلُ منه **اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ** اى اللِّوَاطَةَ **وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ**﴿۵۴﴾ يُبْصِرُ بَعْضُكم بَعْضًا اِنْهِمَاكًا فِى المَعْصِيَةِ **اَئِنَّكُمْ** بتَحْقِيْقِ الهَمْزَتَيْنِ وتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهما عَلَى الوَجْهَيْنِ **لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ**﴿۵۵﴾ عَاقِبَةَ فِعْلِكُمْ **فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ** اى اَهْلَهٗ **مِّنْ قَرْيَتِكُمْ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ**﴿۵۶﴾ من اَدْبَارِ الرِّجَالِ **فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ**

قَدَّرْنٰهَا جَعَلْنَاهَا بِتَقْدِيْرِنَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ﴿۵۷﴾ الْبَاقِيْنَ فِي الْعَذَابِ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ هُوَ حِجَارَةُ السِّجِّيْلِ اَهْلَكَتْهُمْ فَسَآءَ بِئْسَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ﴿۵۸﴾ بِالْعَذَابِ مَطَرُهُمْ قُلِ يَا مُحَمَّدُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى هَلَاكِ كُفَّارِ الْاُمَمِ الْخَالِيَةِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ هُمْ ءٰٓاللّٰهُ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ اَلِفًا وَتَسْهِيْلِهَا وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَ الْمُسَهَّلَةِ وَالْاُخْرٰى وَتَرْكِهٖ خَيْرٌ لِمَنْ يَعْبُدُهٗ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴿۵۹﴾ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ اَيْ اَهْلُ مَكَّةَ بِهٖ الْاٰلِهَةَ خَيْرٌ لِعَابِدِيْهَا.

ع ٤ ١٩

ترجمہ: اور یقیناً ہم نے ثمود کے پاس ان کی برادری کے بھائی صالح کو بھیجا یہ کہ تم سب اللہ کی بندگی کرو یعنی اس کی توحید کے قائل ہو جاؤ اچانک (خلاف توقع) ان میں دو فریق ہو گئے دین کے بارے میں باہم جھگڑنے لگے ایک فریق مومنوں کا تھا، ان کی طرف صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجنے کے وقت سے اور دوسرا فریق کافروں کا تھا، آپ نے جھٹلانے والوں سے کہا اے میری قوم کے لوگو! تم نیکی سے پہلے برائی کی جلدی کیوں کرتے ہو؟ یعنی رحمت سے پہلے عذاب کی (جلدی کیوں کرتے ہو؟) اس اعتبار سے کہ تم نے کہا جو تم ہمارے پاس لائے ہو اگر وہ حق ہے تو ہمارے اوپر عذاب لے آؤ، تم کس لئے اللہ سے شرک سے معافی نہیں مانگتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے، کہ عذاب میں مبتلا نہ کئے جاؤ وہ لوگ کہنے لگے ہم تو تم کو اور تمہارے ساتھ والوں یعنی مومنوں کو منحوس سمجھتے ہیں اِطَّیَّرْنَا اصل میں تَطَیَّرْنَا تھا تا کو طا میں ادغام کر دیا (ابتداء بالسکون لازم آنے کی وجہ سے) ہمزہ شروع میں داخل کر دیا اطَّیَّرْنَا ہو گیا یعنی تیری وجہ سے ہم نحوست میں مبتلا ہو گئے، اس لئے کہ قوم خشک سالی اور بھکمری کا شکار ہو گئی، حضرت صالح نے فرمایا تمہاری نحوست اللہ کے پاس ہے، وہ ہی اس کو تمہارے پاس لایا ہے بلکہ تم وہ لوگ ہو جو خیر و شر کے ذریعہ آزمائش میں مبتلا کئے گئے ہو اور ثمود کے شہر (حجر) میں نو شخص ایسے تھے جو معاصی کے ذریعہ زمین (ملک) میں فساد برپا کرتے تھے، ان ہی فساد کے طریقوں میں دراہم و دنانیر کا کاٹنا بھی شامل تھا اور طاعت کے ذریعہ (ذرا) اصلاح نہ کرتے تھے، ان لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم رات کو صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اس کے اہل پر ضرور شب خون ماریں گے یعنی رات کو ہم ان کو ضرور قتل کر دیں گے لَنُبَیِّتَنَّهٗ نون کے ساتھ اور (بجائے نون کے) تا اور تاء ثانیہ کے ضمہ کے ساتھ ہے، اور اَھْلُ سے حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے والے مراد ہیں اور پھر ہم اس کے ولی دم سے صاف کہہ دیں گے کہ ہم ان کے اہل کے ہلاک کرنے کے وقت موجود (ہی) نہیں تھے لَنَقُوْلَنَّ نون کے ساتھ اور تا اور لام ثانیہ کے ضمہ کے ساتھ ہے مُهْلِكَ میم کے ضمہ کے ساتھ یعنی ان کو ہلاک کرنے کے وقت اور میم کے فتحہ کے ساتھ یعنی ان کی ہلاکت کے وقت، لہٰذا ہم نہیں جانتے کہ اس کو کس نے قتل کیا؟ اور ہم بالکل سچے ہیں انہوں نے اس معاملہ میں ایک خفیہ تدبیر کی اور ہم نے (بھی) ایک تدبیر کی یعنی ہم نے ان کو فوری عذاب میں گرفتار کر کے سزا دی اور ان کو خبر بھی نہ ہوئی سو دیکھو ان کے مکر کا انجام کیسا ہوا؟ ہم نے ان کو اور ان کی پوری قوم کو جبرائیل کی چیخ کے ذریعہ یا فرشتوں کے پتھر مارنے کے ذریعہ ہلاک کر دیا وہ

پتھروں کو دیکھتے تھے مگر فرشتوں کو نہیں دیکھتے تھے یہ ہیں ان کے مکانات جو ظلم کی وجہ سے خالی پڑے ہیں یعنی ان کے کفر کی وجہ سے خاوِیَةً حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس میں عامل اسم اشارہ کے معنی (یعنی اشیرُ) ہے بلاشبہ اس (تدبیر) میں بڑی عبرت ہے ان لوگوں کے لئے جو ہماری قدرت کو جانتے ہیں سو نصیحت حاصل کرتے ہیں، اور ہم نے ان لوگوں کو جو صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لاتے تھے اور وہ چار ہزار تھے بچالیا اور وہ شرک سے پرہیز کرتے تھے اور لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ کیجئے لوطًا اپنے ماقبل اذکر محذوف کی وجہ سے منصوب ہے اور اِذْ قَالَ لِقَوْمِہٖ اس سے (یعنی اُذکر لوطًا) سے بدل ہے جبکہ لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم سے کہا کیا تم بے حیائی کا کام یعنی لواطت کرتے ہو درانحالیکہ تم ایک دوسرے کو معصیت میں منہمک ہونا دکھاتے ہو ایک دوسرے کو مشغول ہوتا دیکھتے ہو کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو؟ اَئِنَّکُمْ میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کی تسہیل اور دونوں صورتوں میں دونوں کے درمیان الف داخل کر کے بلکہ تم ایسی قوم ہو جو اپنے فعل کے انجام سے بے خبر ہے قوم کے پاس جواب سوائے یہ کہنے کے کچھ نہ تھا کہ لوط کے متعلقین کو اپنی بستی سے نکالدو یہ لوگ مردوں کی دبروں کے معاملہ میں بڑے پاک بنتے ہیں پس ہم نے اس کو اور اس کے اہل کو بجز اس کی بیوی کے بچالیا اور ہم نے اس کو اپنی تقدیر سے عذاب میں باقی رہنے والوں میں کردیا اور ان پر ہم نے ایک خاص قسم کی بارش برسادی اور وہ کنکریلے پتھر تھے جنہوں نے ان کو ہلاک کردیا سو ان عذاب سے ڈرائے ہوئے لوگوں پر وہ بری بارش تھی اے محمد کہہ دیجئے سابقہ قوموں کے ہلاک کرنے پر سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہے، کیا اللہ بہتر ہے اس کے لئے جو اس کی بندگی کرتا ہے یا وہ جس کو یہ لوگ شریک ٹھہراتے ہیں ءَ اللّٰہ خیرٌ میں دونوں ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ اور دوسرے کو الف سے بدل کر اور مسہلہ اور محققہ کے درمیان الف داخل کر کے اور اس کو ترک کر کے یُشْرِکُوْنَ یا اور تا کے ساتھ یعنی اے اہل مکہ اللہ بہتر ہے یا وہ چیزیں جن کو تم اس کے ساتھ معبود ہونے کی حیثیت سے شریک کرتے ہو اپنے عابدین کے لئے بہتر ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ ثمود قبیلہ کے جدِ ابعد کا نام ہے صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ان ہی کی نسل سے ہیں اس ابوالجد ہی کے نام پر قبیلہ کا نام ہے، مگر قبیلہ ہی مراد ہے حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت ثمود کو عاد ثانیہ بھی کہتے ہیں عاد اولیٰ قوم ہود کا نام ہے عاد اولیٰ اور عاد ثانیہ کے درمیان سو سال کا فاصلہ ہے۔ (جمل)

قولہ: صَالِحًا، اَخَاھُمْ سے بدل یا عطف بیان ہے حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو سو اسی سال کی عمر پائی، ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر چار سو چونسٹھ سال ہوئی، ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان آٹھ سو سال کا فاصلہ ہے۔ (جمل)

قولہ: فَاِذَا ھُمْ فَرِیْقَانِ یَخْتَصِمُوْنَ فریقان سے قوم صالح مراد ہے یعنی کچھ لوگ ایمان لے آئے اور کچھ نہیں لائے علامہ زمخشری نے دو فریقوں میں ایک فریق حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور دوسرا ان کی قوم کو قرار دیا ہے، علامہ زمخشری کو فریقان کا یہ

مطلب لینے پر فا کے ذریعہ عطف نے آمادہ کیا ہے اس لئے کہ فا تعقیب بالاتصال پر دلالت کرتی ہے یعنی دعوائے رسالت سے متصلاً دو فریق ہو گئے یعنی ایک فریق حضرت صالح اور دوسرا فریق ان کی قوم۔

قِوْلَہٗ: یختصمون باعتبار معنی کے فریقان کی صفت ہے یعنی فریقان موصوف اگرچہ باعتبار لفظوں کے تثنیہ ہے مگر چونکہ ہر فریق چند افراد پر مشتمل ہوتا ہے اس لئے اس میں جمعیۃ کے معنی ہیں لہٰذا موصوف وصفت میں مطابقت موجود ہے۔

قِوْلَہٗ: لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّیِّئَةِ ای بطلب السَّیِّئَةِ اور سیِّئَة سے عذاب اور الحَسَنَةِ سے رحمت مراد ہے جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ کیا ہے۔

قِوْلَہٗ: قُحِطُوْا المَطَرَ ای حُبِسُوْا المطرَ یعنی تمہاری نحوست کی وجہ سے بارش روک دی گئی۔

قِوْلَہٗ: مدینة ثمود کہا گیا ہے کہ ثمود کے شہر کا نام حجر تھا، اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ حجر مدینہ اور شام کے درمیان وادی ہے یہیں پر ثمود کی آبادی تھی۔

قِوْلَہٗ: رَهْطٍ کی تفسیر رجالٍ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ رَهْطٍ، تسعة سے معنی کے اعتبار سے تمیز واقع ہے رَهْطٌ گو لفظوں کے اعتبار سے مفرد ہے مگر معنی کے اعتبار سے جمع ہے لہٰذا اس کا تمیز واقع ہونا صحیح ہو گیا تِسْعة رهطٍ میں اضافت بیانیہ ہے، تسعةٌ هم رَهْطٌ، رهطٌ دس سے کم اشخاص کو کہتے ہیں جن میں عورتیں نہ ہوں تَقَاسَمُوْا کی تفسیر اِحْلفُوا سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہ امر کا صیغہ ہے، مطلب یہ ہے کہ ان نو آدمیوں نے جنہوں نے اونٹنی اور صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہل خانہ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا انہوں نے آپس میں کہا کہ قسمیں کھاؤ کہ ہم صالح اور ان کے اہل خانہ پر شب خون ماریں گے، تَقَاسَمُوْا فعل ماضی بھی ہو سکتا ہے اس صورت میں لقالوا کی تفسیر واقع ہوگا، گویا کہ سوال کیا گیا ماقالوا؟ فقیل تقاسموا لَنُبَیِّتَنَّهٗ مضارع جمع متکلم بانون تاکید ثقیلہ، ہٗ ضمیر مفعول، باب تفعیل ہم اس پر ضرور رات میں حملہ کریں گے۔

قِوْلَہٗ: بِمَا ظَلَمُوْا کی تفسیر بظلمِهِمْ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ مَا مصدریہ ہے اور با سببیہ ہے۔

قِوْلَہٗ: آمنوا بصالحٍ دیگر تفاسیر میں آمنوا صالحًا ہے۔

قِوْلَہٗ: وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ، تاتونَ کی ضمیر سے جملہ ہو کر حال ہے مقصد نکیر کی تاکید وتشدید ہے یَبْصُر بَعْضُكُمْ بَعْضًا سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رویت سے رویت بصری مراد ہے (یعنی ایک دوسرے کے سامنے خبیث حرکت کرتے تھے) بعض نے تبصرون سے رویت قلبی مراد لی ہے یعنی جانتے بوجھتے بھی ایسی حرکت کرتے ہو۔

قِوْلَہٗ: لَتَاتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِنْ دُوْنِ النِّسَاءِ سے اَتَاتُوْنَ الْفَاحِشَةَ میں جو ابہام ہے اس کی تعیین ہے اولاً مبہم رکھنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ حرکت ناقابل بیان بلکہ اس کے وصف کا بیان کرنا نہایت مشکل اور دشوار ہے کوئی بھی ذی عقل اور ہوشمند اس کی تصدیق نہیں کرے گا کہ کسی سے ایسی حرکت صادر ہو سکتی ہے۔

قولہ: مِن دون النِسَاءِ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس حرکت میں دوطرفہ معصیت ہے یعنی مردوں کے ساتھ فعل معصیت ہے اور عورتوں کا ترک معصیت ہے۔

قولہ: تجھلونَ (سوال) تجھلون قوم کی صفت ہے حالانکہ دونوں میں مطابقت نہیں ہے اس لئے کہ قومٌ غائب ہے اور تجھلون حاضر (جواب) غیبت اور مخاطبت جب جمع ہو جاتی ہے تو مخاطبت کے اقویٰ ہونے کی وجہ سے مخاطبت کو غیبت پر غلبہ دیدیا جاتا ہے (جمل) یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ مخاطب قوم ہے اس لئے اس کو حاضر کے درجہ میں رکھ کر صفت مخاطب کے صیغہ کے ساتھ لایا گیا ہے۔

قولہ: عاقبۃً اس سے اشارہ ہے کہ تجھلون کا مفعول محذوف ہے۔

قولہ: فما کان جوابَ قومہٖ، کان کی خبر مقدم ہے اِلَّا اَن قالوا اس کا اسم ہے ای اِلَّا قولُھم اور ابن ابی اسحٰق نے جوابُ کو اسم کان قرار دیکر رفع پڑھا ہے اور مابعد کو اس کی خبر قرار دیا ہے۔

قولہ: وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا یہ تاکید شدت مطر پر دلالت کرنے کے لئے ہے یعنی وہ بارش غیر معہود اور غیر معمولی تھی بالعذاب، منذرین کے متعلق ہے اور مَطَرُھم مخصوص بالذم ہے۔

تفسیر وتشریح

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ یہ اس سورت کا چوتھا قصہ ہے، حضرت صالح علیہ السلام کا نام قرآن کریم میں آٹھ جگہ آیا ہے، حضرت صالح علیہ السلام جس قوم میں پیدا ہوئے اس کو ثمود کہتے تھے حضرت صالح علیہ السلام کا سلسلہ نسب چھ واسطوں سے ان کے جد اعلیٰ ثمود تک پہنچ جاتا ہے یہ امام بغوی کی تحقیق ہے اور یہی تاریخی حیثیت سے راجح ہے (قصص القرآن) اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ قوم ثمود کا نام ثمود ان کے مورث اعلیٰ کے نام پر ہے، ثمود سے حضرت نوح علیہ السلام تک کے سلسلہ نسب میں دو قول ہیں ① ثمود بن عامر بن ارم بن سام بن نوح ② ثمود بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام، صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ امام ثعلبی دوسرے قول کو راجح سمجھتے ہیں، قوم ثمود سامی اقوام ہی کی ایک شاخ ہے، عاد اولیٰ کی ہلاکت کے وقت حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ بچ گئے تھے یہ وہی لوگ ہیں اور یہی نسل، عاد ثانیہ کہلائی۔

ثمود کی بستیاں:

ثمود کہاں آباد تھے؟ اور کس خطہ میں پھیلے ہوئے تھے؟ اس کے متعلق یہ طے شدہ امر ہے کہ ان کی آبادیاں حجر میں تھیں، حجاز اور شام کے درمیان وادی قریٰ تک جو میدان نظر آتا ہے یہ سب ان کا مقام سکونت ہے، اور آج کل فج الناقہ کے نام سے مشہور ہے ثمود کی بستیوں کے خرابات اور آثار آج تک موجود ہیں۔

اہل ثمود کا مذہب:

ثمود اپنے پیش رو، بت پرستوں کی طرح بت پرست تھے اور خدائے وحدہٗ لاشریک کے علاوہ بہت سے معبودان باطلہ کے پرستار تھے، اس کی اصلاح کے لئے ان ہی کے قبیلہ میں سے حضرت صالح کو ناصح اور رسول بنا کر بھیجا گیا، ان کی قوم کے تقریباً چار ہزار افراد ان پر ایمان لائے تھے عذاب آنے سے پہلے جن کو لیکر حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام حضر موت تشریف لے گئے جہاں حضرت صالح کا انتقال ہو گیا اسی وجہ سے اس کا نام حضر موت مشہور ہو گیا۔

نَاقَةَ اللّٰهِ:

حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قوم ثمود کو بہت سمجھایا، قوم بجائے اس کے کہ ان کی نصیحت کو قبول کرتی، بت پرستی سے باز آتی، ان کا بغض وعناد ترقی پا تا رہا اور حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت میں اضافہ ہی ہوتا رہا، اگر چہ کمزور اور مختصر جماعت نے ایمان قبول کر لیا مگر سر برآوردہ اور اہل اقتدار اور خوشحال لوگوں کی جماعت بت پرستی پر قائم رہی، خدا کی دی ہوئی ہر قسم کی خوش عیشی اور رفاہیت کا شکر یہ ادا کرنے کے بجائے کفران نعمت کو شعار بنالیا، حضرت صالح کی نہ صرف یہ کہ تکذیب کی بلکہ ان کا مذاق بھی اڑاتی رہی، اور پیغمبرانہ دعوت ونصیحت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور نشان نبوت کا مطالبہ کیا۔

تاریخی حیثیت سے واقعہ کی تفصیل:

واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم جب حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تبلیغ حق سے اکتا گئی تو ان کے سرخیل اور سرگروہ افراد نے قوم کی موجودگی میں مطالبہ کیا کہ اے صالح اگر تو واقعی خدا کا فرستادہ ہے تو کوئی نشان (معجزہ) دکھا، تاکہ ہم تیری صداقت پر ایمان لے آئیں، حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ نشان آنے کے بعد بھی انکار پر مصر اور سرکشی پر قائم رہو، قوم کے ان سرداروں نے بتاکید وعدہ کیا کہ ہم فوراً ایمان لے آئیں گے، تب حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت کیا کہ وہ کس قسم کا نشان چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ سامنے والے پہاڑ سے یا بستی کے اس پتھر سے جو کنارہ پر نصب ہے ایک ایسی اونٹنی ظاہر کر کہ جو گیا بھن ہو اور فوراً بچہ دے، حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی جس کے نتیجے میں اسی وقت اس پتھر سے حاملہ اونٹنی ظاہر ہوئی اور اس نے بچہ دیا، یہ دیکھ کر ان سرداروں میں سے جندع بن عمرو تو اسی وقت مسلمان ہو گیا اور دوسرے سرداروں نے بھی جب اس کی پیروی میں اسلام لانے کا ارادہ کیا تو ان کے ہیکلوں اور مندروں کے مہنتوں نے ان کو اسلام لانے سے باز رکھا۔

اب صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قوم کے تمام افراد کو تنبیہ کی کہ دیکھو یہ نشانی تمہاری طلب پر بھیجی گئی ہے خدا کا یہ فیصلہ ہے

کہ پانی کی باری مقرر ہو ایک دن اس اونٹنی کا ہوگا اور ایک دن پوری قوم اور ان کے جانوروں کا، اور خبردار اس کو کوئی اذیت نہ پہنچے، اگر اس کو آزار پہنچا تو تمہاری خیر نہیں ہے ایک مدت تک یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا، اور پوری قوم اس کے دودھ سے فائدہ اٹھاتی رہی۔ آہستہ آہستہ یہ بات بھی ان کو کھٹکنے لگی اور آپس میں صلاح ومشورے ہونے لگے کہ اس ناقہ کا خاتمہ کردیا جائے تاکہ باری کے قصے سے نجات ملے، کیونکہ، اب ہمارے چوپایوں کے لئے اور خود ہمارے لئے بھی ناقابل برداشت ہے مگر قتل کرنے کی کسی کی ہمت نہیں ہوتی تھی، ایک حسین وجمیل مالدار عورت صدوق نے خود کو ایک شخص مصدع کے سامنے اور دوسری مالدار عورت عنیزہ نے اپنی ایک خوبصورت لڑکی کو قیدار (قدار) کے سامنے یہ کہہ کر پیش کیا کہ اگر وہ ناقہ کو ہلاک کردیں تو یہ تمہاری ملک ہیں، تم ان کو بیوی بنا کر عیش کرو آخر قیدار بن سالف اور مصدع کو اس کے لئے آمادہ کرلیا گیا اور طے پایا کہ وہ راہ میں چھپکے بیٹھ جائیں اور ناقہ جب چراگاہ جانے لگے تو اس پر حملہ کردیں اور چند دیگر آدمیوں نے بھی مدد کا وعدہ کیا۔

غرضیکہ ایسا ہی کیا گیا اور ناقہ کو اس طرح سازش کرکے قتل کردیا گیا اور آپس میں قسمیں کھائیں کہ رات ہونے پر ہم سب صالح اور اسکے اہل وعیال کو بھی قتل کردیں گے اور پھر اس کے اولیاء کو قسمیں کھا کر یقین دلادیں گے کہ یہ کام ہمارا نہیں ہم تو اس وقت موجود بھی نہیں تھے ادھر بچہ یہ دیکھ کر بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا اور چیختا چلاتا پہاڑی میں غائب ہوگیا۔

صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا آخر وہی ہوا جس کا مجھے خطرہ تھا، اب خدائی عذاب کا انتظار کرو جو تین دن کے بعد تم کو تباہ کردے گا، اور پھر بجلی کی چمک اور کڑک کا عذاب آیا اس نے رات میں سب کو تباہ کردیا اور آنے والے انسانوں کے لئے تاریخی عبرت کا سبق دے گیا۔

صاحب روح المعانی سید آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تفسیر روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں کہ ثمود پر عذاب کی علامات اگلی صبح ہی سے نمودار ہونے لگیں، پہلے روز ان سب کے چہرے اس طرح زرد پڑ گئے جیسا کہ خوف کی ابتدائی حالت میں ہوجایا کرتا ہے، اور دوسرے روز سب کے چہرے سرخ تھے گویا کہ خوف ودہشت کا یہ دوسرا درجہ تھا اور تیسرے روز ان سب کے چہرے سیاہ تھے اور یہ خوف ودہشت کا وہ تیسرا مقام ہے کہ جس کے بعد موت ہی کا درجہ باقی رہ جاتا ہے۔

بہرحال ان تین دن کے بعد وقت موعود آپہنچا اور رات کے وقت ایک ہیبت ناک آواز نے ہر شخص کو اسی حالت میں ہلاک کردیا جس حالت میں وہ تھا قرآن عزیز نے اس ہلاکت آفریں آواز کو کسی مقام پر صاعقہ (کڑک دار بجلی) اور کسی جگہ رجفة (زلزلہ ڈال دینے والی شی) اور بعض جگہ طاغیه (دہشت ناک) اور بعض جگہ صیحه (چیخ) فرمایا، یہ سب ایک ہی حقیقت کی مختلف اوصاف کے اعتبار سے تعبیرات ہیں تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ خدا تعالیٰ کے اس عذاب کی ہولناکیاں کیسی گوناگوں تھیں۔

ایک طرف ثمود پر یہ عذاب نازل ہوا دوسری طرف حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے پیرو مسلمانوں کو خدا نے اپنی حفاظت میں لے لیا اور ان کو اس عذاب سے محفوظ رکھا۔

قصہ لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام:

ولوطًا گذشتہ صفحات میں حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر آچکا ہے کہ حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے برادرزادہ ہیں ان کے والد کا نام ہاران تھا، حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بچپن حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیر سایہ گذرا تھا حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام ہجرت میں بھی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رہے ہیں اور جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام مصر تشریف لے گئے تھے تو اس وقت بھی حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمراہ تھے، اور مصر میں بھی قیام ساتھ ہی میں رہا باہم مشورہ سے یہ بات طے پائی کہ لوط مصر سے ہجرت کر کے شرق اردن کے علاقہ سدوم اور عامورہ چلے جائیں اور وہاں رہ کر دین حنیف کی تبلیغ و اشاعت کا کام کریں اور حضرت ابراہیم واپس فلسطین چلے جائیں۔

سدوم:

اردن کی وہ جانب ہے جہاں آج بحرمیت یا بحرلوط واقع ہے یہی وہ مقام ہے کہ جہاں سدوم وعامورہ کی بستیاں واقع تھیں وہاں کے گردونواح میں بسنے والوں کا یہ اعتقاد ہے کہ یہ تمام حصہ جواب زیر آب نظر آتا ہے کسی زمانہ میں خشک زمین تھی اور اس پر شہر آباد تھے، قوم لوط پر عذاب کی وجہ سے یہ زمین تقریباً چارسو میٹر سطح سمندر سے نیچے چلی گئی، اسی لئے اس کو بحرمیت اور بحرلوط کہتے ہیں۔ (بستان جلد ۹، ص۵۳۷، بحوالہ قصص القرآن ج۱، ص۲۵۷)

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا فِيهِ اِلْتِفَاتٌ مِنَ الْغَيْبَةِ اِلَى التَّكَلُّمِ **بِهِ حَدَائِقَ** جَمْعُ حَدِيقَةٍ وَهُوَ الْبُسْتَانُ الْمَحُوطُ **ذَاتَ بَهْجَةٍ** حُسْنٍ **مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْبِتُوا شَجَرَهَا** لِعَدَمِ قُدْرَتِكُمْ عليه **ءَإِلٰهٌ** بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا على الْوَجْهَيْنِ فِي مَوَاضِعِهِ السَّبْعَةِ **مَعَ اللّٰهِ** اِعَانَةً عَلٰى ذٰلك اى لَيْسَ مَعَهُ اِلٰهٌ **بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُونَ** (٦٠) يُشْرِكُونَ بِاللّٰهِ غَيْرَهُ **أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا** لَا تَمِيدُ بِاَهْلِهَا **وَجَعَلَ خِلٰلَهَا** فيما بَيْنَهَا **أَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ** جِبَالًا اَثْبَتَ بِهَا الْاَرْضَ **وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا** بَيْنَ الْعَذْبِ وَالْمِلْحِ لَا يَخْتَلِطُ اَحَدُهُمَا بِالْآخَرِ **ءَإِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ** (٦١) تَوْحِيدَهُ **أَمَّنْ يُّجِيبُ الْمُضْطَرَّ** الْمَكْرُوبَ الَّذِي مَسَّهُ الضُّرُّ **إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ** عنه وعَنْ غَيْرِه **وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْأَرْضِ** الْاِضَافَةُ بِمَعْنٰى فِي اَيْ يَخْلُفُ كُلُّ قَرْنٍ الْقَرْنَ الَّذِي قَبْلَهُ **ءَإِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُونَ** (٦٢) تَتَّعِظُونَ بِالْفَوْقَانِيَّةِ وَالتَّحْتَانِيَّةِ وَفِيهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الذَّالِ وَمَا زَائِدَةٌ لِتَقْلِيلِ الْقَلِيلِ **أَمَّنْ يَّهْدِيكُمْ** يُرْشِدُكُمْ اِلَى مَقَاصِدِكُمْ **فِي ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ** بِالنُّجُومِ لَيْلًا وَبِعَلَامَاتِ الْاَرْضِ نَهَارًا **وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ** اي قُدَّامَ الْمَطَرِ **ءَإِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ** (٦٣) به غَيْرَهُ **أَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ** فِي

الاَرحَامِ مِنۡ نُطفَةٍ **ثُمَّ يُعِيدُهٗ** بَعۡدَ المَوتِ وإنۡ لَم يَعۡتَرِفُوۡا بالإعَادَةِ لِقِيَامِ البَرَاهِيۡنِ عليها **وَمَنۡ يَّرۡزُقُكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ** بالمَطَرِ **وَالۡاَرۡضِ** بالنَّبَاتِ **ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ** اى لايَفعَلُ شَيۡئًا مما ذُكِرَ الا اللّٰهُ ولا اِلٰهَ معه **قُلۡ** يامُحَمَّدُ **هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ** حُجَّتَكم **اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ**۞ اَنَّ مَعِيَ اِلٰهًا فَعَلَ شَيۡئًا مما ذُكِرَ وسَألُوۡهُ عَنۡ وَقۡتِ قِيَامِ السَّاعَةِ فنَزَلَ **قُلۡ لَّا يَعۡلَمُ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ** مِنَ المَلٰئِكَةِ والنَّاسِ **الۡغَيۡبَ** اى مَا غَابَ عنهم **اِلَّا** لٰكِنۡ **اللّٰهُ** يَعۡلَمُهٗ **وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ** اى الكُفَّارُ كَغَيرِهم **اَيَّانَ** وَقتَ **يُبۡعَثُوۡنَ**۞ **بَلِ** بمَعۡنٰى هَلۡ **ادّٰرَكَ** بوَزۡنِ اَكۡرَمَ فِى قِرَاءَةٍ وفى اُخۡرٰى ادَّارَكَ بتَشۡدِيۡدِ الدَّالِ واَصۡلُهٗ تَدَارَكَ اُبۡدِلَتِ التَّاءُ دَالًا وأُدۡغِمَتۡ فِى الدَّالِ واُجۡتُلِبَتۡ هَمۡزَةُ الۡوَصۡلِ اى بَلَغَ ولَحِقَ او تَتَابَعَ وَتَلاحَقَ **عِلۡمُهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ** اى بها حَتّٰى سَألُوۡا عَنۡ وَقۡتِ مَجِيۡئِهَا لَيۡسَ الاَمۡرُ كَذٰلِكَ **بَلۡ هُمۡ فِىۡ شَكٍّ مِّنۡهَا بَلۡ هُمۡ مِّنۡهَا عَمُوۡنَ**۞ مِنۡ عَمِيَ القَلۡبِ وهو اَبۡلَغُ مما قَبۡلَهٗ والاَصۡلُ عَمِيُوۡنَ اُسۡتُثۡقِلَتِ الضَّمَّةُ على اليَاءِ فنُقِلَتۡ اِلَى المِيۡمِ بَعۡدَ حَذۡفِ كَسۡرِهَا.

ترجمہ: بھلا بتاؤ تو؟ وہ ذات بہتر ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اور آسمان سے تمہارے لئے پانی برسایا، پھر ہم نے اس پانی کے ذریعہ بارونق باغ اگائے، اَنۡبَتۡنَا میں غیبت سے تکلم کی طرف التفات ہے، حدائق حدیقة کی جمع ہے اس باغ کو کہتے ہیں جس کے چاروں طرف دیوار بنادی گئی ہو، تمہارے لئے ممکن نہ تھا کہ تم ان باغوں کے درختوں کو اگا سکو، تمہارے اس پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے (یہ سن کر بتاؤ) کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ اس کام پر مدد کرنے کے لئے یعنی اس کے ساتھ کوئی الٰہ نہیں ہے ءَ اِلٰهٌ میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کی تسہیل اور دونوں صورتوں میں دونوں ہمزوں کے درمیان الف داخل کرکے ساتوں مقامات پر بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ جو خدا کا ہمسر ٹھہراتے ہیں (یعنی) غیر اللہ کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں یا وہ ذات جس نے زمین کو قرار گاہ بنایا تاکہ اہل زمین کو لیکر نہ ڈگمگائے اور اس کے درمیان نہریں بنائیں اور زمین کے ٹھہرانے کے لئے پہاڑ بنائے جن کے ذریعہ زمین کو ساکن کردیا تاکہ وہ اضطرابی حرکت نہ کرے اور دو دریاؤں یعنی شور و شیریں کے درمیان حد فاصل بنائی تاکہ آپس میں خلط ملط نہ ہو جائیں کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ بلکہ ان میں سے زیادہ تر لوگ توحید کو سمجھتے بھی نہیں ہیں کیا وہ ذات جو بے قرار آدمی کی دعا سنتی ہے جب وہ اس کو پکارتا ہے یعنی اس مصیبت زدہ کی جو تکلیفوں میں مبتلا ہو گیا ہو اور اس کی اور دوسروں کی مصیبتوں کو دور کرتا ہے اور تم کو زمین کا خلیفہ بناتا ہے خُلَفَاءَ الاَرۡضِ میں اضافت بمعنی فی ہے یعنی ہر بعد کی نسل کو پہلی نسل کا قائم مقام بناتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو تَذَكَّرُوۡنَ میں تا اور یا کے ساتھ دونوں قراءتیں ہیں، اور اس میں تا کا ذال میں ادغام ہے اور ما زائدہ ہے قلیل کی قلت (یعنی عدم) کو بیان کرنے کے لئے کیا وہ ذات جو تم کو تمہارے مقاصد کی طرف خشکی اور تری کی تاریکیوں میں رہنمائی کرتی ہے، رات کو نجوم کے ذریعہ اور دن میں علامات زمین کے ذریعہ، اور وہ ذات جو بارش سے پہلے خوشخبری دینے والی

ہوائیں چلاتی ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ اللہ ان تمام چیزوں سے پاک ہے جن کو وہ اللہ کے ساتھ شریک کرتے ہیں کیا وہ ذات جو مخلوق کو رحم مادر میں نطفہ سے ابتداءً پیدا کرتی ہے پھر اس کو موت کے بعد لوٹا دے گی اگرچہ ان کو اعادہ کا اعتراف نہیں تھا مگر چونکہ اعادہ پر براہین قاطعہ موجود ہیں (اس لئے ان سے دوبارہ تخلیق کے بارے میں سوال کیا گیا) اور وہ ذات جو آسمان سے بارش کے ذریعہ اور زمین سے نباتات کے ذریعہ تم کو روزی دیتی ہے (یہ سن کر بتاؤ) کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہے؟ یعنی مذکورہ کاموں میں سے اللہ کے سوا کوئی کچھ نہیں کرتا اور نہ اس کے ساتھ کوئی معبود ہے اے محمد آپ کہہ دیجئے اگر تم سچے ہو تو دلیل پیش کرو اس بات پر کہ میرے ساتھ کوئی معبود ہے جس نے مذکورہ کاموں میں سے کوئی کام کیا ہو؟ اور (جب) آپ سے (مشرکین) نے قیامت قائم ہونے کے وقت کے بارے میں سوال کیا تو (آئندہ) آیت نازل ہوئی آپ کہہ دیجئے آسمان اور زمین والوں میں سے خواہ ملائکہ ہوں یا انسان غیب کو یعنی (اپنے سے) مخفی چیزوں کو کوئی نہیں جانتا لیکن اللہ اس کو جانتا ہے اور کفار بھی دوسروں کے مانند یہ نہیں جانتے کہ ان کو کب اٹھایا جائے گا؟ بَلْ بمعنی هَلْ ہے اَدْرَكَ بروزن اَكْرَمَ ایک قراءت میں اور دوسری قراءت میں اِدَّارَكَ لام کی تشدید کے ساتھ اِدَّارَكَ کی اصل تَدَارَكَ تھی تا کو دال سے بدل دیا گیا اور دال کو دال میں مدغم کر دیا گیا (ابتداء بسکون لازم آنے کی وجہ سے) شروع میں ہمزہ وصل کا اضافہ کر دیا گیا یعنی بَلَغَ ولَحِقَ یہ معنی پہلی قراءت کی صورت میں ہوں گے اور تَتَابَعَ وتَلَاحَقَ دوسری قراءت کی صورت میں ہوں گے یعنی ان کا علم آخرت کے بارے میں تھک گیا ہو (عاجز ہو گیا ہو) جس کی وجہ سے آخرت کے وقت کے آنے کے بارے میں سوال کیا ہو بات ایسی نہیں ہے فِی الآخرۃ میں فی بمعنی با ہے ای بها بلکہ یہ لوگ وقوع قیامت کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں بلکہ یہ اس سے اندھے بنے ہوئے ہیں دل کے اندھے اور یہ ماقبل سے ابلغ ہے (یعنی بَلْ هم منها عَمُوْنَ یہ اِدَّارك علمهم سے ابلغ ہے) اور عَمُوْنَ اصل میں عَمِيُوْنَ تھا، ضمہ یا پر دشوار رکھ کر میم کے کسرہ کو حذف کرنے کے بعد میم کو دیدیا۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَمْ منقطعہ ہے ابو حاتم نے کہا ہے کہ اس کی تقدیر آآلِهَتُكم خيرٌ اَمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰت والْاَرْضَ ہے اور بعض حضرات نے آیت کے معنی یہ بیان کئے ہیں أعِبَادَةُ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ اَوْثَانِكُمْ خيرٌ اَمْ عِبادةُ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰت والْاَرْضَ اس صورت میں ام متصلہ ہوگا، اس صورت میں توبیخ اور تہکم کے معنی ہوں گے۔

قَوْلُهٗ: قومٌ يَعْدِلُوْنَ یہ عدل سے مشتق ہے جس کے معنی برابر کرنے کے ہیں مفسر علام نے یہی معنی مراد لئے ہیں اور عدول سے بھی مشتق ہو سکتا ہے جس کے معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں یعنی تم حد سے تجاوز کرنے والی قوم ہو، بعض حضرات نے اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا اور بعد میں آنے والے اسی قسم کے تینوں جملوں کو اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰت سے بدل قرار دیا ہے، راجح اور ظاہر بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ بَلْ تینوں جگہوں پر تبکیت کے ایک طریقہ سے دوسرے طریقہ کی طرف انتقال کے لئے ہے۔

قِوْلَهُ: خِلَالَهَا جَعَلَ کا ظرف بھی ہوسکتا ہے اگر جَعَلَ بمعنی خَلَقَ لیا جائے اور جَعَلَ کا مفعول ثانی بھی ہوسکتا ہے اگر جَعَلَ بمعنی صَیَّرَ لیا جائے۔ (جمل)

قِوْلَهُ: ویَکْشِفُ کا عطف یُجِیْبُ المضطرَّ پر ہے یہ عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے مفسر علام نے عَنْهُ وَعَنْ غیْرِہٖ کہہ کر اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قِوْلَهُ: تقلیل القلیل یہ کنایہ ہے کہ عدم بالکلیہ سے مراد تذکر کی مطلقاً نفی ہے۔

قِوْلَهُ: وَاِنْ لَمْ یَعْتَرِفُوْا بِالْاِعَادَةِ الخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ جب کفار اعادہ بعد الموت کے قائل ہی نہیں ہیں تو پھر ان سے یہ کہنا کہ وہ ذات جو ابتداءً تخلیق کرتی ہے اور مرنے کے بعد زندہ کرے گی، کہاں تک درست ہے؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ کفار اگرچہ اعادہ بعد الموت کے قائل نہیں تھے مگر ابتداءً تخلیق کے قائل تھے ابتداء کی اعادے پر دلالت ظاہر اور قوی ہے اسی وجہ سے ان کو قائلین (معترفین) اعادہ فرض کرکے اعادہ کے بارے میں سوال کیا گیا۔

قِوْلَهُ: ءَاِلٰهٌ مع اللّٰهِ یہ جملہ اس مقام پر مسلسل پانچ جگہ ذکر کیا گیا ہے اول کو بَلْ هُمْ یَعْدِلُوْنَ پر ختم کیا ہے، اور ثانی کو بَلْ اکثرهُمْ لا یَعْلَمُوْنَ پر ختم کیا ہے اور ثالث کو قَلِیْلًا ما تَذَکَّرُوْنَ پر رابع کو عَمَّا یُشْرِکُوْنَ پر اور خامس کو قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ پر ختم کیا ہے۔

قِوْلَهُ: اَنَّ معِیَ اِلٰهًا صواب تر اَنَّ معهُ اِلٰهًا ہے اس لئے کہ ماسبق ءَاِلٰهَةٌ معه کہا گیا ہے بعض نسخوں میں معه کے بجائے مع الله ہے جو کہ بالکل واضح ہے اِلَّا کی تفسیر لکن سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے اس لئے کہ اگر مستثنیٰ متصل مانا جائے تو اللہ کو مَنْ فی السَّمٰوات والَارض میں شامل کرنا ہوگا اور مَن فِی السَّمٰوٰتِ والَارْضِ کے لئے مکان کی ضرورت ہے لہٰذا اللہ کے لئے بھی مکان ثابت ہوگا جو کہ درست نہیں ہے اسی لئے مستثنیٰ کو منقطع قرار دیا ہے فِی الآخرۃِ کی تفسیر بها سے کرکے اشارہ کردیا کہ فی بمعنی با ہے یعنی کیا آخرت سے متعلق ان کا علم عاجز ہوگیا۔

قِوْلَهُ: لیس الامر کذٰلك سے اشارہ کردیا کہ بَل بمعنی هَلْ استفہام انکاری کے معنی میں ہے اَیْ لَمْ یَحْصُلْ لَهُمْ عِلْمٌ بالآخرۃِ ای لَمْ یُصَدِّقُوْا بِهَا ولَمْ یَعْتَقِدُوْهَا.

تفسیر و تشریح

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ یہاں سے پچھلے جملے کی تشریح اور اس کے دلائل بیان کئے جارہے ہیں فرمایا آسمانوں کو اتنی بلندی اور خوبصورتی کے ساتھ بنانے والا ان میں درخشاں کواکب، روشن ستارے اور گردش کرنے والے افلاک بنانے والا، اسی طرح زمین اور اس میں پہاڑ، نہریں، چشمے، سمندر، اشجار، کھیتیاں اور انواع و اقسام کے طیور وحیوانات وغیرہ پیدا کرنے والا اور آسمان سے بارش برسا کر اس کے ذریعہ سے بارونق باغات اگانے والا کون ہے؟ کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے کہ جو زمین سے درخت ہی اگا کر دکھادے؟ ان سب کے جواب میں مشرکین بھی کہتے اور اعتراف

کرتے تھے کہ سب کچھ کرنے والا اللہ ہی ہے اَمَّنْ کا مفہوم ان آیات میں یہ ہے کہ کیا وہ ذات جو ان تمام چیزوں کی بنانے والی ہے اس شخص کی طرح ہے جو ان میں سے کسی پر قادر نہیں؟ (ابن کثیر)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین کی اضطرابی حرکت کو ختم کرنے کے لئے اس پر بڑے بڑے پہاڑ نصب کردیئے تاکہ زمین سکونت کے قابل ہو سکے اس لئے کہ اضطرابی اور بے قاعدہ حرکت کے ہوتے ہوئے زمین پر سکونت ممکن نہیں تھی، تاہم زمین کی مرکزی اور محوری دونوں حرکتیں باقاعدگی کے ساتھ جاری ہیں جن سے سکونت میں کوئی خلل نہیں ہوتا وَجَعَلَ خلالَهَا کی تفصیل کے لئے سورۂ فرقان کی آیت ۵۳ کی تفسیر دیکھئے۔

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ یعنی جس طرح مذکورہ معاملات میں اللہ تعالیٰ منفرد ہے اس کا کوئی شریک وہمسر نہیں اسی طرح غیب کے علم میں بھی وہ منفرد ہے اس کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں، نبیوں اور رسولوں کو بھی اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ وحی اور الہام کے ذریعہ انہیں بتلا دیتا ہے، اور جو علم کسی کے بتلانے سے حاصل ہو تو اس کے عالم کو عالم الغیب نہیں کہا جاتا، عالم الغیب تو وہ ہے کہ جو بغیر کسی ذریعہ اور واسطہ کے ذاتی طور پر ہر چیز کا علم رکھے اور ہر حقیقت سے باخبر ہو اور مخفی سے مخفی چیز بھی اس کے دائرۂ علم سے باہر نہ ہو اور یہ صفت صرف اور صرف اللہ کی ہے اس لئے صرف وہی عالم الغیب ہے اس کے سوا کائنات میں کوئی عالم الغیب نہیں، حضرت عائشہ صدیقہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهَا فرماتی ہیں کہ جو شخص یہ گمان رکھتا ہے کہ نبی ﷺ آئندہ کل پیش آنے والے حالات کا علم رکھتے ہیں اس نے اللہ پر بہت بڑا بہتان باندھا اس لئے کہ وہ تو فرما رہا ہے کہ آسمان اور زمین میں غیب کا علم صرف اللہ کو ہے۔ (صحیح بخاری ٤٨٥٥)

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْآخِرَةِ یعنی ان کا علم آخرت کے وقوع کا علم جاننے سے عاجز ہے، یا یہ معنی ہیں کہ ان کا علم مکمل ہو گیا اس لئے کہ انہوں نے قیامت کے بارے میں کئے گئے وعدوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، گو یہ علم اب ان کے لئے نافع نہیں ہے کیونکہ دنیا میں یہ لوگ اسے جھٹلاتے رہے ہیں، جیسے فرمایا اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ (سورۂ مریم ۳۸)

بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ یعنی دنیا میں آخرت کے بارے میں شک میں ہیں بلکہ اندھے ہیں کہ اختلال عقل وبصیرت کی وجہ سے آخرت پر یقین سے محروم ہیں یعنی جس طرح اندھے کو راستہ نظر نہیں آتا اس لئے مقصود تک پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے، اسی طرح تصدیق بالآخرت کا جو ذریعہ ہے یعنی دلائل صحیحہ یہ لوگ انتہائی عناد کی وجہ سے ان دلائل میں غور وفکر نہیں کرتے اس لئے ان کو وہ دلائل نظر نہیں آتے جن سے مقصود تک رسائی کی امید ہوتی ہے لہٰذا یہ شک سے بڑھ رہے ہے کیونکہ شک والا بعض اوقات دلائل میں نظر کر کے رفع شک کر لیتا ہے، مگر آخرت سے اندھا یعنی یقینی طور پر عدم وقوع کا قائل دلائل میں کبھی غور نہیں کرتا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ایضًا فی انکار البعث ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ۞ ای من القبور لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ اِنْ ما هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۞ جمع اُسْطُوْرَةٍ بالضم ای ما

سُطِرَ مِنَ الكَذِبِ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴿٦٩﴾ بِإِنْكَارِهِمْ هِيَ هَلَاكُهُمْ بِالعَذَابِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِي ضَيْقٍ مِمَّا يَمْكُرُونَ ﴿٧٠﴾ تَسْلِيَةٌ لِلنَّبِي صلى الله عليه وسلم اي لَا تَهْتَمَّ بِمَكْرِهِمْ عليك فإنَّا نَاصِرُك عليهم وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ بالعَذَابِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٧١﴾ فيه قُلْ عَسَى أَنْ يَكُونَ رَدِفَ قَرُبَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِي تَسْتَعْجِلُونَ ﴿٧٢﴾ فَحَصَلَ لَهُمُ القَتْلُ بِبَدْرٍ وَبَاقِي العَذَابِ يَأْتِيهِمْ بَعْدَ المَوْتِ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ ومنه تاخيرُ العَذَابِ عَنِ الكُفَّارِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٧٣﴾ فَالكُفَّارُ لَا يَشْكُرُونَ تَاخِيرَ العَذَابِ لِإِنْكَارِهِمْ وُقُوعَهُ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ تُخْفِيه وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٤﴾ بِأَلْسِنَتِهِمْ وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ التَّاءُ لِلْمُبَالَغَةِ اي شئ في غَايَةِ الخِفَاءِ على النَّاسِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿٧٥﴾ بَيِّنٍ هو اللَّوحُ المَحْفُوظُ ومَكْنُونُ عِلْمِه تعالى ومنه تَعْذِيبُ الكُفَّارِ إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ المَوْجُودِينَ فِي زَمَنِ نَبِيِّنَا صلى الله عليه وسلم أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٧٦﴾ اي بِبَيَانِ ما ذُكِرَ عَلَى وَجْهِهِ الرَّافِعِ لِلاخْتِلَافِ بَيْنَهم لو أَخَذُوا به وَأَسْلَمُوا وَإِنَّهُ لَهُدًى مِنَ الضَّلَالَةِ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٧٧﴾ مِنَ العَذَابِ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ كَغَيْرِهِم يَوْمَ القِيَمَةِ بِحُكْمِهِ اي عَدْلِهِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الغَالِبُ الْعَلِيمُ ﴿٧٨﴾ بِمَا يَحْكُمُ به فلا يُمْكِنُ أَحَدًا مُخَالَفَتُهُ كما خَالَفَ الكُفَّارُ في الدُّنيا أَنْبِيَاءَهُ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ثِقْ به إِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِينِ ﴿٧٩﴾ اي الدِّينِ البَيِّنِ فالعَاقِبَةُ لك بالنَّصْرِ على الكُفَّارِ ثم ضَرَبَ لهم أَمْثَالًا بِالمَوْتَى والصُّمِّ والعُمْيِ فقال إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا بِتَحْقِيقِ الهَمْزَتَيْنِ وتَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ بينها وبينَ اليَاءِ وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴿٨٠﴾ وَمَا أَنْتَ بِهَادِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلَالَتِهِمْ إِنْ ما تُسْمِعُ سَمَاعَ إِفْهَامٍ وقُبُولٍ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا القُرْآنِ فَهُمْ مُسْلِمُونَ ﴿٨١﴾ مُخْلِصُونَ بِتَوْحِيدِ اللهِ وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ حَقَّ العَذَابُ أَنْ يُنْزَلَ بهم في جُمْلَةِ الكُفَّارِ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اي تُكَلِّمُ المَوْجُودِينَ حِينَ خُرُوجِهَا بِالعَرَبِيَّةِ تَقُولُ لهم مِن جُمْلَةِ كَلَامِهَا نَائِبَةً عَنَّا أَنَّ النَّاسَ اي كُفَّارَ مَكَّةَ وفي قِرَاءَةٍ فَتْحُ هَمْزَةِ إِنَّ بِتَقْدِيرِ البَاءِ بَعْدَ تُكَلِّمُهُمْ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ﴿٨٢﴾ اي لَا يُؤْمِنُونَ بِالقُرْآنِ المُشْتَمِلِ عَلَى البَعْثِ والحِسَابِ والعِقَابِ وبِخُرُوجِهَا يَنْقَطِعُ الأَمْرُ بِالمَعْرُوفِ والنَّهْيُ عَنِ المُنْكَرِ وَلَا يُؤْمِنُ كَافِرٌ كما أَوْحَى اللهُ تعالى الى نُوحٍ إِنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ.

ترجمہ: اور کافروں نے انکار بعث کے بارے میں بھی کہا، کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہمارے باپ دادا بھی، تو کیا ہم قبروں سے پھر نکالے جائیں گے؟ ہم سے اور ہمارے باپ دادوں سے بہت پہلے سے یہ وعدے کئے جاتے رہے

ہیں، کچھ نہیں، یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں، اساطیر اُسطورۃ بالضم کی جمع ہے یعنی وہ جھوٹی باتیں جن کو لکھ لیا گیا ہو، آپ کہہ دیجئے کہ زمین میں ذرا چل پھر کر دیکھو تو سہی کہ مجرموں کا ان کے انکار کی وجہ سے کیا انجام ہوا؟ اور وہ عذاب کے ذریعہ ان کا ہلاک ہو جانا ہے آپ ان پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ یہ شرارتیں کر رہے ہیں اس سے تنگ دل نہ ہوں یہ نبی ﷺ کو تسلی ہے یعنی آپ کے خلاف ان کے سازش کرنے سے غمگین نہ ہوں ہم ان کے مقابلہ میں آپ کی مدد کرنے والے ہیں، یہ لوگ کہتے ہیں کہ عذاب کا یہ وعدہ کب ہے؟ اگر تم اس وعدہ میں سچے ہو (تو بتلا دو) آپ کہہ دیجئے کہ عجب نہیں کہ جس عذاب کی تم جلدی مچا رہے ہو اس کا کچھ حصہ تمہارے قریب ہی آ لگا ہو چنانچہ غزوۂ بدر میں ان کو قتل کا عذاب لاحق ہو گیا اور باقی عذاب موت کے بعد آئے گا یقیناً آپ کا پروردگار لوگوں پر بڑا ہی فضل والا ہے اور کافروں سے عذاب کی تاخیر (اس کے) فضل ہی کا حصہ ہے، لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں چنانچہ کافر وقوع عذاب کے منکر ہونے کی وجہ سے تاخیر عذاب کا شکر ادا نہیں کرتے اور بے شک تیرا رب ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جنہیں ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں اور جنہیں وہ اپنی زبانوں سے ظاہر کر رہے ہیں آسمان اور زمین کی کوئی بھی ایسی پوشیدہ چیز نہیں جو کتاب مبین میں نہ ہو، اور غـائبة میں تا مبالغہ کے لئے ہے یعنی وہ چیز جو لوگوں کے لئے نہایت مخفی ہو، اور کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے، یا علم باری تعالیٰ میں محفوظ ہیں، اور انہیں محفوظ اشیاء میں سے کفار کو سزا دینے کا علم بھی ہے یقیناً یہ قرآن ہمارے نبی ﷺ کے زمانہ میں موجود بنی اسرائیل کو اکثر وہ باتیں بیان کرتا ہے جن میں یہ اختلاف کرتے ہیں یعنی مذکورہ (اختلاف) کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ اگر یہ لوگ اس کو اختیار کریں اور تسلیم کریں تو ان کے آپسی اختلاف کو رفع کر دے اور یہ قرآن یقیناً گمراہی سے ہدایت ہے اور مومنین کے لئے عذاب سے رحمت ہے بلاشبہ آپ کا رب قیامت کے دن دوسروں کے مانند ان کے درمیان بھی اپنے حکم یعنی عدل کے ساتھ فیصلہ کر دے گا وہ غالب ہے اور جس چیز کا فیصلہ کرتا ہے اس کا جاننے والا ہے کسی کو اس کی مخالفت کرنے کی قدرت نہ ہوگی جس طرح کہ دنیا میں کفار نے اس کے انبیاء کی مخالفت کی پس آپ اللہ ہی پر بھروسہ رکھئے بلاشبہ آپ کھلے ہوئے حق پر ہیں یعنی واضح دین پر ہیں، آخر کار کافروں پر فتح آپ ہی کی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں کی مردوں اور بہروں اور اندھوں کی مثالیں بیان کی ہیں، فرمایا بلاشبہ آپ (اپنی) پکار نہ مردوں کو سنا سکتے ہیں اور نہ بہروں کو جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں دُعَـاءَ اِذَا میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کی تسہیل کے ساتھ ہمزہ اور یا کے درمیان اور نہ اندھوں کو ان کی گمراہی سے (بچا کر) رہنمائی فرما سکتے ہیں آپ تو فہم وقبول کا سننا صرف ان ہی لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں پھر وہ فرمانبردار بھی ہوتے ہیں (یعنی) اللہ کی توحید میں مخلص ہوتے ہیں اور جب ان پر وعدہ ثابت ہو جائے گا یعنی عذاب کا وعدہ ثابت ہو جائے گا بایں طور کہ منجملہ کفار کے ان پر (بھی) عذاب نازل ہو جائے گا تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا یعنی اس کے خروج کے وقت جو لوگ موجود ہوں گے عربی میں ان سے باتیں کرے گا وہ ان سے منجملہ اپنے دیگر کلام کے ہماری طرف سے حکایت کرتے ہوئے کہے گا کہ لوگ ہماری باتوں کا یقین نہیں کرتے تھے یعنی کفار مکہ اور ایک قراءت میں انّ کے فتحہ کے ساتھ ہے باکی تقدیر کے

ساتھ تُكَلِّمُهُمْ کے بعد، یعنی قرآن پر یقین نہیں رکھتے تھے جو کہ بعث اور حساب اور عقاب کی (خبروں) پر مشتمل ہے، اور اس کے خروج کے بعد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (کا وقت) ختم ہو جائے گا (اس لئے کہ اس وقت عمل کا کوئی فائدہ نہ ہوگا) (ان کے بعد) کوئی کافر ایمان نہ لائے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف وحی بھیجی، یہ کہ تیری قوم میں سے (اب) کوئی ایمان نہیں لائے گا سوائے ان کے جو ایمان لا چکے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَهُ: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ضمیر کی بجائے الذین موصول ذکر کیا یعنی قَالُوْا ءَاِذَا كُنَّا تُرَابًا کے بجائے قال الذین کفروا فرمایا تاکہ صلہ کے ذریعہ ان کی صفت مذمومہ کفر کی طرف اشارہ ہو جائے اور ان کے قول باطل کی علت کی طرف بھی اشارہ ہے (روح المعانی) ءَاِذَا فعل محذوف کا ظرف ہے جس پر مخرجون دلالت کر رہا ہے، تقدیر عبارت یہ ہے أنخرج اِذَا كُنَّا تُرَابًا ءَ اِذَا کو لَمُخْرَجُوْنَ کا ظرف مقدم قرار دینا درست نہیں ہے اس لئے کہ مابعد کے ماقبل میں عمل کرنے سے تین موانع موجود ہیں، ہمزہ، اِنَّ، لام، ان میں سے ہر ایک اپنے مابعد کے لئے ماقبل میں عمل کرنے سے مانع ہے اور جب تین مانع جمع ہو جائیں تو مابعد کے ماقبل میں عمل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بعض حضرات نے کہا ہے کہ اِنَّ کی خبر جب مقرون باللام ہو تو وہ ماقبل میں عمل کر سکتی ہے جیسے اِنَّ زیدًا طعامكَ لآكلٌ مگر پھر دو مانع باقی رہ جاتے ہیں لہٰذا یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ لمخرجُوْنَ اِذَا کا عامل نہیں ہے بلکہ اس کا عامل محذوف ہے اور وہ ءَ نخرجُ ہے۔

قِوْلَهُ: وَآبَائُنَا اس کا عطف کان کے اسم پر ہے یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ ضمیر مرفوع متصل پر عطف کے لئے ضمیر منفصل کے ذریعہ تاکید ضروری ہوتی ہے مگر یہاں نہیں ہے؟

جَوَابْ: یہاں چونکہ ترابًا خبر کا فصل آ گیا ہے لہٰذا اب تاکید کی ضرورت نہیں رہی اور ءَ اِنَّا میں ہمزہ کی تکرار تاکید و تشدید فی انکار بعث کے لئے ہے۔ (روح)

قِوْلَهُ: قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ یہ امر تہدید کے لئے ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے کہ تم سے پہلی امتوں نے بھی خدا کی طرف رجوع نہیں کیا آخر کار ان کو عذاب میں مبتلا کر دیا گیا اگر تم بھی خدا کی طرف رجوع نہ کرو گے تو تم کو غارت کر دیا جائے گا۔

قِوْلَهُ: اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ میں جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے، حالانکہ مخاطب صرف آنحضرت ﷺ ہیں۔

جَوَابْ: چونکہ بعث بعد الموت وغیرہ کی خبر دینے میں مومنین بھی آپ کے ساتھ شریک تھے اسی لئے مشرکین نے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔

قِوْلَهُ: قُلْ عَسٰى اَنْ يَكُوْن، عَسٰى یہاں یقین کے معنی میں ہے، قاضی نے کہا کہ عسٰی و لعلَّ، سوف ملوک کے مواعید میں جزم کے معنی میں ہوتا ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہوتا ہے کہ ان کا اشارہ غیر کی تصریح کے مثل ہے۔

قِوْلَهُ: رَدِفَ لکُم بعضَ الَّذِیْ رَدِفَ ایسے فعل کے معنی کو متضمن ہے جو متعدی باللام ہو، مثلاً قرب، ردف اس لئے کہ رَدِفَ کا استعمال لام کے صلہ کے ساتھ نہیں ہے اسی وجہ سے شارح نے رَدِفَ کی تفسیر قَرُبَ سے کی ہے۔

قِوْلَهُ: مَا تُکِنُّ یہ اکنانٌ سے مشتق ہے مضارع واحد مؤنث غائب، وہ چھپاتی ہے، یہاں چونکہ اس کا فاعل صُدُوْر جمع مکسر اسم ظاہر ہے اس لئے فعل کو مؤنث لایا گیا ہے۔

قِوْلَهُ: غائبة اگرچہ صفت ہے مگر یہ بغیر موصوف کے کثیر الاستعمال ہے بعض حضرات کے نزدیک یہ صفت سے اسمیت کی طرف منقول نہیں ہے مگر اسمیت غالب ہے جیسا کہ مومن اور کافرٌ میں، لہٰذا اس کی تا تانیث کے لئے نہیں ہے اس لئے کہ اس کا کوئی مؤنث موصوف نہیں ہے کہ یہ اس کی صفت واقع ہو، جیسا کہ رَاوِیَّة کثیر الروایت شخص کو کہتے ہیں، لہٰذا یہ تائے مبالغہ ہے اور بعض حضرات نے اس کو اسمیت کی طرف منقول بھی کیا ہے لہٰذا جو شئ غائب اور مخفی ہو اس کو غائبة کہتے ہیں، اور اس تا کو تائے نقل کہتے ہیں جیسا کہ فاتحة، ذبیحة و نطیحة میں ہے۔

قِوْلَهُ: فی کتاب مبین شارح نے اس کی دو تفسیروں کی طرف اشارہ کیا ہے ایک لوح محفوظ، اور دوسری علم باری تعالیٰ و مکنونٌ میں واؤ بمعنی او ہے یعنی زمین و آسمان کی تمام مخفی اور پوشیدہ چیزیں لوح محفوظ میں ہیں یا اللہ کے علم ازلی میں ہیں اس لئے کہ اظہار اشیاء کا وہ بھی مبدأ ہے۔

قِوْلَهُ: ای ببیان ماذکر جار مجرور یقص کے متعلق ہے اور ما ذُکِرَ سے وہ بات مراد ہے جس میں وہ اکثر اختلاف کرتے ہیں علیٰ وجهٍ ببیان سے متعلق ہے الرافع بیان کی صفت ہے اور لو اخذوا به رافع سے متعلق ہے یعنی قرآن ان کے اختلاف کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ ان کا اختلاف رفع ہو جاتا ہے اگر یہ اس بیان کو تسلیم کریں۔

قِوْلَهُ: اَیْ عَدْلِهٖ، حکمه کی تفسیر عدْلِهٖ سے کر کے مفسر علام نے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے۔

اعتراض: یَقْضِیْ کے بعد بِحُکْمِهٖ لانے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ دونوں ہم معنی ہیں لہٰذا مطلب یہ ہوا یقضی بقضاءه یا یحکم بحکمه۔

جَوَابٌ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حکم سے مراد حکم بالعدل ہے لہٰذا دونوں مترادف نہیں ہیں۔

قِوْلَهُ: فلا یمکن احدًا مخالفتهٗ یہ وھو العزیز پر تفریع ہے بہتر ہوتا کہ مفسر علام اس کو وھو العزیز سے متصل ذکر فرماتے۔

قِوْلَهُ: اِنَّکَ لاتُسْمِعُ الموتیٰ یہ آیت کفار کے بارے میں آپ ﷺ کی امید ہدایت کو قطع کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے، کافروں کو مردوں کے ساتھ تشبیہ دینا یہ امید ہدایت کو قطع کرنے کے لئے ہے یعنی جس طرح مردوں سے کسی چیز کی توقع نہیں رہتی کفار بھی اپنے قلوب کے اعتبار سے مردے ہیں اس لئے کہ ان کے قلوب پر مہر لگ چکی ہے جس کی وجہ سے نہ کفر باہر آ سکتا ہے اور نہ ایمان اندر داخل ہو سکتا ہے (یہاں مردوں کے سماع یا عدم سماع کا مسئلہ نہیں ہے اس سے مردوں کے عدم سماع پر استدلال صحیح نہیں ہے)۔

قولہ: وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ یعنی ایک تو بہرا اور پھر اس نے پیٹھ بھی پھیر لی جس کی وجہ سے ہدایت کا امکان بالکلیہ مفقود ہو گیا، اس لئے کہ نفس سماع کی امید تو بہرا ہونے کی وجہ سے منقطع ہو گئی مگر بہرا بھی کبھی اشارہ سے بات سمجھ لیتا ہے مگر جب بہرے نے اپنا رخ موڑ لیا تو اشارہ سے سمجھنے کی امید بھی منقطع ہو گئی۔

قولہ: بِهَادِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلَالَتِهِمْ، هداية کا صلہ عن استعمال نہیں ہوتا، یہاں چونکہ ہدایت صرف کے معنی کو متضمن ہے اس لئے اس کا صلہ عن لانا درست ہے۔

قولہ: حَقَّ العذاب الخ وَقَعَ الْقَوْلُ کی تفسیر ہے۔

قولہ: اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انتقال کے بعد ایک عجیب الخلقة جانور کوہ صفا سے نکلے گا اور بعض حضرات نے حجر اور طائف کو مقام خروج بتایا ہے وہ لوگوں سے عربی میں کلام کرے گا، منجملہ دیگر کلام کے کچھ باتیں وہ نیابةً عن اللہ بطور نقل حکایت کے بھی کہے گا مثلاً اس کا یہ مقولہ اِنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِآيَاتِنَا لایوقنون، نیابةً عن اللہ کہے گا۔

تفسیر و تشریح

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا یعنی جب ان کافروں سے آخرت میں حساب و کتاب کے بارے میں کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ان باتوں میں کوئی حقیقت نہیں ہے، بس یہ سنی سنائی باتیں ہیں جو پہلوں سے منقول چلی آرہی ہیں۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ یہ کافروں کے مذکورہ قول کا جواب ہے کہ ذرا چل پھر کر دیکھو تمہیں ان کے کھنڈرات اور خرابات اور نشانات دیکھ کر معلوم ہو جائے گا کہ سابقہ نافرمان اور رسولوں کی تکذیب کرنے والی قومیں عذاب الٰہی سے نافرمانی کی پاداش میں ہلاک و برباد کی جا چکی ہیں، جو پیغمبروں کی صداقت کی دلیل ہے وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ (الآیة) یہ آنحضرت ﷺ کو تسلی ہے کہ آپ ان کے ایمان نہ لانے اور کفر پر اصرار سے غمگین نہ ہوں اور نہ ان کے مکر سے اندیشہ کریں اللہ آپ کی حفاظت کرنے والے ہیں وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ یہ آپ سے معلوم کرتے ہیں کہ عذاب کا وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو تو بتلاؤ؟ آپ جواب دیجئے کہ ان میں کی بعض چیزیں جن کی تم جلدی مچا رہے ہو شاید تم سے بہت ہی قریب آ لگی ہوں اس سے مراد جنگ بدر کا وہ عذاب ہے جو قتل و اسیری کی شکل میں کافروں پر آ پڑا یا پھر عذاب قبر مراد ہے، دونوں بھی مراد ہو سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا عاصی اور باغی بندوں پر فوری گرفت نہ کرنا یہ بھی اللہ کا فضل و کرم ہے اس پر بھی اس کا شکر ادا ہونا چاہئے مگر چونکہ کافروں کے ذہن میں بعث بعد الموت اور روز جزاء و سزا کا کوئی تصور ہی نہیں ہے اس لئے ان کو اس کا کوئی خوف بھی نہیں ہے۔

ای شئ فی غاية الخفاء یہ غائبةٍ کی تفسیر ہے ای وَمَا مِنْ شئٍ غائبٍ غاية الخفاء انتہائی پوشیدہ، شدت کے معنی تاء مبالغہ سے ماخوذ ہیں جیسا کہ عَلَّامَةٌ میں۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اكثر، الَّذِيْ هم فيه يختلفون، یہ قرآن، بنی اسرائیل جن باتوں میں

اختلاف کرتے ہیں اکثر کو بیان کرتا ہے۔

جَوَاب: قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے وَلَا رَطْبٍ وَلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتَابٍ مُّبِیْنٍ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چھوٹی بڑی چیز قرآن میں موجود ہے اور مذکورہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن اکثر کو بیان کرتا ہے۔

جَوَاب: قرآن ہر شی کو بیان کرتا ہے لیکن اکثر کو صراحت کے ساتھ اور اقل کو رمز اور اشارہ کے ساتھ لہٰذا اب کوئی تعارض نہیں۔

منجملہ ان باتوں کے جن میں اہل کتاب باہم اختلاف کرتے تھے جس کی وجہ سے مختلف فرقوں میں تقسیم ہوگئے تھے حتی کہ ان کے عقائد میں بھی شدید اختلاف تھا یہود حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی تنقیص وتوہین کرتے تھے اور عیسائی ان کی شان میں غلو، حتی کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو اللہ، یا اللہ کا بیٹا قرار دیدیا، قرآن کریم نے ان کے حوالہ سے ایسی باتیں بیان فرمائیں، جن سے حق واضح ہوجاتا ہے، اور اگر وہ قرآن کے بیان کردہ حقائق کو مان لیں تو ان کے عقائدی اختلاف ختم ہوکر تفرق اور انتشار ختم ہوجائے۔

اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یعنی اللہ قیامت کے دن ان کے درمیان عادلانہ فیصلہ کرکے حق وباطل کو ممتاز کردے گا اور اسی کے مطابق جزاء وسزا کا اہتمام فرمائے گا۔

فَتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ اس آیت میں آپ کو اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کرنے اور دشمنان دین کی پرواہ نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی دو علتیں بیان فرمائی ہیں اول یہ کہ آپ دین حق پر ہیں لہٰذا صاحب حق اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ خدا پر اعتماد اور بھروسہ کرے۔

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی (الآیة) اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کرنے اور کافروں کی پرواہ نہ کرنے کی یہ دوسری علت ہے یعنی یہ لوگ مردے ہیں جو کسی کی بات کو سن کر فائدہ نہیں اٹھا سکتے یا بہرے ہیں جو نہ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ یہ اس عذاب کا بقیہ ہوگا جس کی طرف سابق میں اشارہ کیا گیا ہے اس کا کچھ حصہ جنگ بدر میں واقع ہوچکا اور یہ آخری زمانہ میں ہوگا اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً یہ وہی دابۃ ہے جو قرب قیامت کی علامات میں سے ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو ان میں ایک جانور کا نکلنا ہے'' (صحیح مسلم کتاب الفتن) دوسری روایت میں ہے کہ سب سے پہلی نشانی سورج کا مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہونا ہے اور چاشت کے وقت جانور کا نکلنا یہ دونوں نشانیاں یکے بعد دیگرے پے درپے ظاہر ہوں گی۔ (صحیح مسلم باب فی خروج الدجال ومکثہ فی الارض)

وَ اذْكُرْ **یَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا** جَمَاعَةً **مِّمَّنْ یُّكَذِّبُ بِاٰیٰتِنَا** وَهُمْ رُؤَسَاؤُهُمُ الْمَتْبُوْعُوْنَ **فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ** اَیْ یُجْمَعُوْنَ بِرَدِّ اٰخِرِهِمْ اِلٰی اَوَّلِهِمْ ثُمَّ یُسَاقُوْنَ **حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوْ** مَكَانَ الْحِسَابِ **قَالَ** تَعَالٰی لَهُمْ **اَكَذَّبْتُمْ** اَنْبِیَائِیْ **بِاٰیٰتِیْ وَلَمْ تُحِیْطُوْا** مِنْ جِهَةِ تَكْذِیْبِهِمْ **بِهَا عِلْمًا اَمَّا** فِیْهِ اِدْغَامُ اَمْ فِیْ مَا الْاِسْتِفْهَامِیَّةِ **ذَا** مَوْصُوْلٌ اَیْ مَا الَّذِیْ **كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ** مِمَّا اُمِرْتُمْ **وَوَقَعَ الْقَوْلُ** حَقَّ الْعَذَابِ **عَلَیْهِمْ**

بِمَا ظَلَمُوْا اى اَشْرَكُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾ إذْ لَا حُجَّةَ لَهم اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا خَلَقْنا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ كَغَيْرِهِم وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا بمعنى يُبْصَرُ فيه ليَتَصَرَّفُوا فيه اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ دَلَالَاتٍ عَلىٰ قُدْرَتِهٖ تعالىٰ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۶﴾ خُصُّوا بالذِّكْرِ لِانْتِفَاعِهم بها فى الإيمان بخلافِ الكافِرِين وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ القَرْنِ النَّفْخَةُ الأولى مِن إسْرَافِيلَ فَفَزِعَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ اى خَافُوا الخَوفَ المُفْضِىَ الى المَوتِ كما فى آيةٍ أُخرىٰ فَصَعِقَ والتَّعْبيرُ فيه بالمَاضِى لِتَحقُّقِ وُقُوعِهِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ اى جِبْرَئِيلَ ومِيكَائِيلَ وإسْرَافِيلَ وعَزْرَائِيلَ وعَنْ ابنِ عَبَّاسٍ رضى الله عنهما هم الشُّهَدَاءُ اذ هُم اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهم يُرْزَقُوْنَ وَكُلٌّ تَنْوِينُهُ عِوَضٌ عَنِ المُضَافِ اِليه اى كُلُّهم بَعْدَ اِحيَائِهِم يَوْمَ القِيٰمَةِ اَتَوْهُ بِصِيغَةِ الفِعْلِ واسْمِ الفَاعِلِ دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾ صَاغِرِيْنَ والتَّعبيرُ فى الاِتيانِ بالمَاضِى لتَحقُّقِ وُقُوعِهِ وَتَرَى الْجِبَالَ تُبْصِرُها وَقْتَ النفخةِ تَحْسَبُهَا تَظُنُّهَا جَامِدَةً وَاقِفَةً مَكَانَها لِعظمِها وَّهِىَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ المَطَرِ إذا ضَرَبَتْهُ الرِّيحُ اى تَسِيرُ سَيْرَهُ حَتّٰى تَقَعَ عَلَى الاَرْضِ فَتَسْتَوِى بها مَبْثُوثَةً ثُمَّ تَصِيرُ كَالعِهْنِ ثم تَصِيرُ هَبَاءً مَنْثُورًا صُنْعَ اللّٰهِ مَصْدَرٌ مُؤَكِّدٌ لِمَضْمُونِ الجُمْلَةِ قَبْلَهُ أُضِيفَ الى فَاعِلِهِ بَعْدَ حَذْفِ عَامِلِهِ اى صَنَعَ اللّٰهُ ذٰلك صُنْعًا الَّذِىْۤ اَتْقَنَ اَحْكَمَ كُلَّ شَىْءٍ صَنَعَهُ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ باليَاءِ والتَّاءِ اى اَعْدَاؤُهُ مِن المَعْصِيَةِ وَاَوْلِيَاؤُهُ مِنَ الطَّاعَةِ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ اى لا اله الا الله يوم القيٰمة فَلَهٗ خَيْرٌ ثوابٌ مِّنْهَا اى بِسَبَبِهَا ولَيْسَ لِلتَّفْضِيلِ، إذْ لَا فِعْلَ خَيْرٌ مِنهَا وفى آيةٍ أُخرىٰ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَهُمْ اى الجَاؤُنَ بها مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ بالإضَافَةِ وكَسْرِ المِيْمِ وبِفَتْحِهَا وفَزَعٍ مُنَوَّنًا وفتحِ المِيمِ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ اى الشِّرْكِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِى النَّارِ بِاَنْ وَلِيَتْهَا وذُكِرَتِ الوُجُوهُ لانها مَوْضِعُ الشَّرَفِ مِنَ الحَوَاسِّ فغَيْرُهَا مِنْ بَابِ اَوْلىٰ ويُقَالُ لهم تَبْكِيْتًا هَلْ اى ما تُجْزَوْنَ اِلَّا جَزَاءَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾ مِنَ الشِّرْكِ والمَعَاصِى قُلْ لهم اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ اى مَكَّةَ الَّذِىْ حَرَّمَهَا اى جَعَلَهَا حَرَمًا آمِنًا لا يُسْفَكُ فيها دَمُ اِنْسَانٍ ولا يُظْلَمُ فيها اَحَدٌ ولا يُصَادُ صَيْدُهَا ولا يُخْتَلىٰ خَلَاهَا وذٰلِكَ مِنَ النِّعَمِ على قُرَيْشٍ اَهْلِهَا فى رَفْعِ اللّٰهِ عَنْ بَلَدِهِم العَذَابَ والفِتَنَ الشَّائِعَةَ فى جَمِيعِ بِلَادِ العَرَبِ وَلَهٗ تعالىٰ كُلُّ شَىْءٍ فهو رَبُّه وخَالِقُهُ ومَالِكُهُ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ لِلّٰهِ بتَوحِيدِهِ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ عَلَيكم تِلَاوَةَ الدَّعْوَةِ اِلَى الإيمانِ فَمَنِ اهْتَدٰى له فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ اى لِاَجْلِهَا لِاَنَّ ثَوَابَ اِهْتِدَائِهِ له وَمَنْ ضَلَّ عَنِ الإيمانِ وَاَخْطَأَ طَرِيقَ الهُدىٰ فَقُلْ له اِنَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ المُخَوِّفِينَ فَلَيْسَ عَلَىَّ الا التَّبْلِيغُ وهٰذا قَبْلَ الاَمْرِ بالقِتَالِ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا فَاَرَاهُم اللّٰهُ يَوْمَ بَدْرٍ القَتْلَ والسَّبْىَ وضَرْبَ المَلَائِكَةِ وُجُوهَهُم واَدْبَارَهُم وعَجَّلَهُم

اللہ الی النَّارِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ بالیاء والتاء وانما یُمهِلُهم لِوَقْتِهم.

ترجمہ: اس دن کو یاد کرو جس دن ہم ہرامت میں سے ایک ایک گروہ ان لوگوں کا جمع کریں گے جو میری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے اور وہ ان کے رؤساء مقتدیٰ ہوں گے ان کو روکا جائے گا یعنی آگے پیچھے سے روکا جائے گا پھر ان کو ہانکا جائے گا یہاں تک کہ جب وہ مقام حساب میں پہنچ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کیا تم نے میرے انبیاء کو میری آیتوں کے ساتھ جھٹلایا تھا حال یہ ہے کہ تم نے ان کی تکذیب کی جہت کا علمی احاطہ نہیں کیا أمَّـا میں اَمْ کو مـا استفہامیہ میں ادغام کر دیا ذَا موصول ہے ای مـا الـذی اور جن کاموں کا تم کو حکم دیا گیا تھا ان میں سے تم نے کیا کیا کام کئے؟ اور ان کے ظلم یعنی شرک کرنے کی وجہ سے ان پر عذاب کا حکم ثابت ہو گیا اب وہ خاموش ہیں اس لئے کہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے کیا یہ دیکھ نہیں رہے ہیں کہ ہم نے رات کو (تاریک) بنایا؟ یعنی پیدا کیا تاکہ دوسروں کے مانند یہ بھی اس میں سکون حاصل کریں اور دن کو دیکھنے والا (بنایا) یعنی ایسا بنایا کہ اس میں نظر آسکے تاکہ اس میں کام کاج کریں یقیناً اس میں خدا کی قدرت پر نشانیاں (دلائل) ہیں ایمان والوں کے لئے (مومنین) کا خاص طور پر اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ دلائل قدرت سے اہل ایمان ہی فائدہ اٹھاتے ہیں نہ کہ کافر، جس دن صور پھونکا جائے گا یعنی سینگ میں، یہ اسرافیل علیہ الصلاۃ والسلام کا پہلا صور ہوگا تو زمین وآسمان والے گھبرا اٹھیں گے یعنی اس قدر گھبرا جائیں گے کہ اس کا انجام موت ہوگا جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فَصَعِقَ ہے اور ماضی کے صیغہ سے تعبیر یقینی الوقوع ہونے کی وجہ سے ہے مگر جس کو اللہ چاہے (وہ نہیں گھبرائے گا) جیسے جبرائیل ومیکائیل واسرافیل وعزرائیل علیہم السلام اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ وہ شہداء ہیں، اس لئے کہ وہ زندہ ہیں ان کو ان کے رب کے حضور رزق عطا کیا جاتا ہے اور سب کے سب عاجز و (پست) ہو کر اس کے روبرو حاضر ہوں گے کُلٌّ کی تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے ای کُلُّهم بَعْدَ اِحْیَائِهِمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَتَوْهُ، اَتَوْهُ میں فعل اور اسم فاعل دونوں درست ہیں دَاخِرِیْنَ کے معنی صاغرین یعنی ذلیل و پست ہو کر، مذکورہ باتوں کے وقوع کے یقینی ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کیا ہے جن پہاڑوں کو آپ جمے ہوئے یعنی اپنی جگہ پر ان کے عظیم ہونے کی وجہ سے قائم (اٹل) سمجھتے ہیں تو ان کو بھی آپ نفخہ اولیٰ کے وقت دیکھیں گے کہ وہ ابر باراں یعنی بارش کی طرح اڑتے پھر رہے ہیں گویا کہ ہوا ان کو اڑائے پھر رہی ہے یعنی تیزی کے ساتھ چلا رہی ہے حتی کہ زمین پر گر پڑیں گے اور پراگندہ ہو کر زمین کے ہم سطح ہو جائیں گے پھر دھنی ہوئی اون کے مانند ہو جائیں گے پھر اڑتا ہوا غبار ہو جائیں گے یہ ہے صنعت اس اللہ کی صُـنْـعَ مصدر ہے اپنے سے سابق جملہ کے مضمون کی تاکید کر رہا ہے، جس کی اضافت اپنے فاعل کی طرف کی گئی ہے، مصدر کے عامل کے حذف کرنے کے بعد (تقدیر عبارت یہ ہے) صَنَعَ اللّٰهُ ذٰلِكَ صُنْعًا جس نے اپنے ہر مصنوع کو مضبوط بنایا بلاشبہ جو کچھ تم کرتے ہو وہ اس سے بخوبی واقف ہے یا اور تا کے ساتھ یعنی اس کے دشمن جو معصیت اور اس کے اولیاء جو اطاعت کرتے ہیں (اس سے واقف ہے) جو شخص قیامت کے دن نیک عمل یعنی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه لے کر آئے گا

اس کو اس کا بہتر ثواب ملے گا یعنی اس نیکی کی وجہ سے خیرٌ اسم تفضیل کے معنی میں نہیں ہے اس لئے کہ کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ سے بہتر کوئی عمل نہیں ہے اور دوسری آیت میں ہے کہ اس سے دس گنا زیادہ ملے گا اور وہ یعنی اس نیکی کے کرنے والے اس دن کے خوف سے مامون ہوں گے اضافت اور کسرۂ میم اور فتحہ میم کے ساتھ اور فَـزَعٍ تنوین کے ساتھ اور میم کے فتحہ کے ساتھ (بھی ایک قراءت ہے) اور جو شخص سَیِّـئَۃ (بدی) یعنی شرک لے کر آئے گا وہ اوندھے منہ آگ میں جھونک دیا جائے گا، اس طریقہ سے کہ چہروں کو آگ کے حوالہ کردیا جائے گا، اس لئے کہ چہرہ (حواس خمسہ) میں سے اشرف کا مقام ہے، لہٰذا چہرہ کے علاوہ بطریق اولیٰ (مستحق نار ہوگا) اور ان کو لاجواب کرنے کے لئے ان سے کہا جائے گا کہ تم کو صرف انہیں اعمال (یعنی شرک ومعاصی) کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے تھے آپ ان سے کہئے کہ مجھے تو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر مکہ کے پروردگار کی عبادت کرتا رہوں جس نے اس کو محترم بنایا ہے یعنی مکہ کو محترم اور امن والا بنایا نہ اس میں کسی انسان کا خون بہایا جا سکتا ہے اور نہ اس میں کسی پر ظلم کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کے شکار (جانور) کا شکار کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کی (ہری) گھاس کو اکھاڑا جا سکتا ہے اور یہ انعامات ہیں قریش پر جو اس کے باشندے ہیں، اللہ کے ان کے شہر سے عذاب اور تمام بلاد عرب میں پھیلے ہوئے فتنوں کے اٹھا لینے کی وجہ سے اور اسی کی ملکیت میں ہر شئ ہے پس وہی اس کا رب اور خالق و مالک ہے اور مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں اس کی توحید کے ساتھ اس کے فرمانبرداروں میں رہوں (اور مجھے اس بات کا بھی حکم دیا گیا ہے) کہ میں تم کو دعوت الی الایمان کے طور پر قرآن پڑھ کر سناتا رہوں چنانچہ جو ایمان کی راہ اختیار کرے گا تو وہ اپنے ہی لئے راہ اختیار کرے گا اس لئے کہ اس کے ایمان کی راہ اختیار کرنے کا ثواب اسی کو ملے گا اور جو ایمان سے بہک جائے گا اور ہدایت کے راستہ سے بھٹک جائے گا تو اس سے کہہ دو میں تو صرف ڈرانے والا ہوں یعنی خوف دلانے والا ہوں میرے ذمہ تو صرف (پیغام) پہنچا دینا ہے اور یہ (حکم) جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے اور آپ کہہ دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے سزاوار ہیں وہ عنقریب تم کو اپنی نشانیاں دکھائے گا جنہیں تم خود پہچان لوگے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بدر کے دن قتل اور قید اور ملائکہ کا ان کے چہروں اور ان کے سرینوں پر مارنا دکھا دیا اور بعجلت اللہ ان کو جہنم میں لے گیا اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے آپ کا رب غافل نہیں ہے یا اور تا کے ساتھ، ان کو صرف وقت پورا ہونے تک مہلت دینا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَيَـوْمَ نَـحْشُـرُ مِـنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِمَّنْ يُكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا عمومی حشر کے بعد یہ خصوصی حشر توبیخی ہوگا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ میں مِنْ تبعیضیہ ہے اور مِـمَّـنْ يُكَذِّبُ میں مِنْ بیانیہ ہے اس کا مبیَّن فَـوْجًا ہے فوج اگرچہ تیزی سے حرکت کرنے والی جماعت کو کہتے ہیں مگر یہاں مطلق جماعت کے معنی میں ہے اور جماعت سے ہر امت کے رؤساء کی جماعت مراد ہے۔

قَوْلُہٗ: بِـرَدِّ آخِرِهِم اِلٰى اَوَّلِهِم اگر شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی بِـرَدِّ اَوَّلِهِـمْ علٰى آخِرِهِـمْ فرماتے تو زیادہ مناسب ہوتا یعنی

آگے جانے والوں کو روکا جائے گا تا کہ پیچھے والے بھی ان کے ساتھ ہو جائیں اور ایک ساتھ ہو کر چلیں۔ (صاوی)

قَوْلُہٗ: اَكَذَّبْتُمْ انبيائى بِآيَاتِيْ یہ استفہام توبیخ کے لئے ہے یعنی تم نے میری آیات کی کیوں تکذیب کی؟ بِآياتی كَذَّبْتُمْ کا مفعول اور با تعدیہ کے لئے ہے یعنی تم نے میری آیتوں کی کیوں تکذیب کی؟ مفسر علام نے كَذَّبْتُمْ کا مفعول انبیائی کو مقدر مانا ہے حالانکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس کی وجہ سے بلا وجہ تکلف کرنا پڑے گا۔

قَوْلُہٗ: ولم تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا یہ جملہ كَذَّبْتُمْ کی ضمیر سے حال ہے اور سابق انکار و تکذیب کی تاکید ہے یعنی تم نے میری آیات کا بغیر غور و فکر اور بغیر سوچے سمجھے انکار کر دیا جو مواخذہ کا اہم سبب ہے۔

قَوْلُہٗ: اَمَّا ذَا كُنْتُمْ تعمَلُوْنَ اس کی تقدیر عبارت یہ ہے اَیُّ الشَّیْئِ الذی کنتم تعملونہٗ مَا استفہامیہ بمعنی ایُّ شئ مبتداء ذَا موصول بمعنی الذی کنتم تعملونہٗ جملہ ہو کر صلہ موصول صلہ سے مل کر مَا مبتداء کی خبر، یعنی یہ بھی بتاؤ کہ تم کیا کرتے رہے کہ تم کو میری آیات میں غور و فکر کرنے کا موقع ہی نہیں ملا؟

قَوْلُہٗ: وَقَعَ القَوْلُ ای قَرُب وقوعُه یقینی الوقوع ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے، وَجَعَلْنَا اللیلَ کے بعد مُظلمًا محذوف ہے اور قرینہ وَالنَّهَارَ مُبصرًا ہے، جس طرح کہ لِیَسکنُوْا فیه پر قیاس کرتے ہوئے وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا سے لیتصرّفوا فیه کو حذف کر دیا گیا ہے، اس کو صنعت احتباک کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: فَـفَـزِعَ (الآیة) نفخہ اولیٰ کو نفخۂ فزع کہتے ہیں اور اسی کو نفخہ صعق بھی کہا جاتا ہے، سورۂ زمر میں نفخہ اولیٰ کو صعق کہا گیا ہے صعق کے معنی ایسی بے ہوشی کے ہیں کہ جس سے موت واقع ہو جائے نفخہ اولیٰ کے وقت اولاً تمام حیوانات پر بے ہوشی طاری ہو جائے گی اس کے بعد موت واقع ہو جائے گی سوائے ان کے کہ جن کو اللہ نے مستثنیٰ کیا ہے اور نفخہ ثانیہ کے بعد ہر مردہ زندہ ہو اٹھے گا، اور دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہوگا، بعض حضرات نے تین نفخوں کو بیان کیا ہے ① نفخہ زلزلہ جس کی وجہ سے زمین میں زبردست زلزلہ پیدا ہوگا پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے ② نفخہ موت اور ③ نفخہ حیات، مگر یہ روایت ضعیف ہے صحیح حدیث سے صرف دو نفخوں کا پتہ چلتا ہے۔

قَوْلُہٗ: تمرّ مرَّ السَّحَابِ، المطر مفسر علام نے سحاب کی تفسیر مطر سے فرمائی ہے، یہ تفسیر نہ لغت کے موافق ہے اور نہ عقل و نقل کے سحاب سے اس کے ظاہری معنی ہی مراد ہیں۔

قَوْلُہٗ: مؤكدٌ لمضمون الجملةِ قبلهٗ اس کا مطلب یہ ہے کہ صُنْعَ اللّٰهِ ماقبل کے جملہ کے مضمون کی تاکید ہے یعنی نفخ صور اور فزع پھر موت اور پھر پہاڑوں کا ریگ رواں کی طرح اڑتے پھرنا یہ سب اللہ تعالیٰ کی صنعت ہے۔

قَوْلُہٗ: بالاضافة یعنی فزع کی یوم کی طرف اضافت کے ساتھ یوم کے میم پر مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے کسرہ ہوگا، اور یوم مفتوح بھی ہو سکتا ہے مبنی بر فتحہ ہونے کی وجہ سے اس لئے کہ یوم اذ کی طرف مضاف ہے جو کہ مبنی الاصل ہے، گویا کہ یوم کے میم میں دو قراءتیں ہیں میم کا کسرہ اور فتحہ۔

قَوْلُہٗ: وفزعٍ مُنَوّنًا اس کا عطف اضافة پر ہے یعنی یوم کو اضافت کے ساتھ بھی پڑھ سکتے ہیں اور بغیر اضافت کے بھی

اضافت کے ساتھ پڑھنے میں یوم کے میم میں کسرہ اور فتحہ دونوں درست ہیں اور عدم اضافت کی صورت میں میم پر صرف فتحہ ہی درست ہے۔

قِوْلِہٗ: موضع الشرف من الحواس حواس خمسہ باطنہ تو کل کے کل سر ہی میں ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے، دماغ نرم اور متخلل مخروطی یعنی مثلث شکل کا ایک جرم ہے اس کے تین حصہ ہیں جن کو بطون کہتے ہیں ① بطن مؤخر زاویہ حادہ کی طرف ہے اور ② بطن اوسط، دونوں کے درمیان میں ہے، ③ بطن مقدم سب سے بڑا ہے، اور یہی حس مشترک اور قوت خیال کا مقام ہے بطن مؤخر جو گدی کی طرف بہ نسبت مقدم کے چھوٹا ہے، اور یہ قوۃ حافظہ کا مقام ہے بطن اوسط سب سے چھوٹا ہے اور قوت متصرفہ اور قوت واہمہ کا مقام ہے (کاتونچہ ترجمہ قانونچہ) اور حواس خمسہ ظاہرہ میں سے سوائے قوۃ لامسہ کے بقیہ چار سر ہی میں ہیں ① قوۃ باصرہ ② قوۃ سامعہ ③ قوۃ شامہ ④ قوۃ ذائقہ۔ البتہ پانچویں قوۃ لامسہ یہ پورے بدن میں عام ہے قوۃ لامسہ تمام قوتوں میں سب سے زیادہ بلید حس ہے جب تک اس سے مس نہ ہو احساس نہیں کر سکتی۔

قِوْلِہٗ: فقل له انما انا من المنذرين یہ جملہ مَنْ ضَلَّ کی جزاء ہے اور لَهٗ رابطہ ہے۔

تفسیر و تشریح

يَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا (الآیۃ) اعمال اور عقائد کے اعتبار سے انسانوں کے مختلف گروہ بنا دیئے جائیں گے ہر درجہ کے مجرم الگ الگ جماعتوں میں ہوں گے مذکورہ مطلب اس صورت میں ہوگا جبکہ یُوْزَعونَ کو ایزاع سے مانا جائے ایزاع کے معنی ہیں تقسیم کرنا یقال اَوْزَعَ المالَ مال تقسیم کیا اور اگر وَزْعٌ سے مضارع مجہول مانا جائے تو اس کے معنی ہوں گے جمع کرنا منتشر نہ ہونے دینا یعنی آگے والوں کو زیادہ آگے نہ بڑھنے دینا اور پیچھے والوں کو زیادہ پیچھے نہ رہنے دینا، علامہ محلی نے یہی معنی مراد لئے ہیں حتىٰ إِذا جاء و جب موقف میں سب حاضر ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے کہ تم نے میری توحید اور دعوت کے دلائل سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی اور بغیر سوچے سمجھے میری آیتوں کو جھٹلاتے رہے، یعنی اگر سوچنے سمجھنے کی کوشش کرتے اور فکر و تدبر سے کام لیتے اس کے بعد آیتوں کی تکذیب کرتے اور پھر حق تک رسائی نہ ہوتی تو قدرے عذر کی بات ہو سکتی تھی مگر تم نے تو سرے سے غور و فکر ہی نہیں کیا لہٰذا تم دہرے مجرم ہو جس کی وجہ سے اس جرم کی پاداش سے بچ نہیں سکتے۔

اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہ یہ استثناء فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ سے ہے مطلب یہ ہے کہ کچھ نفوس ایسے بھی ہوں گے کہ جن پر حشر کے وقت کوئی گھبراہٹ نہیں ہوگی، یہ کون نفوس ہوں گے؟ مفسر علام نے چاروں فرشتے اور حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا کے حوالہ سے شہداء مراد لئے ہیں، ابو ہریرہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اور سعید بن جبیر رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے سعید بن جبیر رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ فرماتے ہیں کہ ان سے شہداء مراد ہیں جو حشر کے وقت اپنی تلواریں باندھے عرش کے گرد جمع ہوں گے، قشیری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے فرمایا کہ انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَام اس میں بدرجہ اولیٰ شامل ہوں گے سورۂ نمل میں فَـزِعَ کے

بجائے صَعِقَ کالفظ آیا ہے وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰہُ صعق کے معنی بے ہوش ہونے کے ہیں اور مراد اولاً بے ہوش ہو جانا اور پھر مر جانا ہے۔

وَتَرَی الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وهِیَ تَمرُّ مَرَّ السَّحَابِ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے اکھڑ کر اس طرح چلیں گے جیسا کہ گھنا محیط بادل کہ دیکھنے والا ان کو جما ہوا سمجھتا ہے حالانکہ وہ تیزی سے چل رہے ہوتے ہیں، مفسر علام نے واقفة مكانَهَا لِعظمها سے اسی مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے، دوسرا مطلب یہ ہے کہ اے مخاطب جن پہاڑوں کو تو اس وقت بڑی مضبوطی کے ساتھ جما ہوا دیکھ رہا ہے جن کے بارے میں اپنی جگہ سے اکھڑنے اور چلنے کا تصور بھی نہیں ہوتا یہی پہاڑ قیامت کے دن روئی کے گالوں کی طرح اڑے پھریں گے۔

هٰذِهِ البلدة بلدة سے مراد مکہ ہے، اس کا بطور خاص اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ اسی میں بیت اللہ ہے اور یہی آپ ﷺ کو بھی سب سے زیادہ محبوب تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کو حرمت والا بنایا مطلب یہ کہ اس میں خون ریزی کرنا، ظلم کرنا، شکار کرنا، درخت کاٹنا، ہری گھاس اکھاڑنا، حتی کہ کانٹا توڑنا بھی منع ہے۔

(بخاری کتاب الجنائز، مسلم کتاب الحج، باب تحریم مكة وصيدها)

سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ القَصَصِ مَكِّيَّةٌ الا اِن الَّذى فَرَضَ الاٰيةِ نزلت بالجُحفة والا اَلذِين اٰتَيْناهُم الكتٰبَ الٰى لا نَبْتَغِى الجَاهِلِيْنَ وهى سَبْعٌ اَو ثمان وثمانُونَ اٰيةً.

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بذٰلكَ تِلْكَ اى هٰذه الأيات اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الاِضافةُ بمعنٰى مِن الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ المُظهِر الحقَّ مِن البَاطِلِ نَتْلُوْا نقصُّ عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ خبرِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ بالصِّدقِ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳﴾ لاَجلِهم لاَنَّهُمُ المُنتَفِعُونَ به اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا تَعَظَّمَ فِى الْاَرْضِ اَرضِ مِصر وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا فِرقا فى خِدمتِه يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ وهُمْ بَنُو اسرائيل يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ المَولُوْدِيْنَ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ط يَستَبقِيهِنَّ اَحياءً لقولِ بَعضِ الكَهَنَةِ له اِنَّ مولودا يُولد فِى بنى اِسرائيل يَكونُ سببَ ذِهابِ مُلكِكَ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴﴾ بالقَتلِ وغيره وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً بتحقيق الهمزتين وابدال الثانية ياءً يُقتَدٰى بهم فى الخير وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵﴾ مُلكَ فِرعَونَ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ اَرضِ مِصرَ والشام وَنُرِىَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا وفى قِراءةٍ ويَرٰى بفتح التحتانية والراء و رَفعِ الاسماء الثلثة مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ﴿۶﴾ يَخافون من المولودِ الذى يذهب مُلكهم على يديه وَاَوْحَيْنَآ وَحىَ الهام او منام اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى وهو المولودُ المذكورُ ولم يشعُر بوِلادَتِهٖ غيرُ اختِه اَنْ اَرْضِعِيْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ اى يَخافون من البحر اى النِّيل وَلَا تَخَافِىْ غَرقَه وَلَا تَحْزَنِىْ لِفراقه اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷﴾ فارضَعتْه ثلثةَ اشهُرٍ لايَبكى وخافتْ عليه فوضعتْه فى تابوتٍ مُطلِىٍّ بِالْقَارِ من داخل مُمَهِّدٍ له فيه واَغلَقَته واَلقَتْه فى بحر النِّيل لَيلا فَالْتَقَطَهٗ بالتابوت صبيحَةَ اللَّيلِ اٰلُ اعوانُ فِرْعَوْنَ فوضَعوه بين يَدَيْهِ وفتح واخرج موسٰى منه وهو يمصُّ من اِبهامه لَبَنا لِيَكُوْنَ لَهُمْ اى فى عاقبةِ الامرِ عَدُوًّا يقتل رجالَهم وَّحَزَنًا ط يَستَعبد نساءَ هُم وفى قراءة

بضم الخاء وسكون الزاي لغتان في المصدر وهو هنا بمعنى اسم الفاعلِ من حزنه كاحزنه **اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ** وزيره **وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِئِيْنَ** من الخطيئةِ اي عاصين فعوقبوا على يده **وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ** وقد هَمَّ مع اعوانِه بقتله هو **قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ لَا تَقْتُلُوْهُ عَسٰى اَنْ يَّنْفَعَنَا اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا** فاطاعوها **وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ** بعاقبةِ امرِهم معه **وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى** لَمّا عَلِمت بالتِقاطِه **فٰرِغًا** مِمّا سِوَاه **اِنْ** مُخففة من الثقيلةِ واسمُها محذوف اي انها **كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ** اي بانه ابنُها **لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا** بالصبرِ اي سَكَّنّاه **لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ** المُصدقين بوعدِ اللهِ وجواب لولا دَل عليه مَا قبلَها **وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ** مريمَ **قُصِّيْهِ** اتبعي اِثره حتى تعلمي خَبَرَه **فَبَصُرَتْ بِهٖ** اي ابصرته **عَنْ جُنُبٍ** من مكان بعيد اختلاسًا **وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ** انها اُختُه وانها ترقُبُه **وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ** اي قَبلَ رَدِّه الى اُمه اي منعناه من قبول ثَدْي مُرضِعَة غير اُمه فلم يقبلْ ثدىَ واحدةٍ من المَراضع المحضرةِ **فَقَالَتْ** اختُه **هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى اَهْلِ بَيْتٍ** لما رأتْ حُنوّهم عليه **يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ** بالارضاعِ وغيرِه **وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ** وفسرتْ ضمير له بالمَلِك جوابا لهم فاُجيبت فجاءَت باُمه فقبل ثديَها واجابتهم عن قَبوله بانها طيبةُ الريحِ طيبة اللّبن فاَذِنَ لها بارضاعه في بيتها فرجعتْ به كما قال تعالى **فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا** بلقائِه **وَلَا تَحْزَنَ** حينئذ **وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ** بِرَدِّه اليها **حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ** اي الناسِ **لَا يَعْلَمُوْنَ** بهذا الوعد ولابانّ هذه اختُه وهذه اُمُّه فمكث عندها الى ان فَطَمتْه واَجرىٰ عليها اُجرتها لكل يومٍ دينارٌ واخذتْها لانها مَالُ حربيٍ فاتَتْ به فرعونَ فتربّى عنده كما قال تعالى حكايةً عنه في سورة الشُّعراء اَلَم نُربّكَ فِينَا وليدا ولبِثتَ فِينَا مِن عمرِكَ سِنِيْنَ.

ترجمہ: طٰسٓمّٓ اس سے اللہ کی کیا مراد ہے وہی بہتر جانتا ہے یہ آیات کتاب مبین کی آیات ہیں آیاتُ الکتاب میں اضافت بمعنی من اور مبین سے مراد حق کو باطل سے ممتاز کرنے والی کتاب کی آیات ہیں ہم آپ کے سامنے موسیٰ وفرعون کا صحیح واقعہ بیان کرتے ہیں ان لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں (یعنی) مومنین کے لئے اس لئے کہ وہی اس قصہ سے استفادہ کرتے ہیں یقیناً فرعون نے سرزمین مصر میں سرکشی کر رکھی تھی اور مصر کے باشندوں کو اپنی خدمت کے لئے فرقوں میں تقسیم کر رکھا تھا ان میں سے ایک فرقہ کو کمزور کر رکھا تھا اور وہ بنی اسرائیل تھے ان کے نومولود لڑکوں کو قتل کر ڈالتا تھا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا یعنی زندہ باقی رکھتا تھا، بعض کاہنوں کے اس سے یہ کہنے کیوجہ سے کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تیرے ملک کے خاتمہ کا سبب بنے گا، بلاشبہ وہ قتل وغیرہ کی وجہ سے تھا ہی مفسدوں میں سے اور ہماری مشیت کا تقاضہ یہ ہوا کہ ہم ان پر احسان فرمائیں جن کو ملک میں کمزور کر رکھا تھا اور ہم ان کو پیشوا بنائیں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور ہمزۂ ثانی کو یا سے بدل کر، تاکہ خیر میں

ان کی اقتداء کی جائے اور ہم ان کو فرعون کے ملک کا وارث بنائیں اور یہ کہ ہم ان کو ملک مصر وشام میں قدرت (اختیار) عطا فرمائیں اور فرعون وہامان اور ان کے لشکر کو اور ایک قراءت میں یَــــرِیٰ یا اور را کے فتحہ کے ساتھ ہے اور تینوں اسموں (فـرعـونُ، هـامـان، جنـودُهـما) کے رفع کے ساتھ بنی اسرائیل کی طرف سے وہ دکھائیں جس سے وہ ڈر رہے تھے وہ (فرعونی) اس بچہ سے خوف زدہ تھے جس کے ہاتھوں ان کے ملک کی بربادی مقدر تھی اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کی جانب الہامی یا منامی وحی بھیجی اور (موسیٰ) ہی وہ ولد مذکور ہے اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کا علم سوائے ان کی بہن کے کسی کو نہیں ہوا کہ اس کو دودھ پلاتی رہ اور جب تجھے اس کے بارے میں کوئی خوف معلوم ہو تو اس کو دریائے نیل میں ڈال دینا اور نہ اس کے غرق کا اندیشہ کرنا اور نہ اس کی جدائی کا غم کرنا ہم یقیناً اس کو تیری طرف لوٹانے والے ہیں اور اسے اپنے رسولوں میں سے بنانے والے ہیں چنانچہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تین ماہ تک (ان کی والدہ) دودھ پلاتی رہی کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام روتے (بھی) نہیں تھے اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر (جب) ذبح کا اندیشہ کیا تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک اندر سے روغن زفت (تارکول) لگے ہوئے اور بچھونی بچھے ہوئے تابوت میں رکھ دیا اور اس کو بند کر دیا اور رات کے وقت دریائے نیل میں ڈال دیا تو اسی رات کی صبح تابوت کو آل فرعون یعنی اس کے خدام نے اٹھالیا بعد ازاں تابوت کو فرعون کے سامنے رکھ کر کھولا اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تابوت سے نکالا درانحالیکہ وہ اپنے انگوٹھے سے دودھ پی رہے تھے تاکہ انجام کار یہی بچہ ان کا دشمن ہو جائے کہ قبطیوں کے مردوں کو قتل کرے اور رنج کا باعث بنے ان کی عورتوں کو باندی بنائے اور ایک قراءت میں حَزَنًا میں حا کے ضمہ اور زاء کے سکون کے ساتھ ہے مصدر (حزنًا) میں یہ دو لغت ہیں، اور مصدر یہاں اسم فاعل کے معنی میں ہے اور حَـزَنًـا حَزِنَه (س) سے ہے اور معنی میں اَحْـزَنَهُ کے ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ فرعون اور اس کا وزیر ہامان اور ان دونوں کا لشکر خطا کار تھے (خـطِـئِـیْـنَ) خـطِـیْـئَـة سے مشتق ہے اور معنی نافرمانی کرنے والے کے ہیں چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے ہاتھ ان کو سزا دلوائی گئی اور فرعون کی بیوی نے کہا جبکہ فرعون نے اپنے مددگاروں کے ساتھ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کا ارادہ کر لیا تھا یہ تو میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس کو قتل نہ کرو ممکن ہے کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنالیں چنانچہ ان لوگوں نے اس کی بات مان لی اور یہ لوگ اس کے ساتھ اپنے انجام کا شعور ہی نہیں رکھتے تھے (ادھر) موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ کا دل بے قرار ہو گیا جبکہ اس کو معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرعون نے اٹھالیا، یعنی موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا اس کے دل میں کوئی بات نہ رہی، اِنْ یہ اِنَّ سے مخفف ہے اس کا اسم محذوف ہے ای اِنَّهَا قریب تھیں کہ وہ اس بات کو ظاہر کر دیں کہ وہ میرا بیٹا ہے اگر ہم اس کے دل کو صبر کے ذریعہ قوی نہ کرتے یعنی اگر ہم اس کے دل کو تسلی نہ دیتے، تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں رہے یعنی اللہ کے وعدہ کی تصدیق کرنے والوں میں رہے، اور لـو لا کے جواب پر لولا کا ماقبل (لَتُبْـدِیْ) دلالت کر رہا ہے، اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ نے موسیٰ کی بہن مریم سے کہا تو ذرا موسیٰ کا سراغ تو لگا یعنی اس کے پیچھے پیچھے جا تاکہ تو اس کے حال سے باخبر رہے تو وہ اسے دور سے دیکھتی رہی یعنی دور سے خفیہ طور پر دیکھتی رہی اور فرعونیوں کو اس بات کی خبر بھی نہ ہوئی کہ وہ اس کی بہن ہے اور اس کی نگرانی کر رہی ہے اور ہم نے پہلے ہی یعنی ان

کے اپنی والدہ کے پاس لوٹنے سے پہلے ہی دودھ پلانے والیوں کی بندش کر رکھی تھی یعنی موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی والدہ کے علاوہ کسی بھی اَنا کے پستان قبول کرنے سے منع کر دیا تھا چنانچہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بلائی گئی اناؤں میں سے کسی کی پستان کو قبول نہیں کیا تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بہن نے کہا جب موسیٰ پر ان کی شفقت کو دیکھا تو کہا کیا میں تم کو ایسے گھرانے کی نشاندہی کر دوں کہ جو تمہارے لئے اس بچہ کی دودھ وغیرہ پلا کر پرورش کر دے؟ اور وہ اس بچہ کے خیر خواہ بھی ہو اور مریم نے لَـهٗ کی ضمیر کا مرجع ان کے سوال کے جواب میں بادشاہ بتا دیا، چنانچہ مریم کا مشورہ مان لیا گیا، پھر تو وہ اپنی ماں کو بلا لائی تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی والدہ کے پستانوں کو قبول کر لیا، اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ نے موسیٰ کے اس کی پستانوں کو قبول کرنے کی وجہ سے سوال کے جواب میں کہا کہ وہ عمدہ خوشبو والی اور عمدہ دودھ والی عورت ہے چنانچہ ان کو اپنے گھر لیجا کر موسیٰ کو دودھ پلانے کی اجازت دیدی گئی، چنانچہ موسیٰ کی والدہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لیکر واپس چلی آئیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے موسیٰ کو اس کی والدہ کے پاس لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں موسیٰ کی ملاقات سے ٹھنڈی ہوں اور تاکہ اس وقت (فراق) کے غم میں نہ رہیں اور تاکہ جان لیں کہ بچہ کو ان کے پاس لوٹانے کا اللہ کا وعدہ سچ ہے لیکن اکثر لوگ اس وعدہ کے بارے میں نہیں جانتے اور نہ یہ بات جانتے ہیں کہ یہ اس کی بہن ہے اور یہ اس کی ماں ہے، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی والدہ کے پاس دودھ چھڑانے تک رہے اور (فرعون نے) حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ کے لئے دودھ پلائی کی اجرت ایک دینار یومیہ مقرر کر دی اور حضرت موسیٰ کی والدہ نے اس اجرت کو لے لیا اس لئے کہ حربی کا مال تھا پھر موسیٰ کو ان کی والدہ فرعون کے پاس لے آئیں، چنانچہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرعون کے پاس تربیت پاتے رہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حکایت بیان کرتے ہوئے سورۂ شعراء میں ارشاد فرمایا اَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيْدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِن عمرِكَ سنين.

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: نَتْلُوْا عَلَيْكَ ای بواسطةِ جبرائِيْلَ مِنْ نَبَاءِ خبر موسٰی وفرعونَ بالحَقِّ مِنْ تبعیضیہ ہے ای نتلوا عليك بعضَ نَبَاءِ موسٰی نتلوا کا مفعول محذوف بھی ہوسکتا ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی، نتلوا عليك شيئًا من نَبَأ موسٰی بقول اخفش مِنْ زائدہ بھی ہوسکتا ہے ای نَتْلُوْا عَلَيْكَ نَبَأَ موسٰی.

قَوْلُہٗ: بالحقِّ یہ نتلوا کی ضمیر فاعل سے حال ہے ای حال کوننَا ملتَبِسِيْنَ بالصدقِ یا نَتْلُوْا کے مفعول سے حال ہے ای کون الخبر ملتبسًا بالصدق.

قَوْلُہٗ: لاجلهم یہ اشارہ ہے کہ لقوم میں لام تعلیلیہ ہے اور نتلوا سے متعلق ہے یعنی مقصود بالذکر مومنین ہیں اس لئے کہ وہی اس سے منتفع ہوتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: اِنّ فرعون عَلا یہ جملہ مستانفہ ہے، گویا کہ یہ سوال کیا گیا کہ موسیٰ و فرعون کا کیا قصہ تھا؟ تو جواب دیا اِنّ فرعونَ علا.

قَوْلُهُ: یذبّحُ ابناء همر یہ یستضعفُ سے بدل ہے لِقولِ بعضِ الکَهَنَةِ یہ یذبح کی علت ہے۔

قَوْلُهُ: نُمَکِّن لهُمْ فی الْاَرْضِ ای نُسَلِّطُهُمْ علی مصر والشام.

قَوْلُهُ: نُرِیَ فرعون اوراس کے معطوفات نُرِیَ کا مفعول اول ہے ومَا کانُوْا یحذَرُوْنَ مفعول ثانی، جنودهما میں اضافت تغلیباً ہے یعنی لشکراگر چہ فرعون کا تھا اور ہامان اس کا وزیر تھا اور بادشاہ کے لشکر کو تغلیبًا ہامان کا کہہ دیا گیا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہامان کا بھی کوئی مخصوص لشکر ہو اور ایک قرءات میں یَـرَیٰ ہے اس صورت میں تینوں اسماء فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوں گے۔

قَوْلُهُ: الٰی ام موسٰی موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کے نام میں اختلاف ہے بعض حضرات یُوحانِذ بتاتے ہیں اور قرطبی نے ثعلبی سے نقل کیا ہے کہ ان کا نام لوخا بنت ہانذ بن لاوی بن یعقوب ہے اس کے علاوہ اور اقوال بھی مذکور ہیں۔

قَوْلُهُ: اَنْ اَرْضِعِیْهِ، اَنْ تفسیریہ اور مصدریہ دونوں ہو سکتے ہیں۔

قَوْلُهُ: ولَا تـخافِی غـرقَهٗ اوپر کہا گیا تھا فـاِذا خفتِ علیه اور یہاں کہا جارہا ہے لاتـخافِی دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تعارض لا تَـخَافِیْ کی تفسیر غَـرْقَه سے کرنے کی وجہ سے دفع ہو گیا فـاِذا خفتِ میں ذبح کا خوف مراد ہے اور لَا تَـخَافِیْ میں غرق کے خوف کی نفی ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہے القار سیاہ سیال مادہ جو کشتی وغیرہ میں لگایا جاتا ہے تاکہ پانی اثر نہ کرے جیسے تار کول وغیرہ۔

قَوْلُهُ: مُمَهَّدٍ یہ تابوتٍ کی صفت ثانیہ ہے صفت اولیٰ مطلی ہے، یعنی تابوتِ خشبی میں تار کول مل دیا تاکہ پانی اثر نہ کرے اور اس میں دھنی ہوئی روئی بچھادی تاکہ موسیٰ علیہ السلام کو تکلیف نہ ہو مُمَهَّد بچھایا ہوا۔

قَوْلُهُ: فی عاقبة الامر اس سے اشارہ کر دیا کہ لیکونَ میں لام عاقبت کے لئے ہے نہ کہ علت کے لئے اس لئے کہ اٹھاتے وقت تو مقصد ابن بنانا تھا اور جوان ہونے کے بعد فرعون اور فرعونیوں کے لئے سبب رنج وغم ہوئے۔

قَوْلُهُ: اِنَّ فرعونَ وهامان الخ یہ معطوف علیہ فـالتقطهٗ آلُ فرعون اور معطوف وقالت امرأة فرعون کے درمیان جملہ معترضہ ہے (جمل) قالت امرأة فرعونَ فرعون کی بیوی کا نام آسیہ بنت مزاحم بن عبید بن الریان بن الولید ہے۔

قَوْلُهُ: هو قرة عین لی ولكَ، هو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ قرة عین مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

قَوْلُهُ: لَوْ لَا اَنْ رَّبَطْنَا الخ لولا کا جواب محذوف ہے جس پر لولا کا ماقبل یعنی لَتُبْدِیْنَ دلالت کر رہا ہے، تقدیر عبارت یہ ہے لولا اَنْ رَّبَطْنَا علٰی قَلْبِهَا لابْدَتْ انه اِبْنُها.

قَوْلُهُ: وَهُمْ لایشعرونَ یہ جملہ آل فرعون سے حال ہے۔

قَوْلُهُ: لاختهٖ مریم مریم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حقیقی بہن ہیں بعض حضرات نے مریم کے بجائے کلثمہ اور کلثوم بھی ذکر کیا ہے، والدہ کا نام یوحانذ اور والد کا نام عمران ہے مگر یہ عمران حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ مریم کے والد عمران کے علاوہ ہیں اس لئے کہ دونوں عمرانوں کے درمیان ایک ہزار آٹھ سو سال کا فاصلہ ہے۔ (جمل)

قولہ: من مکان بعیدٍ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جُنُبٌ موصوف محذوف کی صفت ہے ای عن مکان بعیدٍ اختلاسًا ای اِختفاءً.

قولہ: حَرَّمْنَا علیہِ المَرَاضِعَ حَرَّمْنَا ای مَنَعْنَا تحریم سے مجازاً منع کرنا مراد ہے اس لئے یہاں تحریم کے شرعی معنی مراد لینا صحیح نہیں ہیں کیونکہ بچہ تکالیف شرعیہ کا مکلف نہیں ہوتا، مَرَاضِع مُرْضِعٌ کی جمع ہے چونکہ دودھ پلانا عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے اسی لئے ۃ کو ترک کر دیا گیا ہے جیسے حائض میں۔ (روح المعانی)

تفسیر وتشریح

سورۂ قصص اس کو سورۂ موسیٰ بھی کہا جاتا ہے، یہ مکی سورتوں میں سب سے آخری سورت ہے جو ہجرت کے وقت مکہ مکرمہ اور جحفہ (رابغ) کے درمیان نازل ہوئی، آپ ﷺ نے غار ثور سے نکلنے کے بعد کفار مکہ کے خوف کی وجہ سے معروف راستہ ترک کر کے غیر معروف راستہ اختیار فرمایا تھا جب غیر معروف راستہ جحفہ (رابغ) کے قریب مکہ جانے والے معروف راستہ میں جا کر ملا تو آپ ﷺ کو اپنا وطن مالوف مکہ یاد آ گیا، اس وقت حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے اور آپ سے فرمایا کہ اے محمد کیا آپ ﷺ کو اپنا وطن جس میں آپ پیدا ہوئے یاد آ رہا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں یاد آ رہا ہے، اس پر جبرائیل امین نے قرآن کی یہ سورت سنائی جس کے آخر میں آپ کو اس بات کی بشارت ہے کہ انجام کار مکہ مکرمہ فتح ہو کر آپ ﷺ کے قبضہ میں آئے گا وہ آیت یہ ہے اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْآنَ لَرَادُّکَ اِلٰی مَعَادٍ سورۂ قصص میں سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ بیان ہوا ہے اول اجمالاً اور پھر تفصیلاً نصف سورت تک موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام و فرعون کا قصہ بیان ہوا ہے اور آخر سورت میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور قارون کا قصہ بیان ہوا ہے اس سورت کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سورت نہ مکی ہے اور نہ مدنی بلکہ مقام جحفہ میں نازل ہوئی جو مکہ اور مدینہ کے درمیان میں ہے۔

قرآن کا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ کو صحیح صحیح اس کی جزئیات کے ساتھ بیان کرنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں کیونکہ وحی الٰہی کے بغیر ہزاروں سال قبل کے واقعات کو بالکل اسی طرح بیان کر دینا جس طرح پیش آئے تھے ناممکن ہے، فرعون نے ظلم وستم کا بازار گرم کر رکھا تھا اور خود بڑا معبود کہلاتا تھا بنی اسرائیل کو نہایت ذلت ومشقت میں مبتلا کر رکھا تھا جتنے بھی مشقت اور ذلت کے کام تھے وہ بنی اسرائیل سے لئے جاتے تھے حتی کہ بنی اسرائیل کے نومولود لڑکوں کو قتل کرا دیتا تھا اور خدمت گذاری کے لئے لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا جس کی وجہ بعض نجومیوں کی یہ پیشین گوئی تھی کہ بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے ایک بچہ کے ہاتھوں فرعون کی ہلاکت اور اس کی سلطنت کا خاتمہ ہوگا، جس کا حل فرعون نے یہ نکالا کہ پیدا ہونے والے ہر اسرائیلی بچے کو قتل کر دیا جائے، حالانکہ اس احمق نے یہ نہیں سوچا کہ اگر کاہن سچا ہے تو ایسا یقیناً ہو کر رہے گا اور اگر وہ جھوٹا ہے تو قتل کروانے کی ضرورت ہی نہیں۔ (فتح القدیر)

وَنُمَکِّنَ لَھُمْ فِی الْاَرْضِ سے ارض شام مراد ہے جہاں بنی اسرائیل کنعانیوں کی زمین کے وارث ہوئے کیونکہ بنی

اسرائیل کے مصر سے نکلنے کے بعد ان کا واپس مصر آنا ثابت نہیں ہے۔ (واللہ اعلم)۔

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰی یہاں وحی سے مراد دل میں بات ڈالنا ہے نہ کہ وحی رسالت، مطلب یہ ہے کہ تو بے خوف وخطر بچہ کو دریائے نیل میں ڈالدے اور اس کے ڈوبنے یا ضائع ہوجانے کا خوف نہ کر اور نہ اس کی جدائی کا غم، ہم یقیناً اسے تیری طرف لوٹا دیں گے اور ہم اسے پیغمبر بنانے والے ہیں جب ذبح وقتل کا سلسلہ زیادہ ہوا تو فرعون کی قوم کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں بنی اسرائیل کی نسل ہی ختم نہ ہوجائے جس کے نتیجے میں محنت ومشقت کے کام ہمیں خود کرنے پڑیں، اس اندیشہ کا ذکر انہوں نے فرعون سے کیا، جس پر نیا حکم جاری کردیا گیا کہ ایک سال بچے قتل کئے جائیں اور ایک سال چھوڑ دیئے جائیں، حضرت ہارون علیہ الصلاۃ والسلام اس سال پیدا ہوئے جو بچوں کے قتل کا سال نہیں تھا، اور موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام قتل کے سال پیدا ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کا سامان اس طرح پیدا فرمایا کہ اول تو ان کی والدہ پر حمل کے آثار ظاہر نہیں ہوئے کہ جس سے وہ فرعون کی چھوڑی ہوئی دائیوں کی نظر میں آجائیں اس لئے ولادت کا مرحلہ تو خاموشی کے ساتھ گذر گیا، لیکن ولادت کے بعد قتل کا خطرہ موجود تھا، جس کا حل خود اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی والدہ کو سمجھا دیا چنانچہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی والدہ نے ان کو ایک تابوت میں بند کرکے دریائے نیل میں ڈال دیا (ابن کثیر) یہ تابوت بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس پہنچ گیا جو لب دریا ہی تھا اور فرعون کے نوکر چاکروں نے نکال لیا۔

لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا میں لام عاقبت کے لئے ہے یعنی انہوں نے تو اسے اپنا بچہ اور آنکھوں کی ٹھنڈک بنا کر لیا تھا نہ کہ دشمن سمجھ کر، لیکن انجام ان کے فعل کا یہ ہوا کہ وہ بچہ ان کا دشمن اور رنج وغم کا باعث ثابت ہوا، ان فرعون وھامان وجنودھما کانوا خٰطِئینَ یہ جملہ ماقبل کی تعلیل ہے کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام ان کے لئے دشمن کیوں ثابت ہوئے اس لئے کہ وہ سب اللہ کے نافرمان اور خطا کار تھے۔

قالت امرأت فرعون الخ یہ اس وقت کہا جب تابوت میں ایک حسین وجمیل بچہ انہوں نے دیکھا بعض کے نزدیک یہ اس وقت کا قول ہے جب موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرعون کی داڑھی کے بال نوچ لئے تھے تو فرعون نے اس کے قتل کا حکم دیدیا تھا (ایسر التفاسیر) حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی ہمشیرہ نے جو کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی نگرانی پر مامور تھیں اور پیچھے پیچھے احتیاط کے ساتھ دور دور چل رہی تھیں جب دیکھا کہ تابوت محل کی طرف مڑ گیا اور فرعون کے خدام نے اُسے نکال لیا تو صورت حال کی خبر اپنی والدہ کو کردی ان کی والدہ بے قرار ہوگئیں اور ان کے ہاتھ سے دامن صبر چھوٹ گیا قریب تھا کہ وہ یہ ظاہر کردیں کہ یہ اس کا بچہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر ہم ان کے دل کو مضبوط نہ کرتے تو راز کا افشاء کردیتیں، مگر ہماری توفیق سے موسیٰ کی والدہ نے صبر سے کام لیا اور اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ بھی یاد آگیا جس میں موسیٰ کو صحیح سلامت واپس لوٹانے کے لئے فرمایا تھا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنی قدرت تکوینی کے حکم سے موسیٰ کو اپنی ماں کے علاوہ کسی اور انا کا دودھ پینے سے روک دیا، چنانچہ بسیار کوشش کے باوجود کوئی انا انہیں دودھ پلانے اور چپ کرانے میں کامیاب نہ ہوسکی۔

یہ منظر موسیٰ کی بہن مریم بڑی خاموشی سے دیکھ رہی تھیں بالآخر بول پڑیں کہ میں تمہیں ایسا گھرانا بتادوں کہ جو تمہارے

لئے اس بچہ کی پرورش کر دے، چنانچہ فرعونیوں نے حضرت موسیٰ کی ہمشیرہ مریم سے کہا کہ جا اس عورت کو لے آ، چنانچہ مریم اپنی ماں کو جو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بھی ماں تھیں بلا لائی، جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی والدہ کا دودھ پی لیا تو فرعون نے موسیٰ کی والدہ سے محل ہی میں رہنے کی استدعا کی تاکہ بچہ کی صحیح پرورش اور تربیت ہو سکے، لیکن موسیٰ کی والدہ نے بے اعتنائی اور خودداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں خاوند اور بچوں کو چھوڑ کر یہاں نہیں رہ سکتی بالآخر یہ طے پایا کہ بچے کو وہ اپنے ساتھ ہی اپنے گھر لیجائیں، اور وہیں اس کی پرورش کریں اور اس کی اجرت انہیں شاہی خزانے سے دیدی جائے، سبحان اللہ! اللہ کی قدرت دودھ اپنے بچہ کو پلائیں اور اجرت فرعون سے وصول کریں، رب العالمین نے موسیٰ کو واپس لوٹانے کا وعدہ کس احسن طریقہ سے پورا فرمایا۔

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهٗ وہو ثلاثون سنة او وثلث **وَاسْتَوٰٓى** اى بلغ اربعين سنة **اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا** حكمة **وَّعِلْمًا** فقها فى الدين قبل ان يُبعثَ نبيا **وَكَذٰلِكَ** كما جزيناه **نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ**﴿۱۴﴾ لانفسهم **وَدَخَلَ** موسى **الْمَدِيْنَةَ** مدينة فِرعون وهى مُنفُ بعد ان غاب عنه مدةً **عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا** وقتِ القَيلُولةِ **فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ** **هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ** اى إسرائيلى **وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ** اى قِبطى يُسخِّرُ الاسرائيلىَ ليَحمِلَ حَطَبا الى مطبخ فرعونَ **فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِىْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِىْ مِنْ عَدُوِّهٖ** فقال له موسى خَلِّ سبيلَه فقيل إنه قال لموسى لقد هَممت ان أحملَه عليك **فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى** اى ضربه بجُمع كفه وكان شديدَ القوةِ والبَطشِ **فَقَضٰى عَلَيْهِ** اى قَتله ولم يكن قَصدُ قَتلِه ودَفَنه فى الرَّملِ **قَالَ هٰذَا** اى قَتلُه **مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ** المُهيِّج غضبى **اِنَّهٗ عَدُوٌّ** لابن اٰدم **مُّضِلٌّ** له **مُّبِيْنٌ**﴿۱۵﴾ بين الاضلال **قَالَ** نادما **رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ** بقتله **فَاغْفِرْ لِىْ فَغَفَرَ لَهٗ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ**﴿۱۶﴾ اى المتصفُ بهما ازلا وابدا **قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ** بحق إنعامك **عَلَىَّ** بالمغفرةِ اعصِمنى **فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا** عونا **لِّلْمُجْرِمِيْنَ**﴿۱۷﴾ الكافرين بعد هذه ان عَصمتَنى **فَاَصْبَحَ فِى الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ** ينتظر ماينالُه من جهة القَتيلِ **فَاِذَا الَّذِى اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ** يستغيث به على قِبطى اٰخر **قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ لَغَوِىٌّ مُّبِيْنٌ**﴿۱۸﴾ بَيِّنُ الغَوايةِ لما فَعلتَه اَمس واليوم **فَلَمَّآ اَنْ** زائدة **اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِىْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا** لموسى والمُستغيثِ به **قَالَ** المستغيثُ ظانا انه يَبطِش به لِما قال له **يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِىْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ** **اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِى الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ**﴿۱۹﴾ فسمِع القِبطى ذلك فعَلِم انّ القاتلَ موسى فانطَلق الى فِرعونَ فاَخبره بذلك فاَمر فرعونُ الذَّبّاحِين بقتل موسى فاَخذوا الطريق اِليه قال تعالٰى **وَجَآءَ رَجُلٌ** هو مؤمنُ اٰلِ فرعونَ **مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ** اٰخرِها **يَسْعٰى** يَسرَعُ فى مَشيِه من طريقٍ اَقربَ من طريقِهم **قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ** من قوم فرعونَ **يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ** يَتشاوَرُون فيك **لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ** مِنَ المَدينةِ

اِنِّیْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۲۰﴾ فی الامر بالخروج فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ لحوق طالب او غوث اللّٰه ایّاه قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۱﴾ قوم فرعون.

ترجمہ: اور موسیٰ جب اپنی بھر پور جوانی کو پہنچ گئے اور وہ تیس یا تینتیس سال ہیں اور توانا اور تندرست ہو گئے یعنی چالیس سال کے ہو گئے تو ہم نے ان کو حکمت اور علم عطا کیا یعنی نبی بنائے جانے سے پہلے ہی ان کو حکمت اور دین کی سمجھ عطا کی اور ہم اسی طرح جیسا کہ موسیٰ کو جزاء دی اپنے اوپر احسان کرنے والوں کو جزاء دیتے ہیں اور موسیٰ شہر میں یعنی فرعون کے شہر میں جس کا نام مُنْفُ تھا ایک مدت غائب رہنے کے بعد ایسے وقت میں داخل ہوئے کہ شہر کے لوگ قیلولہ کے وقت غافل تھے یہاں دو شخصوں کو لڑتے ہوئے پایا یہ ایک تو اس کی برادری کا یعنی اسرائیلی تھا اور دوسرا اس کے دشمن کی برادری کا یعنی قبطی تھا (قبطی) اسرائیلی کو اس بات پر مجبور کر رہا تھا کہ وہ لکڑیوں کو فرعون کے مطبخ لے چلے جو موسیٰ کی برادری کا تھا اس نے اس شخص کے خلاف کہ جوان کے مخالفین میں سے تھا موسیٰ سے فریاد کی تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبطی سے کہا تو اس کو چھوڑ دے (جانے دے) کہا گیا ہے کہ اس قبطی نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا میں ارادہ کر چکا ہوں کہ لکڑیاں تیرے سر پر رکھ دوں جس پر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبطی کو ایک گھونسا مار دیا یعنی ہاتھ بند کر کے مکا مار دیا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بہت قوی اور سخت گرفت والے تھے چنانچہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبطی کو قتل کر دیا حالانکہ اس کو قتل کرنے کا ارادہ نہیں تھا، اور اس کو ریت میں دفن کر دیا اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یہ قتل شیطانی حرکت ہو گئی جو میرے غصہ کو بھڑکانے والا ہے بلا شبہ شیطان انسانوں کا کھلا دشمن ہے غلطی میں ڈال دیتا ہے نادم ہو کر عرض کیا اے میرے پروردگار میں نے قبطی کو قتل کر کے خود اپنے اوپر ظلم کر لیا آپ مجھے معاف فرما دیں اللہ نے ان کو معاف کر دیا، بلا شبہ وہ غفور و رحیم ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان دونوں صفات کے ساتھ ازلاً وابداً متصف ہیں، موسیٰ کہنے لگے اے میرے رب میرے اوپر تیرے مغفرت کا انعام فرمانے کے صدقہ میں میری حفاظت فرما اگر تو نے میری حفاظت کی تو میں آئندہ مجرمین کا مددگار نہ بنوں گا پھر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خوف و دہشت کی حالت میں صبح کی یہ انتظار کرتے ہوئے کہ مقتول کی جانب سے ان کو کیا (معاملہ) پیش آتا ہے، تو اچانک (کیا دیکھتے ہیں) کہ وہی شخص جس نے گذشتہ کل موسیٰ سے مدد چاہی تھی ایک دوسرے قبطی کے خلاف موسیٰ کو (مدد کے لئے) پکار رہا ہے تو موسیٰ فرمانے لگے بے شک تو ہی صریح بدراہ ہے، اپنی اس حرکت کی وجہ سے جو تو نے کل اور آج کی چنانچہ جب موسیٰ نے اس شخص کی طرف ہاتھ بڑھایا جو دونوں کا دشمن تھا یعنی موسیٰ اور اسرائیلی کا اَنْ زائدہ ہے جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فریادی (اسرائیلی) سے اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ کا جملہ کہا تو فریادی نے یہ سمجھتے ہوئے کہ (شاید آج) وہ میری گرفت کریں گے کہنے لگا اے موسیٰ کیا جس طرح تو نے کل ایک شخص کو قتل کر دیا تھا مجھے بھی قتل کرنا چاہتا ہے بس تم دنیا میں اپنا زور بٹھلانا چاہتے ہو صلح کرانا نہیں چاہتے چنانچہ قبطی نے جب یہ بات سنی تو سمجھ گیا کہ (کل والے مقتول کا) قاتل موسیٰ ہے

چنانچہ قبطی نے فرعون کے پاس پہنچ کر اس کی خبر کردی تو فرعون نے جلادوں کو موسیٰ کے قتل کا حکم صادر کردیا چنانچہ جلاد اس کی طرف روانہ ہوگئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا آل فرعون کا ایک مومن شخص شہر کے پرلے کنارے سے دوڑتا ہوا یعنی جلادوں کی بہ نسبت مختصر راستہ سے تیزی سے چلتا ہوا آیا (اور) کہنے لگا اے موسیٰ فرعون کی قوم کے سردار تیرے قتل کا مشورہ کررہے ہیں لہٰذا تو شہر سے نکل جا اور میں خروج کے مشورہ کے معاملہ میں تیرا خیرخواہ ہوں پس موسیٰ وہاں سے خوف زدہ ہوکر تلاش کرنے والوں کے پہنچنے (کا اندیشہ کرتے ہوئے) یا اللہ کی مدد کا انتظار کرتے ہوئے نکل کھڑے ہوئے کہنے لگے اے میرے پروردگار تو مجھے ظالم قوم یعنی فرعون کی قوم سے بچالے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: وَاسْتَوٰی ای بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سنةً مفسر علام اگر اِسْتَوٰی کی تفسیر انتھٰی شبابہ وتکامل عقلہ سے فرماتے تو زیادہ ظاہر اور مناسب ہوتا، اس لئے کہ مدین حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں دس سال قیام کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مصر واپسی ہوئی موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر اس وقت چالیس کی تھی اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قیام مصر میں تیس سال رہا اور اگر مصر میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قیام چالیس سال مان لیا جائے جیسا کہ مفسر علام نے فرمایا ہے تو مدین سے واپسی کے وقت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر پچاس سال ہونی چاہئے حالانکہ یہ صراحت کے خلاف ہے۔

قِوْلُہٗ: مُـنْفُ یہ اسی شہر کا نام ہے جہاں فرعون رہتا تھا یہ علمیت اور عجمہ یا علمیت اور تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہے اسی شہر کو منوف بھی کہتے ہیں فقضٰی علَیْہِ یہ اَوْقَعَ القضاء کے معنی میں ہونے کی وجہ سے متعدی بعلی ہے۔

قِوْلُہٗ: وَلَمْ یکن قصدُہ یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خلاف شرع ایسی جرأت کیوں کی کہ ایک غیر واجب القتل شخص کو قتل کردیا؟ جواب یہ ہے کہ یہ قتل خطا تھا، اب رہا اس قتل پر استغفار تو یہ حسنات الابرار سیئات المقربین کے قبیل سے تھا

قِوْلُہٗ: ھٰذا ای قتلہ، ای قتلہ کہہ کر ھٰذا کے مشار الیہ کی طرف اشارہ کردیا کہ مراد فعل قتل ہے اور بعض حضرات نے ھٰذا کا مشار الیہ فعل مقتول کو قرار دیا ہے یعنی مقتول کا فعل یعنی قبطی کا اسرائیلی پر زور زبردستی کرنا یہ فعل شیطانی عمل تھا جو کہ قابل مواخذہ تھا اور بعض حضرات نے ھٰـــذا کا مشار الیہ خود قبطی کو قرار دیا ہے یعنی قبطی خود شیطانی لشکر اور اس کی جماعت کا فرد تھا، اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اِنِّی ظلمتُ نفسی فرمانا تواضع اور کسر نفسی کے طور پر تھا۔

قِوْلُہٗ: قَالَ رَبِّ بِمَا اَنْعَمْتَ بِحَقِّ اِنْعَامِكَ عَلَیَّ مفسر علام نے بِمَا اَنْعَمْتَ کی تفسیر بحق انعامك سے کرکے دو باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے اول یہ کہ ما مصدریہ ہے یعنی اَنعمتَ بمعنی اِنعامك ہے اور کلام حذف مضاف کے ساتھ ہے ای بحق انعامك اور دوسری بات یہ کہ اِعْصِمْنِیْ محذوف مان کر اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ بِحَقِّ جار با مجرور اِعْصِمْنِیْ محذوف کے متعلق ہے تقدیر عبارت یہ ہے اِعْصِمْنِیْ بِحَقِّ اِنْعَامِكَ عَلَیَّ بالمغفرة.

قِوْلَہٗ: فَلَنْ اکونَ ظَهِيْرًا للمجرِمِيْنَ یہ جملہ شرط محذوف کا جواب ہے تقدیر عبارت یہ ہے اِنْ عَصَمْتَنِیْ فَلَنْ اَکُوْنَ ظهيرًا للمجرمين.

قِوْلَہٗ: بعد هٰذه ای بعد هٰذه المرة مفسر علام کا مجرمین کی تفسیر کافرین سے کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا اس لئے کہ اس تفسیر کے مطابق اسرائیلی کا کافر ہونا لازم آتا ہے بہتر ہوتا ہے کہ مجرمین کو علی حالہ رہنے دیتے۔ (جمل ملخصًا)

قِوْلَہٗ: فَاَصْبَحَ فی المدينة خائفًا يترقب مدینہ سے وہی شہر مراد ہے جس میں قبطی قتل ہوا تھا۔

قِوْلَہٗ: خائفًا یہ اصبح کی خبر ہے اور فی المدینة اس کے متعلق ہے اور یَتَرَقَّبُ کا مفعول محذوف ہے ای یَتَرَقَّبُ المکروہ، او الفرج، او الخبر، هل وصل لفرعون ام لا یعنی یَتَرَقَّبُ کے مختلف مفعول محذوف ہو سکتے ہیں جیسا کہ اوپر ظاہر کردیئے گئے ہیں۔

قِوْلَہٗ: اِذَا الَّذِیْ اِذا مفاجاتیہ ہے الَّذِیْ موصول استنصرہ اس کا صلہ موصول صلہ سے مل کر موصوف محذوف الاسرائیلی کی صفت موصوف صفت سے مل کر مبتداء یَسْتَصْرِخُهٗ خبر، بِالْاَمْسِ متعلق ہے استنصره کے، تقدیر عبارت یہ ہے اِذَا الإسرائیلی الذی اسْتَنْصَرَهٗ بالامسِ يَسْتَصْرِخُهٗ.

قِوْلَہٗ: يَسْعٰى، رَجُلٌ کی صفت ہے يَسْعٰى رجل سے حال بھی ہوسکتا ہے اس لئے کہ رجُلٌ من اقصى المدينةِ سے متصف ہونے کی وجہ سے معرفہ ہوگیا جس کی وجہ سے رجل کا ذوالحال بننا درست ہے اَلْمَلَأ اسم جمع شریف یا سرداروں کی جماعت۔

قِوْلَہٗ: يَاْتَمِرُوْنَ ایتمار (افتعال) سے جمع مذکر غائب وہ مشورہ کررہے ہیں اِيَّاهُ الضمير راجع الى موسٰى.

تفسیر وتشریح

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰى، اَشُدٌّ کے لفظی معنی قوت وشدت کے انتہاء پر پہنچنا ہے یعنی انسان بچپن کے ضعف سے بتدریج قوت وشدت کی طرف بڑھتا ہے، ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس کے وجود میں جتنی قوت وشدت آسکتی تھی وہ پوری ہوجاتی ہے، اس وقت کو اشد کہا جاتا ہے، اور یہ زمین کے خطوں اور قوموں کے مزاج کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے، کسی کا اشد کا زمانہ جلدی آتا ہے اور کسی کا دیر میں، لیکن حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اور مجاہد سے بروایت عبد بن حمید یہ منقول ہے کہ اشد عمر کے تینتیس سال میں ہوتا ہے اسی کو سن کمال یا سن وقوف کہا جاتا ہے جس میں بدن کا نشو ونما ایک حد پر پہنچ کر رک جاتا ہے اس کے بعد چالیس سال تک وقوف کا زمانہ ہے اسی کو استوئ کہتے ہیں، چالیس سال کے بعد انحطاط اور ضعف شروع ہوجاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اشد تینتیس سال کی عمر سے شروع ہوکر چالیس سال تک رہتا ہے۔ (روح وقرطبی بحوالہ معارف) خازن نے کہا ہے کہ اشد اٹھارہ سال سے تیس سال تک ہوتا ہے۔

اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا بعض حضرات نے حکمًا وعلمًا سے حکمت اور تفقہ فی الدین مرادلیا ہے اور یہ دونوں چیزیں قبل

البعثت عطا کی گئیں، اور بعض کے نزدیک حکم سے مراد نبوت ورسالت ہے اور علم سے احکام شرعیہ کا علم ہے۔

وَدَخَلَ موسیٰ المدینة علیٰ حینِ غفلةٍ من اھلھا مدینہ سے مراد شہر مصر (مَنف) ہے اور غفلت کے وقت سے بعض حضرات نے دوپہر کا وقت مراد لیا ہے جبکہ لوگ قیلولہ کرتے ہوتے ہیں اور بعض نے مغرب اور عشاء کے درمیان کا وقت مراد لیا ہے مگر اول راجح ہے، دَخَلَ المدینة سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ کہیں شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظلمتُ نفسی الخ اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ اس قبطی کافر کا قتل جو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بلا ارادہ صادر ہو گیا تھا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس قتل خطاء کو بھی حسنات الابرار سیئات المقربین کے قاعدہ سے جرم عظیم سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا۔

سوال: یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کافر قبطی شرعی اصطلاح کے اعتبار سے حربی تھا جس کا قتل عمداً وقصداً بھی مباح تھا کیونکہ یہ نہ کسی اسلامی حکومت کا ذمی تھا اور نہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس سے کوئی معاہدہ تھا، پھر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس قتل خطا کو عمل شیطان اور گناہ کیوں قرار دیا، اس کا قتل تو بظاہر موجب اجر ہونا چاہئے تھا، کہ ایک مسلمان پر ظلم کر رہا تھا اس کو بچانے کے لئے یہ قتل واقع ہوا۔

جواب: یہ ہے کہ معاہدہ جیسے قولی اور تحریری ہوتا ہے جس کی خلاف ورزی عہد شکنی اور غداری سمجھی جاتی ہے، اسی طرح معاہدہ عملی بھی ایک قسم کا معاہدہ ہی ہوتا ہے، اس کی بھی پابندی لازمی اور خلاف ورزی عہد شکنی کے مرادف ہے۔

معاہدۂ عملی کی صورت یہ ہے کہ جس جگہ مسلمان اور کچھ غیر مسلم کسی دوسری حکومت میں باہمی امن واطمینان کے ساتھ رہتے بستے ہوں، ایک دوسرے پر حملہ کرنا یا لوٹ مار کرنا طرفین سے غداری سمجھا جاتا ہو تو اس طرح کی معاشرت اور معاملات بھی ایک قسم کا عملی معاہدہ ہوتے ہیں ان کی خلاف ورزی جائز نہیں، اس کی دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہ کی وہ حدیث ہے جس کو امام بخاری نے کتاب الشروط میں مفصل روایت کیا ہے، اس کا واقعہ یہ تھا، حضرت مغیرہ بن شعبہ اپنے اسلام لانے سے پہلے زمانہ جاہلیت میں کفار کی ایک جماعت کے ساتھ مصاحبت ومعاشرت اور معاملات رکھتے تھے، ایک روز ان کو قتل کر کے ان کے اموال پر قبضہ کر لیا اور رسول اللہ کی خدمت میں آکر مسلمان ہو گئے اور جو مال ان لوگوں کا لیا تھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا، اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اَما الاسلام فاقبلُ واَمّا المال فلست منه فی شیٔ اور ابوداؤد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں اَما المال فمال غدر لا حاجةَ لنا فیه یعنی آپ کا اسلام تو ہمیں قبول مگر یہ مال جو کہ غدر اور عہد شکنی سے حاصل ہوا ہے اس کی ہمیں حاجت نہیں، شارح بخاری ابن حجر نے اس کی شرح میں فرمایا کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ کفار کا مال حالت امن میں لوٹ لینا حلال نہیں کیونکہ ایک بستی کے رہنے والے یا ایک ساتھ کام کرنے والے ایک دوسرے سے اپنے کو مامون سمجھتے ہیں ان کا یہ عملی معاہدہ بھی ایک امانت ہے جس کی حفاظت کرنا فرض ہے، اور کفار کے اموال جو مسلمانوں کے لئے حلال ہوتے ہیں تو وہ صرف محاربہ اور مغالبہ کی صورت میں حلال ہوتے ہیں حالت امن وامان میں جبکہ ایک دوسرے سے اپنے کو مامون سمجھتے ہوں کسی کافر کا مال لوٹ لینا جائز نہیں، قسطلانی نے بھی شرح بخاری میں یہی بات لکھی ہے:

خلاصہ یہ کہ قبطی کا قتل اس عملی معاہدہ کی بناء پر اگر بالقصد ہوتا تو جائز نہیں تھا مگر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے قتل کا ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ اسرائیلی کو اس کے ظلم سے بچانے کے لئے ہاتھ کی ضرب لگائی جو عادۃً سبب قتل نہیں ہوتی مگر اتفاقاً قبطی اس ضرب سے مرگیا، تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ احساس ہوا کہ اس کو دفع کرنے کے لئے اس ضرب سے کم درجہ بھی کافی تھا یہ زیادتی میرے لئے درست نہ تھی اسی لئے اس کو عمل شیطان قرار دیکر اس سے مغفرت طلب کی۔

قَالَ رب بما انعمتَ (الآیة) حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس لغزش کو جب معاف فرمادیا تو آپ نے اس کے شکریہ میں یہ عرض کیا کہ میں آئندہ کسی مجرم کی مدد نہ کروں گا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس اسرائیلی کی مدد کے لئے یہ اقدام کیا تھا دوسرے واقعہ سے معلوم ہوگیا تھا کہ وہ خود ہی جھگڑالو ہے لڑائی جھگڑا اس کی عادت ہے اس لئے اس کو مجرم قرار دے کر آئندہ کسی ایسے شخص کی مدد نہ کرنے کا عہد فرمایا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس جگہ مجرمین کی تفسیر کافرین کے ساتھ منقول ہے اور قتادہ نے بھی تقریباً یہی فرمایا ہے، صاحب جلالین نے غالباً اسی تفسیر کے پیش نظر مجرمین کی تفسیر کافرین سے کی ہے، اس تفسیر کی بناء پر واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسرائیلی جس کی مدد موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کی تھی یہ بھی مسلمان نہ تھا مگر اس کو مظلوم سمجھ کر امداد فرمائی۔

مَسْئَلَۃٌ: حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس طرز عمل سے دو مسئلے معلوم ہوتے ہیں مظلوم اگرچہ کافر اور فاسق ہی کیوں نہ ہو اس کی مدد کرنی چاہئے، دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی مجرم ظالم کی مدد کرنا جائز نہیں۔

فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ خائفا ڈرتے ہوئے یعنی گرفتاری کا خوف کرتے ہوئے یترقب کے دو معنی ہیں اور مفسرین نے دونوں ہی معنی کو صحیح قرار دیا ہے اول احتیاط کے طور پر ادھر ادھر جھانکتے ہوئے اور اپنے بارے میں اندیشوں میں مبتلا، دوسرے اللہ تعالیٰ کی اعانت اور مدد کی امید کرتے ہوئے۔

جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوسرے روز اسی اسرائیلی کو ایک دوسرے قبطی سے الجھتے ہوئے دیکھا تو فرمانے لگے تیری ہی شرارت معلوم ہوتی ہے کل بھی تو ایک قبطی سے جھگڑ رہا تھا، اور آج دوسرے سے الجھ رہا ہے، اسرائیلی کو زبانی فہمائش کرنے کے بعد قبطی سے مواخذہ کرنے کے لئے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہاتھ بڑھایا تو قبطی یہ سمجھا شاید میری گرفت کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہے تو اسرائیلی بول اٹھا، اے موسیٰ اَتُرِيدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ (الآیة) جس سے قبطی کے علم میں یہ بات آگئی کہ کل جو قتل ہوا تھا اس کا قاتل موسیٰ ہے اس نے جا کر فرعون کو خبر کردی جس کے نتیجہ میں فرعون نے موسیٰ کے قتل کے لئے اپنے سرداروں اور ارکان سلطنت سے مشورہ کرکے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کا حکم صادر کردیا۔

شہر کے باہری کنارے سے ایک شخص جو کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خیر خواہ تھا دوڑتا ہوا آیا اور فرعونیوں کے مشورہ کی خبر دی اور یہ بھی کہا کہ تم فوراً مصر چھوڑ دو اور کسی دوسری جگہ چلے جاؤ، شہر کے کنارے سے آنے والا شخص کون تھا؟ بعض کہتے ہیں کہ فرعون کا چچازاد بھائی حزقیل تھا بعض نے شمعون اور بعض نے سمعان بتایا ہے اور وہ درپردہ حضرت موسیٰ کا خیر خواہ اور ہمدرد تھا، بعض کہتے ہیں کہ اسرائیلی تھا اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قریبی رشتہ دار تھا۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ قَصَد بوَجهه تِلْقَآءَ مَدْيَنَ جِهتَها وهى قَرية شُعيب مسيرة ثمانية ايام من مصر سميت بِمَديَن ابنِ ابراهيمَ ولم يَكُن يَعرفُ طَريقَها قَالَ عَسٰى رَبِّىٓ اَنْ يَّهْدِيَنِىْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾ اى قَصْدَ الطريق اى الطَريقَ الوَسَطَ اليها فارسل اللّٰهُ اليه مَلَكا بيده عَنَزة فانطلق به اليها وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ بئر فيها اى وَصَل وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً جَماعةً كثيرةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ مَواشيَهم وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ اى سواهم امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ تمنعان اغنامَهما عن الماءِ قَالَ موسىٰ لهما مَا خَطْبُكُمَا اى شانكما لاتَسقِيان قَالَتَا لَا نَسْقِىْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ جمعُ راعٍ اى يَرجِعُوا من سَقيهم خوفَ الزحامِ فنسقى وفى قراءةٍ يُصْدِرُ من الرُّباعى اى يُصرِفوا مواشيَهُم عنِ الماء وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾ لايقدِرُ اَن يسقِىَ فَسَقٰى لَهُمَا من بئرٍ اُخرىٰ بقُربها رَفع حجرًا عنها لايرفعُه الاعشرةُ اَنفس ثُمَّ تَوَلّٰىٓ انصرف اِلَى الظِّلِّ سمرة من شدةِ حر الشمسِ وهو جائع فَقَالَ رَبِّ اِنِّىْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَىَّ مِنْ خَيْرٍ طعام فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾ محتاج فرجَعَتا الى اَبيهما فى زمن اَقلَّ مما كانتا تَرجِعان فيه فسألهما عن ذٰلك فاَخبَرتاه بمن سقى لهما فقال لاحدٰهما ادعِيه لى قال تعالىٰ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰهُمَا تَمْشِىْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ اى واضعةً كُمَّ درعِها على وجهها حياءً منه قَالَتْ اِنَّ اَبِىْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا فاجابها منكِرًا فى نفسه اَخذَ الاُجرةِ وكانها قصدت المكافاة اِن كان ممَّن يريدُها فمَشَتْ بَيْنَ يديه فجعلتِ الريحُ تَضرِبُ ثوبَها فتكشِفُ ساقَها فقال لها اِمشى خَلفى ودُلِّينى على الطريقِ ففعلتْ الى ان جاء اباها وهو شُعيب عليه السلام وعنده عَشاء قال له اِجلِس فتَعش قال اَخافُ ان يكونَ عوضًا مما سقيتُ لَهما وانا اَهلُ بيتٍ لا نطلبُ على عملِ خير عوضًا قال لاعَادتى وعادةُ اٰبائى نَقرى الضيفَ ونُطعم الطعامَ فاكل واَخبره بحاله قال تعالىٰ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ مصدر بمعنى المَقصوصِ من قتله القبطى وقصدهم قتلَه وخوفِه من فرعون قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ اذ لا سلطانَ لفرعونَ على مدين قَالَتْ اِحْدٰهُمَا وهى المُرسَلةُ الكبرىٰ او الصُغرىٰ يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اتَّخِذه اَجيرا يرعى غَنمَنا اى بَدلَنا اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِىُّ الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾ اى استاجره لِقوّته وامانته فسَالها عنهما فاَخبرتْه بما تَقدَّم من رَفعِه حَجَر البئرِ ومن قولِه لها اِمشى خلفى وزيادةٍ انها لما جاء ته وعَلِم بها صوَّب راسَه فلم يرفعه فرَغِبَ فى انكاحِه قَالَ اِنِّىْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَىَّ هٰتَيْنِ وهى الكُبرىٰ او الصُغرىٰ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِىْ تكونُ اَجيرًا لى فى رَعى غَنمى ثَمٰنِىَ حِجَجٍ اى سنين فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا اى رعى عشر سِنينَ فَمِنْ عِنْدِكَ التمامُ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ باشتراطِ العَشر سَتَجِدُنِىْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ للتبركِ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ الوافِينَ بالعهدِ قَالَ موسىٰ ذٰلِكَ الذى قلتَ بَيْنِىْ وَبَيْنَكَ

أَيَّمَا الْأَجَلَيْنِ الثمانَ او العَشر ومَا زائدة اى رَعيَه قَضَيْتُ به اى فَرَغتُ عنه فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ بطَلبِ الزِّيادةِ عليه وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ أنا وانت وَكِيْلٌ حفيظٌ او شَهيدٌ فتمَّ العَقدُ بذٰلك وامر شُعيبٌ اِبنتَهٗ اَنْ يُّعطى موسٰى عَصًا يَدفعُ بِها السِّبَاعَ عن غَنَمِه وكانت عِصِيّ الانبياءِ عنده فوقع فى يدِها عصا اٰدَمَ من اٰسِ الجَنَّة فاخذها موسٰى بعلم شعيبٍ.

ترجمہ: اور جب مدین کی طرف متوجہ ہوئے یعنی مدین کی طرف رخ کیا، مدین شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بستی تھی جو مصر سے آٹھ دن کی مسافت پر واقع تھی، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحبزادے مدین بن ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام سے یہ بستی موسوم تھی، اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مدین کے راستہ سے واقف نہیں تھے تو کہنے لگے مجھے امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھے راستے کی رہنمائی فرمائے گا، یعنی سیدھے راستہ یعنی مدین کے متوسط راستہ کی رہنمائی کرے گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ایک فرشتہ کو بھیج دیا جس کے ہاتھ میں نیزہ تھا، تو وہ فرشتہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مدین کی طرف لے چلا، چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مدین کے پانی یعنی اس کے کنوئیں پر پہنچے تو دیکھا کہ لوگوں کی ایک بڑی جماعت اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہی ہے اور ان لوگوں سے الگ دو عورتوں کو دیکھا جو اپنی بکریوں کو پانی سے روکے ہوئے ہیں، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان دونوں سے معلوم کیا تمہارا کیا معاملہ ہے؟ تم پانی کیوں نہیں پلا رہیں؟ وہ بولیں جب تک چرواہے واپس نہ چلے جائیں ہم پانی نہیں پلاتیں، الرِّعَاء راعٍ کی جمع ہے یعنی جب تک یہ چرواہے اپنے جانوروں کو پانی پلا کر واپس نہ چلے جائیں ہم خوف ازدحام کی وجہ سے پانی نہیں پلاتیں (اور جب بھیڑ ختم ہو جائے گی) تو ہم پلائیں گی، اور ایک قراءت میں یُصْدِرُ (افعال) سے ہے ای یُصْرِفوا مواشیَهم عن الماء (یعنی جب تک اپنے جانوروں کو نہ لوٹا لیں) اور ہمارے والد صاحب بڑی عمر کے بوڑھے ہیں یعنی وہ پانی پلانے پر قادر نہیں ہیں خلاصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے ان کی بکریوں کو دوسرے کنوئیں سے جو اس کنوئیں کے قریب ہی تھا پانی پلا دیا، ایک بھاری پتھر اس کنوئیں سے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (تنہا) اٹھا دیا کہ جس کو دس افراد (بمشکل) اٹھا سکتے تھے پھر دھوپ کی سخت گرمی کی وجہ سے ببول کے ایک درخت کے سایہ کی طرف لوٹ آئے حال یہ کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھوکے بھی تھے پھر دعاء کی اے میرے پروردگار (اس وقت) جو نعمت بھی مجھ پر بھیج دیں کھانا (وغیرہ) میں اس کا حاجت مند ہوں، چنانچہ وہ دونوں لڑکیاں (روزانہ) جتنے وقت میں لوٹا کرتی تھیں اس سے کم وقت میں اپنے ابا جان کے پاس لوٹ آئیں، تو ان کے والد نے ان سے جلدی چلے آنے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے اس شخص کے بارے میں خبر دی جس نے ان کی بکریوں کو پانی پلایا تھا، تو ان کے والد نے ان میں سے ایک سے کہا اس کو میرے پاس بلا لاؤ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اتنے میں ان دونوں میں سے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ایک لڑکی آئی کہ شرماتی ہوئی چلتی تھی یعنی حضرت موسیٰ سے حیاء کی وجہ سے اپنے کرتے کی آستین کو اپنے چہرے پر رکھے ہوئے کہنے لگی میرے ابا جان آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ آپ نے

جو ہمارے (جانوروں) کو پانی پلایا ہے اس کا صلہ دیں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس لڑکی کی دعوت کو قبول کرلیا، اپنے دل میں اجرت لینے کو ناپسند کرتے ہوئے اور گویا کہ لڑکی کا مقصد بدلہ دینا تھا اگر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اجرت لینا چاہیں پھر وہ لڑکی موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آگے آگے چلی اور ہوا اس کے کپڑے کو اڑانے لگی جس کی وجہ سے اس کی پنڈلی کو ظاہر کرنے لگی تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تم میرے پیچھے چلو اور مجھے راستہ بتاتی رہو، چنانچہ لڑکی نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ اپنے ابا جان شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پہنچ گئی، ان کے پاس شام کا کھانا تیار تھا، حضرت شعیب نے فرمایا تشریف رکھئے اور کھانا تناول فرمایئے، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ (کھانا) ان کے (جانوروں) کو میرے پانی پلانے کا عوض ہو، اور میرا تعلق ایسے گھرانے سے ہے کہ ہم کارِ خیر پر کوئی اجرت نہیں لیتے، حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ایسی بات نہیں ہے بلکہ میرا اور میرے آباؤ اجداد کا یہ معمول ہے کہ ہم مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور کھانا کھلاتے ہیں، چنانچہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کھانا تناول فرمایا اور اپنی (پوری) سرگذشت سنائی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَمَّا جَاءَهُ جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے پاس پہنچے اور ان سے اپنا سارا حال بیان کیا (القصص) مصدر ہے مقصوص کے معنی میں ہے یعنی اپنے قبطی کو قتل کرنے اور اُن کے ان کو قتل کرنے اور فرعون کی جانب سے اپنے خوف کی پوری سرگذشت سنائی تو شعیب کہنے لگے (اب) اندیشہ نہ کرو تم ظالم لوگوں سے بچ آئے اس لئے کہ مدین پر فرعون کی سلطنت نہیں ہے ان میں سے ایک نے اور وہ وہی تھی جس کو (بلانے) بھیجا تھا، بڑی یا چھوٹی کہا ابا جان ان کو ملازم رکھ لیجئے (یعنی) ان کو اجیر رکھ لیجئے ہمارے بجائے ہماری بکریوں کو چرائیں گے کیونکہ جنہیں آپ اجرت پر رکھیں گے ان میں سب سے بہتر وہ ہوگا جو قوی اور امانت دار ہوگا یعنی ان کی قوت اور امانت کی وجہ سے ان کو ملازم رکھ لیجئے، چنانچہ (شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے اپنی بیٹی سے ان دونوں صفات کے بارے میں معلوم کیا تو اس نے وہ سب باتیں جن کا ذکر اوپر گذرا ہے اپنے والد صاحب کو بتائیں یعنی ان کے کنوئیں کے پتھر کو (تنہا) اٹھانے اور ان کے اس سے یہ کہنے کہ میرے پیچھے پیچھے چلو اور مزید کچھ اضافہ کے ساتھ یہ کہ جب میں ان کے پاس پہنچی اور ان کو میری آمد کا علم ہوا تو اپنا سر جھکالیا اور اٹھایا نہیں، چنانچہ شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سے نکاح کرانے کی طرف راغب ہوئے، تو شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں اپنی ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا تم سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اور وہ بڑی ہے یا چھوٹی اس شرط پر کہ تم آٹھ سال تک میرے یہاں ملازمت کرو یعنی تم میری بکریاں چرانے کا کام کرو اور اگر آپ دس سال پورے کردیں یعنی دس سال بکریاں چرائیں تو یہ اتمام آپ کی طرف سے ہوگا اور میں آپ کو دس سال کی شرط لگا کر کسی مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا اور آپ انشاء اللہ تبرک کے لئے ہے مجھے عہد کو وفا کرنے والا پائیں گے تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یہ بات جو آپ نے فرمائی میرے اور آپ کے درمیان مکمل ہوگئی ان دونوں میں سے یعنی آٹھ یا دس سال میں سے جس مدت کو بھی میں پورا کروں اس پر زیادتی کا مطالبہ کرکے مجھ پر کوئی جبر نہ ہوگا اَیَّمَا میں مازائدہ ہے یعنی چرانے کی مدت کو (پورا کروں) اور ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اللہ اس پر نگہبان ہے یا شاہد ہے، اس بات سے عقد (نکاح) مکمل ہوگیا اور حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی بیٹی سے کہا (ان

کو) ایک عصا دیدیں جس کے ذریعہ بکریوں کی درندوں سے حفاظت کریں (اور انبیاء سابقین کے) بہت سے عصا ان کے پاس موجود تھے چنانچہ لڑکی کے ہاتھ میں آدم علیہ الصلاۃ والسلام کا عصا آگیا جو جنت کے درخت مورو کا تھا، چنانچہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے وہ عصا شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کے علم میں لاکر لے لیا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلَهُ: سَوَاءَ السَّبِيْلِ یہ اضافت صفت الی الموصوف ہے ای الطریق الوسط۔ سواءَ السَّبِيْل کی تفسیر قصد السَّبیل سے کی ہے، اور یہ بتانے کے لئے کہ یہ اضافت صفت الی الموصوف کے قبیل سے قصد الطریق کی تفسیر الطریق الوسط سے کی ہے۔

قَوْلَهُ: عَنَزَة، عنزہ عصا سے بڑا اور نیزے سے چھوٹا ہوتا ہے اس کے نیچے والے سرے پر لوہے کی اَنی ہوتی ہے۔

قَوْلَهُ: مَاءَ مدینَ کی تفسیر بئرٌ سے کرکے اشارہ کردیا کہ حال بول کر محل مراد ہے اور بئرٌ سے پہلے هو مبتداء محذوف ہے بئر اس کی خبر ہے ای هو بئرٌ کائن فیها.

قَوْلَهُ: اُمَّةً کی تفسیر جماعة کثیرة سے کرکے اشارہ کردیا کہ تنوین تکثیر کے لئے ہے۔

قَوْلَهُ: تَذُوْدَانِ امرأتین کی صفت ہے نہ کہ وَجَدَ کا مفعول ثانی اس لئے کہ وَجَدَ بمعنی لَقِیَ ہے۔

سَوَال: مندرجہ ذیل چار افعال کے مفعولوں کو کیوں حذف کیا گیا ہے؟ یَسْقُوْنَ، تَذُوْدَانِ وَلَا نَسْقِی اور یُصْدِرُ الرعاءُ.

جَوَاب: چونکہ مقصود بالذات فعل ہوتا ہے نہ کہ مفعول لہٰذا مذکورہ چاروں فعلوں کے مفاعیل کو حذف کردیا گیا ہے۔

قَوْلَهُ: علی أن تاجرنی فاعل یا مفعول سے حال ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے ای مشروطًا علیَّ او علَیْكَ ذٰلكَ.

قَوْلَهُ: التمام محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ مِنْ عندكَ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

قَوْلَهُ: ذٰلك مبتداء ہے اور بینی وبینك اس کی خبر ہے۔

قَوْلَهُ: اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ ایُّ شرطیہ ہے ما زائدہ ہے فَلَا عُدْوانَ جواب شرط ہے۔

تفسیر و تشریح

وَلَمَّا توجَّهَ تِلقاء مدینَ، مدین ملک شام کے ایک شہر کا نام ہے جو مدین بن ابراہیم کے نام سے موسوم ہے ان ہی نے اس شہر کو بسایا تھا، یہ علاقہ فرعونی حکومت سے خارج تھا، مصر سے مدین آٹھ دن کی مسافت پر واقع تھا، حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو جب فرعونی سپاہیوں کا طبعی خوف پیش آیا، جو نہ نبوت کے منافی ہے اور نہ توکل کے تو مصر سے ہجرت کا ارادہ فرمایا، اور مدین کی

سمت کو شاید اس لئے اختیار کیا کہ مدین بھی اولاد ابراہیم کی بستی تھی اور حضرت موسیٰ بھی حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے تھے اس لئے کہ حضرت موسیٰ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پوتے حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل سے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مصر سے بالکل بے سروسامانی کی حالت میں نکلے، نہ کوئی توشہ تھا اور نہ کوئی سامان اور نہ راستہ معلوم، اسی اضطرار کی حالت میں اللہ جل شانہ کی طرف متوجہ ہوئے اور دعاء فرمائی عسٰی ربّی ان یھدینی سواءَ السبیل یعنی امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھے راستے کی طرف رہنمائی فرمائے گا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی یہ دعاء قبول فرمائی، مدین کے تین راستے تھے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہدایت خداوندی متوسط راستہ اختیار فرمایا فرعونی سپاہی آپ کی تلاش وجستجو میں نکلے اور مشورہ میں یہ طے ہوا کہ بھاگنے والا کبھی سیدھا راستہ اختیار نہیں کرتا ہمیشہ بعید اور غیر معروف راستہ اختیار کرتا ہے لہٰذا موسیٰ نے بھی مختصر اور سیدھے راستہ کو چھوڑ کر طویل اور غیر معروف راستہ اختیار کیا ہوگا چنانچہ فرعونی سپاہیوں نے درمیانی سیدھا راستہ ترک کر کے دشوار اور طویل راستہ اختیار کیا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بخیر وعافیت اپنی منزل مقصود پر پہنچ گئے اور فرعونی سپاہی خائب وخاسر واپس آ گئے، مفسرین لکھتے ہیں کہ اس سفر میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غذا صرف درختوں کے پتے تھے۔

وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مدینَ، ماءِ مدینَ سے وہ کنواں مراد ہے جس سے اس بستی کے لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلاتے تھے، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو عورتوں کو دیکھا کہ وہ اپنی بکریوں کو روکے ہوئے دور کھڑی ہیں، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رحم آیا تو ان سے معلوم کیا کہ تم اپنی بکریوں کو کیوں روکے کھڑی ہو؟ پانی کیوں نہیں پلاتیں؟ ان دونوں نے جواب دیا کہ ہماری عادت یہی ہے کہ ہم مردوں کے ساتھ اختلاط سے بچنے کے لئے اس وقت تک بکریوں کو پانی نہیں پلاتیں جب تک یہ لوگ کنوئیں پر ہوتے ہیں، قدرتی طور پر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا تمہارے یہاں کوئی مرد نہیں کہ جو یہ کام انجام دے سکے تو اس سوال کا جواب انہوں نے خود ہی وَاَبُوْنَا شیخٌ کبیرٌ کہہ کر دیدیا کہ ہمارے والد صاحب بہت ضعیف اور بوڑھے ہیں وہ یہ کام نہیں کر سکتے، اس لئے ہم اس کام کے لئے مجبور ہیں، اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی۔

اس واقعہ سے چند اہم فوائد حاصل ہوئے، اول ضعیفوں کی مدد کرنا، انبیاء کی سنت ہے، دوسرا بوقت ضرورت اجنبی عورت سے بات کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، بشرطیکہ فتنہ کا خوف نہ ہو، تیسرا شرم وحیا عورتوں کا زیور ہے یہ واقعہ اگرچہ اسلام سے بہت پہلے کا ہے مگر اس وقت بھی دونوں لڑکیوں نے اپنی فطری اور طبعی شرافت کی وجہ سے تکلیف برداشت کرنا تو گوارا کیا مگر مردوں کے ساتھ اختلاط پسند نہیں کیا، چوتھا عورتوں کا باہر کے کاموں کے لئے نکلنا اس وقت بھی ناپسند سمجھا جاتا تھا اسی لئے لڑکیوں نے اپنے باہر نکلنے کا یہ کہہ کر عذر بیان کیا کہ چونکہ ہمارے والد صاحب ضعیف اور بوڑھے ہیں اس لئے بدرجہ مجبوری ہم کو نکلنا پڑا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان لڑکیوں پر ان کی مجبوری کی وجہ سے رحم آ گیا اسی کنوئیں سے یا اس کے قریب دوسرے کنوئیں سے جس پر ایک بھاری پتھر رکھا ہوا تھا جس کو بمشکل دس آدمی اٹھا سکتے تھے تنہا اٹھا کر الگ رکھدیا اور ان کی بکریوں کو پانی پلا دیا، اور ببول کے ایک درخت کے سایہ میں جا کر بیٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت مندی کے لئے دعا کرنے لگے۔

ادھر یہ ہوا کہ یہ لڑکیاں اپنے مقررہ وقت سے پہلے گھر پہنچ گئیں تو ان کے والد نے وجہ دریافت کی لڑکیوں نے واقعہ بیان کیا، حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چاہا کہ اس شخص نے احسان کیا ہے اس کی مکافات کرنی چاہئے، اس لئے انہیں ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کو بلانے بھیجا، یہ حیا کے ساتھ شرماتی ہوئی پہنچی، اور شرماتے ہوئے حیاء کی وجہ سے منہ پر کرتے کی آستین رکھ کر بات کی، اور اپنے والد صاحب کی دعوت حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچا دی تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے ساتھ چل پڑے، ہوا چونکہ تیز تھی جس کی وجہ سے کپڑا اڑتا تھا جس سے اس کی پنڈلی کھل جاتی تھی تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تم میرے پیچھے چلو اور اشارہ یعنی دائیں بائیں کہہ کر راستہ بتاتی رہو۔

گھر پہنچ کر حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دعاء سلام ہوئی شام کا کھانا تیار تھا شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کھانے کے لئے کہا مگر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ کہہ کر کھانے سے معذرت کر دی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں نے آپ کی بکریوں کو پانی پلا کر جو نیکی کی ہے یہ کھانا اس کا معاوضہ ہو تو حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ایسی بات نہیں ہے بلکہ مہمانوں کی مہمان نوازی کرنا تو ہمارا خاندانی طریقہ ہے چنانچہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کھانا تناول فرمایا کھانے کے دوران حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے پورے واقعہ کی قتل قبطی سے لیکر آخر تک کی پوری روداد سنا دی حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اب اندیشہ نہ کرو یہ علاقہ فرعون کی حکومت سے خارج ہے وہ یہاں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک صاحبزادی نے جس کا نام صفوراء بتایا گیا تھا اپنے والد سے عرض کیا کہ آپ کو گھر کے کام کاج کے لئے ایک ملازم کی ضرورت ہے آپ ان ہی کو ملازم رکھ لیجئے کیونکہ ملازم میں دو صفتوں کا ہونا ضروری ہے ایک تو کام کی صلاحیت دوسرے امانت و دیانت داری، ہمیں ان کے تنہا پتھر اٹھا کر پانی پلانے سے ان کی قوت کا اندازہ ہو گیا اور راستہ میں اپنے پیچھے کر دینے سے امانت داری کا تجربہ ہو چکا ہے۔

چنانچہ حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِنِّی اُرِیْدُ اَنْ اُنْکِحَكَ اِحْدَی ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ کہہ کر خود ہی اپنی ایک لڑکی کے نکاح کا ارادہ ظاہر فرمایا، اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر کوئی مرد صالح مناسب حال ملے تو پھر لڑکی کے ولی کو اس کا انتظار نہیں کرنا چاہئے کہ لڑکے کی طرف سے پیش کش ہو بلکہ خود ہی پیش کش کرنا سنت انبیاء ہے، تفسیر ابو سعود میں چھوٹی لڑکی کا نام صفیراء اور بڑی کا صفراء لکھا ہے۔

اِحْدَی ابْنَتَیَّ شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دونوں لڑکیوں میں سے کسی ایک کو متعین کر کے گفتگو نہیں فرمائی بلکہ اس کو مبہم رکھا کہ ان میں سے کسی ایک کو آپ کے نکاح میں دینے کا اردہ ہے، مگر چونکہ یہ باقاعدہ عقد نکاح نہیں تھا جس میں ایجاب و قبول اور گواہوں کا ہونا شرط ہے بلکہ یہ تو معاملہ کی گفتگو تھی تاکہ شرائط معاملہ طے ہو جائیں، مثلاً یہ کہ اگر آپ کو آٹھ سال تک ہمارے یہاں ملازمت منظور ہو تو ہم ایک لڑکی کا نکاح آپ سے کر دیں گے، لہٰذا یہاں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ منکوحہ کی تعیین کے بغیر نکاح کیسے درست ہو گیا؟

عَلٰی اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ آٹھ سال کی ملازمت و خدمت کو نکاح کا مہر قرار دیا گیا، اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ

شوہر اپنی بیوی کی خدمت وملازمت کو اس کا مہر قرار دے سکتا ہے یا نہیں، اول بات یہ ہے کہ مہر کا یہ معاملہ اگر چہ شریعت محمد یہ کے لحاظ سے درست نہ ہو مگر شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کے لحاظ سے درست ہو شرائع انبیاء میں اس قسم کے فروعی مسائل میں فرق ہونا نصوص سے ثابت ہے۔

امام ابوحنیفہ کی ظاہر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خدمت زوجہ کو مہر نہیں بنایا جاسکتا، مگر ایک روایت جس پر علماء متاخرین نے فتویٰ دیا ہے کہ خود بیوی کی خدمت کو مہر قرار دینا تو شوہر کے احترام واکرام کے خلاف ہے، مگر بیوی کا کوئی ایسا کام جو گھر سے باہر کا ہو مثلاً بکریاں چرانا یا تجارت وغیرہ اگر اس میں شرائط اجارہ کے مطابق مدت متعین کردی جائے جیسا کہ اس واقعہ میں آٹھ سال کی مدت متعین کردی گئی تو اس کی صورت یہ ہوگی کہ اس مدت کی ملازمت کی تنخواہ بیوی کے ذمہ لازم ہوگی تو اس تنخواہ کو مہر قرار دینا جائز ہوگا۔ (ذکرہٗ فی البدائع عن نوادر ابن سماعۃ بحوالہ معارف)

قِوْلُہٗ: **فوقع فی یدھا عصا آدم** حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی لڑکی سے کہا ان کو ایک عصا دیدو تاکہ اس سے بکریوں کی نگرانی کریں، شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس انبیاء علیہم السلام کے متبرک باقیات تھے ان میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا موروکا وہ عصا بھی تھا جس کو وہ جنت سے ساتھ لائے تھے لڑکی کے ہاتھ میں وہی عصا آ گیا حضرت شعیب چونکہ نابینا تھے، اس لئے ٹٹول کر معلوم کرلیا کہ یہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عصا ہے یہ کہہ واپس کردیا کہ دوسرا دیدو، اس طرح سات مرتبہ واپس کیا مگر ہر بار وہی عصا ہاتھ میں آتا تھا مجبوراً وہی عصا حضرت موسیٰ کو دیدیا مگر شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بعد میں خیال آیا کہ یہ تو انبیاء کی امانت تھی مجھے نہیں دینا چاہئے تھی واپسی کا مطالبہ کیا مگر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انکار کردیا اس میں نزاع پیدا ہوا بات زیادہ بڑھ گئی آخر یہ طے ہوا کہ سب سے پہلے جو شخص آئے وہ جو فیصلہ کرے وہ فریقین کو منظور ہوگا، چنانچہ انسان کی شکل میں ایک فرشتہ آیا اور اس نے یہ فیصلہ کیا کہ اس عصا کو زمین پر ڈالدیا جائے جو اٹھالے وہ لے لے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اٹھانے کی کوشش کی مگر نہ اٹھا سکے، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اٹھالیا تو ان ہی کو دیدیا گیا۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ ای رَعْیَہٗ وھو ثَمانٍ او عَشَرَ سِنِیْنَ وھو المَظْنُوْنُ بہ **وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ** زَوْجَتِہٖ بِاِذْنِ ابیھا نَحْوَ مِصْرَ **اٰنَسَ** اَبْصَرَ مِن بَعِیْدٍ **مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ** اِسْمُ جَبَلٍ **نَارًا قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا** ھُنا **اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ** عن الطَّرِیق وکان قد اخطأھا **اَوْ جَذْوَةٍ** بِتَثْلِیْثِ الجیمِ قِطْعَۃٍ او شُعْلَۃٍ **مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ** ﴿۲۹﴾ تَسْتَدْفِئُوْنَ والطاءُ بُدِّلَ مِنْ تاءِ الاِفْتِعَالِ مِن صَلِیَ بالنَّارِ بکسر اللّامِ وفتحِھا **فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ** جانِبِ **الْوَادِ الْاَيْمَنِ** لِمُوسٰی **فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ** لِمُوسٰی لسماعِہ کَلامَ اللّٰہِ فِیھا **مِنَ الشَّجَرَةِ** بَدَلٌ مِنْ شَاطِئٍ باعَادَۃِ الجَارِ لِنَباتِھا فِیہِ وھِیَ شَجَرَۃُ عِنابٍ او عُلَّیقٍ اوعَوسَجٍ **اَنْ** مُفَسِّرَۃٌ لا مُخَفَّفَۃٌ **يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ** ﴿۳۰﴾ **وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ** فالقاھا **فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ** تَتَحرَّکُ **كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ** وھی الحَیَّۃُ الصَّغِیرۃُ مِن سُرعَۃِ حَرَکَتِھا **وَّلّٰى مُدْبِرًا** ھارِبًا منھا **وَّلَمْ يُعَقِّبْ** ای یَرجِع

فنُودِیَ **يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ۞ اُسْلُكْ** اُدْخِل **يَدَكَ** اليمنٰى بمعنى الكفِ **فِيْ جَيْبِكَ** هو طوقُ القميصِ واخرجها **تَخْرُجْ** خلافَ ما كانت عليه من الأدمةِ **بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ** اى بَرَصٍ فادخلها واَخرجها تُضِيءُ كشُعَاعِ الشَّمْسِ تُغشِي البَصَرَ **وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ** بفتحِ الحرفَيْن وسُكُونِ الثانى معَ فتحِ الاَوَّلِ وضَمِّه اى الخوفِ الحَاصِلِ مِنْ إضَاءَةِ اليدِ بان تُدخلها فى جَيْبِكَ فتَعُوْدَ الى حالَتِهَا الأُولٰى وعبَّر عنها بالجَناحِ لانها لِلْاِنْسَانِ كالجناحِ للطائِرِ **فَذٰنِكَ** بالتشديدِ والتخفيف اى العَصَا واليَد وهما مؤنَّثان وانما ذُكِّرَ المشارُ بِهِ اِلَيهما المُبْتَدأُ لِتَذْكِيرِ خبرِه **بُرْهَانٰنِ** مُرسَلانِ **مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۞**

ترجمہ: چنانچہ جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدت پوری کردی یعنی (بکریاں) چَرائی کی مدت، اور وہ آٹھ یا دس سال تھی اور غالب گمان یہ ہے کہ دس سال پورے کئے اور اپنی اہلیہ کو اس کے والد کی اجازت سے مصر کی طرف ہمراہ لیکر روانہ ہوگئے (تو) دور سے طور جو کہ ایک پہاڑ کا نام ہے کی جانب آگ دیکھی تو اپنی اہلیہ سے کہا تم یہاں ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے بہت ممکن ہے کہ میں وہاں سے راستہ کی خبر حال یہ ہے کہ موسیٰ راستہ بھول گئے تھے یا آگ کا ٹکڑا یا شعلہ لاؤں جَذوة جیم میں تینوں اعراب جائز ہیں تا کہ تم تاپو یعنی تا کہ تم سینکو طاء باب افتعال کی تاء سے بدلی ہوئی ہے، اور یہ صَلِيَ بالنار کسرہ لام اور فتحہ لام سے مشتق ہے، پس جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آگ کے پاس پہنچے تو موسیٰ کو ان کی دائیں جانب وادی کے کنارے درخت سے ندا دی گئی موسیٰ کے لئے مبارک میدان میں ان کے اس میدان میں اللہ کا کلام سننے کی وجہ سے (یعنی وہ میدان موسیٰ کے لئے نہایت مبارک تھا اس میدان میں ان کو نبوت ملنے اور اللہ سے ہم کلام ہونے کی وجہ سے) مِنَ الشجرةِ اعادۂ جار کے ساتھ وادی سے بدل ہے اس درخت کے اس وادی میں اگنے کی وجہ سے، اور وہ عناب یا امبربیل یا جھاڑی کا درخت تھا اَنْ مفسرہ ہے نہ کہ مخففہ اے موسیٰ یقیناً میں ہی اللہ ہوں سارے جہانوں کا پروردگار اور (یہ بھی) آواز آئی (اے موسیٰ) اپنی لاٹھی ڈالدے چنانچہ لاٹھی ڈالدی پھر جب اس لاٹھی کو دیکھا کہ سانپ کی طرح حرکت کر رہی ہے گویا کہ وہ سریع الحرکت ہونے کے اعتبار سے (جان) یعنی چھوٹا سانپ ہے تو موسیٰ اس سے پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (تو حکم ہوا) اے موسیٰ آگے آؤ اور ڈرو نہیں یقیناً تم امن میں ہو اور تم اپنے داہنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں داخل کرو اور طوق کرتے کے گریبان کو کہتے ہیں (اپنے) سابق گندمی رنگ کے برخلاف بغیر کسی مرض کے چمکتا ہوا نکلے گا یعنی برص (وغیرہ) کے بغیر چنانچہ ہاتھ کو داخل کیا اور نکالا تو سورج کی شعاعوں کے مانند روشن تھا اور آنکھوں کو (خیرہ) چکا چوند کر رہا تھا اور خوف سے (بچنے کے لئے) اپنے بازو اپنی طرف ملالے دونوں حرفوں کے فتحہ اور دوسرے کے سکون معہ فتحہ اول اور ضمہ اول کے یعنی اس خوف سے (بچنے کے لئے) جو ہاتھ کے چمکدار ہونے کی وجہ سے حاصل ہو، بایں طور کہ تم ہاتھ کو (دوبارہ) اپنے گریبان میں داخل کرو تو وہ اپنی سابقہ حالت پر لوٹ آئے گا اور ہاتھ کو بازو سے

تعبیر کیا ہے اس لئے کہ انسان کے لئے ہاتھ ایسے ہی ہیں جیسے پرندوں کے لئے بازو، پس یہ دو معجزے تیرے لئے تیرے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجے ہیں ذَانِّكَ تشدید اور تخفیف کے ساتھ یعنی عصا اور ید اور یہ دونوں مؤنث ہیں اور جس اسم اشارہ کے ذریعہ ان دونوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ مبتداء ہے اس کو مذکر لایا گیا ہے اور اس کی خبر کے مذکر ہونے کی رعایت کی وجہ سے کیونکہ وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَهُ: جُذْوَة میں تینوں اعراب ہیں، اس لکڑی کو کہتے ہیں جس کے سرے میں شعلہ ہو، موٹی لکڑی کو بھی جذوة کہتے ہیں من نارٍ جذوةٍ کا بیان ہے فَلَمَّا اَتَاهَا میں ها کا مرجع نار ہے۔

قِوْلَهُ: من شاطئ الواد میں من ابتداء غایۃ کے لئے ہے اور اَیْمن، شاطی یا وادی کی صفت ہے اور ایمن یمین سے بمعنی دایاں ہے، اور جانب یمین سے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی جانب یمین مراد ہے اور فی البقعة نودی سے متعلق ہے۔

قِوْلَهُ: لسماعه کلام اللّٰه یعنی وہ میدان موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے اس لئے مبارک تھا کہ اس میدان میں ان کو نبوت سے سرفراز کیا گیا اور رب العالمین سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا۔

قِوْلَهُ: من الشجرة یہ شاطی سے بدل الاشتمال ہے، اور وجہ ملابسۃ کی جانب مفسر علام نے لِنَبَاتِهَا فيه کہہ کر اشارہ کر دیا ہے چونکہ وہ درخت شاطی (کنارہ) میں تھا اس لئے گویا کہ نداء درخت سے آئی، وہ درخت کس چیز کا تھا اس میں تین قول نقل کئے ہیں، اول عناب جو کہ معروف ہے، اس پھل کو بھی عناب ہی کہتے ہیں جنگلی بیر سے کچھ بڑا اور رنگ سرخ سیاہی مائل ہوتا ہے، دوسرا عُلَّیْق یہ درختوں سے لپٹنے والی بیل نما ایک چیز ہوتی ہے، پتے بہت کم ہوتے ہیں، سویّوں کے مانند پورے درخت پر چھا جاتی ہے جس درخت پر لپٹ جاتی ہے اس کا رس چوس کر خشک کر دیتی ہے، رنگ زرد ہوتا ہے، عوام میں اس کے مختلف نام ہیں آکاش بیل، امر بیل، فارسی میں عشق پیچاں کہتے ہیں، طبی نام افتیمون ہے، تیسرا عوسج کانٹوں دار ایک جنگلی درخت ہے اس پر چھوٹے چھوٹے کھٹے میٹھے پھل آتے ہیں، جس کو عام طور پر جھڑ بیری کہتے ہیں۔

قِوْلَهُ: اَنْ مفسرہ بعض حضرات نے اس اَن کو مخففہ عن المثقلہ کہا ہے جو درست نہیں ہے یہ اَنْ مفسرہ ہے اس سے پہلے چونکہ نودی آیا ہوا ہے جو کہ قول کے ہم معنی ہے لہٰذا اس کا ان مفسرہ ہونا متعین ہے ای نُودِیَ بأنْ یا موسیٰ جانٌّ چھوٹے سانپ کو کہتے ہیں اور ثعبان بڑے سانپ کو کہتے ہیں اور حیة مطلق سانپ کو کہتے ہیں قرآن کریم میں اس کو جانٌّ بھی کہا گیا ہے اور ثعبان بھی، تطبیق کی صورت یہ ہے کہ ابتداءً ڈالتے وقت تو جان (چھوٹا) ہوتا تھا مگر بعد میں بڑا ہو جاتا تھا، یا سرعۃ حرکت کے اعتبار سے وہ چھوٹے سانپ کی طرح سریع الحرکت تھا مگر جسم و جثہ کے اعتبار سے ثعبان اژدہا تھا۔

قِوْلَهُ: ذُكِّرَ المشارُ به اِلَيهِمَا یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ عصا اور ید دونوں مؤنث ہیں لہٰذا ان کے

لئے اسم اشارہ مؤنث "تــــان" لانا چاہئے تھا نہ کہ ذانِ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں خبر کی رعایت کی گئی ہے خبر جو کہ برھانان ہے مذکر ہے اس لئے مبتداء کو بھی مذکر لے آئے تا کہ مطابقت ہوجائے۔

قولہ: مِنْ رَّبِّكَ یہ محذوف کے متعلق ہے اور وہ برھانان کی صفت ہے جس کی طرف مفسر علام نے مرسلان نکال کر اشارہ کردیا ہے اور بعض حضرات نے کائنان محذوف مانا ہے۔

تفسیر وتشریح

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے مدت ملازمت پوری کردی جو کہ آٹھ سال لازمی اور دس سال اختیاری تھی، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دس سال مدت مراد لی ہے، کیونکہ اس مدت کی حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے ضعیف اور بوڑھے خسر حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کی خواہش بھی یہی تھی کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام دس سال پورے کریں لیکن اس پر جبر نہیں کرسکتے تھے، حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے کریمانہ اخلاق نے اپنے بوڑھے خسر کی دلی خواہش کے خلاف کرنا پسند نہیں کیا (فتح الباری کتاب الشہادات) آنحضرت ﷺ کی بھی یہی عادت مبارکہ تھی کہ حقدار کو اس کے حق سے زیادہ ادا فرماتے تھے اور امت کو بھی اس کی ہدایت فرمائی ہے۔

نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَن (الآیة) یہ مضمون موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے قصہ کے ضمن میں سورۂ طٰہٰ اور سورۂ نمل میں گذر چکا ہے الفاظ اگرچہ مختلف ہیں مگر مضمون تقریباً ایک ہی ہے، اور یہ تجلی بشکل نار تجلی مثالی تھی کیونکہ تجلی ذاتی کا مشاہدہ اس دنیا میں کسی کو نہیں ہوسکتا اور خود موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو اس تجلی ذاتی کے اعتبار سے لَنْ ترانی فرمایا گیا یعنی آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے، مراد مشاہدۂ ذات حق ہے۔

آواز وادی کے کنارے سے آرہی تھی جو مغربی جانب سے پہاڑ کے دائیں طرف سے تھی اور دائیں جانب حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے اعتبار سے تھی اس لئے کہ پہاڑ کی یا کسی بھی چیز کی کوئی دائیں بائیں جانب نہیں ہوتی بلکہ شخص کی دائیں بائیں جانب ہوتی ہے۔

کوہ طور کے اس مقام کو قرآن کریم نے بقعۂ مبارکہ کہا ہے اور ظاہر یہی ہے کہ اس کے مبارک ہونے کا سبب یہ تجلی خداوندی ہے جو اس مقام پر بشکل نار دکھائی گئی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس مقام میں کوئی اہم نیک عمل واقع ہوتا ہے تو وہ مقام بھی متبرک ہوجاتا ہے۔

وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو منصب نبوت پر سرفراز کرنے کے بعد معجزۂ عصا عطا کیا گیا، معجزہ چونکہ خرق عادت معاملہ کو کہا جاتا ہے جو عام عادات اور اسباب ظاہری کے خلاف ہوتا ہے جو مشیت خداوندی سے ظاہر ہوتا ہے اس کے ظہور میں کسی بھی انسان کا اختیار و دخل نہیں ہوتا خواہ وہ جلیل القدر پیغمبر مقرب ہی کیوں نہ ہو، اس لئے جب موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے ہاتھ کی لاٹھی زمین پر ڈالنے سے حرکت کرتی اور دوڑتی پھنکارتی سانپ بن گئی تو حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام بھی ڈر گئے، جب اللہ

تعالیٰ نے بتلایا اور تسلی دی تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خوف دور ہوا، دوسرا معجزہ ید بیضاء عطا فرمایا، اس کی تفصیل سابق میں گذر چکی ہے، مذکورہ دونوں معجزے فرعون اور اس کی جماعت کے سامنے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دلیل صداقت کے طور پر پیش کئے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا هو القِبطِيُّ السَّابق فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۝ به وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا اَبْيَنُ فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً مُعِينًا وفي قِرَاءَةٍ بفتحِ الدَّالِ بلا همزةٍ يُّصَدِّقُنِيْٓ بالجزمِ جوابُ الدُّعاءِ وفي قِرَاءَةٍ بالرَّفعِ وجُملتُه صِفةُ ردْءٍ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۝ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ نُقَوِّيكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا اَبْيَنُ غَلَبَةً فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِسُوءٍ اِذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ۝ سُعينا لهم فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ واضِحاتٍ حالٌ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى مُختلَقٌ وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا كائنًا فِيْٓ ايام اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَقَالَ بواوٍ وبدونِها مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ اي عالِمٌ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ الضَّميرُ للرَّبِّ وَمَنْ عطفٌ على مَن تَكُوْنُ بالفوقانيَّةِ والتَّحتانيَّةِ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اي العاقبةُ المَحمُودةُ فِي الدار الاٰخِرةِ اي وَهُوَ اَنَا في الشِّقَّين فَانا مُحِقٌّ فيما جئتُ به اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ الكافِرُون وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ ۝ فاطبَخْ لي الآجُرَّ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا قَصرًا عاليًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ انظرُ اليه واَقِفُ عليه وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ في ادِّعائِه اِلٰهًا اٰخرَ وانه رَسُولُه وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ۝ بالبناءِ للفاعلِ وللمفعولِ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ طرَحناهم فِي الْيَمِّ ۚ البَحرِ المالِحِ فغرِقُوا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝ حِينَ صَارُوا الى الهلاكِ وَجَعَلْنٰهُمْ في الدُّنيا اَىِٕمَّةً بتحقيقِ الهمزتَين وإبدالِ الثَّانيةِ ياءً رُؤَساءَ في الشِّرك يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ بدُعائِهم الى الشِّرك وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ بدفعِ العذابِ عنهم وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ خِزيًا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ۝ المُبعَدِينَ.

ترجمہ: موسیٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے عرض کیا اے میرے پروردگار مجھ سے ان کے شخص کا خون ہوگیا تھا اور وہ سابق قبطی تھا مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں اس کے عوض میں مجھے بھی قتل کر ڈالیں اور میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہے تو اسے بھی (میرا) معاون بنا کر بھیج دیجئے ایک قراءت میں ردًا دال کے فتحہ کے ساتھ بغیر ہمزہ کے ہے وہ میری تائید کریں گے یُصَدِّقُنِیْ جزم کے ساتھ جواب دعاء (ارسلْہُ کا) اور ایک قراءت قاف کے رفع کے ساتھ جملہ ہو کر ردءًا کی صفت ہونے کی وجہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ میری تکذیب کریں، ارشاد ہوا ہم ابھی تمہارے بھائی کو تمہارا قوت بازو بنائے دیتے ہیں (یعنی) تم کو تقویت پہنچائے دیتے ہیں اور ہم تم کو غلبہ عطا کریں گے جس کی وجہ سے وہ تم پر بدنیتی سے دست رس نہ ہوگے ہماری نشانیاں

(معجزے) لیکر جاؤ تم اور تمہارے متبعین ان پر غالب رہو گے غرض جب موسیٰ ان لوگوں کے پاس ہماری صریح نشانیاں لے کر آئے بَیِّنَاتٍ حال ہے ان لوگوں نے کہا یہ تو گھڑا ہوا جادو ہے اور ہم نے نہیں سنا کہ ہمارے اگلے باپ دادوں کے زمانہ میں ایسی بات ہوئی ہو، اور موسیٰ کہنے لگے میرا پروردگار اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کے پاس سے ہدایت لے کر آتا ہے ایک قراءت میں واؤ کے ساتھ (وقال) ہے اور ایک میں بغیر واؤ کے (قال) (عندہ) کی ضمیر رب کی طرف راجع ہے، اور اس کو (بھی جانتا ہے) جس کے لئے آخرت میں (اچھا) انجام ہے یعنی بہتر انجام ہے آخرت میں، یعنی وہ دونوں صورتوں میں میں ہی ہوں، سو میں جو کچھ لایا ہوں میں اس میں حق پر ہوں، یقیناً ظالم لوگ فلاح نہ پائیں گے یکون میں یا اور تا دونوں قراءتیں ہیں فرعون کہنے لگا اے درباریو! میں تو تمہارا اپنے سوا کوئی معبود نہیں جانتا، اے ہامان! تو میرے لئے مٹی کو آگ میں (پزاوا) لگوا کر پکوا یعنی پکی اینٹیں بنوا اور میرے لئے ایک اونچی عمارت بنوا اونچا محل تاکہ میں موسیٰ کے خدا کو جھانکوں اس کو دیکھوں اور اس سے واقف ہو جاؤں اور میں تو موسیٰ کو اس کے اس دعویٰ میں کہ (میرے علاوہ کوئی) دوسرا معبود ہے اور یہ کہ وہ اس کا رسول ہے جھوٹا سمجھتا ہوں اور فرعون اور اس کے لشکر نے دنیا میں ناحق سر اٹھا رکھا تھا اور یوں سمجھ رہے تھے کہ ان کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہی نہیں ہے (یُرْجِعُوْنَ) معروف اور مجہول دونوں قراءتیں ہیں سو ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا دریائے شور میں، چنانچہ وہ غرق ہو گئے سو دیکھئے ظالموں کا انجام کیسا ہوا؟ جب وہ ہلاکت کی طرف چلے اور ہم نے ان کو دنیا میں ایسا پیشوا بنایا کہ لوگوں کو شرک کی دعوت کے ذریعہ جہنم کی طرف بلاتے تھے (أئمة) میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کو یا سے بدل کر، یعنی شرک میں رئیس بنایا اور قیامت کے روز ان سے عذاب دفع کر کے (مطلقاً) مدد نہ کئے جائیں گے اور ہم نے اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت رسوائی لگا دی اور قیامت کے روز بھی وہ دھتکارے ہوئے لوگوں میں ہوں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: رِدْءًا۔ اَرْسِلْهُ کی ضمیر سے حال ہے بمعنی مددگار جواب الدعاء اصل میں جواب امر کہنا چاہئے تھا مگر ادباً جواب دعاء کہا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں جو امر کے صیغے استعمال ہوتے ہیں وہ دعاء ہی کہلاتے ہیں۔

قِوْلُہٗ: سَنَشُدُّ عَضُدَكَ اس میں مجاز مرسل ہے سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے اس لئے کہ قوت باز و قوت شخص کو مستلزم ہوتی ہے۔

قِوْلُہٗ: بِاٰیٰتِنَا یہاں آیات سے عصا اور ید ہی مراد ہیں مگر دو پر جمع کا صیغہ بولا گیا ہے اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک متعدد آیات پر مشتمل تھا۔

قِوْلُہٗ: بَیِّنَاتٍ آیات سے حال ہے۔

قِوْلُہٗ: اَعْلَمُ ای عَالِمٌ، اَعْلَمُ کی تفسیر عالِمٌ سے کر کے ایک سوال مقدر کا جواب دینا مقصود ہے، سوال یہ ہے کہ اسم تفضیل

اسم ظاہر کو نصب نہیں دیتا، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں اسم تفضیل اسم فاعل کے معنی میں ہے وتکونُ عام قرّاء نے تا کے ساتھ پڑھا ہے، لَهٗ تکون کی خبر اور عاقبَةُ اس کا اسم ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تکون کے اندر ضمیر ھی اس کا اسم ہو اور لَهٗ عاقبة الدار جملہ ہو کر محل میں خبر کے اور شِقَّین شق کا تثنیہ ہے بمعنی کنارہ کے معنی دو کنارے یہاں مَنْ جاء بالھدٰی اور مَنْ یکونَ لهٗ عاقبةُ الدار مراد ہیں۔

قَوْلُهٗ: یَوْمَ القیٰمة هم من المقبوحین ۔ یوم القیٰمة، مقبوحین کے متعلق بھی ہوسکتا ہے مگر ظاہر یہ ہے کہ محذوف کے متعلق ہے تقدیر عبارت یہ ہے قبحوا یوم القیٰمةِ هم من المقبوحین، مقبوحِیْنَ قبحوا کی تفسیر کر رہا ہے مقبوحین مقبوح کی جمع ہے جس کے معنی ہیں بگڑا ہوا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن ان کے چہرے مسخ ہو کر سیاہ اور آنکھیں نیلی ہوجائیں گی، مقبوح اسم مفعول (ک،ف)۔

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

قَالَ رَبِّ اِنِّی قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا یہ ایک واقعی خطرہ تھا جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جان کو لاحق تھا، کیونکہ ان کے ہاتھ سے ایک قبطی کا قتل ہو چکا تھا، اسرائیلی روایات کے اعتبار سے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان میں لکنت تھی جس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ بچپن میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے آگ کے انگارے اور کھجور یا موتی رکھے گئے تھے تو آپ نے انگارا اٹھا کر منہ میں رکھ لیا تھا جس کی وجہ سے آپ کی زبان جل گئی تھی، رواں گفتگو نہ کرنے کی وجہ کوئی بھی ہو قرآن کریم کی نص سے یہ ثابت ہے کہ حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ فصیح الکلام تھے اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان میں گرہ تھی جس کے کھولنے کی دعاء انہوں نے نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد کی، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارگاہ خداوندی میں حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کار رسالت میں شریک کرنے کی دعاء فرمائی جو قبول کر لی گئی، حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معاون و مددگار بنا دیا گیا اور حکم دیدیا کہ تم دونوں فرعون اور فرعونیوں کے پاس جاؤ اور اس کے سامنے دعوت حق پیش کرو اور ڈرنے یا گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، ہم تمہاری حفاظت فرمائیں گے فرعون اور اس کے حواری و موالی تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔

حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام فرعون کے دربار میں:

ان دونوں حضرات نے فرعون اور فرعونیوں کو مدلل طریقہ پر دعوت توحید پیش کی فرعون کے تمام شکوک وشبہات کو دفع کیا فرعون جب لاجواب ہوگیا تو کٹ حجتی پر اتر آیا اور اپنے وزیر ہامان کو بلا کر حکم دیا کہ پختہ اینٹوں کی ایک نہایت ہی بلند و بالا عمارت بنواؤ میں اس پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کو دیکھنا چاہتا ہوں۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ فرعون کے اس واقعہ سے پہلے پختہ اینٹوں کی تعمیر کا رواج نہ تھا، پختہ اینٹ کی تعمیر فرعون کی ایجاد ہے، تاریخی روایات میں ہے کہ فرعون نے اس محل کی تعمیر کے لئے پچاس ہزار معمار جمع کئے مزدور اور لوہے لکڑی کے کام کرنے والے ان کے علاوہ تھے، اور محل کو اتنا اونچا بنایا کہ اس زمانہ میں اس سے زیادہ بلند عمارت نہیں تھی جب عمارت مکمل ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو حکم دیا، انہوں نے ایک ضرب میں اس محل کے تین ٹکڑے کر کے گرا دیا جس میں فرعون کے ہزاروں آدمی دب کر مر گئے۔ (قرطبی بحوالہ معارف)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ التَّورٰة مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى قَوْمَ نُوحٍ وعَادٍ و ثمودَ وغيرِهم بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ حَالٌ مِنَ الكِتَابِ جَمْعُ بَصِيرَةٍ وَهِيَ نُورُ القَلْبِ اي أنْوَارُ لِلْقُلُوبِ وَهُدًى مِنَ الضَّلَالَةِ لِمَنْ عَمِلَ بِهِ وَّرَحْمَةً لِمَنْ آمَنَ بِهِ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ يَتَّعِظُوْنَ بما فِيهِ مِنَ المَوَاعِظِ وَمَا كُنْتَ يا مُحَمَّدُ بِجَانِبِ الجَبَلِ او الوَادِي او المكان الْغَرْبِيِّ مِنْ مُوسٰى حِيْنَ المُنَاجَاةِ اِذْ قَضَيْنَآ اوحَيْنَا اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ بِالرِّسَالَةِ الٰى فِرْعَوْنَ وقومِهِ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ لِذٰلِكَ فَتَعْرِفُه فتُخْبِرُ به وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا أُمَمًا بَعْد مُوسٰى فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ اي طَالَتْ أعْمَارُهم فَنَسُوا العُهُودَ وَانْدَرَسَت العلومُ وانقطع الوَحْيُ فجئنا بك رَسُولًا وَاَوْحَيْنَا اِلَيْكَ خَبَرَ مُوسٰى وغيرِه وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا مُقِيمًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا خَبَرٌ ثَانٍ فَتَعْرِفُ قِصَّتَهم فَتُخْبِرُ بِهَا وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝ لَكَ وَاِلَيْكَ بِاَخْبَارِ المُتَقَدِّمِينَ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ الجَبَلِ اِذْ حِينَ نَادَيْنَا مُوسٰى ان خُذِ الكِتَابَ بقُوَّةٍ وَلٰكِنْ أَرْسَلْنَاكَ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ وهم اهل مكة لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ يَتَّعِظُونَ وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ عُقُوبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ مِنَ الكُفْرِ وغَيْرِه فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ هَلَّا اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ المرسَلَ بِهَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَجَوَابُ لولا مَحْذُوفٌ وما بعدَها مُبْتَدأٌ والمَعْنٰى لَوْلَا الاصابةُ المُسَبَّبُ عنها قَوْلُهُمْ اولو لَا قولُهم المُسَبَّبُ عنها لَعَاجَلْنَاهُمْ بِالعُقُوبَةِ وَلَمَا أَرْسَلْنَاكَ اِلَيْهِمْ رَسُولًا فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مُحَمَّدٌ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ هَلَّا اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنَ الآيَاتِ كَاليَدِ البَيْضَاءِ وَالعَصَا وغيرِهما أو الكتابِ جُملةً واحدةً قال تعالى اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ حَيْثُ قَالُوْا فيه وفي مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم سِحْرٰنِ وفي قِرَاءَةٍ سحران اي التَّوراةُ والقرآنُ تَظٰهَرَا تَعَاوَنَا وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ من النَّبِيَّيْنِ والكتابَيْنِ كٰفِرُوْنَ ۝ قُلْ لهم فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ مِنَ الكِتَابَيْنِ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ في قولكم فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ دُعَاءَكَ بالاتيان بكتابٍ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ في كفرِهم وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ اي لا أضَلَّ منه اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ الكافرين.

ترجمہ: اور ہم نے پہلی امتوں (مثلاً) قوم نوح وعاد وثمود وغیرہ کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کتاب تورات عطا کی تھے جو لوگوں کے لئے بصیرت اور ہدایت تھی گمراہی سے اس شخص کے لئے جو اس پر عمل کرے اور رحمت تھی اس کے لئے جو اس پر ایمان لائے تاکہ نصیحت حاصل کریں ان نصیحتوں سے جو اس میں ہیں بصائر للناس ، الکتاب سے حال ہے اور بَصَائر بصِیْرَۃ کی جمع ہے اور بصیرت نور قلبی کو کہتے ہیں اور بصائر کا مطلب ہے انوار القلوب اور اے محمد تم مناجات کے وقت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مغربی پہاڑ کی جانب یا غربی وادی کی جانب یا غربی مکان کی جانب موجود نہیں تھے جب ہم نے فرعون اور اس کی قوم کی جانب پیغام پہنچانے کے لئے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی بھیجی تھی اور نہ تم اس واقعہ کو دیکھنے والوں میں تھے کہ اس واقعہ سے باخبر ہوتے اور اس کی خبر دیتے لیکن ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد بہت سی امتیں پیدا کیں پھر ان پر زمانہ دراز گذر گیا یعنی ان کی عمریں طویل ہوئیں عہد و پیمان کو بھول گئے اور علوم مٹ گئے اور وحی (کا سلسلہ) منقطع ہوگیا تو ہم نے تم کو رسول بنا کر بھیجا اور تمہاری طرف موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام وغیرہ کے واقعہ کی وحی بھیجی اور تم اہل مدین میں بھی قیام پذیر نہیں تھے کہ تم ان لوگوں کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہوں (تَتْلُوْا عَلَیْھِمْ) مَا کُنْتَ کی خبر ثانی ہے بلکہ ہم ہی تم کو رسول بنا کر بھیجنے والے اور گذشتہ لوگوں کے (واقعات) کی خبروں کو بھیجنے والے ہیں اور جب ہم نے موسیٰ کو ندا دی کہ کتاب کو مضبوطی سے تھام لو تو (تب بھی) تم جبل طور کی جانب میں موجود نہیں تھے بلکہ ہم نے تم کو تمہارے رب کی جانب سے رحمت بنا کر بھیجا تاکہ تم اس قوم کو ڈراؤ کہ جس کے پاس تم سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا اور وہ اہل مکہ ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان کے ہاتھوں کے کرتوتوں کفر وغیرہ کی بدولت ان کو مصیبت یعنی عقوبت پہنچی تو یہ کہہ اٹھتے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا؟ کہ ہم تیری بھیجی ہوئی آیتوں کی تابعداری کرتے اور ایمان والوں میں ہو جاتے اور لولا (اول) کا جواب محذوف ہے اور اس کا مابعد مبتداء ہے، اور معنی یہ ہیں اگر مصیبت کا پہنچنا جو کہ ان (کافروں) کے قول لَوْ لَا اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا کا سبب ہے، نہ ہوتا تو ہم ان کو سزا دینے میں جلدی کرتے، یا اگر ان کا قول ربنا لو لا ارسلت الینا رسولًا الخ جو کہ مسبب ہے اصابت مصیبت کا نہ ہوتا تو ہم آپ کو ان کی طرف رسول بنا کر نہ بھیجتے پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپہنچا تو (اہل مکہ) کہنے لگے ان کو ایسی نشانی کیوں نہ ملی؟ جیسی موسیٰ کو ملی تھی مثلاً ید بیضاء اور عصا یا یکبارگی پوری کتاب، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا یہ لوگ منکر نہیں ہوئے اس کے جو موسیٰ کو اس سے پہلے دی گئی تھی انہوں نے موسیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا دونوں جادوگر ہیں اور ایک قراءت میں سِحْرَانِ ہے یعنی تورات اور قرآن جو ایک دوسرے کے معاون ہیں اور وہ یوں بھی کہتے ہیں کہ ہم دونوں نبیوں یا دونوں کتابوں میں سے کسی کو نہیں مانتے آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اچھا تو تم اور کوئی کتاب اللہ کے پاس سے لے آؤ جو ہدایت کرنے میں ان دونوں کتابوں سے بہتر ہو میں اس کی اتباع کروں گا اگر تم اپنی بات میں سچے ہو پھر اگر یہ لوگ کتاب لانے میں آپ کی بات نہ مانیں تو آپ سمجھ لیجئے کہ یہ کفر میں محض

اپنی خواہشات کے پیچھے چل رہے ہیں اور ایسے شخص سے کون زیادہ گمراہ ہوگا؟ جو اپنی خواہشات کے پیچھے چلتا ہو بغیر اس کے کہ منجانب اللہ کوئی دلیل ہو یعنی اس سے زیادہ کوئی گمراہ نہیں، اللہ تعالیٰ ایسے ظالم کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہُ: وَعَادَ اس کا عطف قوم پر ہے نہ کہ نوح پر اس لئے کہ اگر نوح پر عطف ہو قومِ عاد کے لئے قوم کا ہونا لازم آئے گا حالانکہ عاد خود ایک قوم ہے تقدیر عبارت یہ ہے مِنْ بعد ما اَھْلکنا قوم نوحٍ وعاد وثمود بعد اس کے کہ ہم نے ہلاک کر دیا قوم نوح اور قومِ عاد کو اور قومِ ثمود کو، لہٰذا مناسب تھا کہ عاد کو الف کے ساتھ لکھتے تاکہ نوح پر عطف کا اشتباہ نہ ہوتا۔

قِوْلَہُ: بصائرَ یہ حذف مضاف کے ساتھ کتاب سے حال ہے ای ذا بصائرَ اگر مضاف محذوف نہ مانیں تو مبالغۃً بھی حال ہوسکتا ہے اور بصائر کتاب سے مفعول لہ بھی ہوسکتا ہے اسی طرح ھُدًی اور رحمةً میں بھی مذکورہ تینوں ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔

قِوْلَہُ: بجانبِ الجبل او الوادی او المکان اس عبارت کے اضافہ کا مقصد بصریین کے مذہب کے مطابق ہونے والے اعتراض کو دفع کرنا ہے، اعتراض یہ ہے کہ جانب کی اضافت الغربی کی طرف اضافت موصوف الی الصفت کے قبیل سے ہے اور یہ بصریین کے یہاں جائز نہیں ہے اس لئے کہ موصوف اور صفت ایک ہی شئ ہوتی ہے لہٰذا اس سے اضافت الشئ الی نفسہ لازم آتی ہے اور یہاں ایسا ہی ہے اس لئے کہ جانب اور غربی ایک ہی شئ ہیں، اس اعتراض کو دفع کرنے کے لئے غربی کا موصوف الجبل محذوف مان لیا تاکہ جانب کی اضافت جبل کی جانب ہو نہ کہ الغربی کی جانب، مفسر علام نے تین لفظ محذوف مانے ہیں ان تینوں میں سے کسی کو بھی جانب کا مضاف الیہ قرار دے سکتے ہیں، کوفیین کے مذہب کے مطابق مذکورہ اعتراض واقع نہیں ہوتا، اس قسم کی تعبیرات قرآن اور حدیث میں بکثرت موجود ہیں۔

قِوْلَہُ: وَمَا کنتَ منَ الشّاهدین لِذٰلکَ اور آپ ان حالات وواقعات وغیرہ کو دیکھنے والے نہیں تھے، یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ماقبل میں کہا گیا ہے کہ پہاڑ کی غربی جانب میں موجود نہیں تھے، اس سے مشاہدہ کی خود بخود نفی ہو جاتی ہے تو پھر وما کنتَ من الشاهدین کہنے سے کیا فائدہ؟

جَوَابٌ: جواب کا ماحصل یہ ہے کہ حاضر ہونے کے لئے مشاہدہ ضروری نہیں ہے بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان موجود تو ہوتا ہے مگر مشاہدہ نہیں کر پاتا، اسی وجہ سے ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُمَا نے فرمایا لم تحضر ذٰلک الموضع ولو حضرتَهٗ ما شاهدتَ ما وقع فیه.

قِوْلَہُ: تتلوا علیهم آیاتِنَا جملہ ہو کر کنتَ کی خبر ثانی اور کنتَ کی ضمیر سے جملہ ہو کر حال بھی ہوسکتا ہے هم ضمیر کا مرجع اہل مکہ ہیں، یعنی جب آپ اہل مکہ کو اہل مدین کے واقعات سنا رہے تھے تو آپ اہل مدین میں موجود نہیں تھے کہ ان کے حالات وواقعات کو دیکھ کر اپنی قوم کو سنا رہے ہو، بلکہ ہزارہا سال ماقبل کے ان تمام حالات وواقعات کی خبر آپ کو بذریعہ وحی دی جا رہی تھی

جوکہ آپ کے نبی ہونے کی پختہ اور واضح دلیل ہے۔

قِوْلُهُ: اَن خُذِ الکِتابَ بقوۃٍ میں ان تفسیریہ یعنی نداء کی تفسیر ہے، مفسر علام نے ان خُذِ الکتابَ کو ایتاء تورات سے متعلق کیا ہے اور سابقہ آیت وَمَا کنتَ بجانب الغربی کو نفس ارسال سے متعلق کیا ہے حالانکہ نفس ارسال اور ایتاء تورات کے درمیان تیس سال کا فاصلہ ہے، اور بعض حضرات نے اس کا عکس بھی کہا ہے۔

قِوْلُهُ: لَوْ لَا اَنْ تصیبَهُمْ مُصِیْبَةٌ، لو لا امتناعیہ ہے جو وجود اول کی وجہ سے انتفاء ثانی پر دلالت کرتا ہے، اَن یصیبَهم میں أن مصدریہ ہے اور لو لا اصابةُ المصیبَة لهم کے معنی میں ہو کر مبتداء ہے اور مبتداء کی خبر موجودٌ محذوف ہے اور لولا کا جواب مَا اَرْسَلْنَاكَ محذوف ہے دوسرا لَوْ لَا تحضیضیہ ہے اس کا جواب فَنَتَّبِعَ آیَاتِكَ مذکور ہے تقدیر عبارت یہ ہے لَوْ لَا قولُهُمْ هذا اِذا اَصَابَتْهُمْ مصِیبةٌ لَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَیهِمْ رسُولاً، خلاصہ یہ ہوا کہ اصابةِ عقوبة سبب ہے قول کا اور قول سبب ہے ارسال کا چونکہ سبب کا سبب سبب ہوتا ہے لہٰذا اصابة مصیبة بواسطہ قول سبب ہوا ارسال کا، اسی وجہ سے لو لا کو اصابة پر داخل کر دیا اور فاسبیہ کے ذریعہ فیقولوا کا اصابة پر عطف کر دیا، یعنی آپ ﷺ کے ارسال کا سبب اہل مکہ کا یہ قول ہے، اگر اہل مکہ کا یہ قول نہ ہوتا تو ہم آپ کو رسول بنا کر نہ بھیجتے، یعنی عدم ارسال کے انتفاء (ارسال) کا سبب اہل مکہ کا قول لو لا اَرسلتَ الینا رسولاً ہے اور اس قول کا سبب اصابت مصیبت ہے۔

تَنْبِیْهٌ: عدم ارسال کا انتفاء نفی النفی اثبات کے معنی میں ہونے کی وجہ سے ارسال کے معنی میں ہے۔

قِوْلُهُ: اَوْ لَوْ لا قولهم المسبَّب عنهَا الخ یعنی اصابتِ مصیبۃ کے وقت ان کا قول انتفاء عدم رسالت کا سبب نہ ہوتا تو ہم ان کے عذاب میں جلد کرتے اور آپ کو رسول بنا کر نہ بھیجتے یہ تعبیر حاصل معنی کے اعتبار سے ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ لولا کے جواب کے انتفاء کا سبب ان کا قول مذکور ہے، اسی وجہ سے المسبَّبُ عنها قولهم کہا ہے۔

قِوْلُهُ: ولما ارسلناكَ یہ جواب منفی ہے یہ وجود شرط کی وجہ سے انتفاء جواب پر دلالت کر رہا ہے، فالمعنی انتفی عدم ارسالك الیهم لقولهم المذکور تاکہ نزول عذاب کے وقت ان کے عذر کو ختم کر دیا جائے، ورنہ تو نزول عذاب کے وقت یہ عذر بیان کر سکتے تھے کہ اگر ہمارے پاس بھی سابقہ امتوں کے مانند انبیاء آتے تو ہم بھی ایمان لاتے اور آج عذاب کی اس مصیبت میں مبتلا نہ ہوتے، آپ ﷺ کو مبعوث فرما کر ان کے اس عذر کو ختم کر دیا، اگر کوئی شخص اعتراض کرے کہ اصابت مصیبت اور مذکورہ مقولہ تو آئندہ روز قیامت میں واقع ہوں گے اور لَوْ لَا جو کہ وجود واقعی کی وجہ سے انتفاء ثانی پر دلالت کرتا ہے حالانکہ یہاں ایسا نہیں ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ مانع کبھی موجود ہوتا ہے اور کبھی مفروض یہاں ثانی صورت مراد ہے یعنی علی سبیل الفرض والتقدیر۔ (جمل ملخصًا)

قِوْلُهُ: او الکتاب سے مثل ما اوتی کی دوسری تفسیر کی طرف اشارہ ہے اور او الکتاب کا عطف الآیات پر ہے۔

قِوْلُهُ: ساحران یہ مبتداء محذوف هُمَا کی خبر ہے۔

تفسیر وتشریح

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ مِنْ بَعْدِ مَا اَھْلَکْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰی بَصَائِرَ لِلنَّاسِ قرون اولیٰ سے اقوام نوح وہود وصالح ولوط علیہم السلام مراد ہیں جو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے اپنی سرکشی کی وجہ سے ہلاک کی گئی تھیں، بصائر بصیرۃٌ کی جمع ہے جس کے لفظی معنی دانش وبینش کے ہیں اور مراد اس سے وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ انسانوں کے قلوب میں پیدا فرماتے ہیں، جس سے وہ حقائق اشیاء کا ادراک کر سکیں اور حق وباطل کا امتیاز کر سکیں۔

بَصَائر للناس اگر ناس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تورات ان کے لئے مجموعہ بصائر تھی، اور اگر ناس سے تمام انسان مراد ہیں جن میں امت محمدیہ بھی داخل ہے تو یہاں سوال پیدا ہوگا کہ امت محمدیہ کے زمانہ میں جو تورات موجود ہے وہ تحریفات کے ذریعہ مسخ ہو چکی ہے تو ان کے لئے بصائر کہنا کس طرح درست ہوگا اور یہ کہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ مسلمانوں کو بھی تورات سے استفادہ کرنا چاہئے حالانکہ حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ مشہور ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے اجازت طلب کی کہ وہ تورات میں جو نصائح وغیرہ ہیں ان کو پڑھیں تاکہ ان کے علم میں ترقی ہو، اس پر رسول اللہ ﷺ نے غضبناک ہو کر فرمایا کہ اگر اس وقت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی میرا ہی اتباع لازم ہوتا۔

اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ تورات کا جو نسخہ اس وقت لوگوں کے پاس موجود تھا وہ محرف اور مسخ شدہ تھا اور اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا، نزول قرآن کا سلسلہ بھی جاری تھا، اس وقت آپ ﷺ نے قرآن کی مکمل حفاظت اور خلط ملط سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنی احادیث کو بھی لکھنے سے بعض حضرات کو منع فرما دیا تھا، ان حالات میں کسی دوسری مسخ شدہ آسمانی کتاب کا پڑھنا پڑھانا ظاہر ہے کہ احتیاط کے خلاف تھا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تورات کا مطلقاً پڑھنا اور مطالعہ کرنا منع ہے ان کتابوں کے وہ حصے جو رسول اللہ ﷺ سے متعلق پیشین گوئیوں پر مشتمل ہیں ان کا مطالعہ کرنا اور نقل کرنا صحابہ کرام سے ثابت ہے، حضرت عبداللہ بن سلام اور کعب احبار اس معاملہ میں سب سے زیادہ معروف ہیں، اس لئے حاصل آیت کا یہ ہوگا کہ توریت اور انجیل میں غیر محرف مضامین اب بھی موجود ہیں اور بلاشبہ بصائر ہیں ان سے استفادہ درست ہے مگر یہ استفادہ صرف ایسے لوگ ہی کر سکتے ہیں جو محرف اور غیر محرف میں فرق کر سکیں، عوام کو اس سے اجتناب اس لئے ضروری ہے کہ کہیں وہ کسی مغالطہ میں نہ پڑ جائیں، یہی حکم ان تمام کتابوں کا ہے جن میں حق وباطل کی آمیزش ہو لہٰذا عوام کو ان کے مطالعہ سے پرہیز کرنا چاہئے، علماء ماہرین کے لئے کوئی مضائقہ نہیں۔ (معارف)

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اَتٰھُمْ مِّنْ نَذِیْر یہاں اس قوم سے عرب مراد ہیں جو حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں سے ہیں، اور ان کے بعد سے خاتم الانبیاء ﷺ کے زمانہ تک ان میں کوئی پیغمبر مبعوث نہیں ہوا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ دوسری جگہ قرآن کا یہ ارشاد کہ اِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ کوئی امت ایسی نہیں کہ جس میں اللہ کا پیغمبر نہ آیا ہو، اس آیت کے منافی نہیں ہے

کیونکہ اس آیت کی مراد یہ ہے کہ زمانہ دراز سے حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ان میں کوئی نبی نہیں آیا، مگر رسول اور نبی آنے سے خالی یہ امت بھی نہیں رہی۔

وما کنت بجانب الغربی یعنی کوہ طور پر جب ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہمکلامی کا شرف بخشا اور اسے وحی رسالت سے نوازا تو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ وہاں موجود نہیں تھے اور نہ یہ منظر دیکھنے والوں میں تھے، بلکہ یہ غیب کی وہ باتیں ہیں کہ جو وحی کے ذریعہ آپ کو بتلا رہے ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ پیغمبر برحق ہیں، اس لئے کہ نہ تو آپ نے یہ باتیں کسی سے سیکھی ہیں اور نہ خود ان کا مشاہدہ کیا۔

ولولا ان تصیبھم مصیبة بما قدمت ایدیھم یعنی ان کے اس عذر کو ختم کرنے کے لئے آپ کو ہم نے رسول بنا کر بھیجا ہے کیونکہ طول زمانی کی وجہ سے گذشتہ انبیاء کی تعلیمات مسخ اور ان کی دعوت فراموش ہو چکی ہے اور ایسے ہی حالات کسی نبی کی ضرورت کے متقاضی ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات (قرآن وحدیث) کو مسخ ہونے سے محفوظ رکھا ہے، اور ایسا تکوینی نظام فرما دیا ہے کہ جس کی وجہ سے آپ کی دعوت دنیا کے کونے کونے تک پہنچ گئی ہے اور مسلسل پہنچ رہی ہے تاکہ کسی نبی کی ضرورت باقی نہ رہے۔

قالوا ساحران تظاھرا مشرکین مکہ نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب انہوں اپنا ایک وفد مدینہ کے علماء یہود کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے بھیجا تھا چنانچہ ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور علامات کے بارے میں علماء یہود سے معلوم کیا تو علماء یہود نے جواب دیا کہ ہم تورات میں ان کی علامات اور صفات پاتے ہیں، چنانچہ وفد نے مکہ آکر لوگوں کو اس کی خبر دی تو اس وقت ان لوگوں نے کہا **ساحران تظاھرا** یا **سحران تظاھرا** یہ دونوں جادوگر یا جادو ہیں جو ایک دوسرے کی موافقت کرتے ہیں۔ (جمل ملخصًا)

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا بيَّنا **لَهُمُ الْقَوْلَ** القرآنَ **لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥١﴾** يتّعِظُونَ فيؤمنون **اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ** اى القرآنِ **هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٢﴾** ايضا نزل فِي جَمَاعةٍ اَسْلَمُوا مِنَ اليَهُود كعبدِاللّٰهِ بن سلام وغيره ومِن النصارٰى قَدِموا مِن الحَبَشةِ ومِن الشّام **وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ** القرآنُ **قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿٥٣﴾** مُوحِّدِين **اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ** بايمانِهم بالكتابَين **بِمَا صَبَرُوْا** بصَبرِهم على العَمَل بهما **وَيَدْرَءُوْنَ** يَدفعون **بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ** منهم **وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿٥٤﴾** يتصدَّقون **وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ** الشَّتمَ والاذى مِنَ الكُفّار **اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ** سلامُ متاركةٍ اى سَلِمتُم منا مِن الشّتم وغَيره **لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿٥٥﴾** لا نَصحبُهم ونزل في حِرْصِه صلى الله عليه وسلّم على إيمان عَمِّه أبي طالب **اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ** هِدايتَه **وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ اَعْلَمُ** اى عَالِمٌ **بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿٥٦﴾ وَقَالُوْٓا** اى قومُه **اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا** اى نُنتزع منها بسُرعةٍ قال تعالى **اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا**

يَأْمنونَ فيه مِن الإغارةِ والقَتْلِ الوَاقِعَيْنِ مِنْ بَعضِ العَربِ على بَعْضٍ **يُجْبَىٰ** بالفوقانيّةِ والتّحتانيّةِ **إِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ** من كل اَوْب **رِّزْقًا** لهم **مِّنْ لَّدُنَّا** اى عِندنا **وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ**۝۵۷ اَنَّ مانقوله حَقٌّ **وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا** اى عَيْشَها وأُريد بالقرية اَہلُها **فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا** لِلمارَّة يومًا او بَعْضَه **وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ**۝۵۸ مِنهُم **وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى** بِظُلمِ اَہلِہا **حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْۤ اُمِّهَا** اى اَعْظَمِها **رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰۤى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ**۝۵۹ بِتكذيبِ الرُّسُلِ **وَمَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا** اى تَتَمَتَّعُون وتَتَزَيَّنُونَ به ايامَ حيوتِكم ثم يَفْنٰى **وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ** وهو ثَوَابُه **خَيْرٌ وَّاَبْقٰى اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ**۝۶۰ بالياءِ والتاءِ ان الباقىَ خَيرٌ مِّن الفانىْ.

ترجمہ: اور ہم نے لوگوں کے لئے قول یعنی قرآن کو (کھول کر بیان کیا) پیہم بھیجا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور ایمان لے آئیں جن کو ہم نے اس قرآن سے پہلے کتاب عطا فرمائی وہ اس قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہیں یہ آیت یہود کی اس جماعت کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا، جیسا کہ عبداللہ بن سلام وغیرہ اور ان نصاریٰ کے بارے میں جو حبشہ اور شام سے آئے تھے اور جب ان کو قرآن پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ اس کے ہمارے رب کی طرف سے حق ہونے پر ہمارا ایمان ہے ہم تو اس سے پہلے ہی سے مسلمان یعنی موحد ہیں یہ لوگ اپنے دونوں کتابوں پر ایمان رکھنے کی وجہ سے اور دونوں پر عمل (کی مشقت) پر صبر کرنے کی وجہ سے دوہرا اجر دیئے جائیں گے، اور یہ لوگ نیکی سے بدی کا دفعیہ کردیتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے اس میں سے (راہ خدا میں) صدقہ کرتے ہیں اور جب کسی سے لغوبات اور اذیت کی بات سنتے ہیں تو اس سے کنارہ کرلیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں ہمارا عمل ہمارے لئے ہے اور تمہارا عمل تمہارے لئے ہے ہم تو تم کو سلام کرتے ہیں یہ سلام متارکت (یعنی پیچھا چھڑانے کا سلام) ہوتا ہے (نہ کہ سلام تحیہ) یعنی تم ہماری طرف سے گالی وغیرہ سے سلامت رہو ہم ناسمجھ لوگوں سے مصاحبت (الجھنا) نہیں چاہتے (آئندہ آیت) آپ ﷺ کے اپنے چچا ابوطالب کے ایمان پر زیادہ حریص ہونے کے بارے میں نازل ہوئی آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کرسکتے بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت کردیتا ہے، ہدایت پانے والوں کا علم اسی کو ہے تو آپ ﷺ کی قوم کہنے لگی اگر ہم آپ کے ساتھ ہو کر ہدایت کے تابعدار بن جائیں تو ہم اپنے ملک سے اچک لئے جائیں یعنی فی الفور ہم کو ہمارے ملک سے نکال باہر کیا جائے کیا ہم نے ان کو امن اور امن والے حرم میں جگہ نہیں دی؟ کہ وہ اس میں قتل وغارتگری سے جو کہ عرب میں باہم (عام طریقہ پر) واقع ہورہی ہے مامون رہ رہے ہیں جہاں ہر قسم کے پھل ہر جانب سے کھچے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس سے ان کے لئے بطور رزق کے ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں وہ حق ہے اور ہم بہت سی ایسی بستیاں ہلاک کرچکے ہیں جو اپنے سامان عیش پر نازاں تھیں اور قریہ سے اہل

قریہ مراد ہیں یہ ہیں ان کے مکانات، جو ان کے بعد آئے نہ رہ سکے مگر بہت کم، مسافروں کے لئے ایک دن یا دن کا کچھ حصہ اور آخر کار ہم ہی ان کے وارث رہے اور تیرا رب کسی ایک بستی کو بھی اہل بستی کے ظلم کی وجہ سے (اس وقت تک) ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ (بستیوں) کے صدر مقام میں کسی پیغمبر کو نہ بھیج دے جو ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے اور ہم بستیوں کو اسی وقت ہلاک کرتے ہیں جب کہ بستی والے رسولوں کی تکذیب کر کے ظلم پر کمر کس لیں اور جو کچھ تم کو دیا گیا ہے وہ محض دنیوی زندگی کا سامان اور اس کی زینت ہے جس سے تم اپنی زندگی میں فائدہ اٹھاتے ہو اور اس سے زینت حاصل کرتے ہو پھر فنا ہو جاتا ہے ہاں اللہ کے پاس جو ہے وہ بہت ہی بہتر اور دیرپا ہے کیا تم نہیں سمجھتے؟ **یعقلون** میں یا اور تا کے ساتھ دونوں قراءتیں ہیں اور یقیناً باقی فانی سے بدرجہا بہتر ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَصَّلْنَا ماضی جمع متکلم (تفعیل) ہم نے پے درپے بھیجا، ہم نے کھول کر بیان کیا۔

قَوْلُہٗ: الذین موصول اپنے صلہ سے مل کر جملہ ہو کر مبتداء ھُمْ مبتداء ثانی یؤمنون، ھم مبتداء کی خبر اور بہٖ، یؤمنون سے متعلق مبتداء ثانی اپنی خبر سے مل کر مبتداء اول کی خبر۔

قَوْلُہٗ: ایضًا ای کما آمنوا بکتابھم.

قَوْلُہٗ: بِصبرھم سے اشارہ کر دیا کہ ما مصدریہ ہے۔

قَوْلُہٗ: یَدْرَءُوْنَ، یُنْفِقُوْنَ، وَاِذَا سَمِعُوْا ان سب کا عطف، یُؤْتَوْنَ پر ہے۔

قَوْلُہٗ: وَالاذٰی من الکفارِ یہ عطف عام علی الخاص کے قبیل سے ہے۔

قَوْلُہٗ: لا تَھْدِی مَنْ اَحْبَبْتَ اس میں ایصال الی المطلوب کی نفی ہے نہ کہ اراءۃِ طریق کی، لہٰذا اس قول اور اِنَّکَ لَتَھْدِی اِلٰی صِراطٍ مستقیمٍ میں کوئی تعارض نہیں ہے وقالوا ای قومُہ قوم سے مراد آپ ﷺ کی قوم ہے اور قائل حارث بن عثمان بن نوفل بن عبد مناف ہے۔

قَوْلُہٗ: یُجْبٰی ای یُحْمَلُ ویُسَاقُ الیه، مِنْ کُلِّ اوبٍ ای مِن کلِّ جانبٍ.

قَوْلُہٗ: ثمرات کلِّ شئ یہ کثرت سے کنایہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول اُوْتِیَتْ مِنْ کُلِّ شئٍ میں ہر ضرورت کی شئ مراد ہے نہ کہ دنیا کی ہر شئ۔

قَوْلُہٗ: معِیْشَتَھا ای عَیْشَھا معِیْشَتَھَا حذف مضاف کے ساتھ ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے اور مفسر علام نے معِیْشَۃً کی تفسیر عیشٌ سے کی ہے اب تقدیر عبارت یہ ہوگی بَطِرَتْ فِی زمنِ حیَاتِھا.

قَوْلُہٗ: لَمْ تُسْکَنْ یہ جملہ ہو کر حال ہے اور عامل تِلْکَ بمعنی اشیر ہے تلک مبتداء کی خبر ثانی بھی ہو سکتی ہے۔

قَوْلَہٗ: وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِنْ شیءٍ فَمَتَاعُ الحیوٰةِ الدنیا ما شرطیہ ہے اور مِن شیءٍ اس کا بیان ہے فَمَتَاعُ الحیوٰة الدنیا هو مبتداء محذوف کی خبر ہے اور جملہ ہو کر جواب شرط ہے۔

تفسیر و تشریح

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا (الآیة) وَصَّلْنَا تَوْصِیْلٌ سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی تاروں میں تار ملا کر رسی بٹنا، حق تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لئے انبیاء کی بعثت کا سلسلہ جاری رکھا یعنی ایک رسول کے بعد دوسرا اور ایک کتاب کے بعد دوسری کتاب بھیجتے رہے حتی کہ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد رشد و ہدایت کا امت مرحومہ کے ذریعہ ایسا تکوینی سلسلہ جاری فرما دیا کہ اب کسی نبی کی ضرورت نہیں رہی۔

شان نزول:

الذین آتَیْنٰهُمُ الکتابَ (الآیة) اس آیت میں ان اہل کتاب کا ذکر ہے جو رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے ہی تورات اور انجیل کی دی ہوئی بشارتوں کی بناء پر آپ ﷺ کی بعثت اور نزول قرآن پر یقین رکھتے تھے جب آپ ﷺ کی بعثت ہوئی تو اپنے سابق یقین کی بناء پر ایمان لے آئے، حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا سے روایت ہے کہ نجاشی بادشاہ حبشہ کے درباریوں میں سے چالیس آدمی مدینہ طیبہ میں اس وقت حاضر ہوئے جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ خیبر میں مشغول تھے یہ لوگ بھی جہاد میں شریک ہوگئے، بعض کو کچھ زخم بھی لگے مگر ان میں سے کوئی مقتول نہیں ہوا، ان لوگوں نے جب صحابہ کرام کی معاشی تنگی کا حال دیکھا تو آپ سے درخواست کی کہ ہم اللہ کے فضل سے مالدار اور صاحب ثروت ہیں ہم اپنے ملک واپس جا کر صحابہ کے لئے مال فراہم کر کے لائیں آپ اجازت دیدیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(اخرجه ابن مردویه والطبرانی، مظهری)

اور حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ حضرت جعفر رَضِحَاللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جب ہجرت مدینہ سے پہلے حبشہ گئے تھے اور نجاشی کے دربار میں اسلامی تعلیمات پیش کیں تو نجاشی اور اس کے اہل دربار جو اہل کتاب تھے اور توریت وانجیل میں رسول اللہ ﷺ کی بشارت اور علامتیں دیکھے ہوئے تھے ان کے دلوں میں اسی وقت اللہ نے ایمان ڈالدیا۔

(مظهری)

اُولٰٓئِكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُم مرتین بما صبروا صبر سے مراد ہر قسم کے حالات میں انبیاء اور کتاب الٰہی پر ایمان لانا اور اس پر ثابت قدمی سے قائم رہنا ہے، پہلی کتاب آئی تو اس پر اس کے بعد دوسری پر ایمان رکھا، پہلے نبی پر ایمان لائے اس کے بعد دوسرا نبی آیا تو اس پر ایمان لائے، ان کے لئے دوہرا اجر ہے، حدیث شریف میں بھی ان کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا تین آدمیوں کے لئے دوہرا اجر ہے ان میں ایک وہ اہل کتاب ہے جو اپنے نبی پر ایمان

رکھتا تھا اور پھر مجھ پر ایمان لایا۔ (مسلم شریف کتاب الایمان)

برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتے بلکہ معاف کر دیتے ہیں اور درگذر سے کام لیتے ہیں، اور جاہلوں سے صاحب سلام کہہ کر گذر جاتے ہیں یعنی ان لوگوں کی ایک عمدہ عادت یہ ہے کہ جب کسی جاہل دشمن سے لغویات سنتے ہیں تو اس کا جواب دینے کی بجائے یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا اسلام لو ہم جاہل لوگوں سے الجھنا پسند نہیں کرتے، اس کو سلام متارکت یا مسالمت کہتے ہیں اور جس سلام کی ممانعت ہے وہ سلام تحیہ ہے جو مسلمانوں میں بوقت ملاقات رائج ہے۔

شانِ نزول:

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ (الآیة) جب آپ ﷺ کے ہمدرد اور غمگسار چچا ابو طالب کا انتقال ہونے لگا تو آپ ﷺ اپنے چچا کی خدمت میں تشریف لے گئے اور فرمایا چچا جان آپ اپنی زبان سے ایک مرتبہ یہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کہہ لیں تاکہ میں روز قیامت آپ کے لیے اللہ کے سامنے سفارش کر سکوں لیکن دیگر رؤساء قریش موجود تھے جن کی وجہ سے ایمان سے محروم رہے، مگر یہ فرمایا اے میرے بھتیجے میں جانتا ہوں کہ تم سچے ہو لیکن میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ لوگ میرے مرنے کے بعد کہیں گے کہ موت سے ڈر گیا، اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا تو میں یہ کلمہ کہہ کر ضرور تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا ہے اس لئے کہ میں تمہارے شدت غم اور خیر خواہی کو دیکھ رہا ہوں، پھر یہ اشعار پڑھے۔

ولقد علمتُ بانّ دین محمد ۔۔۔ من خیر ادیان البریة دینا

لولا الملامة او حذار مسبّة ۔۔۔ لوجدتنی سمحًا بذاك مبینا

اور پھر فرمایا، لٰکنی سوف اموتُ علی ملة الاشیاخ عبدالمطلب وهاشم وعبد مناف ثم مات نبی ﷺ کو اس بات کا بڑا قلق اور صدمہ ہوا، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اِنَّكَ لا تهدی من اَحْبَبْتَ نازل فرمائی، یعنی کسی کو مومن بنا دینا اور ایمان دل میں اتار دینا آپ کی قدرت میں نہیں ہے آپ کا کام کوشش کرنا ہے اور بس، تفسیر روح المعانی میں ہے کہ خواجہ ابو طالب کے کفر و ایمان کے بارے میں بے ضرورت گفتگو اور بحث و مباحثہ سے اجتناب کرنا چاہئے کہ اس سے آنحضرت کی طبعی ایذاء کا احتمال ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

وَقَالُوْا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰی مَعَكَ یہ آیت حارث بن عثمان بن نوفل بن عبد مناف کے بارے میں نازل ہوئی تھی حارث بن عثمان وغیرہ نے اپنے ایمان نہ لانے کی ایک وجہ یہ بیان کی کہ اگرچہ ہم آپ کی تعلیمات کو حق جانتے ہیں مگر ہمیں خطرہ یہ ہے کہ اگر ہم آپ کی ہدایت پر عمل کر کے آپ کے ساتھ ہو جائیں تو سارا عرب ہمارا دشمن ہو جائے گا اور ہمیں ہماری زمین مکہ سے اچک لیا جائے گا (نکال باہر کیا جائے گا) قرآن کریم ان کے اس عذر لنگ کا جواب دیتے ہوئے فرماتا ہے اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ (الآیة) یعنی ان کا یہ عذر اس لئے باطل ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے باوجود ان کی حفاظت کا ایک قدرتی سامان یہ

کر رکھا ہے کہ ارض مکہ کو حرم بنا دیا جس میں قتل و غارتگری سخت حرام ہے، جب اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر و شرک کے باوجود اس سرزمین میں امن دے رکھا ہے تو ایمان لانے کی صورت میں وہ ان کو کیسے ہلاک ہونے دے گا؟

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ مُصِيبُه وهو الجنة كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فيزول عن قريب ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ﴿۶۱﴾ النار الاول المؤمن والثاني الكافر اي لاتساوي بينهما وَ اذكر يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ الله فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ﴿۶۲﴾ هم شركائي قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ بدخولِ النارِ وهم رؤساءُ الضَّلالةِ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا مبتدأ وصِفته اَغْوَيْنٰهُمْ خبرُه فغَوَوا كَمَا غَوَيْنَا لم نُكرِهْهُم على الغيِّ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ منهم مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ﴿۶۳﴾ ما نافية وقُدِّمَ المَفعولُ لِلفاصِلةِ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ اي الاصنامَ الذينَ كُنتم تزعمونَ انَّهم شركاءُ اللهِ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ دُعاءَهم وَرَاَوُا هم الْعَذَابَ ابصروه لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ﴿۶۴﴾ في الدنيا ما رأوه في الأخرة وَ اذكر يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ الله فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ﴿۶۵﴾ اِلَيكم فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ الاخبارُ المُنجِيَةُ في الجواب يَوْمَئِذٍ اي لم يَجِدُوا خبرا لهم فِيه نجاةٌ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ﴿۶۶﴾ عنه فيسكتون فَاَمَّا مَنْ تَابَ من الشِّرْكِ وَاٰمَنَ صدَّقَ بتوحِيدِ الله وَعَمِلَ صَالِحًا اَدّى الفرائِضَ فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ﴿۶۷﴾ النَّاجِيْنَ بوعدِ اللهِ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ما يشاء مَا كَانَ لَهُمُ للمشركين الْخِيَرَةُ الاختيار في شئ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴿۶۸﴾ عن إشراكِهم وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ تُسِر قلوبُهم مِنَ الكفرِ وغيرِه وَمَا يُعْلِنُوْنَ﴿۶۹﴾ بالسِنَتِهم من الكذب وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى الدُّنيا وَالْاٰخِرَةِ الجنَّة وَلَهُ الْحُكْمُ القضاءُ النَّافذُ في كُلِّ شئ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴿۷۰﴾ بالنشورِ قُلْ لأهلِ مكَّة اَرَءَيْتُمْ اي اَخبِرُوني اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا دائِمًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ بزعمِكم يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ نهار تطلُبون فيه المَعِيشَة اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ﴿۷۱﴾ النِّعْمَة ذلك سماع تفهّم فترجعون عن الاشراك قُلْ لهم اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ اي بزعمِكم يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ تستريحون فِيْهِ مِن التَّعَبِ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴿۷۲﴾ ما أنتم عليه مِنَ الخطاء في الإشراكِ فترجعونَ عنهُ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ تعالى جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ في اللَّيلِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ في النَّهارِ بالكسبِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴿۷۳﴾ النِّعمَةَ فيهما وَ اذكر يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ﴿۷۴﴾ ذكر ثانيا لِيَبْنِي عليه قولَه وَنَزَعْنَا اخرجنا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا وهو نبيُّهم يشهد عليهم بما قالوه فَقُلْنَا لهم هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ على ما قلتم مِنَ الإشراكِ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ في الإلهية لِلّٰهِ لا يُشارِكُه فيها اَحدٌ وَضَلَّ غاب عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴿۷۵﴾ في

الدُّنیا مِن أنَّ مَعَهٗ شَرِیکا تعالٰی عن ذٰلك.

ترجمہ: بھلا وہ شخص کہ جس سے ہم نے ایک پسندیدہ وعدہ کر رکھا ہے جسے وہ قطعاً پانے والا ہے یعنی اس وعدہ (موعود بہ) کو پہنچنے والا ہے اور وہ جنت ہے کیا اس شخص جیسا ہوسکتا ہے جس کو ہم نے دنیوی زندگی کا چندروزہ فائدہ دے رکھا ہے، جو عنقریب زائل ہو جائے گا پھر وہ قیامت کے روز ان لوگوں میں ہوگا جو گرفتار کر کے دوزخ میں حاضر کئے جائیں گے اول شخص مومن ہوگا اور دوسرا کافر یعنی دونوں میں کوئی مساوات نہ ہوگی اور اس دن کو یاد کرو کہ جس دن خدا تعالیٰ ان کافروں کو پکار کر کہے گا میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کو تم سمجھتے تھے کہ وہ میرے شریک ہیں جن پر خدا کا دخول نار کا حکم ثابت ہو چکا ہوگا وہ کہیں گے اور وہ گمراہی کے سردار ہوں گے اے ہمارے پروردگار یہ وہی لوگ ہیں جنہیں ہم نے بہکایا تھا یہ مبتداء اور اس کی صفت ہے اور اَغْوَیْنَاھُمْ اس کی خبر ہے ہم نے ان کو اسی طرح بہکایا جس طرح ہم خود بہکے تھے تو یہ بہک گئے ہم نے ان کو گمراہی پر مجبور نہیں کیا تھا ہم تیری سرکار میں ان سے اپنی طرف سے اظہار براءت کرتے ہیں یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے، مَا نافیہ ہے مفعول فواصل کی رعایت کے لئے مقدم کیا گیا ہے اور کہا جائے گا اپنے شرکاء کو بلالو یعنی ان بتوں کو جن کو تم سمجھتے تھے کہ یہ میرے شریک ہیں چنانچہ وہ ان کو پکاریں گے مگر وہ ان کی پکار کا جواب تک نہ دیں گے اور یہ لوگ عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے، کاش یہ لوگ دنیا میں راہ راست پر ہوتے تو اس عذاب کو آخرت میں نہ دیکھتے اور اس دن کو یاد کرو جس دن اللہ ان سے پکار کر پوچھے گا تم نے اپنے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا؟ پھر تو اس دن ان کی جواب میں پیش کر کے نجات دلانے والی سب دلیلیں گم ہو جائیں گی (یعنی بکے بکے رہ جائیں گے) یعنی ان کی سمجھ میں کوئی ایسی دلیل نہیں آئے گی کہ جس میں ان کی نجات ہو اور وہ آپس میں بھی دلیل کے بارے میں پوچھ تاچھ نہ کرسکیں گے جس کی وجہ سے لاجواب ہو جائیں گے البتہ جس شخص نے شرک سے توبہ کی اور ایمان لے آیا یعنی اللہ کی توحید کی تصدیق کی اور نیک اعمال کئے یعنی فرائض ادا کئے تو یقین ہے کہ ایسے لوگ اللہ کے وعدے کے مطابق کامیاب ہوں گے اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس کو چاہتا چنتا ہے اور ان میں سے کسی مشرک کو کسی چیز میں کوئی اختیار نہیں اللہ ہی کے لئے پاکی ہے اور وہ برتر ہے ان کے شرک کرنے سے اور آپ کا رب ان سب کفر وغیرہ کی باتوں کو جانتا ہے جن کو ان کے سینے چھپاتے ہیں اور جس جھوٹ کو وہ اپنی زبان سے ظاہر کرتے ہیں وہی معبود ہے اس کے علاوہ کوئی لائق عبادت نہیں دنیا اور آخرت میں جنت میں اسی کی تعریف ہے اور اسی کے لئے فرماں روائی ہے (یعنی) ہر چیز میں اسی کا فیصلہ نافذ ہے اور زندہ کر کے اسی طرف لوٹائے جاؤ گے آپ اہل مکہ سے کہئے بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت تک رات رہنے دے تو خدا کے سوا تمہارے خیال میں وہ کونسا معبود ہے کہ تمہارے لئے دن کی روشنی کو لے آئے کہ جس میں تم روزی طلب کرو، کیا تم

اس بات کو سمجھنے کے لئے سنتے نہیں ہو؟ کہ تم شرک سے باز آ جاؤ ان سے پوچھئے کہ یہ بھی بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ قیامت تک دن ہی دن رکھے تو تمہارے خیال کے مطابق اس کے سوا کون معبود ہے جو تمہارے پاس رات لے آئے؟ کہ جس میں تم تکان کی وجہ سے آرام کرو کیا تم شرک کے معاملہ میں اپنی غلطی کو نہیں دیکھتے (غور نہیں کرتے) کہ تم اس شرک سے باز آ جاؤ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات اور دن بنائے تا کہ رات میں آرام کرو اور دن میں کسب کے ذریعہ اس کی روزی تلاش کرو اور تا کہ تم رات اور دن کی نعمت کا شکر ادا کرو اور یاد کرو جس دن انہیں پکار کر اللہ فرمائے گا کہ جنہیں تم میرا شریک سمجھتے تھے وہ کہاں ہیں؟ (ان کے شرک کو) دوبارہ ذکر کیا تا کہ آئندہ قول کی اس پر بناء کرے، ہم ہر امت سے ایک ایک گواہ نکال کر لائیں گے اور وہ ان کا نبی ہوگا جو کچھ انہوں نے اس سے کہا ہوگا اس پر شہادت دے گا تو ہم ان مشرکوں سے کہیں گے کہ تم اپنے شرک کے دعوے پر دلیل پیش کرو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ الوہیۃ کے بارے میں سچی بات اللہ کی تھی کہ الوہیۃ میں اس کا کوئی شریک نہیں اور جو کچھ وہ دنیا میں گھڑا کرتے تھے کہ اس کا شریک ہے حالانکہ اللہ اس سے بری ہے وہ سب ان کے پاس سے غائب ہو جائے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَقَالَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْھِمُ الْقَوْلُ یہ جملہ مستانفہ ہے جو ایک سوال مقدر کے جواب میں واقع ہے جب مشرکین سے کہا جائے گا کہ میرے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کی تم پوجا پاٹ کیا کرتے تھے؟ تو اس سوال کا جواب دینے کے بجائے مشرکین کے رؤساء اور اتباع میں جھگڑا شروع ہو جائے گا تابعین متبوعین کو مورد الزام قرار دیں گے اور متبوعین تابعین کو۔

قولہ: مبتداءٌ و صفتہٗ، ھٰؤلاءِ اسم اشارہ موصوف اَلَّذِیْنَ اسم موصول اَغْوَیْنا جملہ ہو کر صلہ عائد محذوف اور وہ ھُمْ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَغْوَیْناھُمْ موصول صلہ سے مل کر صفت موصوف صفت سے مل کر مبتداء، اور اَغْوَیْنَا، کَمَا غَوَیْنَا مبتداء کی خبر ہے۔

قولہ: قُدِّمَ المفعول للفاصل اصل میں مَا کَانُوْا یَعْبُدُوْنَنَا تھا، فواصل کی رعایت کے لئے مفعول کو مقدم کر دیا گیا، ما کانوا اِیَّانَا یعبدون ہو گیا۔

قولہ: مَا رَاَوہ فی الآخرۃ یہ لَوْ کا جواب ہے، اور بعض حضرات نے لَاَنْجَاھُمْ ذٰلِكَ محذوف مانا ہے یعنی اگر وہ دنیا میں ہدایت پر ہوتے تو ان کا ہدایت پر ہونا آخرت میں ان کو کامیاب کر دیتا۔

قولہ: فَعَمِیَتْ عَلَیْھِمُ الانبَاءُ اس میں قلب ہے جو کہ محسنات کلام میں شمار ہوتا ہے، اصل یہ ہے فَعَمُوْا عن الْاَنْبَاءِ شارح کے قول لَمْ یجدوا خَیْرًا لھُمْ فیه سے اسی قلب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قولہ: فَعَمِیت عَلَیْھِمْ میں عمی کا صلہ علیٰ، خَفِیَ کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے ہے۔

قَوْلَهُ: عَسٰی اَن یَّکُونَ، عسٰی یہاں تحقیق کے لئے ہے اس لئے کہ کریموں کے یہاں توقع بھی یقین کا درجہ رکھتی ہے اور اللہ تعالیٰ تو اکرم الاکرمین ہیں لہٰذا اللہ کے کلام میں عسٰی بمعنی حقّق ہوگا، اور اگر ترجی ہی کے معنی میں لیا جائے تو تائب کے اعتبار سے ہوگا۔

شانِ نزول:

وَرَبُّکَ یَخْلُقُ مَا یَشَاءُ وَیَخْتَارُ جب آنحضرت ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کیا تو لوگوں کو یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوئی خاص طور پر ولید بن مغیرہ نے آنحضرت ﷺ کی نبوت اور آپ پر نزول قرآن کو بڑا عجیب اور عظیم سمجھا اور کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو کسی کو رسول بنانا ہی تھا تو مکہ اور طائف کے ان دو سرداروں میں سے کسی کو کیوں رسول نہیں بنایا؟ تو اس کے بارے میں مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ (جمل)

قَوْلَهُ: سَرْمَدًا جَعَلَ کا مفعول ثانی ہے بمعنی دائمًا. سَرْدٌ سے مشتق ہے اس کے معنی متابعت اور لگاتار کے ہیں، میم زائدہ ہے، عرب اشہر حرم کے بارے میں بولتے ہیں، ثلاثةٌ سردٌ واحد فردٌ تین مسلسل ہیں اور ایک الگ ہے۔

قَوْلَهُ: قُلْ لَهُمْ اَرَاَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْکُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا یہ باب تنازع فعلان سے ہے اَرَاَیْتُمْ اور جَعَلَ نے اللَّیْلَ میں نزاع کیا، دونوں ہی اللیل کو اپنا مفعول بنانا چاہتے ہیں، ثانی فعل کو عمل دیدیا اور اول کے لئے مفعول اول محذوف مان لیا اور وہ أرأیتموهُ میں هٗ ہے اور اس کا مفعول ثانی بعد میں واقع ہونے والا جملہ استفہامیہ ہے اور فعل ثانی کا مفعول ثانی سرمدًا ہے، اِنْ حرف شرط ہے اور جَعَلَ فعل شرط اور اللہ اس کا فاعل ہے، اللیلَ جَعَلَ کا مفعول اول ہے اور سرمدًا مفعول ثانی ہے اور جواب شرط محذوف ہے وہ مَاذَا تَفْعَلونَ؟ ہے ای اِن جَعَلَ اللّٰه علیکم النهار سرمدًا ماذا تفعلون.

قَوْلَهُ: ذُکِرَ ثانیًا لِیَبْنِیَ علیه.

قَوْلَهُ: اَیْنَ شُرَکَائِیَ الَّذِیْنَ کنتُم تَزْعُمُوْنَ کو دو مرتبہ ذکر کیا ہے، یہی آیت شروع رکوع میں بھی آئی ہے، بیضاوی نے کہا ہے تقریعٌ بعد تقریعٍ یعنی ملامت کے بعد ملامت ہے اس لئے کہ شرک سے زیادہ کوئی شئ اللہ کے غضب کو دعوت دینے والی نہیں ہے، یا اول ان کی فساد رائے کو بیان کرنے کے لئے ہے اور ثانی یہ بتانے کے لئے ہے کہ شرک کی بات کوئی مستند بات نہیں ہے بلکہ محض تشبہ اور ہوائے نفس ہے۔

تفسیر و تشریح

اَفَمَنْ وَّعَدْنَاهُ وَعْدًا حَسَنًا یعنی اہل ایمان وعدۂ الٰہی کے مطابق نعمتوں سے بہرہ ور اور نافرمان عذاب سے دوچار ہوگا، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟

محشر میں مشرکین سے پہلا سوال شرک سے متعلق ہوگا کہ جن شیاطین وغیرہ کو تم ہمارا شریک ٹھہرایا کرتے تھے اور ان کا کہنا مانتے تھے آج وہ کہاں ہیں؟ کیا وہ تمہاری کچھ مدد کرسکتے ہیں؟ وہ سیدھا جواب دینے یا معذرت کرنے کے بجائے آپس میں ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہرائیں گے، تابعین کہیں گے کہ ہمارا کوئی قصور نہیں ہم نے از خود شرک نہیں کیا بلکہ ہمیں تو ان شیاطین نے بہکایا تھا، تو وہ شیاطین کہیں گے کہ ہم نے بہکایا ضرور تھا مگر مجبور تو ہم نے نہیں کیا تھا اس لئے مجرم تو ہم بھی ہیں مگر یہ بھی جرم سے بری نہیں کیونکہ جس طرح ہم نے ان کو بہکایا تھا اس کے بالمقابل انبیاء علیہم السلام اور ان کے نائبوں نے ان کو ہدایت بھی تو کی تھی اور دلائل کے ساتھ ان پر حق واضح کردیا تھا، انہوں نے اپنے اختیار سے اپنے انبیاء کی بات نہ مانی، ہماری مان لی تو کیسے بری ہوسکتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے سامنے حق واضح ہوجائے اور حق کے دلائل واضحہ موجود ہوں اور وہ حق کی طرف دعوت دینے والوں کے بجائے گمراہ کرنے والوں کی بات مان کر گمراہی میں پڑجائے تو یہ کوئی عذر معتبر نہیں۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيختارُ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ یختار سے مراد اختیار احکام ہے کہ حق تعالیٰ جب تخلیق کائنات میں منفرد ہے کوئی اس کا شریک نہیں تو اجراء احکام میں بھی منفرد ہے جو چاہے اپنی مخلوق پر احکام نافذ فرمائے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا اختیار تکوینی میں کوئی شریک نہیں اختیار تشریعی میں بھی کوئی شریک نہیں۔

اس کا دوسرا مفہوم وہ ہے جو مفسر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے اپنی تفسیر میں اور علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں بیان کیا ہے کہ اس اختیار سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق میں سے جس کو چاہیں اپنے اکرام و اعزاز کے لئے انتخاب فرمالیتے ہیں اور بقول بغوی یہ جواب ہے مشرکین مکہ کے اس قول کا لَوْ لَا نُزِّلَ هذا القرآن علی رجلٍ من القریتین عظیم یعنی یہ قرآن اللہ کو اگر نازل کرنا تھا تو عرب کے دو بڑے شہر مکہ اور طائف میں سے کسی بڑے آدمی پر نازل فرماتا، ایک یتیم مسکین پر نازل کرنے میں کیا حکمت و مصلحت تھی؟ اس کے جواب میں فرمایا جس مالک نے تمام مخلوقات کو بغیر کسی شریک کی امداد کے پیدا فرمایا ہے یہ اختیار بھی اسی کو حاصل ہے کہ اپنے خاص اعزاز کے لئے اپنی مخلوق میں سے کس کو منتخب کرے اس میں وہ تمہاری تجویز کا کیوں پابند ہو کہ فلاں اس کا مستحق ہے اور فلاں نہیں۔

وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ (الآیة) دن اور رات یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں، رات کو تاریک بنایا تاکہ سب لوگ آرام کرسکیں اس اندھیرے کی وجہ سے ہر مخلوق سونے اور آرام کرنے پر مجبور ہے، ورنہ اگر آرام کرنے اور سونے کے اپنے اپنے اوقات ہوتے تو کوئی بھی مکمل طریقہ سے سونے کا موقع نہ پاتا، جبکہ معاشی تگ و دو اور کاروبار جہان کے لئے نیند کا پورا کرنا نہایت ضروری ہے، اس کے بغیر توانائی بحال نہیں ہوسکتی، اگر کچھ لوگ سو رہے ہوتے اور کچھ جاگ کر مصروف تگ و دو ہوتے تو سونے والوں کے آرام و راحت میں خلل واقع ہوتا نیز لوگ ایک دوسرے کے تعاون سے بھی محروم رہتے جبکہ دنیا کا نظام ایک دوسرے کے تعاون و تناصر کا محتاج ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے رات کو تاریک کردیا تاکہ ساری مخلوق بیک وقت آرام کرے اور کوئی کسی کی نیند اور آرام میں مخل نہ ہوسکے، اسی طرح دن کو روشن بنایا تاکہ روشنی میں انسان اپنا کاروبار بہتر طریقہ سے کرسکے، دن کی اگر یہ روشنی نہ ہوتی تو انسان کو جن مشکلات کا سامنا کرنا

پڑتا اسے ہر شخص بآسانی سمجھتا اور اس کا ادراک کرتا ہے۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى ابن عَمِّه وابنِ خالتِه وآمَنَ به فَبَغٰى عَلَيْهِمْ بالكِبرِ والعُلُوِّ وكَثرةِ المَالِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ تثقل بِالْعُصْبَةِ الجماعةِ اُولِى اصحاب الْقُوَّةِ اى تُثقِلُهم فالباء لِلتَّعديةِ وعِدَّتُهم قيل سَبعُونَ وقيل اَربعون وقيل عَشرة وقيل غيرَ ذٰلِكَ اُذكر اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ المُؤمِنُونَ مِنْ بَنِى اِسرائيل لَا تَفْرَحْ بكثرةِ المالِ فَرحَ بَطرٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ بذلك وَابْتَغِ اُطلُب فِيْمَآ اٰتٰكَ اللّٰهُ مِنَ المال الدَّارَ الْاٰخِرَةَ بِاَنْ تُنفِقَه فى طاعةِ اللّٰه وَلَا تَنْسَ تَترُكَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا اى ان تعمَلَ فيها للاخرة وَاَحْسِنْ لِلناس بالصَّدقةِ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ تطلب الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ بعَملِ المعاصِى اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ بمعنى اَنَّه يُعاقِبُهم قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ اى المالُ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِىْ اى فِى مُقابَلتِه وكان اَعلَمَ بَنِى اِسرائيلَ بالتَّوراةِ بَعدَ موسٰى وهارونَ قال تعالٰى اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ الأمَمِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا للمالِ اى وهو عالِمٌ بذلكَ ويُهلِكُهم اللّٰه تعالٰى وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ لِعِلمِه تعالٰى بها فيَدخُلون النارَ بلا حِسابٍ فَخَرَجَ قارونُ عَلٰى قَوْمِهٖ فِىْ زِيْنَتِهٖ باَتباعِه الكثيرينَ رُكبانا مُتحلِّينَ بمَلابس الذَّهبِ والحريرِ على خُيولٍ وبغالٍ مُتحلِّيَةٍ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ للتَّنبيهِ لَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ قَارُوْنُ فى الدُّنيا اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ نَصيبٍ عَظِيْمٍ وافٍ فيها وَقَالَ لهم الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ بما وَعَدَ اللّٰهُ فى الاٰخِرة وَيْلَكُمْ كلمةُ زَجرٍ ثَوَابُ اللّٰهِ فِى الاٰخرةِ بالجنَّةِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا مِمَّا اُوتى قارونُ فى الدُّنيا وَلَا يُلَقّٰهَآ اى الجنةَ المُثابَ بها اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ على الطَّاعةِ وعنِ المَعصيَةِ فَخَسَفْنَا بِهٖ بقارونَ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ من غيرِه باَن يَمنَعُوا عنه الهَلاكَ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ منه وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ اى مِنْ قَريبٍ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ يُوسِّعُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ يُضيِّقُ على مَنْ يَشاءُ وَوَىْ اِسمُ فِعلٍ بمعنٰى اعجبُ اى انا والكافُ بمعنى اللّامِ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا بالبِناءِ للفاعِلِ والمفعولِ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ لِنعمَةِ اللّٰهِ كقارونَ۔

ترجمہ: قارون موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم سے تھا (یعنی) چچازاد اور خالہ زاد بھائی تھا اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لایا تھا، کبر و تعلّی اور کثرت مال کے ذریعہ لوگوں کے مقابلہ میں تکبر کرنے لگا تھا، اور ہم نے اس کو اس قدر خزانے دیئے تھے

کہ ان کی کنجیاں کئی کئی زورآور لوگوں کو گراں بار کردیتی تھیں یعنی ان کو بوجھل کردیتی تھیں باتعدیہ کے لئے ہے (اور اٹھانے والی جماعت کے افراد کی تعداد) کہا گیا ہے ستر تھی اور کہا گیا چالیس تھی اور کہا گیا کہ دس تھی، اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں، اس وقت کو یاد کرو جب اس کی قوم بنی اسرائیل کے مومن لوگوں نے اس سے کہا کثرت مال پر مت اترا واقعی اللہ تعالیٰ مال پر اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور جو مال تجھ کو اللہ تعالیٰ نے دے رکھا ہے اس میں دارآخرت کی بھی جستجو رکھ اس طریقہ پر کہ اللہ کی اطاعت میں خرچ کر، اور دنیا سے اپنا حصہ فراموش نہ کر بایں طور کہ دنیا میں آخرت کے لئے عمل کرتا رہ، اور لوگوں کے ساتھ صدقہ کے ذریعہ حسن سلوک کر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ حسن سلوک کیا ہے اور عمل معصیت کے ذریعہ ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو بلاشبہ اللہ تعالیٰ فساد برپا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اس معنی پر کہ ان کو سزا دے گا قارون نے جواب دیا یہ سب کچھ مجھے میری ذاتی ہنرمندی سے ملا ہے یعنی میری ہنرمندی کی بدولت اور وہ بنی اسرائیل میں موسیٰ اور ہارون کے بعد سب سے زیادہ تورات کا عالم تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا اسے اس بات کا علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے بہت سی ایسی امتوں کو ہلاک کردیا کہ جو اس سے قوۃ میں بھی زیادہ تھیں اور مال کی جمع پونجی کے اعتبار سے بھی زیادہ تھیں یعنی اس کو اس بات کا علم ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کردے گا، اور اللہ تعالیٰ ان کے ذنوب کا علم رکھنے کی وجہ سے ان کے ذنوب کے بارے میں سوال نہ کرے گا اور بغیر حساب (کتاب) کے دوزخ میں داخل کرے گا پس قارون پوری آرائش (شان) کے ساتھ اپنی قوم کے سامنے (ایک روز) اپنے بہت سے متبعین کے ہمراہ جو کہ زری اور ریشم کا لباس زیب تن کئے ہوئے تھے اور زیورات سے لدے ہوئے خچروں اور گھوڑوں پر سوار تھے نکلا، تو دنیوی زندگی کے متوالے کہنے لگے یا تنبیہ کے لئے ہے کاش ہمیں بھی کسی طرح وہ مل جاتا جو قارون کو دنیا میں دیا گیا ہے یہ تو بڑا نصیب دار ہے یعنی دنیا سے وافی حصہ پانے والا ہے (فیہا کے بجائے منہا انسب ہے) اور وہ لوگ جن کو ان چیزوں کا علم دیا گیا جن کا اللہ تعالیٰ نے آخرت میں وعدہ فرمایا ہے ان سے (بطور نصیحت) کہنے لگے ارے تمہارا ناس ہو (ویل) کلمۂ توبیخ ہے آخرت میں اللہ کا ثواب (یعنی) جنت (ہزار درجہ) بہتر ہے اس سے جو قارون کو دنیا میں دیا گیا ہے جو ایسے شخص کو ملے گا جو ایمان لایا ہوگا اور نیک عمل کئے ہوں گے اور جنت جو بطور ثواب ملے گی ان ہی کو دی جائے گی جو طاعت و معصیت پر صبر کرنے والے ہیں آخر کار قارون کو مع اس کے محل کے زمین میں دھنسا دیا اور اللہ کے سوا کوئی جماعت نہ ہوئی کہ اس کی مدد کرتی (یعنی) ہلاکت سے اس کو بچالیتی اور نہ وہ خود کو عذاب سے بچانے والوں میں ہوا، اور جو لوگ کل زمانہ قریب میں اس کے جیسا ہونے کی تمنا کر رہے تھے کہنے لگے بس جی یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جس کو چاہے اپنے بندوں میں سے روزی میں وسعت کرتا اور جس کی چاہے تنگ کردیتا ہے اور وَیْ اسم فعل اعجب انا کے معنی میں ہے اور کاف بمعنی لام ہے اور اگر ہم پر اللہ کی مہربانی نہ ہوتی تو ہم کو دھنسا دیتا خُسِفَ معروف اور مجہول دونوں ہیں بس جی معلوم ہوگیا قارون کے مانند اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے والوں کو کامیابی نہیں ہوتی۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اِنَّ قَارُوْنَ ''قارون'' عجمی (عبرانی) لفظ ہے، عجمہ اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے، قارون کے متعلق اتنی بات طے شدہ ہے کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برادری کا فرد تھا، باقی رہی یہ بات کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کا کیا رشتہ تھا، اس میں مختلف اقوال ہیں، اول: چچازاد بھائی تھا، دوسرا: خالہ زاد بھائی تھا یہ دونوں رشتے جمع بھی ہوسکتے ہیں کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خالہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا کے نکاح میں ہو، اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں، نسب اس طرح ہے قارون بن یصھر بن قاھث، اور موسیٰ بن عمران بن قاھث تَنُوْءُ واحد مؤنث غائب ناءَ یَنُوْءُ نوءً (ن) جھکنا، گراں بار ہونا۔

قَوْلُہٗ: اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْءُ بِالعصبةِ، لَتَنُوْءُ بِالعُصْبَةِ میں دو صورتیں ہیں (اول) یہ کہ باء تعدیہ کے لئے ہو اس صورت میں معنی یہ ہوں گے لَتَنُوْءُ المَفَاتِحُ العُصبةَ الاَقوِيَاءَ یعنی کنجیاں اس قدر زیادہ تھیں کہ طاقتور لوگوں کی ایک جماعت کو بھی گراں بار کر دیتی تھیں، اس صورت میں قلب نہیں ہے (دوسری) لَتَنُوْءَ بِالعُصْبَةِ میں قلب مانا جائے اور معنی یہ ہوں لَتَنُوْءُ المفاتحُ العُصبَةَ وہ کنجیاں ایک قوی جماعت کو گراں بار کر دیتی تھیں، اس لئے کہ اگر قلب نہ مانا جائے تو ترجمہ یہ ہوگا کہ اقویاء کی جماعت کنجیوں کو گراں بار کر دیتی تھی، ظاہر ہے کہ یہ خلاف عقل ہے۔

قَوْلُہٗ: وَلَا يُسْئَلُ عن ذُنوبِهِمُ المجرمون.

سُوَال: ایک آیت میں ہے فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ اجمعينَ عَمَّا كانُوْا يَعملونَ پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مجرمین سے ان کے جرائم کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا اور بغیر حساب و کتاب جہنم میں داخل کر دیا جائے گا، اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام مجرمین سے ان کے جرائم کے بارے میں سوال کیا جائے گا، دونوں میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟

جَوَاب: سوال کی دو قسمیں ہیں۔

پہلی قسم:

''استعتاب'' کہ سوال کرنے کے بعد معاف کر دیا جاتا ہے جیسا کہ بعض عصاۃ مومنین کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے گا۔

دوسری قسم:

''تقریع'' جس کے بعد جہنم میں داخل کر دیا جائے گا، یہاں اول قسم کے سوال کی نفی مراد ہے، لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: فَخَرَجَ اس کا عطف قال انما اوتیتهٗ پر ہے درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔

قَوْلُہٗ: مِن فِئَةٍ يَنْصُرُوْنَهٗ۔ فِئَةٌ کان کا اسم بھی ہوسکتا ہے اگر کان ناقصہ ہو تو لَهٗ اس کی خبر، اور اگر کان تامہ ہو تو فِئَة اس کا فاعل ہوگا اور ینصرونه، فِئَة کی صفت فِئَة لفظاً مجرور ہوگا اور معناً مرفوع اس لئے کہ مِن زائدہ ہے۔

قَوْلُہٗ: مِن دون اللّٰہ۔ فئة سے حال ہے۔

قَوْلُہٗ: بِالْاَمْسِ سے اس کے حقیقی معنی کل گذشتہ مراد نہیں ہیں، بلکہ زمانہ قریب مراد ہے زمانہ قریب کو مجازاً اَمْس سے تعبیر کردیتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: وَیْکَأَنَّ یہ کلمہ تعجب اور زجر ہے وَیْ کَ سے مرکب ہے کاف ضمیر خطاب ہے اور اَنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ وَا اسم ہے جو تعجب پر دلالت کرتا ہے، اس وا کے بعد کبھی کبھی ھا بڑھا دیتے ہیں معنی تعجب ہی کے رہتے ہیں، اور کبھی وَا کو وَیْ پڑھتے ہیں اور اس کے بعد کاَنَّ لگا دیتے ہیں وَیْکَاَنَّ مَنْ یکن له نَشَبٌ یُحْبَبُ ومن یفتقر یعیش عیش ضر ''ارے جس کے پاس زر کثیر ہوتا ہے اس سے محبت کی جاتی ہے اور جو محتاج ہوتا ہے وہ دکھ کی زندگی گذارتا ہے''۔ (لغات القرآن)

تفسیر وتشریح

سورۂ قصص میں بیان کردہ واقعات میں سے یہ دوسرا واقعہ ہے پہلا قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تھا، یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی برادری بنی اسرائیل کے ایک شخص قارون کے ساتھ ہے۔

ربط:

دونوں واقعات میں مناسبت یہ ہے کہ پچھلی آیت میں یہ ارشاد ہوا تھا کہ دنیا کا مال و دولت جو تم کو دیا جاتا ہے وہ چند روزہ متاع ہے اس کی محبت میں لگ جانا اور اس پر فریفتہ ہو کر آخرت کو فراموش کردینا دانشمندی نہیں ہے وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا الآیة قارون کے قصہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس نے مال و دولت حاصل ہونے کے بعد اس نصیحت کو بھلا دیا اور دنیا کے مال و دولت کے نشہ میں مست ہو کر اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرنے لگا اور اس کے ذمہ جو مالی حقوق واجبہ تھے ان کی ادائیگی سے منکر بھی ہو گیا، جس کے نتیجہ میں وہ اپنے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔

قارون عجمی لفظ ہے غالباً عبرانی ہے قارون کے متعلق اتنی بات تو قرآن ہی سے معلوم ہوتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی برادری بنی اسرائیل کا شخص تھا، مگر اس بات میں کافی اختلاف ہے کہ اس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا رشتہ تھا؟ بعض نے چچا زاد بھائی اور بعض نے خالہ زاد بھائی بتایا ہے اور بعض نے دونوں کہا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما و ابن جریج وقتادہ و ابراہیم سے مروی ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا، نسب اس طرح ہے موسیٰ بن عمران بن قاہث بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام اور قارون کا نسب اس طرح ہے، قارون بن یصہر بن قاہث اور مجمع البیان میں ہے عطاء عن ابن عباس انه ابن خالة موسیٰ علیہ السلام اور محمد بن اسحٰق سے مروی ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا تھا، نسب اس طرح بیان کرتے ہیں موسیٰ بن عمران بن یصہر بن قاہث، قارون بن یصہر بن قاہث۔

(روح المعانی)

قارون تورات کا حافظ تھا نیز موسیٰ وہارون کے بعد تیسرے درجہ کا عالم بھی مگر سامری کے مانند منافق تھا قیادت وسیادت چونکہ حضرت موسیٰ وہارون کے پاس تھی جس کی وجہ سے قارون کو حسد تھا ایک مرتبہ قارون نے اپنے حسد کا اظہار بھی کر دیا تھا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یہ سب اللہ کے اختیار کی بات ہے ہمارا اس میں کوئی دخل نہیں ہے چنانچہ قارون نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کرنے سے انکار کر دیا۔ (روح المعانی)

اور اپنے مال ودولت کے نشہ میں دوسروں پر ظلم کرنا شروع کر دیا، یحییٰ بن سلام اور سعید بن مسیّب نے فرمایا کہ قارون سرمایہ دار آدمی تھا فرعون کی جانب سے بنی اسرائیل کی نگرانی پر مامور تھا، اس امارت کے زمانہ میں اس نے بنی اسرائیل کو بہت ستایا بغی کے ایک معنی تکبر کے بھی آتے ہیں بہت سے مفسرین نے اس جگہ یہی معنی مراد لئے ہیں یعنی مال ودولت کے نشہ میں بنی اسرائیل پر تکبر کرنے لگا اور ان کو حقیر وذلیل سمجھنے لگا۔

وَاٰتَیْنَاهُ مِنَ الْكُنُوْزِ کنوز کنز کی جمع ہے مدفون خزانہ کو کہتے ہیں، اور اصطلاح شرع میں کنز اس مال کو کہا جاتا ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو، حضرت عطاء سے روایت ہے کہ اس کو حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک عظیم الشان مدفون خزانہ مل گیا تھا۔

(روح ملخصًا)

لَتَنُوْءُ بِالْعُصْبَةِ۔ نَاءَ یَنُوْءُ نَوْءً بوجھ سے جھک جانا، عصبہ کے معنی جماعت، مطلب یہ ہے کہ اس کے سونے اور چاندی سے بھرے ہوئے صندوق اس قدر تھے کہ ان کی کنجیاں ایک طاقتور جماعت کو جھکا دیتی تھیں خدا کی نعمت پر خوشی کا اظہار اگرچہ مذموم نہیں ہے مگر اس قدر خوشی کرنا کہ اترانے اور تکبر کی حد تک پہنچ جائے اور دوسروں کو ذلیل وحقیر سمجھنے لگے جائز نہیں، قرآن کریم نے فرح کو متعدد آیات میں مذموم قرار دیا ہے۔

وَابْتَغِ فِیْمَا آتَاكَ اللّٰهُ (الآیة) مسلمانوں نے قارون کو یہ نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ نے جو مال ودولت تجھے عطا فرمایا ہے اس کے ذریعہ آخرت کا سامان فراہم کر اور دنیا میں جو تیرا حصہ ہے اسے فراموش نہ کر اور یہ کہ دنیا میں آخرت کے لئے عمل کرتا رہ، حدیث شریف میں وارد ہے اِغتنم خمسًا قبل خمسٍ شبابكَ قبل هرمكَ وصحتكَ قبل سقمكَ وغناءكَ قبل فقركَ وفراغَكَ قبل شغلِكَ وحياتكَ قبل موتِكَ (حدیث مرسل). (جمل)

اِنَّمَآ اُوْتِیْتُهٗ قارون نے یہ جملہ مومنین ناصحین کے جواب میں کہا، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ میرے مال ودولت کے حصول میں فضل خداوندی کا کوئی دخل نہیں ہے، یہ مال ودولت تو مجھے میرے ذاتی کمال علمی کی وجہ سے ملا ہے جس کا میں حقدار ہوں اس میں مجھ پر کسی کا احسان نہیں ہے، ظاہر یہ ہے کہ آیت میں علم سے مراد معاشی تدابیر کا علم ہے، مثلاً تجارت صنعت وغیرہ اور بعض مفسرین نے علم سے تورات کا علم مراد لیا ہے، جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ قارون تورات کا حافظ اور عالم تھا، اور ان ستر اصحاب میں سے تھا جن کو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میقات کے لئے منتخب فرمایا تھا مگر اس کو اپنے علم پر ناز اور غرور پیدا ہو گیا، اس کو اپنا ذاتی کمال سمجھ بیٹھا۔

اِنَّمَآ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ کے ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ اللہ کے علم میں یہ بات ہے کہ میں اس کا مستحق تھا اسی

لئے مجھے یہ نعمتیں ملی ہیں، بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس کو علم الکیمیا (سونا بنانے کا علم) آتا تھا، مگر امام ابن کثیر نے اس کو محض فریب اور دھوکا قرار دیا ہے، مال و دولت کی فراوانی یہ کوئی فضیلت کا باعث نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو پچھلی قومیں تباہ و برباد نہ ہوتیں اس لئے قارون کا اپنی دولت پر گھمنڈ کرنا اور اسے باعث فضیلت سمجھنا کوئی معقول بات نہیں ہے۔

فَخَرَجَ عَلٰى قومِهٖ فِی زِینتِهٖ ایک روز قارون اپنے ہزار ہا مصاحبین اور خدم وحشم کی معیت میں بڑی شان و شوکت اور زیب و زینت کے ساتھ نکلا، جب کچھ دنیا دار مسلمانوں نے یا کافروں اور منافقوں نے قارون کی زیب و زینت اور کروفر اور دنیوی چمک دمک کو دیکھا تو اس کے جیسا ہونے کی تمنا کی اور قارون کے بارے میں کہنے لگے قارون بڑا ہی نصیب دار، اور اقبال مند ہے۔

وقال الذین اوتوا العلم دنیادار لوگوں کے برخلاف اہل علم کہ جن کو دنیا و آخرت ثواب و عقاب اور امم سابقہ کی ہلاکت و بربادی اور اللہ کے وعدوں کا علم دیا گیا تھا نے کہا ارے کمبختو! دنیا کی یہ زیب و زینت جس کی تم تمنا کر رہے ہو چند روزہ ہے، ہمیشہ باقی رہنے والا تو آخرت کا اجر و ثواب ہے لہٰذا تم اس چند روزہ زینت پر فریفتہ مت ہو اس کی حقیقت (خضراء دمن) کوڑی کے سبزے سے زیادہ نہیں، آخرت کا اجر و ثواب ایمان والے نیکوکاروں ہی کو ملتا ہے، اس آیت میں علماء کا مقابلہ **الذین یریدون الحیٰوۃ الدنیا** سے کیا گیا ہے جس میں واضح اشارہ اس طرف ہے کہ متاع دنیا کو مقصود بنانا اہل علم کا کام نہیں۔

قارون کے زمین میں دھنسنے کا قصہ تاریخی روایات کی روشنی میں:

ارباب تاریخ لکھتے ہیں کہ جب سیادت و قیادت حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام پر مقرر ہوگئی اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کو (بیت القربان) یعنی قربانیوں کا نگران مقرر فرما دیا، یعنی جو نذر آئے، وہ ہارون کی معرفت ان کی نگرانی میں قربان گاہ میں رکھی جائے اور آسمانی آگ آکر اس کو جلا دے، گویا کہ یہ قربانی کے مقبول ہونے کی علامت تھی، قارون کو اس بات پر حسد ہوا اور کہا آپ پیغمبر بھی ہیں، اور رئیس قوم بھی، اور ہارون قربان گاہ کے نگران اور میں تورات کا بھی حافظ ہوں مجھے کیونکر صبر آئے، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یہ امر منجانب اللہ ہے اس میں میرا کوئی دخل نہیں ہے، قارون کہنے لگا میں کیسے یقین کروں کہ یہ امر منجانب اللہ ہے، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی اسرائیل کے سرداروں کو جمع ہونے کا حکم دیا جب سب جمع ہوگئے تو آپ نے حکم دیا کہ تم سب اپنی اپنی لاٹھیاں لاؤ جس کی لاٹھی سرسبز ہو جائے وہ قربانگاہ کی نگرانی کا مستحق ہوگا سب لاٹھیوں کو جمع کر کے ایک مکان میں بند کر دیا گیا جب صبح کو دیکھا تو حضرت ہارون کا عصا سرسبز ہوگیا تھا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا دیکھا یہ فعل میرا نہیں تھا، قارون نے کہا یہ تو جادوگروں کا کرشمہ ہے قارون نے کھلا پلا کر بنی اسرائیل کے بہت سے سرداروں کو اپنی طرف کر لیا، جب اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ واجب فرمائی تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام قارون کے پاس آئے اور فی ہزار ایک دینار دینا طے ہوا مگر جب قارون نے حساب لگایا تو کثیر مال ہوا تو گھبرایا اور بنی اسرائیل کو جمع کر کے کہنے لگا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اب تک جو کچھ کہا تم نے مانا، مگر ان کو کفایت نہ ہوئی اب تمہارا مال لینے کی فکر میں ہے، قوم نے کہا تم

ہمارے بڑے اور عقل مند ہو، جو تم کہو گے ہم تسلیم کریں گے، قارون نے کہا فلاں زن فاحشہ کو لاؤ اسے کچھ دیکر آمادہ کریں کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تہمت لگائے جب قوم یہ بات سنے گی تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے باغی ہو جائے گی اور ہم سب کو اس غلامی سے نجات مل جائے گی، غرضیکہ وہ عورت آئی اور اسے بہت کچھ دے دلا کر تہمت لگانے پر راضی کر لیا قارون اور اس کے ساتھی بنی اسرائیل کو جمع کر کے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس لے گئے اور عرض کیا یہ لوگ حاضر ہیں آپ ان کو وعظ فرمائیں، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام باہر تشریف لائے اور وعظ فرمانے لگے اور منجملہ تمام احکام کے چور کا ہاتھ کاٹنے اور تہمت کی سزا اسی کوڑے اور اگر زانی غیر محصن ہو تو سو کوڑے اور اگر محصن ہو تو سنگسار کرنے کا حکم بیان فرمایا، قارون بولا آپ نے فلاں عورت سے فعل بد کیا ہے، آپ نے فرمایا اس عورت کو بلاؤ، اگر وہ عورت گواہی دے تو سچ ہے وہ عورت بلائی گئی، جب عورت حاضر ہو گئی تو حضرت موسیٰ نے فرمایا اے عورت کیا میں نے تیرے ساتھ وہ فعل کیا جو یہ لوگ کہتے ہیں اور میں تجھے اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے بنی اسرائیل کے لئے دریا میں شگاف کر دیا اور توریت نازل فرمائی تو سچ سچ بتا وہ عورت سکھائے ہوئے کید شیطانی کو بھول گئی اور کہنے لگی یہ لوگ جھوٹے ہیں مجھے قارون نے اس قدر مال دیکر راضی کیا تھا کہ میں اپنے ساتھ آپ کو متہم کروں، قارون یہ بات سن کر گھبرا گیا اور سر جھکا لیا اور سردار خاموش ہو گئے اور عذاب الٰہی سے خوف زدہ ہو گئے، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سجدہ میں گر پڑے اور رو کر عرض کیا اے میرے رب تیرے اس دشمن نے مجھے ایذاء دی اور مجھے رسوا کرنا چاہا اگر میں تیرا رسول ہوں تو تو مجھے اس پر مسلط کر دے، خدا تعالیٰ کی جانب سے وحی آئی فرمایا اے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سر اٹھاؤ اور زمین کو حکم دو جو کہو گے وہ بجا لائے گی چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زمین کو حکم دیا کہ قارون کو نگل لے، چنانچہ زمین نے بتدریج نگلنا شروع کیا، ادھر قارون یا موسیٰ یا موسیٰ چلاتا رہا گڑگڑاتا رہا یہاں تک کہ ستر مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پکارا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا اور زمین میں غائب ہو گیا۔

(مظہری)

پھر بنی اسرائیل کہنے لگے کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس لئے قارون کو دھنسا دیا کہ اس کے مال پر قبضہ کر لے، پھر آپ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اس خزانہ کو بھی زمین میں دھنسا دے چنانچہ اس کا خزانہ بھی دھنس گیا اور برابر دھنستا ہی چلا جا رہا ہے۔ (خلاصۃ التفاسیر تائب لکھنوی)

وَاَصْبَحَ الَّذِیْنَ تَمَنَّوْا مَکَانَهٗ بِالْاَمْسِ یعنی جو لوگ قارون کی ترقی اور خوشحالی دیکھ کر کل یہ آرزو کر رہے تھے کہ کاش ہم کو بھی ایسا ہی عروج حاصل ہوتا، آج اس کا یہ برا انجام دیکھ کر کانوں پر ہاتھ دھرنے لگے، اب ان کو ہوش آیا کہ ایسی دولت حقیقت میں ایک خوبصورت سانپ ہے جس کے اندر مہلک زہر بھرا ہوا ہے کسی شخص کی دنیوی ترقی اور عروج کو دیکھ کر ہم کو ہرگز یہ فیصلہ نہیں کر لینا چاہئے کہ اللہ کے یہاں وہ کچھ عزت اور وجاہت رکھتا ہے، دنیا کی ترقی اور وجاہت کسی کے مقبول یا مردود ہونے کا معیار نہیں بن سکتی، اللہ تعالیٰ جس کے لئے مناسب سمجھے روزی کے دروازے کشادہ کر دے اور جس پر چاہے تنگ کر دے، مال و دولت کی فراخی و فراوانی مقبولیت اور محبوبیت کی دلیل نہیں بلکہ بسا اوقات اس کا نتیجہ تباہی اور ابدی ہلاکت کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔

کم عاقلٍ عاقلٍ اعیت مذاهبه کم جاهلٍ جاهلٍ تلقاه مرزوقا
هٰذا الذی ترك الاوهام حائرة وصيّر العالِمَ النحرير زنديقًا

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ ای الجنةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ بالبَغْیِ وَلَا فَسَادًا بعَمَلِ المَعَاصِی وَالْعَاقِبَةُ المحمودةُ لِلْمُتَّقِیْنَ عقابَ اللهِ بعَمَلِ الطَّاعاتِ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَیْرٌ مِّنْهَا ثوابٌ بسَبَبِها وہو عَشرُ اَمْثالِها وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزَی الَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ اِلَّا جزاء مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ای مثلَه اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ اَنزَلَهٗ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ الی مكةَ وكان قد اشتاقَها قُلْ رَّبِّیْۤ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰی وَمَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ نَزَل جوابا لقول كُفّار مكةَ له اِنَّك فی ضَلالٍ ای فهو الجائی بالهدی وہم فی الضَّلال واعلم بمعنی عَالِمٍ وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْۤا اَنْ یُّلْقٰۤی اِلَیْكَ الْكِتٰبُ القراٰن اِلَّا لكن اُلقِیَ اِلَیْكَ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِیْرًا مُعِینا لِّلْكٰفِرِیْنَ علی دینِهم الذی دَعَوك الیه وَلَا یَصُدُّنَّكَ اصله یَصُدُّونَنَكَ حُذِفت نونُ الرَّفعِ للجَازِمِ وَالوَاوُ الفاعِلُ لِالتِقائِها مَعَ النُّونِ السَّاكِنَةِ عَنْ اٰیٰتِ اللهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَیْكَ ای لَا ترجع اِلیهم فی ذلك وَادْعُ الناسَ اِلٰی رَبِّكَ بتوحِیْدِهٖ وعِبَادَتِه وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ باِعانتِهم ولم یُؤثّرِ الجازمُ فی الفِعلِ لِبنَائِه وَلَا تَدْعُ تعبُد مَعَ اللهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ اِلَّا اِیاه لَهُ الْحُكْمُ القضاءُ النافِذُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ بالنُّشُورِ مِنَ القُبُورِ.

ترجمہ: یہ دار آخرت یعنی جنت ہم انہیں لوگوں کے لئے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ ظلم کے ذریعہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ نافرمانی کرکے فساد کرتے ہیں اور بہتر انجام فرمانبرداری کرکے اللہ کے عذاب سے ڈرنے والوں کے لئے ہے جو شخص نیکی لیکر آئے گا اس کو اس سے بہتر ملے گا ان کو نیکیوں کا اجر ملے گا اور وہ ان نیکیوں کا دس گنا ہوگا اور جو شخص بدی لیکر آئے گا سو ایسے لوگوں کو جو بدی کا کام کرتے ہیں اتنا ہی بدلہ ملے گا جتنا وہ کرتے تھے جس خدا نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے وہ آپ کو دوبارہ پہلی جگہ لوٹانے والا ہے یعنی مکہ (کی طرف) اور آپ نے مکہ کے لئے اشتیاق ظاہر فرمایا تھا، آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون ہدایت لیکر آیا ہے اور کون صریح گمراہی میں ہے یہ آیت کفار مکہ کے اس قول کے جواب میں نازل ہوئی کہ ان لوگوں نے آپ کے بارے میں کہا کہ تم تو صریح گمراہی میں ہو، یعنی آپ ﷺ تو ہدایت لیکر آنے والے ہیں اور وہ گمراہی میں ہیں اور اَعلم عالِم کے معنی میں ہے آپ کو تو یہ توقع نہ تھی کہ آپ پر یہ کتاب قرآن نازل کی جائے گی مگر آپ پر محض آپ کے رب کی مہربانی سے نازل کی گئی لہٰذا آپ کافروں کے ان کے دین کے بارے میں جس کی طرف وہ آپ کو دعوت دیتے ہیں ہرگز

معاون نہ بنیں اور (خیال رکھئے) کہ یہ کفار آپ کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تبلیغ سے روک نہ دیں، بعد اس کے کہ وہ آیتیں نازل ہوچکی ہیں وَلَا یَصُدُّنَّكَ اصل میں یَصُدُّوْنَنَكَ تھا، نون رفع کو جازم کی وجہ سے حذف کردیا گیا، اور واؤ فاعل کو نون ساکنہ کے ساتھ التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف کردیا گیا، یعنی آپ اس معاملہ میں ان کی (خرافات کی) طرف التفات نہ کیجئے اور آپ لوگوں کو اپنے رب کی توحید و عبادت کی طرف دعوت دیتے رہئے اور ہرگز ان کی اعانت کرکے مشرکوں میں سے نہ ہوجیئے اور جازم (یعنی لا) نے فعل کو مبنی ہونے کی وجہ سے جزم نہیں دیا اور اللہ کے ساتھ کسی غیر کی بندگی نہ کیجئے، بجز اللہ کے کوئی اور معبود نہیں اس کی ذات کے سوا ہر شئ فنا ہونے والی ہے اسی ذات کا فیصلہ نافذ ہونے والا ہے اور قبروں سے زندہ کرنے کے بعد تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہُ: تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ، تلكَ مبتداء موصوف الدار الآخرة بترکیب توصیفی اس کی صفت نَجْعَلُهَا جملہ ہوکر اس کی خبر ہے۔

قِوْلَہُ: لَرَادُّكَ اِلٰی مَعَادٍ معاد سے اکثر مفسرین نے مکہ مراد لیا ہے اور بعض نے مقام محمود مراد لیا ہے۔

قِوْلَہُ: وَلَا یَصُدُّنَّكَ لَا ناہیہ جازمہ ہے اور یَصُدُّنَّكَ فعل مضارع مجزوم اور علامت جزم حذف نون اور واؤ فاعل کاف مفعول بہ اور نون تاکید۔

قِوْلَہُ: عَنْ آیَاتِ اللّٰهِ یہاں مضاف محذوف ہے ای عن تبلیغ آیات اللّٰہ.

قِوْلَہُ: لَمْ یُؤَثِّرِ الجَازِم ولاتکونَنَّ میں لا جازمہ نے لفظوں میں کوئی اثر نہیں کیا اگرچہ محلاً اثر کیا ہے، اثر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تکونَنَّ نون تاکید ثقیلہ کی وجہ سے مبنی ہوگیا ہے۔

قِوْلَہُ: تعبدْ تدْعُ کی تفسیر تعبُدْ سے کرکے خوارج کا رد کیا ہے، خوارج کہتے ہیں کہ طلب خواہ زندہ سے ہو یا مردہ سے شرک ہے، یہ خوارج کا جہل ہے اس لئے کہ مؤثر بالذات سمجھ کر غیر اللہ سے طلب شرک ہے، مگر اسباب کے درجہ میں طلب شرک نہیں ہے۔

تفسیر و تشریح

لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا اس آیت میں دار آخرت کی نجات اور فلاح کو صرف ان لوگوں کے لئے مخصوص فرمایا گیا ہے جو زمین میں علو اور فساد کا ارادہ نہ کریں، "علو" سے مراد تکبر ہے یعنی اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا بنانے بڑا سمجھنے اور دوسروں کو حقیر کرنے کی فکر اور "فساد" سے مراد لوگوں پر ظلم کرنا۔

فَائِدَہ: تکبر جس کی حرمت اور وبال کو اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے وہ وہی ہے جس میں لوگوں پر تفاخر اور ان کی تحقیر مقصود ہو،

ورنہ اپنے لئے اچھے لباس اچھی غذا اچھے مکان کا انتظام جبکہ دوسروں پر تفاخر کے لئے نہ ہو مذموم نہیں، جیسا کہ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں اس کی تصریح ہے۔

معصیت کا پختہ عزم بھی معصیت ہے:

اس آیت میں علو اور فساد کے ارادہ پر دار آخرت سے محروم ہونے کی وعید ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کسی معصیت کا پختہ ارادہ جو عزم مصمم کے درجہ میں ہو، وہ بھی معصیت ہی ہے۔ (کما فی الروح) البتہ پھر اگر وہ خدا کے خوف سے اس ارادہ کو ترک کردے تو گناہ کی جگہ ثواب اس کے اعمال نامہ میں درجہ ہوتا ہے، اور اگر کسی غیر اختیاری سبب سے اس گناہ پر قدرت نہ ہوئی اور عمل نہ کر سکا مگر اپنی کوشش گناہ کے لئے پوری کی تو وہ بھی معصیت اور گناہ میں لکھا جائے گا (کما ذکرہ الغزالی) آخر آیت میں فرمایا وَالعاقبةُ للمتقین اس کا حاصل یہ ہے کہ آخرت کی نجات اور فلاح کے لئے دو چیزوں تکبر و فساد سے اجتناب ضروری ہے، اور تقویٰ یعنی اعمال صالحہ کی پابندی بھی ضروری ہے صرف تکبر اور فساد سے اجتناب کر لینا کافی نہیں بلکہ فرائض وواجبات کا ادا کرنا بھی شرط ہے۔ (معارف)

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ القرآن (الآیة) آخر سورت میں یہ آیت رسول اللہ ﷺ کی تسلی اور اپنے فریضۂ رسالت ونبوت پر پوری طرح قائم رہنے کی تاکید کے لئے ہے۔

شان نزول:

ائمہ تفسیر میں سے مقاتل سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہجرت کے وقت غار ثور سے رات کے وقت نکلے اور مدینہ جانے والے معروف راستہ کو چھوڑ کر غیر معروف راستہ سے سفر کیا کیونکہ دشمن تعاقب میں تھے، جب مقام جحفہ پر پہنچے جو مدینہ طیبہ کے راستہ کی مشہور منزل رابغ کے قریب ہے اور وہاں مکہ سے مدینہ کا معروف راستہ مل جاتا ہے اس وقت مکہ مکرمہ کے راستہ پر نظر پڑی تو آپ ﷺ کو بیت اللہ اور اپنا وطن عزیز یاد آگیا، اسی وقت جبرئیل امین مذکورہ آیت لیکر نازل ہوئے جس میں آپ کو بشارت دی گئی ہے کہ مکہ مکرمہ سے یہ جدائی چند روزہ ہے بالآخر آپ کو پھر مکہ پہنچا دیا جائے گا جو فتح مکہ کی بشارت تھی، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت چونکہ جحفہ میں نازل ہوئی تھی جو کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان میں ہے لہٰذا یہ آیت نہ مکی ہے اور نہ مدنی۔

تم المجلد الرابع بالخیر